

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224159

UNIVERSAL
LIBRARY

مذہبِ کلمہ

ابہتاتہ

ہماری دعوت

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللَّهِ

اسی کر پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہاں اس نسبت کی کلمات کا کلمہ
لیکن یہ صرف ایک دہل ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک مشعل اور ایک ہم راہ ہے اور جس
اس بات کا حتم ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی
اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی سال میں ہمیشہ گئے اور رہیں گے
جو لوگ اس کر پر ایمان لائے ان کے لئے ان کا فرض ہے کہ زندگی اس حمد کے مطابق گزاریں اور اسی پائی
زندگی کو دنیا میں رونق دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا
حمد کرتے ہیں، اسی کی خدمت میں تھے ہیں اور اسی پر مبنی اور بنا جاتے ہیں۔
قَابِلُ الشُّعُوبِ وَالْأَصْنَافِ رَاحِمُ الْفُقَرَاءِ الْغَنِيِّ الْفَقِيرِ الْغَنِيِّ الْفَقِيرِ
مُؤَيَّدُ الْمَسْكِينِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمِينَ
مُؤَيَّدُ الْغَنِيِّ وَالْفَقِيرِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

محمد منظر نعمانی عفا اللہ عنہ

| نمبر شمار | مضامین | مضامین نگار | صفحات |
|-----------|---|--------------------------------|-------|
| ۱ | نگاہ اولیں | عقیق الرحمن بسملی | ۲ |
| ۲ | تبرکاتی دعوت | محمد منظور نعمانی | ۵ |
| ۳ | معارف الحدیث | " | ۱۲ |
| ۴ | شیخ الاسلامؒ | مولانا نسیم احمد فریدی امرتسری | ۲۰ |
| ۵ | کفر مبصر | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | ۳۰ |
| ۶ | سلطان محمود غزنوی کی زندگی کے دو واقعے | سید محبوب رضوی | ۳۵ |
| ۷ | "واقعہ کربلا" - چند غلط فہمیوں کا ازالہ | عقیق الرحمن بسملی | ۳۹ |
| ۸ | تعارف و تبصرہ | ع - س | ۵۴ |

پاکستانی خریدار اپنا چندہ اس پتہ پر بھیجیں :- جناب سکرٹری صاحب ادارہ اصلاح تبلیغ
اسٹریٹین بلڈنگس لاہور ——— اور مئی آرڈر کی پہلی رسید اطلاع ہمارے پاس بھیج دیں۔
تاریخ اشاعت :- رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۵ کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ہر تک بھی کسی صاحب
کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، اگلے مہینے کے رسالہ کے ساتھ یہ رسالہ بھی دوبارہ بھیج دیا جائے گا۔
سرخ نشان اگر اس دائرہ میں سرخ نشان لگا ہو تو مطلب یہ ہو کہ آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے،
براہ کرم نئے سال کے لیے چندہ ارسال فرمائیں، ورنہ اگلا رسالہ بذریعہ دی پنی ارسال کیا
جائے گا۔

نگاہِ اوّلیں

افتتاحِ جلدِ بست و دوم

الحمد للہ کہ آج الفرقان نے اکیسویں منزل سے نکل کر بائیسویں منزل میں قدم رکھ دیا۔ اس شمارہ سے اس کی بائیسویں جلد کا افتتاح ہو رہا ہو، اللہ تعالیٰ اس کو بخیر و عافیت تکمیل تک پہنچائے اور اپنے پسندیدہ دین کی خدمت و اشاعت کا ذریعہ بنائے۔ گزرے ہوئے سال میں اگر اسکے ذریعہ کوئی خدمت انجام پائی ہو تو اس کو قبول فرمائے اور کوئی غلط چیز شائع ہوئی ہو تو اس کو معاف فرما کر ناظرین کے ذہنوں سے اس کا اثر زائل فرمائے!

دَبَّانَا قَبْلَ مِثْلَانَا أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ
التَّوَّابُ الرَّحِيمُ — وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِكَ
مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ —
آمین

طلبِ دُعا

مولانا سید مناظر حسن گیلانی مدظلہم العالی کی ذاتِ گرامی سے شاید ہی الفرقان کا کوئی ناظر ایسا ہو جو واقعہ نہ ہو۔ بڑی مغتنم ذلت ہو۔ ان کا وجود ہندوستانی مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا ایک احسان ہو۔ ناظرین شاید محسوس کر رہے ہوں کہ مسلسل کئی ماہ سے الفرقان کے صفحات ان کے افادات سے خالی جا رہے ہیں، بلکہ ایک مضمون جس کی غالباً ایک قسط باقی تھی، یوں ہی ادھورا رہ گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہو کہ چھ سات ماہ سے مولانا مسلسل علیل ہیں، کچھ شدید قسم کی قلبی شکایات کا عارضہ ہو۔ تین چار ماہ پہلے کے ایک خصوصی ہسپتال میں علاج کرانے کے بعد کافی افادہ ہو گیا تھا، اور امید

کر سکتا! — یہ مستقبل کے حق میں کوئی اچھی علامت نہیں، جس ملک میں انصاف کی کمی ہو، وہاں غلہ کی فراوانی اور ضروریات زندگی کی آسانی قائم نہیں رہ سکتی، اور کوئی انسانی کوشش اسے قائم نہیں رکھ سکتی! — یہی قانون قدرت ہو اور یہی تاریخ کا سبق! اور تاریخ دعوتِ دہی ہو کہ

دیکھ مجھے جو دیدہٴ محبت نگاہ ہو

تاریخ کے جس دور میں بھی جس ملک میں حکومت انصاف کی محافظ رہی، اُس ملک کی زمین نے ذرا سی کوشش سے اپنے خزانے اُگل دیے۔ اور خلقِ خدا کو کُٹائش کے ساتھ رزقِ بلا لیکن بے انصافی کی سر زمین ہمیشہ آفاتِ ارضی و سادی کی آماجگاہ رہی۔ اور دستِ قدرتِ ڈھیل دے دے کر اس کی رسی کھینچا رہا — ہمارے وہ عقلا و اقتدار جو اُسے دنِ قدرت کی ستم ظریفیوں کے ماتمِ کناں اور مظاہرِ قدرت کی شوخیوں کے شکوہ سنج رہتے ہیں۔ ان کو سوچنا چاہیے کہ کبھی یہی قانونِ قدرت تو ہمارے ملک میں عمل نہیں کر رہا ہو؟۔

خریدارانِ الفرقان سے ایک گزارش

رسالہ سے متعلق خطوط میں کتب خانہ سے متعلق کوئی بات نہ لکھیے۔ اس کے لیے منجرِ کتب خانہ کے نام علیحدہ خط لکھیے! ورنہ ممکن ہو کہ کسی ایک بات کی تعمیل ہونے سے رہ جائے یا غیر ضروری تاخیر ہو جائے — رسالہ کی خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیجیے۔

منبرِ الفرقان



قرآنی دعوت

— ۱۲ —

جنت اور دوزخ :-

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے تمام رسولوں اور پیغمبروں نے اور اُس کے نازل کیے ہوئے تمام صحیفوں نے اس حقیقت کو پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہو کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہو اور انسان کا دائمی وطن جنت یا دوزخ ہو۔ اور جنت اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت و رأفت اور فضل و کرم کا انتہائی منظر ہو اور اُس کی ان جلالی صفات کا پورا پورا ظہور ہے وہیں ہوگا۔ اور اسی طرح دوزخ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا انتہائی منظر ہے اور ان جلالی صفات کا پورا پورا ظہور وہیں ہوگا۔

اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے اس بارہ میں جو کچھ انسانوں کو بتلایا بلاشبہ وہ من و عن قہ ہے اور بالکل اسی طرح سامنے آنے والا ہے جس طرح کہ انھوں نے بیان فرمایا ہو اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ جس طرح نادان بچوں کو ڈرانے دھمکانے یا ان میں کسی چیز کا جذبہ اور شوق پیدا کرنے کے لیے اُن کے بڑے بہت سی بے حقیقت باتیں بھی کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح اللہ کے پیغمبروں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں نے جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب کا بیان کیا ہو، بالکل ایسی احمقانہ بات ہو جیسے کہ کوئی کہے کہ ان پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی ہمتی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہو اقامت کے بارہ میں جو کچھ بتلایا ہو وہ بھی بس دُعا دے اور ہلا دے کے لیے ہو ورنہ حقیقت کچھ بھی نہیں ہو۔

مَوْقِفًا

جب وہ اس میں پڑ گئے پیاس کی فریاد

(الکہف ۴۶)

کریں گے تو اس کے جواب میں ان کو پانی

دیا جائے گا (جو اپنی بد صورتی اور

گھونٹنے پر) تیل کی گاد جیسا (ہوگا اور ایسا جلتا کھوٹا ہوگا) کہ بھون ڈالے گا چہرہ
کو۔ کیا ہی برا پانی ہوگا، اور بڑی بری آرام گاہ ہو دوزخ۔

اور سورہ محمد میں دوزخیوں کے متعلق ارشاد ہے کہ:-

وَسَقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ

ان کے پینے کو دیا جائے گا کھوٹا پانی

امعاء حمہ

پس وہ ٹکڑے ٹکڑے کرنے لگا ان کی

انٹریوں کو۔

(محمد ۶۶)

اور سورہ مومن میں ارشاد ہو:-

الَّذِينَ كَذَّبُوا بآيَاتِنَا

جن لوگوں نے جھٹلایا ہمارے کتاب کو اور

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْهُمْ نَذِيرًا

ہمارے ان احکام کو جن کو لیکر ہم نے اپنے

إِذَا الْغُلَّالُ فِي أَعْنَابِهِمْ

رسول بھیجے، ان کو عن قریب (قتیبہ) معلوم

وَالسَّلَاسِلُ يُصَعَّبُونَ

ہو جائے گا جب طوق ان کی گردنوں

فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي الْمَنَارِ

میں ہوں گے، اور زنجیروں ان طوتوں

يُنَجَّرُونَ

میں جکڑی ہوں گی جن سے وہ گھسیٹے

(المومن ۸۶)

جائیں گے، کھولتے پانی میں لے جائے

جائیں گے، پھر دہشتی آگ میں بھونک دیے جائیں گے۔

اور سورہ الحج میں ارشاد ہے:-

فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے

لَهُمْ شِيَابٌ مِنْ نَارٍ يَصْبَتُونَ

کپڑے کترے جلا دیں گے اور ان کے سر کے

مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ

اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جائے گا، اُس

يَصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ

سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر کی

وَالْجُلُودُ ۚ وَلَهُمْ مَقَامِعٌ مِنْ
خَدِيدٍ ۚ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ
يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا
فِيهَا وَذُرَّتْ لَهُمْ أَعْدَابُ الْخَوِثِ
(سج ۲۷)

ہر چیز پر بھی سب جہاں کی اور ان کی
ٹھکانی پٹائی کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے،
دہاں کی ٹھکیں اور سختی کی وجہ سے وہ جب
اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر اسی میں
ڈھکیں دیے جا دیں گے اور کہا جائے گا
کہ ہمیں جلنے کا عذاب پہنچتے رہو۔

اور سورہ دخان میں ”نزدوم“ کو دوزخیوں کی خودکام بتلاتے ہوئے اس کی ہیئت اور کیفیت اس
طرح بیان کی گئی ہے۔

إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقْوِمِ طَعَامٌ
الْأَثِيمِ ۚ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ
كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ۚ خَذُوا مَا عَمِلْتُمْ
إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۚ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ
رَأْسِهِمْ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ۚ
(الدخان ۴۲)

بے شک زقوم کا درخت بڑے پاپوں
(کافروں مشرکوں) کا کھانا ہوگا جو اپنی
بد صورتی اور گھٹنے پر پیس میں تیل کی تلچٹ
کی طرح ہوگا اور وہ پیٹوں میں جا کر ایسے
کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھوتا ہے، اور
فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے

ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ، پھر اس کے سر پر نہایت تکلیف دینے والا جلتا ہوا پانی
پھوڑ دو۔

اور سورہ ابراہیم میں جہنم میں جانے والے سرکش مجرموں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَيُنْفِقُ مِنْ مَّا وَصَلَهُمْ
يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسَبِّغُهُ
وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ
وَمَا هُوَ بِمَيِّتٌ ۚ وَمِنْ دَرَائِهِ
عَذَابٌ غَلِيظٌ ۚ (ابراہیم ۱۷)

اور پیسے کو دیا جائے گا ایسا پانی جو وہ اہل
(جہنمیوں کا) ہوسپ ہوگا جس کو وہ گھونٹ
گھونٹ کر کے پیے گا اور گلے سے اس کو آسانی
سے نہ اتار سکے گا، اور ہر طرف سے اُس پر
موت کی دیرش ہوگی اور وہ (کھینچی کا مارا)

مرے گا بھی نہیں، اور اُس کو سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔

اور سورہ فاطر میں ارشاد ہے :-

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ جَهَنَّمَ
لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا
يُخَفَّفَ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ
كَذَٰلِكَ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِبُوا
أَيْدِيَهُمْ وَأَنْ يَسْتَغْفِرُوا لَهُمْ
لَا تَزَالُ تَطَايَعُ لَهُمْ رُسُلُكُمْ
قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَزَالُ
تَقُولُ مِثْلَ مَا قُلْتُمْ وَلَٰكِنْ
يَكْفُرُوا بِهِمْ مُنْذَرْتُمْ بِهِمْ
الَّذِينَ يُظِلُّونَ فِي ظُلُمٍ لَّهِ
مِنْ نَّصِيرٍ

(الفاطر ۴۶)

اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان کے
لیے دوزخ کی آگ ہو، نہ تو ان کی نقسا ہی
آوے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا
عذاب ہی اُن سے ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ہر
کافر کو ایسی سزا دیتے ہیں، اور وہ اس میں
پڑے چلا میں گے کہ لے لے ہمارے پروردگار ہم
کو اس دوزخ سے بھولے ہم اچھے کام کریں
گے بظلمات اس کے جو (اپنی شامت سے)
پہلے کرتے تھے، ان کی اس چغ پچھار کا جواب
ملے گا کہ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی
کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا، اور تمہارے

پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا۔ پس اب مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اور سورہ زخرف میں فرمایا :-

إِنَّ الْمُبْجُرِّينَ فِي عَذَابٍ
جَهَنَّمَ خَالِدُونَ . لَا يُفْتَرِحُونَ
وَهُمْ فِيهِ مُبْتَلِسُونَ . وَمَا ظَنُّهُمْ
وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ

(الزخرف ۷۶)

یقین رکھو کہ مجرمین (جنہوں نے کفر یا شرک کا
جہم کیا) ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے،
ان کا عذاب ہلکا بھی نہیں کیا جائے گا،
اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور
یہ ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا، لیکن یہ خود ہی

ظالم ہیں (اور یہ ان کی ظالمانہ اور مجرمانہ سوکتوں ہی کی سزا ہو)

جنت :-

اب چند آیتیں جنت اور اس کی راحتوں اور لذتوں کے بیان سے متعلق بھی پڑھ لیجئے !

سورہ آل عمران میں ارشاد ہے :-

لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ
فِيهَا وَازْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ
مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ مُبْصِرٌ بِالْعِبَادِ
(آل عمران ۲۶)

ان بندوں کے لیے جنہوں نے پرہیزگاری
اختیار کی ان کے پروردگار کے پاؤں وہ جنت
(یعنی ایسے باغات) ہیں جن کے نیچے نہریں
جاری ہیں وہ ان ہی میں رہیں گے اور
پاک تھری پیدیاں ہیں اور اللہ کی رضامندی
ہے اور اللہ اپنے سب بندوں کو خوب دیکھنے والا ہو (کسی کا حال اس سے چھپا نہیں ہو)

اور سورہ محمد میں ارشاد ہے :-

مِثْلُ الْجَنَّةِ الَّتِي رُوعِلَ الْمُتَّقُونَ
فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ
وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ
وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ
فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ
مِّن رَّبِّهِمْ
(محمد ۲۶)

وہ جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا
ہو اس کا حال یہ ہو کہ اس میں بہت سی نہریں
ہیں پانی کی جس میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت
سی نہریں دو دھ کی ہیں جس کا ذائقہ ذرا
بدلانہ ہوگا اور بہت سی نہریں ہیں حلال اور
پاک شراب کی جس میں بڑی لذت ہو پینے والوں
کے لئے اور بہت سی نہریں ہیں صاف کیے ہوئے شہد کی اور ان کے واسطے اس جنت میں سب
طرح کے پھل ہیں اور بخشش ہے ان کے پروردگار کی۔

اور سورہ الحج میں ارشاد ہے :-

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ
أَدْخُلُوها بِسَلَامٍ أَمِينٍ وَفَرِحْنَا
مَافِي صَلَواتِهِمْ مِنْ غُلٍّ إِخْوَانًا
عَلَى سُرُرٍ مَّبْثُورِينَ لَا يَمَسُّهُمْ
فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا
بِمُنْزَحِينَ
(الحج ۳۶)

یقین کرو کہ اللہ کے پرہیزگار بندے بہشت کے
کے باغوں اور چشموں میں ہوں گے (ان کے
لیے فرمان ہوگا) کہ سلامتی اور امن کے ساتھ
دہاری تیار کی ہوئی) اس بہشت کے اندر
آجائے اور ان کے دلوں میں (دو نبوی زندگی
کے اختلافات کے اثر سے) جو کینہ ہوگا ہمیں

کی نعمتوں میں سے ہے (جس کا شکر واجب ہے) (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دولتِ مندی اور المانداری اگر تقویٰ کے ساتھ ہو یعنی اللہ کا خوف، آخرت کی فکر اور احکامِ شریعت کی پابندی نصیب ہو تو اس میں دین کے لیے کوئی خطرہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے تو اس صورت میں یہی مال و دولت دین کی بڑی سے بڑی برکتوں اور جنت کے اعلیٰ درجوں تک پہنچنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب و امتیازات میں کافی حصہ ان کے اس مال و دولت ہی کا ہو جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے دریغ اور بے حساب خرچ کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی مومنوں پر ان کے حق میں بڑی بڑی بشارتیں سنائیں تھیں۔۔۔۔۔۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ دولتِ مندی کے ساتھ تقویٰ، یعنی خدا ترسی اور فکرِ آخرت اور اتباعِ شریعت کی توفیق کم ہی لوگوں کو ملتی ہے، ورنہ دولت کے نشہ میں اکثر لوگ بہک ہی جاتے ہیں۔

چوں بد دلت بر کسی مست نگر دی مردی

(۵۹) عَنْ سَعْدِ بْنِ قَالٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ

اللَّهُ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ (رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اس متقی دولت مند بندہ سے جو (فقراء اور دولت مندی کے باوجود) نامعروت اور بچپا (مسلم)

(تشریح) ”پھپھا ہوا“ ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ لوگ اس کی اس خاص حالت کو عام طور سے جانتے سمجھتے ہوں کہ دولت مند اور صاحبِ ثروت ہونے کے ساتھ تقویٰ میں بھی اس بندہ خدا کا خاص مقام ہے، جس بندہ میں یہ تینوں چیزیں جمع ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام حاصل ہے۔

(٤٠) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا إِسْتَعْفَا عَنْ الْمُسْئَلَةِ وَسَعَى

عَلَىٰ أَهْلِهِ وَتَعَطَّفًا عَلَيَّ حَارَهُ لَقِيَ اللَّهَ تَعَالَىٰ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

وَوَجْهٌ مِثْلُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ اللَّهَ نِيًّا حَلَالًا

مُكَامًا مَّفَاحِرًا مُدَائِيًّا لِقَى اللّٰهَ تَعَالٰی وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَان

(درادہ البقی فی شعب الایمان والنعیم فی الحلیۃ)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا کی دولت بطریق حلال اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے تاکہ اس کو دوسروں سے سوال کرنا نہ پڑے، اور اپنے اہل و عیال کے لیے روزی اور آرام و آسائش کا سامان مہیا کر سکے، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی وہ احسان اور سلوک کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور میں اس شان کے ساتھ حاضر ہوگا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہوگا۔ اور جو شخص دنیا کی دولت حلال ہی ذریعہ سے اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت بڑا مالدار ہو جائے اور اس دولت مندی کی وجہ سے وہ دوسروں کے مقابلہ میں اپنی شان اونچی دکھا سکے اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنے کے لیے داد و دہش کر سکے تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس حال میں حاضر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہوگا۔

(شعب الایمان للبیہقی وحلیۃ ابنی نعیم)

(تفسیر کج) معلوم ہوا کہ اچھی نیت سے اور نیک مقصد کے لیے دنیا کی دولت حلال ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا، نہ صرف یہ کہ جائز اور مباح ہو بلکہ وہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص انخاص فضل و کرم ہوگا جس کے نتیجہ میں اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور نور ہوگا، لیکن اگر دولت کمانے سے غرض صرف بڑا دولت مند بننا اور دنیا کی بڑائی حاصل کرنا اور لوگوں کے دکھاوے کے لیے بڑے بڑے کام کرنا ہو تو یہ دولت کمانا اگرچہ حلال ہی طریقہ سے ہو تب بھی یہ ایسا گناہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا، اور اگر ناجائز اور حرام طریقوں سے ہو تب تو سخت ترین وبال ہے۔

(۶۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
إِذَا رَأَيْتَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ عَلَى مَعَاصِيهِ مَا يَعْجَبُ
فَاعْلَاهُ اسْتَيْدَ رَاجِحٌ ثُمَّ تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کہ دور کر دیں گے (جس کے بعد وہ) بھائی بھائی ہو کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے، کسی قسم کی کوئی تکلیف دہاں ان کو نہ پہنچے گی اور نہ کبھی وہ جنت سے نکالے جائیں گے۔
اور سورہ یس میں ارشاد ہے:-

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ
فِي شَعْلٍ خَالِقُونَ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ
فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرْدَائِكِ
مُتَّكِئُونَ لَهُمْ فِيهَا أَنْهَارٌ
وَلَهُمْ مَا يَشَاءُونَ
وَسَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ حَمِيمٍ
(یس ۴۶)

اہل جنت اس دن اپنے شعلوں میں خوش ہوں گے، وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے ان کے لیے دہاں طرح طرح کے میوے ہوں گے۔ اور جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا۔ رحمت و کرم والے پروردگار کی طرف سے دہاں ان کو "سلام" فرمایا جائے گا۔

اور سورہ زمرت میں ارشاد ہے:-

يُعْبَادُونَكَ لَا يَخَافُونَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ
وَلَا أَنْتُمْ تَخْذَعُونَ الَّذِينَ
آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ
أَدْخَلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَآزْوَاجُكُمْ
تَجْتَنَّبُونَ وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ
بِصَحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَ أَكْوَابٍ
وَفِيهَا مَا شَتَّاهُمُ الْإِنْسُ وَ
ثَلَّةُ الْأَعْيُنِ وَ أَخْصَمُ فِيهَا
خَالِدُونَ
(الزمر ۷۶)

مے میرے بند و آج تم کو کوئی خوف نہیں اور اب تمہیں کوئی رنج و غم نہ ہوگا۔ یعنی وہ بندے جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور ہماری فرمانبرداری کرتے تھے۔ ان کے لیے فرمان ہوگا تم اور تمہاری بیویاں خوش بخوش جنت میں داخل ہو جاؤ اور سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں میں کھانے پینے کی چیزیں ان کے پاس لائی جائیں گی اور وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو ان کے حسی چاہیں گے اور جس سے انکھوں کو لذت حاصل ہوگی

اور مے بند و تم ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو گے۔

اور سورہ فاطر میں ہے کہ جنتی جنت میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں کی بے پایاں بارش اپنے

| | | |
|--|--|--|
| قصص امیر آں از مولانا حفیظ الرحمن سیوہڑوی چار جلدیں قیمت مکمل (۱۰ روپے) | لغات امیر آں از مولانا عبد الرشید لغمانی چار جلدیں قیمت (۱۰ روپے) | ترجمان السنہ از مولانا بدر عالم میسرہ دو جلدیں قیمت (۱۰ روپے) |
| اسلام کا نظام مساجد از مولانا ظفیر الدین قیمت (۵ روپے) | اسلام کا نظام عفت و عصمت از مولانا ظفیر الدین قیمت (۵ روپے) | تاریخ مشائخ پشت از پروفیسر خلیق احمد نظامی قیمت (۵ روپے) |
| حیات شیخ عبدالحق دہلوی از پروفیسر خلیق احمد نظامی قیمت (۵ روپے) | سیرت سید احمد شہید از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قیمت (۵ روپے) | زاد سحر از امۃ الشریعہ صاحبہ جلد اول سے جلد دوم زیر طبع |
| تاریخ الاسلام از مولانا فرید الوحیدی مکمل عربی و فارسی خلافت راشدہ خلافت راشدہ دوم ۱۲ | جامع المجددین از مولانا عبد الباری ندوی قیمت مجلد صر | تصوف و سلوک از مولانا عبد الباری ندوی قیمت مجلد صر |
| تجدید تعلیم و تبلیغ از مولانا عبد الباری ندوی قیمت مجلد سے | مکاتیب مولانا الیاس از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قیمت مجلد سے | شرق و وسطیں کیا دکھیا از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قیمت مجلد سے |
| ملنے کا پتہ مکتب خانہ انفتار لکھنؤ گورنمنٹ روڈ، لکھنؤ | | |

معارف الحدیث

مسل

(۵۸) عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا فِي مَجْلِسٍ فَطَلَعَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى رَأْسِهِ أَثَرُ مَاءٍ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَرَأَوْكَ طَيِّبَ النَّفْسِ قَالَ أَجَلٌ قَالَ ثُمَّ خَاضَ الْعَوْمُ فِي ذِكْرِ الْغِنَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ بِالْغِنَى وَلَئِنْ أَتَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَالصِّحَّةَ لَئِنْ أَتَى حَيْرٌ مِنَ الْغِنَى وَطَيِّبَ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيمِ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت ہو کہ ہم چند آدمی ایک مجلس میں بیٹھے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں ہمارے پاس تشریف لے آئے اور آپ کے سر مبارک پر اس وقت پانی کا اثر تھا (یعنی معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے بھی غسل فرمایا ہے) تو ہم میں سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت حضور کا مزاج بہت اچھا اور دل بہت خوش ہے؛ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں! (اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہے) پھر اہل مجلس دولت مندی اور دنیوی خوشحالی کا کچھ تذکرہ کرنے لگے (کہ وہ اچھی چیز ہو یا بُری) اور دین اور آخرت کے لیے مضر ہو یا مفید (تو آپ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے (اور اس کے احکام کی پابندی کرے) اس کے لیے العاری میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں اور صحت مندی صاحب تقویٰ کے لیے دولت مندی سے بھی بہتر ہے اور خوش دلی بھی اللہ تعالیٰ

”فَلَمَّا سَأَلُوهُ أَمَّا ذِكْرُ وَاجِبِهِمْ فَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرَجُوا
بِمَا أَرْزَوْا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ

(نور احمد)

(ترجمہ) عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اس کی مصیبت کو شے اور نافرمانی کے باوجود دنیا کی وہ نعمتیں (مال و دولت اور راحت و عزت وغیرہ) دے رہا ہو جن کا وہ بندہ خواہاں اور طالب ہے، تو سمجھ لو کہ وہ اس کے حق میں استدرراج ہے۔ یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور استشاد کے) قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی ”فَلَمَّا سَأَلُوهُ أَمَّا ذِكْرُ وَاجِبِهِمْ“ (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ — جب انھوں نے بھلا دیا ان باتوں کو جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، تو ہم نے کھول دیے ان پر دنیا کی سب نعمتوں کے دروازے یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں کے ملنے پر خوب مست ہوئے اور اتملے تو ہم نے ایک دم ان کو اپنی سخت کپڑ میں لے لیا، پس وہ حیران و ششدر اور آئندہ کے لیے بالکل ناامید ہو کر رہ گئے۔

(مسند امام احمد)

(تشریح) اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جو قوانین چل رہے ہیں جن کے مطابق افراد یا اقوام کے ساتھ اللہ تعالیٰ معاملہ فرماتا ہو ان میں سے ایک استدرراج بھی ہو، جس کا مطلب یہ ہو کہ جب اللہ کا کوئی مجرم اور باغی بندہ یا اگر وہ مصیبت کو شے اور سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا ہو اور آخرت اور خدا کے احکام سے بالکل بے پروا اور بے فکر ہو کر زندگی گزارنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہو کر کبھی کبھی ایسا بھی کرتا ہو کہ اس کی برسی اور دراز کر دی جاتی ہے اور کچھ مدت کے لیے نعمتوں کے دروازے اس پر کھول دیے جاتے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ اطمینان اور سرکشی کے ساتھ اس حسدِ فراشی اور سرکشی میں آگے بڑھتا رہے اور پھر بڑی سے بڑی سزا پائے۔ دین کی خاص زبان میں اللہ تعالیٰ کے اس معاملہ کو استدرراج کہا جاتا ہے۔ پس مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب کسی بندہ یا اگر وہ کو تم اس حال میں دیکھو کہ وہ خدا اور آخرت کو بالکل بھلا کر مجرمانہ اور باغیانہ زندگی گزار رہے ہیں اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو انواع و اقسام کی نعمتیں مل رہی ہیں اور وہ دنیا کے منہ لٹ رہے ہیں تو کسی کو یہ معاملہ نہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو کر

اپنی نعمتیں ان پر انڈیں رہا ہو، بلکہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی رسی دراز کر رہا ہے اور ان کا آخری انجام بہت بُرا ہونے والا ہے۔

(۶۲) سَنَ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغِيْطَنَّ فَإِجْرَانِيْعَمَةٍ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا هُوَ لَا تِيْ بَعْدَ مَوْتِهِ إِنَّ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ قَاتِلًا لَا يَمُوتُ يَعْنِي الْمَنَارَ،

(رداء فی شرح السنہ)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کسی بدکار (کافر یا فاسق) پر کسی نعمت اور خوشحالی کی وجہ سے کبھی ہرگز رشک نہ کرنا، تم کو معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اس پر کیا کیا مصیبتیں پڑنے والی ہیں، اللہ کے یہاں (یعنی آخرت میں) اس کے لیے ایک ایسا قاتل ہو جس کو کبھی موت نہیں۔ (اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرنے والے راوی عبداللہ بن ابی مریم) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب اس ”قاتل“ سے دوزخ کی آگ ہو (یعنی وہ بچا رہا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہنے والا ہے، پس ایسے شخص پر رشک کرنا کتنی بڑی حماقت اور گمراہی ہو)۔

(شرح السنہ)

(تشریح) بااوقات ایسا ہوتا ہو کہ اللہ کا ایک مومن اور نیکو کار بندہ جو اس چند روزہ حقانی دنیا میں تسکین اور تکلیف کی زندگی بسر کر رہا ہے، جب وہ کسی بدکار اور خدا سے قطع نہ رکھنے والے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ ٹھاٹھ کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہے تو شیطان اس کے دل میں طرح طرح کے دوسے ڈالتا ہے اور کم سے کم یہ کہ دل میں اس کی حالت پر رشک ہی پیدا ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بڑی ناشکری ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے محروم ہیں اور خدا فراموشی اور بد اعمالی کی وجہ سے آخرت کی دوا می زندگی میں عذاب نار میں گرفتار ہونے والے ہیں، اس دنیا میں ان کی چند روزہ خوش حالی اور عیش و راحت کو دیکھ کر ہرگز کسی صاحب ایمان کو ان پر رشک بھی نہ آنا چاہیے، ان بچاڑوں، کمبختی کے باروں کا جو آخری انجام ہونے والا ہو اور ان پر جو پتہ پڑنے والی ہے اگر وہ معلوم ہو جائے تو ان کی اس خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل ایسی نظر آئے گی جیسے کہ پھانسی پانے والے مجرم کو دو چار دن پہلے سے خاص

سوتیں دی جاتی ہیں اور کھانے پینے کے بارہ میں ان کی خواہش اور چاہت مسلم کے حتیٰ الوسع اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت کے اُن حقائق کا یقین نصیب فرمایا ہو جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، ان کی نظر میں خدا کے مجرموں اور باغیوں کی دنیوی خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل سہی ہو، اس لیے ان کے دلوں میں ان کو دیکھ کر شک نہیں پیدا ہوتا بلکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو ایمان نصیب فرما کر ان بیچاروں کے بُرے حال اور بُرے انجام سے بچالیا ہے،

اس عاجز نے اللہ کے بعض بندوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ خدا فراموش اہل دنیا کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کی یہ دعا جاری ہو جاتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر پُھا کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَاثَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاہُ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ
عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ خَلْقٍ تَفْضِیْلًا

ملہ (ترجمہ) ساری حمد و ثناء اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے اس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں اے نبیؐ تو مبتلا کیا گیا ہے، اور اس نے مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر برتری عطا فرمائی۔ ۱۱

شیخ الہ داد دہلویؒ

(از مولانا نسیم احمد فریدی امر دہی)

سید کمال نسیم اسماعیلیؒ یہ ہیں لکھتے ہیں۔

شیخ الہ دادؒ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے اکابر اصحاب میں سے تھے۔ تہذیب اخلاق، تصفیہ باطن اور دوام حضورؐ کی وجہ سے درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

میرے شیخ (حضرت خواجہ خرو) نے فرمایا ہے۔۔۔ کہ شیخ الہ دادؒ کی تعریف ان کی کرامات و خوارق کے لحاظ سے نہیں کرنی چاہیے درحقیقت کرامات و خوارق کو ان کی ذات سے عظمت حاصل ہوئی ہے۔

میرے شیخ نے فرمایا کہ خواجہ ابراہیم (خواجہ حسام الدین دہلوی) فرماتے تھے کہ شروع شروع جب میں نے شیخ الہ دادؒ کو غایت صلاح و سلامت اور انتہائی تہذیب صفات و استقامت کے ساتھ مزین دیکھا تو میں نے اپنے دل میں کہا تھا کہ انہما کہال اولیا یہی ہے لیکن اس کے بعد خواجہ کی برکت و محبت کی وجہ سے ان کا مرتبہ اس سے کہیں اونچا دیکھا۔

میرے شیخ نے فرمایا۔۔۔ کہ حضرت خواجہ باقی باللہ شیخ الہ دادؒ کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ وہ ”غایت لطافت کی وجہ سے فرشتہ صفت ہیں۔۔۔ نیز خواجہ ابراہیم نے شاہجاں بادشاہ کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ بنظاہر اس عالم میں ہیں لیکن ان کے حالات عالم دیگر سے مناسبت رکھتے ہیں۔

میرے شیخ نے فرمایا۔۔۔ کہ میں ایک روز شیخ الہ دادؒ کے پاس بیٹھا تھا۔ ان کے دل سے اللہ اللہ کا ذکر اپنے کانوں سے بخوبی سن رہا تھا۔

میرے شیخ نے فرمایا۔۔۔ کہ حضرت خواجہ نے۔۔۔ (آخر میں) جامعہ مریدین کے حالات

دریافت کرنے کے لئے شیخ الہدائد کو مقرر کر دیا تھا وہ تحقیق کر کے سب حالات حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچاتے تھے، اُن کو صاحب طلقہ بنا دیا تھا۔

میرے پیر و مرشد نے فرمایا:۔۔۔ کہ حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ الہدائد نے جلاں معشی رسالہ قدسیہ سے علم تصوف حاصل کیا تھا لیکن عملی طور پر اس علم کی اُن کو تحقیق نہ تھی تحقیق بعد کو ہوئی) پیر و مرشد نے ایک مرتبہ فرمایا کہ:۔۔۔ اے شیخ الہدائد کائنات وفات ہے۔۔۔ وفات سے ڈو ماہ بیشتر انھوں نے مجھے طلب فرمایا۔ بڑے لطف و کرم سے بیٹھ آئے اور یوں فرمایا کہ جو کچھ خواجہ بزرگ سے ہمیں ملے ہے تم کو دیتے ہیں اور جو کچھ شیخ جلد نقادرجیلانی اور شاخ جشتیہ کی نسبت ہم کو حاصل ہے وہ تم ہماری طرف منتقل کرتے ہیں۔ فقیر (خواجہ خرد) نے تواضع کے ساتھ ان کی اس بخشش کو قبول کیا۔۔۔ اسی موقع پر پیر و مرشد نے یہ بھی فرمایا کہ یہ فقیر شیخی و مولائی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ اور شیخ الہدائدؒ کی عنایات کو ایک سمجھتا ہے اور ان حضرات کی عنایات کے ساتھ میں نے اپنے لئے اور اپنے احباب کے لئے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔

فرمایا کہ:۔۔۔ خواجہ حسام الدین بھی میرے حال پر کرم فرمایا کرتے تھے۔۔۔ الحمد للہ نعم الحمد للہ۔۔۔ مجھے ایسے ایسے بزرگوں کی صحبت حاصل ہوئی۔۔۔ اجازت نامہ جو شیخ الہدائدؒ نے مجھے عطا فرمایا ہے اس کو میں اپنے لئے ذریعہ نجات تصور کرتا ہوں۔۔۔ وہ اجازت نامہ یہ ہے:-

”بسم اللہ الرحمن۔۔۔ والصلوٰۃ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحابہ آمین۔۔۔ ابا بعد۔۔۔ تمام انھوں نے طریقت کو معلوم ہو کہ فقیر الہدائد کو حضرت خواجہ باقی باللہ سے جو کچھ پہنچا ہے اس کو میں عاجز و اذوار خواجہ محمد عبد اللہ (خواجہ خرد) کو دیتا ہوں اور اُن کو اپنا خلیفہ بنانا ہوں اور اجازت و قیام ہوں کہ میرے بعد جو کوئی بیعت کی غرض سے با تعلیم طریقت حاصل کرنے کے لئے اُن کے پاس آئے اس کی درخواست قبول کر لیں اور شجرہ اُس کو دیدیں..... میں فرزند عزیز کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد میرے لڑکوں سے اور اُن لوگوں سے جو مجھ سے قربت کا تعلق رکھتے ہیں۔ جتنی امکان محبت و رعایت کے ساتھ پیش آئیں۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ فرزند عزیز کو احکام فروع و آداب طریقت اور اطوار حقیقت پر مستقیم رکھے۔۔۔۔۔ بحمد اللہ العزیز صلی اللہ علیہ وسلم
تحریر شد بتاریخ ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ

شیخ جلد لختی محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ میں الہداد زوہرہ اور حضور میں مشی آب رواں ہیں رکنا جانتے ہی نہیں۔ اور اس صفت میں وہ منفرد و ممتاز ہیں۔ خواجہ حسام الدین احمد کو ایک مرتبہ حج بیت اللہ کا شوق پیدا ہوا اور اپنے ارادہ کو شیخ الہداد پر ظاہر کیا۔ شیخ کو خواب میں یہ آیت نظر آئی وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًا اور اس خواب کا ذکر خواجہ حسام الدین احمد سے کر دیا۔ خواجہ ابراہیم اس کے بعد اگر وہ پہنچے، دو سال تک وہاں رہے اور ہر چند کوشش کی کہ سفر حج میں کامیاب ہو جائیں کوئی صورت بن نہ پڑی۔

میں (سید کمال سنہلی) اپنے شیخ کے ہمراہ بارہا شیخ الہداد کی خدمت میں گیا ہوں اور ان کے دیدار سے مشرف ہوا ہوں۔ وہ میرے حال پر بڑا کرم فرماتے تھے۔ ۲۳ شعبان ۱۰۵۱ھ کو شیخ الہداد کی وفات ہوئی۔ ان کی قبر خواجہ بزرگ کے مزار کے چبوترہ پر ہے، ان کا ادب و تاریخ و حال میرے شیخ خواجہ خرّم نے شیخ فانی نکالا۔ میں نے سنہل میں یہی مادہ نکالا گو یا تو ارد ہو گیا میں نے یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا۔

| | |
|---------------------------|-------------------------|
| جنید وقت طیفور زما فی | فرید عصر قطب الدین ثانی |
| جناب شیخ اللہ داد کو بود | برینمائے ہدایت میر باقی |
| مہ شعبان روز بست و سوئم | شد از دنیا ملک جاودانی |
| درینا بیچ کس از رفتن او | بجز رضوان نکرده خادمانی |
| بجو بدسیدم ندل تاریخ فتنش | دل از غیب گفتا شیخ فانی |

۱۰۵۱ھ

شیخ الہداد کی زوجہ کو کچھ دماغی فتور ہو گیا تھا، وہ شیخ کو تنگ کرتی تھیں اور یہ تحمل کرتے تھے۔ وہ بی بی سلیمانہ میں دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ میں اس زمانہ میں اپنے پیرو مرشد کے پاس دہلی میں مقیم تھا میں نے ان کی زوجہ کی وفات پر یہ مصرع تاریخ کیا۔

فانیہ رفت زں جہاں بچناں

سب نے پسند کیا۔ (ماخوذ از اسرارِ قلی)

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں شیخ الہداد کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

شیخ الہمداد حضرت خواجہ کے مخصوص اعازت یافتہ حضرات میں سے ہیں۔ جس وقت حضرت خواجہ لاہور میں تھے اور انہر نہیں گئے تھے اُس وقت شیخ الہمداد ان کی خدمت میں پہنچ گئے تھے، ان کی نظر عنایت سے مستفیض ہوئے تھے اور تعلیم طریقہ اور مراقبہ حاصل کیا تھا۔ لیکن سفر اور انہر میں کسی مانع کی بنا پر حضرت دالا کی رفاقت میسر نہیں ہوئی تھی۔ جس قدر غلصہ میں اُس وقت تک لاہور میں موجود تھے حضرت خواجہ سب کو شیخ الہمداد کی صحبت ملازمت کا مشورہ دے کر تشریف لے گئے تھے۔ جیسا کہ حضرت خواجہ کی اس تحریر سے جو انہوں نے اپنے ایک مخلص کے نام بھیجی ہے آشکارا ہوتا ہے۔

ان دنوں سیر ولایت رما اور انہر کا داعیہ فوری ہو گیا ہے، چند روز کے بعد اُس طرف متوجہ ہو جاؤں گا۔ شیخ الہمداد کی صحبت کو میری عدم موجودگی میں اختیار کرنا۔ جس کسی کو ان کی صحبت و ملازمت میسر ہو جائے قیمت ہے۔ خدا کی قسم میں یہ بات تکلف سے نہیں کہتا ہوں۔ حضرت خواجہ سے شیخ الہمداد نے بعض دقائق و حقائق کے تحریر کرنے کی درخواست کی تھی چنانچہ سفر اور انہر میں راستے سے حضرت خواجہ نے یہ مکتوب شیخ الہمداد کو ارسال فرمایا۔

برادر ارشد شیخ الہمداد۔ اپنے دعا گو کی اپنی توجہ سے امداد کرتے رہیں۔ اس عالم پریشانی اور بے استقامتی میں بے حیائی کی بات ہے کہ سخن تعوت در میان میں لاؤں اور دقائق طریق کو بنلاؤں۔ مرث ایک وصیت پر اکتفا کرتا ہوں، تم اس وصیت پر کار بند رہنا۔ وہ یہ ہے کہ تم ہماری طرح گو چہ گرد اور بیا باں بیجا نہ بننا۔ اپنے کو اپنی نسبت ہر ثنات و برقرار رکھنا اور اس نسبت کو عجز رکھنا یہ نسبت کبریتِ احر سے بھی زیادہ نایاب چیز ہے۔

جب حضرت خواجہ سفر اور انہر سے واپس ہوئے تو شیخ الہمداد نے کمال عقیدت و شکستگی حضرت خواجہ کی خدمت اقدس میں رہنا فریض کر دیا۔ مسافروں اور زائروں کے کھانے کا انتظام اور خانقاہ کی خدمت گاری ان ہی کے سپرد ہوئی، پھر کمال یہ کہ اس ذمہ داری کی خدمت پر رہتے ہوئے کار اذکار اور احوال باطن سے کبھی غفلت نہیں برتی۔ اپنے پیر و مرشد کی برکت توجہ سے ادب و پنہا مقام حاصل کیا صاحبِ زہدہ المقالات آخر میں لکھتے ہیں شیخ الہمداد خوبان روزگار اور اربابِ فنا و انکسار میں سے ہیں۔ ان کو کسی کی فیبت اور عیب جوئی سے کوئی واسطہ نہیں، اپنے کام سے کام ہے۔

اپنے پیرو و مرشد کے مزارِ چرغاوار کے احاطہ میں رہتے ہیں۔ جب کوئی شخص خواجہ حسام الدین احمد کے پاس طالبِ بیعت ہو کر آتا ہے تو وہ اس کو شیخ الہ داد کے پاس بھیج دیتے ہیں، خواجہ حسام الدین احمد اور شیخ الہ داد کے درمیان بہت محبت ہے۔

شیخ الہ داد کا وطن | صاحبِ تذکرۃ الکرام نے شیخ الہ داد کا وطن امر وہہ قرار دیا ہے، نیز مشاہیرِ داکا ہر امر وہہ میں ان کو شمار کر کے ان کا مختصر سا ذکر بھی کیا ہے علاوہ ازیں انھوں نے شیخ کا مدفن بھی امر وہہ میں بتلایا ہے، امر وہہ سے دہلی نسبت کے ثبوت میں انھوں نے طبقاتِ شہا سہجانی کی حسب ذیل عبارت پیش کی ہے۔

”میاں شیخ الہ داد انبروی دہلی و امر وہی سلسلہ از کبار اصحابِ خواجہ زمرہ دلاں خواجہ محمد باقی نقشبندی

اولیٰ است قدس سرہ“ الخ

ممکن ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا مولد اور وطن امر وہہ ہو بلکہ دہلی سکونت اختیار کر لی ہو۔ مولانا یحیٰ سید عبدالحی صاحبِ لکھنؤی نے نزہۃ الخواطر میں شیخ کو دہلوی لکھا ہے اور ان کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔

”شیخ العالم الصالح الہداد الخفی النقشبندی الدہلوی الخ

البتہ یہ بالکل صحیح نہیں ہے کہ ان کا مدفن امر وہہ ہے، اسرارِ یہ اور نزہۃ الخواطر میں تصریح ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے جوار میں دفن ہوئے تھے تذکرہ علمائے ہند مولفہ مولوی رحمن علی مرحوم میں الہ داد نام کے پانچ حسب ذیل علما کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۱) مولانا الہ داد جو پوری (۲) میاں الہ داد لکھنؤی

(۳) مولانا الہ داد سلطان پوری (۴) مولانا الہ داد سنگر خانی

(۵) مولانا الہ داد امر وہی

ان میں سے مولانا الہ داد امر وہی کے بارے میں لکھا ہے۔

”لما ستعد و خوش طبع و شیرین سخن خوش صحبت..... در سال نہصد و نو دہجری در نوای

لع قعجب ہے کہ مرادات اولیاء دہلی کے مولعت نے شیخ الہ داد کا ذکر تک نہیں کیا، شاید ان کو علم ہی نہیں کہ شیخ الہ داد نام کے کوئی بزرگ دہلی میں مدفون ہیں۔

سایکھوت ذولیت حیات کردہ بول امروہ مدون گشت ذوالشہرت قدادہ۔ (تذکرہ علماء ہند)

امروہ میں جن الہ داد نام کے بزرگ کامزا مشہور ہے، غالباً وہ یہی مولانا الہ داد امروہی ہیں جن کا ذکر تذکرہ علماء ہند میں ہے۔ صاحب تذکرۃ الکرام نے مشارکت امی کی وجہ سے شیخ الہ داد خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ سمجھ لیا اور اسی بناً ان کامزا امروہ میں بتایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ الہ داد حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی زندگی میں دہلی کے تین سفر کیے۔

اور یہ تینوں سفر حصول کمالات روحانی کے اعتبار سے بہت کامیاب رہے، حضرت خواجہ بزرگ ان کو بڑی بڑی بنا تیں سنائیں بہت سے احوال کا ان سے استفسار کیا اور آخر میں کل کا رضاء اصلاح و تربیت ان ہی کے سپرد کر دیا۔

وفات خواجہؒ کی خبر حضرت مجدد کو اُس وقت ملی جب کہ وہ لاہور میں تھے یہ خبر سنتے ہی وہ دہلی حاضر ہوئے یہاں مخدوم زادوں (خواجہ کلاں و خواجہ خرد) اور پیر بھائیوں کی تعزیت و تسلی کی۔ اصحاب خواجہؒ نے اپنی شکستگی دل کی مومنائی، ان کی صحبت کی برکت سے حاصل کی۔

حضرت مجددؒ نے اپنے پیر و مرشد کی وصیت کے مطابق ادویا ران دل افکار کے التماس پر یہاں رہ کر روحانی خدمات انجام دینے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ کچھ دنوں کے لئے پھر وہی روئیں لوٹ آئیں جو حضرت خواجہ بزرگوار کے زمانہ میں تھیں اور بہت سے فائدہ مرتب ہوئے۔ عین اس گرمی افادات کے زمانے میں بعض حاسدوں نے گھسا بڑھا کر ایک ناخوشگوار قضیہ چھیڑ دیا، جس میں بتلایا گیا کہ مجدد رضا کا دعویٰ ہے کہ حضرت خواجہؒ نے بعد کو خود ان سے استغاثہ کیا ہے، اس قضیے کے چھڑنے پر حضرت مجددؒ کی طرف سے حضرت خواجہؒ کے بہت سے متوسلین کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ حضرت مجددؒ نے اس سازش پر مطلع ہو کر اول نصیحتوں کے ذریعہ سے اس قضیے کو رفع دفع کرنا چاہا مگر اخلاص و اتحاد میں کوئی فرق نہ آئے، تو جب باطنی سے بھی کام نہ لیا لیکن اس کے باوجود کچھ متوسلین خواجہؒ نے استغاثہ سے اپنے کو روک لیا۔ اور ایک عجیب ہنگامہ برپا ہو گیا کچھ عرصے بعد بعض پیر بھائیوں نے عذر خواہی کی اور

لے ذرۃ القاتات میں حضرت خواجہؒ کی تحریری و تقریری شہادتیں اس دعویٰ کے اثبات میں پیش کی گئی ہیں کہ خود حضرت خواجہؒ نے اپنے ابکال مرید حضرت مجددؒ سے روحانی فائدہ حاصل کئے ہیں۔ حقیقت ہم تحقیق اور کم فہمی نے ہر دو میں خواہ مخواہ کے ہنگامے برپا کئے ہیں۔

معافی چاہی۔ حضرت مجدد نے اُن کو معاف کر دیا اور ان کے درمیان صفائی ہو گئی تھی۔
جیسا کہ ذکر ہو چکا حضرت مجدد صاحب کے علاوہ حضرت خواجہ کے تین خلفاء در تھے اُن میں
سے شیخ تاج الدین سنہلی بد وفات خواجہ ہندوستان کے متحد و شہروں اور قریبوں میں دورہ کرتے
ہوئے ممالک اسلامیہ کی سیاحت کے لئے چلے گئے بالآخر حجاز مقدس میں پہنچے اور مکہ معظمہ میں سپرد
خاک ہوئے۔ شیخ تاج الدین سنہلی اور حضرت مجدد کے تعلقات آخر تک اچھے رہے جیسا کہ مکتوبات
کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور غالباً وہ دہلی کے اُس قصبے میں شریک بھی نہیں ہوئے جو حضرت مجدد
کے ساتھ پیش آیا۔

خواجہ حسام الدین احمد سے پوری طرح صفائی ہو گئی تھی، انھوں نے اپنے فرزندوں کو بھی حضرت
مجددؒ کی تربیت میں دیر با تھا۔ اب رہ گئے شیخ الادادیہ دہلی میں حضرت خواجہ کے جانشین کی حیثیت رکھتے
تھے اور خانقاہ خواجہ میں مستقل سکونت رکھنے کی وجہ سے پیر زادوں اور دہلی میں رہنے والے پیر بھائیوں
کی اخلاقی اور دینی حالت سنوارنے کے پورے پورے ذمہ دار تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان میں
اتباع سنت اور محافظت طریقہ کا جذبہ اتنا قوی نہ تھا جتنا حضرت مجدد کے اندر تھا۔ خانقاہ خواجہ
میں بعض ایسے اجتماعات ہوتے تھے جن کو عام نظر میں خواہ دین و مزاج دین کے خلاف نہ سمجھیں
لیکن فاروقی جذبہ رکھنے والے مرد کامل کی نگاہ دور میں ان کو مضر اور انجام کے لحاظ سے خطرناک
قرار دیتی تھی۔

حضرت مجدد صاحب شیخ الادادیہ جیسے ذمہ دار بزرگ ہر اپنے مکتوبات میں سختی کے ساتھ تنقید
کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ شکل دین اپنے اصلی خد و خالی کے لحاظ سے محفوظ رہے اور طریقہ نقشبندیہ
میں غفلت کی وجہ سے تفرقہ نہ آجائے

یہ بات نہیں ہے کہ حضرت مجدد کے دل میں اپنے اس حلیل القدر پیر بھائی کا احترام نہیں ہے
وہ سب پیر بھائیوں کا احترام فرماتے تھے اور حضرت خواجہ کے قاص خاص خلفاء کا تذکرہ انتہائی
محبت سے کرتے تھے۔ رسالہ مبداء و معاد میں فرماتے ہیں۔

”اچھا کس بودیم در خدمت خواجہ خود کہ بیش مردم در میان سائیا راں امتیاز سے اختتام الخ
اپنے مکتوبات میں شیخ حسام الدین احمد کے نام میں شیخ الادادیہ کا خاص طور پر خیر و حمد دریافت کرتے

ہیں مکتوب جلد اول میں ہے

”مدت ہو گئی، تمہاری حضرات مخدوم زادگان، میان جمال الدین حسین، خادان آستانہ اور بالخصوص مہاشیخ الداد اور میاشیخ المدینہ کی خیریت نہیں معلوم ہوئی۔ اس کا سبب

سوائے اس کے کہ ہم دور افتادوں کو زینت طاق نسیاں کر دیا گیا ہوا در کیا ہو سکتا ہے

اس محبت اور قلبی تعلق کے باوجود جب حضرت مجدد کوئی ایسی خبر سن پاتے ہیں جس سے تھوڑا سا انہماک فی الدین بھی مترشح ہوتا ہے تو ان کی رگ خار دقت جوش میں آجاتی ہے۔

حضرت مجدد کو خانقاہ خواجہ کے مقیمین خصوصاً شیخ الداد سے جن ددایک امور میں اختلاف

تھا ان میں سے ایک مسئلہ مولود بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت مولود کا اجتماع ہماری جودھوں

صدی کی مجالس میلاد کی طرح شرعی حدود و شرائط سے آزاد نہ ہوگا۔ اس میں یقیناً اس بات کا

خیال رکھا جاتا ہوگا کہ بے شک اشعار نہ ہوں، غلط روایات نہ ہوں، مولود پڑھنے والے بھی یقیناً

پابند شریعت اور غالباً ذکر و داخل اشخاص ہوتے ہوں گے۔ سننے والے بھی ایسے پاکیزہ نفوس

جن کے تقویٰ کی شہادت دہلی کی فضاؤں میں اور تاریخ و تذکرہ کے اوراق میں آج تک ثبت ہے

پھر مکتوبات غور سے دیکھئے تو اس نتیجے پر پہنچنا پڑے گا کہ اس مولود میں قیام بھی شرط اور

”کن کی حیثیت“ آج کی طرح نہیں رکھتا تھا۔ پھر بھی اس ہیئت کذا فی“ کو حضرت مجدد کا تعلق اور

منصب تجدید کی ذمہ داریوں کا احساس برداشت نہ کر سکا، وہ اس اجتماع کو نہ صرف غیر متحسن

قرار دیتے تھے بلکہ ”طریقہ“ کے خلاف بھی تصور فرماتے تھے۔

مکتوب مکتوب جلد اول میں مسئلہ مولود پر روشنی ڈالی گئی ہے اور لکھا ہے کہ فقیر اس قدر مبالغہ

سے جو اس کو منع کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز طریقہ نقشبندیہ کی بھی منافی ہے اور مخالفت طریقہ

خواہ سماع و رقص کی شکل میں ہو خواہ مولود خوانی اور شعر خوانی کی صورت میں ہو اس طریقہ کے سالکین

کے لئے مفسر ہے۔

اسی مکتوب میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

”فیروز آباد دہلی کا وہ علاقہ جہاں خانقاہ خواجہ تھی ہم فقرا کا بلجا و ماویٰ ہے ہر مشرکین

کے لئے وہاں کا ہر عمل نمونے کی حیثیت رکھتا ہے جس وقت وہاں ہر کوئی ایسا امر دین کے نام

برعادث ہوتا ہے جو طریقہ نقشبندیہ کے بھی مخالف ہو تو ہم فقرا کو اس بات کو سن کر بڑی بے چینی پیدا ہوتی ہے۔

”مخدوم زادے اپنے والد بزرگوار کے طریقے کی مخالفت کے پورے پورے ذمہ دار ہیں اور ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کا لحاظ رکھیں۔“

اسی مکتوب کے آخر میں کتنے ہرزور الفاظ میں ارقام فرماتے ہیں :-

”مرفی کہ حضرت خواجہ اس وقت زندہ ہوتے اور یہ جس اُن کے سامنے ہوتی اور یہ جہت سماع (دہشت لگائی) منقہ ہوتا تو کیا وہ اس امر پر رضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند کرتے؟ فقیر کا یقین یہ ہے کہ وہ ہرگز اس کو جائز نہ قرار دیتے بلکہ انکار فرماتے۔ فقیر کا مقصد فقط آگاہ کرنا تھا تم قبول کر دیا نہ کرو اختیار ہے۔ مناظرے کی گنجائش نہیں۔ اگر مخدوم زادگان اور متطقیں خانقاہ اسی موجودہ روش پر قائم رہے تو ہم فقروں کو ان حضرات کی ملاقات سے دبا دل نا خواستہ (ما تھ و حونا پڑے گا)۔“

خواجہ حسام الدین احمد نے مسئلہ مولود کے متعلق کچھ استفسار کیا ہے اُس کے جواب میں ارشاد کرتے ہیں :-

مخدوم! جب تک اس دروازے (مولود خوانی) کو بالکل بند نہ کیا جائے گا بواہر میں باز نہیں آئیں گے۔ اگر اندک کی تجویز اس وقت کر دی گئی تو آئندہ معاملہ بیاڑ تک پہنچے گا، شیخ الحداد نے حضرت مجددؒ کی ان شکایات کے بعد اپنا معاملہ صاف کرنا چاہا ہے اور خواجہ حسام الدین احمد کو درمیان میں ڈالا ہے۔ چنانچہ مکتوب نمبر ۱۳۲ جلد اول میں ہے۔

تیناں شیخ الحداد کے بارے میں آپ نے خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے فقیر کو اس میں کوئی تاثر نہیں لیکن اتنا ملحوظ رہے کہ شیخ صاحب موصوف کو اپنے طور طریقہ کو تبدیل کرنے پر نام ہونا ضروری ہے نہ امت ہی عفو غماہی کا دوسرا نام ہے۔ آپ کی سفارش جو انھوں نے طلب کی ہے وہ بھی نہ امت ہی کی ایک فرس ہے، بہر تقدیر فقیر اپنی طرف سے درگزر کرتا ہے اب را خود ان کا مجھ سے معاملہ اس کو وہ جانیں، سرہند کو اپنا گھر تصور کریں ہم ہیرگی کی نسبت اور محبت ایسی نہیں جو کہ عارضی امور سے ٹوٹ پھوٹ جائے۔ اور کیا لکھوں۔ والسلام“

سفر مصر

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

(مترجم عتیق الرحمن سنبلہ)

چہار شنبہ ۲۳ مارچ ۲۰۰۶ء - ۳۱ مارچ ۲۰۰۶ء

کچھ دیر ازہرا اور فواد یونیورسٹی کے طلبہ کے ساتھ

مغرب کے بعد ہم شبراخہ پہنچے، وہاں ازہرا اور فواد یونیورسٹیوں کے مختلف شعبوں کے طلبہ اور نوجوانوں کا ایک منتخب مجمع موجود تھا، ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ساری رات بولتے ہیں نہ تھکیں گے نہ اکتائیں گے میں نے محسوس کیا کہ وہ دین اور دینی حرکت کے متعلق کچھ سننے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ شعبہ اصول دین ازہرا کے ایک ہونہار معلم پروفیسر القرضاوی نے اٹھ کر اخلاص اور حوصلہ مندی سے بھرپور چند کلمات کہے خطیب کا غیر مقدم کیا اور پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب کر دیا۔ میں نے اپنی بات شروع کرتے ہوئے کہا۔ اس عالم کی دو جہتیں ہیں ایک اعلق سراسر اللہ تعالیٰ سے ہے اس میں ہمارا مطلق دخل نہیں اور نہ اس بارے میں ہم سے تھوڑا یا بہت سوال ہوگا۔ وہ جہت خلق و ایجاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جس طرح سے چاہا پیدا کیا، وہ عظیم و جمیع ہے۔ یہ کارگیری ہے اس اللہ کی جس نے مضبوط کیا ہر شے کو اور ہم اس سلسلہ میں بجز اس کے کسی اور بات کے تکلف نہیں کہ اس میں غور و فکر کریں یعنی مخلوق سے خالق کو پہچانیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا
جولہ کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور

وَعَلَىٰ جُودِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ
لیٹے اور غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی

وَالْأَرْضِ وَدَبْنَا مَا خَلَقْنَا هَذَا بَاطِلًا - الْآيَةُ

لیکن ہم اس بارے میں بالکل مسؤول نہیں ہیں کہ یہ چیز ایسے کیوں بنائی اور ویسے کیوں بنائی۔ آسمان کے دامن پر سارے کیوں بکھرے؟ سورج مشرق سے کیوں طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں کیوں غروب ہوتا ہے؟ اور یہ پہاڑ فلاں جگہ کیوں بنائے گئے اور فلاں جگہ کیوں نہیں بنائے؟ اس کا رخا خلق کی اور دوسری تفصیلات!

اور ایک جہت وہ ہے جس کے ہم مکلف ہیں اور اس کے بارے میں ہم مسؤول ہیں۔ وہ کیا چیز ہے؟ وہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس وسیع گھر کی۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے نہایت مضبوطی سے بنایا ہے۔ تنظیم، ایسی تنظیم جو تخلیق کی غرض و غایت اور حکمت کے مطابق اور مناسب ہو اور ان قوانین کلیہ کے مطابق ہو جو شریعت الہیہ کہلاتے ہیں پس ہم مکلف ہیں اس گھر کی تنظیم و ترتیب کے اور اس کے حالات کی نگرانی کے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس پر اپنا نائب بنایا ہے۔ فرمایا جو۔

”إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“

میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک اپنا نائب

یکے بعد دیگرے انبیاء اکرام کے آنے کا مقصد یہی تھا کہ اس گھر کی تنظیم کریں اور اس میں زندگی کا نظم و نسق اللہ کی مشیت اور اس کی مرضی کے مطابق قائم کریں، ان میں سے ہر ایک اس گھر کی اصلاح اور اس کے اصلی نظام کی حفاظت کا طریقہ تھا حتیٰ کہ جب بعض مفسدین نے اس نظام کو بگاڑنے، مصلحین کی کوششوں پر پانی پھیرنے اور زندگی کو کمیں تماشہ بنانے کی کوشش کی تو انہوں نے فرمایا۔

وَلَا تُقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا

اور مت فساد نہ کرو اس زمین میں اس کی اصلاح کے بعد

اور اگر کسی امست کسی گروہ اور کسی جماعت نے اس حرکت پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جڑ سے کا کر رکھ دیا اور ذرہ برابر پودہ نہیں کی۔ گویا یہ گھر۔ جس کو اللہ نے اولین و آخرین کا مستقر بنایا ہے اور اس کے اندر اس نظام کی بقا۔ جو اس کو یہاں کے لئے پسند ہے۔ اللہ کے نزدیک قوموں و جماعتوں اور بادشاہوں کی زندگی سے زیادہ اہم اور زیادہ قیمتی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

فَقَطَّعَ دَابِرَ الْعُورِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

پس کاٹ ڈالی گئی عورتوں کی قوم کی جس نے ظلم و فساد پر کربا نہی اور قرین سب اللہ کے لئے ہے جو اپنے والا ہے سب جہانوں کا۔

اگلے زمانہ میں بہت سی قومیں اور بہت سی تہذیبیں گزر چکیں جنہوں نے اپنے طرز فکر اپنے عقیدے اور اپنی تربیت اور اپنے علم کے مطابق اس گھر کی تنظیم کی اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ انہیں مہلت اور قدرت دیتا رہا تاکہ انہیں جانچنے کو کون بہتر ثابت ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ رِجًا وَمَرْفَعًا بَعْضَكُمْ حَوْثٌ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِيهَا اَتَكْمُرُونَ سِرَّاتٍ رَبِّكَ سَبِّحُ الرَّحْمٰنُ وَ اِنَّهُ لَكَفُورٌ الرَّحِيْمُ

وہی ہے جس نے تم کو نسیف بنایا زمین میں اور دھرا بھیج کر تم میں سے بعض پر رفعت دیدی تاکہ آزمائے تم کو اپنے عطیہ میں بیشک تم ارب بہت نیز صاحبینے والا ہے اور بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا بھی ہے۔

چنانچہ اسی اصول کے مطابق پہلے یونان اور روم کو موقع ملا اور ان کا دور ختم ہو گیا، پھر اس جنگ پر مسلما آئے اور ان کے بعد اہل یورپ — اور جس کے پاس جو کچھ اور جو اچھے سے اچھا جو ہر تھا وہ سب — نکال کر دنیا کے سامنے رکھ دیا اور کچھ چھپا کر اور بچا کر نہ رکھا۔ اب یہ دور مغربی تہذیب اور یورپین فلسفہ حیات کا ہے اس نے اپنا سارا ترکش بکھیر دیا ہے اپنا اجمولہ غالی کر دیا ہے اور اپنی اچھی سے اچھی چیز کو نکال کر سامنے رکھ دیا ہے۔ اور اب امید نہیں ہے کہ وہ اس سے بھی بہتر کوئی چیز سامنے لاسکے اور جو کام کر چکا ہے اس سے بڑا کوئی کام کر سکے۔ اسے ایک طویل مہلت دی گئی اور اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لئے مکمل آزادی بخشی گئی۔ لیکن وہ بڑی طرح ناکام ہوا۔ اس کے دور میں زمین و آسمانیں فساد پیدا ہو بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس پوری زمین اور ساری کائنات کو اس نے فساد کی نذر کر دیا اور اب یہ بات ایک روشن حقیقت کی طرح عیاں ہو گئی کہ

اس گھر کی اصلاح اور از سر نو تعمیر وہی ہاتھ کر سکتا ہے جس نے حرم بنایا!
اور وہی اُمت کر سکتی ہے جو آج حرم کی پاس بان ہو!! اور جس کا قبلہ تو صبر حرم اور تنہا حرم ہو!!
اب اس کی قوتیت اور اس عالم کی امامت و قیادت کی کشش کے میدان میں صرف دو فریق ہیں۔
ایک مغربی تہذیب اور اس کا فلسفہ رجحانات جو اس وقت جمہوریت اور اشتراکیت کے دو مختلف ناموں سے میدان میں آ رہا ہے اور دوسرا الدین الاسلامی اور الامۃ الاسلامیہ — اور اس جنگ جیتنے کی ذمہ داری امت کے فوجانوں پر ہے۔
معار حرم باز تہمید جہاں خیر
از غلاب گراں غلاب گراں غلاب گراں خیر

نوجوانوں اسی کے خون سے ہر سحر یک پٹی ہے اور انہیں کے کندھوں پر اٹھ کر ہر دعوت فضا میں ابھری ہو۔ یہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ صحابہ کرام جن کے کندھوں پر اسلام اٹھا اور اس کی دعوت پر روانہ ہوئے۔ بڑے اور جہاد زندگی سے کنارہ کش (RETIRED) تھے اور ان کے دل چونکہ زندگی کی انگلیوں سے غالی ہو چکے تھے، جوانی کے جذبات سرد پڑ چکے تھے اس لئے وہ اسلام کی طرف متوجہ ہو گئے۔ غلط اور بالکل بے بنیاد ہے۔ وہ میدان زندگی کے مرد تھے معاشرہ کی رگ جاباں تھے باہمی وجہ سے قریش گہرا اٹھے تھے اور بدحواسی میں اسلام کے بارے میں عجیب عجیب باتیں سوچنے لگے تھے۔ انہوں نے جب اپنے عقائد اور جیدہ نوجوانوں کا اسلام کی طرف میلان دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو یقیناً کوئی سوچی سمجھی بات ہو۔

رَإِنَّ هَٰذَا الشَّيْءَ يَبْدَأُ

اس کے بعد میں نے بعض اُن نوجوانوں کے واقعات بیان کئے جنہوں نے اپنی زندگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا اقتصاد مستقبل، اپنی زندگی کی لڑتیں اور کنشائیں، اشتراکیت کی دعوت پر نثار کر دیں اور اشتراکی افکار پھیلائے میں من و دھن کی بازی لگا دی۔ ان نوجوانوں میں ایسی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک خاندانی اور ناز و نعم کا پروردہ نوجوان بے تکلف بدنامی و سستی چھوڑ دیتا ہے، وظیفہ کو ٹھوکر مار دیتا ہے اور چور لہے پر کھڑے ہو کر اشتراکی رسائل پچھلے۔ اگر ان کی طرح ہلاتا ہے اور اس کے ساتھی اور خاندانی اعزہ اس حال میں اس کے اس سے گزرتے ہیں اسے اس حال میں دیکھتے ہیں لیکن وہ نہ ذرا شرماتا ہے نہ جھکتا ہے۔ ایسے ہی میں نے انہیں بتلایا کہ جرمن قوم کے نوجوانوں نے اپنے وطن اور اپنے عقیدے کی راہ میں کیا کیا قربانیاں پیش کیں۔

پھر میں نے انہیں قربانی اور جواں مروی کی وہ تانناک مثالیں سنائیں جو حضرت سید احمد شہید کے نوجوان اور نوجوانوں جہاد سے ظہور میں آئیں۔ اور ان میں سے ایک سید موسیٰ کا پورا واقعہ سنایا جو ہیکر کے معرکہ میں زخمی ہوئے تھے، وہ عمر کے اٹھارویں سال میں تھے، زخم اتنا سنگین تھا کہ سر سے جو خون بہہ رہا تھا اس نے ان کی آنکھوں اور پردے جہرے کو ڈھالک لیا تھا لیکن وہ اس حال میں اپنے ہونٹ چاٹتے تھے اور اللہ کی حمد و ثناء کرتے تھے۔

ماضی میں سے ایک عزیز نوجوان خٹہ فرمائش کی کہ ملا ناگہی علی عظیم آبادی اور مولانا محمد جعفر تھانوی کے واقعہ بیان کر دیں اچنانچہ میں نے عرض کیا اور اس کے بعد ان عزیز نوجوانوں سے کہا:

آپ ہاد رکھیں کہ ان کاموں کے لئے بنیادی چیز دینی، اخلاقی، روحانی اور علمی تیاری اور تربیت ہے، یہ تیاری کئے اور تربیت مائل کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اسلام فوری جذبات اور صحیح عقل کے اجتماع کے بغیر کامل طور پر ظہور میں نہیں آ سکتا اور تیاری و تربیت میں اگر نقص رہ گیا تو مستقبل میں بڑی افسوس ناک صورت میں ظاہر ہوگا۔

میری بات تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہی، حاضرین نے مزید خواہش کی تو میں نے کچھ مزید کہا، پھر انھوں نے ہندوستان میں اسلامی دعوت و تحریک کی رفتار اور طریقہ کار کے بارے میں مجھ سے وضاحت چاہی تو میں نے پوری تفصیل سے ان کے سامنے اس کا نقشہ کھینچا۔ چنانچہ وہ یہاں کے کام سے بہت انوس اور متاثر ہوئے اور اپنے تاثر اور خیر سگالی کا اظہار کیا۔ ان میں سے بیشتر میری کتاب ”ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین پڑھ چکے تھے

اسلامی قیادت کے عالمگیر نتائج

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کئی برس پہلے مولانا علی میاں مدظلہ کی سرکۃ الاء تصنیف مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا، ملک کے تمام علمی و دعوتی اور بخیدہ حلقوں میں اپنا لبہ امنوا جکی ہے یہ کتاب دو سال سے بالکل نایاب تھی، بہیم اصرار اور تقاضوں کے بعد محترم مصنف نے اس کتاب میں اہم اضافات کے بعد اسلامی قیادت کے عالمگیر نتائج، کے نام سے شائع کرنے کی اجازت دے دی (یہی کتاب ”ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین“ کے نام سے عربی میں شائع ہو چکی ہے) یہ حقیقت ہے کہ کتاب میں اس قدر اضافے ہوئے ہیں کہ گویا یہ بالکل نئی کتاب بن گئی ہے، ضخامت بھی تقریباً ڈیڑھ گئی یعنی ۴۸۰ صفحات کے قریب ہے۔

عمدہ کتابت و طباعت گلینز کاغذ، قیمت مجلد ہے
لےنے کا ہتہ۔ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ۔ لکھنؤ

انتخاب

سلطان محمود غزنوی کی زندگی کے دو واقعے

اور فقر غیور کی ایک مثال

(۱)

ایک نسل سلطان محمود غزنوی حسب معمول دربار عام میں بیٹھا ہوا تھا دربار دایم اور دست بستہ حاضر تھے عام لوگ اپنی اپنی عرضیاں پیش کر رہے تھے اور سلطان ان پر مناسب احکام صادر کر رہا تھا کہ ایک شخص نے سامنے آکر عرض کیا کہ "میری شکایت نہایت سنگین ہے اور کچھ اس قسم کی ہے کہ میں اسے برسرِ دربار عرض نہیں کر سکتا۔"

سلطان یہ سن کر فوراً ٹٹھک اٹھا اور سائل کو اپنے ہمراہ خلوت میں لے جا کر پوچھا کہ تمہیں کیا شکایت ہے؟ سائل نے عرض کیا کہ "ایک عرصے سے بنہ گان مالی کے بھانجے نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ مسلح ہو کر میرے مکان پر آتا ہے اور مجھے مار پیٹ کر باہر نکال دیتا ہے اور خود جبراً میرے گھر میں شب بھر داخل ہو کر میرے غریبی کی کوئی عدالت ایسی باقی نہیں جس میں میں نے اس ظلم و تعدی کی فریاد نہ کی ہو لیکن کسی کو انصاف کرنے کی جرأت نہ ہوئی جب میں ہر طرف سے مایوس ہو گیا تو آج مجھ پر جہاں پناہ کی بارگاہ عالیہ میں انصاف کے لئے حاضر ہوا ہوں اور شہنشاہ عالی کے بے لاگ انصاف فریاد رسی اور رعایا سے بے پناہ شفقت پر بھروسہ کر کے میں نے اپنا حال عرض کر دیا ہے خالق حقیقی نے آپ کو اپنی مخلوق کا محافظ اور نگہبان بنایا ہے قیامت میں رعایا اور کمزوروں پر ظالم کے آپ خدا کے ہمارے روبرو جواب دہ ہوں گے۔ اگر آپ نے میرے حال پر رحم فرما کر انصاف کیا تو بہتر ہے ورنہ میں اس معاملہ کو ختم حقیقی کے سپرد کر کے اُس کے بے درد رعایت فیصلہ تک مہر کر دینا چاہتا ہوں گا۔"

سلطان ہراس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار آبدیدہ ہو گیا اور سائل سے کہا کہ تم اب

سے پہلے میرے پاس کیوں نہ آئے؟ تم نے ناحق اب تک یہ ظلم برداشت کیا؟
 سائل نے کہا میں عرصے سے اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ کسی طرح بارگاہِ سلطانی تک پہنچ جاؤں
 مگر درباروں اور جوہداروں کی قدغن نے کامیاب نہ ہونے دیا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ آج بھی کس تدبیر
 سے یہاں تک پہنچا ہوں، مجھ سے غریبوں اور مظلوموں کو یہ بات کہاں نصیب ہے کہ جب چاہیں بے دھڑک
 دربارِ سلطانی میں حاضر ہو جائیں اور سلطان کو اپنے دروہوں کی داستان سنا سکیں۔

سلطان نے سائل کو اطمینان اور دلاسا دے کر تاکید کی کہ اس ملاقات اور گفتگو کا کسی سے
 ذکر نہ کرنا اور جس وقت بھی دو شخص تمہارے گھر آجئے اسی وقت مجھے اس کی اطلاع کرنی چاہیے اس کو
 ایسی عبرت انگیز سزا دوں گا کہ آئندہ دوسروں کو ایسے مظالم کی جرات نہ ہو سکے گی۔
 سائل نے عرض کیا کہ مجھ ایسے بے کس اور بے یار و مددگار کے لئے یہ کیوں کر ممکن ہو سکے گا کہ جب
 چاہوں بلا کسی مزاہمت کے خدمتِ سلطانی میں حاضر ہو جاؤں اور آپ کو مطلع کر سکوں۔
 سلطان نے یس کر درباروں کو طلب کیا اور سائل کو ان سے روشناس کرا کر حکم دیا کہ شخص
 جس وقت بھی ہمارے پاس آنا چاہے بلا طلب اجازت اسے ہمارے پاس پہنچا دیا اور کسی طرح کی
 مزاہمت نہ کریں۔

دو راتیں گز گئیں، مگر سائل نہ آیا، سلطان کو تشویش ہوئی کہ نہ معلوم غریب مظلوم کو کیا حادثہ
 پیش آیا۔ وہ اسی فکر میں غلط تھا کہ تیسری رات کو سائل دوڑا ہوا آستانہ شاهی پر پہنچا، اطلس
 ملتے ہی سلطان فی الفور باہر نکلا اور سائل کے ہمراہ اس کے گھر پہنچ کر اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ
 دیکھ لیا جو سائل نے اُسے بتلایا تھا۔ ہنگ کے سرانے شمع جل رہی تھی، سلطان نے شمع گل کرا دی اور
 خود خیر کمال کراس بد کڑا کر اسرا ڈا دیا۔ اس کے بعد شمع روشن کرائی، مقتول کا چہرہ دیکھ کر بے ساختہ
 سلطان کی زبان سے الحمد للہ نکلا، اور پھر بے تابانی کے ساتھ اس نے سائل سے پوچھنے کے لئے پانی
 مانگا، پانی پی کر سلطان نے سائل سے کہا کہ تم اطمینان کے ساتھ اپنے گھر میں آرام کرو، اب انشاء اللہ
 تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی، میری وجہ سے اب تک تم ہر جو مظالم ہوئے خد کے لئے انہیں معاف
 کر دو، یہ کہہ کر سلطان رخصت ہونا چاہتا تھا کہ سائل نے دامن پکڑ کر عرض کیا کہ بدنگان مالی نے جس
 طرح ایک مظلوم کے ساتھ انصاف فرمایا، حتیٰ کہ اپنی قرابت اور خون کا بھی مطلقاً خیال نہ کیا، خدا تعالیٰ

آپ کو اس کی جزا، خیر اور اجر عظیم عطا فرمائے! اگر اجازت مرحمت فرمائی جائے تو ایک باع
معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ نے پہلے شیخ گل کرائی اور پھر روشن کر اگر مقتول کا سر دیکھ کر الحمد للہ
فرمایا اور اس کے فوراً بعد پانی طلب کیا اس کا کیا سبب تھا۔

سلطان نے ہر بند ٹالنا چاہا مگر سائل کے اصرار پر اسے بتلانا پڑا کہ شیخ گل کرنے کا مقصد یہ تھا
کہ مہاراجہ رشی میں اس شخص کا چہرہ دیکھ کر بہن کے خون کی محبت مجھے سزا دینے سے باز رکھے اور
الحمد للہ کہنے کا سبب یہ تھا کہ مقتول نے اپنے آپ کو میرا بھانجہ بتلا کر تمہیں دھوکے میں ڈال دیا
تھا اور اس طرح وہ تمہیں شاہی تعلق سے مرحوم کر کے اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے
راستہ صاف رکھنا چاہتا تھا، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ عمو کے متعلقین کا اس شرمناک بے ہودگی
سے کوئی تعلق نہیں ہے اور پانی مانگنے کی وجہ یہ تھی کہ جب سے تم نے اپنا واقعہ سنایا تھا میں نے یہ حد
کر لیا تھا کہ جب تک تمہارا انصاف نہ کروں گا آپ و دانہ مجھ پر حرام ہے، اب چونکہ میں اپنے فرض
سے سبکدوش ہو چکا تھا اور شیخ کی کاخند پر غلبہ تھا اس لئے میں پانی مانگنے پر مجبور ہو گیا ذرا بیخ و زخم بحوالہ تاریخ بنائے گئے

(۲)

سلطان محمود کو مشہور بزرگ شیخ ابوالحسن خرقانی کی زیارت کا بڑا اشتیاق تھا، چنانچہ شیخ کی
زیارت کے لئے خرقان روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر شیخ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں آپ سے ملنے کے
لئے غزنی سے خرقان آیا ہوں اس لئے مروت و اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ آپ یہاں قدم نہ بٹھ فرما کر
شرٹ ملاقات بخشیں اور ساتھ ہی قاصد کو یہ بھیج دیا کہ اگر شیخ خانقاہ سے باہر آنا قبول نہ کریں تو آیت
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ
کا مدشع کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلطان کا پیغام پہنچایا، شیخ نے مضررت چاہی، قاصد نے ایسا
سلطانی کے مطابق آیت پڑھی۔

شیخ نے فرمایا کہ تم جا کر سلطان سے عرض کرو کہ میں أَطِيعُوا اللَّهَ میں اس قدر مستغرق
ہوں کہ أَطِيعُوا الرَّسُولَ کی تعمیل سے ہی سخت شرمندہ ہوں ظاہر ہے اُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ کا تو ذکر
ہی کیا ہے؟

سلطان قاصد سے شیخ کا یہ جواب سن کر بہت متاثر ہوا اور خود خانقاہ میں حاضر ہوئے

ارادہ کر لیا مگر ساتھ ہی شیخ کو آزمانے کے لئے سلطان نے اپنا لباس تو اپنے غلام ایاز کو پہنایا اور خود ایاز کے کپڑے پہنے اور چند لونڈیوں کو غلاموں کا لباس پہنا کر ساتھ لے لیا۔ جب یہ لوگ شیخ کی خانقاہ میں پہنچے اور شیخ سے ملاقات ہوئی تو شیخ تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوئے اور نہ محمود امان کی جانب التفات کیا بلکہ ایاز نامہ محمود کی جانب متوجہ رہے، ایاز نامہ محمود نے شیخ سے عرض کیا کہ آپ نے غل اللہ کو تعظیم نہیں دی؟ شیخ نے جواب دیا: ہاں! لیکن تیرا مخاطب اس جال میں پھنسے والا لشکار نہیں ہے، تو سامنے کیوں نہیں آتا۔ کیا تو ہی اس جال کا سبب بڑا لشکار نہیں ہے؟

سلطان نے دیکھا کہ شیخ کا عرفان حقیقت حال کو سمجھ گیا ہے تو مودب شیخ کے سامنے بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ "حضرت کچھ ارشاد فرمائیے!"

شیخ نے غلاموں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ پہلے ان نامحرموں کو مجلس سے باہر کر دیا جائے! جب شیخ کے ارشاد کی تعمیل ہو چکی تو سلطان نے پھر عرض کیا کہ حضرت بایزید بسطامی کی کوئی حکایت سنائیے! شیخ نے فرمایا کہ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے دیکھا وہ شقاوت و بدبختی کی تمام برائیوں سے محفوظ ہو گیا۔

سلطان نے کہا کہ یہ تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ بایزید کا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ نہیں ہو سکتا، حالانکہ آنحضرت کے دیکھنے والوں میں ابولہب و ابوہل و ادرکتے ہی منکروں بدبخت ہی رہے تو پھر بایزید کے دیکھنے والوں میں ہر بدبخت کیوں کر سعید بن سکتا ہے؟

شیخ نے فرمایا کہ تمہاری ہر دماغ عقل سے بیاہر کی بات ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی نے حقیقی معنی میں دیکھا ہی نہ تھا، کیا تم نے قرآن کی یہ آیت نہیں سنی؟

وَمَنْ رَأَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ دیکھ نہیں رہے۔

اگر وہ لوگ فی الحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو یقیناً وہ اپنی بدبختی کے اثر سے محفوظ ہو جاتے۔ سلطان کو شیخ کا یہ جواب بہت پسند آیا اور مزید نصیحت کے لئے عرض کیا۔

شیخ نے فرمایا کہ اپنے اوپر چار چیزیں لازم قرار دے لو، پرہیزگاری، نماز، اجامعت کا التزام سخاوت اور مخلوق اللہ پر شفقت و مہربانی۔ (باقی بر صفحہ ۵۶ ملاحظہ فرمائیے)

”واقعہ کربلا“

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

(از ————— قیصر الرحمن سنہلی)

گذشتہ اشاعت میں ”واقعہ کربلا“ کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس سے کچھ غلط فہمیوں اور بے اعتدالیوں کی اصلاح مقصود تھی، ورنہ یوں اس عنوان میں کوئی ضرورت نہیں تھی اسکی اشاعت پر دو بالکل متضاد عمل سامنے آئے۔ ایک بعض اہل علم کی جانب سے اہمائی پسندیدگی کا اور دوسرا بعض حضرات کی جانب سے سخت ناپسندیدگی کا۔ یہ دوسرا رد عمل خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ اس کی بنیاد کچھ تو نفی واقعہ کے بارے میں لاعلمی اور غلط فہمی پر ہے۔ اور کچھ یہ ہے کہ ان حضرات کو مضمون کے بعض الفاظ کے بارے میں غلط فہمی ہوئی۔ ہم یہاں ان دونوں قسم کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ الموفق وهو المستعان۔

ان غیر متعلق اعتراضات کو نظر انداز کرتے ہوئے جو تنہا بھنبھلا ہٹ اور ناپسندیدگی سے پیدا ہونے والی ایک ہیجانی کیفیت کا نتیجہ ہیں۔ ہم صرف انھیں اعتراضات سے تعرض کریں گے جو فی حقیقت کسی غلط فہمی پر مبنی ہیں، اور ان کو رفع کرنے کی واقعی ضرورت ہے۔

اس قسم کے اعتراضات چار سوالوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، لہذا ہم انھیں سوالات کی صورت میں مرتب کر کے بالترتیب ہر ایک کا جواب عرض کرتے ہیں۔ امید ہے کہ اس سے عام ناظرین کو بھی فائدہ ہوگا۔

۱۔ آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کے لیے ”بناوت“ کا لفظ استعمال کیا ہے جو کیا یہ صحیح ہے، اور حضرت حسینؑ کی پوزیشن باغی ہی کی تھی؟

۲۔ آپ نے عمر بن سعد کا جو خط ابن زیاد کے نام درج کیا ہو اس میں حضرت حسینؑ کی تیسری شرط صلح ان الفاظ میں نقل کی ہو۔ ”اور یا انھیں امیر المؤمنین یزید کے پاس دمشق بھیج دیا جائے وہ وہاں جا کر خود بیعت کر لیں۔ اس سے یہ بات پہلی مرتبہ علم میں آئی ہو کہ حضرت والا یزید کی بیعت کے لیے تیار ہو گئے تھے اور اختلاف صرف اتنا رہ گیا تھا کہ بیعت ابن زیاد کے ہاتھ پر ہو یا براہ راست یزید کے ہاتھ پر۔ اب تک جو کچھ اس سلسلے میں اردو میں لکھا گیا ہو اس سے تو یہ کہیں نہیں معلوم ہوتا۔ تمام لوگ دجن میں بڑے بڑے محقق بھی ہیں، یہی لکھتے چلے آئے ہیں کہ حضرت حسینؑ کا فرمانا یہ تھا کہ مجھے یزید کے پاس بھیج دو، میں خود اس سے معاملہ کر لوں گا، لہذا اس نئی بات کے لیے ضروری تھا کہ کوئی سند اور حوالہ پیش کیا جاتا، بلکہ اصل عبارت نقل کی جاتی!

۳۔ اسی طرح یہ بھی اس مضمون سے پہلی بار معلوم ہوا ہو کہ دیگر صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کئی تھی۔ اس کے برعکس اب تک جو کچھ پڑھنے اور سننے میں آیا ہو وہ تو یہی ہو کہ کسی صحابی نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔ لہذا اس کے لیے بھی مستند حوالہ کی ضرورت ہو!

۴۔ کیا یزید کوئی تحقیقت اس سانحہ سے رنج ہوا تھا جیسا کہ آپ نے لکھا ہو، یا یہ جو کچھ ہوا اس کی حین مرضی کے مطابق تھا اور اس کے آنسو مگر مجھ کے آنسو تھے؟

۱۔ بنیاد اصل میں عربی زبان کا لفظ ہو اور اس کے اصل معنی سرکشی اور مقابلہ پر آجانبانے کے ہیں۔ لیکن بعد میں اصطلاحاً اس سرکشی کو کہنے لگے جو حق کے مقابلہ میں ہو، اور وہ یقیناً مذموم ہو۔ مگر اردو میں اس لفظ کا استعمال پہلے ہی معنی میں ہوتا ہو۔ لہذا اس کا اطلاق اس معنی پر بھی کیا جاسکتا ہو جب کہ مقابلہ میں باطل ہو اور اس موقع پر بھی جب کہ حق ہو (اس پر کسی متعین استشہاد کی ضرورت نہیں، اس وقت کا پورا اردو لٹریچر اور روزمرہ اس پر شاہد ہے) اب اگر یہ اقدام حق کے مقابلہ میں ہو تو مذموم ہوگا جیسا کہ اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہو۔ اور اگر باطل کے مقابلہ میں ہو تو محمود و مستحسن ہوگا۔

ہم اس کی ایک مثال بھی عرض کریں سلطنت برطانیہ کے خلاف ہندستان کی تحریک آزادی کی پوری تاریخ دیکھ جائیے۔ آپ کو ”بنیاد“ اور ”جہاد“ کا استعمال پہلو پہلو نظر آئے گا۔ یعنی جس طرح اس جہاد کو فخر کے ساتھ جہاد سے تعبیر کیا جاتا تھا اسی طرح بنیاد سے بھی تعبیر کیا جاتا تھا حالانکہ حکومت برطانیہ بھی اس تحریک کے پیام کو

کے لیے بغاوت ہی سے تعبیر کرتی تھی اور اس کے یہاں اس تحریک کے سرفروشنوں کے لیے باغی کا لفظ فساد کی معنی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود اس تحریک کا کوئی سرفروش اپنے لیے "باغی" کا لفظ باعثِ حار نہیں، بلکہ باعثِ فخر سمجھتا تھا۔ ان ٹوڈی ذہنیت کے لوگ ضرور اس لفظ سے گھبراتے تھے۔

لیکن میں اس سب کے باوجود کہتا ہوں کہ اگر کچھ وقت مجھے اس کا شبہ بھی ہو جاتا کہ اس لفظ سے کسی ناظر کو یہ غلط فہمی بھی ہو سکتی ہو تو میں ہرگز اس لفظ کا استعمال نہ کرتا۔ اور اب بھی میری یہ گزارش ہو کہ جن صاحب کو اس لفظ سے مذمت کا ایہام ہوتا ہو وہ اس کو کاٹ کر بہتر سے بہتر لفظ انتخاب کر کے میری طرف سے اس کی جگہ لکھ دیں۔

۲۔ یہ درست ہو کہ عمر بن سعد کا جو خط درج کیا گیا ہو اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہو۔ لیکن یہ واقعہ ہو کہ میں نے اس میں کوئی تصرف نہیں کیا ہو۔ تصرف درحقیقت ان لوگوں نے کیا ہو جن میں بڑے بڑے محققین بھی شامل ہیں۔ اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ اس مضمون سے کم از کم یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ ایک تاریخی غلطی کے ازالہ کا موقع پیدا ہو گیا۔

ذیل میں اصل عربی ناخذ کی عبارتیں مع حوالے کے پیش کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ اصل حقیقت کیا ہو۔ واضح رہے کہ بعض کتابوں میں عمر بن سعد کا خط پورے الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہو اور بعض میں (جہاں تک میری محدود نظر ہو) اس خط میں تو اختصار ہو، مگر خود حضرت حسینؑ کے الفاظ کی پوری روایت ہو۔ اس لیے ان دوسری قسم کی کتابوں سے بجائے عمر بن سعد کے خط کے حضرت حسینؑ کے الفاظ کی رعایت لی گئی ہو۔ ملاحظہ فرمائیے!

عمر بن سعد کے خط بنام ابن زیاد میں حضرت حسینؑ کی تیسری شرط صلح کے الفاظ

"وان یأتی یزید امیر المومنین فیضم یدہ فی یدہ" (تاریخ ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۲۳)

حضرت حسینؑ کے الفاظ میں تیسری شرط صلح

"واما ان اذہب الی یزید فاضم یدی فی یدہ"

(امام ابن حجر ج ۲ ص ۱۷)

"واما ان اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ فی ید فیما بین یدین و بینہ لایہ"

(۱۰ تاریخ طبری ج ۶ صفحہ ۲۳)

”فَإِنَّ ابْنَتَ هَذِهِ“ ”خَیْطَرِیْ اِلٰی یَزِیدِ فَاضْعَ یَدِیْ فِیْ یَدِهِ“ فِیْعَلُکُمْ فِیْ مَا رَأٰی“

(البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۱۱)

تیسری شرط صلح علامہ سیوطیؒ کے الفاظ میں

”وَالْمَضٰی اِلٰی یَزِیدِ فِیْضَعُ یَدَهُ فِیْ یَدِهِ“ (تاریخ الخلفاء راجع لاہور) صفحہ ۱۱

امام ابن تیمیہؒ کے الفاظ میں

”وَطَلَبَ اَنْ یَّرُدَّهٗ اِلٰی یَزِیدِ ابْنِ عُمَرَ حَتّٰی یَضَعَ یَدَهُ فِیْ یَدِهِ“

(رسالہ رأس الجبین ص ۲)

یہ ہیں چند مستند کتابوں کی عبارتیں! — جو حضرات عربی زبان اور عربی محاورات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ”یضع یدہ فی یدہ“ اور ”اضع یدہ فی یدہ“ کے الفاظ جو ان عبارات میں مشترک ہیں وہ بیعت کا مفہوم ادا کرنے کے لیے خود بیعت کے لفظ سے بھی زیادہ طبع اور صریح ہیں — اردو محاورہ

لے لے ان دو عبارتوں میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہو کہ ”پھر یزید جیسا مناسب سمجھے گا میرے ہاتھ میں فیصلہ کرے گا۔“ یہ غالباً ابن زیاد کے قول کا جواب ہو، عمر بن سعد کی معرفت ابن زیاد کو جب حضرت حسینؑ کی بات ہوئی تو اب میرا کوئی ارادہ نہیں ہو میں داپس جانا چاہتا ہوں تو اس نے جواب میں یہ کہلایا کہ پہلے وہ بیعت کر لیں پھر ہم ان کی بات کے متعلق فیصلہ کریں گے (ابا یہ ۱۱۱ ج ۸ صفحہ ۱۱) تب آپ نے وہ تین صورتیں پیش کی تھیں جن میں سے ایک یہ تھی جسکے لیے اس عربی عبارت پیش کی جا رہی تھی مطلب یہ ہوگا کہ بیعت کے بعد فیصلہ کا اختیار نہیں دے سکتا۔ ابن زیاد کو دے سکتا ہوں۔ — ابن زیاد کو اختیار نہ دینے اور یزید کو دینے کی ایک خاص وجہ تھی۔ ابن زیاد کے حلق آپ کو یقین تھا کہ اس کا فیصلہ صرف میرے قتل کا ہوگا چنانچہ شہادت سے کچھ پہلے جب غزوہ فحاحہ کے ایک آدمی نے کہا کہ آخر آپ ابن زیاد کی بات کیوں نہیں مان لیتے، پھر آپ جو چاہیں گے وہ ہوگا! تو آپ نے یہ جواب دیا تھا کہ کیا تو یہ چاہتا ہو کہ ابن زیاد کے خلاف ہوا شتم کا اب تک جو ایک خون کا مطالبہ ہو (یعنی مسلم بن عقیل کے خون کا) وہ اب ایک سے بڑھ جائے زانیع ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۱۲) اس کے برعکس یزید سے آپ کو حسن سلوک کی توقع تھی اور ہمارے خیال میں یہ توقع ضرور دہری ہوئی اسلئے کہ حضرت معاویہ کی نہایت تائید کے ساتھ یزید کو یہ وصیت تھی کہ اگر حسینؑ کو ذرا دل کے کٹے ہیں، اگر کوئی اٹھ اٹھ کر بیٹھیں اور تو ان پر قابو پالے تو پھر بھی سچا کہ اور احسان کا معاملہ کرنا۔ حضرت حسینؑ کے ساتھ تو اس کو اس وصیت کے مطابق عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن اس نے آپ کی اولاد کے حق میں اس وصیت کا خیال رکھا۔ وابتداء میں علی بن ابی طالب کے ساتھ جو خصوص سلوک کا اس نے حکم دیا تھا وہ اس پر شاہد ہو، اس پر امیر کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حسینؑ کی یہ توقع بھری ہوئی۔

میں ”ہمیں ملے دینا“ اور فارسی میں دست در دست دادن“ جو بیعت کیلئے عام طور سے استعمال ہوتے ہیں اور بیعت کا مفہوم ادا کرنے میں زیادہ تلخ سمجھے جاتے ہیں وہ دراصل اسی عربی ترکیب ”وضع الید فی الید“ کا لفظی ترجمہ ہیں۔ حضرت حسینؑ ہی کے متعلق مشہور فارسی مصرعہ ہو ————— ”سزاؤں و دادوں دست و دست“ ————— اس میں ”داد دست در دست یزد“ سے بیعت ہی کا انکار تو مقصود ہو!

بہر حال ان عبارات کو پڑھ لینے کے بعد کسی کو اس میں شبہ نہیں رہ سکتا کہ اس تاریخی روایت کے بموجب حضرت حسینؑ نے قسری شرط یہی پیش کی تھی کہ مجھے یزد کے پاس بھیج دیا جائے میں ہاں بیعت کر لوں گا۔ اصل سوال کا جواب ختم ہو چکا، لیکن ممکن ہو کہ اس کے بعد ناظرین کے ذہن میں یہ سوال خود بخود پیدا ہو کہ اگر وہ اس لئے اچھے اچھے ذمہ دار اور ذی علم حضرات نے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے بیعت پر آمادگی کا ذکر کیوں نہیں کیا؟۔

حقیقت کا علم تو اشرسی کو ہو لیکن ہمارا خیال ہو کہ جن حضرات کے متعلق یہ اندازہ ہو کہ ان کی نظر تاریخ پر ہو۔ انھوں نے یا تو خود اس معاملہ میں افراط و تفریط میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یا شہرتِ عامہ سے متاثر ہو کر (جو شہر حقیقت ثابتہ بن چکی ہو) اس بات کو گول کرنے کی کوشش کی ہو ————— ورنہ یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے روایت کے صاف الفاظ کا مطلب غلط سمجھا ہو۔ ————— والٹر اعلم

اصل بات یہ ہو کہ بارہ تیرہ سو برس کا شیخی پر وسیگنڈہ دنیا کو یہ یاد کرانے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ یزید کی خلافت اس درجہ کی باطل حکومت تھی جس کو تسلیم کرنے کی اور خلیفہ کی حیثیت سے اس سے بیعت کرنے کی اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ اس پر وسیگنڈے کے اثر سے جب یہ خبیثانہ حقیقت ثابتہ بن کر پوری ذہنی فضا پر مسلط ہو گیا تو پھر قدرتی طور پر اس قضیہ کو انتہا

۱۵ ان الفاظ کے پیچھے زیادہ تلخ اور صریح ہونے کی وجہ یہ ہو کہ بیعت کی صورتیں مختلف ہو چکی ہیں مثلاً ایک یہ کہ خط و کتابت کے ذریعے کسی سے بیعت کی جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی نائب یا نمائندہ کے ذریعے کسی کی بیعت کی جائے، تیسرے یہ کہ سہن زبانی اقرار کے ذریعے بیعت کی جائے یا کثیر مجمع کے ساتھ حاد و غیرہ بولا کر بیعت کی جائے۔ اور ان سب صورتوں میں سب سے زیادہ پختہ اور موثر بیعت کی صورت یہ ہو کہ ملاد اسطہ ملے ملے میں ملے ملے کے ساتھ بیعت کی جائے۔ پس جب بیعت کے لیے عربی میں ”وضع الید فی الید“ یا فارسی میں ”دست در دست دادن“ یا اردو میں ”ملے ملے“ یا ”ملے دینا“ کے الفاظ استعمال کیا جاتا ہو تو اس سے بیعت کی صورت آخری صورت ہی مراد ہوتی ہو، جو باقی تمام صورتوں کے مقابلہ میں زیادہ پختہ اور موثر ہوتی ہو۔ اس لیے اس تفسیر میں زیادہ بلاغت و صراحت ہو۔

نہ اس میں روشنی میں دیکھا جائے گا! اب کیا کام آدمی کے سامنے ایک چیز ایسی آتی ہو جو اس کے اس خصل سے میں نہیں کھاتی، تو وہ اسے رد کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اگر رد نہیں کر سکتا تو گول کر کے گزر جاتا ہو۔ اس نیربخت بکسے لمبے میں بھی ہوا لوگوں کو ایسی شے پر دنگنڈے کی بنیاد پر یہ بات حضرت حسینؑ کے خلاف شان اور ان کے لیے باعث عار نظر آئی کہ وہ کسی حلقہ پر بھی یزید سے صلح کے جو یا اور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس لیے وہ اس کے اظہار کو گوارا نہ کر سکے حالانکہ اس سے بہتر صورت تو یہ تھی کہ وہ اس تین متبادل شرائط والی روایت کا انکار ہی کر دیتے، اور اس روایت کو لیتے جس میں باختلاف روایات صرف پہلی یا دوسری شرط مذکور ہو۔ مگر اس کی کمزوری کی سبب بڑی لیل ہی ہو کہ باوجود تیسری شرط کی ناگواری کے اس روایت کو نہیں لیا گیا اور اسی لیے میں نے اپنے مضمون میں بھی اس کا ذکر نہیں کیا، بہر حال اس تصرف بیجا کی ہی وجہ سمجھ میں آتی ہو۔ لیکن ہمیں یہ بات کسی پہلو سے بھی حضرت حسینؑ کے لیے باعث عار یا خلاف شان نظر نہیں آتی۔ اور ہمارے نزدیک اس کی بہترین توجیہ ممکن ہو جس کی طرف ہم نے اپنے مضمون میں صفحہ ۴۸ پر سطر ۱ تا ۴ تک کچھ اجالی اٹھا بھی کیا ہو۔ لیکن ان لوگوں کی پوری نشانی شاید اس سے نہ ہوگی ہوگی جو اس قضیہ کو شیعوں کی دی ہوئی عینک سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اس لیے یہاں اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا بیجا نہ ہوگا کہ اس قضیہ کی واقعی نوعیت کیا ہو؟ اور شرعی دلائل کی رو سے یزید کی خلافت کی کیا حیثیت ہو؟۔

اس مسئلہ پر اگر مختصری دیر کے لیے بھی ان جذبات سے الگ ہو کر غور کیا جائے جو حضرت حسینؑ کی مظلومانہ شہادت اور اس کے مفرطانہ پرونگنڈے سے پیدا ہو گئے ہیں تو اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ قضیہ کی اصل نوعیت وہ نہیں ہو جو سمجھ لی گئی ہو۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ حضرت حسینؑ کا اختلاف کن بنیادوں پر تھا؟ اور پھر یہ کہ آیا یہ بنیادیں ایسی ہیں جو جانب مخالف کو باطل بھن بنا دینے میں اس طرح تطہیت کا درجہ رکھتی ہیں کہ اس مصاصت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور اس کے ساتھ صلح باطل کے ساتھ صلح کھلائی جائے اور اس کی مخالفت سے دست کشی حق سے انحراف کے مراد قرار پائے؟۔

اس سے تو غالباً کسی کو بھی انکار نہ ہوگا کہ یزید کے خلاف سے حضرت حسینؑ کے اختلاف کی بنیاد صرف دو چیزوں پر تھی۔ ۱۔ باپ کے بعد بیٹے کی خلافت ولیمدی کے طریقہ سے۔ ۲۔ یزید کا فسق! اب دیکھیے کہ ان میں کون چیز ایسی ہو جو یزید کی خلافت کو اس درجہ باطل

بنادیتی ہو کہ اے تسلیم کر لینے کا مطلب حق سے انحراف ہو؟ — واضح رہے کہ ہماری اس بحث میں حق و باطل کا وسیع تر مفہوم نہیں، بلکہ خاص شرعی مفہوم مراد ہو، اس لیے کہ یہ بحث تمام تر شرعی ہو! — پہلی چیز کو لیجیے اور غور کیجیے کہ کیا دلائل شرعیہ میں سے کوئی دلیل قطعی آپ کے پاس ایسی موجود جو بیٹے کی ولیہدی کو باطل اور ناقابل تسلیم قرار دیتی ہو؟ کوئی نص قرآنی ہو؟ کوئی حدیث ہو؟ امت کا اجماع ہے؟ — یقیناً ان دلائل قطعیہ میں سے کوئی دلیل موجود نہیں ہے! اس کی صریح ممانعت ہمیں کہیں نہیں ملتی اور اگر ہوتی تو حضرت حسینؑ اسے ضرور پیش فرماتے! — لے لے کے صرف دو چیزیں اس باب میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عجیوں کی اس رسم کا ناپسندیدگی کے انداز میں ذکر فرمانا۔ دوسرے خلافت راشدہ کی روایت کا اس کے خلاف ہونا لیکن ظاہر ہو کہ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی اس کے عدم جواز اور بطلان کی دلیل نہیں بن سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی رو سے اس چیز کا صرف نامناسب اور ناپسندیدہ ہونا لازم آتا ہو۔ دوسرے ابواب میں حضور کے اس قسم کے اس سے بھی واضح ترک کئے ہی ارشادات ہیں جن کو کہیں بھی عدم جواز اور بطلان کی دلیل نہیں بنایا جاتا۔ مثلاً ایک ارشاد ہے

لا تقوموا لی مکا یقوم میرے لیے کھڑے مت ہو کہ جیسے کو بھی لوگ

الاعاجم یعظم بعضهم بعضاً ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں صرف انداز کلام سے محسوس کی جانے والی ناپسندیدگی نہیں، بلکہ صاف الفاظ میں بھی ہے لیکن اس کے باوجود اسے صرف تنزیہ پر محمول کیا جاتا ہو۔ علیٰ ہذا خلافت راشدہ کی روایات کے خلاف ہونے سے بھی اسے صرف ایک غیر مثالی بات کہا جاسکتا ہو، بلکہ اس قول کے مطابق (کہ حضرت حسنؑ کا دور خلافت بھی خلافت راشدہ میں شمار ہو) یہ بات بھی کہنی مشکل ہے۔ اس لیے کہ نفس ولیہدی کا جواز تو حضرت ابوبکرؓ کے عمل سے ثابت ہو کہ حضرت عمرؓ کو انھوں نے اپنا ولیعہد بنایا۔ اور باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کا جواز حضرت حسنؑ کی خلافت سے ملتا ہے۔ اور اگر حضرت حسنؑ کے دور خلافت کو خلافت راشدہ میں شمار نہ کیا جائے تو جس طرح بیٹے کی ولیہدی کی مثال خلافت راشدہ میں نہیں ملتی، اسی طرح بغیر ولی عہدی کے بھی بیٹے کی خلافت کی مثال دہاں نہیں ملتی۔ — سنت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما، ان کے یہ بھی خلافت اور وہ بھی خلافت! فرق صرف کم و بیش کا ہے۔ — پس لامحالہ ہمیں یہ

کنٹراے گا کہ باپ کی خلافت ولید ہی کے راستے سے بیٹے کو ملنا، شریعت میں اس کے باطل اور ناقابل تسلیم ہونے کی کوئی دلیل نہیں...! بات صرف معیاری اور غیر معیاری — اور زیادہ معیاری اور کم معیاری کی ہو! لہذا پہلی بنیاد پر تو حضرت حسینؑ کے اختلاف کی نوعیت میں یہی نکلتی ہو اس زیادہ اختلاف کی کوئی حقیقت نہیں!

اب لیجیے دوسری بنیاد اختلاف کو — کہ یہ یہ میں چونکہ فسق کے اوصاف پائے جاتے تھے اس لیے حضرت حسینؑ کو اس کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار تھا — تو یہ بنیاد بے شک پہلی کی نسبت زیادہ قوی ہے۔ اور اسی کی موجودگی سے اختلاف کی نوعیت پہلے سے کچھ بدل جاتی ہو۔ اور سوال صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ یا مثالی اور غیر مثالی کا نہیں، بلکہ جائز اور غیر جائز کا ہو جاتا ہے، کیونکہ ایسے کسی شخص کی خلافت سے اسلامی خلافت کا موضوع لہ فی الجملہ تو فوت ہو ہی جاتا ہو۔ اور بالکل فوت ہو جانے کا بھی کافی اندیشہ ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی شخص کو اس کا امکان نظر آئے کہ وہ خلافت اسلامی کے ان عظیم مقاصد کو اس خطرہ سے بچا سکتا ہو، یعنی اس خلافت کو وہ ایسی طاقت کے ساتھ چیلنج کر سکتا ہو جو اس کو ختم کرنے کے لیے بظاہر اسباب کافی ہو تو پھر ضرور اس کے لیے جائز ہو کہ وہ بیعت سے انکار کرے — لیکن یہ بجائے خود شریعت کا ایک مسئلہ مسلک ہو کہ اختلاف ہو جانے کے بعد (خواہ جبراً ہی کیوں نہ ہو) ایسے شخص کی خلافت بھی منقذ ہو جاتی ہے۔ لہذا اس بنیاد کے پائے جانے کے باوجود بھی کسی فاسق کی خلافت کے باطل محض ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ شریعت اس خلافت کو بھی تسلیم کرتی ہو۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ جب حضرت حسینؑ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ طاقت جس کے اعتماد پر انھوں نے اب تک یہید کی بیعت سے انکار کیا تھا اور اس کی خلافت کو چیلنج کرنے کا ارادہ کیا تھا، یہی نہیں کہ یکایک ساتھ چھوڑ گئی ہو؛ بلکہ مخالف طاقت بن کر سامنے آگئی ہو، تب ان پر کیا حرج آ سکتا ہو۔ اگر وہ بیعت کیلئے تیار ہو گئے ہوں؟ — جب شریعت حقہ مسلمانوں کے مصالح کی وجہ سے ایسے شخص کی خلافت کو تسلیم کر لیتی ہو تو حضرت حسینؑ کے لیے اس کو تسلیم کر لینا کیونکر باعث عار ہو سکتا ہو؟ — ہم کب کہتے ہیں کہ انھوں نے موت کے ڈر سے ایسا کیا؟ ہم تو ان کے متعلق اس کا تصور کرنے کیلئے بھی تیار نہیں ہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ قتل کی دھمکیاں اور موت کا خوف تو ان کا سر نہ جھکوا سکے۔ لیکن شریعت کے

حکم کے آگے وہی سر بلا چون و چرا جھک گیا۔ اس سے ایک مومن کی شان گھٹتی نہیں ہو جیتی ہو۔ اور خدا ہی جانتا ہو کہ کتنی بڑھ جاتی ہو۔ جبکہ ظاہر مومنوں کو اس میں عزت و وقار کا خون ہوتا ہوا نظر آتا ہو۔ کر بلا کے میدان میں بالکل یہی صورت حال تھی۔ بیعت سے انکار اور برسرِ پیکار رہنے کی شرعی وجہ جواز ختم ہو چکی تھی۔ اب صرف ان کا سوال ہو سکتا تھا! عزت و وقار کا سوال ہو سکتا تھا کہ دنیا کیا کہے گی؟ کتنی بڑی سبکی ہو گی؟ اور وہ لوگ کیا کہیں گے جو شرع میں منع کرتے تھے؟ لیکن حضرت حسینؑ نے کسی چیز کی پروا نہیں کی کسی سوال کی کوئی اہمیت نہیں دی۔ اور بیعت کی پیش کش فرما کر اپنی شہادت کو اس دمہ سے بچا لیا کہ صرف ان پر جان سے دی۔

الغرض اسلامی نقطہ نظر سے تو یہ بات باعثِ عار نہیں، باعثِ عزت ہو کہ حضرت حسینؑ کے اس اقدام کا اختتام اس پیش کش پر ہوا۔ البتہ جاہلی نقطہ نظر بالکل یہی ہو کہ اگر ایسا ہوا تو (معاذ اللہ) گویا لوثیا ڈوب گئی اور اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہو تو گویا وہ حضرت حسینؑ کی تنقیص شان کا مرکب ہوتا ہے۔

شاید کسی کو شبہ ہو کہ اس توجیہ پر بھی یہ اعتراض وارد ہوتا ہو کہ پھر انھوں نے دو صورتیں اور کیوں پیش کی تھیں؟ اس توجیہ کے مطابق تو انھیں پہلے ہی دہلہ میں بیعت کی پیش کش فرمانا چاہیے تھی! لیکن یہ شبہ علت تدبیر پر مبنی ہو۔ تیسری صورت اگر نفسِ بیعت کی ہوتی تو شبہ ممکن تھا۔ مگر ایسا نہیں ہو۔ تیسری صورت یزید کے ہاتھ پر بیعت کی ہو نہ کہ نفسِ بیعت کی۔ اس لیے یہ نہیں لازم آتا کہ پہلی صورتوں میں بدستور بیعت نہ کیا تھا، پھر ان دونوں صورتوں میں الفاظ بھی ایسے نہیں ہیں جن سے بیعت کا بدستور انکار مفہوم ہوتا ہو۔ لہذا بات بالکل صاف ہو کہ بیعت کے لیے تو آپؐ نے اول دہلہ میں خود کو تیار کر لیا تھا، لیکن اس کے لیے ضروری تو نہیں تھا کہ یزید کے پاس جایا جائے، بلکہ وطن واپس ہو کر مقامی حاکم کے ذریعہ بھی ہو سکتی تھی۔ پس آپؐ نے پہلی صورت یہی پیش فرمائی کہ مجھے واپس جانے دیا جائے۔ اب اس سے یہ مطلب نکالنا کہ آپؐ کا ارادہ بیعت کا نہیں تھا، ایک عجیب سی بات ہو جبکہ قرآن بھی اس کے خلاف ہیں۔ اُس لیے کہ اس سے تو انکار کی گنجائش نہیں کہ آپؐ نے کو فیوں کی فدا دی دیکھ کر طلبِ خلافت کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اب خواہ یہ ترک اس وقت مانا جائے جب کہ آپؐ نے جو بن یزید کے سامنے واپس کے ارادہ کا اظہار فرمایا، یا اس وقت مانا جائے جب کہ آپؐ کو مسلم ہی عقیل کے قتل کی خبر ملی جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہو کہ لما بلغنا ما فعل بابن عبد مسلم بن عقیل شرر طلب الامر (منہاج السنہ ۲ ص ۲۴۷) یعنی جب آپؐ کو اس واقعہ کی خبر پہنچی جو آپؐ کے چچے بھائی

مسلم بن عقیل کے ساتھ پیش آیا تو آپ نے طلبِ امارت کا خیال چھوڑ دیا۔

بہر حال جس وقت بھی چھوڑا ہو، اتنی بات تو مسلم بڑکھڑو دیا تھا، پھر اس کے بعد بیعت سے انکار کی غلطی کی گنجائش رہ جاتی تھی؟ علیٰ ہذا دوسری صورت میں بھی بیعت سے انکار نہیں ہو، بلکہ اس کا مطلب تو صرف یہ ہو کہ اگر تم مجھے حجاز میں قیام کی اجازت دینا نہیں چاہتے تو کسی سرحد پر بھیج دو، تاکہ بقیہ عمر میں وہاں جہاد اور باطنی سبیل اللہ میں گزار دوں، اور اگر یہ دونوں باتیں نامنظور ہوں تو جلیوزیہ کے پاس چلے چلو۔ وہ جو فیصلہ میرے حق میں کرے۔ البعض ان حالات میں جنگ سے بچنے کی کوئی امکانی صورت بیعت کے علاوہ تھی۔ اس لیے یہ خیال کرنا کسی طرح صحیح نہیں کہ پہلی دو صورتوں کا مطلب بیعت سے انکار تھا۔

یہ بحث بھلے خود تمام ہو گئی اور ظاہر ہو گیا کہ خود حضرت حین کے نزدیک بھی یزید کی خلافت کی حیثیت کیلئے باطل کی بنی ہوئی جو کئی حال تسلیم ہی نہ کیا جاسکتا ہو۔ لیکن ہم اس پر ایک اور اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ اسے اس بحث کا تہہ سمجھ لیجئے۔ وہ یہ ہو کہ اس بات کو جاننے کے لیے کہ خلافت یزیدی کی حیثیت کیا تھی؟

حضرت حین کے اختلاف کا تجزیہ کرنے کے علاوہ ایک ہی ذریعہ بھی ہو۔ اور بلاشبہ یہ ایک مومن مسلم کے لیے خدا و رسول کے ارشادات کے بعد سب سے بڑا اور سب سے سچا معیار حق و باطل ہے۔ کہ اس وقت (حضرت حین کے علاوہ) سچے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے ان کا عندیہ اس بارے میں کیا تھا؟ ان کا عندیہ یا اقوال سے معلوم ہو سکتا ہو، یا ان کے رویہ اور طرز عمل سے؛ اقوال تو اس معاملہ میں بجز چند کے ہم تک پہنچنے نہیں، لیکن رویہ اور طرز عمل عمومی طور پر سب ہی کا منقول ہو یا بطور قیاس معلوم ہو۔ اور وہ (پیششار چار بائچ) سکوت — رضا — یا نیم رضا کا ہو، یعنی ایسے حضرات تو بہت سے ہوں گے جنہیں یزید کا ولیعہد بنایا جانا پسند نہ ہوگا بلکہ سخت ناگوار ہوگا، لیکن جب یہ ہو گیا اور بہت سے لوگوں نے بیعت کر لی تو پھر ان حضرات نے بھی جو اس سے راضی نہ تھے، طوعاً یا کرہاً سکوت مان لیا۔

پھر اکثر نے سکوت اختیار کیا اور بعض کی رضا کا کسی درجہ میں اظہار بھی ہو گیا۔ مثلاً جب عراق و شام کے لوگوں نے بیعت کر لی لیکن حجاز میں چند بڑے لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے جن میں ایک حضرت حینؑ تھے، مخالفت قائم رہی تو حضرت معاویہؓ اس مخالفت کو فرو کرنے کے لیے مدینہ آئے۔ وہاں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مخالفین (حضرت حینؑ وغیرہ) کے رویہ کی شکایت کی تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے سنا ہو تم نے ان لوگوں کو قتل کی دھمکی دی۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ انہیں ایسا تو نہیں

لیکن آپ ہی بتائیے کہ جب میں خود اور میرے علاوہ بہترے آدمی بیعت کر چکے ہیں تو کیا اب بیعت توڑ دی جائے؟ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ فرمایا کہ نہیں اس کی ضرورت نہیں ہو، ان لوگوں کے ساتھ نرمی کی جائے گی تو امید ہو کہ یہ بھی راضی ہو جائیں گے۔۔۔ یہ رضا کی ایک مثال ہو۔ ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اس کا پورا موقع تھا کہ وہ اپنی ناراضگی کا اظہار فرمادیتیں۔ انھیں عزت و احترام کا وہ مقام حاصل تھا کہ حضرت معاویہ یا کوئی ان کے سامنے دم نہیں مار سکتے تھے، ہر شخص کا سر نیاز ان کے سامنے جھکتا تھا۔ اور حضرت معاویہ بھی اسی انداز میں حاضر خدمت ہوئے تھے، اور پھر ان کی صاف گوئی تو ایک نانی ہوئی بات ہے۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ اس طرز عمل سے ان حضرات کا کیا عندیہ معلوم ہوتا ہو؟ آیا یہ کہ یزید کی خلافت باطل محض تھی یا یہ کہ صرف ایک مضمر اور ناپسندیدہ بات کا درجہ رکھتی تھی، جسے کسی وقت بدرجہ مجبورگی اور ارباب بھی کیا جاسکتا تھا؟۔۔۔ یقیناً دوسری صورت تھی! لیکن اگر کوئی اس طرز عمل کی کھلی شہادت کو بھی نظر انداز کر کے کہتا ہے کہ خلافت یزید کی کسی حال میں بھی قابل تسلیم نہ تھی، اور صحابہ کرام اس کو ایسا ہی سمجھتے تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی آگے بڑھ کے اس کو چیلنج کرنے کی ہمت نہ کر سکا، یہ صرف حضرت حسینؑ کا چہلہ تھا کہ وہ میدان میں نکلے اور انھوں نے لگا کر یہ دراثہ ناجائز اور یہ دنیوی حکومت باطل ہے۔۔۔۔۔ تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی اس جرات کی کیا داد دیں؟۔۔۔ کاش ایسا کئے والے سوچے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور ایک حضرت حسینؑ کی رفعت شان کے لیے انھوں نے کتنے دوسرے بزرگ تر صحابہ کی شان کو کتنا گرا دیا ہے اور انکی سزا عظمت و جلال کے کماں کماں تک مجروح کر ڈالا ہو!

ہمیں معلوم ہو کہ شیعہ نقطہ نگاہ اس معاملہ میں یہی ہو اور ان کے بنیادی اصول کا یہ لازمی تقاضہ ہو لیکن جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضیلت و مقام صحابیت کی عظمت کے بارے میں یہ نقطہ نگاہ رکھتا ہو جسکی بنیاد کتاب و سنت پر ہو۔ اور جو جہود امت کا بنیادی اصول ہو، اگر اسکی زبان سے ایسی بات نکلتی ہو تو اسے سوا کیا کہا جاسکتا ہو کہ شیعہ پڑیٹھ کا عیاد ہو جو سر پر چڑھ کر بولی رہا ہو۔۔۔۔۔ کے نہیں معلوم ہو کہ سیدنا حسینؑ حضرت علیؑ اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بہت صغیر لسن تھے اور حضورؐ کے دہائی کے وقت انکی عمر صرف ۸-۹ سال کی تھی اور وہ اصحاب کبارؓ و معجود نے یزید کے معاملہ میں خاموشی کو ترجیح دی۔ ان میں سے کتنے ہی وہ تھے جنھیں خود حضورؐ کے چھوٹے کے نیچے لاکر باطل سے معرکہ آرائی کی تربیت پانے کا موقع ملا تھا!۔۔۔ اس پر بھی اگر کوئی کہتا ہو کہ مقام عزیمت صرف حضرت حسینؑ کو ملا

اور ان سب بزرگوں نے رخصت کی راہ تلاش کی تو ہم قرآن کی زبان میں کہیں گے کہ
كَذَّبَتْ ثَكْلَةٌ بِخُرُوجِهِمْ مِنْ أَهْوَاهِهِمْ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا

میں نے جو اپنے مضمون میں یہ لکھا کہ ”ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کر بلا کے واقعہ کو معرکہ حق و باطل کی حیثیت سے پیش کیا جانا ہو، تو یہ الفاظ شاید بعض لوگوں پر گراں گذرے ہوں گے اور انہوں نے سوچا ہوگا کہ آخر اس ”مورخانہ“ انداز بیان کی کیا ضرورت تھی، اتنی صراحت نہ کی باقی تب بھی کیا تھا بات تو اس کے بغیر بھی ادا ہو گئی تھی؛ لیکن اب شاید وہ محسوس کر سکیں گے کہ یہ الفاظ کتنے ضروری تھے، لوگ اے محسوس نہیں کرنے کہ اہلبیت کی محبت و تعظیم میں (جو فی نفسہ یقیناً حق ہو) ہم حضرت حسینؑ کو جو کریدٹ دیتے ہیں اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ تر اصحاب یا صفا کے حق میں کیا نتیجہ نکلتا ہو۔ اور ان کے رتبہ اور تقدس پر کتنی گہری چوٹ پڑتی ہو اور خود نگاہِ نبوت کی تاثیر پر اس کی زد پڑتی ہو! جس کا ادنیٰ شعور بھی اگر کسی مسلمان کو ہو جائے تو وہ ایسے کریدٹ کو ایک بار نہیں ہزار ہزار بار ایسی عظمت اور ایسی نظر کیا اثر پر قربان کرنا، اپنے ایمان و اسلام کا عین تقاضا سمجھے گا! — میرے لیے اتنی صراحت کا انداز بیان اختیار کرنے کی ایک وجہ اور بھی ہوئی۔ وہ یہ کہ اس مضمون سے ٹھیک تین سال پہلے (ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ کے الفرقان میں) نگاہِ ادب کے عنوان کے تحت میں نے بھی بے شعوری کے عالم میں اس واقعہ کو اسی مشہور حیثیت میں پیش کیا تھا اور میں اس وقت ایسا ہی سمجھا تھا، مگر میرے ایک نہایت شفیق بزرگ نے اس کو پڑھتے ہی مجھے خط لکھ کر ٹوکا کہ یہ تم نے کیسی زبردست غلطی کی۔ وہ شاید مجھے واقف سمجھتے تھے اس لیے غلطی کی توضاحت نہیں فرمائی بلکہ اس کے بعض عواقب و اثرات پر روشنی ڈالی۔ مجھے اس تنبیہ سے اپنی نادانانہ غفیلیت کا احساس ہوا اور پھر جو کچھ موقع نکال کر واقعہ کو ذرا تفصیل کے ساتھ دیکھا اور اس کے تمام پہلوؤں پر غور کیا تو میں نے جانا کہ واقعی میں نے ایک عظیم غلطی کی ہو اور مجھے اس کا کفارہ ادا کرنا چاہیے۔ اتفاق سے بعض لوگوں نے گذشتہ سال الفرقان میں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ کچھ لکھے جانے کی تحریک کی اور ضرورت کا احساس دلایا۔ لیکن اُس سال الفرقان کی اشاعت رمضان تا ذی الحجہ بند رہی، چنانچہ اب کی مرتبہ جب اس فرائض کو پورا کرنے کا موقع ملا اور میں نے لکھنا شروع کیا تو ضروری سمجھا کہ اس ضمن میں اپنی اس غلطی کا کفارہ بھی

۱۔ کتنی جرات کا کلمہ ہو جو ان کی زبانوں پر آ رہا ہو۔ بلاشبہ ان کا یہ کتنا جھوٹ اور سراسر جھوٹ ہو (ترجمہ آیت فرقان)

۲۔ الفرقان ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ۔

ادا کر دوں اور اس عام غلطی کی صراحتاً تردید کروں جس میں میں بھی مبتلا تھا۔ اس وجہ سے بھی میں نے اس قدر صراحت ضروری سمجھی۔ اللہ تعالیٰ میری اس نادانستہ غلطی کو معاف فرمائے اور اس کے جو غلط اثرات کسی کے ذہن پر پڑے ہوں ان کو محو فرمائے! اور میرے ان بزرگ کو جزائے خیر عطا فرمائے جن کی تنبیہ سے مجھے اس کی تلافی کی توفیق ملی۔

۳۔ اس سوال پر نہایت حیرت ہو! ایک ایسی مسئلہ بات پر کسی حوالہ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہو جس کے خلاف کوئی مستند حوالہ نہیں پیش کیا جاسکتا، پھر بھی ہم سائل کی تشفی کے لیے چند حوالے درج کرتے ہیں۔
(۱) ابن خلدون کی تاریخی حیثیت سے کسی واقعہ کو انکار نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں صراحتاً لکھتے ہیں۔

ولم یبق فی المخالفة لهذا العهد الذي اتفق عليه الجمهور
الا ابن الزبير
اور (حضرت حسینؑ کے بعد) سوائے حضرت
عبد اللہ بن زبیر کے اس عہد (خلافت زید)
کا جس پر جمہور متفق ہو چکے تھے اور کوئی
مخالفت باقی نہ رہا تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۷)

(۲) اور زیادہ ثبوت درکار ہو تو وہ ایک تسلیم شدہ حقیقت کی طرح لکھتے ہیں۔
..... فانهم اکثر الصابة
وكانو مع يزيد ولم
يروا الخروج عليه.
حضرت حسینؑ کا ساتھ نہ دینے والوں کو
گنہگار نہیں قرار دیا جاسکتا، کیونکہ ان کے صحابہ
میں زیادہ وہی تھے وہ زید کے ساتھ تھے اور ان کی
رائے اس پر خروج کرنے کی نہیں ہوئی۔ (ایضاح ص ۱۸)

(۳) حضرت عبد اللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما چونکہ شروع میں حضرت حسینؑ کے علانیہ مخالف تھے اس لیے ان کا تو خاص طور پر نام لے کر بیعت کرنے والوں میں ذکر کیا گیا ہو۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

بایع ابن عمر وابن عباس وصمم
على مخالفة الحسين وعبد الله
بن الزبير. (البیاء والنهاية ج ۱ ص ۱۵۱)
ابن عمر اور ابن عباس نے بیعت فرمائی
اور حسین اور عبد اللہ بن زبیر مخالفت پر
قائم رہے۔

۴۴) ان کے علاوہ بھی اور چند نام معلوم کرنے ہوں تو حضرت حسینؑ کا زید کے لشکر سے وہ خطاب یاد کیجئے جس میں دشمنوں کو اپنے اپنا مرتبہ بتاتے ہوئے پانچ صحابیوں کو نام بنام اس پر گواہ بنا کر فرمایا تھا کہ وہ تم میں موجود ہیں ان سے تصدیق کر لو۔ وہ نام یہ ہیں۔ زید بن ارقم، سہل بن سعد، انس بن مالک، ابوسعید خدری، جابر بن عبد اللہؓ۔ شاید اس کے لیے کسی خاص حوالے کی ضرورت نہ ہوگی۔ واقعہ کہ بلا جس کتاب میں بھی تفصیل سے مذکور ہو اس میں یہ واقعہ موجود ہو۔

۴۵۔ زید کے رد عمل کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت وہ جو حرج ہم نے ذکر کیا۔ دوسری یہ ہو کہ اسے اس وقت تو خوشی ہوئی، لیکن جب دیکھا کہ اس واقعہ سے لوگوں میں اس کے خلاف عام ناگواری پھیل گئی ہو تو وہ پھٹا یا اور وہ افوس کے الفاظ اس نے اس وقت کہے۔ تیسری روایت یہ ہو کہ اسے اس واقعہ سے نہ کوئی خوشی ہوئی اور نہ کوئی خاص ناگواری۔ پہلی روایت کو امام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہو (رسالہ راس الخمین ص ۷۲)، تیسری روایت کو ابن کثیرؒ نے اختیار کیا ہو (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۰۰) لیکن دوسری روایت کو عطاء حضرت میں سے جہاں تک مجھے معلوم ہو، کسی نے اختیار نہیں کیا۔ البتہ ہمارے اس زمانہ میں بعض ایسے "محققین" نے جن کے علم و تحقیق کا بڑا شہرہ رہا ہو اس روایت کو ضرور خوب اچھالا ہو۔ لیکن ظاہر ہو کہ ابن تیمیہؒ اور ابن کثیرؒ کے آگے ان کی کیا حقیقت ہو! میں نے اپنے مضمون میں ابن تیمیہؒ کی رائے کو اختیار کیا ہو، اور اس کی خاص وجہ یہ ہو کہ (جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں) اس مضمون سے میرے پیش نظر بعض غلط فہمیوں اور بے اعتدالیوں کی اصلاح تھی، نہ کہ خالی تاریخ نگاری۔ اور اس مقصد کا تقاضا یہ تھا کہ ایسی ہی روایات لی جائیں جن سے بے اعتدالیوں میں کچھ اعتدال پیدا ہو سکے۔ خصوصاً جب کہ ان روایات کو کوئی مضبوط سند بھی حاصل ہو۔ پس اس دوسری روایت کی پیدائی ہوئی بے اعتدالی کو چونکہ پہلی ہی روایت کسی درجہ میں دور کر سکتی تھی اس لیے میں نے اسے اس کو اختیار کیا۔ لیکن جس وقت مقصد سامنے نہ ہو تو تیسری روایت کو اختیار کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، البتہ دوسری روایت کو اختیار کرنا تو تاریخی اور شرعی احتیاط کی رو سے بھی درست نہیں ہو۔

"تاریخی احتیاط کے یہ اس لیے خلاف ہو کہ جب اسی معاملہ میں دو روایتیں اور ہیں جو کہ اس کے کسی طرح کمزور نہیں ہیں۔ اور "خوشی کا اظہار" ان دونوں روایتوں کے خلاف ہو! تو اولاً تو یوں بھی اس

زیادتی کو بلا کسی مرتجح کے ترجیح نہ دینا چاہیے! اور دوسری اس سے بھی زیادہ قابلِ مبالغہات یہ ہو کہ ایک بہت بڑا گروہ اس واقعہ کے سلسلہ میں نہایت بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنے، بلکہ بنی امیہ کی پوری تاریخ کو ضرورت سے زیادہ بدنام کرنے میں مسلسل مصروف رہا ہو، اس لیے کافی احتمال ہو کہ یہ اضافہ بھی اسی پروپیگنڈے کی کڑی ہو، اور حقیقت کو اس سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو! معلوم ہو کہ اس واقعہ کا سب سے بڑا ماخذ ابو مخنف شعیبی کی روایات ہیں، اور سنی مصنفین نے اپنی تاریخی تصنیفات میں مجبوراً اس کی روایات پر اعتماد کیا ہو۔ کیونکہ اس کے سوا اس کو بیان کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں، اس لیے یہ احتمال بعید نہیں ہو۔

اور اسی بنا پر اس روایت کو اختیار کرنا اور اچھا نام شرعی احتیاط کے بھی خلاف ہو جاتا ہو کیونکہ جیسا کہ ایسی بات جس سے کسی مسلمان پر کوئی بڑا الزام آتا ہو (خواہ وہ کتنا ہی گنہگار ہو) تاریخی طور پر اس کا ثبوت کسی درجہ میں بھی مشکوک ہو جائے تو حکم شرعی یہ ہو کہ اس کا چرچا نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ الزام اور اتہام کیلئے کوئی قطعی بنیاد ہونی چاہیے۔ ورنہ ظنی بنیاد پر اعتماد ممکن ہو فَانَ بَعْضُ الظَّنِّ اِنَّهُ كَالْمَصْدَقِ بن جادے! — اسی بنا پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہو کہ یزید کے ساتھ سوئے ظن بھی نہ رکھنا چاہیے! — فرماتے ہیں کہ

"یزید کے متعلق نہ یہ ثابت ہو کہ اس نے حضرت حسینؑ کو قتل کیا اور نہ یہ کہ اس نے قتل کا حکم دیا۔ اور نہ یہ کہ وہ اس سے خوش ہوا، اس لیے اس کے ساتھ سوئے ظن بھی نہ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ کسی مسلمان کے ساتھ سوئے ظن رکھنا موجبِ آیتِ کریمہ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا اكْثِيرَ الظَّنِّ حَسْرَامٌ ہے۔"

آخری بات ۱۔

جو خاص حوالہ طلب باتیں تھیں وہ تو یہاں تفصیل سے آگئیں لیکن ان کے علاوہ بھی کسی صاحبِ کرمضون تمنا ہے ہوئے واقعات کے متعلق حوالہ کی ضرورت ہو تو وہ تاریخ اکامل (ابن اثیر) تاریخ ابن جریر طبری اور البدایہ والنہایہ کی طرف رجوع کریں میرے مضمون میں سارے واقعات کا ماخذ یہی کتابیں ہیں۔

عہ یہ امام صاحب موصوف کے ایک طویل فتوے کا اقتباس ہو۔ پورا فتویٰ علامہ ابن خلکانؒ نے دنیات الاعیان میں راجع کیا ہو۔ اور اس مسئلہ پہلے والوں کو یہ فتویٰ ایک بار ضرور دیکھنا چاہیے۔ (ردنیات الاعیان ج ۲، صفحہ ۲۴۹-۲۵۰) ہجری

تو ایسے کہیں گے جو اور زیادہ ایسی ان کرسو جائیں۔ کسی نفلی عمل یا ذکر پر جو غیر معمولی اجر و ثواب کی بشارتیں مردی ہیں وہ بلاشبہ حق ہیں مگر اس دور میں بغیر سخت فیہات کے ان کا بیان عوام کے حق میں فتنہ سے کم نہیں ہے جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ وعدے اور یہ بشارتیں سنی تھیں انہیں اس کا تصور بھی نہ تھا کہ فرائض کے ترک اور محرمات کے ارتکاب کے ساتھ بھی یہ چیزیں کچھ کام آئیں گی! لیکن آج شاذ و نادر ہی لوگ یہ بات سمجھتے ہیں کہ ان وعدوں کے لئے فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب شرط ہے اور اللہ کسی شخص کے نفلی اعمال قبول نہیں فرماتا جو فرائض کا تارک ہو۔ اس لئے ہمارے خیال میں یہ وقت فضائل نہیں فرائض بنانے کا ہے۔

(۳) چھ باتیں۔ اس کا تعارف پہلے بھی کرایا جا چکا ہے اس میں تبلیغی جماعت کے چھ اصولوں کی تشریح کی گئی ہے۔

عربی جماعتیں دربار رسالت میں۔ مولفہ منشی انیس احمد صاحب صفحات ۶۸، قیمت ۸

لئے کا ہتہ۔ منشی انیس احمد صاحب تاجر کتب حضرت نظام الدین دہلی۔

اس رسالہ میں قبائل عرب کے ان وفود کا ذکر ہے جو اسلام کو سمجھنے اور اسلام لانے کے لئے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے، نیز ان کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اور اسلام قبول کرنے کی تفصیلات وغیرہ۔

پیش لفظ سے (جو ایک اور صاحب کا لکھا ہوا ہے) معلوم ہوا کہ یہ رسالہ فاضل سیماں صاحب مضمون پروری کی رحمتہ للعالمین کا ایک باب ہے یعنی مضمون دہان سے منقول ہے لیکن جناب مولف نے اس کا کہیں تذکرہ نہیں فرمایا (کم از کم نمایاں طور سے تو نہیں ہے) یہ چیز نہایت نامناسب ہے۔ پھر جس مقصد سے یہ رسالہ شائع کیا گیا ہے کہ ”دین کے سکھانے کے لئے جماعتیں بنا کر نکلنے اور گھر چھوڑنے کے جذبات برانگیختہ ہوں“ یہ مقصد اس سے کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے، ان وفود کی نوعیت تبلیغی جماعتوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس اختلاف کو نظر انداز کرنا بہت احمق طرز فکر کا غماز ہے۔ اس سے جو فائدہ مقصود ہو سکتا تھا یعنی لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنی فطری کشش اور اپنے پیغمبر کے اخلاق کے زور سے پھیلنا ہے، اس کو مقدمہ نگار نے محض تمہید بنا دیا۔

(مضمون کا بقیہ سلطان نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمائیے)

شیخ نے فرمایا کہ میں ہر نماز کے بعد اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات کی دعا کرتا ہوں۔
سلطان نے عرض کیا کہ یہ تو عام ہے میرے لئے خصوصیت سے دعا فرمائیے۔
شیخ نے کہا کہ ”خدا تمہاری عاقبت محمود فرمائے۔“

سلطان نے چلتے چلتے مجھے نذرانہ کے طور پر انشرفیوں کی ایک تسلی پیش کی، شیخ کے سامنے سوکھی روٹی رکھی ہوئی تھی وہ اٹھا کر سلطان کو دی اور فرمایا کہ کھاؤ، سلطان نے تبرکاً ایک ٹکڑا توڑ کر کھانا چاہا مگر گلے سے نیچے نہ اتر، شیخ نے پوچھا ”کیا گلے میں پھنسا ہے؟“ سلطان نے کہا ”ہاں!“

شیخ نے فرمایا جس طرح یہ روٹی تمہارے گلے میں پھنستی ہے اسی طرح تمہارا یہ نذرانہ میرے گلے میں پھنستا ہے، اسے میرے سامنے سے ہٹا لو۔

جب سلطان رخصت ہونے لگا تو شیخ تعظیم کے لئے سرود کھڑے ہو گئے، سلطان نے عرض کیا کہ ”میں جب آیا تھا تو آپ نے قطعاً توجہ نہ فرمائی اور اب تعظیم فرما رہے ہیں؟“

شیخ نے فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ جب تم آئے تھے تو شاہانہ جاہ و جلال کے نشے میں سرشار تھے اور اب فروتنی و انکسار کے ساتھ جا رہے ہو۔ (تاریخ فرشتہ بجوال تاریخ بنائے گیتی)
(ماہنامہ بریان“ مضمون سید محبوب رضوی)

پیام انسانیت

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

یہ مختصر کتاب محترم مولانا کی ان پانچ پبلک تقریروں کا مجموعہ ہے جس میں مولانا نے اپنے مخصوص
والہانہ انداز میں ہندو مسلم مخلوط اجتماعات میں دعوت دین پیش کی اور انسانیت کے گرتے ہوئے
محل کو تھامنے کا راز بتلایا۔ یہ تقریریں یو۔ پی کے پانچ مختلف شہروں میں ہوئیں۔ قیمت ۱۰/-
ملنے کا پتہ۔ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ۔ لکھنؤ

کتاب ابنائتہ

ہماری دعوت

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نہایت کاملہ و

لیکن یہ صرت ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت "ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے اور جس پر

اس بات کا عہدہ کہ صرف اللہ کی عبادت اور زندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی تعمیل فرمائی

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات و ہر حرکت کی پیروی کریں گے اور اسی سال میں جن جن گمراہوں نے

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لائے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزار دیں اور اس کی پوری

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں اور وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں اہم اس کا

عہدہ کرتے ہیں اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر مبنی اور مڑنا چاہتے ہیں۔

قَامُوا الشَّيْءَ وَالْأَنْفُسَ لَكَ وَبِذِيكَ اللَّهُ تَعَالَى وَالْآخِرَةُ

شَوْفِيْهِمْ سَيِّئًا وَأَلْمِئِيْهِمْ بِالشَّيْءِ

تَوَّابًا وَالْفَرِيقَانِ

مِنْهُ عَرَسَتْ بَنُوْنَ

محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ہندستان اور پاکستان

سالانہ چندہ - ۱۰
ششماہی - ۵
اعزازی - ۵

افسانہ

قیمت فی کاپی آٹھ آنے

غیر مالک سے

سالانہ چندہ - ۱۰
فی کاپی - ۵
گیارہ آنے

جلد ۳۲ | بابترماہ صفر المظفر ۱۳۷۲ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۴ء | نمبر ۲

| نمبر شمار | مضامین | مضامین نگار | صفحہ |
|-----------|---------------------------------------|------------------------------|------|
| ۱ | نگاہ اولیں | عشق الرحمن سنہلی | ۲ |
| ۲ | قرآنی دھوت | محمد منظور نعمانی | ۷ |
| ۳ | معارف الحدیث | محمد منظور نعمانی | ۱۵ |
| ۴ | سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | ۲۳ |
| ۵ | عورتوں کا ایمانی عہد نامہ | مولانا سید احمد قادری | ۳۹ |
| ۶ | حکمت و معرفت | ادارہ | ۴۷ |
| ۷ | انتخاب | جناب رئیس احمد جعفری | ۵۱ |
| ۸ | تعارف و تبصرہ | ع۔س | ۵۴ |

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ تو مطلع فرمائیں، ورنہ اگلا رسالہ بیعہ دی ہوئی رسالہ کیا جائے گا چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۳ تا ۱۵ تک پہنچ جانی چاہئے پاکستان کے غیر دارالہندہ اپنا چندہ سکرٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ - آسٹریلیا بلڈنگ ایہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

تاریخ اشاعت :- رسالہ ہر آگست میں کی ۱۵ کو روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر وہ تک کسی صاحب نے نہ تو مطلع فرمائیں۔ اگلے رسالہ کے ساتھ کمر بھیج دیا جائے گا۔

نگاہِ اولیں

ہندوستان کے بعض لیڈروں کو مسلمانوں سے یہ شکایت ہے کہ وہ رواداری کے قائل نہیں ہیں اور یہی اُن کے نزدیک ہندو مسلم مناقشہ کی جڑ اور حکومت کی بے بسی کا اصل سبب ہے۔ یہ بات اگر اس عنوان سے کہی گئی ہو تو یہ بعض وقت مسلمانوں نے رواداری کی اسپٹ سے کام نہیں لیا یا بعض غیر روادار لیڈروں کی قیادت نے ان میں کسی وقت غیر روادارانہ رجحانات پیدا کئے اور انہوں نے ان رجحانات کو قبول کر لیا، تو ممکن تھا کہ یہ بات کسی حد تک معجز ہوتی۔ ایسے حالات ہر قوم پر آتے ہیں کہ کسی وقتی تحریک سے اُس سے یا اُس کے بعض افراد سے کچھ غلط یا نامناسب باتیں سرزد ہو جاتی ہیں لیکن یہ کہنا کہ مسلمان اصولی طور پر رواداری کے قائل ہی نہیں اور ان کے مذہبی اصول و نظریات ہی اس قسم کے ہیں جو انہیں غیر رواداری کی طرف لے جاتے ہیں، ایک ایسی بات ہے کہ جب تک اسلام کی تاریخ کو بالکل دریا برد نہ کر دیا جائے اس کو بجز ہٹ دھرمی یا سراسر غلطی کے کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا، یا پھر رواداری کے لفظ کی کوئی بالکل نرالی تشریح کرنا پڑے گی۔

اس بحث میں سب سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ رواداری کے معنی متعین کئے جائیں اس کے بعد ہی اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ آیا مسلمان رواداری کے قائل ہیں یا نہیں۔ رواداری کے معنی آج تک دنیا نے جو کچھ سمجھے ہیں وہ یہ ہیں کہ ایسے دو افراد یا ایسی دو قومیں جنہیں ایک دوسرے سے کچھ واسطہ پڑتا ہو، ان کی اگر کسی مسئلہ میں دو مختلف رائیں ہوں تو اس اختلاف کو وہ اسی مسئلہ کے دائرہ اثر تک محدود رکھیں، نیز ان میں سے کوئی اپنی رائے اور اپنے نقطہ نظر کو دوسرے پر زبردستی لا دینے کی کوشش نہ کرے۔ بس یہ معنی ہیں

روداداری کے جن کو دنیا آج تک مرادیتی رہی ہے، روداداری کا تقاضہ دنیا نے آج تک کہیں یہ نہیں سمجھا کہ اپنے نقطہ نظر ہی کو ترک کر دیا جائے۔ اور نہ روداداری کے مفہوم میں یہ بات کبھی داخل سمجھی گئی کہ مختلف فیہ مسئلہ میں دو فریق ایک دوسرے کی رائے کو غلط سمجھیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ روداداری ایک قابل قدر چیز اسی بنا پر بنتی ہے کہ نقطہ نظر کے شدید یا ضعیف اختلاف کے باوجود دو فریقوں میں فراخ دلی کے ساتھ ایک دوسرے کو برداشت کرتے اور ملتے ہیں۔

اب روداداری کے اس مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے غور کیجئے کہ مسلمانوں پر نارواداداریہ ذہنیت کا الزام ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ — مسلمانوں کو یہ الزام ان کے اس عقیدے کے بنا پر دیا جاتا ہے کہ اسلام ہی تنہا مذہب حق ہے اور اسی کا طریق بندگی بندے کو اپنے مالک کی خوشنودی کی منزل سے ہمکنار کر سکتا ہے بالفاظ دیگر اسلام ہی نجات اخروی کا واحد راستہ ہے جبکہ ہندوؤں کے عقیدہ کی دوسری نجات کے راستے بہت سے ہو سکتے ہیں، نجات کسی ایک مذہب میں منحصر نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ روداداری کی مذکورہ بالا تعریف کی رو سے مسلمانوں پر اس عقیدہ کی بنا پر نارواداداری کی فرد جرم مائد نہیں ہوتی۔ یہ تو نقطہ اختلاف روداداری اور نارواداداری کا سوال تو اب اس کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ پہلے اختلاف کا تصور آتا ہے اس کے بعد روداداری کا۔ اگر اختلاف کا وجود ہی نہ ہو تو پھر روداداری کا لفظ بالکل بے معنی ہے۔ اگر کوئی وقت ایسا آیا کہ دنیا کے دو انسانوں میں بھی کوئی اختلاف خیال باقی نہ رہے تو یقیناً یہ لفظ اس دن لذت سے خارج کر دیا جائے گا۔ ورنہ الفاظ ہملہ کی فہرست میں اس کا شمار ہوگا۔ بہر حال مسلمانوں کے متعلق روداداری یا نارواداداری کا فیصلہ ان کے اس اختلاف پر نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا وہ نظری اور عملی طور پر اس اختلاف کو مختلف فیہ مسئلہ کے دائرہ اثر ہی تک محدود رکھتے ہیں یا اس دائرہ سے باہر کے معاملات میں بھی اس اختلاف کو داخل کرتے ہیں؟ اور یہ کہ کیا وہ اپنے نقطہ نظر کو جبراً دوسروں پر لادنے کی کوشش کرتے ہیں؟ — اس سوال کے جواب پر مسلمانوں کی روداداری یا نارواداداری کا فیصلہ موقوف ہے

بے شک یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ نجات کا راستہ صرف اسلام ہے۔ اللہ کی کتاب

نے مسلمانوں کو یہی بتلایا ہے واللہ کے رسول نے ان کو یہی سمجھایا ہے اور عقل سے بھی انھوں نے اسی کو صحیح پایا ہے اس میں ان کو ذرہ برابر شک نہیں اور اس میں وہ رقی برابر لچک پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مگر جہاں سے ہم کو یہ تعلیم ملی ہے وہیں سے ہم کو یہ بھی ذہن نشین کرایا گیا کہ اس معاملہ میں کوئی جبر وادانہ نہیں جو یہ زبردستی ٹھونسے اور لادنے کی چیز نہیں ہے بلکہ سراپا محبت اور ہمدردی بن کر سمجھانے اور دل میں اتارنے کی چیز ہے، بیشک اس کو نہ ماننا جرم اور کسرٹی اور بنادوستی لیکن ہیں اچھی طرح جتادیا گیا ہے کہ اس معاملہ میں ہم خدا فی وجہ ارا نہیں ہیں، یہ معاملہ اس کا اور اس کے بندوں کا ہے۔ اس جرم پر یکٹن لینے کے اختیارات اس نے تمام تر اپنے لئے محفوظ رکھے ہیں، اس لئے کوئی انسان ان اختیارات خصوصی میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہے۔ ہمارے لئے اس معاملہ میں آخری بات یہ ہے کہ اگر تمہاری پوری ہمدردانہ کوشش اور برادرانہ تبلیغ کے بعد بھی کوئی اسے نہ مانے تو یکم دینکم ولی دین، کہہ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ ہم مان سکتے ہیں کہ کبھی کسی مسلمان نے اس اصول کے خلاف ورزی ہوگئی ہو لیکن اگر اس کا ذمہ دار اسلام کے اُس بے لچک عقیدے کو ٹھہرایا جائے تو یہ ایک ایسی بات ہوگی جس کے پاس سوائے منہ زوری کے کسی اور دلیل کی طاقت نہیں۔ اگر یہ بات اس عقیدے کا تقاضہ ہوتی تو اس کا سب سے زیادہ ظہور اُس زمانہ میں ہونا چاہئے تھا جس زمانہ میں مسلمان اپنے عقائد میں ہر زمانہ سے زیادہ پختہ تھے اور دنیا کی ایک عظیم نشان طاقت بن کر ابھر رہے تھے، مگر الحمد للہ ثم الحمد للہ اسلام کا کوئی بدترین دشمن بھی اس دور کی کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

علیٰ ہذا مسلمانوں کو کوئی یہ بھی الزام نہیں دے سکتا کہ انھوں نے اپنے اس عقیدے کے دائرہ اثر سے باہر بھی اس اختلاف کو روا رکھا ہے۔ اس دائرہ کے اندر تو اختلاف فکرو عمل ناگزیر ہے جس سے کوئی معقول آدمی انکار نہیں کر سکتا، جب ہم نے اس بات کو اچھی طرح جاننا اور ماننا ہے کہ اسلام ہی کی راہ سے ہیں نجات حاصل ہو سکتی ہے تو اس کا لازمی تقاضہ ہے کہ جو خیالات اور اعمال اسلام کو ہم سے مطلوب ہیں ہم انہیں اختیار کریں اور جن خیالات و اعمال کو اسلام پسند نہیں کرتا انہیں ترک کر دیں۔ خواہ اس کا اثر دنیا کی کسی قوم یا کسی مذہب سے کیسے ہی اختلاف کی صورت میں رونما ہو لیکن جن معاملات میں اسلام

نے ہم پر کوئی پابندی عائد نہیں کی اور انہیں ہماری انفرادی یا اجتماعی مصلحت پر مجبور کیا ہے کوئی بتلائے کہ مسلمان وہاں بھی اپنے اس مذہبی اختلاف کو گھسیٹ کر لے جاتے ہیں، پس ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں کر کوئی مسلمانوں پر اور ان کے مذہب پر یہ الزام لگا سکتا ہے کہ وہ رواداری کے قائل نہیں ہیں اور دوسرے مذہب اور مذہب داروں کی ان کے یہاں گنجائش نہیں ہے۔ یہ الزام وہی شخص لگا سکتا ہے جو رواداری کے معنی یہ سمجھتا ہو کہ صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط نہ کہا جائے حالانکہ یہ رواداری نہیں ہے بے اصولی اور حقائق سے پہلو تہی ہے ہم نہ خود اس کے لئے تیار ہیں اور نہ دوسروں سے اس کے طلبگار ہیں۔ حقائق سے آنکھیں بند کرنے کی کوشش بالکل غیر فطری اور لامحالہ کوشش ہے، انسان کبھی حقائق سے آنکھیں بند کر کے جی نہیں سکتا اور یا پھر وہ انسان نہیں رہ سکتا۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ دنیا اس شخص کے متعلق کیا رائے قائم کرے گی جو دنیاوی معاملات میں حقائق سے چشم پوشی کا مشورہ دینے لگے۔ کیا اگر کوئی انسان کسی بھیاںک غار کے راستہ پر چلا جا رہا ہو تو ہماری رواداری کا تقاضا یہ ہو گا کہ ہم جانتے بوجھتے خاموش رہیں یا اس سے کہیں کہ جی ہاں آپ بہت اچھا کر رہے ہیں؛ اگر یہ رواداری نہیں بلکہ انسانی دشمنی اور سنگدلی ہے اور ہمارا انسانی فریضہ یہ ہے کہ اُسے سیدھی راہ پر لگانے کی اپنی جی بوری کوشش کریں، تو پھر آخرت کے معاملہ میں ہمارا یہ رویہ کیسے رواداری اور انسان دوستی ہو سکتا ہے؟ مذہب کی بنیاد تو آخرت کے یقین ہی پر ہے خواہ اس حقیقت کے تصور میں مختلف مذاہب کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، اس لئے انسان دوستی کا یہاں بھی یہ فرض ہے کہ اگر کسی بات میں ایک انسان کو دوسرے انسان کی آخرت کا خسارہ نظر آتا ہو تو وہ اذراہ ہمدردی اس سے بچانے کی کوشش کرے۔

لہذا یہ کہنا کہ ہندو مسلم مشائخات کی جڑ اور حکومت کی بے لپی کا سبب مسلمانوں کی ناروادارانہ ذہنیات بالکل بلکہ ایک فرضی اور بے بنیاد بات ہے، ان جھگڑوں کا تو مذہب سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ وہ جھگڑے جو مذہب کے نام پر تقسیم سے پہلے ہندو مسلمانوں میں ہوتے رہے ہیں، کون نہیں جانتا کہ ان جھگڑوں کی ذمہ داری نہ ہندوؤں کے مذہب پر ہے

نہ مسلمانوں کے مذہب پر ان کی ذمہ داری تھا طرفین کی جمالت اور ناگہی پر ہے اور یہ جھگڑے جو تقسیم کے بعد ہوئے تھے ٹاپ پیر ہوئے ہیں۔ ان کو جھگڑا کتنا ہی غلط ہے، یہ فوراً سرسریک طرف ظلم و زیادتی پر اور ان کا تعلق مسلمانوں کے اس عقیدے سے جوڑنا کہ اسلام ہی شاہراہ نجات ہے ایک ایسی جرات ہے جس پر حیرت اور غضب دونوں بجا ہیں۔ آنکھوں میں دھول جھونکنے کی مثل اس سے زیادہ اور کہاں صادق آئے گی۔ کیا ہم امید کر سکتے ہیں کہ ان بے سُرِ پا الزامات پر انصاف پسند ہندوؤں کی صفوں میں اپنی ذمہ داری محسوس کی جائے گی؟ اس طرح کے بیانات پر ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مسلمانوں کی بردباری سے فائدہ اٹھا کر ان کی متانت ایمانی کی رشوت طلب کی جا رہی ہے گویا مظالم کا سد باب اس بات پر موقوف کیا جا رہا ہے کہ مسلمان اسلام کی برتری کے عقیدے سے دستبردار ہو جائیں! — خدا ہمیں اس ابتلا میں ثابت قدم رکھے!

گزشتہ مہینے خریداران الفرقان کے نام گزشتی مراسلہ جاری کیا گیا تھا۔ اس پر بھی، کا وہی وضع بھر مچ (ڈھاکہ، بنگلہ گنج، ریاست بھوپال) والا ذلیل حیدر آباد سندھ اور حیدر آباد دکن وغیرہ کے بعض معاونین نے خصوصی قوبہ فرمائی اور خریداری میں کچھ اضافہ ہوا، ہم ان حضرات کے شکریہ ادا کریں اگر دوسرے مقامات کے معاونین بھی کچھ قوبہ فرمائیں تو انتشار اللہ مطلوبہ اضافہ بہت بڑی حد تک بڑھ رہا ہو سکتا ہے۔

مراسلے میں اعزازی خریداری کے لئے بھی اپیل کی گئی تھی۔ الحمد للہ اس سلسلہ میں بھی کئی ام آئے ہیں۔ مسئلہ کے حل کا چمٹھہ راستہ ہے، اگر اس میں کچھ اور اضافہ ہو جائے تو الفرقان کی حیات و بقا کا مسئلہ ایک حد تک سانی سے حل ہو سکتا ہے۔ اعزازی خریداری کے لئے سالانہ چندہ پندرہ روپے تجویز کیا گیا جو اور عام خریداروں کے مقابلہ میں دو مراعات رکھی گئی ہیں۔ (۱) ایسے حضرات کی خدمت میں جو رسالہ جائے گا اس کا کاغذ اعلیٰ قسم کا ہوگا۔ (۲) ایسے حضرات اپنی طرف سے اپنے کسی دوست یا عزیز کو سالانہ کے لئے ایک رسالہ ہدیہ جاری کر سکتے ہیں۔

پاکستانی معاونین سے عرض کیا گیا تھا کہ موجودہ صورت حال کے پیش نظر اپنے چندہ میں عارضی طور پر ایک روپیہ کا رخصتہ اضافہ منظور فرمائیں (یعنی چھ روپے سالانہ) کیونکہ کچھ دنوں سے ان کے پانچ کے تین ٹیکل چار وصول ہوئے ہیں اس سلسلہ میں اکثر خریداروں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ جتنے حضرات کا جواب آیا وہ صدی فی صدی رضامندی کا ہے ہم چاہتے ہیں کہ باقی حضرات بھی خاموشی کے بجائے سحر سے اپنی رضامندی دیدیں۔ درمیان آئندہ یعنی رجب الاول سے ہم ان کی خاموشی ہی کو رضامندی سمجھ کر باقاعدہ طور پر چندہ چھ روپے کر دیں گے ہاں چونکہ ہم اضافہ رضا کا ڈر چاہتے ہیں اس لئے ایسے تمام حضرات جو عدم استطاعت کی وجہ سے اس اضافہ سے معذور ہوں ہمیں فوری طور پر مطلع فرمادیں۔ ان کے لئے چندہ پانچ ہی روپے رہے گا۔

ناظم الفرقان

قرآنی دعوت

— (۱۳) —

نبوت و رسالت :-

قرآن مجید جس نظام زندگی کی انانوں کو دعوت دیتا ہے، جیسا کہ معلوم ہو چکا اس کی پہلی بنیاد تو یہ ہو کہ خدائے وحدہ لاشریک کی ہستی اور اس کی صفات کو اس طرح مانا جائے جس طرح کہ واقعہ میں وہ ہے۔ اور دوسری بنیاد یہ ہو کہ آخرت کی زندگی اور دہاں کی جزا و سزا پر یقین لایا جائے جو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل و حکمت اور شانِ حاکمیت کا لازمی تقاضا ہے، اور جس کے بغیر یہ دنیا ناقص و نامکمل بلکہ محض جھٹ اور بے مقصد تماشہ ہے۔ (ان دونوں بنیادوں کے بارے میں قرآن کریم نے جو کچھ بتلایا ہے ہم اپنے ناظرین کے سامنے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کو پیش کر چکے ہیں)

زندگی کی تیسری اہم اعتقادی بنیاد جس کے ماننے کی قرآن مجید دعوت دیتا ہے، اور جس کی اپنی دینی تعلیم و دعوت کی اصل و اساس ٹھہرتا ہو، یہ ہو کہ رسالت و پیغمبری کے پورے سلسلے کو مانا جائے۔ یعنی پہلے تو اس اصولی حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ انانوں کی ضرورت کے لیے جس طرح اللہ تعالیٰ نے غذا اگانے والی زمین پیدا کی، روشنی ادا کر دی ہو پھانے والا سورج پیدا کیا، اور ہوا پانی وغیرہ وہ ساری چیزیں پیدا کیں جن کے ہم اس دنیوی زندگی میں محتاج ہیں، اسی طرح اس نے اپنی ذات و صفات کا صحیح علم عام انسانوں تک پہنچانے کے لیے اور اس طریقہ زندگی کی تعلیم و ہدایت کے لیے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مقرر کیا ہے اور جس پر عمل کر انسان اللہ کی رضا و مدد حقیقی نجات و نفع حاصل کر سکتا ہے، اس نے نبوت و رسالت کا سلسلہ بھی قائم فرمایا، اور ہر زمانہ اور دنیا کے ہر خطہ میں اُس کی ضرورت اور تقاضے کے مطابق نبی اور رسول بھیجے، یہ سب اللہ کے پیارے اور برگزیدہ

بنے تھے اور اپنے اپنے وقت میں جو ہدایت و تعلیم انہوں نے دنیا کو دی وہ بلاشبہ خدا کی سچی تعلیم تھی۔
الغرض قرآن مجید پورے زور و اصرار کے ساتھ اس کی دعوت دیتا ہے کہ اللہ کے سب پیغمبروں پر (خواہ
وہ کسی زمانے، کسی ملک اور کسی قوم میں آئے ہوں)، بلا تفریق ایمان لایا جائے، سب کی سچائی اور پاکبازی
کی شہادت دی جائے اور اللہ کا پیغمبر ہونے کی حیثیت سے اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے دائرہ اور حلقہ میں
سب کو واجب اطاعت مانا جائے۔

اسی کے ساتھ قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ پہلے پیغمبروں کا دور ختم ہو چکا، اب دنیا کے اس دور
کے لیے اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد عربی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ نیز قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی
طرف سے اس کا بھی اعلان کرتا ہے کہ جو ہدایت و تعلیم لے کر ہم نے آپ کو بھیجا ہے وہ اگلے نبیوں و رسولوں
کی ان ساری تعلیمات پر حاوی ہے جو عارضی اور وقتی تھیں۔ بلکہ پہلے پیغمبروں کی محکم تعلیمات کا مستند
اور قابل اعتماد مجموعہ اب آپ ہی کی تعلیم اور آپ ہی کی لائی ہوئی کتاب میں ہے، اس لیے آپ کا
اتباع اللہ کے سارے پیغمبروں کا اتباع ہے اور آپ کا انکار سارے نبیوں و رسولوں کا انکار ہے
پھر قرآن کریم یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ ہماری طرف سے جو جامع ہدایت و تعلیم لے کر آپ آئے ہیں وہ
ایسی کامل و مکمل ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اب یہی کافی و کافی ہے اور ہر قسم کی تحریف اور تلاوٹ کے اندیشے
سے اس کی حفاظت کا انتظام بھی ہم نے کر دیا ہے، اور اسی لیے نبوت و رسالت کے اس سلسلہ کو جو ابتداء
دنیا سے چلا کر اب تک رسالت محمدی پر ختم کر دیا گیا ہے، اور یہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نبی کامل ہونے
کے ساتھ اس مقدس سلسلہ کے خاتم بھی ہیں۔

یہ نبوت و رسالت کے بارے میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ اور حاصل، اب اس کے
تمام اجزاء اور عناصر کو قرآن مجید کی آیات میں پڑھیے۔ سورہ نحل میں ارشاد ہے:-

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا

اور ہم نے بھیجے ہیں ہر قوم میں

رسول۔

(النحل ۷)

اور سورہ نساء میں اگلے زمانوں کے چند خاص خاص رسولوں کا نام بنام تذکرہ کرنے کے بعد

منسہر آیا گیا:-

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ

اور ہم نے انسانوں کی طرف اور بھی

مِنْ قَبْلُ وَرُسُلَاكُمْ
نَقَضْصَهُمْ عَلَيْكَ ط
بہت سے وہ رسول بھیجے جن کا حال
ہم نے آپ کو پہلے بتایا ہو۔ اور بہت سے
رسول بھی جن کا حال ہم نے آپ سے
بیان نہیں کیا۔

اور اسی رکوع میں چند آیتوں کے بعد ارشاد فرمایا
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ
پس تم اللہ پر اور اس کے سب رسولوں
پر ایمان لاؤ۔

جو لوگ بلا تفریق اللہ اور اس کے سب رسولوں کو نہ مانیں، بلکہ ان میں تفریق کریں، مثلاً
اس طرح کہ خدا پر ایمان لانے کا تو اقرار اور دعویٰ کریں اور اس کے رسولوں کے منکر ہوں، یا بعض رسول
کو مانیں اور بعض کا انکار کریں تو قرآن کہتا ہے کہ ان کا یہ جزوی اقرار اور ایمان قطعاً معتبر نہیں، بلکہ جب
تک یہ سب کو نہ مانیں اس وقت تک کافر ہیں۔ سورہ نسا میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيْدُوْنَ
اَنْ يُقْرِئُوْا بَيْنَ اللّٰهِ
وَرُسُلِهِ وَيَقُوْلُوْنَ
كُوْمِنْ بَعْضٍ وَنَكْفُرُ
بِبَعْضٍ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ
يَتَّخِذُوْا بَيْنَكَ سَبِيْلًا
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا
وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا
مُّهِينًا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ
وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُقْرِئُوْا بَيْنَ
اَحَدٍ مِنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ

جو لوگ اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو
نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ بعض کو
مان کے اور بعض کا انکار کر کے، اللہ اور
اس کے رسولوں میں تفریق کریں اور اسی
بنا پر وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں
اور بعض کو ہم نہیں مانتے، اور وہ اپنے
اس طرز عمل سے، ایمان اور کفر کے درمیان
کی ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں (کہ نہ سب
پر ایمان ہو اور نہ سب کا انکار ہو)، تو
ایسے لوگ قطعاً و یقیناً کافر ہیں اور ہم نے
ایسے کافروں کے لیے سخت سزا کا عذاب
تیار کیا ہے اور جو لوگ اللہ کو اور اس کے

يُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمْ وَكَانَ
اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا
سب رسولوں کو مانتے ہیں۔ اور ان میں
سے کسی میں تفریق نہیں کرتے (وہی
سچے مومن ہیں) ان کو اللہ پورے پورے

(النساء ع ۲۱)

ثواب دے گا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا، بڑی رحمت والا ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ جتنے پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے، جب بھی آئے اور جس ملک
اور جس قوم میں بھی آئے سب واجب اطاعت تھے۔ اور ان کے حکموں پر چلنا ان لوگوں پر فرض
تھا جن کی طرف وہ بھیجے گئے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا
لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ
اور جو پیغمبر بھی ہم نے بھیجے، اسی لیے
بھیجے کہ بحکم خداوندی اُن کی اطاعت
کی جائے۔

(النساء ع ۹)

دوسری جگہ فرمایا کہ نبی و رسول کی اطاعت دراصل خدا کی ہی اطاعت ہو، کیونکہ انبیاء و رسل
جو احکام دیتے ہیں وہ ان کے اپنے احکام نہیں ہوتے بلکہ خدا کے احکام ہوتے ہیں۔ جن کو وہ حضرات
اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو پہنچاتے ہیں۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ
اللَّهَ
جنے خدا کے رسول کی فرمانبرداری کی اُس
دراصل اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

(النساء ع ۱۱)

اور جس طرح رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہو۔ اسی طرح رسول کی نافرمانی اور مخالفت دراصل
خدا کی نافرمانی اور اس کے خلاف بغاوت ہو۔ اسی لیے قرآن مجید میں جا بجا ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کر کے
اس کی سخت سزا اور پاداش سے ڈرایا گیا ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ
اور جس نے مخالفت کی اللہ کی اور
اس کے رسول کی تو معلوم ہونا چاہیے کہ
اللہ کا عذاب بڑا سخت ہو۔

(الأنفال ع ۲)

اور سورہ طلاق میں فرمایا گیا ہے۔

وَكَايَيْنَ مِنْ قُرْبَىٰ عَدَّتْ عَنِّي
اور بہت سی بتیاں تھیں جنہوں نے

اَمْرٍ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسِبْنَهَا
حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَابًا
عَذَابًا شَدِيدًا قَدْ اَقْتَتَ وَبَالَ
اَمْرِهَا وَكَانَتْ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا
خُسْرًا اَعَدَّ اللهُ لَهُمْ عَذَابًا
شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللهَ يَا اُولِي
الْاَلْبَابِ

(الطلاق ۲۷) ترین عذاب اللہ نے ان کے واسطے

تیار کر رکھا ہے۔ پس اے عقل و خرد والو اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرو۔

یہ تو پوسے سلسلہ نبوت کو ماننے اور سب نبیوں پر ایمان لانے کے بارہ میں قرآن مجید کا اصولی مطالبہ اور اس کے متعلق انتباہات تھے۔ پھر خاص اس دور کے لیے سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اس کی خاص نوعیت کا اعلان کرتے ہوئے سورہ فتح میں فرمایا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُولَهُ
بِالْبَيِّنَاتِ وَذِيں الْحَقِّ لِيُظْهِرُ
عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوا وَكَفَى بِاللّٰهِ
شَهِيدًا اَ هُمْ يُحْسِنُوْنَ
دہی اللہ ہو کہ اُس نے اپنے رسول کو
کامل ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا
ہو نہ کہ وہ اس کو سب دینیوں کے اوپر
کروے اور اللہ اس حقیقت کا کافی
گواہ ہو (اور چشمِ بنیاد رکھنے والوں کیلئے)

اس کی یہ گواہی ظاہر باہر ہے، الغرض اب محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اور سورہ مائدہ میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی نبوت و رسالت اور توراۃ و انجیل کی تنزیل کا ذکر فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے والی خدا کی کتاب (قرآن مجید) کی نصیبت اور اس کی امتیازی نوعیت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
اور اب ہم نے اپنی یہ کتاب آپ کی
طرف تحانیت اور سچائی کے ساتھ انکار کا

يَدِيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ
 مِهْمِيْمًا عَلَيْهِ ،
 جو ہماری پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی
 ہو۔ اور ان کی نگراں اور محافظ بھی ہو۔
 (المائدہ ع ۷)
 (یعنی پہلے نازل ہونے والی سب کتابانی
 کتابوں کی محکم تعلیم اور ان کا جوہر اس میں شامل کر کے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا
 ہے، گویا اگلے پیغمبروں کی محکم تعلیم کی اصل کا پی بھی اب یہی الکتاب (قرآن) ہو۔
 اور سورہ اعراف میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ پوری انسانی دنیا کو
 پیغام دیں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي
 رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي
 لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
 لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ
 فَأَمُّونَا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ
 الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
 وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ
 تَهْتَدُونَ
 کہو کہ اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم
 سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں،
 وہ خدا جس کی بادشاہی ہو آسمانوں
 میں اور زمین میں، اس کے سوا کوئی
 بندگی کے لائق نہیں، وہی سب کو زندگی
 اور موت دیتا ہے، پس تم اللہ پر ایمان
 لاؤ اور اس کے رسول نبی اُمّی پر جو خود
 بھی اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر
 (الاعراف ع ۲۰)
 (یعنی اس کی نازل کی ہوئی تمام کتابوں کی)

ایمان رکھتا ہے، اور تم اس کی پیروی اختیار کرو، تاکہ تم اللہ کی ہدایت حاصل
 کر سکو (جواب صرف اس نبی اُمّی کی پیروی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے)
 اور سورہ سبائ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہو کہ پوری انسانی
 دنیا کی رہنمائی اور زندگی کے اچھے بُرے انجام سے ان کو خبردار کرنا آپ ہی کے ذمہ ہوا اور ہم نے
 اسی واسطے آپ کو بھیجا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً
 لِلنَّاسِ نَبِيًّا وَنَذِيرًا
 اور ہم نے آپ کو تمام نسل انسانی کے
 لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہو، اور اب

(سبا ع ۲) آپ ہی سے یہ کام لیا جاتا ہے،

اور سورہ آل عمران میں آپ کو حکم فرمایا گیا ہے کہ تمام دنیا کے انسانوں کو سنا دیجیے اور بتا دیجئے کہ اب اس دور میں جو بھی خدا کا طالب ہو اور اس کی بخشش اور محبت سے حصہ لینا چاہے اس کے لیے اللہ کی بخشش اور محبت حاصل کر سکنے کی راہ صرف یہی ہو کہ وہ میری پیروی کرے۔ یعنی اُس شریعت اور اس طریقہ زندگی کو اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس دور کے لیے مقرر فرمایا ہو۔ اور میرے ذریعہ بھیجے۔ اب جو بھی اس صراطِ مستقیم سے ہٹ کر چلے گا وہ خدا کا مجرم اور نافرمان سمجھا جائے گا۔ اور اللہ کی محبت و عنایت اور نجات سے محروم رہے گا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ
فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ
ذُنُوْبَکُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ
قُلْ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَارْطِیْعُوْا
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ
الْکٰفِرِیْنَ ۝
آل عمران ع ۳)

مہربان ہو، آپ صاف صاف (ان سے) کہہ دیجئے کہ راستہ صرف یہی ہو کہ اللہ کی اور پیغمبرِ وقت کی (یعنی میری) فرمانبرداری کرو۔ پس اگر وہ اس کو نہ مانیں تو پھر سنو اللہ اور قانونِ خداوندی یہ ہو کہ منکروں اور نہ ماننے والوں سے اللہ محبت نہیں کرتا اور ان کو نہیں چاہتا۔

اور سورہ احزاب میں اعلان فرمایا گیا کہ سلسلہ نبوت آپ پر ختم کر دیا گیا ہو، آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں، اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا جائے گا جس کا بدیہی نتیجہ اور تقاضا یہی ہو کہ مشیتِ محمدی کے بعد اس دنیا میں پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لیے اب آپ ہی کی ہدایت و تعلیم حکم نامہ خداوندی ہو۔

..... وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ..... محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے

خَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا
 رسول ہیں اور سب نبیوں کے خاتم بھی ہیں
 (احزاب ۵) نبیوں کے بعد کوئی نبی دنیا میں نہیں
 بھیجا جائے گا، اور اللہ سب چیزوں کا

پورا علم رکھتا ہے۔

ان آیات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت، اس کی عمومیت اور آپ کی خاتمت کے بارہ میں جو کچھ فرمایا گیا ہو، دنیا کے واقعات نے بھی اس کی پوری پوری تصدیق اور توثیق کی ہے۔

اس دنیا میں حضرت ابراہیم و اسماعیل، داؤد و سلیمان، موسیٰ و عیسیٰ اور ان کے علاوہ بھی کسی نلکا درکشم میں آنے والے کسی ہادی کو جن اوصاف و خصوصیات اور جس قسم کے شواہد و دلائل کی دہرے خدا کا پیغمبر مانا گیا ہو، واقعات کی یہ دنیا گواہ ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برگزیدہ سہی ان تمام اوصاف و کمالات کی جامع اور ان سب شواہد و دلائل کی حامل تھی، اور یہ حقیقت اتنی روشن ہو کہ تیرہ صدی گزرنے کے بعد آج بھی جس میں سچی طلباء و دانشوران ہو وہ اس بارہ میں غور و فکر کر کے پورا اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔

اسی طرح جو ہدایت و تعلیم آپ کے آئے جو بلا شک شبہ جو ان کی نواں محفوظ ہو، وہ اپنی کمال جامعیت و اعتدال کی وجہ سے خود اس کا ثبوت ہو کر یہ پوری انسانی دنیا کیلئے ہو اور تمام اقوام عالم کے لیے یہی خدا کا مقرر کیا ہوا ضابطہ حیات اور دستور زندگی ہو۔

پھر تیرہ صدی سے زیادہ مدت گزر جانے کے باوجود دنیا کے کسی حصے سے بھی کسی ایسی سہی کا نہ اٹھنا جس کو خدا کا نبی و رسول مانا جاسکے اور اس میں دنیا کی ارتقائی رفتار کے تیز سے تیز ہونے کے باوجود آپ کی لائی ہوئی تعلیم کا انسانوں کی دینی و روحانی ہدایت کے لیے اسی طرح کافی ہونا جس طرح کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل کے انسانوں کی ہدایت کے لیے وہ کافی تھی، اس حقیقت کا نہایت ہی روشن و اتفاقی ثبوت ہے کہ انسانوں کے پیدا کرنے والے اور نبیوں و رسولوں کو بھیجنے والے خالق و مالک نے سلسلہ نبوت کو آپ پر ختم کر دیا ہو۔ اور اب آپ کی دور در دورہ ہو اور آپ ہی کی تعلیم و ہدایت تمام اقوام عالم کے لیے خدائی تعلیم و ہدایت ہو۔ اور آپ ہی کی پیروی سے اب خدا کی رضا اور رحمت کو پایا جاسکتا ہو۔

اللہ کے جن بندوں نے ابھی تک ان کھلی حقیقتوں پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا ہو کہ شواہد و دلائل دنیا کے نزدیک کتنے ساتھ غور کریں اور اس دور کی خدائی تعلیم و ہدایت کو اپنا کر خدا کے ساتھ بندگی کے اپنے فطرت کو صحیح کریں۔

معارف الحدیث

(مُسَلَّس)

اپنے اور اپنے خاص متعلقین کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
فہرست پسندی

(۶۳) عَنْ النَّبِيِّ إِنْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُمَّ آخِئِي
مُسْكِينَنَا وَآمِئْتِي مُسْكِينَنَا وَاحْشُرْنِي فِي ذُمَرَةٍ الْمَسَاكِينِ.

(رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان ورواہ ابن ماجہ عن ابی سعید)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے
تھے کہ اے اللہ مجھے مسکین کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکین کی حالت میں دنیا سے اٹھا اور مسکینوں
کے گردہ میں میرا حشر فرما۔

(جامع ترمذی و شعب الایمان للبیہقی، اور ابن ماجہ نے اسی کو ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے،
(تشریح) اسی سلسلہ میں پہلے یہ حدیث گزر چکی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ
تعالیٰ کی طرف سے یہ پیش کش کی گئی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لیے مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دیا
جائے تو آپ نے عرض کیا کہ نہیں میرے پروردگار! میں تو ایسی فقیرانہ زندگی چاہتا ہوں کہ ایک دن
کھانے کو ہوا اور ایک دن کھانے کو نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچ سمجھ کر اپنے لیے فقیرانہ زندگی کو پسند فرمایا تھا۔ اور یہی
آپ کی حقیقت شناس مبارک طبیعت کا بھی میلان تھا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا جو مقام و

مضبب تھا اور جو کا عظیم آپسے متعلق تھا اس کے لیے فقر و سکنت کی زندگی ہی زیادہ مناسب و بہتر تھی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ قناعت و طمانیت اور رضا و تسلیم نصیب فرمائے تو بندوں کے لیے علم طور سے بھی دینی اور آخرتی نقطہ نظر سے بہ نسبت دولت مندی کے فقر و ناداری کی زندگی ہی افضل اور بہتر ہے، اگرچہ تقویٰ اور ہر پرہیزگاری کے ساتھ دولت مندی اور خوشحالی بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہو۔

(۶۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْ بَرَأئِقِي إِلَى مُحَمَّدٍ قُوَّةً وَفِي رِوَايَةٍ كِفَافًا۔

(رداء البخاری و سلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ محمد کے متعلقین کی روزی میں بقدر کفایت ہو۔ (بخاری و سلم)

(تشریح) اصل عربی زبان میں اہل کالفظ گھرواں یعنی بیوی بچوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہو۔ اور متبعین کے لیے بھی، لیکن اس دعا میں بظاہر آپ کی مراد آپ کے گھر والے ہی ہیں۔ اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ متعلقین سے کیا ہو۔ قُوَّةً اور کِفَافٌ دونوں کا مطلب قریب قریب ہی ہو کہ روزی میں اتنی ہو کہ زندگی کا نظام چلتا رہے، نہ اتنی تنگی ہو کہ فاقہ زندگی اور پریشاں حالی کی وجہ سے اپنے متعلقہ کام بھی نہ انجام دیے جا سکیں اور دست سوال کسی کے سامنے پھیلا نا پڑے، اور نہ اتنی فراغت ہو کہ کل کے لیے بھی ذخیرہ رکھا جا سکے۔ احادیث و سیر کی شہادت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اسی طرح گزری۔

(۶۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ آلَ مُحَمَّدٍ مِنْ خُبْرٍ الشَّعِيرِ يَوْمَئِذٍ مُنْتَابِعِينَ حَتَّى قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رداء البخاری و سلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے جو کی روٹی سے بھی دو دن متواتر پیٹ نہیں بھرا، یہاں تک کہ حضور اس دنیا سے اٹھالے گئے۔ (بخاری و سلم)

(تشریح) مطلب یہ ہو کہ حضور کی پوری زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے اہل و عیال نے

دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کھائی ہو، اگر ایک دن پیٹ بھر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہے۔

(۶۶) عَنْ سَعِيدِ الْمُقْبِرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ مَرْبُوعًا بَيْنَ
أَيْدِيهِمْ شَاةٌ مُضِلِّيَةٌ فَدَعَوْهُ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ وَقَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَكَمْ تَسْبَعُ مِنْ خُبَرِ الشَّعِيرِ

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) سعید مقبری حضرت ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کا گزر کچھ لوگوں پر ہوا (جو کھانے پر بیٹھے تھے اور ان کے سامنے بھی ہوئی بکری رکھی ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ سے بھی کھانے میں شریک ہونے کی استدعا کی، تو اپنے اکار کر دیا، اور بطور معذرت کہا کہ (میرے لیے اس کھانے میں کیا مزہ ہو جبکہ مجھے معلوم ہو کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ جو کی روٹی سے بھی اپنے پیٹ نہیں بھرا۔ (بخاری)

(۶۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ
أَخِفْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يَخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أَؤْنَيْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُؤْنِي
أَحَدٌ وَلَقَدْ أَمْتُ عَلَى ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ وَمَالِي وَلِبَاسِي
طَعَامٌ يَا خَلَّةُ ذُو كَيْدٍ أَكَا فَنِي يُوَارِيهِ ابْطُ بِلَالٍ -

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ڈرایا وحمکا یا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا۔ اور اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا تنہا یا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں تنہا یا گیا۔ اور ایک دفعہ تین دن رات مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کے لیے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے، بجز اس کے جو بلال نے اپنی بغل میں چھپا رکھا تھا۔

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سبقت دینے کے لیے یہ آپ بیتی سنائی کہ دین کی دعوت اور اللہ کا پیغام پہنچانے کے سلسلہ میں مجھے ایسی ایسی مصیبتوں سے گزرنا

پڑا ہو، دشمنوں نے مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا کہ میرے سو کسی کو اتنا نہیں ڈرایا دھمکایا گیا اور جب میں نے اُن کی دھمکیوں کا اثر نہیں لیا اور دین کی دعوت دیتا ہی رہا تو ان ظالموں نے مجھے اتنا تاتایا اور ایسی ایسی تکلیفیں دیں کہ میرے سو کسی کو ایسی تکلیفوں سے گزرنا نہیں پڑا، اور بھوک اور فاقہ کی تکلیف بھی اتنی اٹھائی کہ ایک فہرہ پورے مہینہ کے تین دن رات اس حالت میں گزر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ بنی بجز اس کے کہ بلال نے اپنی انہل میں کچھ چھپا رکھا تھا، پورے مہینہ مجھے اور بلال کو اسی پر گزارہ کرنا پڑا۔

(۶۸) عَنْ عَائِشَةَ أُمِّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنِ أَخِي إِنَّ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْإِهْلَالِ ثَلَاثَةَ أَهْلَةٍ فِي شَهْرَيْنِ وَمَا أُوقِدَتْ فِي آيَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ وَقَاتُ مَا كَانَ يُعَذِّبُكُمْ قَالَتْ الْأَسْوَحَانِ الثَّمَرُ وَالْمَاءُ الْآثَةُ قَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِجْلَتٌ مِنَ الْأَصْدَارِ كَانَتْ لَهُمْ مَنَاجِجٌ وَكَانُوا يَمْنَحُونِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْقِينَاهُ

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ سے روایت ہو کہ انھوں نے عروہ سے فرمایا، میرے بھانجے! ہم اہلیت نبوت اس طرح گزارہ کرتے تھے کہ کبھی کبھی گاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے یعنی کال دو مہینے گزر جاتے تھے اور حضور کے گھروں میں چوٹا گرم نہ بڑا تھا اور عروہ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ بھر آپ لوگوں کو کیا چیز زندہ کرتی تھی؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا بس کھجور کے دانے اور پانی، (ان ہی پر ہم جیتے تھے) — البتہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے بعض انصاری پڑوسی تھے ان کے ہاں دودھ دینے والے جانور تھے وہ آپ کے لیے دودھ طلب دے دے کھجور کرتے تھے، اس میں سے آپ ہم کو بھی دے دیتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہو کہ تنگی اور ناداری اس قدر تھی کہ حضور کے گھر والوں پر دودھ پہنچنے ایسے گزر جاتے تھے کہ کسی قسم کا ناج بلکہ کچنے والی کوئی چیز بھی گھر میں نہیں آتی تھی، جس کی وجہ سے چوٹا حملانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، بس کھجور اور پانی پر دن کاٹے جاتے تھے، یا کبھی پڑوس کے کسی گھر سے حضور کے لیے دودھ آتا تو وہ بیٹوں میں پہنچتا تھا، باقی بس اللہ کا نام!

(۶۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْنِي اللَّيْلَ إِلَى الْمَتَابِعَةِ طَائِماً هُوَ وَأَهْلُهُ لَا يَجِدُ فَنَ عَشَاءً فَإِنَّا نَأْكُلُ

عَشَاءَهُمْ خُبْنُ الشَّعِيرِ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی راتیں بے پے پے اس حالت میں گزرتی تھیں کہ آپ اور آپ کے گھر والے خالی پیٹ فالتے سے رہتے تھے کیونکہ رات کا کھانا نہیں پاتے تھے (اور جب کھاتے) تو ان کا رات کا کھانا عام طور سے بس جو کی روٹی ہوتی تھی۔

(ترمذی)

(۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِلَثْمَيْنِ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ۔

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حال میں وفات پائی کہ آپ کی زرہ ۲۰ صاع جو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

(بخاری)

(تشریح) ہمارے اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا۔ اس حساب سے ۲۰ صاع جو قریباً عاشر من کے ہوئے۔ حدیث کا مقصد اور نشان یہ ہے کہ حضور کی حیات مبارک کے بالکل آخری ایام میں بھی (جبکہ قریب قریب پورے عرب کے آپ فرما رہا بھی تھے) آپ کے گھر کے گزارہ کا حال یہ تھا کہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی قیمتی زرہ رہن رکھ کر اپنے صاع جو وفات سے کچھ ہی پہلے قرض لیے تھے۔

فائدہ۔ مدینہ کے مسلمانوں میں بھی ایسے متعدد افراد ہونے کے باوجود جن سے ایسے چھوٹے چھوٹے قرضے غالباً ہر وقت لیے جاسکتے تھے، کسی یہودی سے قرض لینے کی چند مصلحتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے اہل محبت اور نیاز مندوں میں سے کسی کو اس حالت اور اس قسم کی ضرورت کا علم ہو، کیونکہ پھر وہ بجائے قرض کے دہیہ وغیش کے ذریعہ آپ کی خدمت کرنا چاہتے۔ اور اس سے ان پر بار پڑتا۔ نیز اس صورت میں ان سے قرض منگوانے میں ایک قسم کی طلب اور تحریک ہو جاتی۔

اور غالباً دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ اس کے شہد اور شائبہ سے بھی بچنا چاہتے تھے کہ آپ کے ذریعہ اہل ایمان کو دین کی جو دولت ملی اُس کے عوض آپ کوئی حقیر سے حقیر دینی فائدہ بھی اُن سے اٹھائیں، اس لیے مجبوری اور ضرورت کے موقع پر آپ قرض بھی غیر مسلموں سے لینا چاہتے تھے۔

تیسری مصلحت اس میں غالباً یہ بھی تھی کہ لین دین کے تعلقات غیر مسلموں سے رکھنے میں اُن کی آمد و رفت اور ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہوتے تھے اور اس کا راستہ کھلتا تھا کہ وہ لوگ آپ کو اور آپ کی سیرت کو جانیں اور جانیں اور ایمان اور رضا الہی کی دولت سے وہ بھی بہرہ یاب ہوں — چنانچہ یہ نتائجِ ظہور میں بھی آئے مشکوٰۃ ہی میں امام بیہقی کی ”دلائل النبوة“ کے حوالہ سے مدنی کے ایک بڑے دہتمند یہودی کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ قرض لیا تھا، وہ تقاضے کو آیا تو آپ نے عذر کیا کہ اس وقت ہم خالی ہاتھ ہیں اس لیے تمہارا قرضہ ادا کرنے سے آج مجبور ہیں، اس نے کہا کہ میں تو بغیر لیے نہیں جاؤں گا، پچال چہ ہم کے وہیں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ پورا دن گزر گیا اور رات بھی گزر گئی اور حضور نے اس دوران میں اس یہودی کی موجودگی ہی میں فجر، عصر، مغرب، عشاء، اور فجر کی نمازیں ادا فرمائیں اور وہ ہمیں ملا، بعض صحابہ کو اُس کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی اور انہوں نے چپکے چپکے اُس کو ڈرایا دھمکایا، تاکہ وہ کسی طرح چلا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جب اس کا پتہ چل گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ کسی معاہدہ پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو، یہ سُن کر ان صحابہ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا، پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد اُس یہودی نے کہا کہ دراصل میں روپیہ کے تقاضے کے لیے نہیں آیا تھا، بلکہ میں دیکھنا اور جاننا چاہتا تھا کہ وہ اوصاف و علامات آپ میں موجود ہیں یا نہیں جو تورات میں آخری زمانہ میں آنے والے پیغمبر کے بیان کیے گئے ہیں، اب میں نے دیکھ لیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ہی وہ نبی موعود ہیں اس کے بعد اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنی ساری دولت حضور کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا ”ہذا امالی فا حکم فیہ بما اراد اللہ“ یہ میرا مال حاضر ہے، اب آپ اللہ کی تسلیم و ہدایت کے مطابق اس کے بارہ میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں اور جس مصرت میں چاہیں اس کو صرف فرمائیں — (مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم)

(۱۷) عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلَى رِمَالٍ حَصِيرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِزَازٌ قَدْ أَثَرُ الرِّمَالِ

يُحِبُّهُمْ مُتَكَائِنًا عَلَى رِسَادَةٍ مِنْ أَدِيمٍ حَشَمُوا هَٰلَيْفَهُ فُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ
 أَدْعُ اللَّهَ فَلْيُوسِّعْ عَلَيَّ أَمْتًا يَا نَارِسَ وَاللَّهِ دَمٌ قَدْ وَسَّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ
 لَا يَعْْبُدُونَ اللَّهَ فَقَالَ أَوْ فِي هَٰذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ أُولَٰئِكَ قَوْمٌ مَجَلَّتْ
 لَهُمْ طَبِيبَاتُهُمْ بَنِي الْحَبَايَةِ اللَّهُ مَيَّا وَفِي رَوَايَةٍ أَمَّا شَرَضِي أَنْ تَكُونُ لَكُمْ
 اللَّهُ مَيَّا وَلَنَا الْأَجْدَةُ۔ (رداء البخاری و سلم)

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ کھجور کے پتھوں سے بنی ہوئی ایک چٹائی پر آپ لیٹے ہوئے ہیں اور اس کے اور آپ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے، اور چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیے ہیں، اور سرنے جسے ہاتھ کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی پھال کوٹ کے بھری ہوئی ہے، یہ حالت دیکھ کے میں نے عرض کیا کہ حضور! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ آپ کی امت کو مسراخی اور خوش حالی عطا فرمائے، روم اور فارس والوں کو بھی اللہ نے مسراخی دی ہے، حالانکہ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہیں، آپ نے فرمایا، اے ابن خطاب! کیا تم بھی اس حال میں اور اس خیال میں ہو؟ یہ سب تو وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا مسرا موٹی اور کامسرا نہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم دے نصیب کیے گئے ہیں اور اس لیے) ان کی وہ لذتیں (جو اللہ ان کو دینا چاہتا تھا) اسی دنیا میں ان کو دے دی گئی ہیں، اور ایک روایت میں حضور کا جواب اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے عمر کیا تم اس پر راضی نہیں کہ ان کے لیے دنیا کا عیش ہو اور ہمارے لیے آخرت کا عیش۔

(بخاری و سلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیرانہ زندگی اور اُس کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل دکھا اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اتنی وسعت اور خوش حالی عطا فرمادیتے کہ یہ تکلیفیں نہ دیکھی جاتیں، اور چونکہ حضور کے متعلق جانتے تھے کہ آپ اپنے لیے دنیا کی وسعت اور دولت مندی کی دعا اللہ تعالیٰ سے نہیں کریں گے اس لیے عرض یہ کیا کہ حضور اپنی امت کے لیے وسعت اور مسراخی کی دعا فرمائیں، اور اسی کے ساتھ اپنا یہ خیال

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ

تعلیم و تکمیل | سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کی ولادت ۱۱۴۵ھ میں ہوئی۔ آپ کا نسب و سطون سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ پر منتسب ہوتا ہے، ۱۰ سال کی عمر میں غالباً ۱۱۵۵ھ میں بغداد شریف لائے اور پوری عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کے ساتھ تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ عبادت و مجاہدات کی طرف طبعی کشش کے باوجود آپ نے تحصیل علم میں قناعت و زہد سے کام نہیں لیا، ہر علم کو اُس کے ہا کمال اُستادوں اور صاحب فن عالموں سے حاصل کیا۔ اور اس میں پوری دستگاہ پیدا کی، آپ کے اساتذہ میں ابو الوفا ابن عقیل محمد بن الحسن الباقلائی اور ابو زکریا تبریزی جیسے نامور علماء اور ائمہ فن کا نام نظر آتا ہے۔ طریقت کی تعلیم شیخ ابو الخیر حماد بن مسلم المدباس سے حاصل کی، اور قاضی ابوسعید مخزومی سے تکمیل کی اور اجازت حاصل کی۔

اصلاح و ارشاد اور رجوع عام | ظاہری و باطنی تکمیل کے بعد اصلاح و ارشاد کی طرف متوجہ ہوئے، مسند درس اور منبر ارشاد کو بیک وقت زینت دی۔ اپنے اُستاد شیخ، شیخ مخزومی کے مدرسہ میں تدریس و وعظ کا سلسلہ شروع کیا، بہت جلد مدرسہ کی توسیع کی ضرورت پیش آگئی۔ مخلصین نے عمارت میں اضافہ کر کے اس کو آپ کی مجالس کے اہل بنادیا۔ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مدرسہ میں تنہا رکھنے کی جگہ نہ رہی، سارا بغداد آپ کے مواظ ہوٹ پڑا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی وجاہت و قبولیت عطا فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں

۱۰ النظم (ابن جوزی)، المبدایہ والنہایہ (ابن کثیر)، ذیل طبقات، اصحاب (ابن رجب)

۵ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ذیل طبقات، اصحاب لابن رجب۔

کو نصیب نہیں، شیخ مفتی الدین ابن قدامہ صاحب ہنئی کہتے ہیں کہ ”میں نے کسی شخص کی آپ سے بڑھ کر دین کی وجہ سے تعظیم ہوتے نہیں دیکھی، بادشاہ اور وزیر آپ کی مجالس میں نیا از مندانہ حاضر ہوتے اور ادب سے بیٹھ جاتے، علماء و فقہا کچھ شمار نہ تھا، ایک ایک مجلس میں چار چار سو دواہیں سنا کر لگتی ہیں جو آپ کے ارشادات قلباً نہ کرنے کے لیے لائی جاتیں۔

بایں رفعت و منزلت حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے، ایک بچہ اور **محمد و حلاق** ایک لڑکی بھی بات کرنے لگتی تو کھڑے ہو کر سنتے اور اس کا کام کرتے غریب اور فقراء کے پاس بیٹھتے، ان کے کپڑوں کو صاف کرتے، جوں نکالتے، لیکن اس کے برخلاف کسی معزز آدمی اور ارکان سلطنت کی تعظیم میں کھڑے نہ ہوتے، خلیفہ کی آمد ہوتی تو قصداً دولت خانہ میں تشریف لے جاتے۔ یہاں تک کہ خلیفہ آکر بیٹھ جاتا پھر برآمد ہوتے، تاکہ تعظیماً کھڑا نہ ہونا پڑے۔ کبھی کسی وزیر یا سلطان کے دروازہ نہیں گئے۔

آپ کے دیکھنے والے اور آپ کے معاصرین آپ کے حسن اخلاق، علوِ حوصلہ، تواضع و انکسار، سخاوت و ایثار، اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ایک بزرگ (حواہ) جنھوں نے بڑی طویل عمر پائی اور بہت سے بزرگوں اور ناموروں کو دیکھا اور ان کی صحبت اٹھائی فرماتے ہیں:-

| | |
|--------------------------------|--------------------------------------|
| مادأت عینای احسن خلقا ولا | میری آنکھوں نے حضرت شیخ عبدالقادر |
| اوسع صدراً ولا اکرم نفساً ولا | سے بڑھ کر کوئی خوش اخلاق، فروخ حوصلہ |
| الطف قلباً ولا احفظ عہداً | کریم النفس، رقیب القلب، محبت اور |
| ووداً من سیدنا الشیخ عبدالقادر | تعلقات کا پاس کرنے والا نہیں دیکھا، |
| ولقد کان مع جلالة قدره و | آپ انہی عظمت، اور علو مرتبت، اور |
| علوم منزلتہ وسعة علمہ یقف | وسعت علم کے باوجود، چھوٹے کی رعایت |
| مع الصغیر ویوقر الکبیر ویدأ | فرماتے، بڑے کی توقیر کرتے، سلام میں |

بالسلام و بحال الضعفاء و
یتواضع للفقراء و ما قام
لاحد من العطاء ولا
الاعیان ولا التمر باب
وزیر ولا سلطان
سبقت فراتے، کمزوروں کے پاس
ٹھٹھے بیٹھے، غریبوں کے ساتھ تواضع و
انکاری سے پیش آتے، حالانکہ آپ
کسی سربراہ اور وہ یار میں کے لیے تعظیماً
کھڑے نہیں ہوئے، اور نہ کسی وزیر یا
حاکم کے دروازے پر گئے۔

الامام الحافظ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف البرزالی الاشعری ان الفاظ میں آپ کی تعریف کرتے ہیں:-

كان حجاب الدعوة اسرع
الدمعة ، دائم الذكر
كثير الفكر ، دقيق القلب
دائم البشر ، كريم النفس
سخي اليد ، غزير العلم
شريف الاخلاق ، طيب العراق
مع قدم واسع في العبادة
والاجتهاد
آپ مستجاب الدعوات تھے، دائرہ کوئی
عبرت اور رقت کی بات کی جاتی، تو جلد
آنکھوں میں آنسو آجاتے، ہمیشہ ذکر و فکر
میں مشغول رہتے۔ بڑے رقیق القلب تھے
خندہ پیشانی، شگفتہ رو، کریم النفس
فرخ دست، وسیع العلم، بلند اخلاق،
عالی نسب، عبادات و مجاہدات میں کمال
پایہ بلند تھا۔

مفتی عراق محی الدین ابو عبد اللہ محمد بن حامد البغدادی لکھتے ہیں:-

ابعد الناس عن الفحش
اقرب الناس الى الحق
شدید البأس اذا تهلكت
محارم الله عز وجل لا ينضب
لنفسه ولا ينصرف لغيره
غیر مہذب بات سے انتہائی دور، حق
اور معقول بات سے بہت قریب، اگر
احکام خداوندی اور حدود الہی میں سے
کسی پر دست درازی ہوتی تو آپ کو حلال
آجاتا، خود اپنے معاملہ میں کبھی غصہ

نہ آتا، اور اللہ عزوجل کے علاوہ کسی چیز
کے لیے انتقام نہ لیتے، کسی سائل کو خالی
ہاتھ واپس نہ کرتے۔ خواہ بدن کا کپڑا ہی
کیوں نہ آتا کر دینا پڑے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانے اور ضرورت مندوں پر بے دریغ خرچ کرنے کا خاص ذوق تھا، علامہ
ابن الخبار آپسے نقل کرتے ہیں کہ ”اگر ساری دنیا کی (دولت) میرے قبضہ میں ہو تو میں بھوکوں کو کھانا
کھلا دوں۔“ یہ بھی فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری تھیلی میں سوراخ ہو، کوئی چیز اس میں ٹھہرتی
نہیں، اگر ہزار دینار میرے پاس آئیں تو رات نہ گزرنے پائے، صاحبِ قلابہؒ انہما ہر رکھتے ہیں کہ حکم
تھا کہ رات کو وسیع و ستر خوان بچھے۔ خود ہماؤں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، کمزوروں اور غریبوں
کی ہم نشینی فرماتے، طلبہ کی باتوں کو برداشت کرتے اور تحمل فرماتے۔ ہر شخص یہ سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر
کوئی ان کا مقرب اور ان کے یہاں معزز نہیں، ساتھیوں میں سے جو غیر حاضر ہوتا اس کا حال دیکھت
فرماتے اور اس کی فکر رکھتے۔ تعلقات کا بڑا پاس اور محاذ تھا، غلیظوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرتے
اگر کوئی کسی بات پر قسم کھا لیتا تو اس کو مان لیتے اور جو کچھ حقیقت حال جانتے تھے اس کا انفا
نسبہ دیتے تھے۔

مردہ دلوں کی مسیحائی | سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامات کی کثرت پر مورخین کا اتفاق ہے
شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ، اور امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے
کہ شیخ کی کرامات حد تو اتنا کہ پہنچ گئی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی تھی۔ اللہ تعالیٰ
نے آپ کے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی، آپ کا وجود
اسلام کے لیے ایک ابد بھاری تھا، جس نے دلوں کے قبرستان میں ایک نئی جان ڈال دی، اور عالمِ اسلام
میں ایمان اور روحانیت کی ایک نئی لہر پیدا کر دی، شیخ عمر کیساتی کہتے ہیں کہ کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی
جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں۔ اور رہزن، خونخوار اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف

نہ ہوتے ہوں، فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں۔

جہاں کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت شیخ نے ایک روز فرمایا کہ میری تمنا ہوتی ہے کہ زمانہ سامانی کی طرح صحراؤں اور جنگلوں میں رہوں، نہ مخلوق مجھے دیکھے نہ میں اس کو دیکھوں، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے، میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں، علماء اور جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک لاکھ سے زائد توبہ کر چکے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہو۔

مورخین کا بیان ہے کہ بغداد کی آبادی کا بڑا حصہ حضرت کے ہاتھ پر توبہ سے مشرف ہوا اور بکثرت یہودی، عیسائی اور اہل ذمہ مسلمان ہوئے۔

تعلیمی مشاغل و خدمات اعلیٰ مراتب و کلاسیں چرناز ہونے اور نفوس و اخلاق کی اصلاح و تربیت میں ہمہ تن مشغول ہونے کے ساتھ آپ درس و تدریس، افتاء اور تصحیح اعتقاد اور مذہب اہل سنت کی نصرت و حمایت سے غافل نہ تھے، عقائد و اصول میں امام احمد اور محدثین کے مسلک پر تھے، مذہب اہل سنت اور سلف کے مسلک کو آپ بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ اور اُس کے مقابلہ میں اعتقادی و علمی بدعات کا بازار سر ہر گیا، ابن اسماعیل کہتے ہیں کہ تبعیین سنت کی شان آپ کی وجہ سے بڑھ گئی اور اُن کا پلا بھاری ہو گیا۔

درس میں ایک سبق تفسیر کا، ایک حدیث کا، ایک فقہ کا اور ایک اختلافات ائمہ اور اُن کے دلائل کا پڑھاتے تھے۔ صبح شام تفسیر، حدیث، فقہ، مذاہب ائمہ، اصول فقہ اور نحو کے اسباق ہوتے۔ ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم ہوتی، اس کے علاوہ افتاء کی مشغولیت تھی۔ بالعموم مذہب شافعی اور مذہب حنبلی کے مطابق فتویٰ دیتے، علماء عراق آپ کے فتاویٰ سے بڑے متعجب ہوتے اور بڑی تعریف کرتے۔

ایک مرتبہ استغنا آیا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ کوئی ایسی عبادت کرے گا جس میں عبادت کے وقت کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا، اگر اُس نے قسم پوری نہیں کی تو اُس کی بیوی کو تین طلاق، علماء یہ استفادہ سن کر حیرت میں پڑ گئے۔ کہ ایسی کون سی عبادت ہو سکتی ہو جس میں وہ بالکل

تہنا جو اور روئے زمین پر کوئی شخص بھی اس وقت وہ عبادت نہ کر رہا ہو، حضرت شیخ رحمہ اللہ کے پاس استفتاء کیا تو بے تکلف فرمایا کہ مطاف اس کے لیے خالی کر دیا جائے اور ایک ہفتہ وہ تہنات طواف کرے۔ علماء نے یہ جواب سن کر بے ساختہ داد تحسین دی۔ اور کہا کہ یہی ایک صورت ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے عبادت کرے اور اپنی قسم پوری کرے، اس لیے کہ طواف بیت اللہ پر موقوف ہے۔ اور مطاف اس شخص کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے، اب اس عبادت میں کہیں بھی شرکت کا امکان نہیں ہے۔

استقامت و مستحقیق حضرت شیخ استقامت کا پہاڑ تھے، اتباع کامل، علم راسخ اور تائید غیبی نے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا کہ حق و باطل، نور و ظلمت، الہام صحیح اور کید شیطانی میں پورا امتیاز پیدا ہو گیا تھا، آپ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو گئی تھی کہ شریعت محمدی کے احکام اور حلال و حرام میں قیامت تک کے لیے تغیر و تبدل کا امکان نہیں جو اس کے خلاف دعوئے کرے وہ شیطان ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ایک بڑی عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی جس سے آسمان کے کنارے بھر گئے، اُس سے ایک صورت ظاہر ہوئی اُس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا کہ اے عبدالقادر! میں تمہارا رب ہوں، میں نے تمہارے لیے سب محرمات حلال کر دیے، میں نے کہا دور ہو مُردار! یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت سے بدل گئی اور وہ صورت دھواں بن گئی، اور ایک آواز آئی کہ عبدالقادر خدا نے تم کو تمہارے علم و تفقہ کی وجہ سے بچایا ورنہ اس طرح میں ستر صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں، میں نے کہا کہ اللہ کی مہربانی ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ سمجھ کیسے کہ یہ شیطان ہے، فرمایا اس کے کہنے سے کہ میں نے حرام چیزوں کو حلال کر دیا۔

یہ بھی آپ کا ارشاد ہو کہ اگر حدود الہی (احکام شرعی) میں سے کوئی حد ٹوٹتی ہو تو سمجھ لو کہ تم فقہ میں پڑ گئے ہو اور شیطان تم سے کھیل رہا ہو، فوراً شریعت کی طرف رجوع کرو، اس کو مضبوط تمام لو، نفس کی خواہشات کو جواب دو اس لیے کہ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت نایب نہیں کرتی باطل ہے۔

تفویض و توحید | تسلیم و تفویض اور توحید کا ل حضرت کا خصوصی حال تھا کبھی کبھی تعلیماً اس حال اور مقام کی تشریح فرماتے تھے، وہ دراصل آپ کا حال ہے۔

خوش تر اس باشد کہ ستر دلباز گفتہ آید در حدیث دیگران
ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں :-

”جب بندہ کسی بلا میں مبتلا کیا جاتا ہو تو پہلے وہ خود اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہو، اگر نجات نہیں پاتا تو مخلوقات میں سے اوروں سے مدد مانگتا ہو، مثلاً بادشاہوں یا حاکموں یا دنیا واردوں یا امیروں سے، اور در دھک میں طبیبوں سے، جب ان سے بھی کام نہیں نکلتا اس وقت اپنے پروردگار کی طرف دعا اور گریہ وزاری و حمد ثنا کے ساتھ رجوع کرتا ہو، (یعنی) جب تک اپنے نفس سے مدد مل جاتی ہو خلق سے رجوع نہیں کرتا اور جب تک خلق خدا سے مدد مل جاتی ہو خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، پھر جب خدا کی طرف سے بھی کوئی مدد نظر نہیں آتی تو (بے بس ہو کر) خدا کے ہاتھوں میں آ رہتا ہو۔ اور ہمیشہ سوال و دعا اور گریہ وزاری اور تائبی و اظہار حاجت مستی امید و ایم کے ساتھ کیا کرتا ہے، پھر خدا اس کو دعا سے بھی تھکا دیتا ہے، اور قبول نہیں کرتا یا یہاں تک کہ اسباب منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ سب سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس میں (احکام) قضاء و قدر کا نفاذ ہوتا ہے۔ اور اس کے اندر (خدا اپنا) کام کرتا ہے، تب بندہ کل اسباب و حرکات سے بے پروا ہو جاتا ہے، اور روح صرف وہ جاتا ہے، اسے فعل حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اور وہ ضرور بالضرور صاحب یقین و موحد ہو جاتا ہے، قطعی طور پر جانتا ہو کہ درحقیقت خدا کے سوا نہ کوئی کچھ کرنے والا ہے اور نہ حرکت و سکون دینے والا، نہ اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں اچھائی اور برائی، نفع و نقصان، بخشش و حرمان، کشائش و بندش، موت و زندگی، عزت و ذلت و غنا و فقر ہے، اس وقت (احکام قضا و قدر میں) بندہ کی یہ حالت ہوتی ہے جیسے شیر خوار بچہ دایہ کی گود میں، یا مردہ غزال کے ہاتھ میں یا رپو لو کا گیند سوار کے قبضہ میں کہ الٹا پٹا جاتا ہے اور بگاڑا بنایا جاتا ہے اس میں اپنی طرف سے کوئی حرکت

ہیں، نہ اپنے لیے، نہ کسی اور کے لیے، یعنی بندہ اپنے مالک کے فعل میں اپنے نفس سے غائب ہو جاتا ہے اور اپنے مالک اور اُس کے فعل کے سوا نہ کچھ دیکھتا سنتا ہے، نہ کچھ سوچتا سمجھتا، اگر دیکھتا ہے تو اس کی صنعت اور اگر سنتا ہے تو اسی کا کلام اس کے علم سے (ہر چیز کو) جانتا ہے اُس کی نعمت سے لطف اٹھاتا ہے، اُس کے قبضے سے سعادت پاتا ہے اُس کی تقریب (جاذبہ) سے آراستہ پہراستہ ہوتا ہے اُس کے وعدہ سے خوش ہوتا ہے سکون پاتا اور اطمینان حاصل کرتا ہے اُس کی باتوں سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے غیر سے وحشت و نفرت کرتا ہے، اس کی یادیں سرنگوں ہوتا اور جی لگاتا ہے اُس کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے، اُس کے نورِ معرفت سے ہدایت پاتا اور اُس کا خرقہ و لباس پہنتا ہے، اُس کے علوم عجیب و نادر پر مطلع ہوتا ہے اُس کی قدرت کے اسرار سے مشرب ہوتا ہے، اُس کی ذات پاک سے (ہر بات) سنتا اور اُسے یاد رکھتا ہے، پھر ان (نعمتوں) پر حمد و ثناء و شکر و پاس کرتا ہے۔

عامة الناس اور امت محمدیہ یکے ساتھ آپ کو جو تعلقی، جو فکر اور اُس کے حال پر جو شفقت تھی اور جو نائین رسول اور مقبولین کی خاص علامت ہے، اُس کا اندازہ آپ کی اس تقریر سے ہو سکتا ہو جس میں آپ نے بازار میں جانے والوں کے احوال و مرتب بیان کیے ہیں ان میں آخری مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اور دراصل ”حدیث دیگران“ میں اپنا ہی حال و مقام بیان کرتے ہیں:-

”اور پانچواں وہ شخص ہے کہ جب بازار میں داخل ہوتا ہے تو اثر سے اس کا دل بھر جاتا ہے ان لوگوں پر رحمت کرنے کے لیے اور یہ رحمت اُسے کچھ دیکھنے ہی نہیں دیتی کہ ان لوگوں کے پاس کیا کچھ ہے وہ تو اپنے داخلہ کے وقت سے باہر نکلنے کے وقت تک بازار والوں کے لیے دعا و استغفار و شفاعت میں اور ان پر رحمت و شفقت میں مشغول رہتا ہے اس کا دل ان لوگوں کے لیے اُن کے حال پر جھلپتا رہتا ہو

اور آنکھیں روٹی رہتی ہیں اور زبان اُن نعمتوں پر جو خدا نے اُن لوگوں کو اپنے فضل سے دی ہیں خدا کا شکر اور اُس کی حمد و ثنا کرتی رہتی ہے۔

حضرت شیخ کے مواعظ دلوں پر کبھی کا اثر کرتے تھے اور وہ تاثیر آج بھی آپ کے مواعظ و خطبات کلام میں موجود ہو، فتوح الغیب اور الفتح الربانی کے مضامین اور آپ کی مجالس وعظ کے الفاظ آج بھی دلوں کو گرماتے ہیں، ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی ان میں زندگی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے نائبین اور عارفین کا طین کے کلام کی طرح یہ مضامین بھی ہر وقت کے مناسب اور سامعین و مخاطبین کے حالات و ضروریات کے مطابق ہوتے تھے، عام طور پر لوگ جن بیماریوں میں مبتلا اور جن مغالطوں میں گرفتار تھے انھیں کا ازالہ کیا جاتا تھا اسی لیے حاضرین آپ کے ارشادات میں اپنے زخم کا مرہم، اپنے مرض کی دوا اور اپنے سوالات و شبہات کا جواب پاتے تھے اور تاثیر اور عام نفع کی یہ ایک بڑی وجہ تھی، پھر آپ زبان مبارک سے جو فرماتے تھے وہ دل سے نکلتا تھا اس لیے دل پر اثر کرتا تھا، آپ کے کلام میں بیک وقت شوکت و عظمت بھی ہے اور دل آویزی اور حلاوت بھی، اور ”صدیقین“ کے کلام کی یہی شان ہو۔

توحید خالص اور غیر اللہ کی بے حقیقتی اس وقت ایک عالم کا عالم اہل حکومت اور اہل دولت کے دامن سے وابستہ تھا، لوگوں نے مختلف انسانوں اور مختلف ہستیوں کو نفع و ضرر کا مالک سمجھ لیا تھا، اسباب کو اسباب کا درجہ دے دیا گیا تھا اور تفساد و قدر کو بھی اپنے جیسے انسانوں سے متعلق سمجھ لیا گیا تھا، ایک ایسی فضا میں حضرت شیخ فرماتے ہیں:-

”دکل مخلوقات کو اس طرح سمجھو کہ ایک بادشاہ نے جس کا ملک بہت بڑا اور حکم سخت اور رعوب و داب دل ہلا دینے والا ہے، ایک شخص کو گرفتار کر کے اُس کے گلے میں طوق اور پیروں میں کڑا ڈال کر ایک صنوبر کے درخت میں ایک نہر

کے کنارے جس کی موجیں زبردست، پاٹ بہت بڑا، تھا بہت گہری، بہاد بہت زور دہل پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود ایک نفیس اور بن بکری پر کہ اس تک پہنچنا مشکل ہو تشریف فرما ہے اور اس کے پہلو میں تیر و پکان، نیزہ و کمان اور ہر طرح کے اٹھ کا انبار ہے، جن کی مقدار خود بادشاہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اب ان میں سے جو چیز چاہتا ہو اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر چلاتا ہو تو کیا دیہ تاشا) دیکھنے والے کے لیے بہتر ہو گا کہ وہ سلطان کی طرف سے نظر ہٹائے اور اس سے خوف و امید ترک کرے اور لٹکے ہوئے قیدی سے اُمید دہیم رکھے، کیا شخص ایسا کرے عقل کے نزدیک بے عقل، بے ادراک، دیوانہ، چوپایہ اور انسانیت سے خارج نہیں ہو، خدا کی پناہ، بینائی کے بعد نابینائی اور وصول کے بعد جدائی، اور قُب و ترقی کے بعد منزل، اور ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے

ایک دوسری مجلس میں توحید و اخلاص اور ماسوی الہ سے انقطاع کی تسلیم اس طرح دیتے ہیں:-

”اس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے، اس کے سامنے رہو جو تمہارے سامنے رہتا ہے، اُس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے، اس کی بات مانو جو تم کو بلاتا ہے، اپنا ہاتھ اُسے دو جو تم کو گرنے سے سنبھال لے گا اور تم کو جہن کی تاریکیوں سے نکال لے گا اور ہلاکتوں سے بچائے گا، بجا تیس دھوکہ میل کجیل سے پاک کرے گا تم کو تمہاری سڑبند اور بد بواہ درپست ہمتی اور نفس بدکار و رفیقان گمراہ و گمراہ کن سے نجات دیکھا جو شیاطین خواہشیں اور تمہارے جاہل دوست ہیں، خدا کی راہ کے رہن اور تم کو ہر نفیس اور ہر عمدہ اور پسندیدہ چیز سے محروم رکھنے والے، کب تک عادت، کب تک خلق، کب تک خواہش، کب تک عزت، کب تک دنیا؟..... کب تک ماسوائے حق و کہاں چلتے تم؟ (اس خدا کو چھوڑ کر جو) ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور بنانے والا ہے، اول ہے، آخر ہے، ظاہر ہے باطن ہے، دلوں کی محبت، روحوں کا اطمینان

گراہیوں سے بیکدوش، بخشش و احسان، ان سب کا رجوع اسی کی طرف سے اور اُسی کی طرف سے اُس کا صدور ہو گیا۔

ایک دوسری مجلس میں اسی توجید کے مضمون کو اس طرح واضح کیا گیا کہ فرماتے ہیں:-
 ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، میں حق تعالیٰ
 اس کو اُن کے ہاتھوں کو دیتا ہے، اسی کا فعل تیسرا اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا
 ہے، جو کچھ تیسرے لیے مفید ہے یا مضر ہے اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم پس چکا ہے (اس
 کے خلاف نہیں ہو سکتا) جو موحّد اور نیکو کار ہیں وہ باقی مخلوق پر اللہ کی محبت میں بعض
 ان میں سے ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے برہنہ ہیں دُکھ و لذت
 ہیں مگر حق تعالیٰ اُن کے اندر دن پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا، یہی قلوب ہیں جو
 صاف ہیں، جو شخص اس پر قادر ہو اس کو مخلوقات کی بادشاہت مل گئی، وہی بہاد
 پہلوان ہے، بہاد وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے پاک بنایا اور قلب کے
 دروازہ پر توجید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو
 بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا، اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہی، شریعت
 اس کے ظاہر کو تہذیب لکھاتی ہے اور توجید و معرفت باطن کو تہذیب بناتی ہیں۔
 مہبودانِ باطل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”آج تو اعتمادِ کرم، جو اپنے نفس پر، مخلوق پر، اپنے دنیا روں پر، اپنے درمہموں
 پر، اپنی خودی و فروخت پر، اور اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز کو جس پر تو اعتماد کرے وہ تیرا
 مہبود ہے، اور ہر وہ شخص جس سے تو خوں کرے یا توقع رکھے وہ تیرا مہبود ہے، اور ہر وہ
 شخص جس پر نفع اور نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی
 اس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے تو وہ تیرا مہبود ہے۔“

ایک دوسرے موقع پر خدا کی غیرت، شرکاء سے نفرت اور انسان کی محبوب چیزوں کے سلب و ضائع

ہو جانے کی حکمت اس طرح بیان فرماتے ہیں :-

”تم اکثر کہتے ہو گے اور کہو گے میں جس سے محبت کرتا ہوں اُس سے میری محبت رہنے نہیں پاتی اور رنجہ بڑھاتا ہے، یا توحیدائی ہو جاتی ہے یا وہ مر جاتا ہے یا رنجش ہو جاتی ہے اور مال سے اگر محبت کرتا ہوں تو وہ مٹا لے ہو جاتا ہے اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے تب تم سے کہا جائے گا کہ اے خدا کے محبوب اے وہ کہ جس پر خدا کی عنایت ہے اے وہ کہ جو خدا کا منظور نظر ہے، اے وہ جس کے لئے اور جس پر خدا کو غیرت آتی ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ غیور ہے اس نے تم کو اپنے لئے پیدا کیا اور تم غیر کے ہو رہنا چاہتے ہو، کیا تم نے خدا کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ وہ ”اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ اُسے اور یہ ارشاد کہ میں نے جن و اُس کو صرف اُس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔“ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ خدا جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اُسے مبتلا کرتا ہے، پھر اگر وہ ممبر کرتا ہے تو اُسے رکھ چھوڑتا ہے“ عرض کیا گیا یا رسول اللہ رکھ چھوڑنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اُس کے مال و اولاد کو باقی نہیں رکھتا۔ اور یہ معاملت اس لئے ہے کہ جب مال و اولاد ہوں گے تو اُسے انکی محبت بھی رہے گی اور خدا سے جو محبت اُسے ہے متفرق اور ناقص اور تقسیم ہو کر حق اور غیر حق میں مشترک ہو جائے گی اور خدا شریک کو قبول نہیں کرتا، وہ غیور ہے اور ہر چیز پر غالب و برتر ہے تو وہ اپنے شریک کو ہلاک و معدوم کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنے بندہ کے دل کو خالص کر لے خاص اپنے لئے بجز کسی شریک کے، اس وقت اُس کا یہ ارشاد صادق آ جاتا ہے کہ وہ اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ اُسے ”یہاں تک کہ دل جب خدا کے ان مصنوعی شریکوں اور برابری کرنے والوں سے جو اہل و عیال و دولت و لذت اور غنائشیں ہیں نیز ولایت و ریاست، کرامات و حالات منازل و مقامات، جنتوں اور درجات، اور قرب و نزدیکی کی طلب سے پاک و صاف ہو جاتا ہے تو اس میں کوئی ارادہ اور آرزو باقی نہیں رہتی اور وہ فیض سورخ دار برتن کے ہو جاتا ہے جس میں کوئی رقیق چیز نہیں ٹھہرتی کیونکہ وہ خدا کے فیض سے ٹوٹ جاتا ہے جب اُس میں کوئی ارادہ پیدا ہوتا ہے خدا کا فیض اور اُس کی غیرت اُسے توڑ ڈالتی ہے تب اُس کے دل کے گرد عظمت و جبروت و ہیبت کے ہمے ڈال دے جاتے ہیں اور اُس کے گرد اگر دیکر باقی

اور سطوت کی خند قین کھود دی جاتی ہیں کہ دل میں کسی چسبہ کا ارا دو گھسنے نہیں پاتا، اس وقت دل کو اسباب یعنی مال اور اہل و عیال و اصحاب، اور کرامات و حکم و بیانات کچھ مضر نہیں ہوتے کیونکہ یہ سب دل سے باہر رہتے ہیں تب اللہ تعالیٰ ان سے غیرت نہیں کرتا، بلکہ یہ سب چیزیں خدا کی طرف سے بندہ کے لئے بطور لطف و کرامت و رزق و نعمت کے ہوتی ہیں اور جو لوگ اُس کے پاس آتے ہیں انہیں نفع پہنچانے کے لئے پلے

شکستہ دلوں کی تسکین حضرت شیخ کے زمانہ میں ایک طبقہ ایسا تھا جو اپنے اعمال و اخلاق اور ایمانی کیفیت کے لحاظ سے بہت لیکن دنیاوی حیثیت سے بلند اور ہر طرح سے اقبال مند تھا، اس کے برخلاف دوسرا طبقہ معاشی حیثیت سے بہت، دنیاوی ترقیات سے محروم، بے بضاعت و تہی دست لیکن اعمال و اخلاق کے لحاظ سے بلند اور ایمانی کیفیات و ترقیات سے بہرہ مند تھا، وہ پہلے طبقہ کی کامیابیوں اور ترقیات کو بعض اوقات رشک کی نگاہ سے دیکھتا اور اپنے کو کسی وقت محروم و نامراد سمجھنے لگتا تھا، حضرت شیخ اس دل شکستہ طبقہ کی دل جوئی فرماتے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی جو عنایات ہیں اُن کا ذکر فرماتے ہوئے اس امتیاز و فرق کی حکمت بیان کرتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے :-

”اے خالی ہاتھ فقیر! اے وہ کہ جس سے تمام دنیا برگشتہ ہے، اے گناہ، اے بھروسے، ننگے، جگر بھلے ہوئے، اے ہر مسجد و خرابات سے نکالے ہوئے، اے ہر در سے پھٹکارے ہوئے، اے وہ کہ ہر مراد سے محروم خاک بر پڑا ہے، اے وہ کہ جس کے دل میں مٹی ہوئی، آرزوؤں اور آرزوں کے کشتوں کے پستے لگے ہیں، مت کہہ کہ خدا نے مجھے محتاج کر دیا، دنیا کو مجھ سے بھر دیا، مجھے پامال کر دیا، جھوڑ دیا، مجھ سے دشمنی کی، مجھے پریشان کیا اور جمعیت (خاطر) نہ بخشی، مجھے ذلیل کیا اور دنیا سے میری کفایت نہ کی، مجھے گناہ کیا اور خلق میں اور میرے بھائیوں میں میرا ذکر بلند

نہ کیا اور غیر پر اپنی تمام نعمتیں بچھا کر کر دیں جس میں اُس کے رات دن گزرتے ہیں، اسے مجھ پر اور میرے دیا والوں پر فضیلت دی حالانکہ وہ بھی مسلمان ہے اور میں بھی۔ اور ایک ماں باپ آدم و حوا کی اولاد میں دونوں میں داسے (غیر) خدا نے تیرے ساتھ یہ برتاؤ اس لئے کیا ہے کہ تیری سرشت ثلثی (زمین کے مثل) ہے ریت ہے اور رحمت حق کی بارشیں برابر تجھ پر ہو رہی ہیں، از قسم صبر و رضا و یقین و موافقت و علم اور ایمان و توحید کے انوار تیرے گرد اگر دیں تو تیرے ایمان کا درخت اور اُس کی جڑ اور بیج اپنی جگہ پر مضبوط ہے، کٹے دے رہا ہے، پھل رہا ہے بڑھ رہا ہے، شاخیں بھیل رہی ہیں، سایہ دے رہا ہے، بلند ہو رہا ہے، روزانہ زیادتی اور نونہ میں ہے، اس کے بڑھانے اور پرورش کرنے میں پانس اور کھا دینے کی ضرورت نہیں، اس بارہ میں خداوند تعالیٰ تیرے حکم سے فاسخ ہے (کہ وہ خود تیری ضروریات کو بخوبی جانتا ہے) اس نے آخرت میں تجھ کو مقام بنیسا ہے اور اس میں تجھ کو مالک بنا یا ہے اور مہبتی میں تیرے لئے اتنی کثرت سے بخششیں رکھی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کان نے سنیں، نہ کسی انسان کے دل میں گزریں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کون سی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی گئی ہے اس کام کے بدلہ میں جو وہ کرتے رہے ہیں یعنی جو کچھ دنیا میں ان لوگوں نے احکام کی بجائے آدمی ہمنوعات کے ترک پر صبر و مقدرات میں تقویٰ و تسلیم اور کل امور میں خدا کی موافقت کی ہے۔

اور وہ غیر جیسے خدا نے دنیا عطا فرمائی اور مال دنیا کا مالک کیسا ہے اور نعمت دنیاوی دی اور اس پر اپنا فضل فرمایا اس کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا ہے کہ اس کے ایمان کی جگہ ربی اور تھریلی زمین ہے کہ اس میں اپنی ٹھکانا اور درخت آگنا اور کھیتی اور پھل کا پیدا ہونا دقت سے خالی نہیں تو اس زمین پر کھا دو وغیرہ ڈالی جاتی ہے جس سے ہر دوں اور

درختوں کی پرورش ہو اور وہ کھا دینا اور اس کا سامان ہے تاکہ اس سے درخت ایمان اور نہال اعمال کی کہ جو اس زمین میں آگے ہیں حفاظت ہو اگر یہ چیز اس سے علیحدہ کر دی جائے تو پودے اور درخت سوکھ جائیں گے اور پھل جاتے رہیں گے بس گھر ہی اجڑ جائے گا حالانکہ خداوند تعالیٰ اس کے بنانے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اسے فقیر دولت مند آدمی کا درخت ایمان کمزور جڑ کا ہوتا ہے اور اس قوت سے خالی جو تیرے درخت ایمان میں بھری ہوئی ہے اسکی مضبوطی اور اس کا مکمل و انھیں چیزوں سے ہے جو مال دنیا اور طرح طرح کی نعمتیں اس کے پاس تجھ کو نظر آتی ہیں اگر درخت کی کمزوری میں یہ چیزیں اس سے الگ کر دی جائیں تو ایمان کا درخت سوکھ کر کفر و انکار (بیدار) ہو جائے گا اور وہ شخص منافقین و مرتدین و کفار میں شامل ہو جائے گا، البتہ اگر خداوند تعالیٰ دو نعمتوں کی طرف مبرور و یقین دہن اور طرح طرح کی معرفتوں کے لشکر بھیجے اور اس سے اس کا ایمان قوی ہو جائے تو پھر اس کو تو نگری اور نعمتوں کے عروج ہو جانے کی پرواہ نہ رہے گی لیکن

دنیا کی صحیح حیثیت | حضرت شیخ کے یہاں رہبانیت کی تعلیم نہیں، وہ دنیا کے استعمال اور اس سے بعد ضرورت انتفاع سے منع نہیں فرماتے، اس کی پرستش اور غلامی اور اس سے قلبی تعلق اور عشق سے منع فرماتے ہیں۔ ان کے مواظبہ در حقیقت حدیث نبوی ان الدنیا خلقت لکم و انکم خلقتن للآخرۃ (بے شک دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی (یعنی تمہاری لوبڈی ہے) اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے) کی تفسیر ہیں، ایک موقع پر فرماتے ہیں :-

”دنیا میں سے اپنا مقصود اس طرح مت کھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور تو کھڑا ہو، بلکہ اس کو ادشاہ کے دروازہ پر اس طرح کھا کہ تو بیٹھا ہو اور وہ لمبا اپنے سر پر رکھے ہوئے کھڑی ہو، دنیا خدمت کرتی ہے اس کی جو حق تعالیٰ کے

دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے اور جو دنیا کے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے اُس کو ذلیل کرتی ہے، کما حق تعالیٰ کے ساتھ عزت و توکری کے قدم پر۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوتا ہے :-

”دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز۔

باقی قلب میں رکھنا جائز نہیں (کہ دل سے بھی محبوب سمجھنے لگے) دروازہ ہر اس کا کھڑا ہونا

جائز، باقی دروازے آگے گھٹنا نہ جائز ہے نہ تیرے لئے عزت ہے۔“ (باقی)

۷۷ مجلس ۱۵ فیوض یزدانی

۷۸ مجلس ۲۱ فیوض یزدانی

انسانی دنیا پر

مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

ان

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کئی برس پہلے مولانا علی میاں مدظلہ کی معرکہ آرا تصنیف مسلمانوں کے منزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا، ملک کے تمام علمی، دعوتی اور سنجیدہ حلقوں میں اپنا لوہا منوا چکی ہے، یہ کتاب دو سال سے بالکل نایاب تھی یہیم اصرار اور تقاضوں کے بعد محترم مصنف نے اس کتاب میں اہم اضافات کے بعد انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر کے نام سے شائع کر لے کی اجازت دیدی (یہی کتاب ماڈل خسر العالم باخطاط المسلمین کے نام سے عربی میں شائع ہو چکی ہے) یہ حقیقت ہے کہ کتاب میں اس قدر اضافے ہوئے ہیں کہ گویا یہ بالکل نئی کتاب بن گئی ہے، ضخامت بھی تقریباً ڈیڑھ گنی یعنی ۴۸۰ صفحات کے قریب ہے۔

مدہ کتابت و طباعت گلبرگ کاغذ قیمت مجلد ۳۰ روپے

لےنے کا پتہ ————— کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ ————— لکھنؤ

لیتے تھے۔ دست مبارک عورتوں کے ہاتھ سے کبھی نہیں ہوا۔ عورتوں میں چونکہ بڑے اخلاق مردوں کے نسبت زیادہ پائے جاتے ہیں، اس لیے ان کی بیعت میں خصوصیت کے ساتھ چند شرطیں بڑھائی گئی ہیں۔ آپ نے امرائی کی تعمیل میں عورتوں کو بیعت کے وقت ان چیزوں سے منع فرمایا جو۔

پہلی شرط۔ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کریں عام ایں کہ شرک موجب وجود میں ہوا استغاثہ عبادت میں۔ اگر کسی کے اعمال ریا و سمعہ کے شائبہ سے پاک نہ ہوں اور وہ غیر اللہ سے اپنے اعمال خیر کے اجر کی طلب میں مبتلا ہو مثلاً وہ اپنے نیک عمل پر دوسروں سے مدح و ثنا کا طلب گار ہو تو ایسا شخص دائرہ شرک سے باہر نہ ہوگا اور نہ ایسا شخص مخلص و موحّد ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ المشرک فی امتی اخفی من دبیب النمل فی لیلۃ مظلتہ علی مصوۃ سواد (شرک میری امت میں اس چوٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہو جو اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چلتی ہو)،

لان بے شرکی مزن کاں از نشان پائے ہو و شائبہ یک برسنگ سیہ نہاں نراست

حضور نے یہ بھی فرمایا ہے و اتقوا الشرک الا صغیرا لوالہ و اما لا صغیرا قال علیہ و علی الہ الصلوٰۃ والسلام الیہا (شرک اصغر سے بچو، صحابہ نے پوچھا، شرک اصغر کیلئے، حضور نے ارشاد فرمایا وہ ریا ہے)

توحید تو یہ ہو کہ شائبہ شرک سے بھی بیزاری ہو، بیماریوں کو دفع کرنے میں بتوں اور شیطانوں سے مدد طلب کرنا جیسا کہ اس وقت اسلام کے پردے میں رائج ہو گیا ہے عین شرک و گمراہی ہو۔ اور تازہ و دناتراشیہ پتھروں سے اپنے حوائج و ضروریات مانگنا، اللہ سے انکار و کفر ہے۔ اکثر عہد میں انتہائی جملہ نادانی کی وجہ سے اس طرح کے حرام اعمال میں مبتلا اور مرآم شرک و اہل شرک کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ یہ بات اس وقت بھی جاتی ہو جبکہ چوپک کی بیماری پیدا ہوتی ہو اس وقت کم ایسی عورتیں ہوں گی جو اس شرک سے محفوظ رہتی ہوں گی، اور اس مرض کو دور کرنے کے لیے شرک کی رسموں میں سے کوئی رسم نہ ادا کرتی ہوں گی۔ الا ما اشار اللہ کفار و مشرکین جن ایام کی تعظیم کرتے ہیں ان ایام کی تعظیم کرنا، اور وہ جو مرآم ادا کرتے ہیں انھیں ادا کرنا شرک و کفر تک پہنچا دیتا ہو۔ جیسا کہ دہلی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں اہل کفر کی رسمیں ادا کرتی ہیں۔ اور اس دن کو حید کے دن کی طرح مناتی ہیں۔ جس طرح اہل کفر اس دن اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو تحفے اور ہدیے

سمجھتے ہیں اسی طرح وہ بھی سمجھتی ہیں، ان دنوں میں اپنے برتنوں کو کفار کی طرح رنگتی ہیں اور اس میں سبز چاول بھر کر سمجھتی ہیں یعنی ان دنوں کو وہ بھی دیا ہی سمجھتی ہیں جیسا کفار سمجھتے ہیں، یہ سب شرک و کفر ہو۔ اسی طرح کے اسلام کے مقلق اللہ نے کہا جو و مادیوں اکثر ہم باللہ الا وہ مشرکون، ان میں اکثر وہی حال ہے جو کہ اللہ پر یقین لاتے ہیں تو اس حال میں کہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھہرائے جاتے ہیں، ایک عمل حرام یہ بھی رائج ہو کہ جانوروں کو مثل گائے کے نام پر نذر کرتے اور ان کی قبروں پر جا کر ان جانوروں کو ذبح کرنے میں فقہ کی کتابوں میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل کیا جو اور پوری تاکید سے کیا ہو، فقہانے اس ذبح کو ذبايح جن کی جنس سے سمجھا جو (ذبايح جن وہ جانور ہیں جنہیں مشرکین جنوں کے نام پر ذبح کرتے تھے) اس لیے اس عمل سے بھی اجتناب کرنا چاہیے کہ اس میں شرک کا شائبہ ہو۔ نذر کے طریقے بہت ہیں۔ کیا ضرور ہو کہ کسی جانور کو ذبح کرنے کی تدابیر میں اس کو ذبايح جن کے ساتھ قتل کریں۔ اور اپنے آپ کو عہدہ جن جنوں کے بجاریں، کے ساتھ مشابہ کریں۔ یہی حال عورتوں کے ان روزوں کا بھی ہو جو وہ بیروں اور بی بیوں کے نام پر رکھتی ہیں۔ اکثر ان ناموں کو انھوں نے خود تراشا ہو۔ اور انھیں ناموں پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں۔ اور افطار کے وقت ہر روزہ کے لیے خاص وضع متعین کرتی ہیں۔ اور ان کے لیے مخصوص ایام کا تعین بھی کرتی ہیں۔ اپنے مطالب و مقاصد کو ان روزوں کے ساتھ جوڑتی ہیں اور ان کے توسل سے مقصد برآری چاہتی ہیں۔ یہ عبادت میں شرک ہو اور اس طرح وہ غیر اللہ کی عبادت کے توسل سے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ اس فعل کی قباحت پر ابھی طرح سوچنا چاہیے۔ — حدیث قدسی میں آیا ہوا الصوم لی وانا اجزی بہ یعنی روزہ میرے لیے مخصوص ہو، اور عبادت صوم میں میرے سوا کوئی شریک نہیں، ہر چند کہ کسی عبادت میں بھی غیر اللہ کا شرک نہ جائز نہیں۔ لیکن روزہ کی تخصیص محض اس انتہام کے لیے ہو کہ اس عبادت میں نفی غیر کی نیت نہ کیا کہ کوئی چاہیے۔ بعض عورتیں اپنے ایجاد کردہ روزوں کے حلقے میں یہ کہتی ہیں کہ ہم روزہ اللہ ہی کے لیے رکھتی ہیں صرف اس کا ثواب بیروں کی رخصتوں کو بخشتی ہیں۔ اگر وہ اپنے اس معاملہ میں سچی ہیں تو پھر روزوں کے لیے مخصوص ایام کی تعین کا کیا کام ہو۔ اور پھر افطار میں مخصوص کھانوں اور مخصوص وضع و ہیئت کا التزام کیوں ہے، بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ افطار کے وقت محرمات کا ارتکاب کرتی ہیں۔ بے ضرورت بھیک مانگتی ہیں اور اسی بھیک مانگی ہوئی چیز سے (افطار کرتی ہیں) اور اپنی مقصد برآری کو اسی امر محرم کے ارتکاب پر منحصر دعووت سمجھتی ہیں۔ حقیقت میں یہ عین گمراہی اور شیطان کا فریب ہو۔

دوسری شرط عورتوں کی بیعت کے وقت یہ لگائی گئی ہو کہ وہ چوری نہ کریں۔ اس گناہ کبیرہ میں چونکہ اکثر عورتیں مبتلا ہوتی ہیں اس لیے مخصوص طور پر ان کو اس سے روکا گیا ہو کہ یہی عورتیں ہوں گی جو اس برائی سے باہل بھی ہوئی ہوں گی۔ جو عورتیں اپنے شوہروں کے اموال میں ان کی اجازت کے بغیر تصرف کرتی ہیں اور بے تحاشا خرچ کر کے مال کو ضائع کرتی ہیں وہ چوروں کے گروہ میں داخل ہیں۔ اور یہ گناہ ان کے اندر ثابت نہ متحقق ہو۔ یہ بات عام طور پر عورتوں میں پائی جاتی ہو اور اس خیانت میں تقریباً تمام عورتیں مبتلا ہیں، کاش وہ اس بات کو برائی سمجھیں، اگرچہ حال یہ ہو کہ وہ اپنے اس تصرف سے بیکار و حلال سمجھتی ہیں اور یہ نہایت خطرناک بات ہو، کیونکہ کسی ثابت شدہ برائی کو حلال سمجھنا کفر تک پہنچا دیتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم مطلق جل شانہ نے شرک کے بعد عورتوں کو چوری سے منع فرمایا، اپنے شوہروں کے اموال میں بیکار و تصرف کرنے کے ان میں خیانت اور چوری بڑھ چکی جاتی ہو اور پھر دوسروں کے اموال میں بھی چوری و خلیات کرنے لگتی ہیں دوسروں کے اموال کو بلا اجازت حاصل کیے کی برائی نکلے دینے لگتی ہو اور چوری ان کی عادت میں داخل ہو جاتی ہے، ان تمام باتوں کے مشاہدے کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہو کہ عورتوں کے لیے شرک کے بعد چوری کو کیوں اتنی اہمیت دی گئی۔ اموال میں سرقت و خیانت کے سلسلہ میں یہاں ایک اور قسم کی چوری کا ذکر بھی مناسب ہے۔ ایک دن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو پوچھا، بدترین قسم کا چور کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا کہ بدترین قسم کا چور وہ ہو جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہو۔ اور ارکان نماز کو تمام و کمال ادا نہیں کرتا اس لیے اس قسم کے چوری سے بھی بچنا ضروری ہو۔ تاکہ انسان بدترین قسم کے چوروں میں داخل نہ ہو۔ جس وقت قلب کے ساتھ نماز کی نیت کرنی چاہیے۔ کیونکہ نیت کے بغیر عمل صحیح نہیں ہوتا۔ پھر قرأت درست طریقے پر کرنی چاہیے۔ رکوع و سجود اطمینان کے ساتھ کرنا چاہیے۔ اسی طرح توبہ اور حلیہ بھی اطمینان سے بجالانا چاہیے۔ یعنی رکوع سے اٹھنے کے بعد سیدھا کھڑا ہونا چاہیے۔ اور ایک بار سبحان اللہ کہنے کے انداز سے کھڑا ہونا چاہیے تب سجدہ میں جانا چاہیے۔ اسی طرح دو سجود کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا چاہیے۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ اپنے کو چوروں کے گروہ میں داخل کرتا ہے۔

تیسری شرط عورتوں کی بیعت کے وقت یہ لگائی گئی ہو کہ وہ زنا نہ کریں۔ عورتوں کی بیعت میں خصوصیت کے ساتھ اس کبیرہ سے ممانعت کی وجہ بھی یہی ہو کہ اکثر اوقات زنا عورتوں کی رضا پر

موقوف ہوتا ہو، نیز یہ کہ اکثر اوقات اس عمل بد کی علت یہ ہوتی ہو کہ عورتیں اپنے آپ کو مردوں کے سامنے ہمیشہ کھڑی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہو کہ قرآن مجید میں زانیہ عورت کو زانی مرد پر اس آیت میں مقدم رکھا گیا ہے الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة (زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو)

یہ گناہ دنیا و آخرت میں انسان کو برباد کرنے والا اور تمام ادیان میں قبیح و منکر ہے۔ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت علیہ وسلم کی اہل الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی ہو کہ آپ نے فرمایا: اے لوگو! زنا سے بچو کہ اس میں چھ برائیاں ہیں۔ تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ دنیا کی تین برائیاں یہ ہیں: ۱۔

(۱) زانی کے دل سے نورانیت اور اس کے چہرے سے رونق غائب ہو جاتی ہو۔ (۲) اس سے فقر و افلاس آتا ہے۔ (۳) عمر میں کمی ہوتی ہو۔ آخرت کی تین برائیاں یہ ہیں۔
(۱) اللہ کا غضب (۲) حساب کی سختی (۳) دوزخ کا عذاب

حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنکھوں کا زنا محرمات کو بُری نیت سے دیکھنا، آنکھوں کا زنا محرمات کو بُری نیت سے پکڑنا اور قدموں کا زنا محرمات کی طرف بُری نیت سے جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا شریعتهم ذلک انکم لہم ان اللہ خبیر بمباہینہم و قل للمومنات یغضض من ابصارہن ویحفظن شریعتہن یعنی کہو اے محمدؐ مسلمانوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرنگاہوں کی حفاظت کریں، اور کہو مسلمان عورتوں سے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرنگاہوں کی حفاظت کریں۔

جہاں چاہیے کہ دل آنکھوں کا تابع ہو، جب تک محرمات سے آنکھوں کو نہ بچایا جائے دل کی حفاظت مشکل ہو۔ اور جب دل گرفتار ہو جائے تو شرنگاہ کی حفاظت بہت مشکل ہو۔ لہذا آنکھوں کو بنظری سے بچانا ضروری ہوا تاکہ شرنگاہ کی حفاظت ہو سکے اور انسان دنیا و آخرت کے گھماٹے سے محفوظ رہے۔

قرآن میں اس کی بھی ممانعت آئی ہو کہ عورتیں اجنبی مردوں سے نرم و نازک گفتگو کریں، کیوں کہ اس سے بدکار مردوں کے دل میں دوسرے زنا پیدا ہوتا ہے۔ اگر عورتوں کو اجنبی مردوں سے یہ ضرورت گفتگو کرنی پڑے تو اس انداز سے بولنا چاہیے کہ اُن کے دل میں اس قسم کا کوئی دوسرے نہ پیدا ہو سکے قرآن

ہیں اس سے بھی روکا گیا ہو کہ عورتیں اپنی زینت کا اظہار غیر مردوں کے سامنے کریں اور ان کے دلی میں خواہش پیدا کریں۔ اسی طرح عورتوں کو پازیب و خلیا بہن کر زمین پر اس طرح پاؤں مارنے سے بھی روکا گیا ہو کہ اس کی آواز پیدا ہو۔ کیونکہ اس سے بھی ان کی طرف میلان پیدا ہوتا ہو۔ خلاصہ یہ کہ ہر وہ بات جو فسق اور گناہ کی طرف لے جانے والی ہو قبیح اور ممنوع ہو۔ فکر کرنی چاہیے کہ حرام چیزوں کے مقدمات و مبادی سے بھی پرہیز کیا جائے تاکہ نفس محررات سے سلامتی میسر ہو، یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہنی چاہیے کہ ایک عورت کے لیے دوسری اجنبی عورت بھی اجنبی مرد ہی کے حکم میں ہو، ان باتوں میں جو اجنبی مرد سے ناہانزہ ہیں، مثلاً جس طرح عورت کے لیے اجنبی مرد کو شہوت سے دیکھنا یا چھونا ناجائز ہو، اسی طرح دوسری عورت کو بھی شہوت سے دیکھنا اور چھونا ناجائز ہو۔ اس بات کی بڑی نگہداشت کرنی چاہیے کیونکہ عورت کا مرد تک پہنچنا اختلاف صنف کی وجہ سے مشکل ہے۔ بہتر سے مولع درمیان میں ہوتے ہیں۔ لیکن عورت کا عورت تک پہنچنا اتحاد صنف کی وجہ سے نہایت آسان ہے۔ اس لیے یہاں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور اس فعل قبیح سے بچانے کے لیے بڑی تاکید و تبلیغ کرنی چاہیے۔ چوٹھنی مشروط عورتوں کی بیعت کے وقت یہ لگائی گئی کہ اولاد کو قتل نہ کریں، فقر و احتیاج سے ڈر کر بچوں کو مار ڈالنا نہ صرف یہ کہ قتل ناحق ہے بلکہ قطع رحم کے گناہ کو بھی متضمن ہے اسلئے ہر ایک کبیرہ میں دو دیکار کا ارتکاب ہو۔

پانچویں مشروط عورتوں کی بیعت کے وقت یہ لگائی گئی کہ وہ افزلا اور بہتان نہ باندھیں۔ یہ وصف عورتوں میں بہت پایا جاتا ہے اس لیے خصوصیت سے منع کیا گیا۔ یہ صفت بہت بُری صفتوں میں سے ایک ہو۔ یہ جھوٹ ہو اور جھوٹ تمام ادیان میں حرام اور قبیح ہے۔ اس میں ایذاؤں مومن بھی ہے۔ اور مسلمان کو اذیت پہنچانا حرام ہو، نیز اس میں فساد فی الارض بھی ہے جو فیہ قرآنی ممنوع و قبیح ہے۔

آٹھم میں چھٹے منبر پر ایک جامع شرط یہ لگائی گئی کہ وہ مرد و دھرم میں پیغمبر کی نافرمانی نہ کریں۔ یہ شرط تمام اہل شرع کے امثال اور تمام اہل شرع سے اجتناب پر مشتمل ہو۔

ناز پنجگانہ بے کس دستور پوری خوش دلی و سعی کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔ مال کی زکوٰۃ بھلا نہ زکوٰۃ میں بہ رغبت تمام صرف کر دینی چاہیے۔ رمضان کا روزہ جو سال بھر کے چھوٹے گناہوں کا کفارہ ہے

پوری احتیاط سے رکھنا چاہیے۔ حج بیت اللہ جس کی شان میں حضور نے فرمایا ہو کہ حج گزشتہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اور کرنا چاہیے۔ اسی طرح ورع و تقویٰ سے بھی چارہ نہیں ہو کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ملائکہ دین کے مالورع یعنی تمہارے دین کو قائم رکھنے والا ورع ہے۔ ورع منیات شرعیہ کو ترک کرنے کا نام ہے۔ — نشہ اور چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے اور ہر نشہ اور چیز کو شراب کی طرح سمجھنا چاہیے، غنا کا گناہ بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ غنا اور لعب میں داخل ہے اور لعب و لعب حرام ہے۔ حدیث میں آیا ہے الغنا رقیۃ الزنا یعنی غنا، زنا کا منتر ہے۔ سخن چینی اور غیبت بھی پرہیز لازم ہے، مسلمانوں کے ساتھ مسخرہ پن کرنا اور ان کو اذیت پہنچانا بھی حرام ہے۔ اس سے اجتناب ضروری ہے۔

بدفالی کا اعتبار نہ کرنا چاہیے اور نہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ ایک کا مرض دوسرے کو لگ جاتا ہے، مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے منع فرمایا ہے۔ لا طیرۃ ولا عذوی یعنی بدفالی کوئی شے نہیں ہو اور نہ ایک کا مرض دوسرے کو لگتا ہو، کاهنوں اور بخومیوں کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ زبان سے غیب کی باتیں پوچھنا چاہیے۔ اور نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں، کیونکہ شریعت میں بڑی تاکید کے ساتھ اس سے روکا گیا ہے۔ نہ خود جادو کرنا چاہیے نہ کسی ساحر سے جادو کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ حرام قطعی ہے۔ اور کفر تک پہنچا دینے والی چیز ہے۔ کوئی گناہ کفر سے اتنا قریب نہیں ہو جتنا جادو اور سحر، حدیث میں آیا ہے کہ جب تک ایمان دل سے نکل نہ جائے سحر کا فعل وجود میں نہیں آتا۔ گویا سحر اور ایمان ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اور جسے علماء نے کتب شرعیہ میں بیان فرمایا ہے، دل و جان سے اس کو بجالانے میں سعی کرنی چاہیے اور اس کی مخالفت کو نہ ہر قائل سمجھنا چاہیے۔

جب بیعت کرنے والی عورتوں نے ان تمام شرائط کو قبول کر لیا تو آنحضرت نے ان کی بیعت قبول کر لی اور امر الہی کے مطابق ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ امر الہی سے جو استفادہ آپ نے کسی جماعت کے لیے کیا اس کے متعلق پوری امید ہے کہ قبول ہوا اور وہ جماعت مغفور ہو، ہندہ ابومنیان کی بیوی بھی اس بیعت میں داخل تھیں۔ بلکہ اس وقت ان عورتوں کی سرگردہ وہی تھیں اور سب کی

نمائندگی کر رہی تھیں۔ اس بیعت و استغفار سے ان کے حق میں بھی بڑی امید ہے، ان عورتوں کے بعد اب بھی جو عورتیں ان شرائط کو قبول کریں اور ان کے مقتضائے مطابق عمل کریں وہ حکماً اس بیعت میں داخل ہوں گی اور اس استغفار کی برکتوں کی امید وار۔ اللہ تعالیٰ نے کہا اِنَّمَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ بِعِصْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی کیوں تم پر عذاب کرے اگر تم اس کا شکر ادا کرو۔ اور ایمان درست کرو۔ اللہ کا شکر بجا لانے کا مطلب یہ ہو کہ انسان احکام شرعیہ کو قبول کرے اور ان کے مقتضائے مطابق عمل کرے۔ طریق نجات اور تنگناری کی راہ صاحب شریعت علیہ السلام کی پیروی ہے۔ اعتقاد میں بھی اور عمل میں بھی۔ اُستاد اور پیر اس لیے ہیں کہ شریعت کی طرف رہنمائی کریں۔ اور ان کی برکت سے شریعت پر اعتقاد اور عمل میں سہولت ہو۔ نہ یہ کہ مرید جو کچھیں وہ کریں۔ جو چاہیں وہ کھائیں پیر ان کی ڈھال بن جائیں گے اور عذاب سے بچالیں گے، یہ تمنائے محض ہو، قیامت میں بے اجازت کوئی سفارش نہ کر سکے گا اور جب تک عمل پندیدہ نہ ہو کوئی سفارش کرے گا بھی نہیں، اور عمل اسی وقت پندیدہ ہوگا جب شریعت کے مقتضائے مطابق کیا جائے اور اگر بشریت کی بنا پر کوئی لغزش ہوگئی ہو تو شفاعت سے اس کا تدارک ممکن ہو۔ واللہ سبحانہ الموفق۔ (مکتورہ ص ۳ ج ۳)

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر بیان القرآن مکمل

بیان القرآن کئی برس سے باطل نایاب تھی، اب خدا کا شکر ہو کہ پھر چھپ گئی ہو، جن حضرات کو مدت اس کا انتظار تھا اب وہ فوراً اپنا آرڈر ارسال فرمائیں۔ بڑا سائز، جلی قلم، قیمت مکمل ۲۵ روپے، خود، خریدار حضرات اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور تحریر فرمائیں، اس لیے کہ دہلی کتاب ڈاک سے منگوانے میں محصول بہت صرف ہوگا۔ اور مبلغ غلط پٹنگی ضرور ارسال فرمائیں۔ پاکستانی حضرات مبلغ منہ روپے ادارہ اصلاح و تبلیغ کو پٹنگی ارسال فرمائیں اور حب قاعدہ منی آرڈر کی رسید کے ساتھ آرڈر دیں۔

منیجر کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

حکمت و معنویت

(۱) ایک مرتبہ اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک کعبہ میں داخل ہوا تو وہاں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے حضرت سالمؓ سے ملاقات ہو گئی۔ ہشام نے حضرت سالمؓ سے کہا کہ کوئی حاجت ہو تو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے گھر میں غیر اللہ سے مانگتے ہوئے مجھے غرم آتی ہے۔ وہ جب ہو رہا، پھر جب آپ خانہ کعبہ سے نکلے تو پیچھے پیچھے وہ بھی نکل آیا اور باہر آکر کہا کہ اچھا اب تو آپ اللہ کے گھر سے نکل آئے اب فرمائیے! آپ نے جواب دیا کہ اچھا بتاؤ دنیاوی ضروریات میں سے کچھ طلب کروں یا اخروی؟ کما دنیادی! آپ نے فرمایا کہ دنیاوی ضروریات تو ہیں اس سے بھی نہیں مانگتا جس کے قبضہ میں سب کچھ ہے تو اس سے کیا مانگوں جس کے قبضہ میں کچھ نہیں!

(۲) جابر جعفی کہتے ہیں کہ ایک بار مجھ سے حضرت محمد بن علی زین العابدینؓ فرمانے لگے کہ اے جابر! میں بہت مغموم اور فکرمند ہوں، میں نے عرض کیا کہ آپ کو کیا غم ہے اور کیا فکر ہے؟ فرمایا یہ کیا بوجھنے کی بات ہے؟ جو شخص بھی قلب صافی کے ساتھ اللہ کے دین میں داخل ہوتا ہے وہ ایک فکرمولے لیتا ہے اور دین کی فکر میں باقی ساری فکریں ختم ہو جاتی ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو مجھے کوئی دنیاوی فکر ہے! دنیا میں رکھا ہی کیا ہے بس ایک سواری جس پر سوار ہو لیجئے ایک کپڑا جس کو پہن لیجئے اور ایک عورت جس سے خواہش نفس پوری کر لیجئے۔ اے جابر! ایمان والے دنیا میں کبھی دل نہیں لگاتے، آخرت کی آمد سے ایک لمحہ کے لئے بے فکر نہیں ہوتے

ان کے کان دنیا کی باتیں سنتے ہیں وہ ہزار فقہ سامانیوں کے باوجود ان کے دلوں کو اللہ یاد بخیر نہیں نہیں کر پاتیں اور دنیا کی جو جھک دکھ ان کی آنکھیں دیکھتی ہیں وہ مشاہدہ حق میں حجاب نہیں بن پاتیں اور آخر کار وہ ابرار کے ثواب سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اہل تقویٰ دنیا والوں میں سب سے سبکبار ہوتے ہیں اور تمام اہل دنیا میں وہی تمہاری سب سے زیادہ مدد کر سکتے ہیں، اگر تم ان کو فراموش کر دو تو وہ تم کو یاد کریں اور اگر تم یاد کرو تو وہ تمہاری مدد کریں۔ دُنکے کی چوٹ پر اللہ کا حق کہنے والے اور اس کا حکم قائم کرنے والے۔ پس اسے جابر دنیا میں ایک منزل کی طرح قیام کر دو کہ کچھ دیر کے لئے اترے اور جیل پڑے یا ایسے بھوجیے کچھ مال تمہیں خواب میں مل گیا لیکن جب آنکھ کھل گئی تو سب نمار دے اور اللہ کے دین اور حکمت کی حفاظت کر جس کی حفاظت پر اُس نے تمہیں مقرر کیا ہے

(۳) جابر ہی راوی ہیں کہ مجھ سے محمد بن علی نے فرمایا اسے جابر میں نے سنا ہے کہ اہل عراق کی ایک جماعت جو ہم سے محبت جتنا فی ہے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر زبان دراز کرتی ہے اور ان کا یہ کہنا ہے کہ میں نے انہیں اس بات کا حکم دیا ہے۔ تم میری طرف سے انہیں یہ پہنچا دو کہ میں ان سے اللہ کے یہاں بری ہوں۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر میرے ہاتھ میں اقتدار ہوتا تو میں ان لوگوں کے خون سے اللہ کا قریب حاصل کرتا مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نہ نصیب ہو، اگر میں ان دونوں بزرگوں کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا نہ کروں۔ یہ دشمنان خدا اُن کے مقام سے بے خبر ہیں۔

(۴) حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنی خلافت کا خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد قیلول کے لئے گھر میں تشریف لے گئے تو ان کے صاحبزادہ عبد الملک پہنچے اور عرض کیا امیر المومنین کیا ارادہ ہے۔ فرمایا بیٹے میں تھوڑی دیر لیٹنا چاہتا ہوں، صاحبزادہ نے عرض کیا کہ آپ آرام فرمائیں گے اور مظالم و شکایات کو رفع فرمائیں گے۔ فرمایا کہ بیٹے رات تمہارے چچا سلیمان

کی تجویز و تکفین میں مجھے رات بھر جاگنا پڑا اس لئے اس وقت ذرا کمزور سی جی کرنا چاہتا ہوں
بس ظہر تک لیٹوں گا اور نماز ظہر کے بعد لوگوں کی شکایات سنوں گا۔ صاحبزادہ نے عرض کیا
امیر المومنین ظہر تک آپ کی زندگی کی کیا ضمانت ہے؟ بس یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز
نے فرمایا جان پر قریب آؤ، اور قریب بلا کر سینے سے چٹا لیا، پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا
شکر ہے اُس پروردگار کا جس نے میری صلب سے ایسی اولاد پیدا فرمائی جو میرے دین
میں میری جگہ کا رہے اور پھر قیلو لکے بغیر ہر آگئے اور اسی وقت منادی کرائی کہ جس کو کوئی
شکایت ہو وہ پیش کر لے!

(۱۵) ہشام کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی وفات کے قریب
مسلم بن عبد الملک حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ امیر المومنین آپ نے زندگی میں اپنے بچوں
کو مال سلطنت سے محروم رکھا اور اب آپ ان کو بے سرو سامان ہی چھوڑ کر جا رہے ہیں،
اچھا ہو کہ آپ مجھے یا خاندان کے کسی بزرگ کو ان کا وصی بنا جائیں حضرت عمر نے یہ سن کر تیار داروں
سے فرمایا اگر مجھے کچھ سارا لگا کر بٹھا دو، پھر سلمہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ آپ کا یہ کہنا صحیح نہیں
ہے کہ میں نے بچوں کو مال سے مطلق محروم رکھا، بخدا جتنا ان کا حق تھا اس سے میں نے انھیں
محروم نہیں رکھا اور ہاں جو ان کا حق نہیں تھا وہ میں نے بیشک انھیں نہیں دیا۔ اب رہا
آپ کا یہ کہنا کہ میں کسی کو ان کا وصی بنا دوں، تو سنئے ان کے حق میں میرا وصی اور ولی اللہ
ہے۔۔۔۔۔ وہ اللہ جس نے نازل فرمائی کتاب پاک اور وہی نیکو کاروں کا ولی ہے۔۔۔
مجھے پتہ نہیں کہ میری اولاد کس قسم کی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اہل تقویٰ میں سے ہو اگر ایسا ہوا تو
مجھے کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ ان کے لئے خود تنگی اور پریشانی سے بچاؤ کی
راہ پیدا فرمائے گا۔۔۔۔۔ اور اگر خدا نخواستہ گنہگار اور نامان ہوئی تو میں ان کا انتظام
کر کے انھیں اللہ کی نافرمانی پر قوی نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ اس کے بعد اپنے لوگوں کو بلا ہجرا
جو اللہ کے فضل سے بارہ چودہ تھے۔ وہ سب آگئے تو ان کی طرف ایک نظر دیکھا، آنکھیں

بھڑائیں اور فرمایا قسم ہے اپنی جان کی۔ یہ تو عمر جنیس میں خالی ہاتھ اور بے سرو سامان چھوڑ رہا ہوں۔ کچھ لٹہ میں انھیں بہت خیر میں چھوڑ رہا ہوں۔ اے میرے بیٹو! تمہارا باپ دورا ہے پر کھڑا ہوا تھا، ایک صورت یہ تھی کہ تم دولت مند بن جاؤ اور تمہارا باپ جہنم میں داخل ہو جائے اور دوسری صورت یہ تھی کہ تم مفلس رہو اور تمہارا باپ جنت میں جلا جائے، تمہارے باپ نے جنت میں جانا پسند کیا ہے۔ پس جاؤ اللہ تمہارا نگہبان ہے بلے

(۶) حضرت عبداللہ بن زبیر کے صاحبزادہ حضرت عامرؓ کے متعلق روایت ہے کہ مرض الوفا کے آخری لمحات تھے مکان مسجد سے قریب ہی تھا مغرب کا وقت آچکا تھا کہ اذان کی آواز کالوں میں آئی۔ تیمارداروں سے فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑو (سمجھ گئے کہ مسجد جانا چاہتے ہیں) عرض کیا گیا کہ آپ بیمار ہیں، فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اللہ کے منادی کی آواز سنوں اور لیکٹ کہوں مجبوراً لوگ مسجد میں لے گئے، نماز میں شریک ہوئے اور ایک ہی رکعت پڑھ پائے تھے کہ رُوحِ برباد کر گئی۔

دیوبند و بریلی کے اختلاف و نزاع پر ایک فیصلہ کن محققانہ کتاب معراۃ القلم — یا — فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علماء دیوبند پر سنگین الزامات اور ان کا ثبوت :-
فاضل بریلی مولوی احمد رضا خاں صاحب کے قلم سے
علماء دیوبند کی طرف سے جواب اور الزامات کے محض غلط ہونے کا ثبوت :-

مولانا محمد منظور نعمانی کے قلم سے
یہ کتاب جو واقعہ اپنے موضوع پر حرف آخراور فیصلہ کن دستاویز ہے، اب سے ۲۱ سال پہلے شائع ہو کر اس زمانہ میں نایاب ہو گئی تھی، بریلی کے تکفیری فتنے کے علمبرداروں نے جو طوفان آج کل برپا کر رکھا ہے اس نے اس کی اشاعت پر پھر مجبور کر دیا۔ مولانا کی نظر نانی اور دو مستقل مضامین کے اضافہ کے ساتھ اب یہ چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔ ۱۶۰ صفحات قیمت صرف ایک روپیہ۔

کتاب خانہ الفرقان لکھنؤ

انتخاب

دکراہی کے ماہنامہ ریاض کے فاضل مدیر جناب رئیس احمد صاحب جعفری ندوی نے اپنے برچہ میں ملائیت پر کچھ اعلیٰ خیال کیا تھا۔ ملائیت کے دیرینہ گرم فرما جناب نیاز فنجوری نے اس پر کچھ چلنے ہوئے اعتراضات فرمائے۔ جعفری صاحب نے ستمبر کے ریاض میں اس پر تعاقب کیا تھا۔ وہ اس قابل ہے کہ قارئین الفرقان بھی اس سے مستفید ہوں۔ اسی خیال سے ہم اس کا ایک اہم حصہ انتخاب میں لے رہے ہیں۔ ————— (ملاحظہ فرمائیے) (ادارہ)

نیاز صاحب نے فرمایا ہے :-

”ہوں کہ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ مذہبی سیادت و رہنمائی صرف علمائے دین کا حق ہے اس لئے رشتہ رشتہ مسلمانوں میں وہی PRIEST HOOD پیدا ہو گئی ہے جو کسی وقت عیسائیوں میں پائی جاتی تھی اور علم دین عوام کے لئے شجر ممنوع ہو کر رہ گیا۔“

بلاشبہ مذہبی سیادت و رہنمائی صرف علمائے دین کا حق ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ اگر ریاضی، سائنس اور انجینئرنگ وغیرہ کے مسائل اور مشکلات کسی ملاح کسی زرگر کسی شاعر کسی ادیب کسی ماہر موسیقی سے حل نہیں کرائے جاسکتے بلکہ کسی ”اکسپرٹ“ ہی سے حل کرائے جاسکتے ہیں تو مذہبی مسائل میں بھی لب کشائی کا حق اسی کو مل سکتا ہے جو اس فن کا ماہر ہو لیکن جتنی مذکورہ بالا بات سچ ہے اتنا ہی یہ خیال غلط ہے کہ مسلمانوں میں عیسائیوں کی سی پریسٹ قائم ہو گئی ہے اور اس سے زیادہ یہ غلط ہے کہ علم دین عوام کے لئے شجر ممنوع بن گیا ہے۔ پریسٹ بڑے معنی میں ہیں کہ بغیر پادری یا پنڈت کے شعائر مذہبی ادا نہ ہو سکیں مثلاً گرجا میں عبادت پادری کرائے گا۔ مندر میں پنڈت کے بغیر پوجا مکمل نہیں ہو سکتی۔ نکاح، طلاق، میت کے مراسم

اور مرنے کے بعد کے معمولات پورے نہیں ہو سکتے، جب تک کہ پادری یا پنڈت رہنمائی کے لئے موجود نہ ہو، کیا نیا ز صاحب دیانت داری کے ساتھ فرما سکتے ہیں کہ مسلمانوں میں بھی یہ بات ہے کیا نکاح اسی وقت منع ہوگا جب قاضی آئے، کیا نازکی امامت صرف عالم دین ہی کا حق ہے؟ کیا مرنے کی لاش مڑتی رہے گی جب تک مولوی صاحب نہ تشریف لائیں شکل، دقیق اور مشتبہ مسائل میں علما کی رہنمائی بیشک ضروری ہے لیکن کیا ان کی بجائے پادری اور قسمل کے لئے بھی مولوی یا مولانا کی موجودگی لازمی ہے، ہر مسلمان اگر مسائل و ضوابط سے واقف ہے، امام ہو سکتا ہے، قاضی کے فرائض انجام دے سکتا ہے، شاعر دینی کی تکمیل کر سکتا ہے، وہ کسی مذہبی معاملہ کی انجام دہی کے لئے ہرگز ہرگز کسی مولوی، مولانا یا امام کا پابند نہیں ہے، بریٹش ہٹ کے معنی ہیں بندے اور خدا کے درمیان واسطہ کی کوئی اگر پادری اور پنڈت نہ ہو تو بندہ کسی طرح خدا سے ربط نہیں پیدا کر سکتا، اس کا ہر عمل رائیگاں، اس کا ہر اخلاص بیکار اور اس کی ہر سعی بے نتیجہ ہے اس کے برعکس اسلام اس طرح کا کوئی واسطہ نہیں تسلیم کرتا یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں کبھی بھی بریٹش ہٹ نہ پیدا ہو سکی اور نہ کبھی پیدا ہو سکتی ہے، ہمارا عالم اس لئے ہے کہ ہم پڑھیں تو بتائے اس لئے نہیں ہے کہ خدا کا نائب اور قائم مقام بن کر ہر کام کی آگ اپنے ہاتھ میں لے لے، پھر سب عجیب بات نیاز حضا نے یہ فرمائی ہے کہ علم دین مسلمانوں کیلئے شجر ممنوع ہو کر رہ گیا ہے، بار بار بار کوشش کرنے کے باوجود اس شجر سے جملہ کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا، آخر کس خانقاہ یا دارالعلوم کی طرف سے یہ فتویٰ شائع ہوا ہے کہ علم دین صرف مسلمان بزمینوں کو ہی سکھایا جاتا ہے؟ مسلم عوام میں سے جو علم دین سیکھنے کی کوشش کرے گا اس کی زبان کاٹ لی جائے گی آنکھیں پھوڑ دی جائیں گی اور کانوں میں بھلا ہوا کھولتا ہوا سمیہ ڈال دیا جائے گا؟ پاکستان کو چھوڑیے بھارت میں دارالعلوم دیوبند ہے مدرسہ مظاہر العلوم ہے، خود جس شہر (لکھنؤ) کو یہ شرف حاصل ہے کہ نیاز صاحب وہاں مقیم ہیں، وہاں ندرۃ العلامہ، فرنگی محل ہے، سلطان المدارس ہے، ان میں ایک درسگاہ (مزدودہ) میں نیاز حضا تعلیم بھی حاصل کر چکے ہیں، آخر وہ کوئی درسگاہ ہے جو صرف مسلم بزمینوں کے لئے مخصوص ہے اور جہاں مسلم عوام یعنی خود روں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں بلکہ تعقیفہ کیا یہ صورت حال نہیں ہے کہ علوم دین حاصل کرنے والوں میں غالب ترین اکثریت عوام ہی کی ہے اس لئے کہ خواص تو حصول

دنیا کی راہ میں اسے ایک روٹا سمجھنے لگے ہیں۔ پھر بھی اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ علوم دین کا حصول عوام کے لیے غیر ممنوع بن گیا ہے تو اس پر وہی یقین کرے گا جسے یہ یقین ہو کہ سیاہ رنگ سفید ہوتا ہے اور سفید سیاہ۔۔۔ اور میں ماننا ہوں دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں۔۔۔

اسی سلسلہ بیان میں نیاز صاحب نے فرمایا ہے :-

”ہمارے علا جس وقت اسلام کے عہد اہنی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے سامنے ذابن رشد ہوتا ہے نہ بوعلی سینا نہ رازی، نہ غزالی بلکہ صرت مالک بن انس، ابو ہریرہ، ابو یوسف اور اسی قبیل کے چند محدث اور فقیہ جن کی روایات کے سوا سارے پر وہ خود زندہ ہیں لیکن دوسروں کو جینے نہیں دیتے۔“

گفتگو کا ایک طرز یہ بھی ہے کہ مخاطب دیا جائے، نیاز صاحب کی یہ بات اسی قبیل سے ہے انھیں اپنے قارئین کی فکر و فہم پر اعتماد کامل ہو کہ وہ بڑی آسانی سے مخاطب میں آجائیں گے، لہذا بوری دلیری سے وہ ایک غلط بات، غلط تر رنگ میں پیش کر رہے ہیں، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نیاز صاحب نے رواۃ حدیث کے علاوہ جن ائمہ فخریہ کا اسم گرامی لیا ہے وہ تقریباً سب کے سب وقت کے بہت بڑے عالم ہی تھے؛۔۔۔ ناظرین نگاہ کے بائیں میں قوم پر اچھے عرض کرنا مناسب نہ ہو گا لیکن نیاز صاحب کے بائیں میں وہ اگر انکار بھی کریں تو بھی میں نہ مانوں گا کہ ان حضرات کو وہ عالم نہیں سمجھتے۔۔۔ دوسرے علوم سے قطع نظر، خاص مذہبی علوم میں ابن رشد کی براہیہ اجتہاد رازی کی تفسیر کبیر اور غزالی کی احیاء علوم الدین کا پایہ کس صاحب علم سے مخفی ہو؟ براہیہ طعن کہ علما کو کفر افروشی کر کے صرف چند محدثین و دفعتاً کو یاد رکھا سو یہ دلچسپ ضرور ہو لیکن اسکی دینی اتنی ہی بے ثبات ہو جتنا یہ دعویٰ۔۔۔ حقیقت منکشف ہونے کے بعد حیرت کے سوا کچھ بچنے نہیں بچتا۔

بہر حال کھل جائے ظالم تیری قاست کی درازی کا اگر اس طرہ پر پرچ و خم کا پرچ و خم نہ کیے نیاز صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ علماء اسلام ترجیح بلامرجع کے قائل کسی نہیں ہے، وہ ہر ایک کا مقام پہنچتے ہیں، جہاں مہر قہ ہوتا ہے وہ ابن رشد کا ذکر کرتے ہیں، جہاں ضرورت ہوتی ہے ابو ہریرہؓ کا۔۔۔ اور یہ جو نیاز صاحب نے فرمایا ہے کہ روایات کے سوا علما خود زندہ ہیں لیکن دوسروں کو نہیں جینے دیتے ضروری تھا کہ اس کی کچھ تشریح بھی فرمائی ہوتی آخر ان روایات میں وہ کونسا زہر ہے جو غیر علما کو ہلاک کر دیتا ہے اور وہ کونسا تریاق ہے جو علما کو حیات جاودا بخش دیتا ہے۔۔۔

کچھ تو کہتے کہ لوگ کہتے ہیں آج غالب غول سرانہ ہوا

تعارف و تبصرہ

قرآن اولیٰ پیغمبر | از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ۸۴ صفحات، بہتر کتابت و طباعت، یہ کتابی شکل میں ایک مختصر مقالہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن نے اپنے لانے والے کے اصلی ضد و خیال کو اتنی جامعیت کے ساتھ اپنی آیات میں محفوظ کر دیا ہے کہ بالعرض اگر آپ کی تفصیلی سیرت و سوانح کسی وقت محفوظ نہ رہے تب بھی دیکھنے والا قرآن کی روشنی میں آپ کو اپنے اصلی رنگ میں دیکھ سکتا ہے اور اگلے پیغمبروں اور پیشواؤں کی طرح آپ کی شخصیت قلبیات و مخبریات کے پڑوں میں چھپ نہیں سکتی۔ — اپنے موضوع پر مفید مقالہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام | از جناب ابوسلم محمد عبدالحی صاحب مدیر رسالہ الخانات، کتابت طباعت بہتر، کاغذ معمولی صفحات ۶۸ قیمت ایک روپیہ، مکتبہ احسانات رام پور قرآن پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کے حالات کو مختلف بیرونیوں میں بھی تفصیل کے ساتھ کبھی اجمال کے ساتھ بار بار دہرایا ہے۔ قرآن میں اتنی جگہ کسی پیغمبر اور ان کی امت کے حالات کو نہیں ملی، اس لئے کہ ان حالات میں امت محمدیہ کے لئے بڑے اہم اشارات و بینہات کا مواد تھا اور آج ہندی مسلمانوں کے لئے تو بالخصوص یہ ایک گنجینہ ہدایت ہے جس میں ان کی رہنمائی اور عقدہ کشائی کے لئے بہت واضح اشارات ہیں، اس لحاظ سے اس کتاب کی اشاعت بہت بروقت اور لطیف رہنمائی کا مصداق ہے اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور اس کے ماحول اور مختلف مراحل کو تہذیب و دل نشیں آسان اور موخر انداز میں پیش کیا گیا ہے مضمون زیادہ تر قرآن سے ماخوذ ہے کہیں کسی ضروری پہلو کو اجاگر کرنے کے لئے بقدر ضرورت تورات

پاکستان

ماہنامہ

ہماری دعوت

لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ
 اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے جو اہل اسلام کو یہ بھی انسانیت کی نہایت کا کلمہ ہے
 لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت ایک نشان اور ایک ہم فہم صلہ ہے جو ہم
 اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور کسی کے شریعہ میں اس کی بھی رنج
 اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور شہادت کی پیروی کریں گے اور اسی سال میں ہم شہادت لے گے اور مر جائیں گے
 جو اگس کلمہ پر ایمان لائے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی کو اپنی
 زندگی کو بنیاد بنالیں اور اللہ کی کوشش کریں اور وہ اسی لیے پیدا ہوا ہے کہ ہم اس کا
 عہد کرتے ہیں اسی کی دعوت ہے جس میں اور اسی پر مبنی اور رہنا چاہتے ہیں۔
 فَاَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاطِيعُوا اَنْفُسَكُمْ فَاِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَكْفُرُونَ
 "اَنَابَةُ الْفِرْقَانِ"

میں نے عرض کیا تو نے

میرے منظر اور بھائی عفا اللہ عنہ

مولانا محمد منظور نعمانی

اور

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی

تبلیغی تقریریں

ہندوستان اور پاکستان کے مختلف شہروں کے اہم تبلیغی اجتماعات میں کی گئی تھیں۔ اور جن کے مخاطب تبلیغی جماعت کے کارکن، مسلم عوام اور غیر مسلم حضرات ہیں یہ ۱۲ تقریریں سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں۔

قیمت جلد دو روپے آٹھ آنے

ملفوظات

حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جے

مولانا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی مجلس اور محسوس گفتگوؤں سے منتخب کر کے مرتب کیا ہے علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہے، ایک ایک ملفوظات یقیناً اور معرفت کی بلندیوں سے اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

بہترین کتابت و طباعت

قیمت غیر جلد ایک روپہ آٹھ آنے

تصوف کیا ہے؟

مولانا محمد منظور نعمانی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد اویس دی کی مشترکہ تصنیف

جو اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے اپنے موضوع کی غیر کم کتابوں کے مقابل میں بہت ممتاز سمجھی گئی ہے۔

۱۵ صفحات، بہترین کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ

قیمت ایک روپہ چار آنے

قادیا نیت پر

غور کرنے کا سیدھا راستہ

مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی ایک گفتگو جس میں مرتبہ تھلا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف

ہونے چاہئیں اور مرزا غلام احمد قادیانی میں وہ

اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف

تھے یا نہیں؟۔ بس یہی ان کو جاننے اور پرکھنے کا

سیدھا اور آسان راستہ ہے۔

قیمت چھ آنے

ملکنی کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ کھنؤ

غیر ممالک
سالانہ چندہ ... انگلٹ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ ...

العراق

قیمت فی کپی ...

ہندستان پاکستان سے
سالانہ چندہ (دیکھئے ہندستان ...)
... (دیکھئے پاکستان) ...
ششماہی ...

جلد ۲۲ بابۃ ماہ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۵۲ء نمبر ۳

| نمبر شمار | مضامین | مضامین نگار | صفحہ |
|-----------|--|--|------|
| ۱ | نگاہ ادلیں | محمد منظور نعمانی | ۲ |
| ۲ | قرنی دعوت | " | ۴ |
| ۳ | سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | ۱۶ |
| ۴ | شعور دینی میں انقلاب کس طرح پیدا کیا جائے؟ | ڈاکٹر میر ولی الدین صاحبہ رشتہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ (دکن) | ۲۶ |
| ۵ | رحمت عالم (تقریر) | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | ۴۱ |
| ۶ | اسلام کو ذہنی قویوں کی بنا پر فروغ حاصل ہوا۔ | ڈاکٹر تارا چند سفیر ہند متعینہ ایران | ۵۳ |

اگر اس دائرہ میں سچ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، درنہ اگلا رسالہ تصفیۃً دی، اپنی ارسال کیا جائے گا، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ تا تاریخ تک پہنچ جانی چاہیے۔

پاکستان کے خریدار:- اپنا چندہ سکرٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ، اسٹرٹین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

تاریخ اشاعت:- رسالہ ہر انگیزی مہینے کی ۱۵ کو روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ہفتہ کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، اگلے رسالہ کے ساتھ کمرہ بھیجا جائے گا۔

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر اہلسنہ تان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اولیں

ہمارا ایمان ہے اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی و رسول تھے اور تمام بنی آدم کے لیے آپ کی مرکزی دعوت یہ تھی کہ ایک اللہ کے بندے بن جاؤ اور زندگی کے بارہ میں جو احکام اور ہدایات اپنے اور تمھارے پیدا کرنے والے کی طرف سے میں لایا ہوں، اپنی زندگی کو ان کا پابند بنادو، یعنی من مافی اور جی چاہی زندگی کا جاہلی طریقہ بھوڑ کے بندگی والی زندگی کا اسلامی طریقہ اختیار کر لو۔

ہم مسلمانوں کے لیے آپ کی یہی دعوت و تعلیم دراصل اس بات کی کسوٹی ہو کہ ہم نے آپ کو اور آپ کی دعوت کو قبول کیا ہو یا نہیں اور آپ کے ساتھ ہمارا تعلق کس قسم کا اور کس درجہ کا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جدا ہوا درجہ مقدس کے ساتھ اگرچہ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں لیکن آپ کی نبوت و رسالت اور آپ کا پیغام موجود ہو اور وہ آپ کی دعوت و تعلیم اور آپ کی لائی ہوئی شریعت ہی ہو، پس آپ کی تعلیم و شریعت کے ساتھ جس کا جو معاملہ اور برتاؤ دراصل وہ معاملہ اور برتاؤ آپ ہی کے ساتھ ہو، یعنی آپ کی لائی ہوئی شریعت و ہدایت سے جو جس قدر قریب ہو وہ اسی قدر آپ سے قریب ہو اور جو جس قدر دور ہو وہ اسی قدر آپ سے دور ہو۔ یہ اتنی کھلی ہوئی اور بیدہی بات ہو کہ اس میں شک و تردد صرف کسی ایسے ہی شخص کو ہو سکتا ہو جس کو اللہ نے عقل و نگاہ سے بالکل ہی محروم کر دیا ہو۔

ہم مسلمانوں میں بہت بڑی تعداد اس حال میں ہو کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت و تعلیم کو ارادہ اور شعور کے ساتھ اس طرح قبول ہی نہیں کیا جو حیا کو قبول کرنے کا حق ہو، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے ایمانی اور اعتقادی تعلق کی بنیاد صرف یہ ہو کہ خوش نصیبی سے وہ کسی مسلمان خاندان میں پیدا ہو گئے ہیں اور پھر اس کے بعد بھی ان کو اس کا موقع نہیں ملا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس

ایسانی دعوت کی حقیقت کو جان کر اور اس کی ذمہ داریوں اور اس کے تقاضوں کو سمجھ کر دل کے شعور اور فیصلہ کے ساتھ انھوں نے کبھی اس کو اپنایا ہو، اس کا نتیجہ یہ ہو کہ یہ لوگ مسلمان ہیں مگر ان کی زندگی مسلمان نہیں، یہ اللہ و رسول کے احکام کے تابع و پابند نہیں، بلکہ اپنی خواہشات نفس اور اپنے نفسانی جذبات کے پیروکار ہیں، کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کیلئے یہ اللہ و رسول کی ہدایت کی تلاش کے بالکل عادی نہیں، بلکہ جو جی چاہے اور جو ان کو بھائے اس کے کرنے کے عادی ہیں۔ اور ان ہی حالت اور اسی سیرت کے ساتھ جو کمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کے ساتھ بھی ایک تعلق ہو، اور یہ کبھی کبھی اس تعلق کا مظاہرہ بھی کرنا چاہتے ہیں تو ان کا یہ اظہار تعلق قدرتی طور پر جاہلی اور غیر اسلامی طریقوں ہی پر ہوتا ہو۔

ریح الاولیاء کے اس مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی یاد کو تقرب بنا کر بہت سے مقامات پر جو جاہلی تماشے کیے جاتے ہیں اور دوسری غذائیں تو مومن کی تقلید اور نقالی میں جو رنگ رچائے جاتے ہیں دراصل ان کی حقیقت اور ان کا پس منظر بھی ہو، ان کا مزاج تماشین ہو، یہ نگاہہ رانی کے شوقین ہیں، سال میں ایک دفعہ یہ (العیاذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو کبھی اپنے ذوق تماشینی اور شوق ہنگامہ بندی کا ستارہ مشق بنالیتے ہیں اور ظالم گزند ان، اس کو کاخِ حسیہ کہتے ہیں۔ — !

بازی بازی باریش بابا ہم بازی !!

کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اس طرح منامی جاتی کہ آپ کے ساتھ اپنے ایسانی تعلق کو صحیح اور استوار کرنے کی ایک دوسرے کو دعوت دے جاتی اور ایسانی ذمہ داریوں کو ادا کرنے اور آپ پر ایمان لانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کے عہد و میثاق کو تازہ کیا جاتا، تو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک اس سے خوش ہوتی اور آپ کے مشن کی یہ سب بڑی خدمت ہوتی۔

گر کیا کہا جائے مسلمانوں کے اس طبقہ کی مزاجی کیفیت اس وقت بالکل وہ ہو گئی ہو جو بعض اگلی مضمون اور توفیق سے محروم قوموں کی قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہو۔

وان یروا مبیل المرشد لا
یتخذ وہ سبیلاً وان یروا
مبیل البی یخذ وہ سبیلاً
اگر یہ دیکھیں ہدایت کا راستہ تو اس کی طرف
ان کے قدم نہ بٹھیں اور اگر یہ دیکھیں گمراہی
کا راستہ تو اس کی طرف دوڑ پڑیں۔

(الاعراف ۱۰)

قرآنی دعوت

۱۴

نبی کی حیثیت اور مقام نبوت :-

قرآن مجید جس طرح انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت و پیروی کرنے کی دعوت دیتا ہے، اسی طرح وہ اس پر بھی زور دیتا ہے کہ ان کی حیثیت و مقام اور ان کے کام کو صحیح طور پر جاناجائے اور ان کے بارہ میں افراط و تفریط سے بچا جائے۔

تفریط اور بے ادبی کی گمراہی :-

انبیاء علیہم السلام کی شان میں سب سے بڑی تفریط اور بے ادبی یہ ہو کہ ان کی پیغمبرانہ حیثیت کا انکار اور ان کی تکذیب کی جائے اور جو ہدایت و تعلیم اور جو احکام وہ خدا کی طرف سے لاتے ہیں ان کو تسلیم ہی نہ کیا جائے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ بھی اسی طرح کفر ہو جس طرح کہ خدا کا انکار کفر ہو۔ اور خدا کے منکرین کی طرح اس جرم کے مجرم بھی اللہ کی مغفرت اور بخشش سے قطعی محروم رہنے والے ہیں — ایسے لوگوں کے متعلق قرآن مجید کا اعلان ”أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا“ (النساء ۲۱) پہلے گزر چکا ہو جس کا مطلب یہی ہو کہ ایسے لوگ قطعی کافر ہیں اور جہنم کا دردناک عذاب ان کے لیے تیار ہے۔

اور سورہ اعراف میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم وحواء کے اس دنیا میں آنے کے بعد جب انسانی تاریخ کا یہاں آغاز ہوا تو اس وقت پوری نسل آدم کے لیے جو چند اصولی اور بنیادی ہدائیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ

يَا بَنِي آدَمَ اِمْسَا بِمَا تَبَدَّلَتْ لَكُمْ دُسُلُ
مِنْكُمْ يَتَّقُوا عَلَيَكُمْ اَيْتِي فَمَنْ

اے اولاد آدم، اگر تمہارے پاس ہمارے
بھینٹے ہوئے پیغمبر آویں، جو تم ہی میں سے

اَتَّقُوا وَاصْلَحُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا
بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝
(الاعراف ۴۴)

ہوں گے اور تم کو مسیح احکام بتائیں گے تو
جو لوگ دان کی ہدایت کو قبول کر کے پیر پیروی
اختیار کریں گے اور اپنے احوال و اعمال کو درست
کر لیں گے تو ان کو کوئی اندیشہ نہ ہوگا اور نہ وہ
غلگین ہوں گے۔ اور جو لوگ انکار و انکسار کی

راہ اختیار کریں گے اور ہمارے احکام کو جھٹلائیں گے اور ازراہ تکبران کو قبول نہیں
کریں گے وہ دوزخ والے ہوں گے اور ہمیشہ دوزخ ہی میں پڑے رہیں گے۔
اور چند ہی آیات کے بعد انبیاء علیہم السلام اور ان کی لائی ہوئی تعلیم کے ان ہی مکذبین و منکرین
کے بارہ میں پھر فرمایا گیا ہے

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتِّمُهُمُ
أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ
الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يُلَاقُوا فِي سَمِّ
الْخَيْطِ ۝
(الاعراف ۴۵)

جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی
اور ازراہ تکبران کے ماننے سے انکار کیا،
ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں
کھولے جائیں گے اور وہ کبھی ہرگز جنت
میں نہ جاسکیں گے، یہاں تک کہ اونٹ ربڑی
کے لمکے میں داخل ہو جائے (مطلب یہ ہو

کہ جس طرح سوئی کے ناک میں سے اونٹ کا گزنا ناممکن ہے، اسی طرح اللہ کی آیات کے
مکذبین و منکرین کا جنت میں جانا ناممکن ہو)۔
اور ان کے برخلاف جو لوگ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں اور ان کی ہدایت و تعلیم کی پیروی کر کے
نیک عمل کی زندگی گزاریں ان کے متعلق اس آیت کے بعد متصلاً فرمایا گیا ہو۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ
وَلَنُؤْتِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ
فِيهَا خَالِدِينَ ۝

اور جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے عمل
کریں (یعنی علم و عمل میں انبیاء علیہم السلام
کی تعلیم و ہدایت کی پیروی کریں)۔ اور
یہ کوئی ناممکن یا بہت مشکل نہیں، کیونکہ ہم

کسی کو اس کے ارکان اور اس کی طاقت و وسعت کے سوا تکلف نہیں دیتے۔ — تودہ

جنتی ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

پھر فرمایا گیا ہو کہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کی پیروی کرنے کے طفیل جب یہ بندگانِ خدا جنت میں پہنچ جائیں گے تو ان کی زبانوں پر اللہ کی حمد و ثنا اور پیغمبروں کے اعتراف و شکر یہ کا یہ نغمہ ہر گاہ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰنَا
لِہٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا
اَنْ هَدٰنَا اللّٰہُ لَنَلْتَذَّجَآءُ
رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط (الاعراف ع ۵)

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہو جس نے ہم کو اپنے
فضل سے اس مقام تک پہنچایا، اور اگر
وہ نہ پہنچاتا تو یہاں تک ہماری ہرگز رسائی
نہ ہو سکتی۔ بے شک ہمارے اللہ کے پیغمبریں

کی تعلیم و دعوت بالکل حق تھی اور انھوں نے جو کچھ ہم کو بتایا سچ ہوتا۔

الغرض قرآن مجید نے ان آیات میں بتلایا کہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور ان کی تعلیم کا انکار
اللہ کے نزدیک ناقابلِ معافی جرم ہو اور جس طرح انکار خدا کی سزا جہنم کا ابدی عذاب ہو اسی طرح
پیغمبروں کی تکذیب کی سزا بھی اللہ نے ہی مقرر کی ہو، ایسے لوگ کبھی جنت کی ہوا بھی نہ پاسکیں گے۔
———— جنت صرف ان ہی کے لیے ہو جو انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں اور ان کی تعلیم و ہدایت
کی روشنی میں اپنی زندگی کو سنواریں۔

قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے اسی فیصلہ کا اعلان ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں کیا ہو

وَمَا اَرْسِلْنَاكَ
اِلَّا مُبَشِّرٍ وَنَذِيرٍ فَمَنْ
اٰمَنَ وَاصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ
كَذَّبُوْا بِآیٰتِنَا یَسْتَحْمِلُوْنَ الْعَذَابَ
بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۝

ہم پیغمبروں کو صرف اسی لیے بھیجتے ہیں کہ وہ
ثواب کی خوشخبری سنائیں اور عذاب ڈرائیں۔
پس جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کرے
ایمان لائیں اور ان کی تعلیم و ہدایت کے
مطابق اپنے کو درست کر لیں تو ان کو کوئی
اندیشہ اور کوئی غم نہیں، اور اس کے برخلاف
جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کریں گے

(الانعام ع ۵)

وہ اپنی بدکاری اور نافرمانی کی وجہ سے ضرور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اس اعلان اور انتباہ کے علاوہ قرآن مجید اپنے مخاطبین کو یہ بھی بتلاتا ہے کہ پچھلے زمانوں میں جن قوموں نے اور قوموں کے جن سرداروں نے اللہ کے پیغمبروں کی مخالفت اور تکذیب کی ان کو کبھی معاف نہیں کیا، چنانچہ سورہ ص میں قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم شعیب، اور فرعون کا نام بنام ذکر کر کے ان کے ہم اور اس کی مشرکاء ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

إِنَّ كُلَّ الْكَاذِبِ الرُّسُلِ
فَحَقَّ عِقَابُهُ

ان سب نے یہی کیا کہ میرے پیغمبروں کی
تکذیب اور ان کا انکار کیا، اس لیے میرا

(ص ع ۱) عذاب ان پر واقع ہوا۔

اسی طرح سورہ احقافہ میں فرعون اور اس سے پہلے کے بعض منکرین انبیاء کے متعلق فرمایا گیا
فَصَوَّرَ رَسُولٌ رَّبِّهِمْ فَآخَذَهُمْ
أَخَذَةً رَّابِيَةً

انہوں نے کہنا نہ مانا اپنے رب کے
رسولوں کو تو اللہ نے لے لیا ان کو سخت
گرفتیر۔ (احقافہ ع ۱)

الغرض پیغمبروں کے حق میں سب سے بڑی تفریط اور بے ادبی ان کی تکذیب اور ان کی اطاعت نہ انکار ہے۔ اور قرآن مجید نے جا بجا واضح کر دیا ہے کہ یہ قطعی کفر اور ناقابل معافی جرم ہے۔ پھر اس سے کم درجہ کی تفریط الحمد للہ تفسیر میں یہ ہے کہ ان کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کی جائے، ان مجید بتلاتا ہے کہ یہ بھی ایسا جرم ہے کہ اس کے کرنے والوں کو اللہ کے دردناک عذاب اور اس کی عنت پکڑے ڈرنا چاہیے۔

فَلْيَعِذُوا بِالَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ
أَمْرِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ

جو لوگ رسول خدا کے حکم کی خلاف ورزی
کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ
کوئی آفت ان پر آن پڑے یا دردناک عذاب

(النور ع ۹) ان پر نازل ہو جائے۔

اسی لیے قرآن مجید میں جا بجا اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے حکم کے ساتھ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم بھی دیے ہی زور کے ساتھ دیا گیا ہے۔ بہت سے مقامات پر فرمایا گیا ہے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول
کی اطاعت کرو

کہیں فرمایا گیا ہو کہ ہدایت، رسول کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہی وابستہ ہو، چنانچہ سورہ نور
میں اللہ کی اطاعت کے بعد رسول کی اطاعت کا تاکید ہی حکم دینے کے بعد فرمایا گیا۔

وَإِنْ تَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
اگر تم رسول کی اطاعت و فرمانبرداری
کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ (النور، ۵)

گویا اس آیت میں قرآن مجید نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ رسول کی اطاعت و پیروی نہ کریں گے
وہ اللہ کی ہدایت سے محروم اور راہ حق سے بھٹکے ہوئے رہیں گے۔ ایک دوسرے موقع پر اس
حقیقت کا اعلان قرآن مجید نے ان الفاظ میں بھی فرمایا ہو۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
اور جو نافرمانی کریں اللہ کی اور اس کے
فَقَدْ ضَلَّ لَا مَبِیْئًا
رسول کی تو وہ بڑی کھلی گمراہی میں
(الاحزاب، ۵) جا پڑے۔

ایک دوسرے موقع پر قرآن مجید نے اعلان فرمایا ہو کہ ہمارے پیغمبر (ص) کی بے چون و چرا اطاعت
اور ان کے ہر حکم اور فیصلہ کو خوش دلی سے قبول کرنا ایمان کے شرائط میں سے ہو۔ جس کا یہ حال نہ ہو اس کو
ایمان کا مقام ہرگز حاصل نہیں، سورہ نساء میں ارشاد ہو۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ
اے ہمارے پیغمبر! قسم تمہارے پروردگار
فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ
کی یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے اور ایمان کے
أَنْفُسِهِمْ حَتَّى جَاءَهُمُ الْقَضِيَّتْ وَيَسْلُوكَ
مقام پر نہیں ہو سکتے (جب تک کہ یہ بات
تَسْلِيًا ۹) نہ ہو کہ حکم بنائیں تم کو اپنے نزاعی معاملات

میں، پھر جب تم اپنا فیصلہ دیدو تو کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائیں اپنے دلوں میں تھلنے
فیصلہ سے اور تسلیم کر لیں اسکو پوری طرح مان کر۔

اور سورہ حشر میں تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا کہ ہمارے پیغمبر تمہارے حق میں جو مثبت یا منفی فیصلہ کریں اور جو حکم دیں اس کو مانو اور سجالاؤ، اگر اس کے خلاف راستہ اختیار کیا گیا تو یاد رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہو۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ
وَمَا نَهَاكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَ
اتَّقُوا اللَّهَ طِبَاقَ اللَّهِ شَدِيدُ
الْعِقَابِ (الحشر ع ۱)

ہمارے رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو
اور جس سے منع کریں، اس سے رکن و
اور اس بارے میں اللہ کی پکڑ سے ڈرو
اللہ کا عذاب بڑا سخت ہو۔

اور سورہ احزاب میں پیغمبر کا حق اور مرتبہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اپنے اوپر جتنا حق اور جتنا اختیار اپنی ذات کا ہو تاہو اس سے زیادہ حق اور اختیار ایمان والوں پر پیغمبر کا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اگر اللہ کے پیغمبر کسی کو ایسا حکم دیں جس میں اس کی جان جاتی ہو تو اس کا فرض ہے کہ بے دریغ جان وے کو اس حکم کی تعمیل کرے۔ ارشاد ہو۔

الَّذِي أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ
أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ
(الاحزاب ع ۱)

پیغمبر کا زیادہ حق ہو اہل ایمان پر خود
ان کی اپنی ذاتوں سے، اور پیغمبر کی بیویاں
کل اہل ایمان کی مائیں ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق اور مالک ہے، اس کو ہم پر ہر طرح کا حق اور اختیار ہے، یہاں تک کہ جن تصرفات اور جن فیصلوں کا اپنی جان اور اپنی ذات کے بارے میں خود ہم کو کبھی حق نہیں اللہ تعالیٰ کو ان تمام تصرفات اور فیصلوں کا بھی حق ہے، اور پیغمبر اس دنیا میں چونکہ اس کے نائب اور نمائندہ ہیں، اور وہی اللہ کے احکام لانے والے اور ان کو نافذ کرنے والے ہیں، اس لیے عملاً ضروری ہے کہ ان کا حق و اختیار بھی ایسا ہی مانا جائے۔ آگے فرمایا کہ "ان کی بیویاں تمام اہل ایمان کی ماؤں کی جگہ ہیں" اس لیے ان کا ادب و احترام اپنی ماؤں کی طرح کیا جائے۔

قرآن مجید انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کے احکام کی اطاعت کرنے اور ان کا حق اور مرتبہ پہچاننے پر زور دینے کے علاوہ اس کی بھی تاکید کرتا ہے کہ ان کے حضور میں بلند آواز سے اور میاکی سے بولا بھی نہ جائے۔ بلکہ جب کسی کو ان کے سامنے کچھ عرض کرنا ہو تو پورے ادب سے اور دینی آداب سے

عرض کیا جائے، قرآن مجید کا گاہی دیتا ہو کہ اگر اس بارہ میں کوتاہی ہوئی تو تمھارے سارے اعمال اکارت ہو جانے کا خطرہ ہو۔ سورہ ہجرات میں ارشاد ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا
أصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
وَلَا تَحْجَسُوا إِلَيْهِ بِالْقَوْلِ يُحْمَلُهُ
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ
وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ إِنَّ الَّذِينَ
يَعْتَصُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ
رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ
امْتَنَعَ اللَّهُ عَنْهُمْ السَّمْعَ
الْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ ۚ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ
(الحجرات، ع ۱)

اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز
سے بلند نہ کیا کرو، اور آپ سے اس طرح کھل کر
بھی بات نہ کیا کرو جیسے کہ آپس میں ایک
دوسرے سے کھل کر باتیں کرتے ہو، مبادا
تمھارے سارے اعمال رادب کی بن گئیں،
اکارت ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔
بیشک جو لوگ اللہ کے رسول کے حضور میں
اپنی آوازیں نہی کر کے باتیں کرتے ہیں وہی
ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے سمع، بصر اور فؤاد
خاص کر لیا ہو، ان کے لیے ہی اللہ کی بخشش

اور بڑا اجر ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں تفویض و ناقدر شناسی اور بے ادبی کی گمراہی سے بچانے کے لیے تو
قرآن مجید نے یہ ہدایات دیں (جو مذکور ہوئیں) اب اس کے بعد وہ ہدایات بھی سنیں جو افراط اور غلو کے
فتنہ سے بچانے کے لیے قرآن مجید نے دی ہیں۔
اسراط اور غلو کا فتنہ :-

انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں جس غلو اور افراط میں بہت سی قومیں مبتلا ہوئی ہیں، وہ یہ کہ
انھوں نے سمجھا کہ نبی انسان نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کو انسانوں سے بالاتر کسی جنس سے ہونا چاہیے، اور
انسانی ضرورتیں اور انسانیت کے لازم بھی اُس کے ساتھ نہ ہونے چاہئیں، چنانچہ بہت سی قوموں
نے اسی گمراہی کی بنا پر اپنے زمانہ کے پیغمبروں کا انکار کیا، قرآن کا بیان ہو کہ اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام
کا انکار کرتے ہوئے ان کی قوم نے کہا تھا

مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
یہ تو تمھاری طرح کے ایک انسان ہیں پھر
(مومنون - ۲۷) یہ خدا کے رسول کیسے ہو سکتے ہیں۔

اور نوح علیہ السلام کے بعد جب دنیا میں پھر مگر یہی پھیلی اور اشر نے اپنے ایک اور نبی کو بھیجا تو ان کی
قوم نے بھی یہی کہہ کے ان کا انکار کیا۔ کہ

مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ نَاعِلُ
یہ تو تمھاری طرح ایک انسان ہیں، جو تم
عَمَاتَا كُفُّونَ مِنْهُ وَكَثِيرٌ مِمَّنَّا
کھاتے ہو وہی چیزیں یہ بھی کھاتے ہیں او
تَشْرَبُونَ ۵ (مومنون - ۲۷) جو تم پیتے ہو وہی یہ بھی پیتے ہیں (پھر بھلا یہ

کیسے رسول ہو سکتے ہیں)

اور سورہ تغابن میں زمانہ قدیم کی منکر قوموں کے متعلق بیان فرمایا گیا ہو کہ ان کے کفر و انکار کا باعث
یہی ہوا کہ یہ بات تسلیم کرنے کے لیے وہ تیار نہیں ہوئیں کہ انسان بھی ہو سکتا ہو۔ ارشاد ہو۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ
رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ
يَهْدِيكُمْ فَلَمْ تُكْفَرُوا وَتَوَلَّوْا...
ان کے اس کفر کا سبب یہی ہوا کہ ان کے
پاس ان کے پیغمبر روشن دلائل اور وضع
احکام لے کر آئے، تو ان کجمنوں نے کہا کیا
انسان ہم کو ہدایت دیں گے؟ پس راسی
(تغابن - ۱)

بنیاد پر انھوں نے ان رسولوں کا انکار کر دیا اور ان سے رد گردانی اختیار کی
اور دوسری جگہ فرمایا گیا۔

وَمَا أَصْحَابُ النَّاسِ أَنْ يُلَاقُوا
إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ
قَالُوا آتَاكَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا
جب لوگوں کے پاس ہماری ہدایت
پہنچی تو ایمان لانے سے ان کو صرت یہی
چیز مانع ہوئی کہ انھوں نے کہا کیا آدمی کو
اشر نے رسول بنا کر بھیجا ہو؟ (یہ بات تو ہم
دینی اسرائیل ۷۸)

نہیں مان سکتے)

اور خود قرآن کے لائے والے خدا کے آخری رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں ان کے منکروں
نے کہا۔

مَا يَهْدِيكَ الرَّسُولُ يَكُلُ الطَّعَامَ وَيَشْرَبُ فِي الْأَسْوَاقِ۔
یہ کیسے رسول ہیں کہ کھاتے پیتے ہیں، اور
(اپنے کاموں سے بازاروں میں بھی
جاتے ہیں۔) (الفرقان، ع۔ ۱)

مطلب یہی تھا کہ خدا کا رسول تو وہ بھی ہو سکتا ہو جو انسانی لوازم و خصوصیات سے مبرا اور
بالا تر ہو۔

الغرض پیغمبروں کے بارہ میں بہت سی قومیں اس گمراہی میں مبتلا رہی ہیں کہ وہ انسان نہیں
ہو سکتے، بلکہ ان کو کسی بالاتر جنس سے ہونا چاہیے۔ اور انسانی عادات و خصوصیات بھی ان میں بالکل نہ
ہونی چاہئیں۔ مگر قرآن مجید نے اس گمراہی کی پوری صراحت و صفائی سے یحکمی کی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہو۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا
رِجَالًا نُوْحِيَ إِلَيْهِمْ۔
اور ہم نے آپ سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو
پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، ہم ان ہی کی طرف
اپنے احکام کی وحی کرتے تھے۔
(یوسف، ع۔ ۱۲)

اور سورہ فرقان میں فرمایا گیا

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ
الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنْتُمْ لِبَاقُونَ
الطَّعَامَ وَيَشْرَبُونَ فِي الْأَسْوَاقِ
(الفرقان، ع۔ ۲)

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار حکم دیا گیا کہ اپنے بارہ میں صاف صاف ان لوگوں
سے کہہ دیجئے اور اعلان کر دیجئے

كُلْ مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْبَرَ مِثْلَكُمْ
کہ میں تو بس تمہاری ہی طرح ایک
انسان ہوں۔ (نجم سورہ، ع۔ ۱)

اور پیغمبروں کے بارہ میں غلو اور افراط ہی کے سلسلہ کی ایک گمراہی یہ تھی کہ ان کے لیے ضروری سمجھا جاتا
تھا کہ ساری کائنات پر ان کا تصرف اور اختیار ہو اور وہ سب کچھ کر سکتے ہوں اسی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانہ کے منکرین نے آپؐ کو کما حقہ — قرآن کا بیان ہو۔

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ
تُنْجِيَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوءُ عَاهٌ
أَوْ نَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ خَيْلٍ
وَعِثْبٍ فَتَحْجَرُ الْأَنْهَارُ زِلْزَلًا
تَنْجِيهِ لَّاهٌ أَوْ تَنْقِطُ السَّمَاءُ كَمَا
زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْتِي بَالِغًا
الْمَلَائِكَةُ قَبِيلًا أَوْ تَكُونُ لَكَ
بَيْتٌ مِّنْ زُرْعَةٍ أَوْ تَذْهَبَ فِي
السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ بِرَفِيقِكَ حَتَّىٰ
تُنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرَأُ
(بنی اسرائیل ع ۱)

یہ منکرین کہتے ہیں کہ ہم ہرگز تم پر ایمان نہ
لاؤں گے جب تک کہ تم ایسی باتیں نہ کر کے نہ
دکھاؤ (مثلاً یہ کہ تم حکم کرو اور زمین سے
چشمہ پھوٹ سکے یا تمھارے لیے کھجور اور
انگوڑا کا ایک باغ لگ جائے اور تمہیں اس
میں پانی کی بہت سی نہریں جاری کر کے
دکھاؤ یا جیسے کہ تم کہا کرتے ہو آسمان کے
ٹکڑے ہم پر گراؤ یا اللہ کو اور فرشتوں کو ہم سے
سلنے لے آؤ، یا تمھارے لیے ایک سونے
کا گھر بن جائے، یا تم پر آواز کرتے ہوئے
آسمان میں چڑھ جاؤ، اور ہم تمھارے اس
چڑھ جانے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک ایسا نہ ہو کہ تم آسمان سے ایک لکھی لکھائی
کتاب ہمارے پاس اتار لاؤ، جس کو ہم پڑھ سکیں۔

مگر قرآن مجید میں ان سب مطالبوں کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ
قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا
بَشَرًا مِّثْلُكُمْ

آپ ان سے کہہ دیجیے، سبحان اللہ میں
کوئی خدا ہوں، میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک

(بنی اسرائیل ع ۱۰) آدمی ہوں خدا کا پیغام پہنچانے والا۔

اس مختصر آسمانی جواب کا مطلب یہی ہو کہ اے منکر و تمھاری یہ بنیادی غلطی ہو کہ تم سمجھتے ہو کہ نبی و
رسول وہ ہوتا ہو جس کے اختیار اور قبضہ میں سب کچھ ہو، اور زمین و آسمان پر اس کا یکن فیکونی تصرف
ہو، حالانکہ یہ شان خدا کی ہو، بیشک وہ کسی چیز سے عاجز نہیں، اس کی قدرت میں سب کچھ ہے،
لیکن میری حیثیت تو صرف یہ ہو کہ میں تم میں کا اور تمھاری جنس کا ایک انسان ہوں جس کو اللہ نے
رسالت و پیغمبری کا کام اور منصب عطا فرما دیا ہو۔ میں اس سے زیادہ کسی چیز کا مدعی نہیں۔

اسی طرح سورہ عنکبوت میں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین نے آپ کے کہا کہ جو معجزے اور جزائیاں ہم چاہتے ہیں وہ آپ کیوں نہیں دکھاتے؟ تو اس کا جواب بھی آپ کے ہی دلوایا گیا کہ

قُلْ إِنَّمَا آلَايَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

تو اللہ کے اختیار میں ہیں (ان پر میرا اختیار نہیں) میں تو بس صاف صاف آگاہی (دعوت - ع ۵)

میں والا اور ہشیار کرنے والا اللہ کا پیغمبر ہوں۔

اور اسی غلو اور افراط کی بیخ کنی کے لیے ایک دوسری جگہ آپ کو حکم دیا گیا۔

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۚ

آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ اللہ کے خزانے میرے اختیار میں ہیں، اور نہ (میں یہ کہتا ہوں کہ) مجھے علم غیب ہو اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں (میرا حال تو یہ ہو کہ) جو وحی اللہ کی طرف (الانعام ع ۵)

مجھ پر کی جاتی ہو اور جو حکم مجھے دیا جاتا ہو میں تو بس اس کا اتباع کرتا ہوں۔

اور اسی مقصد کے لیے آپ کے اعلان کرایا گیا

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشِيدًا ۚ قُلْ إِنِّي لَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ مِنِّي آلِهَةً أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۚ

آپ صاف کہہ دیجیے کہ اے لوگو میں نہیں مالک ہوں تمہارے نقصان کا اور نہ تمہاری بھلائی کا (یعنی تمہارا بناؤ بگاڑ میرے اختیار میں نہیں بلکہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہو۔) آپ کہہ دیجیے (کہ خود میرا معاملہ (الحج - ع ۲۷)

یہ ہو، کہ مجھے بھی نہیں بچا سکتا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور میں نہیں پاسکتا اس کے سوا کوئی بچائے پناہ، اور کوئی ٹھکانا!

اور سورہ اعراف میں فرمایا گیا۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۚ

آپ اعلان فرمادیجیے کہ میں خود اپنی ذات کے

إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ
 الْغَيْبِ لَاسْتَكْتَفْتُ مِنَ الْخَائِبِ وَمَا
 مَسْتَحْيِ السَّوْءِ إِنَّ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ
 وَكَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ه

(الاعراف ع ۲۳)

نفع نقصان کا بھی مالک و مختار نہیں ہوں!
 مگر جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہو دسب کچھ
 اسی کی مشیت اور اسی کے فیصلہ پر ہوتا ہے،
 اور اگر میں غیب کی بات جان لیا کرتا تو
 بہت کچھ منافع حاصل کر لیتا۔ اور کبھی کبھی

ناگواری اور خللِ مرضی بات مجھے پیش نہ آتی، میں تو بس انجام کے خطرہ سے ہشیا کرتے
 والا اور انعاماتِ الہیہ کی خوش خبری سننے والا ہوں۔ ایمان و یقین والوں کو۔

ان سب آیتوں میں اسی غلو اور افراط کی بیخکنی کی گئی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں بہت سی
 قوموں اور اُمتوں میں مختلف زمانوں میں رہا ہو اور جو کج بھی موجود ہو۔ حتیٰ کہ خود قرآن کے ماننے والے
 بہت سے مسلمان جہالت اور نادانگی کی وجہ سے اس میں مبتلا ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے خزانوں
 پر رول کا پورا اختیار اور تصرف ہونا چاہیے۔ اور ان کو علم غیب بھی ہونا چاہیے۔ اور دین و دنیا
 اور آخرت کے بارہ میں ان کو متنازعہ مطلق ہونا چاہیے۔ حالانکہ معلوم ہو چکا کہ قرآن مجید نے ان تمام
 گمراہ نہ خیالات و ضلالت کی پوری صراحت اور صفائی سے بیخکنی کی ہے۔
 اسی سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ چند آیتیں اور بھی پڑھ لیجیے :-

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعٍ عَامِنَ الرُّسُلِ
 وَمَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا
 بِكُمْ إِنْ أَتَيْتُ إِلَّا مَا يَوْحِي
 إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ه

(دھاق ع ۱)

آپ کہہ دیجیے کہ میں کوئی نیا نرالا نہیں
 ہوں رسولوں میں سے جس طرح مجھ سے
 پہلے اللہ کے بہت سے رسول آئے اسی
 طرح میں بھی اس کا ایک رسول ہوں، اور
 (یہ حال یہ کہ) جو کچھ مستقبل میں میرے

ساتھ پیش آئے گا اور جو تمھارے ساتھ کیا جائے گا میں اس سب کو جانتا بھی نہیں اس
 تو بس اُس کی پیروی کرتا ہوں جو اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی مجھے بتلایا جاتا ہے اور
 میں تو بس صاف صاف اگاہی دینے والا ہوں۔

اور سورہ یونس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافر و منکر جب آپ کی زبان سے

قرآن سنتے تھے، جس کی تعلیم اُن کے کافرانہ و مشرکانہ خیالات و اعمال کے خلاف تھی، تو کہتے تھے کہ اس قرآن کو تو ہم نہیں مان سکتے، لہذا یا تو اس کی جگہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ، یا اس کی تعلیم اور اس کے مفہم کو کچھ بدل لو! تو اس کے جواب میں آپ کو حکم دیا گیا۔

قُلْ مَا يَكُونُ لِي اَنْ اُبَدِّلَهُ مِنْ
تَلْقَاءِ نَفْسِي اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى
اِلَيَّ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رِبِّيْ
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ

میرے لیے اس بات کی گنجائش تو نہیں ہے، اگر میری طرف وحی کیے جاتے ہیں، اگر

میں اپنے اس مالک کے حکم کی خلاف ورزی کروں تو بڑے دن کے عذاب کا بھجے

بھی ڈر ہے۔

ان فرض پیغمبروں کے بارہ میں غلو اور افراط کے سلسلہ کی جن گمراہیوں میں لوگ کبھی مبتلا ہو جاتے ہیں، یا مبتلا ہونے کے زیادہ امکانات اور خطرات ہیں۔ قرآن مجید نے ان سب ہی کی پوری پوری بیگنی اور آئندہ کے لیے ناکہ بندی کر دی ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی جو اثنی حیثیت اور ان کا جو حقیقی مقام ہے اس کو اس طرح واضح اور متعین کر دیا ہے کہ قرآن کو سمجھنے اور ماننے والوں کے لیے کسی غلط فہمی اور گمراہی کی گنجائش قطعاً نہیں رہی ہو۔

صفحہ ۵ کا بقیہ منظر ہر کے ملکوں سے لاکر اپنی فوج میں بھرتی کرتے تھے۔ ابو انذار (۳۱۷ھ) سے لے کر ۳۸۵ھ تک لکھتا ہے کہ کوہ میں ایک خوبصورت سجدہ و مسلمانوں کا چوک تھا ان بطوطہ نے کہا یہ سب نے کرسائے والا بار کے کنارے کا سفر کیا۔ اسے ہر جگہ مسلمان ملے اور وہ اچھی حالت میں تھے۔ اس کا بیان ہے کہ گوا مسلمانوں کے قبضہ میں تھا کھنڈ باد میں مسلمانوں نے اس سے ملاقات کی کہ نگاہ میں اس نے ایک ہرانی سجدہ دیکھی۔ وہاں ہمارے حیدری درویشوں کی ایک ٹولی ملی غرضیکہ اسلام غصہ سے میرے میں اپنی خوبیوں کی بنا پر ہندوستانیوں کا محبوب مذہب بن گیا تھا۔ (الجمعیۃ دہلی)

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

دس مقالہ کی پہلی قسط گذشتہ اشاعت میں ناظرین کرام پہنچ چکے ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ کے حالات میں ضمیمہ تکمیل میں موجود ہیں لیکن ان میں ایسی چیزیں تلاش کرنے والے کو مشکل سے ملتی ہیں جن سے اس زمانہ میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو اور حضرت شیخ کی دینی عظمت کو کچھ اجاگر کیا جاسکتا ہو۔ یہ مختصر مقالہ جو دراصل مسماۃ متعالیٰ کی زیر تصنیف کتاب دعوت و عزیمت کا جزو کسی بیہوشیت و کلام میں حضرت شیخ کے دہائی حالات و ارشادات جمع کرنے کی کوشش کی گئی جو جن سے اس زمانہ میں بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو۔

حضرت شیخ صدقہ موعظا، پسند و نصیحت اور ترغیب و تشریق خلفاء اور حکام وقت پر تنقید ہی پر اکتفا نہیں فرماتے تھے جہاں ضرورت سمجھتے تھے بڑی صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے، حکام و سلاطین اور حسیلیہ وقت پر بھی تنقید اور ان کے غلط افعال اور فیصلوں کی مذمت سے بھی باز نہیں رہتے تھے اور اس بارہ میں کسی کی وجہ اور اثر و نفوذ کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے، حافظ احمد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں :-

| | |
|-----------------------------------|--|
| کان یاہر بالمعروف وینہی عن المنکر | آپ خلفاء و وزراء و سلاطین تضاہ خواص و |
| للخلفاء و الوزراء و السلاطین | عوام سب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے |
| و القضاة و الخاصة و العامة | اور بڑی صفائی اور جرأت کے ساتھ انکو کھڑے |
| یصدعہم بذلائل علی رؤس | مجمع میں اور برسر منبر علی الاعلان ٹوک دیتے، |
| الاشہاد و رؤس المناہر و فی | جو کسی ظالم کو حاکم بنانا اس پر اعتراض |
| الحفاظ و ینکر علی من یولی الظلمة | کرتے اور خدا کے معاملہ میں کسی ملامت |
| ولا تأخذہ فی اللہ لومۃ | کرنے والے کی آپ کو پرواہ نہ ہوتی۔ |

لا اثم لہ

صاحب قلاۃ الجواہر لکھتے ہیں کہ جب خلیفہ مقتضی الامر اللہ نے قاضی ابوالوفا یحییٰ بن سعید بن یحییٰ بن المظفر کو قاضی بنایا جو ابن المزہم الظالم کے لقب سے مشہور تھا، تو حضرت نے برسرِ منبر خلیفہ کو مخاطب کر کے فرمایا:-

ولیت علی المسالین | ظلم الظالمین
ما جوابك عند أعداء رب العالمین
تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم
بنایا ہے جو ظلم الظالمین ہے کی ک قیامت
ارحمہم الراحمین۔
کے دن تم اس رب العالمین کو جو ارحم الراحمین
ہو کیا جواب دو گے؟

مورخ موصوف کا بیان ہو کہ خلیفہ یسین کر کر زہ براندام ہو گیا اور اس پر گریہ طاری ہو گیا، اور اس نے اسی وقت قاضی کو اس عہدہ سے ہٹا دیا۔ حضرت شیخ ان "در باری سرکاری" علماء اور مشائخ کی بھی پرزور تردید اور پردہ دری فرماتے تھے، جنہوں نے سلاطین اور ناخواتر اس حکام کی مصاحبت اختیار کی تھی اور ان کی ہاں میں ہاں ملانا ان کا شعار تھا جن کی وجہ سے ان سلاطین و حکام کو زیادہ جرات اور بے خونی پیدا ہو گئی تھی، ایک موقع پر اسی طبقہ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:-

"اے علم اور عمل میں خیانت کرنے والو! تم کو ان سے کیا نسبت، اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنو! اے بندگانِ خدا کے ڈاکوؤ! تم کھلے ظلم اور کھلے نفاق میں مبتلا ہو، یہ نفاق کب تک رہے گا؟ اے علماء اور اے زاہد و اشاہانِ سلاطین کے لیے کب تک منافق بنے رہو گے کہ ان سے دنیا کا در و مال اور اس کی شہوات و لذات لیتے رہو، تم اور اکثر بادشاہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے مال اور اس کے بندوں کے متعلق ظالم اور خائن بنے ہوئے ہیں، بار الہامنا نقول کی شوکت توڑیں اور ان کو ذلیل فرما، یا ان کو توبہ کی توفیق دے اور ظالموں کا قلع قمع فرما، اور زمین کو ان سے پاک کرنے یا ان کی اصلاح فرما۔"

ایک دوسرے موقع پر اسی طبقہ کے ایک فرد کو اپنا مخاطب بناتے ہوئے فرماتے ہیں:-

تجہ شرم نہیں آتی کہ تیری حرص نے تجھ کو ظالموں کی خدمتگاری اور حرام خوری پر آمادہ کر دیا تو کب تک حرام کھاتا اور دنیا کے ان (ظالم) بادشاہوں کا خدمتگار بن رہے گا، جن کی خدمت میں لگا ہوا ہے، ان کی بادشاہت عنقریب مٹ جائے گی اور تجھے حق تعالیٰ کی خدمت میں آنا پڑے گا جس کی ذات کو کبھی زوال نہیں ہے

حضرت شیخ دینی اور اخلاقی انخطاط کو جس کا سب سے بڑا مرکز خود و نبلہ دین کے لیے دلسوزی اور شکر مندی تھا، دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے اور عالم اسلام میں جو ایک عام دینی زوال رونما تھا اس کے آثار دیکھ کر ان کے سینہ میں حمیت اسلامی اور غیرت دینی کا جوش اٹھتا تھا، وہ اپنے اس قلبی احساس اور درد کو بعض اوقات چھپا نہیں سکتے، اور یہ دریا ان کے خطبات اور مواعظ میں اُسنڈ آتا۔ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:-

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے دیوار میں بے درپے گر رہی ہیں اور اُس کی بنیاد بکھری جاتی ہیں، لے بانہ گان زمین آؤ اور جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کر دیں اور جو ڈھے گیا ہو اُس کو درست کر دیں، یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی، سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہیے، لے سورج، لے چاند، اور لے دن تم سب آؤ یہ

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:-

اے اسلام رو رہا ہو، اومان فاسقوں، ان بدعتیوں، گمراہوں، مکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں کے (ظلم) سے جو ان میں موجود نہیں ہیں اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد چارہا ہے، اپنے متقدمین اور نظر کے سامنے والوں کی طرف غور کرو کہ امر دہی بھی کرتے تھے اور کھاتے پیتے بھی تھے (اور دفعۃً انتقال پا کر ایسے ہو گئے)، گویا ہوئے ہی نہ تھے، تیرا دل کس قدر سخت ہے بکتا بھی شکار کرنے اور ٹھیکیتی اور موشی کی نگہبانی اور مالک کی حفاظت کرنے میں اپنے

الاک کی خیر خواہی کرتا ہے اور اسے دیکھ کر (خوشی کے مارے) کھلاریاں کرتا ہے، حالانکہ وہ اس کو شام کے وقت صرف ایک دو نوالے یا ذرا سی مقدار کھانا دیا کرتا ہے اور توہر وقت اللہ کی قسم قسم کی نعمتیں شکم سیر ہو کر کھاتا ہے۔ مگر ان نعمتوں کے دینے سے جو اس کو مقصود ہے نہ تو اس کو پورا کرتا ہے اور نہ اس کا حق ادا کرتا ہے بلکہ (اس کے برعکس) اس کا حکم رد کرتا ہے، اور اس کی حدود و شریعت کی حفاظت نہیں کرتا یہ سب

بیعت و تربیت | ان پر تاثر اور انقلاب آفرین مواعظ اگرچہ اہل بقاء کو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی نفع پہنچا اور ہزار ہا ہزار انسانوں کی زندگی میں اس سے تبدیلی پیدا ہو گئی، لیکن زندگی کے گہرے تغیرات، ہمہ گیر اصلاح اور مستقل تربیت کے لیے صاحب دعوت سے مستقل اور گہرے تعلق اور مسلسل اصلاح و تربیت کی ضرورت تھی، مجالس دعوت و ارشاد مدارس کی طرح مضبوط اور مستقل تربیت گاہیں نہیں ہوتیں، جہاں طالبین کی تسلسل و انضباط کے ساتھ تعلیم و تربیت اور بگوانی کی جائے، ان مجالس کے شرکاء و سامعین آزاد ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ وعظ سن کر چلے جائیں پھر کبھی نہ آئیں، یا ہمیشہ آتے رہیں لیکن اپنی حالت پر قائم رہیں اور ان کی زندگی میں بہتور بڑے بڑے خلا اور دینی اور اخلاقی گنگناٹ باقی رہیں۔

اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور معاشی تفکلات اتنے بڑھ گئے تھے کہ مدارس کے ذریعے سے جن کو بہت سی رسوم و قیود کا پابند ہونا پڑتا ہے، عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا اور کسی بڑے پیمانے پر کسی دینی و روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داریوں اور پابندیوں کو شعور اور احساس ذمہ داری کے ساتھ دوبارہ قبول کرے، اس میں پھر کیا ہی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں، اس کے انسرودہ و مردہ دل میں پھر محبت

کی گرمی پیدا ہو اور اس کے مصلحت توئی میں پھر حرکت اور نشاط پیدا ہو، اس کو کسی مخلص خدا شناس پر اعتماد ہو، اور اس سے وہ اپنے امراض روحانی و نفسانی میں علاج اور دین میں صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے، ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہو کہ خلافت کہ جس کا یہ اصلی فرض تھا اور اس لیے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر یہ خلافت قائم تھی قبول سیدنا عمر بن عبدالعزیز وہ ہدایت کے لیے مبعوث ہوا تھا، ”جباہیت“ (تحصیل و صلہ) کے لیے نہیں، نہ صرف اس فرضیہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھی بلکہ اپنے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کے لیے مضر اور اس کے راستہ میں مزاحم تھی، دوسری طرف وہ اس قدر بدگمان، توہم پرست اور شک و اتع ہوئی تھی کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں وہ قیادت اور ریاست کی آمیزش پائی برداشت نہیں کر سکتی تھی، اس کو وہ فوراً کچل دیتی،

ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کے لیے اس کے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ایمان و عمل اور اتباع شریعت کے لیے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں اور پھر وہ نائب پیغمبران کی دینی نگرانی اور تربیت کرے، اپنی کمیاء اثر صحبت، اپنے شعلہ محبت، اپنی استقامت اور اپنے نفس گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمی محبت، خلوص و لہبیت، جذبہ اتباع سنت اور شوق آخرت پیدا کر دے، ان کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے اور کسی اثر کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میسر سپرد کی ہے اور اس محبت و اعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا ہے، پھر وہ اپنے تجربہ و اجتہاد اور کتاب و سنت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور ان کی زندگی میں ایمان و احتساب و اخلاص، اور ان کے اعمال و عبادات میں کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہی حقیقت ہے اس بیعت و تربیت کی جس سے دین کے مخلص و اعمیوں نے اپنے وقت میں احیاء و تجدید دین اور اصلاح مسلمین کا کام لیا ہے، اور لا کھوں بندگان خدا کو ”حقیقت ایمان اور درجہ احسان“ تک پہنچا دیا ہے، اس سلسلہ زریں کے سر حلقہ اور گل سرسبد حضرت شیخ محمد الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں

کا نام اور کام اس ”طب نبوی“ کی تاریخ میں سب سے زیادہ روشن اور نمایاں ہے، الفاظ و اصطلاحات اور علمی بحثوں سے الگ ہو کر اگر واقعات و حقائق پر بنیاد رکھی جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دور انتشار میں (جو ابھی تک قائم ہے) اصلاح و تربیت کا اس سے زیادہ سہل اور عمومی اور اس سے زیادہ موثر اور کارگر ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت شیخ سے پہلے دین کے دو ہیوں اور مخلص خادموں نے اس راستہ سے کام کیا ہے اور ان کی تاریخ محفوظ ہے، لیکن حضرت شیخ نے اپنی محبوبِ دلی اور نیکیتِ خدا اور روحانی کمالاتِ فطری علو استعداد اور ملکہ اجتہاد سے اس طریقہ کو نئی زندگی بخشی، وہ نہ صرف اس سلسلہ کے ایک نامور امام اور ایک مشہور سلسلہ (قادریہ) کے بانی ہیں بلکہ اس فن کی نئی تدوین و تربیت کا سہرا آپ ہی کے سر ہے آپ پہلے وہ اتنا مدون و مرتب اور مکمل و منضبط تھانے اس میں اتنی عمومیت اور وسعت ہوئی تھی جتنی آپ کی مقبولیت اور عظمت کی وجہ سے پیدا ہو گئی، آپ کی زندگی میں لاکھوں فرائض اس طریقہ سے فائدہ اٹھا کر ایمان کی حلاوت سے آشنا اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے اور آپ کے بے آپ کے مخلص خلفاء اور با عظمت اہل سلسلہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوتِ الی اللہ اور تجدیدِ ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا، جن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا، تینِ حضورِ موت اور ہندوستان میں پھر حضرت میاں صاحب و تبارک کے ذریعہ جاوہ اور سماترا میں یہ لاکھوں آدمیوں کی نیکیں ایمان اور لاکھوں غیر مسلموں کے قبولِ اسلام کا ذریعہ بنا، رضی اللہ عنہ وارضاه وجزاہ عن الاسلام خیر الخیراء۔

زمانہ پیرائے | حضرت شیخ کا وجود اس مادیت زدہ زمانہ میں اسلام کا ایک زندہ معجزہ تھا اور ایک بڑی تائیدِ الہی، آپ کی ذات، آپ کے کمالات، آپ کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کی مقبولیت کے آثار، اور خلقِ اللہ میں قبولیت و وجاہت کے کھلے ہوئے مناظر، آپ کے تلامذہ اور تربیت یافتہ اصحاب کے اخلاق اور ان کی سیرت و زندگی سب ہام کی صداقت کی دلیل اور اس کی زندگی کا ثبوت تھا اور اس حقیقت کا اظہار تھا کہ اسلام میں سچی روحانیت، تہذیبِ نفس اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی سب سے بڑی صلاحیت ہو اور اس کا خزانہ عامہ کبھی جواہرات و نادرات سے خالی نہیں۔

وفات عالمِ اسلام میں روحانیت اور رجوع الی اللہ کا عالم گیر ذوق پیدا کر کے ۱۹۵۷ء میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی، صاحبزادہ حضرت شرف الدین عیسیٰ آپ کی وفات کا حال بیان کرتے ہیں:-

”جب آپ اس مرض میں بیمار ہوئے کہ جس میں انتقال فرمایا تو آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالوہاب نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے کہ آپ کے بعد اس پر عمل کر دوں، فرمایا ہمیشہ خدائے ڈرتے رہو اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو اور نہ اُس کے سوا کسی سے امید رکھو اور اپنے تمام ضروریات اللہ کے سپرد کر دو، صر اسی پر بھروسہ رکھو اور سب کچھ اُسی سے مانگو، خدا کے سوا کسی پر شوق اور اعتماد نہ رکھو، توحید اختیار کرو کہ توحید پر سب کا اجراع ہے، اور فرمایا جب دل خدا کیساتھ درست ہو جاتا ہے تو کوئی چیز اُس سے چھوڑتی نہیں ہے اور نہ کوئی چیز اس سے باہر نکل کر جاتی ہے، اور فرمایا میں مغربے پوست ہوں، اور اپنے صاحبزادوں سے فرمایا، میں سب سے گروے ہٹ جاؤ، میں ظاہر میں تمہارے ساتھ ہوں اور باطن میں دوسروں کے ساتھ ہوں، میں سب سے پاس تمہارے سوا اور لوگ (فرشتے) حاضر ہیں ان کے لیے جگہ خالی کرو اور ان کے ساتھ ادب کرو یہاں بڑی رحمت نازل ہے، ان کے لیے جگہ تنگ نہ کرو، اور آپ بار بار فرماتے تھے تم پر سلام اور خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں! اللہ میری اور تمہاری مغفرت کرے اور میری اور تمہاری توبہ قبول کرے، بسم اللہ! آؤ اور واپس نہ جاؤ، اور یہ آپ ایک دن ایک رات برابر فرماتے رہے، اور فرمایا تم پر افسوس! مجھے کسی چیز کی پروا نہ تھی نہ کسی فرشتے کی نہ ملک الموت کی، اے ملک الموت! ہمارے کارساز نے تم سے زیادہ ہم کو بہت کچھ دے رکھا ہے، اور اس دن جس کی شب کو اپنے رحلت فرمائی ایک بڑی سخت چیخ ماری تھی اور آکھکے دو صاحبزادے شیخ عبدالرزاق و شیخ موسیٰ فرماتے تھے کہ آپ بار بار دونوں ہاتھ اٹھا کر پھیلاتے اور فرماتے تھے تم پر سلام! اور

خدا کی رحمت اور برکتیں! حق کی طرف رجوع کرو اور صفت میں داخل ہو میں ابھی تمہارے پاس آیا، اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ نرمی کرو، پھر آپ پر امر حق آیا اور موت کے فتنے نے غلبہ کیا اور آپ نے فرمایا میرے اور تمہارے اور تمام خلق کے درمیان میں زمین آسمان کا فرق ہے مجھے کسی پر قیاس نہ کرو اور نہ کسی کو سمجھ پر پھر آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالعسزین نے آپ کی تکلیف اور حال دریافت کیا تو فرمایا مجھ سے کوئی نہ پوچھے، میں علم الہی میں پلٹے کھارہا ہوں، اور آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالعسزین نے آپ کے مرض کو پوچھا تو فرمایا میرے مرض کو نہ کوئی جانتا ہے اور نہ کوئی سمجھتا ہے، نہ انسان نہ جن نہ فرشتہ، خدا کے حکم سے خدا کا علم نہیں ٹوٹتا، حکم بدل جاتا ہے اور علم نہیں بدلتا، حکم منسوخ ہو جاتا ہے علم منسوخ نہیں ہوتا، اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور باقی رکھتا ہے، اور اُس کے پاس اصلی تحریر ہو جو کچھ دہکرتا ہے اُس سے باز پرس نہیں ہوتی اور خلق سے باز پرس ہوتی ہے، صفات کی خبریں گزر رہی ہیں جیسی آتی ہیں پھر آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالعبار نے آپ کو پوچھا کہ آپ کے جسم میں کہاں تکلیف ہے؟ فرمایا میرے کل اعضا مجھے تکلیف دے رہے ہیں مگر میرے دل کو کوئی تکلیف نہیں اور وہ خدا کے ساتھ صحیح ہو، پھر آپ کا دقت اخیر آیا تو آپ فرمائے لگے میں اُس خدا سے مدد چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک و برتر ہے اور زندہ ہے جسے فوت ہونے کا اندیشہ نہیں، پاک ہو وہ جس نے اپنی قدرت سے عزت ظاہر کی اور موت سے بندوں پر غلبہ دکھایا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، اور آپ کے صاحبزادہ شیخ موسیٰ فرماتے تھے کہ آپ نے لفظ ”تعزّذ“ فرمایا اور یہ لفظ صحت کے ساتھ آپ کی زبان سے ادا نہ ہوا، تب آپ بار بار اُسے دہراتے تھے یہاں تک کہ آپ نے آواز بلند اور سخت کر کے لفظ ”تعزّذ“ اپنی زبان سے ٹھیک ٹھیک فرمایا پھر (تین بار) اللہ، اللہ، اللہ فرمایا اس کے بعد آپ کی آواز غائب ہو گئی اور زبان تالو سے چپک گئی اور روح مبارک

خصت ہو گئی، رضی اللہ عنہ وارضاه^۱

حضرت شیخ اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن اپنے پیچھے دین کے داعیوں اور نفوس و اخلاق کے مربیوں کی ایک جماعت چھوڑ گئے، جس نے آپ کے کام کو جاری رکھا اور بڑھتی ہوئی مادیت اور غفلت کا مقابلہ کرتے رہے۔

۱۔ التکلیف رموز الغیب ۱۸۹-۱۹۲

۲۔ حضرت شیخ کے بعد جن عارفین و مصلحین نے دعوت و تذکیر اور تربیت نفوس کا کام پوری طاقت اور محویت سے جاری رکھا، اور غفلت اور دنیاوی انہماک کا مقابلہ اور اخلاقی اور نفسانی امراض کا علاج کیا ان میں حضرت شیخ کے فیض یافتہ اور شیخ بغداد و شیخ ابوالنجیب ہمدانی کے بھتیجے اور خلیفہ شیخ الشیخ ابو حفص شیخ شہاب الدین ہمدانی (۵۹۳-۶۳۲ھ) سب زیادہ نمایاں اور ممتاز تھے جو طریقہ ہمدانی کے بانی اور نقویں کی مقبول کتاب عوارف المعارف کے مصنف ہیں، ابن خلکان لکھتے ہیں لم یکن فی آخر عمر فی عصو کا مثله دکان شیعہ

الشیوخ ببغداد (انہی عمر میں ان کے زمانہ میں ان کی نظیر نہ تھی، اور وہ بغداد کے سب سے بڑے شیخ اور اپنے فن میں مرجع تھے) ابن المنجار کہتے ہیں انھما البید الوریاستہ فی تدریۃ المریدین ودعا الخلق الی اللہ تہ تربیت مریدین اور دعوت الی اللہ کے کام میں وہ مرجع خلافت تھے، ابن خلکان کہتے ہیں کہ ”ان کے زمانہ کے مشائخ دور دور سے ان کی طرف جمع کرتے تھے اور استفادہ کرتے رہتے تھے، شیخ کے معاظ نے خلق اللہ کو بہت نفع ہوا، ابن خلکان کے الفاظ ہیں دکان لد مجلس وعظ وعلی وعظہ قبول کثیر ولد نفسی مبارک ۶ وہ اہتمام سے وعظ فرمایا کرتے تھے، ان کے وعظ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قبولیت عطا فرمائی اور ان کے انفس متبرکہ سے لوگوں کو بڑا نفع ہوا۔ (باقی صفحہ ۵۶)

۳۔ زیات الاعیان ص ۱۱۱ (انہما المصرب) ۴۔ مرآۃ البیان للیافعی ص ۱۱۱ ۵۔ زیات الاعیان ص ۱۱۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”شعور دینی میں انقلاب کس طرح پیدا کیا جائے؟“

(از۔ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحبِ شعر شعبہ فلسفہ، جامعہ عثمانیہ)

ہمیں بے بوم بہ جنگل، ناگساں در کرہ آتش فدا دم بجلی آتش شدم!

(۱)

وصولِ اللہ کے لیے مجاہدہ ضروری ہو جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

”الَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا“

ہدایت کے دو معنی ہیں: (۱) اِرَاقَةُ الطَّرِيقِ یا راستہ دکھلانا (۲) اِیْصَالُ اِلَى الْمَطْلُوبِ یا مطلوب تک پہنچانا۔ مجاہدہ سے پہلے حق تعالیٰ کی ہدایت پہلے معنی میں ہوتی ہے۔ اور ظہورِ مجاہدہ کی علت ہوتی ہے۔ اسی کو توفیق بھی کہا جاتا ہو، اور مجاہدہ کے بعد ہدایت دوسرے معنی میں ہوتی ہے، یہ اجتہاد و اصطفا ہو، مجاہدہ کی ابتداء و انتہا، دونوں جانب، ہدایت کا ہونا ضروری ہو، مبتدی و منتهی دونوں کو مجاہدہ کی ضرورت ہو، فرق صرف اتنا ہو کہ مبتدی کا مجاہدہ ہدایت کے پہلے معنی کا معلول ہوتا ہو، اور دوسرے معنی میں ہدایت کی علت، بالفاظِ دیگر مبتدی کا مجاہدہ اس وقت شروع ہوتا ہو جب حق تعالیٰ اپنی عنایت سابقہ بے علت سے اس کو ہدایت کا راستہ دکھلاتے ہیں۔ اور راستہ پالینے کے بعد مبتدی مجاہدہ شروع کرتا ہو اور اپنے مطلوب تک جا پہنچتا ہو اور ہر قدم پر حق تعالیٰ اس کی رہنمائی فرماتے جاتے ہیں، اور بقولِ حدیث قدسی

مَنْ آتَانِي يَمْشِيْ اَتَيْتُهُ
هَذَ وَ لَهْ
جو میری طرف چلتا آتا ہو میں اس کی
طرف دوڑتا آتا ہوں۔

اس کو اپنی بارگاہ تک پہنچا دیتے ہیں! جب تک ان کی جانب سے کشش نہیں ہوتی بچا رہے

عاشق کی "کوشش" کام نہیں آتی،

چوں از طرف معشوق بناسد کوششے
کوشش عاشق بیچارہ بجائے نہ رسد!

اور فتہی کا مجاہدہ ہدایت کے دوسرے معنی کا معلول ہوتا ہو اور اس کا نتیجہ اور ہدایت کے پہلے معنی کی علت بالفاظ دیگر منتہی جو مطلوب تک جا پہنچا ہو وہ حق تعالیٰ کے اصطفا و اعتباء کی وجہ سے پہنچا ہو، ان کی توجہ اور کشش ہی سے پہنچا ہو، لہٰذا در من قال

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست
رہ رہ گر صد ہنر دارد تو کلت باید شس!

ان دونوں ہدایتوں (امارۃ الطریق والیصال الی المطلوب) کے درمیان مجاہدہ واقع ہوا ہو یہ اس لیے قطعاً ضروری ہو کہ اس کے بغیر حال کی اصلاح ممکن نہیں، اس کے بغیر فساد اور تفتیل کے غالب ہجانے کا اندیشہ لگا رہتا ہو اور سالک کے ہلاک ہو جانے کا خوف رہتا ہو، اسی لیے کہا گیا ہو کہ:

"المجاهدة لازم و ضروری من الابتداء الی الانتهاء لكل من المبتدین

و المتوسلین و المنتہین ولا تسقط عن ذمۃ العبد ہاوی حال"

یعنی "ہر مرتبہ، متوسط و منتہی کے لیے ابتداء سے لے کر انتہا تک مجاہدہ لازم و ضروری ہو اور کسی حال بندے کے ذمہ سے یہ ساقط نہیں ہوتا!"

بہر صفت کہ میسر شود بکن جہدے!

کہ خویش را بسر کوئے اس نگار کشی!

جو کچھ ہو عمل ہو، جہد ہو، مجاہدہ ہو، اعمال نیک و اقوال نیک تمام سیر و سلوک کا حاصل ہیں، اسی لیے حق تعالیٰ نے فرمایا۔

"إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ"

انسان ہر خسارہ میں ہو، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے،

صوفیہ کلام کے ہاں بھی آگاہی، مشاہدہ کا حاصل یہ ہو کہ اخلاق حمیدہ پیدا ہوں اور اخلاق نیک کا نتیجہ یہ ہو کہ اعمال نیک صادر ہوں اور اقوال نیک ظہور پذیر ہوں، پھر ان اقوال و اعمال نیک کا

نتیجہ ہو کہ اخلاق و اوصاف زیادہ نیک ہو جائیں اور اخلاق و اوصاف نیک کا نتیجہ یہ ہو کہ 'ملکوت' سے نسبت پیدا ہو، اور تشبہ بآلئیکہ کا نتیجہ یہ ہو کہ موانعت الہی اور شاہدہ و آگاہی نصیب ہو، اور پھر آگاہی و مشاہدہ کا حاصل یہ ہو کہ اخلاق نیک ظہور پذیر ہوں!

یہی 'نسبت دوری' انسان کے ظاہر و باطن میں ہر وقت سائر و دائر ہو، ظاہر کے آثار باطن میں سراپت کرتے ہیں اور باطن کے آثار ظاہر میں نمایاں ہوتے ہیں اور دائرہ آئینی دور جب تک کہ روح جسم کا اجتماع ہو گوش کرتا رہتا ہو، ان امور دوریہ میں سے اگر ایک امر بھی چھوٹ جائے تو تمام دور میں خلل پیدا ہو جاتا ہو اور راہ فیض مفقود یا سدود ہو جاتی ہو اور ہدایت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہو!

مجاہدہ کا رخ یا تو ظاہر کی طرف ہوتا ہو یا باطن کی طرف۔ بعض اکابر طریق سالک کی تربیت طرف ظاہر سے شروع کرتے ہیں، تزکیہ نفس کو تصفیہ قلب پر مقدم سمجھتے ہیں، ریاضت و مجاہدات کے ذریعہ اس کے نفس کا تزکیہ کرتے ہیں۔ طمع و شہوت، ہواد ہوس، کبر و حسد، نفاق، بد خوئی، زور و نجی، کذب وغیرہ کو جو اصول فساد ہیں اس کے نفس سے دور کرتے ہیں تاکہ ان کے فروع یا شاخیں جو اعمال ناشائستہ افعال ناہائستہ ہیں ظاہر نہ ہو سکیں!

بعض اکابر طریق سالک کی تربیت 'طرف باطن' سے شروع کرتے ہیں، اور ابتدا ہی میں اس کو اذکار و اشغال باطن کی تلقین کرتے ہیں، اور تصفیہ قلب کو تزکیہ نفس پر مقدم سمجھتے ہیں۔ بہر حال ہر ایک کی نیت خیر ہو اور ہر ایک کے پیش نظر ایک مصلحت۔ جے از نکویاں جز نکو نیابد! صحیح اصول تو یہی نظر آتا ہو کہ ہر شخص کی تربیت اس کے مناسب حال کی جانی چاہیے۔ اگر کسی کے نفس کو تزکیہ کی زیادہ ضرورت ہو تو تزکیہ نفس ہی سے معاملہ کا آغاز ہونا چاہیے۔ اور اسی کے ضمن میں تصفیہ قلب حاصل ہونا چاہئے گا۔ بالفعل تزکیہ ہی کو مقدم سمجھنا چاہیے۔ اور ریاضات و مجاہدات مناسب کا حکم دینا چاہیے۔ اور اگر کسی کا قلب تصفیہ کا سخت محتاج ہو تو معاملہ کا آغاز تصفیہ قلب سے ہونا ضروری ہو، اور تصفیہ کو بالفعل مقدم رکھنا چاہیے۔ اسی کے ضمن میں تزکیہ نفس رفتہ رفتہ میسر ہو جائے گا، ایسے شخص کو اشغال و اذکار مناسب کا حکم دیا جانا چاہیے۔ اور مراقبات میں لگا دیا جانا چاہیے۔ جس طرح کہ امراض بدنی میں طبیب کا پہلا کام شدید مرض کا ازالہ ہوتا ہو، اور جو مرض کہ بالمرض ہو مرض شدید ہی کے معالجہ کے ضمن میں زائل ہو جاتا ہو، اسی طرح امراض باطنی میں اہم کو اہم جان کر

بصیرت و حفاظت کے ساتھ سماج پر ضروری ہو۔ اس سے صحت ظاہر ہو کہ حاذق طبیب و دھانی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اصطلاح قوم میں حاذق طبیب و دھانی ہی کو ”پیر“ یا ”مرشد“ کہا جاتا ہو۔

محرم دولت بنود ہر سرے

بار مسیحا نکشد ہر خرے!

بہر حال مجاہدہ لازمی ہو، خواہ تزکیہ نفس کے لیے ہو یا تصفیہ قلب کے لیے مجاہدہ ناگزیر ہو، ناگزیر سے غفلت حماقت ہو۔ انداج

یک نفس غافل مباحث از ناگزیر!

اکابر دین یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام اور ادایائے کامل علیہم الرضوان نے ہمیشہ نفس کے خلاف مجاہدہ کیا ہو اور سب سے بڑا دشمن نفس ہی کو قرار دیا ہو، چنانچہ رسالت پناہ صلعم کا قول ہو:

”أَعْدَى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ“

تیرے سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہو جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہو!

اور عام حکم نافذ فرمایا گیا کہ:

أَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ يُبَيِّنُ الْجَاهِدَاتِ وَالْمُحَالَاتِ

اپنے نفسوں کو مجاہدے اور مخالفت کی تلواروں سے قتل کرو

اسی بنا پر مشائخ کرام رحمہم اللہ نے نفس کو ”صنم کبیر“ قرار دیا اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ

مُحَالَفَةُ النَّفْسِ رَأْسُ الْعِبَادَةِ وَمُوَافَقَةُ النَّفْسِ أَمْسُ الْكُفْرِ

نفس کی مخالفت اصل عبادت ہو، اور نفس کے ساتھ موافقت کفر کی بنیاد

اور فرمایا کہ

”گر حیاتِ خوب خواہی نفس را گر دن بزن

زانکہ از نفست قوی تر بیج دشمن دار نیست!“

جب تک نفس معصومہ ہو قلب غوغائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہوتا! کسی بزرگ نے اسی واقعہ کو یوں بیان کیا ہو۔

تا یک نفس از نفس تو پیدا است هنوز

بر در گمہ دل زد یو غوغاست هنوز

نفس کا مقہور ہونا اس کی شکست، اس کی مراد کا پورا نہ ہونا اس کی نامرادی ہو، اس کی خواہش کا پورا نہ ہونا ہو۔ اکابر دین کا نفس بھی بہ مقتضائے بشریت اپنی خواہشات و شہوات کی طرف رغبت کرتا تھا اور بدی کی طرف مائل ہوتا تھا اور بائیں کا حکم کرتا تھا، جیسا کہ اس پوشیدہ بات کو حضرت یوسفؑ نے ظاہر فرمایا:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالشُّوْءِ

بیشک نفس برائی کا حکم کرتا ہے

لیکن نہ راز یہ ہو کہ نفس کا یہی معاملہ روحی ترقی کا موجب ہوتا ہو ورنہ یہ مانی ہوئی بات ہو کہ فرشتے تسبیح و تقدیس کے کام کو بوجہ احسن سرا انجام دیتے ہی ہیں اور حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ ایک ایسی نوع ہے جو ”مفسد فی الارض و سافک دماء“ (زمین میں فساد کرنے والی اور خون بہانے والی) ہے، خلیقہ اللہ کو پیدا نہیں کرتی!

جب ان اکابر دین اور مقربان بارگاہ الہی کا نفس اپنی خواہشات و لامعات کی طرف رغبت کرتا تھا تو وہ اس کی مخالفت میں کوشش فرماتے تھے اور ’ہوائے نفس‘ کے خلاف مجاہدہ کر کے اس کا تذکرہ فرماتے اور اس کو ’آمارگی‘ نے کال کر ’مُطْمِئِنَّة‘ بناتے اور حق تعالیٰ کے اس خطاب کے قابل بناتے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اسْرْجِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً

”اے نفس مطمئنہ لوٹ اپنے رب کی طرف کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی“

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

اور نوید

اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی

سماعت فرماتے! ان کے پیش نظر ہمیشہ ان کے رب کا یہ وعدہ رہا:

وَأَمَّا مَنْ خَاتَمَ مَقَامَ رَاحِبَةٍ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ لِمَا دَنَىٰ

اور جو ڈرا اپنے رب کے مقام سے اور وہ کا نفس کو اس کی خواہش سے تو بیشک جنت کا مقام ہو۔

تن فرعون میں نفس ہی نے دعوتِ خدائی کیا تھا اور ان ادبِ علم و لاعلمی کا نعرہ بلند کیا تھا! جب تک نفس کی مخالفت نہ کی جائے اور حق تعالیٰ کی غیر مضاہات اور مہنیات سے اس کو روکا نہ جائے اور مجاہدہ و ریاضت سے اس کو مطیع و فرمانبردار نہ کیا جائے پشیمانی و سرگردانی کے سوا کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی! سچ کہا تھا کسی بزرگ نے ۵

ہر کہ پیشِ نفس خود مکیں شود اوسانِ مہداں بے دین شود
رستی کنِ نفس را گردن زن زانکہ اوسالار تست اندر بدن
بے ریاضت کے شود این نفس نام چارہ دیگر ندارد و السلام

جس اصول پر جہود و عقلا کا اتفاق ہوا اور جس کی راہ کی تمام انبیاء نے رہنمائی کی ہو اس سے
تعلق و انحراف وہی شخص کرتا ہو جو اپنی فہم ناقص دیانت بے حاصل پر بھروسہ کرتا ہو، یہ 'تیرہ دہوں'
کشتہ شہوت، زہونِ نفس، لذت کا پرستار ہوتا ہو اور ہوائے نفس کو اپنا مہبود قرار دیتا ہو، یہ دہی
بُت گرد و بُت پرست ہو جس کی نشان دہی قرآن نے ان الفاظ میں کی ہو:

أَخْرَأَ آيَتٍ مِّنَ الْخُذَّالِ الْهَٰؤُلَاءِ

"کیا تو نے اُن شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خود پریشانی کو اپنا مہبود قرار دے رکھا ہو؟"

جس کو خدا پرستوں کی جماعت نے ہر زمانہ میں لٹکار کر کہا ہو:

عشوہ ابلیس از تلبیس تست! در تو یک یک آرزو ابلیس تست!

چوں کنی یک آرزو دے خود تمام! در تو صد ابلیس زائد و السلام!
وہ اپنے تجربوں کی بنا پر جانتے ہیں کہ دنیا میں آسودگی محال ہو، نہ کسی کو نصیب ہوئی ہو نہ ہو سکتی ہو!

دنیا محلِ حوادث ہو، سراسر طال ہو، مکر و دات سے مالا مال ہو، اس کی ہر راحت، اپنے ساتھ 'جراحت'
بھی رکھتی ہو، ہر لذت بشمارِ آلام کا موجب ہوتی ہو! اسباب کے جمع کر لینے سے ولی جمعی حاصل نہیں ہوتی
ظاہر خواہ آسودگی کسی وقت نہیں ہوتی۔

قید حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

قید حیات ایک 'نفس' ہو، خار و خس سے ملو، موت سے پہلے رنج و غم سے آزادی کا خیال
دہم ہو، محض خیال، اس کا امکان نہیں!

زندگی کی اس حقیقت و ماہیت کا صحیح وجدان ہونے کے بعد ہی تمام عقلا و مقربانِ حق نے
تذکرہ نفس کو ضروری قرار دیا ہو، نفس کی 'آمارگی' تذکرہ سے دور کی جا سکتی ہو اور اس کو اطمینان کے مقام
تک پہنچایا جا سکتا ہو! تذکرہ سے نفس فلاح پاتا ہو، آثارہ نہیں رہتا، مطمئن بن جاتا ہو! اب وہ خواہش

یا قرآنی الفاظ میں ہوئی، کا غلام نہیں رہتا بلکہ احکامِ الہیہ کا پابند ہو جاتا ہو، اور حق تعالیٰ سے 'موافقت' کرتا ہو اور ان ہی کو اپنا دوست سمجھنے لگتا ہو! اور جب وہ حق تعالیٰ کو پا کر خلق سے بے نیاز ہو جاتا ہو تو حق تعالیٰ اس کو اپنا بنا کر سب کا مرجع بنا دیتا ہو، اسی تصور کو شیخ جلی نے یوں ادا کیا تھا:

”مَنْ اسْتَغْنَى بِاللَّهِ احْتِاجَ إِلَيْهِ كُلُّ شَيْءٍ“

یا اس مہموم کو شاعر کے سر پر لیے نعموں میں یوں سمجھو:

لے دل خیال قدش در ہر سر، کہ باشد
کید پائے بوسش ہر سر درے کہ باشد!

حق تعالیٰ سے محبت کی شرط ان کے ساتھ موافقت کرنا ہو: مِنْ شَرَادُ: محبتہ اللہ موافقتہ
فِيكَ وَفِي غَيْرِكَ، یعنی جو کچھ حق تعالیٰ تمہارے ساتھ معاملہ کر رہے ہیں خواہ وہ تمہارے نفس کے کتنا ہی خلاف
کیوں نظر نہ آئے، ہمیں اتفاق حق تعالیٰ کی رائے اور فیصلہ سے کرنا ہو اور اسی طرح تمہارے اور ہمارے سوا
دوسروں کے معاملات میں قضاء و قدر کے ساتھ موافقت کرنا ضروری ہو! جب نفسِ آمارگی سے نکل آتا ہو
تو وہ حق تعالیٰ کے ہر فعل سے راضی ہو جاتا ہو، توافق بالقضاء، رضا بالاعطاء اس کا حال ہو جاتا ہو! اب
وہ دوسروں سے عارتِ رومی کے الفاظ میں کہا کرتا ہو:

ہیچو اسخیل پیش سر بسہ
شاد خنداں پیش تیغش جاں بہ

تا با ند جانِ خنداں تا ابد
ہیچو جانِ پاک احمد تا احد

عاشقم بر قمر و بر لطفش بجد
اے عجب من عاشقِ ایں ہر دہند

عاشقم بر رنج و خویش و درد خویش
بہر خوشنودے شاہ فرد خویش

اب اس کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض و ناپسند شو حق تعالیٰ کے حکم سے یا ان کے ادا و نوا ہوئے

یا قضاء و قدر سے ناپسندی و ناراضی ہو، یا خود پسندی ہو!

مذہبِ عشق خود پسندی نیست
جز غریبی و درد مندی نیست

بر پسند آنچه میرسد، کا خبا
نا پسندے چو نا پسندی نیست

نفس میں یہ تیز کس طرح پیدا کیا جاسکتا ہو اس کے چند طریقے ہم یہاں بتلا رہے ہیں، ان طریقوں

کو ہم نے اپنے سلوک میں مفید پایا ہو، ہمیں یقین ہو کہ تمہارے لیے بھی یہ مفید ہوں گے نہ

گر نہی گوشبِ دل بجانبِ ما
بر تو خوانیم صحیفہٴ اخلاص!

الف

(۱) رات کو سوتے وقت اُردن میں جب قبیلہ کریمہ ناٹورہ کے پڑھ لینے کے بعد نہایت شور وادراکِ معنی کے ساتھ کہیں:

”قبول کروم دینِ مسلمانی را و انچہ دروست میزارم از کفر و کافری و انچہ دروست تو بایدا قول“

”اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“

قبول کیا میں نے دینِ مسلمانی کو اور جو کچھ کہ اس میں ہو، بیزار ہوا کفر و کافری سے اور کچھ پسند میں ہے اور خدا کی طرف سے ہے

اور اقرار کرتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور اقرار کیا کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں

اور تین مرتبہ یہ دعا پڑھیں:

اللّٰهُمَّ اِنِّ اعُوْذُ بِكَ اَنْ اُشْرِكَ

اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری اس امر سے

بِكَ شَيْئًا وَاَنَا اعْلَمُ بِهِ قَاتِلُكُمْ

کہ میں جان کر کسی شے کو تیرا شریک قرار دوں

بَلَا اِلَّا اعْلَمُ وَاَتُوبُ اِلَيْكَ وَاَقُوْلُ

اور معافی مانگتا ہوں تیری اگر ذبحان کر یا کیا

لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ہو، تیری ہی طرف لوٹتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں

کہ میں جو کوئی معبود اللہ کے سوا اور محمد اس کے رسول ہیں۔

مشرک کے سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ شرک کی دو قسمیں ہیں: شرکِ ظاہر اور شرکِ

باطن۔ شرکِ ظاہر تو ’عبادتِ اصنام‘ یا بتوں کی پرستش کو کہتے ہیں، اور شرکِ باطن شیخ عبدالقادر

جیلانیؒ کے الفاظ میں،

اَلَا تَكْمَلُ عَلٰی خَلْقِيْ دُرٍّ وَّيُسْمُ

خلق پر بھر دے کرنا جو، اور سود و زیاں، نفع و

فِي الضَّرِّ وَالْبَقْعِ

نقصان کو ان کی طرف سے جاننا ہو!

اسی معنوں کی زیادہ وضاحت آپ نے ”فتوح الغیب“ میں یوں فرمائی ہو

لَيْسَ الشِّرْكُ عِبَادَةً الْاَصْنَامِ

’شرک کچھ بت پرستی ہی نہیں، بلکہ غمازِ نفس

بَلْ هُوَ مُتَابَعَةُ لِهَوَاكَ وَاَنْ

کی پیروی بھی اسی حکم میں ہو، اور حق تعالیٰ کے ہوتے

تَخْتَارُ مَعَ رَبِّكَ عَزَّ وَجَلَّ مَوَاقِفًا

جسے کسی شے کو ان کے سوا دنیا و آخرت انہما

مِنْ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا فِيْهَا

سے، غماز کرنا (شرک) ہو، کیونکہ جو کچھ حق تعالیٰ کے

فَمَا سَوَاءٌ عَزَّ وَجَلَّ غَيْرُهُ، فَاِذَا

ہو وہ غیر اللہ ہو، اور جب تو غیر کی طرف مائل

سَرَكُنْتَ إِلَىٰ غَيْرِهِ فَخَدَّ أَشْرَكَتَ ہوا تو گویا تو نے غیر کو حق کا شریک ٹھہرایا ہی

یہم عَذْرَ وَجَلَّ غَلَاظُ لیے نبی اکرم صلم نے متابعت ہوئی، خواہش

نفس کی پیروی سے استغاذہ فرمایا ہو: اللہم انی اعوذ بک من ہوی متبع

شرک کے معنی صرف بت پرستی ہی نہیں، بلکہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نافع و مضار متقل طور پر جاننا، حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے ہوتے ہوئے ان کی پرواہ نہ کر کے خواہشات نفس کی پیروی کرنا یہ سب شرک کے مفہوم میں شامل ہیں، لیکن ان کو شرک باطنی کہنا زیادہ مناسب ہو۔ سوتے وقت تمہیں شرک کی ان سب قسموں سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہیے۔ ان سے کامل باطنی انقطاع کرنا چاہیے۔ کفر، شرک، انفاق، بدعت، معصیت، سبکے تہرئی ضروری ہو، اور اسلام، توحید، صدق و اخلاص، اور اعمال حسنہ سے توٹی یا محبت لازمی ہو۔ ع

توٹی بے تہرئی نیست ممکن

سوتے وقت اس مراقبہ یا فکر کی ہدایت اس لیے کی جا رہی ہو کہ ہمارے ذہن کا بیشتر حصہ غیر شعوری یا تحت الشعور ہوتا ہو۔ انسانی شخصیت کی مثال ہوت کے اس انبار کی سی ہو جو سمندروں میں بہتا نظر آتا ہو۔ اس کا تھوڑا سا حصہ سطح سمندر کے اوپر اور باقی سب اس کے نیچے پوشیدہ ہوتا ہو، یہ حصہ جس کو غیر شعوری یا تحت الشعور نفس کہتے ہیں، اہمیت کے لحاظ سے نفس شعوری سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہوتا ہو، نفس شعوری نفس کے احکام کو قبول کرتا ہو، ان میں قوت و شدت پیدا کرتا ہو اور جس قسم کے خیالات و تصورات شعوری نفس سے حاصل کرتا ہو، ان ہی کے مطابق انسان کے جسم و جان کی تعمیر کرتا ہو۔ سوتے وقت جب تم اپنے اس عقیدہ کی تکرار کرتے ہو کہ تم نے اسلام اور اس میں جو کچھ داخل ہو اس کو قبول کیا، اور کفر اور اس کے تمام تعلقات سے بیزار ہوئے تو تمہارا تحت الشعور نفس ان عقائد کو لیتا ہو، ان میں قوت و شدت پیدا کرتا ہو، اور انہیں کے مطابق بغیر تمہارے علم و شعور کے تمہارے جسم و جان کی تعمیر ہونے لگتی ہو طبرانی، حسن حصین، ابو داؤد و ابن مردی ہو کہ نیند آنے تک سورہ اخلاص پڑھنا چاہیے، یہ سورہ توحید کا ایک کامل و مضبوط بیان ہو اور ہر قسم کے شرک کا پورا رد، تہذیبی اور مادی نے روایت کی ہے کہ آخری چیز جو آنحضرت صلم بستر پر پڑھتے وہ سورہ کافرون تھی، اس سورہ سے بھی مشرکین کے طور طریقہ سے کٹی طور پر بیزاری کا اظہار اور انقطاع کا اعلان ہو۔ بہر حال شعور میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے ضروری ہو کہ

لے "آخِرَ آيَاتٍ مِنَ الْحَقِّ: اللَّهُ، هَوْنٌ"

ہم سخت الشور لیس میں توحید کی محبت راسخ و مضبوط کریں اور اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ سوتے وقت دعاؤں کا اہتمام کریں اور وہ سب پڑھیں جن کو حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے اور پڑھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے، ایند اور موت میں کافی تشابہ پایا جاتا ہے، اس لیے سوتے وقت محاسبہ کے طور پر عبادتِ رومی کا یہ شعر کافی موثر ثابت ہوتا ہے:

رو بخوابی کرد آخسر در محسوس

اں بہ آید کہ کنی خواب احد

یعنی آخر ایک روز مرنا ہو اور قبر میں اکیلے ہونا ہو، بہتر یہ ہے کہ مرنے سے پہلے ہم اخلاقِ الہیہ اپنے اندر پیدا کر لیں اور شوروں کے اس انقلاب سے پہلے اگر موت واقع ہو تو بقول عارفِ رومی انسان کی بھی اس کیڑے سے زیادہ قیمت نہیں جس کا جنم بھوم گویا ہوتا ہے:

جائے روح پاک علیقین بود!

کہم باشد کش وطن سرگس بود!

(ب)

عشاق کی ناز پڑھنے کے بعد حسبِ ذیل طریقہ پر نفی اثبات کرنا تزکیہ و تصفیہ کے لیے نہایت مفید ہے۔

اللّٰهُمَّ اِن دَخَلَ الشَّكُّ فِیْ اِیْمَانِی

بَلِّغْ وَلَمْ اَعْلَمْ بِهٖ تَبَّتْ عَنْهُ وَاَقُوْلُ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اللّٰهُمَّ اِن دَخَلَ الشَّرْکُ فِیْ تَوْحِیْدِی

اٰیَّتْکَ وَلَمْ اَعْلَمْ بِهٖ تَبَّتْ عَنْهُ وَاَقُوْلُ

اَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اللّٰهُمَّ اِن دَخَلَ الْکُفْرُ فِیْ اِیْمَانِی

بَلِّغْ وَلَمْ اَعْلَمْ بِهٖ تَبَّتْ عَنْهُ وَاَقُوْلُ لَا

اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اللّٰهُمَّ اِن دَخَلَ النِّفَاقُ فِیْ قَلْبِی

مِنْ اِلٰہِ اللّٰہِ اِن دَخَلَ الشَّکُّ فِیْ اِیْمَانِی

بَلِّغْ وَلَمْ اَعْلَمْ بِهٖ تَبَّتْ عَنْهُ وَاَقُوْلُ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

كثرة الذنوب ولم اعلم به ثبت عنه
 واقول لا اله الا الله
 اللهم ان دخل الكذب والغيبة
 في العمل ولم اعلم به ثبت عنه و
 اقول لا اله الا الله محمد رسول الله
 اللهم ان دخل العجب والكبر في
 قلبي ولم اعلم به ثبت عنه واقول
 لا اله الا الله محمد رسول الله
 اللهم ان دخل الريا والسمعة في
 علمي ولم اعلم به ثبت عنه واقول
 لا اله الا الله محمد رسول الله
 اللهم اسلمت نفسي واهلي و
 اولادي اليك وجعت وجهي اليك
 وفوضت امري اليك رغبة و
 رهبة اليك لا ملجاء ولا منجاء
 منك الا اليك امنت بكتاباتك
 التي انزلت وبرسولك الذي
 ارسلت
 نفاق داخل ہو گیا ہو اور اس کا مجھے علم نہیں ہوا
 تو میں توبہ کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں لا اله الا الله
 اے اللہ اگر میرے عمل میں کذب اور غیبت کا
 دخل ہو گیا ہو اور مجھے اس کا علم نہیں تو میں
 توبہ کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں لا اله الا الله محمد رسول اللہ
 اے اللہ اگر میرے قلب میں عجب اور کبر گھر گئے
 ہوں اور مجھے اس کا علم نہ ہو تو میں توبہ کرتا ہوں
 اور اقرار کرتا ہوں لا اله الا الله محمد رسول اللہ
 اے اللہ اگر ریا و شہرت کی خواہش میرے عمل کا محرک
 بن گئی اور اس کا مجھے علم نہیں تو میں توبہ کرتا ہوں
 اور اقرار کرتا ہوں لا اله الا الله محمد رسول اللہ
 اے اللہ میں نے اپنی جان کو اور اپنے
 اہل و عیال کو تیرے سپرد کیا میں نے اپنا منہ
 تیری طرف کیا۔ اپنے کام تیرے حوالے کیے غیبت
 خود کے ساتھ ایتیرے سوا کوئی پناہ جو اور نہ
 نجات کا راستہ اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے
 نازل فرمایا اور اس رسول پر بھی جو
 تو نے بھیجے۔

اس عمل کو خواجہ عبدالخالق غجدانیؒ نے اپنی غیر مطبوعہ کتاب مسکن العارفين میں لکھا ہے،
 تزکیہ نفس و تطہیر قلب کے لیے نہایت مفید عمل ہے، اس کی پابندی ضروری ہے! کلمہ طیبہ لسانی، رذائل
 کے زائل کرنے میں نہایت نافع و زود اثر ہے۔ اس کے پڑھتے وقت معنی کا اس طرح لحاظ رکھنا چاہیے
 کہ میں لا اله سے (مثلاً) اپنے ذمہ کبر کی نفی کر رہا ہوں اور لا الله سے حب خدا کا اثبات کر رہا ہوں
 یعنی لا اکبر في الاحب الله (مجھ میں کبر نہیں جیسا اللہ ہے) اسی طرح دوسرے رذائل کے ازالہ کیلئے

کلمہ طیبہ کو استعمال کرنا چاہیے۔ بیکار سے مقصود شعور میں مفہوم کا نفوذ ہو، اذ انکر تدقیر، بیکار سے بات ذہن نشین ہوتی ہو۔ غریب سمجھ لو کہ کسی خیال کے ذہن میں نہ رہنے ہی سے عمل پیدا ہوتا ہو، عمل کی بیکار عادت کے قیام کا باعث ہو اور عادت ہی کے مجبور یا تنظیم کا نام سیرت ہو، اور سیرت ہی تمھاری قسمت ہو! جیسے تم ویسی تمھاری قسمت! غافل مری

کجا نگاہ کہ برآمدہ تر زبولا داست؟!

لا الہ الا اللہ کا ذکر نہ صرف نفیِ رذائل کے لیے بلکہ تمام مقاصد کے حصول کے لیے ایک زبردست آلہ ہو۔ خواجگانِ نقشبند اس ذکر میں مشغول ہوتے اور لا الہ الا اللہ سے یہ ارادہ کرتے اور اپنے دل میں سمجھتے ہیں کہ (مثلاً) کوئی اس آفت کا ٹلنے والا نہیں، یا کوئی رزق کا دینے والا نہیں سوائے اللہ کے۔ اسی طرح جو چیز ان کے وقت اور حال کے مناسب ہوتی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً فتح باب کے لیے کہ کوئی شخص فلاں کام کرنے والا نہیں سوائے اللہ کے! اصطلاح میں اس کو بہت کا استعمال بھی کہا جاتا ہو۔ بہت کیا ہو؟ اگر وہ طلب کی صورت میں اجتماعِ خاطر، یا دل کے قصد کا مضبوط ہو جانا ہو، اس طرح کہ دل میں کوئی خطرہ یا خیال نہ گزرے سوائے اس مطلوب و مراد کے! سمجھنے کے لیے اس پیاسے کی حالت پر غور کرو جب کو پانی کی طلب کے سوا کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی یا عاشق زار کو کہ اس کو سوائے معشوق کے کسی اور چیز کا خیال نہیں ہوتا۔

چوں زلیخا کز سپنداں تا بعد و نام حبلہ چسبہ یوسف کردہ بود!
رذائل کے ازالہ میں بھی یقین بہت سے کام لینا چاہیے اور نفی و اثبات (کہ لا الہ الا اللہ) کو استعمال کرنا چاہیے۔ نماز مثلاً کے بعد اور سوتے وقت یہ عمل نہایت مفید ہو۔ مرد کی قیمت اس کی بہت ہو۔ قیمة المرء قد رهنه! بہت سے کام لو کامیابی نقد و م ہو!

اگر گوئی کہ بتوانم، قدم در نہ کہ بتوانی!
دگر گوئی کہ نتوانم، بر دیشیں کہ نتوانی!

(ج)

نماز عشا کے بعد ایک دوسرا عمل جو سالک کے لیے نہایت مفید ہو اسکو ہم شاہ محمود عاشقؒ (جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مرید ہیں) کی کتاب سیل الرشاد سے لے کر پیش کرتے ہیں اس کا ذکر

حضرت شاہ غلام علی خلیفہ مرزا منظر جانناماں نے بھی کیا ہو کہ جو شخص 'بطریق اولیت' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کرنا چاہتا ہو وہ بعد نماز عشاء قبلہ رو ہو کر خیال کرے کہ حضور مآ نور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں میں اس کے ہاتھ ہیں اور صدق دل سے کہے :

بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عليه وسلم على خمسٍ شهادة
أَن لا إله إلا الله وَأَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَ
إِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَصَوْمَ رَمَضَانَ
وَحَجَّ الْبَيْتِ إِنْ سَلَّطَعْتُ إِلَيْهِ
سَبِيلًا إِمَّا يَبْعَثُ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَنَّ
لَا أُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا أَسْرِقُ
وَلَا أَذْنِي وَلَا أَقْتُلُ وَلَا أَتِي بَيْنَتِي
أَفْتَرِيهِ بَيْنَ يَدَيَّ وَبِهَا جُلِي
وَأَن أَعْصِيهِ فِي مَعْرُوفٍ

بیعت کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ
باتوں پر: ایک اس بات کی گواہی پر کہ
اللہ کے سوا کوئی معبود نہ ہے کہ لائق تینوں
اور بیشک محمد اس کے رسول ہیں۔ دوسری
نماز کے ٹھیک اور درست ادا کرنے پر،
تیسری زکوٰۃ کے دینے پر، اور چوتھی رمضان
کے روزے رکھنے پر، اور پانچویں یہ کہ اللہ
کے حج کرنے پر، اگر میں اس تک ماہ پاسکوں
بیعت کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ہاتھ پر اس بات کی کہ میں اللہ کا شریک
کسی چیز کو نہ ٹھہراؤں گا۔ اور نہ چوری
کردں گا اور نہ زنا کروں گا اور نہ قتل

کردں گا، اور نہ کسی پر اپنی طرف سے بہتان لگاؤں گا، اور کسی پہلے کام میں رسول کی آفرینی نہ کروں گا۔

نوب خیال رکھے کہ کس ذات کا دل کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر وعدے کر رہا ہو، اور کن چیزوں پر عمل کا عہد
کر رہا ہو، اور اس کے بعد سو مرتبہ دودھ پڑھے، جو شخص اس عمل کو ہر رات کرے گا، مرشد کا دل و مکمل کی صحبت کا
اثر اس عمل میں پائے گا، اور بے شمار فوائد سے بہرہ یاب ہوگا!

اس عمل میں آنحضرت کی صورت مبارک کا پیش نظر رکھنا ضروری نہیں، صرف اتنا مراقبہ کافی ہوگا
اس کے دونوں ہاتھ اس ذات والا صفات کے ہاتھ میں ہیں! اس قسم کا مراقبہ یا تصور شریعت سے بھی
ثابت ہو، شعور دینی میں انقلاب پیدا کرنے میں یہ عمل نہایت قوی تاثیر رکھتا ہو! ہر رات تصور و مراقبہ
کے عالم میں مہبط وحی سقی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کرنا قلب کے تصفیہ اور نفس کے تزکیہ کے لیے جو تاثیر

رکھتا ہو وہ بیان سے باہر ہو!

سعادت! است اندر پردہ غیب!

نگہ کن - تاکرا ریزند در جیب!

یاد رکھو کہ تصفیۂ قلب سے مراد عقائد کی تصحیح، اور قلب کو خطرات ماسوی، حدیث نفس، اور حبیبِ دنیوی سے پاک کرنا ہو اور اس کو ذکر و یاد الہی میں مشغول رکھنا ہو، یہاں تک کہ بالآخر قلب حضور و شہود الہی میں علی اللہ ام متفرق ہو جائے اور حالتِ معیت و قرب حق سبحانہ تعالیٰ پیدا کر لے، صوفیہ کی اصطلاح میں یہی فنا و قلب ہو۔ اس حالت میں بھی نہ دنیوی فرائض کی انجام دہی میں کوئی قصور واقع ہوتا ہو اور نہ امور شرعیہ کے اشتغال اور منہیات شرعیہ کے اجتناب میں تاہل ہوتا ہو، ایسا انسان خایتِ شہور و دیداری کی حالت میں اپنے دینی و دنیوی فرائض انجام دیتا ہو، لیکن اس کا قلب حق تعالیٰ سے مربوط ہو جاتا ہو اور ان کے عرفۃ الوثقیٰ سے مضبوطی کے ساتھ تسک پیدا کر لیتا ہو! اور بالفاظ شیخ جلیؒ ”بَیِّنَةُ مَعَ الْعِبَادِ وَقَلْبُهُ مَعَ رَبِّ الْعِبَادِ“ اس کا گھر تو بندوں کے ساتھ ہوتا ہو، لیکن اس کا قلب ”رَبِّ الْعِبَادِ“ کے ساتھ ہو جاتا ہو! ۵

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ دش

ایں چنین زیبار و دش کم بود اندر جہاں!

اور تزکیۂ نفس سے مراد تمذیبِ اخلاق، تصحیحِ اعمال و اقوال، اشتغال با مورات شرعیہ، اجتناب از منہیات شرعیہ، عبادت و ریاضت میں مصروف رہنا، رعوناتِ نفسیہ کو توڑنا، قوائے حیوانیہ کو قوتِ انسانیہ کے تابع کرنا ہو! بغیر تزکیۂ نفس (یا بالفاظ صوفیہ فناءِ نفس) کے قلب کا تصفیہ ہی نہیں ہو سکتا۔ انسان کی تخلیق کا مقصد علیٰ یہی تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب ہو، جس کو عبادت، کی قرآنی اصطلاح میں ادا کیا جا سکتا ہے،

مَتَاخَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدُنِي!

اسی مقصد کے حصول کے لیے مولانا آدم قلب میں شوق کی آگ دہکاتے ہیں:

گر تو خواہی مہتری و دل زندگی

زندگی مقصود ہر بندگی است

جز حضور و بندگی و اضطراب

اندہیں حضرت نزار و اعتبار

ہر کہ اندر عشق یا بد زندگی کفر باشد پیش او جز بندگی

ذوق باید تا دہ طاعات بر مغز باید تا دہ داندہ شجر!

زندگی میں سعی و اہتمام اس امر کا کرنا چاہیے کہ قلب کا نصفیہ اور نفس کا تزکیہ کامل طور پر ہو جائے اور نفس ناطقہ (جو حقیقت میں جو جسکو قوت و ذرا کہ قوت عاقلہ بھی کہتے ہیں) اسوی اللہ کی گرفتاری سے آزاد ہو جائے اور شعوبہ غیر جس سے مراد ملاحظہ اعتبارات کہ نہ ہو، توجہ الی اللہ میں مزہم اور آگاہی بحق سبحانہ تعالیٰ میں مانع نہ رہے اور یہ حالت دل کی صفت یا ملکہ را سخن بن جائے، اس طرح کہ اگر اسکو فراموش کرنا چاہیں تو بھی فراموش نہ کر سکیں!

یاد رکھو کہ اس سعادت عظمیٰ کے حصول کا ایک نہایت قوی سبب ان کا مین کی صحبت ہے جو فانی زخوش باقی رہتی ہیں حتیٰ تعالیٰ کے حضور و شہود سے ملو میں کیونکہ جو کچھ ان کے قلوب طہرہ میں ہوتا ہے وہ بے اختیار اور بے محنت تمنا کے قلوب میں منطبع ہو جاتے! کائنات اللہ اس طرح جاری ہے کہ زندہ سے زندہ کو فیض پہنچتا ہے، اور چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے۔ وَلَنْ يَجْعَلَ لِمَنْتَ اللّٰه تَبْدِيلًا ! وَلَنْ يَجْعَلَ لِمَنْتَ اللّٰه تَحْوِيلًا۔

اسی لیے فرمایا تھا حکیم حاذق نے

اَصْحَبُوا مَعَ اللّٰهِ فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ

تَصْحَبُوا مَعَ اللّٰهِ فَاَصْحَبُوا مَعَ مَنْ يَصْحَبُ

مَعَ اللّٰهِ حَتّٰى يَوْصِلَكُمْ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ

اللہ کے ساتھ صحبت اختیار کرو اور اگر اللہ کے ساتھ صحبت اختیار نہ کر سکو تو جو ان لوگوں کی صحبت اختیار کر دجو اللہ کے ہم صحبت ہیں۔ یہاں تک کہ وہ تمہیں اللہ عز و جل کی صحبت میں پہنچا دیں۔

مجاہد کا ترانہ رومی سامی کے یہ اشعار ہیں :

اندریں رہ می تراش و می خواش تا دم آخر دے فارغ مباش

تا دم آخر دے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود

دوست دار و دوست این آشفنگی کوشش بہودہ بہ از خفتگی

کار کے کن کار تو کاہل مباش اندک اندک خاک چہ را می تراش

چوں ز چاہے ہی کنی بر روز خاک عاقبت اندر رسی در آب پاک

چوں نشینی بر سب کہے کے عاقبت بینی تو ہم روے کے !



رحمتِ عالم

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

یہ تقریر امین الدولہ ہارک کھنڈ میں اسی ماہ کے ایک ایسے عام جلسہ سیرت میں کی گئی تھی جس میں غیر مسلم حضرات کی بھی غامی تعداد شریک تھی تقریر اسی وقت قلمبند کر لی گئی تھی۔ اب محترم مقرر کی نظر ثانی اور اضافہ و ترمیم کے بعد یہ ناظرین کی جارہی ہے۔ ادارہ

اما بعد اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
وما ارسلناک الا رحمة للعالمین

ہم نے آپ کو اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا والوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔
دوستو اور بھائیو! میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت کی ہے، یہ آیت اپنے اندر ایک بڑا دعویٰ رکھتی ہے۔ وہ دعویٰ یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، یہ دنیا جتنی وسیع ہے اور اس کی عمر جتنی طویل ہے اس کے لحاظ سے یہ اعلان بڑا اعلان ہے اور یہ دعویٰ بڑا دعویٰ ہے بلکہ پوری تاریخ کے لئے ایک چیلنج ہے۔ بغیر کسی پس و پیش کے صاف صاف کہا جا رہا ہے کہ ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ہم مسلمانوں کا اس بات پر ایمان و عقیدہ ہے۔ مگر ذرا دیر کے لئے عقیدہ سے نظر ہٹا کر اور تمام مذہبی، قومی اور علمی تعصبات سے آزاد ہو کر غائص تاریخ اور واقعات کی روشنی میں دیکھیے، کیا یہ ایک تاریخی حقیقت ہے؟ یہ الفاظ ذہن و دماغ کو متوجہ کرنے والے ہیں، یہ دعویٰ چونکا دینے والا ہے، یہ دعویٰ ایک ایسے مقام سے کیا جا رہا ہے جو بڑا ذمہ دار ہے۔ ایسی کتاب میں کیا جا رہا ہے جو ساری دنیا

کے لئے ہے اور قیامت تک پڑھی جائے گی۔ اس وجہ سے ان الفاظ کی بڑی اہمیت ہے اور یہ قابلِ توجہ ہیں۔

دنیا کی تاریخ میں کثرت سے ایسے افراد اور جماعتیں گزری ہیں جنہوں نے انسانیت کی خدمت کی ہے اور دنیا کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا ہے اس موقع پر وہ سب تاریخ کی سطح سے ابھر آتے ہیں اور اپنے کو انسانیت کا معیار و خدمت گزار کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور وہ امیدوار ہوتے ہیں کہ ان کو بھی اس معیار سے جانچا اور پرکھا جائے گا یہ ٹھیک ہے ان کو بھی موقع دینا چاہئے اور ان کی خدمات و احسانات کا موازنہ کرنا چاہئے پھر فیصلہ کرنا چاہئے کہ کون اس معیار پر ہلکا اترتا ہے۔

سب سے پہلے ہمارے سامنے ایک سنجیدہ اور باوقار گروہ آتا ہے، یہ حکما، فلاسفہ کی جماعت ہے ان میں یونان کے بڑے بڑے فلسفی بھی ہیں اور ہندوستان کے بلند پایہ حکیم بھی ہمارا ذہن حکمت و فلسفہ سے شرف سے محروم رہا ہے ہم ان کو دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں کہ انہوں نے انسانیت کا سرا دینچا کیا ہے اور اس کا دامن حکمت کے موتیوں سے بھر دیا ہے لیکن تعبیرات اور عقیدت مندی سے ذرا آزا ہو کر غور کیجئے کہ کیا ان کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے اور کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ انسانیت کے حق میں رحمت ثابت ہوئے ہیں؟ میں بوجھتا ہوں کہ انسانیت نے ان سے کیا پایا، اس کی کون سی پیاس بجھی، انہوں نے اس کے کس درد کا مداوا کیا؟ غور کرنے پر ہم کو مایوسی ہوتی ہے! ذرا آپ فلسفہ کا مطالعہ کیجئے اور فلاسفہ کی زندگی پر نظر ڈالئے، صاف معلوم ہوگا کہ فلسفہ زندگی کے سمندر میں ایک مختصر سا جزیرہ تھا ایک محفوظ جگہ تھی، ایک محدود دائرہ تھا یہ حکما و فلاسفہ اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں اور خدا کی دی ہوئی طاقتیں اس محدود دائرے کے اندر صرف کر لے تھے، انسانیت کے وہ مسائل جن کو ذرا دیر کے لئے بھی مالا نہیں جاسکتا اور جو فوری حل کے محتاج ہیں جن کے بغیر انسانیت کی گاڑی ایک قدم بھی نہیں چل سکتی ان حکماء نے ان مسائل کو چھیڑا ان سے بحث کی اور نہ ان مسائل میں انسانیت کی کوئی مدد کی، وہ اپنے اس محصور ہونے کے اندر عافیت کی زندگی گزارتے رہے لیکن انسانیت کو ان جھوٹے

چھوٹے جزیروں میں بند نہیں تھی۔ یونان جہاں فلاسفہ بہت گزرے ہیں۔ اس یونان میں بھی سارے کے سارے فلسفی ہی تو نہیں تھے۔ ان فلسفیوں نے کوآکب وسمارات سے تو بحث کی اور فلکیات بہرہ مؤشکا فیاں کیں مگر زندگی کے لئے کیا ہدایات دیں اور علی طبقہ کو چھوڑ کر دوسرے طبقات کی کیا رہنمائی کی؟ انہوں نے بھٹکتی ہوئی انسانیت اور سکنتی ہوئی زندگی کے لئے کیا کیا۔ وہ زندگی میں رہتے ہوئے بھی زندگی سے بے تعلق تھے۔ انہوں نے اپنے گرد علم و حکمت کا ایک حصار کھینچ لیا تھا اور صرف چند علمی مسائل سے تعلق رکھا تھا۔

یہ ایک سیاسی دور ہے اور ہمارا ملک اب آزاد ہے۔ شاید آپ اس مثال سے فلاسفہ کی صحیح پوزیشن سمجھ سکیں۔ دیکھئے آپ کے ملک میں مختلف بیرونی ممالک کے سفارت خانے ہیں۔ کوئی امریکی سفارت خانہ ہے، کوئی روسی سفارت خانہ ہے، کوئی مصر کا ہے، کوئی ایران کا۔ ان سفارت خانوں کے اندر بھی زندگی اور حرکت ہے، ان کے اندر بھی بہت سے لوگ کھتے پڑھتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے فاضل اور سیاسی مہم بھی ہیں لیکن ان کو ہمارے ملک کے اندر ذاتی مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے آپس کے تعلقات اور ہماری کشاکش سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہاں کی غریبی، امیری، اخلاقی ترقی و انحطاط سے ان کو بحث نہیں۔ ان کا ایک محدود و مخصوص کام ہے اور وہ صرف وہی کام انجام دیتے ہیں۔ اس لئے وہ بہاں ہو کر بھی ایسے ہیں کہ گویا وہ یہاں نہیں ہیں بس اسی طرح حکمت و فلسفہ ایک غیر ملکی سفارت خانہ کی طرح قائم تھا اور یہ علماء و فلاسفہ ان سفارت خانوں کی چار دیواری کے اندر علم و حکمت کی نایزندگی کر رہے تھے اور زندگی کے مسائل سے بے تعلق تھے۔

دوسری جماعت جو اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ ادباء و شعرا کی جماعت ہے، ہم کو اور آپ کو ادب و شاعری کا ذوق ہے اور ہم ادب و شعر کی تحقیر نہیں کرتے لیکن بے ادبی معاف ا کہ ادباء و شعرا نے بھی انسانیت کے دکھ کا علاج نہیں کیا، انہوں نے ہمارے لئے تفریح کا سامان بہم پہنچایا ہمارے ادب اور زبان کو لامال کیا لیکن انسانیت کی اصلاح کا دوسرا مول نہیں لیا اور نہ ان کے بس کی بات تھی، زندگی بنتی اور بگڑتی رہی انسانیت گرتی اور سنبھلتی رہی اور یہ اپنے میٹھے میٹھے بول سناتے رہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ لوگ اپنی اپنی مصیبتوں میں مبتلا ہوں کہیں لڑائی جھگڑا ہو، لو کہیں زندگی کے مسائل درپیش ہوں اور کوئی بانسری بجانے والا بڑی سرٹٹی

آوازیں انہری بجانا گزر جائے، آپ تھوڑی دیر کے لئے اس کا لطف لے سکتے ہیں آپ اس کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ مگر اس ترنم سے آپ زندگی کے مسائل تو حل نہیں کر سکتے اور نہ اس سے کوئی پیغام حاصل کر سکتے ہیں۔ شعر و ادب ہماری زندگی کے لئے کتنا ہی ضروری تھی اور اس سے ہماری روح کی بالیدگی اور اس سے ہمارے دماغ کو کیسی ہی تازگی ملے ہو لیکن یہ ہمارے مسائل کا حل اور ہمارے درد کی دوا تو نہیں، پھر ان ادباء و شعرا کو کسی چیز پر اصرار بھی نہیں تھا اور وہ کسی مقصد کیلئے جدوجہد بھی نہیں کرتے تھے اور نہ اس کے لئے قربانیاں کرنا ان کے بس کی بات تھی اور اصلاح و انقلاب اس کے بغیر ہوا نہیں کرتا۔

نیراگر وہ جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ فاتحین کا ہے جنہوں نے ملکوں کو فتح کیا اور اپنے زور و شمشیر سے قوموں کو تسخیر کیا اس گروہ سے بھی ہم اچھے خاصے مرعوب ہیں ان کی تلواروں کی جھنکار ابھی تک ہمارے کانوں میں آ رہی ہے بظاہر ان کے شور سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے انسانیت کی بڑی خدمت کی مگر ان کے نام کے ساتھ کون سی تاریخ وابستہ ہے؟ کیا عدل و انصاف کی یا زندگی و مسافہ کی سکندر کا نام آتا ہے تو اس کے مظالم کی داستان تازہ ہو جاتی ہے کیا وہ انسانیت کا محسن تھا؟ اس نے یونان سے ہندوستان تک تمام ملکوں کو زیر و زبر کر دیا ملک کے ملک اس کی وجہ سے اٹا مان اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے، اس کے چلے جانے کے بعد بھی مینگنوں و برسن تک یہ ملک سنبھل نہ سکے یہی حال سیزر، چنگیز، خاں اور دوسرے بڑے بڑے فاتحین کا ہے۔ فاتح چاہے اپنے ملک کا محسن ہو یا اپنی قوم کے لئے رحمت ہو مگر دوسری قوموں اور ملکوں کے لئے عذاب اور مصیبت ہے۔ جو تھا گروہ ان لوگوں کا آتا ہے جو ملک کے آزاد کرانے والے ہیں اور قومی لیڈر ہیں اس گروہ کا جب نام آتا ہے تو احترام سے ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں حقیقتاً انہوں نے اپنے اپنے ملک کیلئے بڑا کام کیا مگر اس ملک کے باہر بننے والے انسانوں کے لئے کیا کیا؟ آپ ابراہام لنکن سے واقف ہوں گے وہ جدید امریکہ کا معمار ہے، مگر بتائیے ہندوستان، مصر و عراق اور ان جیسے اور ملکوں کو اس سے کیا فائدہ پہنچا؟ نتائج پر نظر کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اس نے ایک امپریلسٹ طاقت پیدا کر دی اور دنیا کی غلامی کی زنجیر میں ایک اور کڑی کا اضافہ کر دیا۔

سحق ز غل و کون تھا؟ مصر کا محسن اور وہاں کی تحریک آزادی کا سب سے مشہور رہنما مگر

مصر سے باہر اس نے کیا کیا اور اس کا ہم پر کیا احسان ہے، یہ قوم پرستی تو دراصل دوسرے ملکوں اور قوموں کے لئے مصیبت ہے اس لئے کہ اس کی بنیاد ہی اپنی قوم کی برتری اور دوسری قوموں کی تحقیر پر ہے اور اکثر اس کو اپنی قوم کا پایہ بلند کرنے کے لئے دوسری قوموں کو غلام بنانا پڑتا ہے۔

پانچواں گروہ وہ ہے جو سائنسٹ کہلاتا ہے جس نے نئی نئی ایجادیں کیں اور بہت سی کامیابیوں پر فخر کیا۔ بلاشبہ اس گروہ نے انسانوں کی بڑی خدمت کی۔ یہ تمام ایجادیں جو ہمارے کام آتی ہیں جیسے بجلی، ہوائی جہاز، ریل، ریڈیو اور یہ میکر و فون جس کے بغیر میری آواز آپ کے ہر ہر فرد تک نہیں پہنچ سکتی۔ انھیں سائنسٹ حضرات کی مہموں منت ہے۔ اس کے لئے انھوں نے بڑی محنتیں کیں اور اس میں شک انہیں کہ یہ انسانوں کے بڑے کام آ رہی ہیں مگر غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ ایجادیں تنہا کافی نہیں، ان ایجادوں کے ساتھ اگر نیک ارادے نہ ہوں، صبر و ضبط نہ ہو، خدمت خلق کا جذبہ نہ ہو، اس سے اگر انسانیت کے ضروری مسائل حل نہ ہوں تو بتائیے کہ یہ ایجادیں انسانیت کے لئے رحمت ہیں یا زحمت۔ انھوں نے یہ ایجادیں تو انسانوں کو دیدیں مگر ان کے استعمال کا صحیح جذبہ نہیں دیا، وہ ذہن و ضمیر نہیں بیدار نہیں کیا جو ان سے فائدہ اٹھائے اور ان کو ٹھکانے لگائے اور ان سے غلط کام لینے سے ہرگز نہ روکے، گزشتہ دو جنگوں کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اخلاقی تربیت اور خدا ترسی کے بغیر یہ ایجادیں اور یہ وسائل انسانیت کے حق میں قہر و عذاب ہیں رحمت و راحت نہیں ہیں ان سائنسدانوں کی تحقیر نہیں کرتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ یہ ایجاد کا زمامہ نیک خاصہ اخلاقی طاقت اور دماغی توازن کے بغیر مکمل نہیں ادا ہو رہا ہے جب تک انسان کے دل میں نیک خواہش نہ ہو اور خود اس کے اندر نیک کام کرنے کی تحریک اور تقاضا نہ پیدا ہو اس کو وسائل و آلات، مواقع و امکانات اور ہمتیں و آسانیاں نیک نہیں بنا سکتیں فرض کیجئے میرے پاس دینے کو روپیہ بھی ہے لینے کے لئے بہت سے مخمان بھی ہیں میرا کوئی ہتھ نہیں پکڑتا مگر میرے اندر فیاضی کا جذبہ اور مدد کرنے کی کوئی خواہش نہیں تو مجھے کون دینے پر آمادہ کر سکتا ہے۔

حضرات! اب ایک دوسرا گروہ ہمارے سامنے آتا ہے یہ پیغمبروں کا گروہ ہے، یہ گروہ ایجاد و اکتشاف کا دعویٰ نہیں کرتا نہ وہ علوم میں مہارت کا مدعی ہے نہ اس کو ادب و شاعری پر ناز ہے وہ اپنے متعلق نہ مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں نہ بے ضرورت خاکساری سے، وہ بڑی صفائی اور سادگی سے کہتے ہیں کہ وہ دنیا کو تین چیزیں عطا کرتے ہیں۔

(۱) صحیح علم (۲) اس علم پر یقین (۳) اس علم پر عمل کرنے اور اس یقین کے مطابق زندگی

گزارنے کا جذبہ اور خواہش، یہ ہے حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کی تعلیم کا بخیر۔ اب میں بتانا ہوں کہ وہ صحیح علم کیا ہے جو پیغمبر (انسانوں کو دیتے ہیں وہ علم اس کا کہ دنیا کو کس نے بنایا اور کس نے بنایا، پیغمبر کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہم کو کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا اس کے معلوم کئے بغیر ہمارا ہر قدم غلط ہے ہم کو اس دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں اس لئے کہ اس زندگی میں جو کچھ ہو رہا ہے چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، دوسب اس عظیم کم کا ایک حقیقی جز ہے، جب تک کہ ہم کو اس کائنات کا مرکز معلوم نہیں اور ہم اسکے مقصد کلی سے اتفاق نہیں رکھتے ہم کو اس کے اجزاء سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ اس کے بغیر تو روٹی کا ایک ٹکڑا توڑنا حرام ہے، ہم بھی اس کائنات کا ایک حقیقی جز ہیں اور غلہ کا جو دانہ ہم استعمال کرتے ہیں وہ بھی اس مجموعہ کی ایک بہت حقیر کسر اور ایک ادنیٰ ذرہ ہے، بلکہ ہم جس سیارہ (زمین) پر ہیں رہے ہیں وہ بھی اس کائنات کا حقیر ذرہ ہے، ہماری اس زمین کی اس نظم و نظام میں کیا حیثیت ہے؟ اگر آپ کو وہ نسبت معلوم ہو جائے تو آپ کی اس زمین اور سورج کے درمیان ہے یا دوسرے سیاروں اور ثوابت (STARS AND PLANETS) سے ہے تو آپ کو اپنے وجود سے بھی شرم آنے لگے گی اور اپنے عظیم انسان وطن سے بھی۔ آپ کے اور اس کائنات کے دوسرے جز کے درمیان کس نے ربط پیدا کیا؟ اسی خالق کائنات نے اور اسی مقصد کلی کے لئے، اگر آپ اس خالق کائنات کو نہیں جانتے یا نہیں مانتے اور اس مقصد کلی سے آپ کو اتفاق نہیں ہے تو آپ کو اس کائنات کے کسی ذرہ یا دوسرے جز سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ ہم پوچھتا ہوں کہ اگر روٹی کا وہ ٹکڑا جو آپ کے ہاتھ میں ہے آپ سے سوال کرے کہ میں نے تو اپنے خالق کو پہچان لیا اور اس کے حکم کے مطابق میں نے اپنے محدود کم کے لئے اپنے وجود کو قربان کر دیا، لیکن اسے انسان کو نے نہ اپنے خالق کو بلاناہ اس کی بندگی کی، تجھے مجھ سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟!

اگر میں اس جلسہ کے مقصد کو نہ جانوں اور اس کے مقصد کے خلاف تقریر شروع کر دوں تو آپ کو مجھ سے پوچھنے کا حق ہے اور اس جلسہ کے داعیوں کو حق ہے کہ مجھے روک دیں، یہ پانی کا گلاس جو میرے سامنے رکھا ہے اس کا پانی تک پینے کا مجھے اس وقت تک حق نہیں جب تک میں اس اجتماع کا مقصد نہ جان لوں اور اس مقصد سے مجھے اتفاق نہ ہو اسی طرح اس دنیا کی کسی چیز کا استعمال غلط ہے جب تک یہ جان نہ لیا جائے کہ اس کا پیدا کرنے والا

کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے مگر یہ عجب ٹریجڈی ہے کہ آج دنیا میں تمام کام ہو رہے ہیں بازار میں پہل پہل ہے تعلقات قائم ہو رہے ہیں، سواریاں چل رہی ہیں بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں مگر کسی کو یہ معلوم کرنے کی فرصت نہیں کہ جس دنیا میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس کا پیدا کرنے والا کون ہے اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ جب پیغمبر دنیا میں تشریف لائے، انسانیت کی گاڑی بے مقصد جا رہی تھی، فلاسفہ و علما، وادباء و شعرا و فاضلین و حکماء، کائناتکاروں اور تاجروں کو اپنے کاموں سے فرصت نہ تھی، حاکم بھی تھے اور محکوم بھی تھے، ظالم بھی تھے اور مظلوم بھی تھے مگر سب اصل مقصد سے غافل اور اپنے پیدا کرنے والے سے ناواقف، ان چھوٹے چھوٹے بالشتی جیسے انسانوں میں ایک بلند قامت انسان آتا ہے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں انسانیت کی ہاک ڈور تھی اس سوال کرتا ہے کہ جواب دو کہ تم نے انسانیت پر یہ کیا ظلم کیا ہے کہ ان کو اپنے مالک اور اس دنیا کے بادشاہ سے ہٹا کر اپنا غلام بنالیا ہے، تم کو کیا حق تھا کہ نابالغ انسانیت کا ہاتھ بچو کر تم نے اس کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے۔ اسے ظالم ڈرائیور تو نے مسافروں سے بوجھے بغیر زندگی کی گاڑی کس طرف چلائی شروع کر دی۔ وہ زندگی کے قلب و ضمیر میں کھڑے ہو کر انسانیت کو خطاب کرتا۔ ہے اور اس کو پکارتا ہے اس کے سوال کو ٹالا نہیں جاسکتا اس کی دعوت اور اس کی پکار پر بددو گروہ ہو جاتے ہیں ایک ان کی بات مانتا ہے، ایک انکار کرتا ہے۔ دنیا کو ان دونوں راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

پیغمبر کبھی نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے راز ہائے سرسبزہ کا انکشاف کرنے آئے ہیں، ہم طبی طاقتوں کو سخر کرنے آئے ہیں، ہم کچھ نئی ایجادیں کریں گے، وہ جغرافیہ و معدنیات میں مہارت کا دعویٰ نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا کے بنانے والے اور اس کی ذات و صفات کا صحیح علم عطا کرتے ہیں جو ہم کو اس دنیا کے مالک نے اور انسان کے خالق نے عطا کیا ہے۔ اور اب ہمارے ہی ذریعے سے وہ دوسروں کو مل سکتا ہے۔

وہ بتاتے ہیں کہ اس دنیا کا بنانے والا ایک ہے اور اسی کی مرضی و حکمت سے یہ دنیا بل ہی ہے، وہ بلا شرکت غیر سے اس کو چلا رہا ہے، یہ دنیا بے مقصد نہیں پیدا کی گئی اور نہ بے مقصد چل رہی ہو اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہوگی جس میں اس پہلی زندگی کا حساب دینا ہوگا، وہاں اچھے اعمال کا انعام ملے گا بُرے اعمال کی سزا ملے گی، قانون لانے والے اور خدا کا منشا بتلانے والے پیغمبر ہیں جو ہر ملک اور ہر قوم میں آئے اور خدا کا پیغام لائے۔ خدا کا راستہ ان کے بغیر ملے نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن پر

تاہم پیغمبر متفق ہیں، ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں، فلاسفہ و حکما میں سخت اختلاف ہے۔ ان میں سے دو بھی کسی ایک بات پر متفق نہیں لیکن یہاں کسی ایک بات پر بھی دو پیغمبروں میں اختلاف نہیں۔

دوسرا لیکن علم کے لئے یقین ضروری نہیں، آج ہمارے معلومات لئے زیادہ ہیں، مگر سارا یقین کتنا کم ہے، علم ہمیشہ یقین پیدا نہیں کرتا۔ قدیم زمانہ کے فلاسفہ میں سے بہت سے یقین سے محروم تھے اور شک کے مریض۔ آج بھی ان کا علم یقین پیدا کرنے کے بجائے الٹا شک پیدا کرتا ہے، آج بھی بڑے بڑے صاحب علم یقین کو ترستے ہیں، انبیاء کرام تنہا صحیح علم نہیں دیتے تھے اس پر یقین بھی عطا کرتے تھے، علم بڑی دولت ہے لہذا اس پر یقین اس سے بڑی دولت ہے، علم بغیر یقین کے زبان کی ورزش ہے، دماغ کا تلعیش اور دل کا اتفاقی پیغمبروں نے اپنے ماننے والوں کو صحیح علم عطا کیا اور مضبوط یقین، انھوں نے جو کچھ جانا اسکو مانا پھر اپنے کو اس پر قربان کر دیا، ان کے دماغ اس علم سے روشن ہوئے اور ان کے دل اس یقین سے طاقتور ان کے یقین کے قصے تاریخ میں پڑھے، ان کے یقین کے نتائج اپنی گزرویش کی دنیا میں دیکھے۔

آج اگر یقین ہوتا تو بد اخلاقی کیوں ہوتی؟ ظلم کیوں پھیلتا؟ رشوت کا بازار کیوں گرم ہوتا؟ کیا یہ تمام خرابیاں اس لئے ہیں کہ علم نہیں، لوگوں کو معلوم نہیں کہ چوری جرم ہے؟ رشوت حرام ہے، گرہ کٹی بد اخلاقی ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے؟ اہم تو دیکھتے ہیں کہ جہاں علم زیادہ ہو وہاں خرابیاں بھی زیادہ ہیں، جو لوگ رشوت کی بُرائی پرکتب لکھ سکتے ہیں اور اس کی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں وہ زیادہ رشوت لیتے ہیں، جو چوری کی خرابی سے اور اس کے انجام سے زیادہ واقف ہیں وہ چوری زیادہ کرتے ہیں، گرہ کٹوں کو دیکھتے ان میں سے بہت سے ایسے ملیں گے جو گرہ کٹی کے الزام میں کسی کسی بار سزا بھگتے ہوئے ہوتے ہیں، کیا ان سے زیادہ کوئی گرہ کٹی کے انجام اور سزائے واقف ہوگا، اگر صرف علم کافی ہوتا تو چوری کی سزا کے بعد چوری چھٹ جاتی اور ایک بار جرم کرنے کے بعد اور سزا بھگتنے کے بعد کوئی دوبارہ جرم نہ کرتا لیکن ایسا نہیں ہو رہا، معلوم ہوا کہ علم تنہا کافی نہیں۔

پھر علم ضروری اور یقین ضروری گرام کی کیا ضمانت کہ اس پر عمل کا تقاضا بھی پیدا ہوگا، بہت سے لوگ جانتے بھی ہیں اور یقین بھی رکھتے ہیں کہ شراب بُری چیز ہے، اس کے نقصانات کا تجربہ بھی ہے یقین بھی، مگر پیتے ہیں، آپ کے شہر میں ہسٹے ڈاکٹر حکیم ہوں گے، جو بدہیزبی کرتے ہیں، ان کو یقین ہوتا ہے کہ بدہیزبی خطرناک ہے، مگر وہ بدہیزبی کر گزرتے ہیں، بات یہ ہے کہ عمل کا تقاضا نہیں ہوتا اور ان کے اندر پرہیز کی خواہش اور بدہیزبی سے نفرت نہیں ہوتی بلکہ بدہیزبی کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اس خواہش کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

انبیاء کرام علم و یقین کے ساتھ یہ تیسری طاقت بھی عطا کرتے ہیں یعنی اپنے علم و یقین پر عمل کرنے کی رغبت اور اپنی غلط خواہشات کا مقابلہ کرنے کی طاقت، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم و یقین سے پورا پورا

فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، ان کا ضمیر ان کی نگرانی کرتا ہے اور غلط کام کرنے کے وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔

حضرات! ہر پیغمبر نے یہ تینوں دولتیں اپنے اپنے زمانہ والوں اور اپنی اپنی امتوں کو عطا کیں اور ان کی بدولت لاکھوں انسانوں کی زندگی بن گئی، اور زندگی کی چول اپنی جگہ پر آگئی، انسانیت پر حقیقی احسان انھیں پیغمبروں کا ہے، اللہ کا ورد و سلام ہو ان پر کہ انھوں نے انسانیت کی دستگیری کی اور اس کو عین وقت پر ہلاکت سے بچا لیا۔

لیکن رفتہ رفتہ یہ دولتیں دنیا سے ناپید ہونے لگیں، علم صحیح گم ہو گیا، یقین کا چراغ بجھ گیا، نیک عمل کی خواہش مردہ ہو گئی، جھوٹی صدی مسیحی آئی تو یہ تینوں دولتیں اتنی نایاب ہو چکی تھیں کہ ان کا سراغ لگانا مشکل تھا، پورے پورے ملک اور پورے پورے براعظم میں ڈھونڈنے سے بھی ایک اللہ کا بندہ نہ ملتا، جو علم صحیح اور ایمان قوی کی دولت سے مالا مال ہو، انبیاء کا لایا ہوا دین اور بچیلایا ہوا یقین سمیٹے سمیٹے ایک نقطہ بن گیا، شک بے علی کی ظلمتوں میں علم و یقین کا یہ نور اس طرح کہیں کہیں چمکتا تھا جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں۔ اہل یقین کا ایسا قوط تھا کہ ایران کا ایک لوجوان سلمان فارسی یقین اور حسن عمل کی تلاش میں نکلتا ہے تو ایران سے شام اور وہاں سے حجاز پہنچ جاتا ہے اور ان تین ملکوں میں اس کو صرف چار گھنٹے کا صاحب یقین ملتے ہیں۔

اس گنٹا ٹپ اندھیرے اور اس عالمگیر ظلمت میں خدا کا آخری پیغمبر آتا ہے، وہ ان تینوں دولتوں کو اتنا عام کر دیتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی عام نہیں ہوئی تھیں جو دولت کی کسی سینے اور کسی کسی سینہ میں نمی جو گھروں سے نکل کر محلوں میں بھی اور محلوں سے نکل کر شہروں میں بھی نہیں پھیلی تھی وہ گھر گھر عام ہو جاتی ہے اور مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتی ہے

رہے اس سے محروم آبی نغاک ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

وہ ان تینوں حقیقتوں کی تلقین ہی نہیں کرتا، ان کا تصور بھونک لیتا ہے، دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی کان والا ایسا نہیں جو کہہ سکے کہ اس نے اس صورت کی آواز نہیں سنی اور جس نے نہیں سنی اس کے کان کا قصور ہے، اسکے اعلان کا قصور نہیں، آج دنیا کا کون سا گوشہ ہے جہاں اشدھان لا الہ الا اللہ اور اشدھان محمد رسول اللہ کا ترانہ سننے میں نہیں آتا، جب دنیا کی تمام آوازیں تھک کر سو جاتی ہیں، جب جیتے جاگتے شہر بربوت کی سی بیند طاری ہو جاتی ہے، جب زبانوں پر قفل پڑ جاتے ہیں اس وقت بھی کانوں میں یہی صدا آتی ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ اللہ کے پیغمبر ہیں!

آج ریڈیو کے ذریعہ دنیا کے کو نہ کو نہ میں آواز پہنچتی ہے اور گھر گھر پیغام پہنچ جاتا ہے لیکن کیا کسی ریڈیو نے خواہ وہ امریکہ کا ہو خواہ برطانیہ کی کسی حقیقت کو کسی علم کو اس طرح دنیا میں عام کیا ہے جس طرح یہ علم عام ہوا ہے جس کی صدا عرب کے نبی امی نے کہ وہ صفا کی چوٹی پر پہنچ کر لگا کی تھی؟!

حضرات! انسان کبھی ترنگ میں آتا ہے اور طفلانہ معصومیت کے ساتھ اپنے مالک سے کچھ کہنے لگتا ہے۔ ایسی ہی ترنگ میں اقبال نے انسان کی طرف سے اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض کیا تھا۔

ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آیا د!

اگر آج محمد رسول اللہ کا ایک ادنیٰ غلام عرض کرے تو کیا بجا ہے کہ خدایا تیری برحق! تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالق اور اس ساری دنیا کا خالق و مالک اور ہر شے پر قادر ہے لیکن کیا تیرے بندوں اور تیری مخلوقات میں سے کسی نے تیرا نام اس طرح پھیلا یا اور دنیا کے کو نہ کو نہ میں پہنچایا جس طرح تیرے بندے اور پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟!

دوستو! یہ کوئی بے ادبی اور سرکشی نہیں، اس میں بھی تعریف اسی خدا کی ہے جس نے محمد رسول اللہ جیسا پیغمبر بھیجا اور ان کو اپنا نام پھیلانے اور اپنا دین چمکانے کی یہ طاقت اور توفیق عطا فرمائی!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے میدان میں جب اپنی ۱۴-۱۵ سال کی کمائی اللہ کے دین کی مدد کے لئے سامنے رکھ دی اور ۱۳ کو ایک ہزار کے مقابلہ میں لاکھ لاکھ لاکھ تو زمین پر سر رکھ کر اپنے مالک سے یہی کیا تھا کہ اے اللہ اگر تو اس مٹی بھر جماعت کو آج ہلاک کر دینے کا فیصلہ فرماتا ہے تو قیامت تک تیری عبادت ہو سکیگی! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی جو صدا لگائی تھی اس سے دنیا کو کوئی مزید، کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہا جب سے دنیائے سنا کہ انسان کے لئے خدا کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا ذلت اور عار ہے، خدا نے فرشتوں کو آدم کے سامنے اس لئے جھکا یا تاکہ سب سجدے اسکی اولاد پر حرام ہو جائیں، وہ سمجھ لے کہ جب اس کا وہ قدرت کے کا زیدے ہمارے سامنے جھکا دے گے تو ہم کو اس دنیا کی کسی چیز کے سامنے جھکنا کب زیب دیتا ہے، جب سے دنیائے توحید کی یہ حقیقت اور انسان نے اپنی حیثیت مٹی اس وقت سے شرک خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گیا، اس کو احساس کمتری نے گھیر لیا آپ کو بعثت محمدی کے بعد اسکے لہجہ میں فرق محسوس ہو گا اب وہ اپنے عمل پر نازاں نہیں وہ اسکی اوّل اور فلسفیانہ کجیر کرتا ہے، یہ اس بات کا ثبوت کہ توحید کی آواز نے ہمیں گھر کر لیا پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم یقین کے ساتھ وہ طاقت بھی پیدا کر کے دکھا دی جس میں ہزاروں سیکڑوں عدالتوں اور بیسیوں حکومتوں سے زیادہ طاقت ہے یعنی ضمیر کی طاقت، نیکی کی غربت گناہ سے نفرت، اور نفس کا نمود احتساب۔

یہ اسی طاقت کا کرشمہ تھا کہ ایک صحابی جن سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے وہ بتا بیٹ جلتے ہیں ضحیٰ خٹکیاں لینے لگتا ہے اور وہ حضور کی خدمت میں آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں حضور! مجھ کو پاک کر دیجئے، آپ اپنے اوپر بھری لیتے ہیں وہ اسی طرف آکر کھڑے ہو جاتے ہیں، آپ دوسری طرف رخ کر لیتے ہیں وہ اس طرف آکر کھڑے

ہو جاتے ہیں، آپ تحقیق کر دیتے ہیں کہ ان کی دماغی حالت خراب تو نہیں، جب معلوم ہوتا ہو کہ وہ صحیح الدماغ آدمی ہیں تو آپ ان کو سزا دلو دیتے ہیں، بتائیے کس چیز نے ان کو سزا بھرا مادہ کیا اور کون سی چیز ان کو خود کھینچ کر لاتی۔ آگے چلے غامدیہ ایک ان بڑھ عورت تھیں کسی دیہات کی رہنے والی وہ ایک بار بڑے گن ورس مبتلا ہو جاتی ہیں، نہ کوئی دیکھنے والا تھا نہ سننے والا، مگر ان کے دل میں ایک بھال س تھی جو ان کو چین نہ لینے دیتی تھی، ان کو کھانے پینے میں ممانعت نہ تھا، وہ کھانا کھاتیں تو ان کا دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، پانی پیتے تو دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، ناپاک کا کیا کھانا کیا پینا؟ تمہیں پہلے پاک ہونا چاہیے اس گناہ کی پاکی سزا کے بغیر تمہیں نہیں وہ خود اس شخص پر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور تقاضا کرتی ہیں کہ ان کو پاک کر دیا جائے اور اس پر اصرار کرتی ہیں، یہ معلوم کر کے کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس بچہ کا کیا قصور اس کی جان تمہارے ساتھ کیوں جائے، جب بچہ ہو جائے جب آنا خیال کیجئے ان کو ضرور اس میں کچھ عرصہ لگا ہوگا، کیا اس میں انہوں نے کھانا پیا نہ ہوگا، کیا زندگی نے خود ان سے زندگی کا تقاضا نہ کیا ہوگا، کیا خود کھانے اور پینے کی لذت نے زندگی کی رغبت نہ پیدا کی ہوگی اور ان کو یہ سمجھایا ہوگا کہ وہ اب حضور کے پاس جانے کا راہِ نفع کو نہیں مگر وہ اللہ کی بندی بنی رہی اور کچھ عرصے کے بعد بچہ کو لے کر آئی، اور عرض کیا کہ حضور میں آں، سے بھی فارغ ہو گئی اب میری طہارت میں کیوں دیر ہو؟ فرمایا نہیں نہیں، یہ بچہ اللہ کی امانت ہے اس کو کون ماں کی طرح دودھ پلانے گا، ابھی اس کو دودھ پلاؤ، جب دودھ چھوٹے جب پانا، آپ کو معلوم ہے کہ اس کو دو برس ضرور گئے ہوں گے، یہ دو برس کیسی آزمائش کے تھے، نہ پولس تھی، نہ بنگالی نہ چمکھ، ضمانت، کتنے خیال اس کو آئے ہوں گے، بچہ کی محصور صورت اس کو علیے کی دعوت دیتی ہوگی، اس کی سکر اہٹ زندگی کی خواہش پیدا کرتی ہوگی اور بچہ اپنی زبان بے زبانی سے کہتا ہوگا کہ ماں میں تو تیری ہی گود میں بیوں گا اور تیری انگلی بچہ کو چلوں گا مگر اس کا ضمیر کہتا تھا نہیں تیری ماں ناپاک ہے اس کو سب پہلے پاک ہونا ہے۔ دل کا یقین کہتا تھا کہ حکم الحاکمین کے یہاں جانا ہے وہاں کی سزا سخت ہے، وہ پھر حاضر ہوتی ہے روٹی کا ٹکڑا، بچہ کے منہ میں ہے اور کہتی ہے یا رسول اللہ دیکھیے، میں بچہ کا دودھ بھی چھوٹ گیا اور وہ روٹی کھانے کے قابل ہو گیا ہے، اب میری پاکی میں کیا دیر ہے۔ آخر خدا کی اس سچی اور یکتی بندی کو سزا دی جاتی ہے اور حضور و خوشنودی کا پیر وادہ عطا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے اسی بچی کو توبہ کی بحر کہ اس کیلئے کی توبہ اگر سارے مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لئے کافی ہو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضی اللہ عنہا۔ میں پھر آپ پر چٹا ہوں کہ وہ کیا جزا تھی جو بغیر مشک و دبی بیڑی کے بغیر چمکھ و ضمانت کے بغیر پولس کے اس کو کھینچ کر لاتی ہے اور سزا کے لئے اصرار کرتی ہے، آج ہزار ہا، بڑھے لکھے، قابلِ مثال مرد و عورتیں ہیں جن کا علم اور نقصانات کا یقین ان کو غلط کام سے باز نہیں رکھ سکتا اور اچھے کام پر آمادہ نہیں کر سکتا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو یہی تینوں اصول موتی مطالعے، علم صحیح، یقین کامل اور نیکی کا تقاضا ہے قلبی، دنیا کو اس سے زیادہ قیمتی سرمایہ ملا، نہ کسی نے اس پر آپ بڑھ کر احسان کیا۔

یہ کہ انسانی بھائیو! ہمیں اور دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہیے کہ ہمارے نوع انسان میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سراونچا اور نام روشن ہوا۔ اگر آپ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا اور ہم انسانیت کی شرافت و عظمت کے لئے کس کو پیش کرتے؟ محمد رسول اللہ ہر انسان کے ہیں، محمد رسول اللہ سے اس دنیا کی رونق اور نوع انسانی کی عظمت ہے، وہ کسی قوم کی ملک نہیں، ان پر کسی ملک کا اجارہ نہیں، وہ پوری انسانیت کا سرایہ فخر ہیں، کیوں آج کسی ملک کا انسان فخر و مسرت کا ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اس نوع سے تعلق ہے جس میں محمد رسول اللہ جیسا انسان کامل پیدا ہوا۔

آج انسانوں کا کوئی طبقہ ہے جس پر آپ کا برا و راست یا بالواسطہ احسان نہیں کیا، مردوں پر آپ کا احسان نہیں کیا، آپ نے ان کو مردمانی اور آدمیت کی قیود دی، کیا عورتوں پر آپ کا احسان نہیں کیا، آپ نے ان کے حقوق بتلائے اور اور ان کے لئے ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے خدوں کے نیچے ہے، کیا کمزوروں پر آپ کا احسان نہیں کیا، آپ نے ان کی حمایت کی اور فرمایا کہ مظلوم کی بددعا سے ظور و کسے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں، خدا کہتا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں کیا طاقتوروں اور حکمرانوں پر آپ کا احسان نہیں کیا، آپ نے ان کے حقوق و فرائض بھی بتلائے اور حدود بھی بتلائے اور انھیں کرنے والوں اور خدا سے ڈرنے والوں کو بشارت سنائی کہ بادشاہ متضعف رحمت کے سایہ میں ہوگا، کیا مایہ جروں پر آپ کا احسان نہیں کیا، آپ نے تجارت کی فضیلت اور اس پیشہ کی شرافت بتلائی اور خود تجارت کر کے اس کو مذہبی عزت بڑھائی، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اور راست گفتار اور دیا بندارتا ہر قریب قریبوں گے، کیا آپ کا مزدوروں پر احسان نہیں کیا، آپ نے تاکید فرمائی کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو، کیا جانوروں تک پر بھی آپ کا احسان نہیں کیا، آپ نے فرمایا کہ ہر وہ مخلوق جو جگہ گھمتی ہو اور جس میں احساس و زندگی ہے اس کو آرام ہو چکا اور کھانا پلانا بھی صدقہ ہے، فی کل ذات کبہد عری صدقہ، کیا ساری انسانی برادری پر آپ کا احسان نہیں کیا، راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ شہادت دیتے تھے کہ خدا یا تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں، انا شہیدان العباد کلہم اخوتہ، کیا ساری دنیا پر آپ کا احسان نہیں کرتے، پہلے دنیا نے آپ ہی کی زبان سے کہا کہ خدا کسی ملک قوم نسل اور برادری کا نہیں سائے جہانوں اور دنیا کے سب انسانوں کا ہے۔ جس دنیا میں آبروں کا خدا، یہودیوں کا خدا، مصریوں کا خدا، ایرانیوں کا خدا اس کا جہاں تھا وہاں الحمد للہ رب العالمین کی حقیقت کا اعلان ہوا اور اس کو نماز کا جزو بنا دیا گیا۔

دوستو! ہماری آپ کی دنیا میں کیا وفلا سفہ بھی آئے، ادباء و شعرا بھی، تاج و کشور کشا بھی، سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی، موجودین و مکتفین (سائنسٹ) بھی، مگر کس کے آئے سے دنیا میں وہ بہرہ آتی جو پیغمبروں کے آئے سے، جو سب کا سرسب ہے، پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آئے سے آئی، کون اپنے ساتھ وہ خادانی وہ کہیں وہ جہتیں نوع انسانی کے لئے وہ دہلیز اور انسانیت کیلئے وہ نعمتیں لیکر آیا، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرا کے تیرہ سو برس کی انسانی تاریخ پر لے دی، وہ نوع کے ساتھ آپ کے خطاب کے کہتی ہو یہ سرسبز سبزہ ہو جو ترا پامال ہو۔

طغیرے جو جس شجر کے تلے ٹوٹنا ہوا

انتخاب

اسلام کو اپنی خوبیوں کی بنا پر فروغ حاصل ہوا

(داؤد الکرناراجند سفیر مہمند متعینہ ایران)

اسلام میں بلاشبہ چند ایسی خوبیاں ہیں اور خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے اسے مختصر عرصہ میں غیر معمولی فروغ حاصل ہو گیا۔ ساتویں صدی عیسوی میں جب اسلام کا جھنڈا بلند ہوا اور عرب کی سب قریں ایک جھنڈے کے سایہ میں جمع ہوئیں تو عرب تیزی کے ساتھ چاروں طرف پھیلنے لگے۔ ان کی فوجیں جنگوں میدانوں اور پہاڑوں کو عبور کرتی ہوئی شام، ایران، افغانستان اور بلوچستان کو طے کر کے ہندستان کی سرحد پہنچ گئیں۔ مسلم بیڑوں نے ایرانیوں کے بیڑوں کو سمندر کی آغوا گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سونپ دیا اور بحر ہند پر اپنا قبضہ کر لیا۔ ان بیڑوں کے ساتھ عرب کے سوداگر بحر ہند کی ساری تجارت کے ٹھیکیدار ہو گئے۔ کوہ میں میت کنو، نام کے قبرستان میں علی ابن عثمان کی قبر پر مٹلہ مٹلہ عید کا کنبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی میں مالابار کے ساحل پر مسلمان آباد ہو گئے تھے مسلمانوں کا اثر بہت جلد جلد بڑھا۔ ہندو راجاؤں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ ان کو تجارت کی آسانیاں بہم پہنچائیں۔ ان کو زمین خریدنے اور مسجدیں بنانے کی اجازت دی۔ مالابار میں آباد ہونے ہی انھوں نے اپنے مذہب کے پھیلائے کی کوشش شروع کی مسلمانوں میں پروہت اور پادری نہیں ہوتے لیکن ہر مسلمان کا فرض ہے کہ مذہب کی اشاعت کرے۔ قرآن میں لکھا ہے کہ لوگوں کو خدا کے راستے پر چلنے کا پیغام دو اور ان کو عقلمندی اور رحم کے ساتھ بتا دو (۱۲-۹۰-۱۳) اس تبلیغ کے کام میں نہ صرف مرد بلکہ عورتوں تک نے بڑا حصہ لیا ہے یہاں تک کہ مسلمان قیدی بھی اشاعت مذہب کے لئے تیار رہتے تھے۔ ایک مسلمان قیدی نے سب سے پہلے یورپ میں اسلام پھیلا یا۔ غلام سرور نے نزدیکۃ الاضیاء میں لکھا ہے کہ شیخ احمد مجدود کو مہانگیر نے قید خانہ میں بھجوا دیا تھا۔ انھوں نے دو برس میں

سینکڑوں ہندو قیدیوں کو مسلمان کر لیا۔ آٹھویں صدی میں مسلمانوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی اُس کے کئی اسباب تھے۔ دکن کے لوگ انہیں حریت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کی دولت اور بڑھتی ہوئی طاقت کا ان کے دلوں پر سکھ جم گیا تھا لیکن سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے خیالات، ان کے رواجوں ان کے اطوار اور چال چلن کا اثر بڑا۔ مسلمانوں کا مذہب سادہ، آسان اور اچھا تھا، ان کی پرستش کے طریقے دلوں میں گھر گرنے والے تھے اور رات و دن خدا کی یاد دلانے والے۔ رینان ایک فرانسیسی عالم نے خود قبول کیا ہے کہ میں جب کسی مسجد میں جاتا ہوں تو میرا دل ایک ناقابل بیان کیفیت سے اُمٹ اُٹا ہے اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میں مسلمان کیوں نہ ہوں، جب رینان ایسے کٹر ملحد اور سائنسدان کے دل پر اسلامی عبادت کا ایسا اثر ہوتا تھا تو اوروں کا کیا ذکر ہے، ایک اور بات جو سمجھنی نہیں چاہئے وہ یہ ہے کہ پہلی صدیوں کا اسلام ایک بڑا علمی مذہب تھا۔ اسلام کے ماننے والے اپنے عقیدوں کو محض زبان سے نہیں دہراتے تھے بلکہ اپنی زندگی اور چال چلن میں ان پر پابند ہو کر رہتے تھے، ان کی نماز کی صف بندی، دزدوں کی سختی، خیرات اور زکوٰۃ کا قاعدہ، سراج میں برابری و مساوات کا برتاؤ، مذہب کے ایسے زبردست حصے تھے کہ آدمی کے دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اس کے خلاف آٹھویں صدی میں دکن میں ہندوستانی و ہرموں میں سخت اختلاف تھا۔ بودھ، اور جین اور دیگر دھرم کے انہی دنوں ایک دوسرے کی جان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ براہمنوں کی کوشش سے بودھ اور جین مذہب (دھرم) ختم ہو چکے تھے اور شیوا اور دشنو کا ست پھیل رہا تھا۔ چیرادرکالی کی طاقتیں گھٹ رہی تھیں اور نئے گھرانے ابھر رہے تھے مسلمان دکن میں اُس وقت آئے جب سانج اور راج ہیں فساد برپا تھا، ان کے آنے کا قدرتی طور پر بڑا اثر ہوا۔ نویں صدی کے اوائل میں مالا بار کے خاندان کا جو جیرین پیر دل سے ملقب تھا خاتمہ ہوا اُس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کے آخری راجہ نے جن کی راجدہانی کو دنگور تھی، اپنے دھرم کو چھوڑ دیا اور اسلام قبول کر لیا۔ راجہ کے مذہب بدلنے کی وجہ سے بڑی پہل تھی اور اس واقعہ نے لوگوں کے دلوں پر بڑا اثر ڈالا۔ ابار میں مدتوں یہ رواج رہا ہے کہ جس وقت راجہ تخت پر بٹھایا جاتا تھا، تو اس کا سر مونڈتے تھے اور اسے مسلمانوں کا سا لباس پہناتے تھے، ایک مہلا اس کے سر پر رکھ رکھتا تھا۔ گدھی پر بٹھائے چائے کے بعد راجہ کے ساتھ وہی بتاؤ کرتے تھے جو ایک فات سے نکالے ہوئے آدمی کے ساتھ، وہ اپنے

گھروؤں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔ یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ راجہ آخری چیرمین بیروں کا واسطہ ہے اور اپنے راجہ کے لوٹنے کا انتظار کر رہا ہے۔ بڑا دنگور کے مہاراجہ حضرت نشینی کے وقت تلوار کرہن ہاتھ ہوئے یہ اعلان کرتے تھے کہ میں تلوار کر اس وقت تک رکھوں گا جب تک میرا چچا جو کہ گیا ہے لوٹ نہ آئے۔ آخری چیرمین بیروں کی داستان کہاں تک تاریخی حقیقت سے بھی ہے کہنا مشکل ہے لیکن اس واقعہ کے کچھ آثار رہائی میں گوناگوں کے ٹھیک ٹھیک نام معلوم نہیں ہیں کیونکہ چیرمین بیروں خطابی نام ہے۔ لیکن اتنا ماننا بڑے گا کہ دنگور کے شاہی خاندان کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ اس کے آخری راجہ نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا تھا۔ جو چین کے راجہ (جسے زمرن کہتے ہیں) کی عرب سوداگروں پر بڑی جہربانی کی نگاہ تھی۔ اُس کی اجازت سے راج میں بہت سے سوداگرا آباد ہو گئے۔ ان کی تجارت سے راج کو بہت مالی فائدہ پہونچا اور ان کے بازوؤں کی قوت سے راج کی طاقت بڑھی۔ زمرن نے اُس پاس کے راجاؤں کو شکست دے کر ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیا جہاں جہاں راجہ کا تسلط ہوا وہاں مسلمان تاجروں نے منڈی قائم کی۔ اسی طرح کالی کٹ کی بندرگاہ کی بنیاد قائم ہوئی۔ یہاں کا قاضی جسے وہاں والے کو یہ کہتے ہیں زمرن کا بڑا مددگار تھا۔ اس کی طرف سے ہمیشہ دوسرے راجاؤں کے خلاف لڑا کرتا تھا۔ قاضی کی مدد کے سبب سے وہ جنوبی مالابار میں سب طاقتور راجہ بن گیا اور راجہ نے مہاکہم کے میلے کا نظریہ ترموئی کے مقام پر ہوتا تھا۔ اسی کے سپرد کیا اس سے اس کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی۔ ”کوہا کے برابر ہی راجہ کا گھر تھا جس کے نانگ کو لازمی راجاؤں کے بیڑوں کے سردار تھے۔ ہندو راجہ مسلمانوں کی اتنی عزت کرتے تھے کہ انھوں نے خود اپنی دعا کو مسلمان ہونے کے لئے جوش دلایا۔ انھیں اپنے بیڑوں کے لئے مسلمان ملاحوں کی ضرورت تھی اس لئے انھوں نے اجازت دی کہ کوہا قوم کے ہر گھر میں ایک دو آدمی اسلام قبول کر لیں۔ نویں صدی کے بعد اسلام کا اثر دن بہ دن بڑھتا گیا۔ مسعودی نے ملاحہ میں ہندوستان کا سفر کیا وہ لکھتا ہے کہ چولی میں دس ہزار سے زائد مسلمان آباد تھے، ان کا اپنا سردار تھا جسے پرامہ کہتے تھے۔

ابو دلاؤن متعربین اہلبلی چولی کی مسجدوں کا ذکر کرتا ہے۔ لکھتا ہے تیرہویں صدی میں سمندر کے کنارے ہر گھر مسلمانوں کو آباد پایا۔ سردار کو پوچھنے دیکھا کہ لکھا کے راجہ مسلمان سپاہیوں کو (مالابی مسلمان)

صفحہ ۲۵ کا بقیہ

قصود کو بدعات سے پاک کرنے اور کتاب و سنت کو اس کا مخد بنانے کی کوشش
میں حضرت شیخ کا تجدیدی حصہ ہو، ان کی کتاب عوارف المعارف کو اگر اس فن کی قدیم
کتابوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو ان کے اس تجدیدی کام کا اندازہ ہوتا ہوا ہے
اللہ تعالیٰ نے شیخ شہاب الدین کو بڑے بلند پایہ اور عالمی استعداد و خلفاء
عطا فرمائے جنہوں نے دعوت و تربیت کا کام بڑی قوت و وسعت کے ساتھ انجام
دیا، ان کے صرف ایک خلیفہ شیخ الاسلام شیخ مبارک الدین ذکر یا ملتانی سے ہندوستان
میں جو فیض پہنچا اور خلق اللہ کو ہدایت ہوئی وہ ان کی جلالت و قیام و عظمت
شان کے لیے کافی ہو۔

لے نواب صدیقی سن خاں مرحوم لکھتے ہیں ”درقصود ہی کتابے بہتر از عوارف نیست“ فقضاء ربود الاحرار ص ۱۳۱



گارنٹی کا نشان

فاتحانہ اقدام

شیر پاتین سنگ کا نام تاریخ میں محفوظ ہو گیا

اس کا پس منظر قوت و توانائی ہے

قوت و توانائی کا سرچشمہ ”ماوالحم“ ہے

”داخانہ طبیبہ کاسج، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مولانا محمد منظور نعمانی

اور

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی

تبلیغی تقریریں

جو ہندوستان اور پاکستان کے مختلف شہروں کے اہم تبلیغی اجتماعات میں کی گئی تھیں — اور جن کے مخاطب تبلیغی جماعت کے کارکن مسلم عوام اور غیر مسلم حضرات ہیں یہ ۱۴ تقریریں سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں۔

قیمت جلد دو روپے آٹھ آنے

ملفوظات

حضرت مولانا محمد الیاس جیسے

مولانا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولانا محمد الیاس کی مجلسی اور مخصوص گفتگوؤں سے منتخب کر کے مرتب کیا ہے علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہے، ایک ایک ملفوظات یقیناً اور معرفت کی بندیوں سے اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

بہترین کتابت و طباعت

قیمت غیر جلد ایک روپیہ آٹھ آنے

تصوف کیا ہے؟

مولانا محمد منظور نعمانی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد اویس وی کی مشترکہ تصنیف

جو اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے اپنے موضوع کی ضخیم کتابوں کے مقابل میں بہت ممتاز سمجھی گئی ہے۔

۱۵ صفحات، بہترین کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ

قیمت ایک روپیہ چار آنے

قادیا نیت پر

غور کرنے کا سیدھا راستہ

مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی ایک گفتگو جس میں صرف یہ تجلایا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف

ہونے چاہئیں اور مرزا غلام احمد قادیانی میں وہ اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف تھے یا نہیں؟ — بس یہی ان کو جانچنے اور برکھنے کا سیدھا اور آسان راستہ ہے۔

قیمت جلد آنے

ملکی پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

ہندوستان و پاکستان

سالانہ چندہ (دبکہ ہندوستان) ستر

سالانہ چندہ (دبکہ پاکستان) ستر

سٹیشنری ستر

انفتان لکھنؤ

قیمت فی کاپی آٹھ آنے

غیر مالکے

سالانہ چندہ اٹھانگ

اعزازی خریداروں سے

سالانہ ستر

جلد ۲۲ بابۃ ماہ بیج الثانی ۱۲۷۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۵۲ء نمبر ۲

| نمبر شمار | مضامین | مضامین نگار | صفحہ |
|-----------|--|------------------------------|------|
| ۱ | نگاہِ اولیں | عقیق الرحمن سنہجلی | ۲ |
| ۲ | قرآنی دعوت | محمد منظور نعمانی | ۱۳ |
| ۳ | اسلام میں نبوت کا تصور | ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے | ۱۷ |
| ۴ | شیخ الاسلام ابن تیمیہ { ایک عارف باطن اور محقق } | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | ۳۳ |
| ۵ | تعارف و تبصرہ | استاذ شکر می فیصل | ۴۹ |
| ۶ | انتخاب | | ۵۴ |

اگر اس ○ دائرہ میں سرخ نشان لگائے

تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بصیغہ ردی پی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع و فترتیں زیادہ سے زیادہ ۱۴ تاریخ تک پہنچ جانی چاہئے! پاکستان کے خریدار:- اپنا چندہ سکرٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلیین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور مئی آؤڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

تاریخ اشاعت:- رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ رکو روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۵ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، اگلے رسالہ کے ساتھ مکہ بھیج دیا جائے گا

(مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر القرآن گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا)۔

کے روادار نہ تھے اور گندم از گندم ہر وید، جوڑ جوڑ چلی ابدی سچائی پر بھی کان دھرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ مگر کیا کسی کے آنکھیں بند کرنے سے یہ حقیقت باطل ہو سکتی ہے اور جو لوگ گندم کاٹنے کی امید کرنے والے کی امید کبھی پوری ہو سکتی ہے، ایسی امیدوں کا نتیجہ حسرت و یاس کے سوا کبھی کچھ اور نکلا ہے یا کچھ اور نکل سکتا ہے؟ مسلم لیگ کی مغرب زدہ قیادت نے اسلامی حکومت کے قیام کی امیدیں وابستہ کرنے کا نتیجہ آج سامنے ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے اس سرزمینِ پاک پر اسلام مقہور سے مقہور تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور اب اس کو ملنا ازم کا نام دے کر کمیونزم کے ساتھ باندھ کر فنا کے گھاٹ اتارنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ صاف صاف کہا جا رہا ہے کہ تیرہ سو برس کے عرصہ میں کہیں اسلامی حکومت قائم ہوئی بھی ہے؟ جو آج پاکستان میں قائم ہوگی؟ اور ویدہ دلیری کی حد ہے کہ یہ بات خاص یو۔ پی کی راجدھانی میں کہی گئی ہے جہاں آج بھی اگر کوئی کان لگائے تو فضاؤں میں ”پاکستان کے معنی کیا؟ لا الہ الا اللہ کے نعرے گونجتے ہوئے ملیں گے۔“

جب تک پاکستان بنانا نہیں تھا پاکستان کے معنی لا الہ الا اللہ کے تھے۔ اس کی مخالفت قرآن کی مخالفت تھی، قرآنی نظام کی مخالفت تھی، حکومتِ الہیہ کی مخالفت تھی، مگر جب پاکستان بن گیا تو قرآنی نظام حکومت کی مخالفت ہی میں اس کے انشکام کی ضمانت پوشیدہ ہو گئی اور قرآنی نظام حکومت کا مطالبہ تختہ بازی پر اٹھایا۔

جو چاہے آپ کا حق کرشمہ ساز کرے

آج وقت جن علمائے پاکستان کے قیام کی مخالفت کی انھیں دشمن اسلام اور غدار ملت کہہ کر انکی پگڑیاں اچھلوانی گئیں اور آج جو علماء اور مخلص مسلمان کل کے وعدوں کے مطابق اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ پاکستان کے دشمن اور شورش پسند قرار دئے جا رہے ہیں اور ناور شاہانہ انداز میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سب ہندوستان ہی سے گئے ہوئے لوگ ہیں، ان سب کو چاندی کی کشتی میں لگا کر ہندوستان ہی کو واپس کر دیا جائے گا۔ یہ ہے اس خواب کی تعبیر جو سات سال پہلے ہندوستان کے مسلمانوں نے دیکھا تھا، اللہ تعالیٰ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو ٹھنڈا رکھے، اچھا ہوا وہ پہلے ہی تشریف لے گئے ورنہ انھیں دیکھنا پڑتا

کران کی امیدوں اور آرزوؤں کا انجام کتنا حسرتناک ہے۔

ہیں ان باتوں پر ذرا بھی حیرت نہیں ہے جو پاکستان کے وزیر داخلہ نے کھنؤ کے ہوائی اڈہ پر ایک مولوی صورت اخباری نمائندے سے کہیں اور نہ ہیں ان فقروں پر ذرا برابر حیرت ہے جو انھوں نے (پوری جرات نہ مانہ کے ساتھ) اس مولویانہ صورت پر حیرت کئے۔ البتہ اتنا ضرور ہو کہ سات سال پہلے کی باتیں بیاختہ یاد آگئیں اور اپنی قوم کی بے شعوری پر بے اختیار ماتم کرنے کو جی چاہئے لگا جو اتنا نہیں جانتی کہ کن لوگوں سے کن باتوں کی امید رکھنی چاہئے۔ کاش یہی تجربہ آئندہ کے لئے اس کی آنکھیں کھول دیتا۔

قیام پاکستان کی جدوجہد کے زمانہ میں تحریک پاکستان کے لیڈر اپنے مخالف علماء کو طرح طرح کے نقاب سے نواز کر جب گندے انڈوں اور ٹاٹروں والی تہذیب کا مظاہرہ کیا کرتے تھے تو لوگ سمجھتے تھے کہ یہ علماء جو مکملت فروشی کر رہے ہیں اس لئے ان کے ساتھ یہ بڑاؤ کیا جا رہا ہے اور یہ اپنے جرم کی بنا پر اسی کے مستحق ہیں لیکن حقیقت یہ تھی جو آج بے نقاب ہو کر سامنے آگئی ہے کہ اس الزام کی آڑ میں دراصل علماء کے وقار کو ختم کرنا مقصود تھا۔ اس لئے کہ انھیں کے ذریعہ سے مسلمانوں میں دین کا وقار و احترام اور پاس و لحاظ قائم تھا اور یہی اس کے پاس و نگہبان تھے اور دین کے وقار و احترام اور پاس و لحاظ کی موجودگی میں ان لوگوں کی دال مسلمانوں میں اچھی طرح نہیں گل سکتی تھی، یہ مافی قیادت نہیں کر سکتے تھے اور قوم ان کی اغراض و خواہشات کا کھلونا نہیں بن سکتی تھی۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ وہ علماء جنھوں نے تحریک پاکستان کی حمایت کی، اس کو دینی سند ہمہ پہونچانی اور قائدین لیگ کے کندھے سے کندھا ملا کر چلے یا کم از کم مخالفت نہیں کی وہ آج سربراہ کاران مملکت پاکستان کے اسی طرح معتوب بنے ہوئے ہیں جیسے کہ مخالف علماء تھے۔ ان کا وجود تک برداشت نہیں ہے اور ارادہ ہے (اگر خدا نے پورا ہونے دیا) کہ ان سب کو ملک بدر کر دیا جائے۔ ان کا کیا جرم ہے؟ انھوں نے بھی قوم کے مفاد سے غداری کی تھی، مسلمانوں کو ہندوؤں کے ہاتھ بیچنے کی ٹھانی تھی، اسلامی حکومت (پاکستان) کے قیام میں روڑے اٹکائے تھے؟ آخر ان کا جرم کیا ہے؟

ان کا جرم صرف یہ ہے کہ یہ ان وعدوں کا ایفا چاہتے ہیں جو پاکستان بننے سے پیشتر کئے گئے

تھے، یہ اُس خواب کی تعبیر چاہتے ہیں جو سات برس پہلے دکھایا گیا تھا۔ وہ پاکستان کا دستور قرآن وحدیث کے مطابق بنوانا چاہتے ہیں، وہ حکومت کو اقامۃ صلوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ادارہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہی اسلامی حکومت کی علت نافی ہے اور انہیں چیزوں کو قرآن نے مسلمانوں کی حکومت کا نشان بتلایا ہے۔

وَإِنْ مَكَانُكُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا
الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالمَعْرُوفِ
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔
اور اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار بخشیں تو
یہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکیوں کا
حکم کریں اور برائیوں سے روکیں۔

اور ایسا ہونے میں پاکستان کی موجودہ قیادت کو اپنی موت نظر آتی ہے۔ اپنی پسندیدہ تہذیب و تمدن کا گلا گھٹننا نظر آتا ہے اور ان منکرات کے لئے خطرہ نظر آتا ہے جن کے وہ دلدادہ ہیں اور جو ان کی زندگی کا جزو لا ینفک بن گئے ہیں۔ ملک کا دستور قرآن وحدیث کے مطابق ہونے کے بعد کاک ٹیل پارٹیاں جاری نہیں رہ سکتیں شراب کی ہدمستیاں جاری نہیں رہ سکتیں، طاؤس و رباب اور جام و سہو کے مشغلے جاری نہیں رہ سکتے عیش و طرب کی رنگ رلیاں باقی نہیں رہ سکتیں، مینا بانادوں کی جلوہ ریزیاں اور عشوہ طرازیں باقی نہیں رہ سکتیں، سیواؤں کی عریانیاں باقی نہیں رہ سکتیں، حوا کی جوان بیٹھیں کو سڑکوں، کلبوں اور ہوٹلوں میں لاکر ذریعہ تفریح نہیں بنایا جاسکتا اور ان سے ایچ پاسٹ کرا کے سلامیاں نہیں لی جاسکتیں۔ مختصر یہ کہ پاکستان کو لندن، پیرس اور نیویارک نہیں بنایا جاسکتا، جو ان کا فتنہ آرزو ہے اور جس کے بغیر ان کے نزدیک زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔

ضروری نہیں کہ پاکستان کا ہر امیر و وزیر ان چیزوں کا دلدادہ ہو مگر اس میں شبہ نہیں کہ اصل زمام کار جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے ان کا مذاق و مزاج اسی قسم کا ہے۔ پھر یہ گنتی کتنے پند افراد ہی نہیں ہیں جو اپنے تحفظات کے لئے اہل دین کو دباننا چاہتے ہیں بلکہ ایک پورا کالہو راطبقہ ہے جس کا ان سے گٹھ جوڑ ہے، کیونکہ اُس کا اور ان کا مفاد بالکل ایک ہے یہ دراصل اسی طبقہ کے نمائندے ہیں اور نمائندگی کا پورا حق ادا کر رہے ہیں اور اس کے اور اپنے مشترک مفاد کے لئے ہر ناکردنی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور پھر یہ طبقہ صرف اسی سمت کو کشش برتتا ہے نہیں بے بلکہ اپنے بچاؤ کے لئے جتنے بھی معین وہ کر سکتا ہے

سب کر رہا ہے، ایک ہزار گروہ کا گروہ اُس نے اہل قرآن کے نام سے کھڑا کر دیا ہے جو حدیث و فقہ کے دفا تر پر پوری قوت سے گھن بجا رہا ہے کیونکہ ان دفا تر سے قرآن کی جو تشریحات اور اسلام کی جو تفصیلات، اس کا عملی و اعتقادی نقشہ اور اس کے حدود و قیود نکلتے ہیں اُن سے علماء کے پیش کردہ مذہبی نقشہ کی تائید و تصدیق ہوتی ہے اور یہ نقشہ اس طبقہ کی خواہشات کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے کہ اس نقشہ میں اس کی ان لُچپیوں کی بالکل گنجائش نہیں نکلتی، اور تیسری سمت سے کوشش یہ طبقہ ارباب حکومت کے تعاون سے خود کر رہا ہے، یہ کوشش ہے اپنے مذاق اور اپنی لُچپیوں کو متعدی کرنے کی تاکہ وہ اپنی قلت تعداد کی وجہ سے نکتہ بن سکے، اس دُم کٹی مومڑی کی طرح جو گن گشت نمائی سے بچنے کے لئے اپنے تمام ہم جنسوں کو دُم بریدگی کے ڈانڈ بھاتی پھرتی تھی، یا اُس کو زہ پشت انسان کی طرح جو خود کو طعنہ زنی سے بچانے کے لئے تمام انسانوں کے کو زہ پشت ہونے کے لئے دست بردا تھا۔

پس ایک طرف تو تہرج جاہلیہ کی تبلیغ کی جارہی ہے منکرات کو مرغوب بنانے کے لئے فلسفے بگھارے جارہے ہیں منطقیں جھاڑ دی جا رہی ہیں اور ان اوصاف کی بے محابا نمائش کر کے نو واردوں کی جھجک دور کی جارہی ہے اور اس مقصد کے لئے سوسائٹیاں قائم کی جا رہی ہیں، دوسری طرف ایک نیا اسلام ترتیب دیا جا رہا ہے جس میں رسول کی کوئی حیثیت نہیں، اس کے ارشادات کی کوئی وقعت نہیں، اُس کے اسوہ حسنہ کی کوئی اہمیت نہیں اور اس کی اطاعت کا کوئی سوال نہیں اور جب رسول ہی کچھ نہیں تو صحابہ کرام اور ائمہ دین کا تو سوال ہی کیا! اسلام کے اس جدید ماڈل میں نماز وہ نماز نہیں جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک کے مسلمان پڑھتے آئے ہیں اور وہ نماز نہیں جس کی صفت قرآن نے تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ بَیِّنَاتٍ لِّیْہِ، بلکہ عیسائیوں کی PRAYER جیسی ہے جس میں نہی منی منکر والمکر کی کوئی طاقت نہیں اور جس کا گر جا سے باہر کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اسلام عبادات پر کوئی زور نہیں دیتا کیونکہ جس طبقہ کے ایمان پر اس کی تربیت و تالیف کا کام کیا جا رہا ہے اُسے نہ صرف یہ کہ عبادات سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ وہ انھیں ایک وبال اور جہان بھجنا ہے، اور اس کی زندگی کے نقشہ میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اس سلسلہ میں اس نئے اسلام کو صرف اس منفی پہلو سے دلچسپی ہے کہ عبادات کا رائج نظام اور اس کے

کے خلاف ایچی میٹن شروع ہو گیا اور بدقسمتی سے بعض جوشیلوں اور جلد بازوں کی بدولت اور عوام کی دینی تربیت نہ ہونے کے باعث بلکہ اُس تربیت کے باعث جو انہیں تحریک پاکستان کے سلسلہ میں دی گئی تھی اس سلسلہ میں کچھ ایسی غلط باتوں کا ارتکاب ہو گیا جن سے اس طبقہ کے اُن نامندوں کو جو حکومت میں داخل تھے، اہل دین کو بدنام کرنے اور کھیلنے کا ایک بہانہ مل گیا اور اس موقع سے انہوں نے جی بھر کر فائدہ اٹھایا، پہلے تو طاقت کے استعمال سے عوام کو سرہیمہ کیا گیا۔ اور پھر علماء کے خلاف پروپیگنڈے کی ایک ہم چلائی گئی جس کے خاص خاص نعرے یہ تھے "ملا سے ہشیا رہو"، "ملا اقتدار کا بھوکا ہے"، "ملا کی حکومت سے اللہ کی پناہ"۔ اسلامی حکومتوں کو ہمیشہ ملا ہی نے تباہ و برباد کیا ہے۔ ان نعروں کے کتبائے آویزاں کئے گئے۔ انہیں زبانوں پر چڑھا کر ملک کی فضا کو علماء کے خلاف نفرت سے بھرا گیا۔ اس کے بعد ایک تحقیقاتی عدالت بنائی گئی جس کی کارروائیاں اور رپورٹ پڑھنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا واحد مقصد دین کے علمبرداروں کی تضحیک و تذلیل کے لئے مدلل مواد فراہم کرنا تھا۔ دنیا بھر کے غیر متعلق سوالات کئے گئے، جن کی نوعیت صاف شہادت دیتی ہے کہ یہ تنہا ان ججوں کے تیار کردہ نہیں ہیں بلکہ

کوئی معشوق ہے اس پردہ رنگاری میں

جو ان علماء کے کھلے ہوئے حریف کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کی زندگی کا مشن ہی دین اور علماء دین کی تضحیک ہے۔ اور بھجانے والوں نے پہچان لیا ہے کہ وہ کون ہے!

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کے بعد نفاذ اس بات کے لئے ہموار ہو چکی تھی کہ علماء کو مذہبی مجنوں، فساد ہی اور ملک دشمن قرار دے کر سیاسیات میں دخل دینے کی ممانعت کر دی جائے، اور صاف صاف اعلان کر دیا جائے کہ اس ملک میں اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس مغرب زدہ طبقہ کا ایک نمائندہ جب سکرٹریٹ سے ابھر کر وزارت داخلہ کی کرسی پر پہنچا تو اب تک کے سارے لاگ پلیٹ کو ختم کر کے اعلان کر دیا کہ پاکستان میں اسلامی حکومت کے قیام کا کوئی سوال نہیں، اس کے لئے جدوجہد کرنے والی ایک منظم جماعت کے لئے کراچی میں ارشاد ہوا کہ یہ جماعت اگر اپنی سرگرمیوں کو مذہبی معاملات تک محدود نہیں کرے گی تو اس کے ساتھ سختی سے پیش آیا جائے گا، اور لکھنؤ کے ہوائی اڈے پر اس نعرہ حق کو بلند کرنے والے تمام

علمائے متعلق شاعرانہ زبان اور نادر شائے انداز میں فرمایا گیا کہ ان سب کو چاندی کی کشتی میں لگا کر ہندوستان بھیج دوں گا

الغرض اب تک جو چیزوں میں تھی وہ زبان پر آگئی ہے نفاق کے پردوں میں جو کچھ نہاں تھا وہ عیاں ہو گیا ہے اور بلاشبہ یہ پاکستانی قیادت کی سچی ترجمانی ہے جو اسکندر مرزا صاحب نے کی ہے اور اس لحاظ سے اسکندر مرزا صاحب پاکستانی کا بننے کے سب سے زیادہ قابل قدر رکن ہیں کہ انھوں نے بات صاف صاف کہہ دی۔۔۔۔۔ لیکن ایک بات میں مرزا صاحب بھی اپنے اکابر ہی کی تقلید کر گئے، کیا اچھا ہوتا کہ وہ بات صاف ہی کہہ جاتے۔ انھوں نے اسلامی حکومت قائم کرنے کے سوال کو اس لئے غلط قرار دیا کہ تیرہ سو برس کے عرصہ میں کہیں دنیا میں اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی حالانکہ بات اگر وہ صاف صاف کہتے تو یوں کہتے کہ ہم نہیں چاہتے، اس لئے اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکتی اس بات کو خواہ کوئی برا سمجھتا مگر غلط قرار نہیں دے سکتا تھا بخلاف اس دلیل کے جو انھوں نے پیش کی کہ اس کو تو بجز اپنا جرم ہلکا کرنے کی کوشش کے اور کچھ نہیں سمجھا جاسکتا اس لئے کہ بحیثیت دلیل کے اس کا کوئی وزن نہیں!۔۔۔۔۔ اولاً اس لئے کہ یہ بات واقعہ کے اعتبار سے بالکل غلط ہے! انھوں نے شاید خلافت راشدہ اور اسلامی حکومت کو ہم معنی سمجھا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اسلامی حکومت تو مسلمانوں کی ہر وہ حکومت ہے جس میں اللہ و رسول کے احکام کو قانونی حیثیت حاصل ہو بخلاف خلافت راشدہ کے کہ وہ تو اس حکومت کا ایک انتہائی مثالی نمونہ ہے جس میں صرف اسلامی قانون ہی نافذ نہیں کیا جاتا بلکہ نبوت کی پوری نیابت کی جاتی ہے اور خلیفہ نبی کے ایک ایک قدم سے قدم ملا کر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔۔۔ یہ صورت یقیناً اسلامی حکومت میں زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکی مگر جہاں تک اسلامی قانون کو قانون مملکت کی حیثیت حاصل ہونے کا تعلق ہے تو یہ بات تو اُموی دور میں بھی رہی، عباسی دور میں بھی رہی اور عثمانی ترکوں کے دور میں بھی رہی! یہ الگ بات ہے کہ اس پر عمل پورہ ہو رہا یا نہیں۔ اگر نہیں رہا۔۔۔۔۔ اور میں تسلیم ہے کہ نہیں رہا۔۔۔۔۔ تو کون ہے کہ دیانت داری کے ساتھ کہہ سکے کہ اس میں اس قانون کا کوئی قصور تھا؟ یہ تو سب اس نظام حکومت میں ایک غیر اسلامی شی (ملوکیت) کا قلم لگنے کا طفیل تھا کہ یہ قانون اپنی پوری روح اور تمام وسعتوں کے ساتھ نافذ نہیں رہ سکا۔ اور آپ سے اس وقت

آن کر دن زدن فی علماء کا مطالبہ اس سے زیادہ کب ہے کہ آپ پاکستان کے آئین کے لئے قرآن مجید کو بنیاد تسلیم کر لیجئے تاکہ اس کی بنیاد پر مملکت کا قانون اسلامی قانون ہو سکے۔ رہا اس کو عمل میں لانے کا مسئلہ تو وہ پہلے ناقابل عمل تھا اور نہ اب ناقابل عمل ہے بلکہ یہ آن لوگوں پر موقوف ہے جن کے ہاتھ میں اس قانون کا نفاذ ہو! اگر وہ لوگ باہمت ہوئے تو یہ سن و عن نافذ ہوگا جیسا کہ پہلے ہوا ہے اور اگر کم ہمت، نفیس پرست اور بندگانِ میش و طرب ہوئے تو اس میں رخصتہ بڑیس گے جیسے کہ پہلے بڑے۔

الغرض اولاً تو یہ بات ہی غلط ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد پورے تیرہ سو برس کے عرصہ میں کسی حکومت کا آئین و قانون اسلامی نہیں رہا۔ دوسرے اگر یہ صحیح بھی ہو تو یہ آخر اس بات کی دلیل کیسے بن سکتی ہے کہ ہم بھی نہیں سکتا؟ اسکندر مرزا صاحب تاریخ سے ایسی کوئی ایک مثال پیش کریں کہ فلاں حکمران نے جہاں کہ اس کی حکومت کا قانون اسلامی ہو مگر تجربہ سے ثابت ہوا کہ یہ ناقابل عمل اور نامناسب ہے! ہمارا دعویٰ ہے کہ تاریخ کے تمام دفتر چھان لینے کے بعد بھی ایسی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس کے برعکس ہم آج بیسویں صدی میں ایک ایسے ملک کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں جس نے اسلام کے قوانین پر عملدرآمد شروع کیا تو ہندوستان جیسی غیر اسلامی اور سیکولر اسٹیٹ کا وفد اس کے نتائج دیکھ کر انگشت بندہ رہ گیا اور اس نے اپنے ملک میں آکر بے ساختہ اس تاثر کا اظہار کیا کہ ہم نے اس فتنہ و فساد سے بھری ہومی دنیا میں ایک گواہ اس و امان دیکھ لیا ہے۔ یہ ملک سعودی عرب ہے!

اسلامی نظامِ حکومت تو خیر صدیوں تک اس دنیا میں قائم رہ چکا ہے اور نہ صرف قائم رہ چکا ہے بلکہ اس کا آئیڈیل تک عالم وجود میں آچکا ہے اور یہ فخر تھا نظامِ اسلامی ہی کو حاصل ہے ورنہ دنیا میں جتنے بھی نظامِ فلاں الہامی کے لئے پیش کئے گئے ان کا آئیڈیل ہمیشہ پیش کر لئے والوں کے تصور ہی میں رہا تصور سے نکل کر عالم وجود میں کبھی نہیں آسکا۔ آج بھی کمیونزم اور جمہوریت جو ساری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اپنے آئیڈیل کا چہرہ دیکھنے کے لئے ترستے ہیں اور یقین ہے کہ عمر بھر ترستے ہی رہیں گے۔ پس ایک ایسے نظام کا تو سوال ہی کیا یہ دلیل تو کسی ایسے نظام کے مقابلہ میں بھی غلط ہے جس کا سرے سے کبھی وجود ہی نہ ہوا ہوا اور وہ محض عالم تخیل میں ہو۔ اور

اگر یہ دلیل کوئی دلیل ہوتی تو دنیا میں کسی شخص کو کوئی نئی بات پیش کرنے کی کبھی جرات نہ ہوتی اور انسان ترقی کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ خواہ یہ مانا جائے کہ تیرہ سو برس کے بیشتر حصہ میں زمین کے ایک بڑے حصہ پر اسلامی قانون کو قانون حکومت کی حیثیت حاصل رہی اگرچہ اس پر پورا عمل نہیں ہوا یا یہ مانا جائے کہ خلافت راشدہ کے بعد کسی حکومت کا دستور و قانون اسلامی نہیں رہا۔ ان دونوں میں سے کوئی بات بھی اس نتیجہ پر نہیں پہنچاتی کہ اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکتی، یہ نتیجہ تو جب صحیح ہو سکتا ہے جبکہ کچھ مثالیں اس قسم کی پیش کی جائیں کہ فلاں حکومت نے اپنا دستور و قانون اسلامی بنانا چاہا مگر وہ ناکام رہی یا اس پر عمل درآمد کیا گیا تو عوام نے اسے اپنے لئے مضر اور ناقابل قبول قرار دیا۔ مگر اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا، نہ کسی حکومت نے نیک نیتی کے ساتھ ارادہ کرنے کے بعد قرآن و حدیث کو ناقابل عمل پایا اور نہ اس کے عوام نے اسلامی قانون کو ناقابل قبول قرار دیا بلکہ ہمیشہ اس کے لئے اپنی آغوشِ داکر دی اور علی الراس اولین کہہ کر استقبال کیا۔ البتہ ایک چھوٹا سا گروہ ضرور ایسا نظر آتا ہے جس کے حلق سے اسلامی قانون نہیں اترتا تھا کیونکہ یہ قانون اس کی ناجائز خواہشات کی راہ میں سنگ گراں تھا، یہی گروہ تھا جس نے عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہر کا پیا لہ پلا کیونکہ انھوں نے ساڑھے سال کے بعد حکومت میں پھر خلافت راشدہ کا رنگ بھرتا تھا اور اس گروہ کی ناجائز خواہشات کا راستہ بند کر دیا تھا اور آج بھی یہی گروہ ہے جو سکتہ مرزا جیسے لوگوں کی شکل میں مسلمانوں میں موجود ہے جو سمجھتا ہے کہ اسلامی دستور اور اسلامی قانون اس کی ناجائز خواہشات کے لئے موت کا پیغام ہے! پہلے زمانہ کے اس گروہ نے جو خاندان خلافت اور امرِ پرست تھا، اسلامی قانون کی کوئی مخالفت نہیں کی بلکہ صرف اُن افراد کو ہٹانا کافی سمجھا جو اس قانون کو اس کی پوری روح کے ساتھ نافذ کرنا چاہتے تھے کیونکہ مطلق العنانی کے اس دور میں یہ بات آسان تھی کہ ملک کا قانون تو اسلامی رہے مگر اصحاب اقتدار اپنی برائیوں سے زندگی میں اور اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے جو چاہیں کریں وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہ تھے مگر اس زمانہ کا یہ گروہ جانتا ہے کہ اب صورت حال مختلف ہے مطلق العنانی کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب عوام کا ایک ایک فرد حکمران کی زندگی کا احتساب کر سکتا ہے، الیکشن کے ذریعہ

ہر چند سال بعد حکومت کو بدلا جاسکتا ہے اس لئے وہ سرے سے اسلامی دستور اور قانون ہی کا راستہ روکنا چاہتا ہے، مگر دلائل کی طاقت سے محروم ہونے کی بنا پر اس قسم کی لچر اور مخالطہ آمیز باتیں کہہ کر اپنے رویہ کو حق بجانب ثابت کرنا چاہتا ہے کہ تیرہ سو برس میں کہیں اسلامی حکومت قائم ہوئی بھی ہے اور جب ان باتوں سے کام چلتا نہیں دیکھتا تو لفظ قوت میں رہوش ہو کر تشدد کی دھمکیاں دینے لگتا ہے اور کچھ الزامات تراش کر اپنے اس آخری ہتھیار کو استعمال کر ڈالتا ہے۔

ہم نے اسکندر مرزا صاحب کی دلیل پر جو کچھ کہا ہے وہ اس خیال کی بنیاد پر کہا ہے کہ وہ خلافت راشدہ کے قرآنی حکومت ہونے سے انکاری نہیں ہیں اور تیرہ سو سال سے ان کی مراد اس کے بعد سے ہے لیکن اگر ان کے انکار میں خلافت راشدہ کا دور بھی داخل ہے جیسا کہ اکثر حضرات نے سمجھا ہے تو پھر کچھ بعید نہیں کہ کل کو اگر انہیں کوئی دن میں شراب نوشی کرتے ہوئے دیکھے اور کہے کہ حضرت آپ نے تو فرمایا تھا کہ میں سچا مسلمان ہوں اور غروب آفتاب سے قبل کبھی شراب نہیں پیتا، تو وہ جواب میں کہہ دیں کہ اس دنیا پر کبھی آفتاب طلوع ہوا بھی ہے؟ یقیناً وہ اتنے جرمی ہیں کہ دن کو رات اور رات کو دن، سپید کو سیاہ اور سیاہ کو سپید کہیں اور دھمکی کے نشہ میں سمجھ لیں کہ حقائق ان کی زبان کے تابع ہیں۔ اس موٹو کا آدمی قطعی طور پر مرفوع القلم ہے اور ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس کی کسی بات کا نوٹس لیا جائے اور اسے کوئی سنجیدہ جواب دیا جائے۔

کابلی ابھی بریس گئی نہیں تھی کہ یہ خبر ملی کہ مصر میں اخوان المسلمون کے کسی افراد اسی طبقہ کی خواہشات کی بھینٹ چڑھا دے گئے ہیں جس کی نائندگی پاکستان میں جنرل اسکندر مرزا وغیرہ کرتے ہیں۔ مصر کے حالات یہ تو اگر موقع ملا، ہم انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں اظہار خیال کریں گے اس وقت صرف اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ خون انشاء اللہ رائیگاں نہیں جائے گا اور اگر اخوان نے کرنل ناصر کے اس بھڑبھڑاؤ کو نبھال لیا تو عالم اسلامی کے سرے اسلام دشمن قیادت کی لعنت ضرور ختم ہو کر رہے گی۔ عالم اسلامی کی سب سے بڑی نحوست اس کا یہی برسرِ اقتدار طبقہ ہے جس کے گلے سے اسلام تو اترا نہیں مگر وہ مسلمان قوموں کی قیادت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

قرآنی دعوت

— ۱۵ —

خداوندی ہدایت کی اطاعت پیروی۔

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ خدا کی خدائی کو جان لینے اور بندوں کی ہدایت کے لئے اُس کے قائم کئے ہوئے سلسلہ رسالت کو مان لینے اور اُس پر ایمان لے آنے کے بعد خود بخود بندہ کے لئے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے متعلق یہ اصولی فیصلہ کر لے کہ اس دنیا میں مجھے اللہ کے احکام اور اُسکی نازل کی ہوئی ہدایت کا مطیع اور تابع رہ کر ہی زندگی گزارنا ہے۔ لیکن قرآن مجید صرف اس لزوم پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ مستقل طور سے اس اصل کی بھی دعوت دیتا ہے اور پوری تاکید کے ساتھ جا بجا اسکی مطالبہ کرتا ہے کہ انسانوں کو چاہیے کہ وہ خدا کی ہدایت اور اس کے احکام (جو پیغمبرِ وقت کے ذریعہ اسکی طرف سے آئیں ان کی) پیروی کو زندگی کا اصول بنائیں اور اس کے سوا کسی کو اطاعت پیروی کے قابل نہ سمجھیں، نجات و نلاح کی یہی راہ ہے اور اس کے سوا ہر راستہ ہلاکت کا راستہ ہے۔

سورہ انعام میں فرمایا گیا:-

قُلْ اِنْ هَدٰى اللّٰهُ فَمَا لَمْ يَكُنْ لَّهٗ سُلٰكٌ ۙ
وَمَا جُزَاۤءُ النَّاسِ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝
(انعام - ۹۷)

اے پیغمبر آپ میرے بندوں کو بتائیے کہ اللہ

کی اناری ہوئی ہدایت ہی زندگی کی صحیح راہ ہے اور ہم سب کو حکم ہے کہ پروردگار عالم کی نیکبازی کریں۔

اور سورہ اعراف کے بالکل شروع میں فرمایا گیا:-

اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ وَّحْيٍ ۚ
وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اَوْثَانَ ۚ
اس ہدایت کی پیروی کرو جو اناری گئی ہو تمہارے

پروردگار کی طرف اور اس کے سوا اور آثار کی پیروی

نہ کرو (کیونکہ بیشکی آقا اور آپ صرت وہی ہے)

(اعراف - ۱۷)

اور سورہ زمر میں ارشاد ہوا :-

وَأَسْبِغُوا لِي دِيْنَكُمْ وَاسْلِمُوا لِي
مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ الْعَذَابُ فَتُلَاحِظُوا
نُصْرَتِي ۚ وَأَنْتُمْ أَصْحَابُ الْأَنْزِلِ
إِلَيْكُمْ ۚ مِنْ دِيْنِكُمْ مَنِ الْقَبْلُ أَنْ يَأْتِيَكُمْ
الْعَذَابُ بَغْتَةً وَتَنْتَهُوا تَشْهَدُونَ ۚ
(ذمر - ۶۷)

یہ تو خداوندی ہدایت کے اتباع کی تاکید تھی (نیز قرآن مجید میں ان آیات کے علاوہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول) یا ان کے ہم معنی الفاظ میں بھی جا بجا اس کا مطالبہ کیا گیا ہے
اب اسنے اور زمانے والوں کا انجام بھی قرآن ہی کی زبان سے منبے ہوا۔
سورہ فتح میں ارشاد ہے :-

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُفْضِلْهُ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّى يَعْذِ
بِهِ عَذَابًا أَلِيمًا (الفجہ - ۲۷)
جو لوگ مکبر و اداری کریں گے ارشاد و اس کے
رسول کی اور طیعیں گے ان کی ہدایت پر انکو پہنچا بیگا
اللہ ان آشتی بانات میں جن کے نیچے نرس جاوگا
ہیں اور جو نہ اس کے اور رسول کی اس راہ سے مرکب طیس گے انکو اللہ تعالیٰ اس برہم کی دردناک سزا دیگا۔

اور دوسری جگہ ماننے والوں کے متعلق فرمایا گیا :-

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ
فَوْزًا عَظِيمًا (احزاب - ۶۷)
اور جو لوگ تابعداری کریں اللہ اور اس کے رسول کی
تو انھوں نے بڑی کامیابی حاصل کی۔
اور سورہ نسا میں اس بڑی کامیابی (فوز عظیم) کی تفسیر و تشریح یہ فرمائی گئی :-

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ
الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ الَّذِينَ
الصَّادِقِينَ وَالشَّاهِدِينَ وَالصَّالِحِينَ وَحَسَنَ
أُولَٰئِكَ رِيقًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ
اور جو بندے فرمانبرداری کریں اللہ اور اس کے
رسول کی تو وہ اللہ کے ان خاص بندوں کے
ساتھ ہوں گے جن پر اس کا خصوصی انعام ہے
یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین اور

وَكَلَّمَ بِاللَّهِ عَلَيْهِمَا

کیا اچھے ہیں یہ نین۔ یہ ان بفضل ہوگا اللہ کی

(النساء - ۹۷)

طرف سے اور اللہ کافی ہو جانے والا۔

اور ان ہی خوش نصیب بندوں کے متعلق جنہوں نے ہر طرف سے سرخ موز کے اور دنیا کے سارے طریقوں
پھوڑ کے اللہ کی ہدایت کی پیروی ہی کو اپنا اصول زندگی بنالیا ہو، سودہ تہمین میں ذکر فرمایا گیا کہ اللہ کے وہ
خاص خاص مقرب فرشتے (حاملین عرش و من جوئے) جنہیں بارگاہ خداوندی میں ہمہ وقت حاضری نصیب ہوتی ہے
وہ اللہ کی حمد و تسبیح کے ساتھ ان بندگان خدا کے لئے بلکہ ان کے طفیل میں ان کے آباء و اجداد اور یوی پتوں کے
لئے بھی ہر دم دعا لئے خیر کرتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان کی اس دعا کے الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں
پڑھے اور بار بار پڑھے !!

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا
فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ
وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ رَبَّنَا وَادْخُلْنَاهُمْ
جَنَّاتٍ مِنْ إِبْرَاهِيمَ الَّتِي وَعَدَ لَهُمْ وَمَنْ
صَلَّاهُ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَدْخِلْهُمْ
ذُرِّيَّتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ يَنْصِبْ
يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْنَاهُ وَذَلِكَ هُوَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (المومن - ۸۱)

لئے پروردگار تیرا علم اور تیری رحمت ہر چیز کو
محیط جو، پس تو اپنے ان بندوں کی مغفرت
فرا دے جو تیری طرف رجوع ہوئے اور انہوں
نے تیری ہدایت کی پیروی کی اور تیری تابی
ہوئی راہ پر چلے اور ورنہ کے عذاب سے
ان کو بچالے، اے پروردگار اور ان غیر فانی
جنتوں میں ان کو پہنچا دے جن کا تو نے ان کے
وعدہ کیا ہے اور ان کے ان باپ اور ان
کے یوی پتوں میں سے جو کبھی اچھے ہیں ان کو
بھی ان کے ساتھ جنت میں رکھ، تو زبردست حکمت والا ہے اور تکلیفوں اور برائیوں سے ان کو
بچا اور قیامت کے دن جن کو تو نے تکلیفوں سے بچایا تو ان پر تیری رحمت ہوئی اور یہ ان کی
بڑی کامیابی ہے۔

گو یا اللہ کہ یہ بلند مرتب مقرب فرشتے مامور ہیں کہ اللہ کی بندگی اور اس کی حکمرانری والی زندگی
گزارنے والے بندوں کے حق میں یہ دعا کے خیر اللہ کے حضور میں کرتے رہیں۔ اور ظاہر ہو
کہ جس اللہ نے انہیں اس دعا پر مامور فرمایا ہے اور اپنی حمد و تسبیح کے ساتھ اس دعا کے خیر کو ان کا

وظیفہ بنایا ہے وہ انکی اس دعا کو قبول فرمائے گا، بلکہ قرآن مجید میں یہ دعا اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ کے جو بندے اللہ کی بندگی مالتی زندگی گزارتے ہیں اور اس دنیا میں اس کی ہدایت کیے پابند ہو کر رہتے ہیں اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ اُس نے اپنے مقرب ترین فرشتوں کو ان کا دعا گو بنا دیا ہے اور ان کے لئے دعائے خیر کرنا اپنی حمد و ستیج کی طرح ان کا وظیفہ مقرر فرما دیا ہے

اور اس کے برعکس جو بے نصیب بندے اللہ کی ہدایت اور اُسکی نازل کی ہوئی شریعت کے بجائے اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں ان کی محرومی اور بربادی کا اعلان قرآن مجید میں ان الفاظ میں فرمایا گیا۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بَعِيْرٌ
هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ ۝
(تقصص ۶-۵)

اور ان سے زیادہ گمراہ اور بھٹکا ہوا کون ہے جو اللہ کی ہدایت سے ہٹ کر اپنی خواہشات کی پیروی کریں، اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اور سورہ فرقان میں فرمایا گیا۔

اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ الْاِلٰهَةَ هَوٰٓا۟هٖ
اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝
اَمْ يَتَخَسَّبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَنْفَعُوْنَ
اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۝ اِنْ هُمْ اِلَّا
كَا۟لَا نَعَامٍ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝
(الفرقان ۲۴-۲۳)

ذرا اُن بے نصیبوں کو دیکھو جو (خدا کی بندگی اور اُس کی ہدایت کی پیروی چھوڑ کر اپنی خواہشات نفس کے پرستار ہو گئے ہیں، کیا تم اُن کو سمجھنے والے کا ذمہ لے سکتے ہو (وہ ہرگز درست نہ ہوں گے) کیا تمہارا خیال ہے کہ ان میں سے بہت سے کچھ سمجھتے اور سمجھتے

ہیں، نہیں وہ تو بس لایعقل جانوروں کی طرح ہیں بلکہ وہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

اسلام میں نبوت کا تصور

(از ڈاکٹر محمد مصطفیٰ صاحب قدوائی ایم اے پی ایچ ڈی)

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ
 (اے محمد) کہدو کہ میں تمھاری ہی طرح ایک بشر ہوں،
 (فرق صرف یہ ہو) کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ (القرآن: نجم السجدہ)



دنیا کو وجود میں لانے کے بعد اس کی ہدایت ضروری تھی، اس کے لیے خدا نے اپنے پاکیزہ اور مقبول بندے بھیجے۔ ان سچے اور اچھے لوگوں کو پیغمبر یا نبی یا رسول کہتے ہیں۔ خدا ان کو تعلیم دیتا تھا اور یہ خدا کی تعلیم دوسرے انسانوں تک پہنچاتے تھے۔

آج دنیا میں سچائی اور نیکی کی جو بھی شاخیں پائی جاتی ہیں وہ ان ہی انبیاء کی عطا کی ہوئی ہیں۔ خدا کی عظمت کا احساس، اچھے بُرے کی تیز، عدل و انصاف کی قد، حتیٰ کہ آزاد خیالی، بے دین اور ملحد لوگوں کی نیکو کاری بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ ان ہی کی برکتوں کا پرتو ہے۔ یہ دوسری بات ہو کہ اے محسوس نہ کیا جائے یا اس کا اعتراف نہ کیا جائے۔

تمام انبیاء اپنے عہد کے بہترین انسان تھے۔ خدا ان سے راضی تھا اور وہ خدا سے راضی تھے۔ اور اگرچہ بشریت میں وہ عام انسانوں ہی کی طرح تھے، مگر باطن اور معنویت میں بہت بلند تھے۔ امام غزالی نے نبوت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے، معراج القدس، میں لکھا ہے کہ ”نبوت انسانیت کے رتبہ سے بالاتر ہے۔ جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے۔“ امام موصوت علیہ الرحمہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ نبوت ”عطیہ الہی اور مہربت ربانی ہو اور سہی و محبت و کسب و تلاش سے نہیں ملتی“

۱۵! خود از سیرت الہی، جلد چہارم صفحہ ۴۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اللَّهُ يَعْلَمُ مَعَيْتُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ
 (القرآن: الانعام)
 "اللہ بہتر جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی
 پیامبری کا منصب بنائے۔"
 ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ
 (القرآن: جمعہ)
 "یہ نبوت، خدا کا فضل ہو وہ جس کو
 چاہے دے۔"

نبی کا مقام مصلح اور مفکر کے مقام سے اعلیٰ اور ارفع ہے، تمام انبیاء پاکیزہ اور معصوم، گناہوں
 سے دور اور خطاؤں سے محفوظ تھے۔ ان کے سپرد گونا گواروں کی رہنمائی تھی، اگر وہ خود بھی گنہگار ہو سکتے
 تو اس سعادت کے کیسے مستحق ہو سکتے تھے؟ اس کے برعکس اگر کسی مصلح یا مفکر کے دامن پر مصیبت کے
 دھبے بھی ہوں تب بھی اس کے منصب میں کوئی فرق نہیں آتا، مثلاً ایک جید فلاسفر اور تربیت کے علمبردار
 کی حیثیت سے سفر کا طویل ہمیشہ ہوتی رہی ہو اور ہوتی رہے گی۔ اگرچہ اس کی جنسی زندگی بہت مکروہ تھی۔
 قرآن مجید میں بلا تفریق تمام انبیاء کی عفت کا اعلان کیا گیا ہو۔ اور ان تمام شرمناک
 باتوں کو قلمزد کیا گیا ہے جو تورات، انجیل اور اکثر دوسری کتابوں میں ان معصوموں سے منسوب کی گئی ہیں۔
 وَكَلَّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ
 "ان میں سے ہر ایک کو ہم نے صالح
 بنایا۔" (القرآن: انبیاء)

كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ (انعام)
 "یہ سب صالحوں میں تھے۔"
 وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى
 صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (انعام)
 "اور ہم نے ان کو برگزیدہ کیا اور سیدھی
 راہ پر چلایا۔"

دوسرا فرق یہ ہو کہ مصلحوں اور مفکرؤں کے برخلاف انبیاء اپنے تمام افعال میں ہدایت ربانی
 کے تابع ہوتے تھے۔ نہ خود ان کی کوئی مرضی تھی نہ ارادہ اور وہ دہی کہتے اور کرتے تھے جس کا انھیں
 خدا کی طرف سے حکم دیا جاتا تھا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ
 اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ
 (القرآن: نجم)
 "اور وہ اپنی خواہش نفسانی سے کلام نہیں
 کرتا بلکہ وہی کہتا ہے جو اس کے خدا کی طرف سے
 کہا جاتا ہے۔"

خدا اور انبیاء کے درمیان پیام رسانی اور سفارت کا کام عموماً فرشتوں کی وساطت سے ہوتا تھا۔ خدا کے یہ فرمانبردار قاصد ایک اطاعت شعار اور بے اختیار محکوم کی طرح خدا کے احکام اس کے پیغمبروں تک پہنچاتے تھے۔

بَابِ دِي سَفَرَةٍ كَرَامَ بَرَدَه
 (القرآن: عبس)
 "ایسے کھنڈے والوں کے ہاتھوں جو کریم
 اور برگزیدہ ہیں۔

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ فِيمَا أَمَرَهُمْ
 وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ
 (تحریم)
 اللہ جو ان کو حکم دیتا ہے وہ اس میں
 نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہی کرتے ہیں۔
 جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہو۔

ان احکام کو وحی کہتے ہیں :

'سان العبر' میں وحی کے معنی حسب ذیل بتائے گئے ہیں: "اشارہ کرنا، کھنا، پیغام
 دنیا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم دوسرے کے خیال میں ڈالو" یعنی منہ سے لفظ نکالنے وغیرہ
 ایک شخص کا دوسرے شخص کو اپنا مفہوم سمجھا دینا اور اگر الفاظ ہوں تو وہ اس قدر پوشیدہ ادا ہوں کہ
 کوئی دوسرا نہ سن سکے! لیکن دینی اصطلاح میں لفظ 'وحی' کا اطلاق صرف ان باتوں پر کیا جاتا ہے
 جو خدا اپنے پیغمبروں پر اتارا کرتا تھا۔

ان آسمانی ہدایتوں میں کوئی نبی اپنی طرف سے رد و بدل نہیں کر سکتا تھا۔
 اور بفرض محال اگر کوئی نبی خدا کی طرف کبھی کسی ایسی بات کے منسوب کرنے کا ارادہ بھی کرتا
 جو اس کی طرف سے نہ ہوتی تو قبل اس کے کہ وہ اس پر عمل کر سکتا خدا اس کی زندگی ہی کا خاتمہ کر دیتا۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ
 لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۚ لَئِنْ لَمْ يَرْفَعْنَا يَمِينَهُ
 لَأَوْرَثْنَاهُ خَلْفَهُ مِمَّنْ أَحَدَ عَنْهُ
 حَاجِزِينَ ه (القرآن: حاقہ)
 "اور اگر وہ کوئی جھوٹ اپنی طرف سے
 ملا کر کہتا تو ہم اس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور
 اس کی گردن کی شترگ کاٹ ڈالتے پھر
 تم میں سے کوئی اس کو ہم سے بچا نہ سکتا"

وہمنوں کے شراد فتنہ سے بھی خدا اپنے نبیوں کی حفاظت کرتا رہتا تھا، اور ہر حال میں ان کی
 دیکھیری فرماتا تھا، تاکہ شیاطین، خواہ دوسروں کی شکل میں خواہ جتن دامن کی صورت میں انکو گمراہ نہ کر سکیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ
لَهَمَمْتَ طَافَةً مِنْهُمْ لَيُضِلُّوكَ
وَمَا يَضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا
يُضِرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ

”اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا
تو ایک گمراہ نے تجھے گمراہ کرنے کا ارادہ
کر لیا تھا، اور وہ گمراہ نہیں کریں گے لیکن
خود اپنے کو اور تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا
سکیں گے۔“ (القرآن: ناز)

انبیاء کے سامنے نہ جاہ طلبی ہوتی تھی نہ حُب مال، اپنی حدیث المثال خدمت کے مواضع میں وہ
عزت، شہرت، طاقت، حکومت، مال اور دولت کے بجائے لوگوں سے تقویٰ اور پرہیزگاری
ہی مانگتے تھے۔ ان کا کام محض اللہ کے لیے تھا اور ان کا اجر بھی تمام تر اللہ ہی کے پاس تھا۔

يَقُومُ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا وَاِنْ
أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي

”میں اپنی نصیحت کی تم سے اجرت
نہیں مانگتا، میرا اجر تو اس پر ہے جو
مجھے پیدا کیا۔“ (النزاع: ہود)

وَيَقُومُ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا
إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ

”میں اپنی تبلیغ کے عوض میں تم سے مال و
دولت کا خواہاں نہیں ہوں، میرا اجر
تو بس خدا کے پاس ہے۔“ (البیضا)

سب سے بڑا فرق شخصیت اور منصب کی جامعیت کا ہو، مصلح کا فرض تو م میں ایک اُردھ صلاح
جاری کر کے ختم ہو جاتا ہو، مفکر کا کام فکر کی انجمن میں نہیں سمیٹیں روشن کرنا ہو اور بس۔ لیکن نبوت حیات
انسانی کے تمام گوشوں کی احاطہ گیر ہوتی ہو، یہ بات بھی دنیا نے پیغمبر اسلام کی وساطت سے جانی۔ بیڑوں
کے دہان نبوت کے معنی پیشینگوئی کے تھے۔ نبی وہ صرف اس کو کہتے تھے جس کی بابت اطلاع بالغیب
کا عقیدہ رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کی دعائیں اور بددعائیں اثر کر جاتی ہیں۔ اسی اصول کی بنا
پر وہ اکثر جلیل القدر انبیاء کے مقابلہ میں کاہنوں کو زیادہ قابل احترام خیال کرتے تھے۔ انجیل میں
بھی نبوت کی کوئی صاف اور واضح تصویر نہیں پائی جاتی ہو، در نہ یہ نہ کہا جاتا کہ ”مجھ سے پہلے جو آئے
وہ چور اور داکو تھے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ انبیاء و اہل بیت (علیہم السلام) نذیر و ہشیار کرنے والے (داعی) خدا کی طرف بلانے والے، مبشر (خوشخبری سنانے والے) معلم (کھلانے والے) مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے والے) نور (روشنی) مبین (خدا کی صفات بیان کرنے والے) مرکز (پاک و صاف کرنے والے) حاکم (فیصلہ کرنے والے) مطاع (واجب اطاعت) آمر (حکم دینے والے) ناہی (منع کرنے والے) صاحب حکمت اور صاحب خلق عظیم تھے۔

اسلام سے پہلے ہر قوم اس دہم میں مبتلا تھی کہ وہی خدا کی محبوب اور مخصوص قوم تھی اور صرف اسی کی سرزمین روحانی پیشواؤں کا مسکن بننے کے لائق تھی۔ باقی تمام قومیں فیوض ربانی سے محروم تھیں، ہندو و آریہ ورت ہندوستان ہی کو دیتاؤں کی جنم بھومی سمجھتے تھے۔ زردشت نے ایرانیوں کے سما ساری دنیا کو راندہ درگاہ ٹھہرا دیا تھا، بنی اسرائیل خود کو خدا کا کتبہ سمجھتے تھے اور دوسری اقوام میں انبیاء کا مبعوث ہونا ان کے خیال ہی میں نہ آتا تھا، یہی حال عیسائیوں کا تھا، لیکن پیغمبر اسلام نے آکر بتایا کہ رنگ و نس اور زبان و وطن کی تفریقیں خدا کی نظر میں بے حقیقت ہیں۔ تمام قومیں اسی کی خلق کی ہوئی تھیں، سب کی فلاح اسے یکساں عزیز تھی، اس نے اپنے پیغمبر دنیا کے ہر گوشے میں بھیجے تھے اور کوئی قوم نور ہدایت سے محروم نہیں رہی تھی۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ (القرآن: یونس) "اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہوا جو"
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا (رخل) "اور ہم نے یقیناً ہر قوم میں ایک رسول بھیجا۔"

وَأَنَّ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا مَذْيِبٌ (فاطر) "اور کوئی قوم نہیں جس میں ایک ہشیار کرنے والا نہ آیا ہو۔"

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ہود) "اور ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی بولی میں بھیجا تاکہ وہ ان کو بتا سکے۔"

یہ سلسلہ نبوت پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا آخری پیغمبر یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا انبیوں کی مجموعی تعداد کا تعین مشکل ہے۔ قرآن میں بہت سے نبیوں کا تذکرہ پایا جاتا ہے، مگر یہ فہرست محض نمونہ کے طور پر ہے اور اس میں وہی نام گنائے گئے ہیں جن کے

اہل عرب یا ان کی ہمسایہ قومیں، یہود اور نصرانی پہلے سے واقف تھے۔ بعض مسلمان مصنفین نے پیغمبروں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی ہوئی ہے اور بعض نے اس سے کم۔ لیکن اس بارہ میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا احتیاط کے خلاف ہوگا، اسی طرح مختلف قوموں کی ان با عظمت ہستیوں کے نبی ہونے یا نہ ہونے کی بابت بھی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے، مگر ان کے نبی ہونے کا امکان ضرور ہے۔

ہم پر تمام انبیاء کا احترام فرض ہے، لیکن ہر قسمی سے اکثر مذاہب اس سلسلہ میں اپنے پیروں کی تنگ نظری کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہودیوں پر حضرت موسیٰ کے علاوہ کسی اور نبی کا اقرار ضروری نہیں ہے۔ ہندو تمام غیر ہندو انسانوں کو ملحد اور چنڈال سمجھ کر بھی بہترین ہندو رہ سکتے ہیں۔ مسیحی حلقوں میں تو گو باپیسر سلام کی تحقیر ہی بڑائی کی پہچان بن گئی ہے، غرض کہ عام طور پر، ایک مذہب کے ماننے والے اپنے دائرہ کے باہر کے کسی نبی کی عزت نہ تو قیصر ضروری نہیں سمجھتے ہیں، لیکن مسلمان ایسا نہیں کر سکتے۔ ان پر تمام انبیاء کی تعظیم ویسے ہی واجب ہے جیسے کہ خود اپنے نبی کی تعظیم، اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کچھ کو مانیں اور کچھ کو نہ مانیں۔

| | |
|---|---|
| ”میشک بر لوگ اللہ اور اس کے رسولوں | إِنَّ الْآدَمَ بْنَ نِيْكَفَرُوْنَ بِاَللّٰهِ وَ |
| کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ | دُسْلِيْهِ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفِرُوْا |
| اور اس کے رسولوں میں فرق کریں“ اور | بَيْنَ اللّٰهِ وَ دُسْلِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ نُوْمِنُ |
| کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کو | بِبَعْضٍ نُّظَلُّمٌ مِّبَعْضٍ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا |
| نہیں مانیں گے، اور چاہتے ہیں کہ اسکے | مَبْنٰى ذٰلِكَ سَبِيْلًا اَوْ لٰتُكْ هُمْ |
| بچ بچ کوئی راستہ نکالیں۔ وہی اوجھت | اَلْكُفْرُ وَنَ حَقًّا |

(القرآن: زمر)

بقول علامہ سلیمان ندوی ”کوئی شخص اس وقت تک مجھ ہی نہیں ہو سکتا جب تک وہ موسیٰ، عیسیٰ، نہ بن لے۔ اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک نہ نیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت، حقانیت، راست بازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے۔ اور یہ

لے بے برائی۔

یقین نہ کر سکا ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی طح ہر قوم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی سے سرفراز کیا ہو! ان کا ماننا ایسا ہی ضروری ہو جیسا کہ خدا کا ماننا ہے۔

— (۲) —

اپنے سارے فضائل و اوصاف کے باوجود انبیاء انسان ہی تھے۔ وہ خدا یا خدا کے بیٹے، یا خدا کے اوتار نہ تھے۔ دراصل انبیاء میں الوہیت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی تسلیم کر لینے کے بعد توحید اور نبوت کی حیثیت ہی مشتبہ نہیں ہو جاتی ہیں، اور خدا کی یکتائی کا تصور ہی مجروح نہیں ہو جاتا ہو بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے، اور ان کی زندگیاں ہمارے لیے کچھ زیادہ مفید نہیں رہتیں۔

مثلاً حضرت عیسیٰ کی سیرت کتنی پاکیزہ نظر آتی ہو، ان کی معصومیت اور بے نفسی، ان کے عفو اور درگزر، صبر و توکل اور حلم اور بردباری کا ہمارے اوپر کتنا اچھا اثر پڑ سکتا ہو، لیکن الوہیت کا رنگ بے گندہ کے بعد ان کا حسن ضائع ہو جاتا ہو۔

اگر اناجیل ہی کے بیان کو معیار قرار دیا جائے تو الوہیت کے معیار پر حضرت عیسیٰ کی زندگی عجیب حسرت ناک منظر پیش کرتی ہو۔ خدا اور بندوں کے اگے بے بس ہو، اس پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹیں۔ اس کی توبین ہو، اور وہ عاجزی اور لاپرواہی کا مرتفع بنا رہے! حدیث ہو کہ خدا ماننے کے بعد ان کے حیرت انگیز معجزے بھی بے حقیقت معلوم ہونے لگتے ہیں۔ کیونکہ ان خوارق کی قدر و قیمت صرف اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ ان کو بتائید غیبی ایک برگزیدہ انسان ہی کی برکات و کرامات سمجھا جائے، ورنہ قدرتِ خدا کی ان سے کیس زیادہ عجیب غریب باتیں تو دن رات نظر آتی رہتی ہیں۔

حضرت عیسیٰ کے صحیفہ حیات میں کوئی بات بھی تو نہیں ملتی جو اہل کلیسا کے اس دعوے کی تصدیق کر سکے کہ وہ حق مقررہ پر خدائے قادر و توانا گوشت اور خون کا لباس پہن کر ان کی ہیئت میں ظاہر ہوا تھا۔ عیسائی مبلغین اس سلسلہ میں اکثر ان کے معجزات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن صدور خوارق حضرت عیسیٰ ہی کا طرہ امتیاز نہ تھا۔ تمام انبیاء اس سے ممتاز ہوئے تھے۔ اور انجیل میں بھی دوسرے پیغمبروں کی بابت ایسی ہی باتیں بیان کی گئی ہیں کہ وہ مردوں کو زندہ اور لاعلاج مریضوں کو تندرست کرتے تھے۔ اور ان کی ضرب سے سمندر بھٹ جاتا تھا، وغیرہ وغیرہ تو کیا ان سب کو عیسائی حضرات خدا یا خدا کے

بیٹے یا خدا کے اوتار ماننے پر تیار ہیں؟

علاوہ ازیں، کسی نبی کو خدا یا خدا کے اوتار کا مقام دینے کے بعد اس کی زندگی ہمارے لیے نمونہ اور مثال کے کام کی نہیں رہتی، کیونکہ ہم بہر حال اسی کی اقتدا کر سکتے ہیں جو قوت و اختیار کے معاملہ میں ہمارے ہی جیسا ہو، یا دوسرے لفظوں میں ہم اُسی کے نقش قدم کو خضرِ پامال بنا سکتے ہیں جس کے قدم ہم سے مختلف نہ ہوں، مختلف شخص مخلوق ہم کو مرعوب تو کر سکتی ہو مگر رہنمائی اور رہبری نہیں، اور نہ وہ ہمارا آئیڈیل بن سکتی ہو۔ مثلاً شیر یا لمعتی ہم کو سہا سکتے ہیں، خود زندہ کر سکتے ہیں، حیرت میں ڈال سکتے ہیں، اور کبھی کبھی پسندیدگی اور رشک کے جذبات بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم ان کو اپنا ہیرو بنانے سے معذور ہیں۔ کیوں کہ ہم لاکھ چاہیں شیر یا لمعتی بنا ہمارے امکان میں نہیں ہو۔

آئیڈیل یا ہیرو کا تعین کسی ایک ذات میں وہ تمام اچھائیاں جمع کر کے جو مختلف افراد میں نظر آتی ہیں اور اس میں سے تمام برائیاں خارج کر کے کیا جاتا ہو تاکہ وہ اپنے سمجھوں میں نمونہ اور مثال کا کام دے سکے۔ اوتاروں میں چونکہ ایسی طاقتیں یقین کی جاتی ہیں جن پر دوسرے انسانوں کو قدرت نہیں ہوتی اسلئے انھیں منہما ہے انسانیت یا انسانوں کے آئیڈیل یا ہیرو بنالینا درست نہیں ہو سکتا ہو۔ انسان عملاً اپنی زندگی ان کے نمونہ پر ڈھالنے سے ہمیشہ معذور رہے گا۔

انبیاء و انسانوں میں بسوٹ ہوتے تھے اور ان کے سپرد انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت ہوتی تھی ان کی دعوت کی کامیابی کے لیے یہ لازمی تھا کہ وہ تمام تر بشری ہوتے اور زندگی کے نشیب و فراز سے گزرنے کے لیے اور مختلف دشواریوں کو عبور کرنے کے لیے وہ وہی تدبیریں اور وسیلے استعمال کرتے جو نوع انسانی کا خاصہ ہیں۔

خدا کے رسولوں کی بُرائی کا انحصار ان کے کائنات پر متصرف ہونے اور طرح طرح کے معجزے دکھانے پر نہیں بلکہ لوگوں میں حق اور غیر حق کی تیز پیدا کر کے ان کی روحانی اور اخلاقی سطحوں کو بلند کرنے میں ہو۔ معجزات سے معارض کو لا جواب اور خاموش کیا جاسکتا ہو۔ لا جواب اور خاموش کر کے ہم دشمنوں کو زیر تو کر سکتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں تسکین اور تشفی پیدا کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہو تسکین اور تشفی کے لیے اتحاد جنسیت ضروری ہو۔ یہی چیز دلوں کو کھینچتی ہو، اضطرابی اور عارضی طور پر نہیں، بلکہ عاداتاً و مستقلاً، اور ان میں نیکی اور سچائی کے عناصر پیدا کرتی ہو۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

موجب ایساں بنا شد معجزات
 بوئے جنسیت کُند جذب صفات
 معجزات از بہرِ قسب دشمن است
 بوئے جنسیت سوئے دل بُردن است
 تھر گرد و دشمن آتا دوست نے
 دوست کے گرد پرستہ گردنے

اسلام سے پہلے انبیاء کو غیر از بشر سمجھنے کا عام دستور تھا۔ ان کی بابت انسانوں کے بجائے انسانوں کے بھیس میں خدایا فرشتہ ہونے کا عقیدہ رکھا جاتا تھا۔ اور یہی غلط تصور لوگوں کو ان پر ایمان لانے سے روکتا تھا۔ قرآن مجید نے اس کی نفی کی۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ
 جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا
 أَبْعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۚ قُلْ
 لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يُنْشِقُونَ
 الْمُطْمَئِنِّينَ لَنَرَيْنَا عَلَيْهِم مِّنَ
 السَّمَاءِ مَلَكَاتٌ رَسُولًا
 ”ہریت آجیلنے کے بعد لوگوں کو اس کے
 قبول کرنے سے اس کے علاوہ کوئی امر
 مانع نہیں ہو کہ وہ کہتے ہیں کہ خدانے
 ایک بشر کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔
 ”کہہ دو کہ اگر زمین پر فرشتے لیتے ہوتے
 تو البتہ ہم کسی فرشتے ہی کو ان کے پاس
 رسول بنانے بھیجتے۔“

(القرآن: بنی اسرائیل)

یعنی رہبری اور قیادت کے لیے اشتراک جنسیت ضروری تھا۔ چنانچہ تمام انبیاء اپنے تمام جسمانی خصال، یعنی جینے، مرنے، بیمار پڑنے اور صحت یاب ہونے، کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے، صورت نکل، ہاتھ پاؤں، وغیرہ کے اعتبار سے خالص بشر ہی تھے۔

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ
 الطَّعَامَ ۚ وَمَا كُنَّا خَالِدِينَ فِيهِ
 ”ہم نے ان کا جسم ایسا نہ بنایا تھا کہ وہ
 کھانا نہ کھائیں، اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے
 والے بھی نہ تھے۔“

(القرآن: الانبیاء)

”اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے تھے

نوحی الیہم من اهل القرۃ

وہ بشر ہی تھے آبادیوں کے رہنے والے

(القرآن: یوسف)

ہم ان پر وحی کرتے تھے۔

یہ ہدایت دراصل نبی نہ تھی، لیکن نبوت کا مافوق الفطرت تصور اتنا قوی تھا کہ ہر نبی کو اس کا ازبوت

سامنا کرنا پڑتا تھا، حضرت نوح علیہ السلام پر بھی ان کی قوم کی جرح ہی تھی کہ

مَا مَنَّاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

"ہم تو تجھے اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے

(القرآن: ہود)

ہیں۔"

اور جواب میں انھوں نے یہی فرمایا تھا کہ

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ

"میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے قبضہ

اللہ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا

میں خدا کے خزانہ ہیں، نہ یہ کہتا ہوں کہ

أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ

میں غیب کا علم رکھتا ہوں، نہ یہ کہتا ہوں

(ایضاً)

کہ میں فرشتہ ہوں۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی صاف کہہ دیا تھا کہ

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَنِي الْكِتَابُ

"میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے

وَجَعَلَنِي نَبِيًّا۔ (القرآن: مریم)

مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔"

پھر بھی جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کیا تو ان کی قوم تعجب پکار اٹھی کہ

أَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِينَ ثَلَاثًا

"خدا نے (تو) انسان کو پیغمبر بنا کے

(نبی اسرائیل)

بھیجا ہی۔" (القرآن: دہن اسرائیل)

أَبَشَرٌ يَهْدِيهِمْ۔ (تغابن)

"کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے؟"

وَقَالُوا مَا هَذَا الرَّسُولُ يَا

"اور لوگوں نے کہا کہ یہ پیغمبر کیوں کھاتا

كُلُّ الطَّعَامِ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ

ہو اور کیوں بازاروں میں چلتا پھرتا ہو،

لَوْلَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهِ مَلَائِكَةً

کیوں اس پر ایک فرشتہ نہیں اترتا جو اس

مَعَهُ نَذِيرٌ أَوْ يُلْقِي إِلَيْهِ

کے ساتھ لوگوں کو ڈر دینا لایا ہو اس کے پاس

(فرقان)

خزانہ کیوں نہیں اُتارا جاتا....."

اس کج ذہنی کے پیش نظر آنحضرت صلعم نے عبیدت کو اپنے اوپر اس قدر غالب کر لیا اور انبیاء کی بشریت کا اعادہ اپنے اس صفائی اور شدت سے کیا کہ کل مسئلہ ہیث کے لیے روشنی میں آگیا اور کلمہ کم مسلمانوں کے لیے نبوت اور الوہیت کے مفہوموں میں غلطی کرنے کا امکان باقی نہ رہا۔ قرآن کی یہ آیات ملاحظہ ہوں:

هَلْ كُنْتُ إِلَّا نَبِيًّا رَسُولًا (القرآن: نبی رسول)
 قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ
 ”میں تو ایک انسان پیغمبر ہوں۔“
 ”کہہ دے کہ میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں
 مجھ پر وحی کی جاتی ہو کہ تمہارا معبود ایک
 ہی معبود ہو۔“ (کہت)

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (ایضاً)
 ”محمد تو صرف ایک رسول ہیں اور اس
 پہلے کئی ایک رسول گزر چکے ہیں۔“
 دنیا کی تمام چیزوں پر انبیاء کو براہ راست قادر سمجھا جاتا تھا، غیب کا علم، نفع و نقصان پر
 اختیار، مارنے اور حملانے پر قدرت، ہوا میں اڑنا، خلا سے رو در رو باتیں کرنا، غرض تمام عجیب
 غریب باتیں ان سے منسوب کی جاتی تھیں، اسلام نے ان ادھام و خرافات کی بھی بیخ کنی کی۔
 قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَيْتُكُمْ بِمَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ
 ”اے پیغمبر کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا
 کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، اور
 نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں، اور
 نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں
 میں تو اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری
 طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔“ (القصص: ۷۵)

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَكَوْنْتُ عَالِمُ الْغَيْبِ لَا تَمْلِكُنَّ مِنِّي خَيْرٌ وَمَا مَتَّعْنِي السُّوءَ (اعراب)
 ”اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دے کہ خود میرا
 نفع و نقصان میرے قبضہ اختیار میں
 نہیں، لیکن جو خدا چاہے، اور اگر میں غیب
 کی باتیں جانتا تو خود اپنا بہت سا نفع

کر لیتا، اور نہ مجھ کو کوئی گزند پہنچتا۔
وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكِلَهُ اللَّهُ
إِلَّا وَحْيًا..... "کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ خدا اس کے
رو در رو باتیں کرے۔ الایہ کہ وحی کے

(العنکبوت: شوری) ذریعہ اپنا پیغام پہنچائے..... ۱۰۶
اقرارِ عبدیت کا یہ بھی کتنا اچھا اسلوب تھا جس کے اختیار کرنے کا رسول کو حکم ملا۔
إِنَّ صَلَوتِي وَنُفْسِي وَخِيَايَ
وَعَمَلِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا
شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ
وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ
(العنکبوت: انفصام) اور میں سب سے پہلے اس کے حکم برداروں
میں ہوں۔

یابہ کہ "اے اللہ میرے بند، رہنما، اور پیٹا ہوں تیرے بندہ کا، اور پیٹا ہوں تیری بندگی کا،
ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں، نافذ ہو میرے بارہ میں تیرا حکم، عینِ عدل ہو میرے باب میں تیرا
فیصلہ.....!"

پیغمبروں کو خدائی یا نیم خدائی کا مرتبہ دینے کی بڑی حد تک ذمہ داری مقدس مہتوں کی اعتدال
سے بڑھی ہوئی تقدیس و تکویم پر ہو، معتقدوں کی غلو آمیز خوش عقیدگی اکثر اوقات دینی رہنماؤں کو مجبؤ
و مسجد کے مقام تک پہنچا دیتی ہو۔ پیغمبر اسلام نے اس خطرہ کا ساری عمر لحاظ رکھا، اور کبھی اپنی
بے جا تعظیم کی اجازت نہ دی۔

آپ سے یہودیوں نے ایک بار دریافت کیا کہ "کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت
کیا کریں جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے ہیں؟" ارشاد ہوا۔ "معاذ اللہ! میں اور
خیر اللہ کی عبادت کا حکم دوں۔"

یہ آیات قرآنی اسی وقت نازل ہوئی تھیں۔

وَمَا كَانَ لِشَيْءٍ أَنْ يُوْتِيَهُ اللَّهُ
الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ شَرْقًا
يَقُولُ لِلَّذِينَ هُمْ عَنْ آلِهَآءِهِمْ
أُولُو عِلْمٍ إِنَّهُمْ يَعْلَمُونَ
وَيَعْلَمُونَ الْكِتَابَ
وَيَعْلَمُونَ مَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ
وَلَا يَأْتِيهِمْ مَرْكَبٌ مِّنْ تَحْتِ الْمَلَكَةِ
وَالنَّبِيِّينَ أَزْوَآءٌ أَيُّهَا الْمَرْكَبُ
بِالْكَفَرِ
بَعْدَ إِذْ أَنتُمْ مُسْلِمُونَ

”جس بشر کو خدا کا کتاب اور حکم اور نبوت
عطا کرے اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ پھر
وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کے سوا میں
بندے ہیں جاؤ۔ بلکہ اس کی ہدایت و حق
یہی ہوتی ہے کہ ہو جاؤ سب اللہ والے بھائی
اس کے کہ پڑھتے پڑھاتے ہوا اللہ کی کتاب
کو، وہ ہرگز یہ نہیں کہتا کہ فرشتوں کو یا نبیوں
کو بھی رب بناؤ، بھلا وہ کفر کے لیے کہہ
سکتا ہو، بعد اس کے کہ تم اللہ کے فرمانبردار
بندے بن چکے ہو؟“

(العنکبوت، آل عمران)

ایک دوسرے موقع پر ایک صاحب نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ ”جو خدا چاہے اور آپ چاہیں“ انھیں فوراً ٹوکا گیا کہ ”تم نے مجھے خدا کا شریک اور ہمسر ٹھہرایا، کہو کہ جو تمنا خدا چاہے“۔

ایک صحابی قیس بن سعد کو حیرہ جلنے کا اتفاق ہوا، وہاں انھوں نے دیکھا کہ لوگ جب رُسِ شہر کے دربار میں جاتے ہیں تو سجدہ کرتے ہیں لوٹ کر آئے تو حضور سے عرض کیا کہ ”آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ زیادہ متحی ہیں؟“ جواب ملا۔ ”تم میری قبر پر گزرو گے تو سجدہ کرو گے؟“ کیا۔ ”جی نہیں“۔ آنحضرت صلم نے فرمایا۔ ”تو پھر جیتے جی بھی سجدہ نہ کرنا چاہیے“۔

ایک بار حضور کہیں جا رہے تھے، راستہ میں ان کو دیکھ کر ایک شخص پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ کانپنے لگا۔ آپ اس کے قریب تشریف لے گئے اور فرمایا۔ ”ڈرو نہیں۔ میں ایک ایسی قریشی خاتون کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کے ٹکڑے کھایا کرتی تھی“۔

یہی وہ بوئے خبیث ہے جس کے بغیر صحیح عقیدت کے جذبات نہیں پیدا ہوتے، اور عقیدت کے جذبات پیدا کیے بغیر کسی نبی یا مصلح کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔

۱۔ ام بخاری، ادب المفرد ۲۔ ابوداؤد، کتاب الاطعمہ ۳۔ ترمذی

انبیاء اور صحابین کی پرستارانہ تعظیم و تکریم اگرچہ ان کو خدا کی مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی مگر ان کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکتی، البتہ ان کے نیاز مندوں اور متقدوں کے لیے بے حد ضرر رساں اور ان کو گمراہی کی پستی میں ڈھکیلے والی اور خدا سے دور کرنے والی چیز ہے، قرآن مجید میں یہودیوں اور عیسائیوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کا بڑا جرم یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ

اِتَّخَذُوا اَحْبَادَهُمْ وَدُهْبَانَهُمْ
اَدْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحِ
بن مریسہ اور مسیح بن مریم کو حسد اقرار دیا

(القرآن: توبہ) ہے۔

چنانچہ اپنی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مستقل حکم تھا کہ "میری شان میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی شان میں کیا ہے۔"

خدا کی ہمسری یا اس کی مشیت میں دخل ہونا کیسا، اپنے خود کو اس کے سامنے ہمیشہ عاجزوں سے زیادہ عاجز اور بے بسوں سے زیادہ بے بس ظاہر کیا ہے۔ اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا۔ کیونکہ جو شخص جس قوت کا جتنا زیادہ علم رکھتا ہے، اس سے اتنا ہی زیادہ ڈرتا ہے۔

حضرت اسحاقؑ کے خاص مقبرہ تھے، اپنے قبایں ان ہی کے مکان پر قیام فرمایا تھا، اسذا جب سلسلہ میں ان کا انتقال ہوا تو آپ کو بہت رنج پہنچا، یہودیوں نے اس پر طعنہ دیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی خدا کے رسول ہوتے تو اس صدمہ میں کیوں مبتلا ہوتے، اپنے مٹاؤ فرمایا۔ "میں خدا کے یہاں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔"

اپنی عقل و دانائی پر انسان کتنا ہی نادان کیوں نہ ہو، اس میں عجیب غریب باتوں سے متاثر ہونے کا مادہ، عارضی ہی طریقہ پر کسی پایا جاتا ہے۔ اکثر وہ ان چیزوں کے آگے سر جھکا دیتا ہے جن کو وہ غیر معمولی سمجھے۔ اور جو اس کے قیاس و تجربہ سے بالاتر ہوں، اور اس کے برعکس وہ بات جو ا فوق الفطر نہ ہو، اپنی صداقت کے باوجود کبھی کبھی اس کی روح کو متوجہ کرنے سے قاصر رہتی ہے، اسی لیے پیغمبروں کو دوسری تدبیروں کے ساتھ معجزوں سے بھی کام لینا پڑتا تھا، عربوں میں ناخواندگی اور جہالت

کے باعث یہ کمزوری بالخصوص نمایاں تھی، اور وہ ہر غیر معمولی بات دیکھ کر سہم جایا کرتے تھے، انھیں صلعم کے درمیں بھی بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے ان کے اولیٰم زدہ ذہنوں کو چونکا دیا اور وہ خوف زدہ ہو کر آپ کی رسالت کے قائل ہو گئے، مگر اپنے ان خیالات کی ہیئت تردید کی اور لوگوں کو سوچنے اور سمجھنے کی نصیحت فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی صاحبزادے نہ تھے، ایک صاحبزادہ پیدا ہوئے جن کا نام آپ نے ابراہیم رکھا، یہ قدرتی طور پر آپ کو بہت محبوب بھی تھے۔ لیکن اللہ کی مشیت کہ دودھ پینے ہی کے زمانہ میں ان کا بھی انتقال ہو گیا، آپ کو بہت صدمہ ہوا، اتفاق سے اسی دن اس زور کا سورج لوگوں پر اُٹا کہ بالکل اندھیرا ہو گیا، عربوں میں قدیم زمانے سے یہ خیال رائج تھا کہ سورج گرہن کسی عظیم المرتبت شخص کے مرجانے سے پڑا کرتا ہے، اس لیے اس واقعہ سے کفار اتنا متاثر ہوئے کہ ان میں سے کچھ آپ کے پاس گئے اور اپنی مخالفت کی معافی چاہی، آپ چاہتے تو ان کو فوراً اسلام میں داخل کر لیتے، لیکن اسلام نے چونکہ دین کی بنیاد تفکر و تدبر پر قائم کی تھی اور نبی کے ذمہ حیوانِ عاقل کو اس کے پروردگار کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے نہ کہ کرشمہ سازی سے دعوت دینا رکھا تھا، اس لیے آپ نے یہ پند فرمایا: لوگوں کو جمع کر کے اس کے متعلق ایک مستقل خطبہ دیا جس میں لوگوں کو یہ گاہ کیا کہ "سورج اور چاند خدا کی نشانیاں ہیں، کسی کے مرنے یا جینے سے ان میں گمن نہیں لگتا۔" اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم دی ہو تو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہی خطبہ آپ کی صداقت کے یقین کے لیے کافی ہے۔ اس خطبہ کے الفاظ صحیح بخاری کتاب کون میں محفوظ ہیں۔ (باقی)

خریداران الفرقان سے گزارش ہو کہ

خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں، یہ نمبر ان کے تپہ کی مطبوعہ چٹ پڑایا اگر تپہ چھاپا ہو نہیں سکتا تو ذکر پر لکھا رہتا ہو۔ دوسری گزارش یہ ہو کہ رسالے سے متعلق خطوط میں کتابوں کی گزارش یا کتاب خانہ سے متعلق کوئی دوسری بات تحریر نہ کیا کریں۔ بلکہ اسکے لیے الگ خط لکھیں، ورنہ تعمیل یا جواب میں غیر ضروری تاخیر ہو سکتی ہو۔
(منبع الفرقان)

انسانی ذیہ

مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ کو اب تک مسلمانوں ہی کے نقطہ نظر سے دیکھا گیا ہے، حالانکہ اس تاریخی داستان کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ عالم انسانی کو مسلمانوں کے عروج سے کیا نفع اور ان کے زوال سے کیا نقصان پہونچا؟ اس اہم سوال کا مدلل و مفصل جواب آپ کو اس کتاب کے مطالعہ سے ملے گا جس میں اس موضوع پر پورے کتب خانہ کا مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ وسیع معنی میں سیرت نبوی کی ایک اہم تصنیف بھی ہے، جو جوہرہ دور اور اس کے رجحانات کی تنقید بھی ہے۔ انسانیت سے اپیل بھی ہے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی دعوت بھی۔ اس کتاب کے متعدد عربی ایڈیشن مصر سے شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں

کاغذ طباعت عمدہ، ضخامت ۳۰ صفحات، مجلہ گزشتہ قیمت للہجر

دیوبند و بریلی کے اختلاف و نزاع پر

ایک فیصلہ کن محققانہ کتاب

معراۃ القیسم یا فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علماء دیوبند پر سنگین الزامات اور ان کا ثبوت :-

فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خاں صاحب کے قلم سے

علماء دیوبند کی طرف سے جواب اور الزامات کے محض غلط ہونے کا ثبوت :-

مولانا محمد منظور زبانی کے قلم سے

یہ کتاب جو واقعہ اپنے موضوع پر حوت آخر اور فیصلہ کن دستاویز ہے۔ اب سے ۲۱ سال پہلے شائع ہو کر اسی زمانہ میں نایاب ہو گئی تھی۔ بریلی کے تکفیری فتنہ کے مہجراروں نے جو طوفان آج کل برپا کر رکھا ہے۔ اس نے اس کی اشاعت پر پھر مجبور کر دیا۔ مولانا کی نظر ثانی اور دو مستقل مضامین کے اضافہ کے ساتھ اب یہ چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔ ۱۶۰ صفحات قیمت صرف ایک روپیہ

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

ایک عارف باللہ اور محقق

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

عموماً لوگ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو ایک متکلم، مناظر، محدث اور فقیہ (جدلی) کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ان کے علمی کمالات اور ان کی مناظرانہ تصنیفات کا مطالعہ کرنے والے اپنے ذہن میں ان کا جو تصور قائم کرتے ہیں، وہ ایک نہایت ذہین و زکی و وسیع العلم، قوی الحجۃ، اور ایک عالم ظاہر سے کچھ اور زیادہ نہیں ہوتا، ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیمؒ کو مستثنیٰ کر کے (جنہوں نے شیخ الاسلام ہر وی کی کتاب منازل السائرین کی شرح مدارج السالکین میں اپنی اور اپنے محبوب استاد کی زندگی کا باطنی پہلو محفوظ کر دیا ہے، اور ثابت کر دیا ہو کہ دونوں اعلیٰ درجہ کے عارف باللہ اور صاحب ذوق و معرفت بزرگ تھے، جن لوگوں نے عام سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی مدد سے شیخ الاسلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے یا ان کے متاخر متبعین و متفہمین کو دیکھ کر ان کے متعلق قیاس کیا ہو وہ ان کو ایک محدث خشک اور ایک عالم ظاہرین سے زیادہ مقام نہیں دے سکے۔ لیکن مدارج السالکین میں ابن قیمؒ نے جتنے جتنے شیخ الاسلام کے جواوہر و احوال پیش کیے ہیں، اور علامہ ذہبیؒ وغیرہ نے ان کے تذکرہ میں برسیں تذکرہ ان کے احسان و اذوائ، عادت و شائل اور اشغال و اعمال کا تذکرہ کیا ہو، اس کو سامنے رکھنے سے ایک منصف شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہو کہ شیخ الاسلام کا شمار اس امت کے عارفین اور اہل اللہ میں کیا جانا چاہیے، اور اس کو اس بات کا وجدان حاصل ہو جاتا ہو کہ وہ ان منازل پر فائز اور ان مقاصد سے بہرہ مند تھے، جن کے حصول کے لیے سالہا سال ریاضت، مجاہدہ، ائمہ فہم سلوک کی صحبت اور دوام ذکر و مراقبہ کا رات بالعموم اختیار کیا جاتا ہے، اور جس کو متاخرین صوفیہ نسبت مع اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

اہل نظر اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ذوق معرفت، ایمان حقیقی اور یقین، اخلاص و استقامت، تزکیہ باطن اور تہذیب اخلاق کا اہل اتباع سنت اور ذاتی الشریعہ، وہ حقیقی مقاصد ہیں جن کے لیے مختلف وسائل اختیار کیے جاتے ہیں، محققین ان مقاصد کے حصول کو کسی ایک وسیلہ میں منحصر نہیں مانتے، بلکہ کئی دالوں نے یہاں تک کہہ دیا ہو کہ غلط نہیں کہا کہ طرق الوصول الی اللہ بعد از انقاس الخلائق، ابتدا میں ان مقاصد کے حصول کے لیے سب سے موثر اور طاقتور ذریعہ صحبت نبوی تھی، جس کی کیا اثری عالم اشکارا ہو۔ اس نعمت سے محرومی کے بعد اظہار امت اور خلفائے نبوت نے اپنے اپنے زمانہ میں مختلف بدل و تجویز کیے، آخر میں مختلف اسباب کی بنا پر صحبت اور کثرت ذکر پر زور دیا گیا، جس کا ایک منفعہ اور مدد و طریقہ وہ نظام ہو جو نفوس و ملوک کے نام سے مشہور ہو گیا ہو، لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ ان مقاصد کا حصول ان وسائل میں منحصر نہیں، اجتہاد و مہبت کے علاوہ ایمان و احتساب، محاسب نفس، سننوں کا متبع، کتب حدیث و شمائل سے محبت و عظمت کے ساتھ اشتغال، کثرت نوافل و دعا، کثرت درود، نیت و اعتنا کے ساتھ خدمت خلق، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دعوت و تبلیغ، ان میں سے کوئی ایک چیز بھی انحصار و اتہام کے ساتھ تقبیب کا ذریعہ و حصول نسبت کا سبب بن سکتی ہے، وسائل مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن مقصود ایک ہو، شیخ الاسلام کے حالات کے مجموعہ سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ ان کو یہ مقصود حاصل تھا، اور اسی کا اظہار یہاں مقصود ہو۔

کسی شخص کے متعلق اس کے بے تکلف حالات و اذوائی، اخلاق و عادات اور کیفیات دیکھ کر ہی اس بات کی شہادت دی جاسکتی ہو کہ وہ عارفین و محققین اور مقبولین و کاملین میں سے تھا، اس کا کوئی ظاہری معیار اور پیمانہ اور کوئی منطقی دلیل نہیں ہوتی، اہل اللہ اور عارفین کے حالات بکثرت پڑھنے اور ان کی صحبت میں رہنے سے ایک سلیم الفطرت اور صحیح الذہن انسان کو ایک ملک اور وجدان حاصل ہو جاتا ہو۔ جس سے وہ اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہو، لیکن پھر بھی کچھ حالات و علامات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہو کہ یہ شخص اپنی دینی سطح میں عوام سے بلند اور دین کی صحیح کیفیات و اذوائی اور اہل اللہ کے اخلاق

۱۰ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ "صراط مستقیم" ملفوظات سید احمد شہیدؒ جمع کردہ مولانا اسماعیل شہید و مولانا

عبدالحی، بالخصوص حصہ سلوک راہ نبوت۔

سے بہرہ مند ہو، مثلاً ذوقِ عبودیت و انابت (توجہ الی اللہ) کی ایک خاص کیفیت، عبادت کا ذوق و انہماک، ذوق و عداوتِ اہمال، زہم و تجرید و تحقیر دنیا، سخاوت و ایثار، فروتنی اور بے نفسی، یکیت و سرور، کمال اتباعِ سنت، صاحبین میں مقبولیت، اور علائے وقت کی شہادت، قمعین و محبین کی دینداری اور حُرّین سیرت، وغیرہ وغیرہ ہم اس موقع پر انہیں عنوانات کے ذیل میں شیخ الاسلام کے معاصرین اور مروجین کی شہادت اور ان کے تاثرات نقل کرتے ہیں۔

ذوقِ عبودیت و انابت | ذوقِ عبودیت و انابت الی اللہ کی حقیقی کیفیت اس بات کی بین شہادت ہو کہ اس شخص کا باطن یقین سے معمور، اللہ کی عظمت و کبریا کی بھرپور اپنی بے بسی، بیچارگی اور الکا ملک کی قدرت و جلال کے مشاہدے سے پرورد ہے، یہ یقین و مشاہدہ جب باطن میں پیدا ہو جاتا ہو، جب الفاظ اور اعمال سے ظاہر ہوتا ہو، اس سلسلہ میں حقیقت و تکلف میں زمین و آسمان کا فرق ہو۔ یہ فرق صاحبِ نظر اور صاحبِ ہدایں سے چھپ نہیں سکتا۔

بیس التکحل فی العین کا الکحل

ابن تیمیہ کے واقعات بتلاتے ہیں کہ ان کو یہ یقین و مشاہدہ حاصل تھا اور اس نے ان کے اندر ایک انقار و اضطراب اور ایک انابت و عبودیت کی کیفیت پیدا کر دی تھی، یہی وجہ ہے، کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں اشکال یا کسی آیت کے سمجھنے میں وقت ہوتی تھی تو وہ کسی سنانِ مسجد میں چلے جاتے تھے اور پشانی خاک پر رکھ کر دیر تک یہ کہتے رہتے کہ یا معلم ابراہیم فہمنی رحمۃ اللہ علیہ یا ابراہیم کو علم عطا کرنے والے مجھے اس کی سمجھ عطا فرما، ذہبی کہتے ہیں:

لم اس مشلہ فی ابتہالہ و
استغاثتہ و کثرۃ تفجہہ
میں نے گریہ و زاری، اللہ تعالیٰ سے ہمداد
و فریاد اور توجہ الی اللہ میں کئی نظیر نہیں دیکھی
وہ فرماتے ہیں

انہ لیقف خاطری فی المسألة
او المشیی او الحالۃ الی تشکل
کسی وقت کسی مسئلہ میں میری طبیعت بند
ہو جاتی ہو یا کسی معاملہ میں مجھے اشکال
علی فامستغفر اللہ تعالیٰ العنوة
ہمیشہ آجاتا ہو تو میں ایک ہزار بار استغفار
او اکثر او اقل حتی یشرح الصدر
کرتا ہوں، یا اس سے کم یا زیادہ یہاں تک

وینجلی اشکال ما اشکل طبعیت کھل جاتی ہو اور وہ برلی چھٹ

جاتی ہو اور اشکال رخ ہو جاتا ہو

اس کیفیت میں جلوت، مجمع، بازار، شور و شغب کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، خراتے ہیں۔

واکون اذ ذالک فی السوق وال مسجد ایسی حالت میں کبھی بازار میں، کبھی مسجد

والد رب والدمرمة لا یمنعی میں یا گلی یا مدرسہ میں ہوتا ہوں لیکن ذکر د

ذالک من الذکر والاستغفار الی استغفار میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی اور

ان انال مطلوبی براہ مشمول رہتا ہوں یہاں تک کہ مطلوب

حاصل ہو جاتا ہے۔

ذہبی کہتے ہیں کہ یہ یقین اور ذوق عبودیت جب پیدا ہو جاتا ہو اور باطن میں سرایت کر جاتا ہو تو انسان میں اپنی بے بسی و سبچارگی، اپنی تہی دستی اور بے بضاعتی کا ایسا احساس پیدا ہو جاتا ہو کہ وہ آستانہ شاہی پر کھول گدائی لے کر کھڑا ہو جاتا ہو اور خدائی کا صدقہ اور رحمت کی بھیک اگتا ہو۔ اس وقت اس کے روئیں مددیں سے یہ صدا آتی ہے۔

مفلانیم آمدہ در کوئے تو مشیا لشہ از جمال روئے تو

دست بخشا جانب ز نیل ما آفریں بردست و بر بازوئے تو

ابن تیمیہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ دولت فقر اور یہ عسرت تزلزل حاصل تھی! ابن قیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا اس بارے میں ایسا حال دیکھا ہو جو کسی کے یہاں نظر نہیں آیا۔ وہ فرماتے تھے، نہ میرے پاس کچھ ہو، نہ میرے اندر کچھ ہو۔ وہ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔

انا المکدی انا المکدی دھکذا کان ابی وجدی

داں میں تیرے در کا بھکاری ہوں! ماں میں تیرے در کا بھکاری ہوں! اور کوئی نیا

بھکاری نہیں، خاندانی بھکاری ہوں، اور شیشینی سائل، میل ناپ بھی تیرے در کا

بھکاری تھا اور میرا دادا بھی،

ذوق عبادت و انہماک | عبادت کا ذوق اور اس میں انہماک اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان کو اس کی لذت اور اس کا حقیقی ذائقہ نہ نصیب ہو اور وہ اس کے دردی دوا، قلب کی غذا اور روح کی قوت نہ بن جائے اور اس کو مقام جعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ اور احضایا بلال سے مناسبت نہ بخشی جائے۔

ابن تیمیہ کے معاصرین اور واقعین حال اس کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کو اس دولت بیدار سے حصہ ملا تھا اور ان کو خلوت و مناجات اور نوافل و عبادات کا خاص ذوق تھا، اور ان کا انہماک اس سلسلہ میں بہت بڑھا ہوا تھا، الکواکب اللدیۃ میں ہے۔

| | |
|-------------------------------|---|
| وكان في ليله منفرحاً عن الناس | رات کو وہ تمام لوگوں سے علیحدہ رہتے |
| كلهم حالاً يابسه عز وجل ضارعا | تھے، اس وقت خدا کے سوا کوئی نہیں ہوتا |
| اليه مواظباً على تلاوة القرآن | تھا، وہ تھے اور گریہ و زاری، برابر قرآن |
| العظيم مكثراً لأنواع العبادة | مجید پڑھتے تھے، رات اور دن مختلف قسم |
| الليلية والنهارية وكان اذا | کے نوافل و عبادات میں مشغول رہتے۔ |
| دخل في الصلاة مترقدا فرائضه | جب نماز شروع کرتے تو ان کے ثلنے |
| واعضاءه حتى يميل يمينه و | اور اعضاء کا نہپنے لگتے، یہاں تک کہ |
| يسند. | ان کو دائیں بائیں لڑکھٹائی ہوتی۔ |

ایسے اہل قلب اور اہل ذوق کی طاعت و نشاط، ذکر و عبادت سے قائم ہونا ہے، اگر اس فرق واقع ہو تو ان کی قوت جواب دے جاتی ہو اور ان کو محسوس ہوتا ہو کہ فائدہ ہوا، ابن قیم لکھتے ہیں۔

| | |
|--------------------------------|---|
| وكان اذا صلى الفجر يجلس في | نماز فجر کے بعد ابھی جگہ بیٹھے رہتے، یہاں |
| مكانه حتى يتعالى النهار جديداً | تک کہ دن ابھی طلح سے چڑھ آتا، کوئی |
| وكان اذا سئل عن ذلك يقول | پوچھتا تو فرماتے کہ یہ میرا ناشتہ ہو، اگر میں |
| هذه غداً وقد علم اتغداً هذه | ناشتہ نہ کروں تو میری قوت میں سقوط |

الغداة سقطت قواہی

ہو جائے اور میرے قوی کام نہ کریں۔

اس ذوقِ داہنام کے بعد اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمادیتا ہو اور ذکر و عبادت و معمولاتِ طبعیت ثانیہ بن جاتے ہیں۔ ذہبی لکھتے ہیں۔ لہٰذا اوراد و اذکار دیدنیہا ایک فیہ جمعیتِ ردہ اپنے اوراد و ذکر کی پوری پابندی کرتے تھے اور ہر حالت میں جمعیتِ خاطر کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

زہد و تجرید و تحقیر دنیا کی حقیقت پوری طرح منکشف اور ان الدار الاخرۃ لہی الحيوان اور معاذ اللہ خیر و باقی کا حال پوری طرح طاری نہ ہو جائے اور یہ یقین اور مضبوط صمیم اور نقلی باشد کہ بنیر ممکن نہیں ان کے معاصرین نے ان کے زہد و تجرید اور فقر و اختیاری کا جا بجا تذکرہ کیا ہو۔ ان کے رفیق درس اور ہم عصر شیخ علم الدین البرزالی (م ۷۳۷ھ) فرماتے ہیں۔

و جری علی طریقۃ واحدة من
اختیار الفقر و التقلل من الدنیا
شرع سے آخر تک ان کی حالت یکساں
رہی کہ انہوں نے ہمیشہ فقر کو ترجیح دی
ورہ ما یفتی بہ علیہ
دنیا سے بقدر ضرورت اور برائے نام تقویٰ
رکھا، اور جو ملا اس کو واپس کر دیا۔

جب یہ کسی کا حال بن جاتا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو غنائے قلب کی دولتِ سرمدی سے نوازا ہو تو اس کو کسری و قیصر کی سلطنت پہنچ معلوم ہونے لگتی ہو۔ اور وہ اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا گناہ اور اللہ کی نعمت کی ناشکری سمجھتا ہو، اس وقت وہ ایک بخودی کے عالم میں کستا ہو

من دلق خود باطلش شاہاں منی دہم
از رنج فقر و دل گنجہ کہ یا فتم
من فقر خود بملک سلیمان منی دہم
ایں رنج را براحت شاہاں منی دہم
اس کے مقام سے بے خبر کہیں اس کے متعلق بدگمانی کرتے ہیں کہ وہ سلطنتِ پرطبع کی نگاہ ڈالتا ہو اور وہ ان کی بے خبری اور بے ذوقی پر ماتم کرتا ہو کہ اس دولتِ جاہد کے بعد بھی اس ملکِ فانی پر نگاہ کی جا سکتی ہے۔

ابن تیمیہ کا یہی حال تھا، الملک الاناصر نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ بہت لوگ آپ کے مطیع ہو گئے ہیں، اور آپ کے دل میں سلطنت پر قبضہ کرنے کا خیال ہو! شیخ نے بڑے اطمینان کے ساتھ بلند آواز سے جس کو تمام حاضرین نے سنا جواب دیا۔

انا افعل ذلك والله ان
مملکات و مملک المغل لایبداوی
عندی فلساً
میں ایسا کر دوں گا؟ خدا کی قسم تمہاری
اور تاناریوں کی سلطنت مل کر بھی میری
نگاہ میں ایک پیسے کے برابر نہیں۔

اہل الشراور اخلاق نبوی کی میراث میں حصہ پانے والوں کی خاص صفت
سخاوت و ایثار | سخاوت و ایثار ہو۔ ابن قیم نے زاد المعاد میں الف شرح کی تفسیر میں لکھا
ہے کہ شرح صدر کی دولت اور ایمان و یقین کا نتیجہ سخاوت و ایثار ہو۔ اس لیے جس کو اس دولت سے حصہ
ملے گا، سخاوت و ایثار اس کا شعار ہوگا، شیخ الاسلام کے معاصرین اور اصحاب ان کی سخاوت کے سجد
معترف اور شاخوں ہیں۔ الکواکب الدرریہ میں جو دھواحد الاحیاء الاستغیاء الذین یضرب
بہم المثل^۱ (وہ ان معدودے چند اہل سخاوت میں سے ہیں جن کی سخاوت ضرب المثل ہو)
اسحاق ابن فضل اللہ العمری جو ان کے معاصر ہیں اس سخاوت کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں،

كانت تأتیه القناطير المقنطرة
من الذهب والفضة والخليل
المسومة والانعام والحرف فيهب
ذلك باجمعه ويضعه عند اهل
الحاجة في موضعه لا يلاخذه منه
شيئاً الا ليهبه ولا يحفظه الا
ليذهبه^۲
ان کے پاس ڈھیر دن سونا چاندی، اٹلی
اصل گھوڑے، جانور، املاک و اموال
آتے۔ وہ سب کا سب اٹھا کر دوسروں
کو دے دیتے۔ یا اہل ضرورت کے پاس
رکھوا دیتے اور صرف دوسروں کو اپنے
کے لیے لیتے، اور صرف عطا کرنے کے
لیے اٹھا رکھتے۔

ان کی سخاوت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ اگر دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو کپڑا اتار کر دیتے۔

کام میں مصروف حتیٰ اذا لم يجد شیئاً منزع بعض ثیابہ فیصل به الفقراء

عندہ کرتے تھے، جب کچھ پاس نہ ہوتا تو اپنا کوئی کپڑا ہی اتار کر دے دیتے اور اہل حاجت کی کاروباری کرتے۔

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں۔

وكان يتفضل من قوته الرغيف
والرغيفين قيو شربذ لك على
نفسه

فردوسی و بے نفسی | فردوسی و بے نفسی اہل اللہ کی خاص صفت، اور وہ مرتبہ کمال ہے جو ہزاروں کرامتوں سے بلند اور ہزار فضیلتوں سے بالاتر ہے، یہ مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب خودی مٹ جاتی ہو اور نفس کا لڑکیہ ہو جاتا ہو، شیخ الاسلام کو اپنے کلمات علمی اور عروج دینی و دنیاوی کے ساتھ یہ کمال بھی حاصل تھا، ان کے اقوال پتہ دیتے ہیں کہ وہ بے نفسی اور ولایت اور مضہم نفس اور انکارات کے درجہ علیا پر پہنچے ہوئے تھے۔ ابن قیم فرماتے ہیں کہ وہ اکثر کہتے تھے مالی شئی و لامنتی شئی و لا فی شئی، اگر کوئی ان کے منہ پر ان کی تعریف کرتا تو فرماتے

واللہ انی الی الان عاجد اسلام
کل وقت وما اسلمت بعد
اسلاماً جیداً

خدا کی قسم میں ابھی تک برابر اپنے
اسلام کی ہر وقت تجدید کرتا رہتا
ہوں، اور ابھی تک نہیں کہہ سکتا کہ کمال

طوریہ پر مسلمان ہوں۔

کبھی کوئی تعریف کرتا تو یوں بھی فرماتے کہ انا رجل ملة لا رجل دولة دینا است کا ایک عام آدمی ہوں سلطنت و حکومت کا آدمی نہیں،

بے نفسی اور عبودیت کے اس درجہ پر پہنچ کر آدمی کی یہ حالت ہو جاتی ہو کہ وہ اپنا کسی پر

کوئی حق سمجھتا ہو، نہ اس کا کوئی مطالبہ ہوتا ہو، نہ اس کو کسی سے شکایت ہوتی ہو نہ اپنے نفس کا انتقام لینا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اس مقام پر پہنچا دیتا تھا، ابن قیم فرماتے ہیں۔

سمعت شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ بقول العارف لا یری لہ علی أحد حقاً ولا یشہد لہ علی غیرہ فضلاً ولذلک لا یغایب ولا یطالب ولا یضارب
میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ سے سنا کہ فرماتے تھے عارف اپنا کسی پر حق نہیں سمجھتا اور نہ یہ جانتا ہو کہ اس کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل ہے، اسی لیے نہ وہ کسی کی شکایت کرتا ہو، نہ مار پیٹ کرتا ہو۔

ان کے حالات سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ ”حدیث دیگران“ میں وہ اپنا ہی حال بیان کر رہے ہیں۔

اس ایمان و یقین اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس صحیح تعلق اور مخلوق سے آزادی سکینت و سرور اور قلب کی درنگی اور بے تعلقی کے بعد انسان کو وہ یکینت و سرور حاصل ہوتا ہو کہ اس زندگی ہی میں اس کو جنت کا مزہ اُٹنے لگتا ہو، شیخ الاسلام نے دجیا کہ ابن قیم نے نقل کیا ہو، خود ایک بار فرمایا کہ

ان فی الدنیا جنة من لم یدخلہا لم یدخل جنة الآخرة
دنیا میں (مومن کے لیے) ایسی جنت ہے کہ جو اس میں یہاں داخل نہیں ہوا، آخرت کی جنت سے بھی محروم رہے گا۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کو اس زندگی میں بھی ”لا خوف علیہم ولا هم یحزنون“ کی دولت عطا فرمادیتا ہو اور وہ اس کا نمونہ (بقدر وسعت دنیا) یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں، شیخ الاسلام کے حالات اور ان کے رفقاء کے بیانات سے معلوم ہوتا ہو کہ ان کو یہ دولت حاصل تھی۔ خود بھی ایک بار جوش میں آکر فرمایا کہ

”اگر اہل دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ہم کس لطف و عیش میں ہیں تو تلواریں سے ہم پر حملہ کریں اور جین سے بیٹھنے نہ دیں۔“

یہ نسبت یکنیتِ رضا زندگی میں اور بعد وفات ان کے ساتھ رہی، ابن قیم نے لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ان کو خواب میں دیکھا، میں نے ان سے بعض اعمال قلبیہ کا ذکر کیا، اس پر شیخ نے مسرہایا۔

اما أنا فطريقي الفرح و بهائي مسيري نسبت تو فرحت و سرور کی ہو۔

ابن قیم لکھتے ہیں

وهكذا كانت حاله في الحياه، يبدو ذلك على ظاهره وينا دى به عليه حاله
یہی حالت ان کی زندگی میں تھی کہ ان کے چہرہ پر فرحت و سرور کے آثار نظر آتے تھے، اور ان کی کیفیت اس کا

اعلان کرتی تھی

کمال اتباع سنت | اس مقام (قبولیت و صدیقیت) کی ابتدا اتباع سنت سے ہو اور اسکی انتہا بھی کمال اتباع سنت پر ہو، حدیث و سنت کے ساتھ ابن تیمیہ کا شغف و انہماک ان کے مخالفین کو بھی تسلیم ہو۔ لیکن یہ شغف و انہماک محض علمی و نظری نہ تھا، عملی و ظاہری بھی تھا۔ ان کے معاصرین شہادت دیتے ہیں کہ مقام رسالت کا جیسا ادب و احترام اور اتباع سنت کا جیسا اہتمام ابن تیمیہ کے یہاں دیکھا کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا، حافظ سراج الدین البرزگرمی لکھا کرتے ہیں۔

لا والله ما رأيت أحداً أشدَّ تعظيماً للرسول الله صلى الله عليه وسلم ولا حرصاً على اتباعه
خدا کی قسم میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا ادب و احترام کرنے والا اور آپ کے اتباع اور آپ کے دین کی نصرت

و نفسہ ما جاء به منه ۱۰ کی خرس رکھنے والا ابن تیمیہ سے بڑھ کر

نہیں دیکھا۔

یہ چیز ان پر اتنی غالب اور ان کی زندگی میں نمایاں تھی کہ دیکھنے والوں کا قلب شہادت دیتا تھا کہ اتباع کامل اور سنت کا عشق اس کا نام ہو۔ علامہ عماد الدین الوداعی فرماتے ہیں۔

ما را یشدانی عصرنا هذا من
تسجلی النبوة المحمدية وسنهمامن
اقواله وافعاله الا هذا الرجل
یشهد القلب الصمیم ان هذا
هو الاتباع حقیقة ۱۰
ہم نے اپنے زمانہ میں ابن تیمیہ ہی کو ایسا
پایا کہ نبوت محمدی کا نور ان کی زندگی میں اور
سنتوں کا اتباع ان کے اقوال و افعال
میں عیاں تھا۔ قلب سلیم اس کی شہادت
دیتا تھا کہ حقیقی اتباع اور کامل پیروی

اسی کا نام ہے۔

کسی انبؤہ اور عوام کی بھڑکائی شخص کی توجہ لکنا
صالحین میں مقبولیت اور علمائے وقت کی شہادت | مقبولیت عند اللہ و انتقامت و علوم تربت

کی دلیل نہیں، دلیل اس کے زمانہ کے اہل صلاح و انتقامت اور اہل علم اور اہل بصیرت کی شہادت اور توصیف ہو، نیز یہ کہ اس کے پیروں، اس سے محبت و تعلق رکھنے والوں اور اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں میں صلاح و سداد، حسن اعتقاد، تقویٰ و احتیاط اور سختی کی فکر و اہتمام پایا جائے اور وہ اپنے ابنائے زمانہ سے اپنی دینداری اور سلامت روی میں ممتاز ہوں۔

ابن تیمیہ کا معاملہ یہی تھا کہ اس زمانہ کے ممتاز ترین اہل صلاح و رشد اور اصحاب علم و نظر ان کی عظمت و فضیلت، صحت اعتقاد، اور سلامت عقیدہ کے قائل و معترف اور ان کے مداح تھے اور ان کے مخالفین میں بڑی تعداد حکومت کے متوسلین اور ابنائے دنیا کی تھی جو جاہ طلبی کے مریض اور دولت و عیش کے خواہاں تھے ۱۰ صاحب کو اکب لکھتے ہیں۔

قالوا ومن امعن النظر مصیبتہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ جو ذرا غور سے

۱۰ اکبر لکھتے ہیں ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷

لہم یرعالمنا من اهل ای بلدی شأ
موافقالہ الا وراۃ من اتبع
علماء بلدہ للکتاب والسنة
واشغلہم بطلب الآخرة والغبۃ
فیہا والبلغہم فی الاعراض عن
الدنیا والاهمال لہا ولا یری
عالماً مخالفالہ مخوفاعنہ الا
هو من اکبرہم نھمة فی جمع الدنیا
واکثرہم رباءً وسعة والله
اعلم ۛ

کام لے گا وہ دیکھے گا کہ ان کا جو موافقی جس
شہر میں بھی ہو وہ اس شہر میں سے زیادہ
کتاب و سنت کا متبع اور طلب کثرت میں غول
اور سے زیادہ اس کا حریص اور دنیائے
بے پرواہ اور اس کی طرف غیر متوجہ نظر
آئے گا۔ اس کے برخلاف ان کا جو مخالف
نظر آئے گا وہ دنیا کا حریص بواہر
ریاکار، اور شہتہ کا طالب دکھائی
دے گا۔

واللہ اعلم

علامہ ذہبی کے یہ الفاظ بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں ہیں کہ

واخیف فی نصر السنة المحفوظة
حتى اعلی الله تعالی منادہ وجمع
قلوب اهل التقوی علی محبتہ
والدعاء ۛ

سنت کی نصرت میں ان کو بہت ڈرایا
دھمکایا گیا، یہاں تک کہ اللہ نے ان کو
سرخروہ اور معزز کیا اور اہل تقویٰ کے
قلوب کو ان کی محبت اور دعا کیلئے مجتمع کر دیا۔

فستدکر امت ہر چند کہ کشف و کرامت نہ بزرگی و مقبولیت کا جز نہ ہو نہ اس کی دلیل، محققین نے
اصوات لکھ دیا ہو کہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ اور یہ مسئلہ اب کسی بحث کا
محتاج نہیں، لیکن یہ بھی واقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے مقبول بندوں کو بطریق انعام یہ دولت بھی عطا
فرماتا ہو اور ان کے ہاتھوں یا زبان سے ایسے واقعات کا ظہور ہوتا ہو جو ان کی مقبولیت و وجاہت کے مریدانہ
اثر میں سے ہوتے ہیں۔ اہلسنت کا متفق علیہ مسئلہ ہو کہ کلمات الاولیاء حق اور قرآن مجید و حدیث میں اس کے
مقدور شاہد و واقعات ہیں۔ اور خود شیخ الاسلام کی کتابوں میں اس مسئلہ کی تقریر اور اس حقیقت کی اثبات ہو۔
ان واقعات کی شہادت جو بطریق کرامت و خرق عادت پیش آئے، ان کے تلامذہ و احباب و

معاصرین نے دی ہو اور متاخرین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہو کہ وہ اس قدر شور واد بکثرت منقول ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں، علامہ عینی صاحب عمدۃ القاری شرح البخاری تقریظ الروا فرمیں لکھتے ہیں۔

وهذا الامام مع جلالة قدره اپنی علمی عظمت کے ساتھ ان سے ایسی
فی العلوم نقلت عنه على لسان کرامات کا بھی صدور ہوا جو جس کو ایک
جم غفیر من الناس کرامات جم غفیر نے نقل کیا ہو اور ان میں شبہ
ظہرت منه بلا التباس کی گنجائش نہیں۔

انہیں کرامات کا ایک شعبہ فرست صادق ہو جو اکابر مہتممین اور اولیاء متعین کو حاصل ہوتی ہو اس فرست کے عجیب غریب اوقات نقل کئے جاتے ہیں۔ حافظ ابوالقاسم الماکین میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

ولقد شاهدت من خراسه شيخ الاسلام میں نے شیخ الاسلام کی فرست کے
امورا عجيبة ومالعا مشاهد منها عجیب و غریب واقعات کا مشاہدہ کیا
اعظم واعظم ووقائع خراسه مستعجی ہو اور جو واقعات میرے مشاہدہ میں نہیں
مسفراً ضحاً آئے دیکھ میں نے معجزہ لوگوں کی زبانی سنے
ہیں وہ اور بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ان کی فرست کے واقعات کے نقل کرنے کے لیے ایک
ضمیمہ کتاب چاہیے،

مسند وحدت الوجود، معرفت، اعمال قلبیہ وغیرہ پر انہوں نے جو کچھ لکھا ہو اس سے تہہ چلتا ہو کہ وہ
علی طور پر بھی ان منازل سے گزرے ہوئے تھے۔ اور اس سلسلہ میں ان کو ”اذواق عالیہ“ اور تحقیقات نادرہ“
حاصل تھیں اور وہ جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں وہ محض عام ذہنیت، قوت علم یا ذوق قلم کا نتیجہ نہیں ہو، بلکہ
ان کے تجربات و مشاہدات ہیں۔

انہیں امور کو دیکھ کر ملا علی قاریؒ نے لکھا ہو کہ

ومن طالع شرح منازل السائین اور جو شخص بھی منازل السائین کی شرح
تبین له انها کانا من اکابر اهل السنة (درج السائین) دیکھے گا اسے بخوبی
والجلاء ومن اولیاء هذه الامة معلوم ہو جائے گا کہ یہ دونوں حضرات راہ
تیمہ و ابن قیمؒ کا براہ راست و باجماعت اور اولیاء راست میں سے تھے

تعارف و تبصرہ

ماذا خسر العالم باخطاط المسلمین

مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی کی جو تازہ کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر پانچ سال ہی میں شائع ہوئی ہے وہ چند سال پیشتر عربی میں ماذا خسر العالم باخطاط المسلمین کے نام سے مصر میں شائع ہو چکی ہے اور اب قاہرہ میں اس کے تیسرے ایڈیشن کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ عالم عربی نے جس فراخ جوہلی کے ساتھ اس کا استقبال اور مصنف کی عظمت و عبقریت کا اعتراف کیا ہے اس کا ایک نمونہ یہ تبصرہ ہے جو مصر کے اہل نامہ الثقافہ میں اشادہ مشکریٰ فیصل کے قلم سے پہلے ایڈیشن پر نکلا تھا —

سید محمد حسینی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور ہم اردو ایڈیشن کی مالیہ اشاعت کی مناسبت سے اسے ہدیہ ناظرین الفرقان کر رہے ہیں — ادارہ

کیا مسلمان اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر سکتے ہیں اور انسانی قافلہ کی پہلی صف میں اپنی پرانی جگہ برقرار رکھ سکتے ہیں، جب کہ صورت حال یہ ہے کہ وہ صنعت کی ظلمتوں میں گھرے ہوئے ہیں؟ کیا وہ نظام زندگی جو یورپ میں رائج ہے اور جس کی تقلید ایشیاء والے بھی کرنا چاہتے ہیں، زندگی کے تمام تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں اور اس کے اندر اخلاقی بلندی، ادبی ترقی اور روحانی و مادی اقدار کی اہم آمیزش کا پورا سامان موجود ہے، کیا یورپ انسانی زندگی کو ان بلند مقاصد کی طرف سے جانا چاہتا ہے جو عقل و فکر کے آغاز ہی کے ساتھ انسان کے مد نظر تھے، یا وہ اس شاہراہ سے ہٹ گیا ہے اور اپنی منسیریل مقصود سے دور ہو گیا ہے؟ ہم کس صورت سے معاصر تہذیب کی کمزوریوں سے باخبر ہو سکتے ہیں، وہ کون سے عناصر ہیں جن سے یورپ محروم ہے، وہ کون سی ہیب خطرہ ہے جو اس کے

انور پوشیدہ ہے اور قریب ہے کہ اُس کو تباہ کر دے۔ کون کون سی قومیں اور مذاہب اس زبردست
 بوجھ کو اٹھا سکتے ہیں غلطی کی اصلاح، خالی جگہ کی خانہ بڑی اور صحیح رہنمائی کا بوجھ؟

وہ کون سا رشتہ ہے جو عالم اسلام کو عالم عربی سے منسلک کرتا ہے مسلمان عربوں کو کس نگاہ
 سے دیکھتے ہیں اور اہل عرب کا مقام خود ان کی نظروں میں کیا ہے اہل یورپ کا نقطہ نظر مسلمانوں
 اور عربوں کے بارہ میں کیا ہے مسلمانوں کے آپس کے تعلقات اور مسلمانوں اور اہل عرب کے
 تعلقات کی کیا نوعیت ہے، عربوں اور مسلمانوں کی آرزوؤں میں کجی کیوں کر ہے، ان کے امراض
 و نقائص یکساں کس طور پر ہیں، یہ امراض کیا ہیں ان کا علاج کیا ہے؟

مسلمانوں کے سفر کا آغاز کہاں سے ہو، وہ کس طرح اپنے مہمی، حال اور مستقبل سے باخبر
 بنیں اور سمجھ سکیں کہ زمانہ کی دوڑ میں وہ کس منزل پر ہیں، اسلام کے منتہائے نظر اور کفر کے
 منتہائے نظر میں کیا فرق ہو اور دنیا کو کیا نقصان پہنچا جب مسلمان اپنے مقاصد کو فراموش کر کے بیٹھ رہے؟
 یہ سب سوالات اور ایک دوسرے سے پیوستہ عنوانات اس کتاب کا موضوع ہیں بلکہ وہ
 کتاب میں اسی صورت سے نظر آتے ہیں کتاب آپ کو ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف
 لیجاتی ہے، ایک کڑی دوسری کڑی سے ملاتی ہے، اور ایک مقصد سے دوسرے مقصد تک پہنچاتی
 ہے لیکن ایک بڑا نصب العین پوری کتاب پر برا بھلا رہتا ہے، یہ وہ نصب العین ہے جس کا خلاصہ
 ڈاکٹر احمد امین نے کتاب پر اپنے مقدمہ میں لکھا ہے۔

”یہ کتاب مسلمانوں سے احساس کمتری کو دور کرنا چاہتی ہے، جو غلط طے اور سچی کمزوری کے
 احساس سے اور مغربی تہذیب کو وہ درجہ دینے کی وجہ سے جس کی وہ سچی نہیں جہیل ہو گیا ہے“
 مصنف نے کتاب کو پانچ ابواب پر تقسیم کیا ہے۔ باب اول مہد جاہلیت۔ باب دوم جاہلیت
 اسلام کی طرف، باب سوم اسلامی عہد، باب چہام مغربی عہد، باب پنجم اسلامی قیادت، پھر ہر باب
 بہت سے ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے مصنف نے کوشش کی ہے کہ وہ سب باہم مربوط رہیں اور
 اس مقصد تک رہنمائی کریں جو کتاب کا اصل موضوع ہے۔

سب سے پہلے مصنف نے زمانہ جاہلیت کی بہترین تصویر کشی کی ہے۔ اس میں انھوں نے دکھایا
 ہے کہ انسانیت پر نزع کا عالم طاری تھا، فساد خشکی و تری میں پھیل چکا تھا اور دنیا کو اسلام اور اس کی

قیادت کی سخت ضرورت تھی۔ باب دوم (جاہلیت سے اسلام کی طرف) میں مصنف نے انبیاء کے مختلف اصلاحی طریقوں کو بیان کیا ہے۔ بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق دعوت و اصلاح ان کی تاثیر و تربیت اور اس عظیم معجزہ کا ذکر کیا ہے جس نے ایک نئی اور طاقتور نسل اور جدید اور بیدار و سوشل کو پیدا کیا۔

باب سوم میں کئی تفصیلات ہیں ایک فصل اسلامی قیادت کے بارے میں ہے اور اس میں اسلامی اصولوں اور اقوام و مذاہب پر اس کے اثر و نفوذ کا بیان جو دوسری فصل اسلامی زندگی کے انحطاط و تنزل کے بارے میں ہے جس میں انحطاط و زوال کے اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے، تیسری فصل قیادت عثمانی کے بارے میں ہے۔

باب چہام میں مغربی عہد کی داستان بیان کی گئی ہے جو یورپ کی بت پرستی اور سچییت اور ان دونوں کا نزاع، پھر ان دونوں کا امتزاج، وطن پرستی اور قومیت کا ظہور، ادریت کا غلبہ و زندگی کے ہر شعبہ پر اس کا اقتدار اور جاہلی رجحانات و خیالات کا نئے سرے سے تسلط جیسے مباحث پیش کرتا ہے۔

جب مصنف ہم کو باب پنجم تک لیجاتے ہیں۔ اس وقت ہمیں یہ ایمان حاصل ہو چکا ہوتا ہے کہ جو جاہلیت بعثت نبوی سے قبل دنیا پر حاوی تھی وہی جاہلیت آج بھی دنیا پر حاوی ہے گویا کہ دنیا اپنی وہی پرانی شکل اختیار کر لی جو جو میں تھی جس دن مسلمان جزیرہ نمائے عرب دنیا کو جاہلیت اور بت پرستی کے جنگل سے بچانے کے لئے نکلے تھے (ص ۲۲) اور اس لئے ضروری ہے کہ عالم اسلام نئے سرے سے ترقی کرے اور عالم عربی بھی نئے سرے سے بیدار ہو، اور ضروری ہے کہ یہ نشاۃ ثانیہ انھیں بنیادوں پر ہو جن بنیادوں پر نشاۃ اولی ہوئی تھی۔ میری مراد ان دو اصولوں سے ہے جن پر جیسا کہ مصنف کا خیال ہے (پوری اسلامی تحریک کا دار و مدار ہے یعنی جہاد و اجتہاد (ص ۴۵))

یہ حقیقت ہے کہ کتاب اصلاح کی ایک باشعور آواز ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلی ہے اور ایمان سے لبریز ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلامی دنیا اس کی سخت حاجت مند ہے اور اس کی حالت سدھ نہیں سکتی جب تک کہ وہ علمی شعبہ میں اجتہاد اور عسکری شعبہ میں جہاد کی طرف خاص توجہ نہ دے اسی لئے مصنف ان دونوں اصولوں پر بہت اصرار کرتے ہیں اور ان پر بہت زور دیتے ہیں یہاں تک کہ کوئی باب اور کوئی فصل اس سے خالی نہیں جاتی۔ وہ جنگی صنعت کا ذکر کرتے وقت اس کے انحطاط کو ترکوں کے تنزل کا سبب بتاتے ہیں (ص ۱۱) پھر وہ اسی بات کو مسلمانوں اور عالم عربی کے عروج کے باب میں دہرتے ہیں (ص ۲۳) بلکہ وہ اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ علمی و صنعتی شعبوں میں عالم اسلام کا مجموعی وہ

سبب متاجس کی وجہ سے اس کو طویل غلامی، ذلیل زندگی، اور ظالم مغربی اقتدار کا مزہ چھکنا پڑا۔^{۳۲۹} میں نے کہا تھا کہ مصنف نے کتاب میں اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مختلف راستے اختیار کئے ہیں کبھی وہ محقق کے روپ میں نظر آتے ہیں کبھی مبلغ کے کبھی مومن کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں کبھی تاریخ و قصص کی راہ اختیار کرتے ہیں کبھی عبرت نصیحت کا انداز اختیار کرتے ہیں کبھی منطق و استدلال سے کام لیتے ہیں کہیں خطابت کا طرز بھٹکتے لگتا ہے مگر بہت کم!

کتاب میں دو چیزیں بظاہر کھٹکتے والی ہیں پہلی چیز تطویل اطناب مثلاً یہ منوات، یورپ خود کشی کی طرف، اچھٹم ہو اسکی لہزدہ خیزیاں، لیکن یہ تطویل بلا وجہ نہیں ہے۔ اس کا مقصد خیال کی توثیق اور دل و دماغ کو اس منظر سے بھر دینا ہے۔ دوسری چیز وہ خطابی رنگ ہے جو کہیں کہیں نظر آ جاتا ہے۔ لیکن اس کا مقصد بھی ایسے طریقے سے دل و دماغ کو متاثر کرنا ہے اور غالباً اسی کا نتیجہ ہے کہ ناظر دیکھتا ہے کہ مغربی تہذیب بر شدہ تنقید کی گئی ہے اور اس کے زوال و خود کشی پر بار بار زور دیا گیا ہے اور کتاب کے بہت سے صفحات اس سے بھرے ہیں جبکہ ظاہر ہے کہ مرث اتنی ہی بات اگر مصنف جہاد و اجتہاد پر زور دیتے مسلمانوں کے زوال و انحلال کو دور کرنے کے لئے کافی نہ تھی بلکہ وہ ان میں اپنے سر لیف کی طرف سے اطمینان اور بے غمی کا سبب بن سکتی تھی۔

دوسری چیز جو مصنف کو متاثر کرتی ہے اور ان کو اسلام کے عظیم مفکرین کی صف میں داخل کرتی ہے وہ حیات انسانی کے ارتقاء پر ان کی جامع وسیع اور گہری نظر ہے۔ پانچوں ابواب جن پر کتاب مشتمل ہے، ان کی وسعت نظری ظاہر کرتے ہیں جس میں عام انسانی تاریخ اور اسلامی تاریخ کا جائزہ لے کر اس کو ایک خاص نقطہ پر مرکوز کیا گیا ہے۔ کتاب کے ان صفحات کے اندر اسلامی تاریخ کے ساتھ ساتھ مغربی ممالک کی تاریخ بھی (مذہبی و اجتماعی حیثیت سے) ملے گی۔ مذہبی تحریکات کے واضح اور روشن نقوش، اخلاقی تحریکات کے عام میلانات و رجحانات، ان کا عروج و زوال اور نشیب و فراز، یہ سب چیزیں ایسا جو آپ کو واضح نتیجہ تک پہنچاتی ہیں:

لیکن یہ بڑے انقلابات و تحریکات مصنف کی جزئی واقعات کے حوالہ و استشہاد سے غافل نہیں کرتے، وہ بے ادوات روزمرہ کے واقعات سے استدلال و برہان کا کام لیتے ہیں اس لئے کہ ان چیزوں کی بھی بحث و تحقیق کے میدان میں ایک جگہ ہے اور ان کے وسیلے سے اہم نتائج تک بار بار

ہو سکتی ہے ان مثالوں نے ایک طرف کتاب کو زندگی اور نشاط عطا کیا ہے۔ دوسری طرف وہ کتاب کی پوزیشن بھی مضبوط کرتی ہیں اور غالباً ۱۴۰-۱۵۶ کے صفحات جہاں مصنف نے یورپ کی مادیت پر بحث کی جو ان کے طرز بیان اور اسلوب کی بہترین مثال ہے جو فکر عام کو سمیٹنے کے ساتھ جڑی مثالوں پر بھی مشتمل ہے۔

مصنف جہاں کہیں بھی کسی رائے اور نظریہ کا اقتباس پیش کرتے ہیں تو فوراً اس کا حوالہ و ماخذ بیان کر دیتے ہیں اور اس طور پر وہ امانت داری اور وفا شعاری کی ایک مثال قائم کرتے ہیں جس کی مثالیں آج کل سخت ضرورت ہے، اگرچہ یہ اقتباسات کبھی کبھی بلکہ قسم کے بھی ہو گئے ہیں، اہم اقتباسات اور ضروری حوالوں کے پہلو ہی میں آپ کو مسر الفناہ (مثلاً) کا حوالہ بھی ملے گا، دوسری جگہ مجلہ الاثنین (۱۲) کے کسی مقالہ سے اقتباس کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مقالہ نگاروں نے مصنف میں برائیل تفریح کئے ہوں گے اگرچہ اس تفریح کے پیچھے حقائق کا سایہ بھی ہے۔

اسلوب کتاب کے معلق ایک بات اور عرض کرنا ہے، ڈاکٹر احمد امین نے کتاب پر مقدمہ لکھتے وقت یہ جملہ لکھا تھا اور قاری سے میری معذرت؛ اگر اس میں چند غامض عبارتیں نظر آئیں، اس لئے کہ کرم نائل مصنف ہندی نژاد اور ہندی تہذیب کے فرزند ہیں جنہوں نے عربی علم و ادب اپنی جدوجہد اور محنت سے حاصل کیا ہے اگرچہ کتاب (اور اس میں کوئی شبہ نہیں) بلیغ اور خوبصورت تشبیہات سے غالی نہیں کیا کتاب میں غامض عبارتیں پائی جاتی ہیں؛ میں تو انہیں سمجھتا ا حقیقت تو یہ ہے کہ کتاب کا ایک خاص وصف اس کا یہی واضح اسلوب ہے، اور شاید اسلوب کی یہی غلغلگی، عقیدہ و نظریہ کے نکھار اور اس پہلو پر یگانہ یگانہ کا عکس ہے۔ اس کے علاوہ یہ اسلوب بہت بختہ اور مین ہے مصنف قرآن مجید سے استشہاد پر پوری طرح قادر ہیں (مثلاً ۵۵-۵۶-۵۳-۱۶۷) بہت سی جگہ حدیث اور اشعار سے بھی استشہاد ہے (مثلاً) قرآنی اور دوسری عربی ترکیبوں کا بہترین استعمال عنوانات کا لاجواب انتخاب اور تنوع، اور ہر چیز کو اپنی جگہ رکھنا گویا وہ اسی کے لئے تھی، یہ سب باتیں ایک متین بختہ، واضح اور شگفتہ اسلوب کی نشانی ہیں۔

ایک چیز اور ہے جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ کتاب عالم اسلام کے مسائل پر ہندوستانی طرز فکر کا نمونہ ہے۔ خواہ مصنف نے اپنے انکار پیش کئے ہوں یا اپنے معاصر مفکرین کے انکار کو نقل کیا ہو۔

اور ہم مسلمانوں کو اس کی سخت ضرورت ہے کہ ہمارے افکار و نظریات ایک دوسرے سے قریب آئیں اور ہم سمجھ سکیں کہ ہندو پاکستان، مشرقی جزائر، ایران و افغانستان کے مسلمان عالم اسلام کے مسائل میں کیا نقطہ نظر رکھتے ہیں اور ان کا طرز فکر کیا ہے ورنہ اس کے بغیر صلح و برتری کی کوششیں ناقص و نامکمل رہیں گی۔

ایمان یقین اور زندگی سے لبریز صفحات مسلمانوں کی موجودہ حالت پر باشعور افسوس اور ان کے اندر خیر کے سرخسوں کو چھیرنے کی مبارک کوشش، اسلامی تبادلات کے صحیح رخ و خال اور اس کے اوصاف و خصائص کی تصویر (صلا) اسلام کے بلند نصب العین کی طرف توجہ دہانہ و حافی زندگی اور پاکیزہ مادی زندگی کے اجتماع کی گرم جوشی سے دعوت، فکر اسلامی کو مابعد الطبیعی اور کلامی مباحث کی پیچیدگیوں سے ہٹا کر حقیقت پسندانہ فکر روشن اور زندہ ایمان اور توحید غاص کی طرف رہنمائی جو زندگی اور انسانی فکر کے تمام عقدے حل کرتی ہے، ایسی زندگی کے احیاء کی کوشش جو رنگ و نسل کے امتیازات سے پاک ہے، عالم عربی کو اس پیغام کی ذمہ داری نبھانے کی دعوت یہ ہے کہ کتاب کا ناظر عالم باخطاط المسلمین اور اس بنیاد پر یہ کتاب اس قابل ہے کہ مشرق عربی کا کوئی گھر اس سے خالی نہ رہے اور ہمارا کوئی نوجوان اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہے نمایندہ ہمارے نوجوانوں میں یقین و اعتماد پیدا کر سکے اور اس گمشدہ راہ پر لاسکے جو بہت عرصہ ہوا چھوٹ چکی ہے۔

اگر کتاب کا کام صرف یہی ہوتا کہ وہ ان موضوعات پر ابھار دیتی تب بھی وہ بہت قابل شکر اور لائق ستائش تھی۔ اور ڈاکٹر احمد امین کو جنھوں نے جیسا کہ مجھے معلوم ہے کتاب کے لئے اپنی صحت و قوت کی پروا نہ کرتے ہوئے بے دریغ اپنا وقت خرچ کیا اور لجنہ التالیف کو جس نے ہم کو عظیم اسلامی مفکر سید ابوالحسن علی ندوی سے تعارف حاصل کرنے کا موقع دیا میرا بہت شکریہ!

(شکری فیصل)

مولانا عبد الحفیظ صاحب بلیاوی، اعلیٰ کاغذ، بہتر کتابت و طباعت
اردو عربی ڈکشنری ۱۰۰ صفحات، مجلد مع گرد و فرش، قیمت چھ روپے، لئے کا پتہ: صغیر احمد صاحب
 دارالعلوم ندوۃ العلماء - بادشاہ باغ لکھنؤ۔

مولانا عبد الحفیظ صاحب بلیاوی استاذ ندوۃ العلماء اس سے پہلے عربی اردو ڈکشنری
 تصباح اللغات کے نام سے ترتیب دے چکے ہیں جسے بہت ہی مفید پایا گیا۔ چند مہینے ہوئے جب

ان کی یہ نئی ڈکشنری جو اردو سے عربی ہے شائع ہوئی ہے اور اس لحاظ سے یہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے کہ اب تک اردو سے عربی میں کوئی قابل اعتبار معجم موجود نہیں تھا۔ امید ہے کہ مولانا کی اس کاوش سے ان بہت سے لوگوں کی فہم و درہم ہو جائے گی جو ایسی ڈکشنری کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

کتاب میں جامعیت کتنی ہے؟ اور تمام مزدوری اور روزمرہ الفاظ کو سمیٹا جاسکا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب تو تجربہ کے بعد ہی دیا جاسکتا ہے مگر سرسری نظر میں کوئی خاص کمی نہیں معلوم ہوتی ہاں ایک چیز ایسی ہے جو سرسری نظری میں محسوس ہونے والی ہے۔ وہ یہ کہ بہت سی جگہ اردو کے بجائے ہندی اور انگریزی کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ خاص طور پر ہندی الفاظ کا استعمال بڑی بے تکلفی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ محترم مصنف مشرقی یورپی کے رہنے والے ہیں..... جہاں کی عام بول چال میں ہندی بھاشا اسی طرح داخل ہے جس طرح مغربی یورپی کی زبان میں عربی فارسی۔

کوئی مضائقہ نہ تھا اگر ایسا کیا جاتا کہ ان ہندی انگریزی الفاظ کا مراد جو اصل اردو لغت کسی دوسرے حرف کے تحت آسکتا اسے بھی اپنی جگہ پر لایا جاتا۔ مثلاً ک کے ذیل میں کار سپانڈنٹ (انگریزی) لایا گیا تو ب کے ذیل میں خط و کتابت (اردو) لے آیا جاتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا التزام نہیں کیا گیا ہے۔ اور یہ چیز یقیناً ایسی ہے کہ کتاب کی افادیت کو ان لوگوں کے حق میں ضرور کم کر دے گی جو انگریزی یا ہندی سے نا بلند ہوں گے۔

ملفوظات حضرت مولانا وحی اللہ صاحب اعظمی۔ مرتبہ جامی صاحب

وصیتہ الاحسان

۲۶×۲۰ یعنی الفرقان سائز کا غذا اور کتابت طباعت بہتر ۸۸ صفحات بلا ٹائٹل قیمت ۱۱/- ملنے کا پتہ:- مکتبہ جامی داخوانہ جن منزل، الدہ آباد۔

حضرت مولانا وحی اللہ صاحب حضرت عظیم الامت تھانوی نور الشریعہ کے اجل خلفا میں سے ہیں۔ آپ کے ابک متوکل جناب جامی صاحب نے آپ کے ان مجلسی ارشادات کو اس زمانہ میں شائع کیا ہے جو مرض نفاق اور اس کے طریقہ علاج سے متعلق ہیں شروع کے چوبیس صفحے

میں کچھ خاص ملفوظات کو ایک مربوط اور مسلسل مضمون کی شکل دے کر مقدمہ بنا دیا گیا ہے جس میں اتفاق کی حقیقت اور منافقین کے وجود سے بحث کی گئی ہے۔

ان ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا لفاق کو اس زمانہ کا خاص اور عمومی مرض سمجھتے ہیں اور اسی نظریہ کو انہوں نے اپنی تعلیم و تربیت کی اساس بنایا ہے چنانچہ ان کا زیادہ تر رُسنے سخن اور توجہ اسی کی طرف رہتی ہے۔ یہ مجموعہ ملفوظات ان حضرات کے لئے مفید ہوگا جو مشائخ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے طرز گفتگو سے مانوس ہیں۔

پیغمبر اسلام
غیر مسلموں کی نظر میں

۱۰۰ صفحات، قیمت ۵ روپے، باختلاف کاغذ
ملنے کا پتہ نمبر ۹ بی، سیرجی گو، دندجی بلاکس، بمبئی نمبر ۹

ادارہ نئی راہ نے ربیع الاول کے موقع پر یہ خاص نمبر پیش کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے متعلق بچاس ساٹھ معروف اور غیر معروف غیر مسلموں کے خیالات پیش کئے گئے ہیں۔ نئے مضامین تو چند ہی ہیں زیادہ تر مطبوعہ مضامین اور کتابوں کے اقتباسات ہیں کچھ چھپے اور کچھ بڑے۔ لکھنے والوں میں ہندو، سکھ، عیسائی سب ہی طرح کے لوگ ہیں۔

یہ نمبر اس لحاظ سے تو مفید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غیر مسلموں کے ایک بخیدہ طبقہ کا طرز فکر سامنے آجائے، مگر بلا کسی امتیاز کے ہر طبقہ دیا بس کو قبول کر لینا اور اسے عقیدت کی مالا میں جگہ دینا اپنے اندر حضرت کا پہلو رکھنا ہے۔ اور اس نمبر کا یہی پہلو خاص طور پر قابل تنقید ہے۔

ہنڈت سندر لال صاحب الہ آبادی کے مضامین اور کتابوں سے کئی لمبے لمبے اقتباسات اس نمبر میں لئے گئے ہیں۔ ان میں کئی باتیں سخت تنقید کی محتاج ہیں، کیونکہ وہ قرآن اور سیرت کی بہت سی باتوں کی حقیقت غلط سمجھتے ہیں مگر انہیں اصرار ہے کہ وہ صحیح سمجھتے ہیں لہذا جو کچھ کہتے ہیں اس طور پر نہیں کہتے کہ یہ ان کا خیال ہے بلکہ اس طور پر کہ گویا اصل حقیقت (بلا اختلاف) یوں ہی ہے۔ اس لئے ایسی چیزیں یا تو لینا ہی نہیں تھیں اور اگر لی گئی تھیں تو ان سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کرنا تھا۔

انتخاب

نئی رجعت پسندی | دکن ٹائمس (دور اس) مورخہ ۲۸ نومبر کے ایڈیٹوریل صفحہ سے۔
 ”مرد و عورت کے اختلاط کی مخالفت ہر اچھے مذہب نے کی ہے اور اسی بنا پر اسکولوں اور کالجوں کی مخلوط تعلیم ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ یکے بعد دیگرے ہر ملک مخلوط تعلیم کے خلاف ہی قانون بنا رہا ہے۔ تازہ ترین مثال اسپین کی ہے۔ اسپینی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جو اسکول ایک مہینہ کے اندر لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان کامل فصل نہیں پیدا کرتا، وہ بند کر دیا جائے گا۔ اور حکومت کے بیان میں ہے کہ یہ کارروائی اخلاقی بنیاد پر کاربند ہوئی ہے جنرل فرینک، کی حکومت، جو ہی برسرِ اقتدار آئی تھی اس نے مخلوط تعلیم کی مخالفت کر دی تھی۔“

یہ ایسی گورنمنٹ والے بڑے ہی دقیقہ منس، صدیوں قبل کے قرون وسطیٰ کے زمانے کے معلوم ہوتے ہیں۔ بیسویں صدی کے وسط میں بھلا اسی بات کوئی زبان سے نکالتا ہے اور یہ دکن ٹائمس اس نے تو انگریزی زبان میں ہو کر روشن خیال، صحافت کی مٹی ہی پلید کر دی۔ ایسی دل بھجا دینے والی خبر کو چھاپنا ہی کیا ضرور تھا، اور اگر چھاپا بھی تھا تو یہ کھنسا اور یاد دلانا کیا ضرور تھا کہ اکیلا اسپین ہی نہیں، یہ یورپ کے اور بھی بہت سے ملک کر چکے ہیں! رجعت پسندی کی بھی ایک حد ہونا چاہئے۔ روشن خیالی کے سمندر سے نئے نئے نظریات کی کیسی کیسی لہریں بلند ہوتی ہیں اور تجربہ کی سخت چٹان سے ٹکرا کر کس کس طرح واپس ہوتی رہتی ہیں۔

شذوہ لکھا ہا چکا تھا کہ اسپین سے متعلق یہی خبر ٹائمس آف سیلون (دور اس) میں نظر سے گزری تھی ایک دوسری خبر کے کہ سیلون کے بھی کسی اسکول میں ایسا ہی حکم اتنا ہی نافذ ہو گیا ہے۔ اس اسکول میں پانچ برس ہوئے جب سے لڑکیاں بھی ساتھ پڑھنے لگی تھیں۔ لڑکوں کے امتحان کے نتیجے خراب سے خراب ترمای ہونے لگے تھے۔ (صدقِ جدید)

سیاسی مسخرے مسخرے بن کی ویسے تو بہت سی قسمیں ہیں، خانگی، مجلسی، کاروباری، طبی وغیرہ۔ یہ سارے مسخرے بن انسانی تمدن کے ساتھ ساتھ چلے آ رہے ہیں لیکن دنیا میں اب ایک نیا مسخرہ بن ایجاد ہوا ہے اور وہ ہے سیاسی مسخرہ بن۔ یہ سیاسی مسخرہ بن چونکہ بہت ہی نیا فن ہے اس لئے جدید ترین فن کاریوں سے مسلح بھی ہے، نفسیات انسانی اور علم قیادہ اس کے خاص اٹلہ ہیں۔ اور مسخرے بن اتنے اچھے ہوتے ہیں کہ بہت جلد ایک فریق کو بہتہ چل جاتا ہے کہ وہ بے وقوف بن گیا لیکن یہ سیاسی مسخرہ بن سطحی نتائج پیدا نہیں کرتا بلکہ چارہ بے وقوف بننے والا عرصے تک بلکہ مدت العمر ہی سمجھتا رہتا ہے کہ وہ اس سونے میں کامیاب ہے۔

زندگی کا رجحان چونکہ ہمہ جہتی ہے اس لئے یہ سیاسی مسخرے بھی ہمہ جہتی ہوتے ہیں۔ فرض کیجئے انھیں کسی ایسے مجمع سے کھیلنا ہو جو مزدوروں پر مشتمل ہے تو ان کی گفتگو کا جھل بھی ہوگا کہ دنیا کی اصل طاقت مزدور ہے۔ وہی کھیتوں کو اٹھاتا ہے، سڑکوں کو روشن کرتا اور مشینوں کو چالو کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے دہاتوں میں تازگی ہے اور شہروں میں ہمای، وہی حکومت کی جان ہے۔ وہی سماج کی روح ہے اور وہی حاصل کائنات ہے۔ انھیں صاحب کو کسی کارخانہ کے افتتاح کا پروگرام دے دیا جائے تو فرمائیں گے دنیا کی اصل طاقت سرمایہ ہے اور دنیا کے حقیقی محسن وہ ہیں جو سرمایہ کی طاقت کو پھیلانے اور بڑھاتے ہیں۔ یہ آج ایک ملک کے دامن میں پھیل رہا ہے تو ملک اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ درکل اسے ساری دنیا پر حاوی کر دیا جائے تو پوری دنیا کے لئے نعمت قرار دیا جاسکتا ہے۔ ادیبوں کے مجمع میں جائیں گے تو کہیں گے کہ دین سارے فسادات کا سرچشمہ ہے اس سے نفع نہ پہونچے ہیں اور تباہیاں رونما ہوئی ہیں اور لادینی ایک نعمت ہے، مگر انھیں سے جب کسی رہب کے جلسے میں یا کسی دینی پیشوا کے حالات پر تقریر کر کے لئے کہا جائے گا تو فرمائیں گے کہ نیا کا اصل مرض آدمی زہوں مالی نہیں بلکہ اخلاقی و روحانی پستی ہے اور یہ پستی صرف دین ے سہارے دور ہو سکتی ہے، میرے موضوع تقریر دینی پیشوا کے حالات زندگی ایسے ہیں کہ ان کی سیرت کو اپنا کر دنیا اپنے معائب سے نجات پا سکتی ہے۔

بیسویں صدی کے یہ مسخرے برابر بڑھتے جا رہے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ ان کے مسخرے بن کب جا کر لوگ واقف ہو سکیں گے۔ (دعوتِ دہلی)

لیلائے وزارت | آئندہ کی سابقہ حکومت کے وزیر مسٹر پرکاشم نے یہ ارادہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اب کانگریس میں شریک ہو جائیں گے۔ مسٹر پرکاشم اگرچہ ستر سالہ بوڑھے ہیں لیکن ابھی ان میں یہ ہمت ہے کہ لیلائے وزارت سے آنکھیں چار کر سکیں اور اس سے اپنا گھر بنانے کے حقن کریں۔ مسٹر پرکاشم اب تک کسی ایک پارٹی سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ اور گزشتہ دنوں انھوں نے جو وزارت بنائی تھی وہ آزاد آدمی کی حیثیت سے بنائی تھی اور ایسے مختلف جماعتوں کی تائید حاصل تھی لیکن اب جبکہ ان کی وزارت عدم اعتماد کی بنا پر درخواست کر دی گئی اور اس بات کے امکانات ختم ہو گئے ہیں کہ وہ کسی ایک نہاد نمائندہ کی حیثیت سے حکومت بناسکیں تو انھوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ کانگریس میں شامل ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہوا کہ اب اپنے آزاد وجود کو کسی پارٹی کا پلا بھاری کرنے کے لئے استعمال کریں گے اور اس کے ذریعہ پھر وزارت نشیں ہو جائیں گے۔

کتنی تعمیر یکتی اصولی اور کتنی اخلاقی ہے وہ سیاست، وہ نظام اور وہ طریق زندگی جس کے تحت آدمی لیلائے وزارت کو جینے کی خاطر طرح طرح کے کہیں کہیں سکتا ہے! (دعوت)

نشان امتداد



فانتحانہ اقدام

شیر پائین سنگ کا نام تائیں میں محفوظ ہو گیا

گورنری کا نشان

اس کا پس منظر قوت و توانائی ہے

قوت و توانائی کا سرچشمہ مار اللحم ہے

دواخانہ طبیبہ کالج، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

19 JAN 1955

مکمل ہفت روزہ

ماہنامہ

ہماری دعوت

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ

اسی گمہ پر اسلام کی بنیاد رکھا اور ہمارا ایمان ہے کہ میں انسانیت کی نجات کا گمہ ہے۔ لیکن صرف ایک ہل ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک ہم فیصلہ ہے۔ وہ جس بات کا ہم سب کو ہم صرف اللہ کی عبادت اور زندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی پیروی کریں گے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ہوتی ہے۔ اور زندگی کی ہر چیز میں اس کا فرض ہے کہ زندگی اس حمد کے مطابق اڑے اور اسی کو زندگی کو دنیا میں روح دینے کی کوشش کریں اور اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا حمد کرتے ہیں، اسی کی حمد کرتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنے چاہتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّبِعُوا أَمْرًا نَسِيًّا كُنْتُمْ رَافِقِينَ لِلَّهِ الْأَوَّلَ

مُؤْتَمَرِ مَسْلَمَاتِ الْأَعْلَى بِالْمَدِينَةِ

تَرْوَاهُ الْفَرْقَانُ

مَجْلَدِ مَسْئَلَةِ مَسْئَلَةِ

مَجْلَدِ مَسْئَلَةِ مَسْئَلَةِ

مولینا محمد منظور نعمانی

اور

مولینا سید ابوالحسن علی ندوی کی

تبلیغی تقریریں

ہندستان اور پاکستان کے مختلف شہروں کے اہم تبلیغی اجتماعات میں کی گئی تھیں۔ اور جن کے مخاطب تبلیغی جماعت کے کارکن مسلم موم اور غیر مسلم حضرات ہیں یہ ۱۲ تقریریں سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں۔

قیمت جلد دو روپے آٹھ آنے

ملفوظات

حضرت مولینا محمد الیاسؒ
جسے

مولینا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولینا محمد الیاسؒ کی علمی اور مخصوص گفتگوؤں سے منتخب کر کے مرتب کیا ہے۔ علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہے، ایک ایک ملفوظات یقیناً اور معرفت کی بلندیوں سے اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

بہترین کتابت و طباعت

قیمت غیر جلد ایک روپہ چھ آنے

تصوف کیا ہے؟

مولینا محمد منظور نعمانی

مولینا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولینا محمد الیاسؒ کی مشترکہ تصنیف

جو اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث کے سلیحہ و سکے لحاظ سے اپنے موضوع کی ضخیم کتابوں کے مقابلہ میں بہت ممتاز سمجھی گئی ہے۔

۱۵ صفحات، بہترین کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ

قیمت ایک روپہ چار آنے

قادیا نیت پر

غور کرنے کا سیدھا راستہ

مولینا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی ایک گفتگو

جس میں صرف یہ بتایا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف

ہونے چاہئیں اور مرزا غلام احمد قادیانی میں وہ

اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف

تھے یا نہیں؟۔ بس یہی ان کو جانچنے اور پرکھنے کا

سیدھا اور آسان راستہ ہے۔

قیمت چھ آنے

ملکی کاپیہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ کھٹو

بندستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (ریکھ ہندستان) میں
سالانہ چندہ (ریکھ پاکستان) میں
ششماہی ستر

الفتن

ماہنامہ

غیر مالک سے
سالانہ چندہ اشنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ حشر

ایمیت کی کاپی ۲۲ آگے

جلد ۲۲ بابنہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق جنوری ۱۹۵۵ء نمبر ۱۱

| نمبر شمار | مضامین | مضامین نگار | صفحہ |
|-----------|---------------------------------------|--|------|
| ۱ | نگاہ اولیں | عقین الرحمن سنہلی | ۲ |
| ۲ | قرآنی دعوت | محمد منظور نعمانی | ۱۱ |
| ۳ | معارف الحدیث | " | ۱۸ |
| ۴ | اسلام میں نبوت کا تصور | ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم۔ بی۔ ایچ۔ ڈی | ۲۵ |
| ۵ | ایک سیاسی قوال کا معتزبانک عرض و زوال | مولانا سیدنا ظفر حسن گیلانی | ۳۲ |
| ۶ | سفر مصر (ڈائری) | مولانا سیدنا ابوالحسن علی ندوی | ۴۵ |
| ۷ | تعارف و تبصرہ | ع۔ س | ۵۵ |

اگر اس ○ دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے

• تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بھیند دی جائے گا۔

چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۳۱ تا تاریخ تک پہنچ جانی چاہئے!

پاکستان کے خریدار ہر سال چندہ سکرٹری ادارہ و تبلیغ اسپرٹین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور

مسی آؤر کی پہلی رسید ہائے پاس فوراً بھیجیں

تایخ اشاعت ہر سال ہر انگریزی پینے کی ۱۵ کر و دانہ کر لیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تک بھی کسی صاحب کو ملے

تو مطلع فرمائیں اگلے رسالہ کے ساتھ کر بھیج دیا جائے گا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اولیں

مصر میں اخوان المسلمین پر جو ظلم و ستم توڑے جا رہے ہیں اُن پر تمام عالم اسلام اٹھتا رہے۔ کئی ملکوں میں زبردست مظاہرے اور ہڑتالیں ہوئیں اور اسلامی دنیا کے تقریباً ہر گوشہ سے مصری حکومت کی اس وحشت و بربریت کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ اور اخوان فی الواقع ایسی ہی بہرہ روی اور غنچاری کے ستیج تھے۔

اخوان المسلمین عالم عربی کی وہ تنہا جماعت ہے جس نے ان ملکوں میں اور خاص طور پر مصر میں دین کا کھویا ہوا قار و تار واپس دلایا۔ لاکھوں عرب نوجوانوں میں اسلامی غیرت کا صور بھونک دیا، جدید تعلیم کے باوجود ان کے افکار و کردار میں اسلامیت کو رچا دیا اور موت فی سبیل اللہ کو ان کی شیریں تر آرزو بنا دیا۔

وہ مشرق وسطیٰ جس پر یورپ کے تسلط نے اسلام کو اس کے اپنے میں جھنجھکا دیا تھا۔ جہاں اسلام کا نام لینے والے تضحیک کا نشانہ بنتے تھے جہاں دینی افکار و اعمال کو قدامت پرستی کی علامت سمجھا جانے لگا تھا اور مصر اس مغرب زدگی میں تمام مشرق وسطیٰ کا امام ہو چلا تھا۔ اسی مشرق وسطیٰ میں اور خاص طور پر مصر میں آج اخوان کی بدولت سب سے اونچی آواز میں جو نعرہ گونج رہا ہے وہ یہ ہے :-

اللّٰهُ غَاثِنَا، وَالْقُرْآنُ دَسْتُورُنَا، وَالرَّسُولُ رُزْمِيقُنَا، وَالْجِهَادُ سَبِيلُنَا

والموت فی سبیل اللہ اسمیٰ اَمَانِنَا

اللہ ہمارا مقصود ہے، قرآن ہمارا دستور ہے، رسول ہمارا رہنما ہے، جہاد ہمارا راستہ ہے

اور اللہ کے راستہ میں موت ہماری سب سے بڑی آرزو ہے

یورپ کے اقتدار کا مزہ ہم کچھ چکے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ اس اقتدار کے جلو میں جو تعلیم اور تہذیب آئی تھی اس نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ اس اقتدار کی بدولت ہمارے یہاں اتحاد و دھرتیت اور دین سے بے اعتنائی کے وہ جراثیم پھیلے کہ جن کا کبھی پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایک بودی نسل کی نسل ہمارے یہاں پیدا ہو گئی جو نام اور قومیت کے لحاظ سے تو مسلمان ہے لیکن افکار و جذبات کے لحاظ سے اسے اسلام سے کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں اور آج بھی ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے والے نوجوانوں کا عام حال کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہے، بس اسی پر مصر اور دوسرے عربی ملکوں کو قیاس کر لیجئے جہاں اہل یورپ کے سبز قدم پہنچے ہیں۔ — مگر آج انخوان کی بدولت مصر و شام اور سوڈان کا حال یہ ہے کہ وہاں کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے والے ہزاروں نوجوان اتر کے طلبہ سے بھی زیادہ بہر جوش مسلمان ہیں۔ انھیں اپنے اسلام پر فخر ہے اور انہماک و شہادت کا شعار بن گیا ہے۔

فلسطین میں جب یہودیوں سے عربوں کا ٹکراؤ ہوا تو اسلام کے یہی بہر جوش اور جاں نثار خادم تھے جو عرب حکومتوں کی باقاعدہ فوجوں سے بھی آگے آگے تھے اور قبلہ اول کی حفاظت کے لئے بے نظیر شجاعت کا ثبوت دے رہے تھے۔ یہ نوجوان عرب قومیت سے زیادہ اسلامییت کی روح سے سرشار تھے اور ان کا مقصد عرب قوم کے دفاع سے زیادہ اسلام کا دفاع تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ جب انخوان کے فوجی مرکز میں آکر اپنا نام پیش کرتے تھے اور قبول کر لئے جاتے تھے تو الحاح کے ساتھ اپنے بزرگوں سے کہتے کہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمیں قبول کرے۔ اور لوگوں کی چشم دید شہادت ہے کہ ان میں ایسے ایسے نوجوان بھی ہوتے جن کی میسں بھی نہیں بیگی ہوتیں۔۔۔ شہادت کی یہ تڑپ، یہ آرزو اور یہ دلہلہ جس نے بیسویں صدی میں رافع بن خدیج اور عمرہ بن حنظل کی یاد تازہ کر دی اس کا ہر امیو میں صدی کی جس جماعت کے سر رہے اسی کا نام الاخوان المسلمون ہے۔

کالجوں اور یونیورسٹیوں کی الحاد زدہ اور دین کش فضا کو دیکھئے اور مصریوں کی یورپ کے لادینی افکار سے محرومیت کو ذہن میں رکھئے اور پھر اس اقتہ کو سنئے کہ نقشبانی شاہد سابق ذہیر عظیم کے تخیل کا عبور جب مصر میں انخوان کی عام پکڑ و حکم و شروع ہوئی تو بولیس والوں کا بیان ہے کہ انھیں انخوان کی خاص پہچان یہ بتلائی گئی تھی کہ چہرے پر دائرہ آبی اور حیب میں قرآن شریف۔ یہ پہچان عربی مدرسوں کے

طالب علموں یا مسجد کے ملاؤں کی نہیں تھی بلکہ اخوانی زوہرانوں کی تھی جن میں سیکڑوں کا تعلق کسی کالج یا یونیورسٹی سے تھا۔

مخدوم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی خود اپنا چشم و بد واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شام میں ایک دوست انھیں ایک اجتماع میں لے گئے۔ وہاں پہنچے تو ایک مسئلہ چھڑا ہوا تھا مسئلہ یہ تھا کہ قومی ہیروؤں کے اسٹیجوں پر نصب کرنا کیسا ہے؟ اور مسئلہ چھڑنے کی وجہ یہ تھی کہ برازیل کے شامیوں نے شام کے ایک قومی ہیرو کا اسٹیج ہوا کر بھیجا تھا۔ مولانا علی میاں مذللہ ایک طرٹ خوشی اور ایک طرٹ افسوس کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ نصب کرنے کی حمایت میں وہاں کے ایک مقتدر عالم بھی تھے اور وہ یہ کہتے تھے کہ اگر ہم نے اپنے برازیلی بھائیوں کی خواہش کو ٹھکرا دیا تو تمدن دنیا ہم پر ہنسے گی لیکن اس کی مخالفت میں سب سے زیادہ پیش پیش شامی یونیورسٹی کے طلبہ تھے جو دنیا کی کسی دلیل کو ماننے کے لئے صرن اس لئے تیار نہ تھے کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، دنیا ہنستی ہے تو ہنسا کرے — یہ کس چیز کا اثر تھا؟ ان طلبہ سے جا کر پوچھے تو یہ بتلا دیں گے کہ یہ انخوان کی دعوت کی بدکرت ہے۔

مشرق وسطیٰ کے یہ مسلمان ملک عرصہ سے مغربی اقوام کے مقابلہ میں جس ذلت اور بے بسی سے دوچار ہیں ہمارا ایمان ہے کہ اس کی بنیادی وجہیں صرف دو ہیں۔ ایک ان ملکوں کی دین سے بے رخی اور دوسری قربانی سے گریز اور موت سے خوف — دین سے مخلصانہ تعلق اور شہادت کا دالمانہ شوق مسلمانوں کی طاقت کے وہ عناصر تھے جن کا توڑ ان کے کسی دشمن کے پاس نہیں تھا۔ شہادت کا شوق ان کے ظاہری اسباب کو باوجود قلت کے ایک نرالی قوت بخشتا تھا اور دین کی تابعداری انھیں ضرورت کے وقت غیبی امداد ہم پہنچاتی تھی اور اس طور پر ان کی طاقت ناقابل شکست ہو جاتی تھی مگر ان ملکوں نے اپنی قبرستی سے اور تمام دنیا کے مسلمانوں کی قبرستی سے اپنی طاقت کے ان جوہری عناصر کو کھو دیا — اللہ کے بندے کبھی کبھی اٹھتے رہے اور ان کو وہاں لانے کی جدوجہد کرتے رہے مگر کئی شئی مرہون بوقتہ (ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے) یہ کام بڑے بیانیہ پر نہ ہو سکا۔ سمندر کی سطح ساکن پر چھوٹی چھوٹی موجیں ابھر کر غائب ہوتی دیں مومی حال جیسا کہ تیسرا ہی رہا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے مصر کی گو د میں ایک بچہ پرورش کیا جسے آج دنیا حسن البنا کے نام سے جانتی ہے۔

شیخ حسن النبا کے جب شعور کی آنکھ کھلی تو ان کے دل میں اس صورتِ مال سے ایک بے چینی پیدا ہوئی اور جوں جوں شعور جاگتا گیا یہ بے چینی بھی بڑھتی گئی۔ چند روزہ سولہ برس کی عمر میں ہی انھیں اس بے چینی نے نکل اور جدوجہد کے راستہ پر لگا دیا، اور پھر بیس سال کی لگاتار محنت، خداداد صلاحیت اور توفیقِ الہی سے انھوں نے ان ملکوں میں وہ انقلاب حال کر دیا جس کی چند مثالیں ادھر گزریں شیخ حسن النبا کا خاص کا زمانہ جیسا کہ ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے انہی دونوں عناصر کو آپس لانا ہے۔ جن کو کھوکھرو مشرق وسطیٰ کے یہ ممالک ہر ظالم اور ہر بدنیت کا لقمہ تر بن گئے ہیں اور عرصہ سے دنیا کے پست ترین ممالک میں شمار ہو رہے ہیں اور ان ملکوں کے جن لاکھوں افراد میں ان عناصر کا ظہور ہو گیا ہے انھیں کا نام اخوان المسلمون ہے۔

کوئی بتلائے کہ ایک ایسی جماعت جو ان اعلیٰ خصوصیات میں منفرد اور بجا طور پر عالم اسلام کا دھڑکتا ہوا دل کمانے کی مستحق ہے۔ اگر ظلم کی جگہ میں پیسی جائے تو اس سے ہر قلبِ مسلم کو تکلیف کیوں نہ ہو اور ان لوگوں سے نفرت کیوں نہ پیدا ہو جن کے ہاتھ ان مخلصینِ لدین اللہ والمجاہدین فی سبیلہ کے خون سے رنگین ہوں۔ اس لئے عالم اسلام کو ان کی مظلومیت سے جتنا بھی رنج و مزہ ہو بالکل سبباً ہے اور جتنی بھی ہمدردی ان کے ساتھ کی گئی وہ ان کے استحقاق سے زیادہ نہیں؛ لیکن بعض حضرات نے اس موقع پر انظارِ افسوس کا ایسا طرزِ اختیار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اصل افسوس اخوان کی مظلومیت کا نہیں بلکہ اس بات کا ہے کہ اخوان کی تحریک خارجیت کی طرف مائل ہو گئی چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ کسی کسی مفید اصلاحی تحریک میں اٹھتی ہیں مگر زیادہ دن نہیں گزرنے پاتے کہ وہ اپنے بے چارے کارکنوں کے ہاتھوں خارجیت سے جاتی ہیں۔ گویا اخوان کے ساتھ مصر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سہرا سرِ ظلم نہیں بلکہ اس میں بہت کچھ دخل ان کی خارجیت کا ہے۔

اخوان فی الواقع خارجیت کی طرف مائل ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ تو بعد کا ہے اور ہم اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں؛ اور نہ صرف غور کرنے کے لئے تیار ہیں بلکہ اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ اگر اخوان کی خارجیت ثابت ہو جائے تو ہم بھی آئندہ کے لئے ان کی ہمدردی سے کانوں پر ہاتھ دھریں اور صرف ان کے لئے دعائے ہدایت پر اکتفا کریں مگر پہلا سوال یہ ہے کہ اخوان اگر بالفرض خارجی ہیں بھی تو ان واقعات کا ان کی خارجیت سے کیا تعلق ہے؟

نارجیت تو جہاں تک ہمیں معلوم ہے، ان الحکم الاسلامیہ کی اس غالبانہ تشریح کو اختیار کرنے اور اس سے انکار کرنے والوں کو مباح العرض والدہم سمجھنے کا نام ہے جو حضرت علی کے مقابل میں خواجہ کملانے والے فرقہ کا شکار تھی۔ اور غالباً ان حضرات کو بھی اس سے انکار نہ ہو گا۔ پس ہم تھوڑی دیر کے لئے مانے لیتے ہیں کہ اخوان بھی اس گمراہی کا شکار ہیں اور ہم یہ بھی مانے لیتے ہیں کہ اخوان نے کرنل ناصر اور ان کی کیبنٹ کو ختم کرنے کی سازش کی تھی جس کی وجہ سے ان کو یہ بھانیاں دی جا رہی ہیں؛ مگر کیا کوئی صاحب ذمہ داری کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی اس سازش کا محرک ان کی وہ گمراہی تھی؛ اور وہ مصر کی فوجی کیبنٹ کے قتل کے درپے اس لئے تھے کہ وہ ان الحکم الاسلامیہ کی اس غالبانہ تشریح کو قبول نہیں کرتی؟ اور تو اور خود حکومت مصر نے بھی یہ بات نہیں کہی اس کے اعلامیہ میں بھی صرف اتنا ہی بتلایا گیا ہے کہ ان لوگوں نے تشدد کے ذریعہ حکومت پر قبضہ کرنے کی سازش کی تھی؛ پھر آخر وہ کونسا ذریعہ ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ اس سازش کا محرک ان کی خارجی ذہنیت تھی؟

جو لوگ مصر کے موجودہ واقعات کے پس منظر سے ذرا بھی واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان واقعات کی بنا مصر اور برطانیہ کا تنازعہ معاہدہ سوئز ہے۔ مصر کی فوجی حکومت نے جسے کوئی بھی منصف مزاج مصر کی نائنندہ حکومت نہیں کہہ سکتا، برطانیہ سے نہر سوئز کے تحلیہ کے متعلق ایک معاہدہ کر لیا اور غالباً اس حکومت کو اس بات کا پورا خطرہ تھا کہ اہل مصر اس کی شدید مخالفت کریں گے۔ اور واقعی وہ معاہدہ تھا بھی ایسا ہی کیونکہ جب اس کی تفصیلات ہمارے یہاں کے اخبارات میں شائع ہوئیں تو بلا یہ جانے ہوئے کہ اہل مصر پر اس کا رد عمل کیا ہے ہمارا ذاتی تاثر اس کے متعلق یہی تھا کہ اس میں تو مصر کی وہ قومی انگلیں کہیں بھی پوری نہیں ہوئیں جن کے پورا کرنے کے لئے فوجی حکومت اہل مصر کو روزانہ یقین دلاتی تھی۔ اس لئے اس نے ہر تنقید کو سختی سے قرار دے کر قطعی ممنوع قرار دے دیا اور ہر زبان اور ہر قلم پر قفل چڑھا دیا۔ چنانچہ ڈاکٹر حسن بھنبی صاحب مرشد عام المسلمین کے کئی خط موجود ہیں جن میں انہوں نے کرنل ناصر سے بار بار درخواست کی کہ وہ اس بے جا پابندی کو اٹھالیں مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا اور بقول بھنبی صاحب ان کی باتوں کا جواب ہمیشہ گالیوں سے دیا گیا اور ان گالیوں کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت معاہدہ ہوا ہے اس وقت بھنبی صاحب

اپنی جماعت کے بعض اہم افراد کے ساتھ شام میں تھے اور معاہدہ کی اطلاع پا کر انھوں نے دُشمن دُیدار سے ایک تقریر نشر کی تھی جس میں اس معاہدہ پر تنقید کی تھی۔ بس یہیں سے مصری حکومت چراغ پا ہو گئی اور پھر اس کا رہا سہا دماغی توازن اس سے خراب ہو گیا کہ جب مینیبی صاحب کی مذکورہ بالا خط و کتابت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو اخوان نے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں معاہدہ پر تنقید کی اور اسے خفیہ طور پر ملک میں تقسیم کر دیا۔ علیٰ ہذا اخوان کے بعض خطیبوں نے اپنی جامع مساجد میں اس معاہدہ پر اور حکومت کے جابرانہ رویہ پر نکتہ چینی کی۔ چنانچہ حکومت کا دماغی توازن اس حد تک بگڑا کہ اس نے اس نکتہ چینی کے جواب میں مسجد کے اندر ہی تشدد شروع کر دیا۔

پس اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ اخوان نے مصری کینڈٹ کے قتل کی سازش کی تھی اور وزیرِ اعظم مصر ہر قاتلانہ حملہ اسی سازش کا شاخسانہ تھا تو بھی اس میں کسی تائید کی گنجائش نہیں کہ اس سازش سے ان کی برجوش مذہبیت یا "خارجیت" کو کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں بلکہ اس کا تعلق سراسر ایک غیر مذہبی، سیاسی مسئلہ سے ہے۔ اس لئے ہم ان واقعات کا رشتہ اخوان کی خارجیت سے جوڑنے والے بزرگوں سے ادب کے ساتھ درخواست کریں گے کہ اگر انھوں نے ان واقعات کے پس منظر کو سمجھنے میں غلطی کی ہے تو ان کے مقام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی اس غلطی کا اعتراف فرمائیں ورنہ ہمیں سمجھائیں کہ ہم نے اس کو سمجھنے میں کیا غلطی کی ہے!

رو جاتی ہے یہ بات کہ اس سازش کا خفا خارجیت نہ ہے لیکن اس سازش کے بعد وہ بہر حال سراسر مظلوم اور مصر کے حکمران سراسر ظالم نہیں ٹھہرائے جاسکتے اور اس حیثیت سے کہ اخوان مصر میں مذہب کی نمایندگی بھی کرتے ہیں۔ ان کا یہ فعل بجا طور پر قابلِ افسوس ہے۔ اختلافات میں تشدد کا راستہ اختیار کرنا یوں بھی ایک غیر معقول بات ہے چہ جائیکہ مذہب کے علمبردار اس کا ارتکاب کریں۔ تو ہم اس کے متعلق علیٰ اسبیلِ تسلیم یہ عرض کریں گے کہ اس سازش کو صرف اختلاف رائے کا نتیجہ قرار دینا کھلی نا انصافی ہے۔ آپ پورے پس منظر کو ذہن میں رکھئے اور پھر بتلائیے کہ کیا اسے محض اختلاف رائے کے سرعہ پانچا جاسکتا ہے؟ اس کے پس منظر میں تنہا اختلاف رائے نہیں بلکہ وہ پابندیوں بھی جو اظہارِ رائے پر حائل کی گئیں اور وہ ناروا تشدد بھی ہے جو ان پابندیوں کی خلاف ورزی پر روا رکھا گیا۔ حال ہی میں روزنامہ المجتہدہ اور قومی آواز کی کئی اشاعتوں میں اخوان

تین ممبران مشتمل ہے جو خود ایک فریق ہے اور پھر ان ممبران میں بھی بعض وہ ہیں جو ان خان کے مرشد عام سے سخت عناد اور نفرت کا جذبہ رکھتے ہیں، جس کے گواہ خود حکومت مصر کے سرکاری ترجمان التحریر کے ہرچے ہیں۔ ایسی صورت میں اس عدالت کو عدالت کے لفظ سے یاد کرنا ہی اس مقدس لفظ کی توہین ہے، چہ جائیکہ اس کے فیصلہ کا کوئی وزن محسوس کیا جائے۔ اس لئے اتنے سنگین الزام کو صحیح تسلیم کر لینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ اور نہ صرف صحیح تسلیم کرنا بلکہ اس صورت میں ملزم کو قصاص بری نہ سمجھنا اور اس پر سزا کا نفاذ کرنے والوں کو معذور سمجھنا اس کا بھی کیا جواز؟

کہا جاسکتا ہے کہ خویش انقلاب کی سازش نہ یہی مگر اس کو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ وزیر اعظم کے قتل کی سازش کی گئی کیونکہ اس کا تو اقبال بعض ملزمین نے خود کیا ہے۔ ہم عرض کریں گے کہ اقبال جرم بیشک کبھی کوئی وزن رکھتا تھا مگر جب سے سویٹ روس میں سازشی مقدمات چلنے شروع ہوئے ہیں اس کا سارا بھرم جاتا رہا ہے اور اب جب بھی روس سے کسی ملزم کے اقبالی ہونے کی خبر آتی ہے ساری دنیا ایک ساتھ تہقہہ لگا کر ہنس پڑتی ہے، کیا ثبوت ہے کسی کے پاس کہ یہ اقبال بھی ایسا ہی مضحکہ خیز نہیں ہے؟ اور اگر یہ اقبال کوئی وزن بھی رکھتا ہو تب بھی یہ بے پناہ پھانسیاں تو دنیا کے ہر قانون جزا و سزا کی رو سے ظلم ہی رہیں گی۔

زیادہ سے زیادہ جو بات تسلیم کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ اس میں بھی کلام کی بحد گنجائش ہے اور لوگوں نے کیا بھی ہے جو شک پیدا کر لینے کے لئے بہت کافی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک انخوانی نے وزیر اعظم پر قاتلانہ حملہ کیا۔ ہم اسے تسلیم کئے لیتے ہیں مگر یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اسکی ذمہ داری کس پر ہے؟ کیا حکومت کی اس آمرانہ پالیسی پر نہیں ہے کہ ایک مسئلہ کے متعلق جس کا تعلق ہر مصری کی زندگی اور اس کے مستقبل سے تھا اظہار رائے کا حق چھین لیا گیا اور ہر مخالفت آواز کا گلا گھونٹ کر جیتے جاگتے انسانوں کو مردہ بن جانے پر مجبور کیا گیا؟ اور کیا اس کی ذمہ داری تشدد کی اس گرم بازار میں پر نہیں ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا؟ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم سارا الزام حملہ آور غریب ہی کے سر رکھ دیں؟

اور پھر چلیے قصور وار یہی شخص ہی! اور اس کو پھانسی دینے والے معذور ہی! مگر اس جماعت غریب کا کیا قصور تھا جس سے یہ حملہ آور اتفاق سے تعلق رکھتا ہے، جو اسے قوطر دیا گیا،

اس کے منظم اثنان دفتر کو نذر آتش کر دیا گیا اور اس کی پوری نیادت کو عمر بھر کے لئے قیدمی بنادیا گیا یا سولی پر چڑھا دیا گیا؟ — حالانکہ اس حملہ کی ذمہ داری اگر محمد آدر کے سوا کسی اور پر ہو سکتی ہے تو وہ حکومت اور صرف حکومت ہے جس نے ملک میں ایسے حالات پیدا کئے جنہوں نے کتنے ہی بچپلوں کو اس اقدام پر اکسایا ہو گا اور بالآخر ایک اخوانی اس غلط راستہ پر بہہ گیا کیونکہ اسی کی جماعت اپنی جرات حق گوئی کی وجہ سے اس جبر و تشدد کا خاص نشانہ تھی — کیا اس سے جماعت ہر کوئی ذمہ داری آتی ہے؟ اور کسی محتاط اور قصہ دار آدمی کے لئے جائز ہے کہ وہ جماعت کو اس نفل کا ذمہ دار گردانے؟ اور پھر اس کے ساتھ جماعت کی مذہبیت کو ملا کر خارجیت کا نتیجہ نکالے؟ — اہل مصر کی نادر شاہی حکومت کے لئے ضروریہ ایک اچھا بہانہ بن سکتا تھا۔ جو اسی تاک میں بیٹھی ہوئی تھی کہ کوئی بات ملے اور اسے ہنگر بنا کر اس جماعت کو تپ دم کر دے۔ جو نہ صرف یہ کہ اُس کے حکم سے خود زبرد ہونے ہوئے مردہ بننے کے لئے تیار نہیں ہے بلکہ اوروں میں بھی زندگی کا صور پھونک رہی ہے اور جبکہ دوسرے فوجی سنگینوں کے خوف سے ”ہلک ٹک دیدم دم نہ کشیدم“ کا منظر پیش کر رہے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ خود دم سادھنے پر راضی نہیں ہے بلکہ دوسروں کے منہ میں بھی زبان پیدا کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ بخیب بھی دم بخود ہیں اور خاصا پاشا کا منہ بھی بند ہے۔ جن کے ساتھ پورا اگر نہیں دو تہا کی مصر ضرور ہے —

مگر اخوان ہیں کہ گویا جب تک ان کے منہ میں زبان ہے یہ حکم زبان بندی نہیں مان سکتے — چنانچہ اُس نے اس واقعہ سے براہِ روبرو فائدہ اٹھایا اور ان شریرہ سروں کو جن میں کٹھکان لگا دیا۔

ہم جو یہ کہتے ہیں کہ حکومت مصر ایک بہانہ کی تلاش میں تھی اور اس واقعہ میں اسے ایک اچھا بہانہ مل گیا، تو یہ محض سوئے من یا نکات بعد الورقہ والی بات نہیں ہے بلکہ اس کو نفس الامری حقیقت ثابت کرنے کے لئے ایک ایسا قرینہ بھی موجود ہے جو کسی بھی غیر جانبدار آدمی کے لئے باعث اطمینان ہو سکتا ہے۔ وہ قرینہ معاہدہ سوزن کے مسئلہ پر حکومت کے جذبات کی وہ غیر معمولی نزاکت تھی جس کی طرف بھٹیلی صاحب سے اختلاف رکھنے والے بعض اخوانوں نے ان کی دمشق ریڈیو سے تقریر کے بعد فوراً اشارہ کیا تھا — صالح مشاومی صاحب ایڈیٹر الدعویہ (اخوان المسلمین کے ایک بہت اہم سابق رکن) نے اس تقریر کے بعد الدعویہ کا جو پہلا ہی ادارہ لکھا اس میں اس بات پر سخت تنقید کی کہ بھٹیلی صاحب نے مصر اگر مجلس شوریٰ سے سورہ کئے بغیر دمشق ہی سے کیوں معاہدہ پر تنقید کر ڈالی حالانکہ اس کے

قرآنی دعوت

— (۱۶) —

عملِ صالح :-

[اس مسئلہ کی گزشتہ قسط میں — خداوندی ہدایت کی اطاعت و پیروی — کے زیر عنوان بیان کیا گیا تھا کہ قرآن مجید جس طرح خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہو۔ اسی طرح وہ اس پر بھی زور دیتا ہو کہ خدا کے بندے اپنے خدا کی نازل کی ہوئی اور اس کے رسولوں کی لائی ہوئی ہدایت کی اطاعت و پیروی کو اپنی زندگی کا اصول بنائیں اور اس کے مطیع اور تابع رہ کر ہی زندگی گزاریں۔ اس بارہ میں قرآن مجید کی تاکیدات اور ماننے اور نہ ماننے والوں کے بارہ میں اس کی نشان دہات اور تنبیہات ذکر کی جا چکی ہیں — اب آج کی قسط میں جو کچھ کھاجاہد جو اس کو بھی اسی عنوان کے تحت سمجھنا چاہیے۔]

اسی اتباعِ ہدئی اور اطاعتِ خدا و رسول والی زندگی کی ایک تعبیر عملِ صالح والی زندگی بھی ہو، قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر ایمان کے ساتھ عملِ صالح کا ذکر اس طرح کیا گیا ہو کہ گویا ان دونوں سے مل کر وہ زندگی بنی ہو جو ہمارے پیدا کرنے والے کو مطلوب اور محبوب ہو۔ اور جو ہم کو اس محبوب بندہ بنانے والی ہے، قرآن پاک میں بلا مبالغہ سینکڑوں مقامات پر عملِ صالح والی اس زندگی پر ایسی کیفیت اور نشان دہائیاں سنائی گئی ہیں جن میں ایمان والی روحوں کے لیے لذت و سرور اور نشاط و طوبیٰ کا یقیناً اس سے زیادہ سامان ہو جتنا کہ شراب کے متوالوں کو شراب سے حاصل ہوتا ہو گا۔ — چند آیتیں یہاں بھی سن لیجئے!

وہ حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہو کہ آپ پوری انسانی دنیا کو ہمارا پیغام

سنا دیجئے، ارشاد ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا آتَاكُمُ
نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۚ وَالَّذِينَ سَعَوْا
فِي آيَاتِنَا مُجْرِمِينَ أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

(سج ع ۷)
طش سے بخشش ہو، اور عتسز کی روزی ہے۔ اور جو لوگ ہمارے احکام و فرامین
کا مقابلہ کریں وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔

اور سورہ طہ میں فرمایا۔

وَأَنِّي لَغَفَّارٌ لِّذَنِّ تَابَ وَآمَنَ
وَعَمِلَ الصَّالِحَاتِ هُتَدَىٰ ۚ
(طہ ع ۴)

اور سورہ عنکبوت میں فرمایا
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُنَّ الَّذِي كَانُوا
يَعْلَمُونَ ۚ
(العنکبوت ع ۱)

اور سورہ نساء میں فرمایا
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح
والی زندگی گزاریں ہم ان کی خطائیں
معاف اور ان کی برائیاں دور کر دیں گے
اور ان کو ان کے اعمال کا استحقاق سے
بہت زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔

تَحِيَّهَا اَلَا نَهْرُ خَالِدٌ وُنَ فِيْهَا
اَبَدًا ط وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا وَمَنْ
اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ه
(النساء ع ۱۰)

بہشتی باغات میں بسائیں گے جن کے
نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ
ہمیشہ رہیں گے، یہ وعدہ ہو اللہ کا بالکل
سچا، اور کس کی بات ہو سکتی ہو اللہ سے

زیادہ سچی

اور سورہ شوریٰ میں ارشاد فرمایا۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فِيْ دُوْنِ الْحَيٰثِ لَكُمْ فِيْهَا
مَا يَشَاەؤُنَ ، عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ذٰلِكَ الَّذِيْ
يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادًا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ط
(شوری ع ۲)

اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح
والی زندگی گزاریں وہ جنت کے باغیچوں
میں رہیں گے، اُن باغ ہائے بہشتی میں
جس چیز کی وہ خواہش کریں گے اپنے پروردگار
کے پاس وہ اُن کو ملے گی، یہ اُن پر اللہ کا
بڑا انعام ہو، اللہ اس خوش انجامی کی
بشارت اپنے اُن بندوں کو سنا تا ہو جو
ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں۔

اور سورہ کہف میں فرمایا
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
كَانَتْ لَهُمْ جَنَّٰتُ الْفِرْدَوْسِ
نُزُلًا ه خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَمِيْنُوْنَ
عَنْهَا جَوْلًا ه
(الکہف ع ۱۲)

بیشک جو بندے ایمان لائیں اور عمل
صالح والی زندگی گزاریں، ان کے پروردگار
کی طرف سے اُن کی تمنا کی لیے فردوس
یعنی جنت کے باغات ہیں، وہ ان میں
ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (نہ ان کو وہاں سے

کبھی نکالا جائے گا اور) نہ وہ خود وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔

اور سورہ طہ میں ارشاد فرمایا۔

وَمِنْ يَّآتِيْهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ
اور جو بندے اپنے پروردگار کے حضور

فَاُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ
 جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا
 وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى ۝
 (طہ ۳۷)

مومن ہو کر حاضر ہوں گے اور عمل
 صالح والی زندگی انھوں نے گزاری
 ہوگی۔ ان کے لیے وہاں نہایت بلند
 درجے ہیں، کبھی نہ فنا ہونے والے
 بہشتی باغات جن کے نیچے نہریں جاری
 ہیں، اُن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ صلہ لے گا ان کو جو کفر و نافرمانی کی گندگی
 سے پاک ہوں گے۔

ان سب ایتوں میں ایمان اور عمل صالح والی زندگی گزارنے والوں کے لیے آخرت میں اللہ کی
 رحمت و مغفرت اور اُس کے فضل و بخشش اور جنت و نعمت جنت کی بنا تیں ہیں، اور اس میں کوئی
 شبہ نہیں ہو کہ اللہ نے اپنے جن بندوں کو آخرت پر ایمان و یقین نصیب فرمایا جو اُن کے لیے اس سے
 بڑھ کر کوئی بنات اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی کہ آخرت کی حقیقی اور کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں
 ان کو اللہ کی رضا و مغفرت اور جنت نصیب ہو جائے۔

بالفرض اگر ایمان و عمل صالح کے صلہ میں اس فانی دنیا میں کچھ بھی نہ ملے، اور صرف آخرت
 ہی میں وہ مل جائے جس کا وعدہ ان ایتوں میں کیا گیا ہو تو بھی یقیناً نفع ہی نفع ہے، اور ہر مومن
 بندہ اس سودے پر دل و جان سے راضی ہو کہ اپنے رب کریم کا شکر گزار ہی ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے
 کہ عمل صالح اور ایمان کے صلہ میں آخرت میں مغفرت اور جنت کے علاوہ اس دنیا میں بھی کچھ عطا فرماتے
 کا وعدہ قرآن مجید میں کیا گیا ہو وہ اس دنیا کی بھی سب سے بڑی نعمت ہے۔ مثلاً سورہ
 مریم میں فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ۝
 (مریم ۶)

بلاشبہ جو بندے ایمان لائیں اور عمل
 صالح والی زندگی گزاریں، بڑی رحمت
 والا پروردگار ان کو ضرور محبت سے

نوازے گا۔

یعنی اس دنیا کی زندگی میں ان کو اللہ کی محبت و محبوبیت کا مقام نصیب ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ

اپنی مخلوقات کے دلوں میں بھی ان کی محبت پیدا فرما دے گا۔ سوچئے! کسی بندہ کے لیے اس دُنیا میں اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہو کہ اس کے دل کو اللہ سے محبت و تعلق کی دولت نصیب ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی محبت کے لیے جن لے اور عامہ مخلوق کے دل میں بھی اس کی محبت و مقبولیت پیدا کر دی جائے۔ صرف مادی لذتوں اور بڑائیوں سے دلچسپی رکھنے والے جو انسان اپنی انسانیت کو کھو کر حیوانیت کی سطح پر پہنچے ہیں غالباً ان کے نزدیک تو اس دنیا کی بڑی نعمتیں صرف روپیوں کے ڈھیر اینٹوں اور پتھروں سے بنے ہوئے عالیشان محلات، انواع و اقسام کے لذیذ و مرغی کھانے پیش قیمت کپڑے اور قیمتی سواریاں ہی ہوں گی۔ لیکن جو واقعی انسان ہیں انھیں اس میں قطعاً کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ اللہ کی محبت و محبوبیت اور اور عام خلافت کی نگاہ میں مقبولیت کا ایک لمحہ اس پوری عمر سے زیادہ لذیذ اور قیمتی ہو جس میں مذکورہ بالا ساری مادی نعمتیں تو میسر ہوں لیکن اللہ کی محبت و محبوبیت اور مقبولیت کی اس نعمت سے محرومی ہو،

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اپنے جس بندہ کو اپنی محبت و محبوبیت اور مقبولیت کا کوئی حصہ نصیب فرمائے پس وہی جانتا ہو کہ اس کو کتنی بڑی دولت اور زندگی کا کیسا لطف حاصل ہو،۔۔۔ اسی کو قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ”حیوة طیبہ“ فرمایا گیا ہو۔

سورہ نمل میں ارشاد ہے

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ
أُتِنَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلْيُحْيِيهِ حَيوةً
طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

جو بندہ عمل صالح والی زندگی گزارے
خواہ مرد ہو یا عورت، اور وہ صاحب
ایمان بھی ہو، تو ہم ضرور اس کو حیات
طیبہ ”دہنایت اچھی بالطف زندگی“ دیں
گے اور آخرت میں ان کے اعمال حسنہ کا

(النمل ع ۱۳)

اُن کے استحقاق سے بہت زیادہ اچھا صلہ ان کو عطا فرمائیں گے۔

اس آیت میں عمل صالح والی زندگی پر جس ”حیوة طیبہ“ کا وعدہ کیا گیا ہو اس کا تعلق اس دُنیا سے ہے، وہ اللہ کی محبت و محبوبیت، سکینت و طمانیت اور مخلوق کی مقبولیت کی دہی زندگی ہو جس کا ابھی اُدھر ذکر کیا گیا، اور بلاشبہ وہ اس دنیا کی سب سے بڑی دولت و نعمت اور سب سے بڑی لذت ہو۔

”دنیا میں یہ ”حیوۃ طیبہ“ ملنا تو ایمان اور عمل صالح والی زندگی کا وہ صلہ ہو جس سے ہر وہ فرد نواز جاوے گا جسے جو ایمان اور عمل صالح کی شرط کو پورا کرے۔ خواہ مرد ہو یا عورت!۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ ایک اور بہت بڑا انعام اور صلہ اس دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی رکھنے والوں کو یہ بھی دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کا انتظام اُن کے سپرد کر دیتا ہے، اور نظم و نسق ان کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے، جس کے بعد وہ اللہ کی زمین کا انتظام اللہ کی مرضی کے مطابق کرتے ہیں اور اس انتظام میں وہ اللہ کے نائب اور خلیفہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ انعام اور صلہ انفرادی نہیں، بلکہ اجتماعی ہو، یعنی ہر فرد کو اس کے ایمان اور عمل صالح پر یہ صلہ نہیں دیا جاتا، بلکہ اگر کوئی قوم اور جماعت ایمان اور عمل صالح والی زندگی کو اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس قوم اور جماعت کو اس نعمت سے نواز دیتے ہیں۔

ایمان اور عمل صالح کے اسی انعام کا وہ سورہ تور میں ان الفاظ میں فرمایا گیا ہو

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي
الْأَرْضِ مِمَّا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۚ

اللہ کا وعدہ ہوا ان لوگوں سے جو تم
میں سے ایمان لائیں اور عمل صالح
والی زندگی اختیار کریں کہ ان کو ضرور
منتظم اور خلیفہ بنائے گا زمین کا جیسا
کہ ان سے پہلے گزشتہ امتوں کے نمونین

(المزورع ۶)

صالحین کو خلیفہ بنایا تھا.....

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ اور اس کا اذلی قانون ہو کہ اگر دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی رکھنے والی امت موجود ہو تو اللہ تعالیٰ زمین کے انتظام حکومت کے لیے اُسی کا انتخاب کرتا ہو، اور اُسی کو اپنی خلافت و نیابت دیتا ہے، یہ آیت بتاتی ہو کہ نزولِ قرآن سے پہلے زمانوں میں بھی یہی ہوا اور نزولِ قرآن کے بعد کے دور کے لیے بھی یہی وعدہ الہی اور مشورہ خداوندی ہے، سورہ انبیاء کے آخری رکوع میں اسی خداوندی دستور کا بیان ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ
الَّذِي كُنَّا نَأْتِيهِ فِي الْتَّوْرَةِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ

اور ہم لکھ چکے زبور میں نصیحت کے
بعد کہ زمین کے وارث ہوں گے اور

الضَّالُّونَ۔ (الانبیاء ۷) اُس کا انتظام کرینگے میرے صالح بندے۔

ضروری انتباہ | ان آیتوں سے یہ سمجھنا کہ دنیا میں حکومت صرف صالحین کو ملتی ہو اور کسی گروہ کے ہاتھ میں حکومت کا ہونا اس کے صلح ہونے کی نشانی ہو بڑی گھٹیا درجہ کی غلط فہمی ہے، ان آیات کا مفاد جیسا کہ ادھر ہم نے بتلایا صرف یہ ہو کہ جب دنیا میں ایمان اور عملِ صالح رکھنے والی کوئی اُمت اور جماعت موجود ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنی خاص تائید اور نصرت سے زمین کا اقتدار و انتظام اور اُس کی خلافت اُس کے سپرد کرے گا، اور یہ اُس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا انعام اور مزید ترقیات کا باعث ہوگا۔

مَعَارِفُ الْحَشِدِ

(بقیہ صفحہ ۲۴)

کریں، پس یہی ان کی نیت ہے، اور ان دونوں گروہوں کا گناہ برابر ہے (یعنی آخری قسم کے لوگوں کو ان کی بڑی نیت کی وجہ سے وہی گناہ ہوگا جو تیسرے قسم کے لوگوں کو ان کے برے اعمال کا گناہ ہوگا، (ترمذی)

(تشریح) حدیث کے نفسِ مطلب کی وضاحت ترجمہ کے ساتھ ساتھ کر دی گئی ہو۔ البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ بُرے عمل کی جس نیت پر گرفت ہے اور جو گویا بُرے عمل کی طرح گناہ ہے وہ عزم کا درجہ ہے، یعنی بندہ کو اس گناہ کا شوق اور اپنی طرف سے اس کے گزرنے کا مصمم ارادہ ہو، چاہے کسی مجبوری کی وجہ سے پھر کر نہ سکے، پس جب کسی گناہ کی نیت اس درجہ کی ہوگی تو اس گناہ ہی کی طرح وہ بھی مصیبت ہوگی اور بندہ اس پر سزا کا مستحق ہوگا۔

معارف الحدیث

— (سلسلہ) —

اگر حسنِ عمل کی توفیق ہو تو دنیا کی زندگی بڑی نعمت ہے

(۷۲) عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ النَّاسِ

خَيْرٌ كَالِمِنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسَنَ عَمَلُهُ قَالَ أَيُّ النَّاسِ شَرُّهُ قَالَ مَنْ

طَالَ عُمُرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ رواہ احمد

(ترجمہ) ابو بکرہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کا آدمی آخرت میں زیادہ کامیاب اور فلاح یاب ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور اس کے اعمال اچھے رہے۔ پھر اسی سائل نے عرض کیا کہ آدمیوں میں زیادہ بُرا دار اور آخرت میں زیادہ خسارہ میں رہنے والا کون ہو؟ آپ نے ارشاد فرمایا، جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال اس کے بُرے رہے۔ (مسند احمد)

(تشریح) ظاہر ہو کہ جب کسی شخص کی زندگی اعمالِ صالحہ والی زندگی ہوگی تو جتنی طویل عمر اس کو ملے گی اسی قدر اس کے دینی درجات میں ترقی ہوگی، اور اس کے برعکس جس کے اعمال و اخلاق اللہ سے دور کرنے والے ہوں گے اس کی عمر جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر وہ اللہ کی رحمت و رضا سے دور تر ہوتا چلا جائے گا۔

(۷۳) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَارَ بَيْنَ

رَجُلَيْنِ فَقِيلَ أَحَدُهُمَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَعْرَمَاتٍ الْأُخْرَى بَعْدَهُ مُجْتَمِعَةٌ أَوْ

نَحْوَهَا فَصَلُّوا عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَفْلَحْتُ؟ قَالُوا

دَعَوْنَا اللَّهَ أَنْ يَغْفِرَ لَكُمْ وَيَرْحَمَهُ وَيُلْحِقَهُ بِصَاحِبِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَيُّنَ صَلَواتُهُ بَعْدَ صَلَواتِهِ وَعَمَلُهُ بَعْدَ عَمَلِهِ أَوْ قَالَ
صِيَامُهُ بَعْدَ صِيَامِهِ لَمَّا بَيَّنَّهُمَا أَبْعَدُ عَمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

(رواہ ابو داؤد والنسائی)

(ترجمہ) عبید بن داؤد سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔ یعنی اُس وقت کے دستور کے مطابق ان کو باہم بھائی بھائی بنایا، پھر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک صاحبِ قرقر ہی زمانہ میں جہاد میں شہید ہو گئے، پھر ایک ہی ہفتہ بعد یا اس کے قریب دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہو گیا، (یعنی ان کا انتقال کسی بیماری سے گھر ہی پر ہوا، تو صحابہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھنے والے ابنِ اصحاب سے دریافت کیا کہ آپ کوگوں نے (نماز جنازہ میں) کیا کہا (یعنی مرے والے بھائی کے حق میں تم نے اللہ سے کیا دعا کی) انھوں نے عرض کیا کہ ہم نے اس کے لیے یہ دعا کی کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے، اس پر رحمت فرمائے، اور (ان کے جو ساتھی شہید ہوئے اللہ کے قریب درخشاں وہ مقام حاصل کر چکے ہیں جو شہیدوں کو حاصل ہوتا ہے، اللہ ان کو بھی اپنے فضل و کرم سے اسی مقام پر پہنچا کے) اپنے اُس بھائی اور ساتھی کے ساتھ کرے (اکابر جنت میں اسی طرح ساتھ رہیں جس طرح کہ یہاں رہتے تھے)۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد (یعنی شہادت کی وجہ سے ان کی نمازوں کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد) انھوں نے پڑھیں، اور دوسرے وہ اعمال خیر کہاں گئے جو اس شہید کے اعمال کے بعد انھوں نے کیے۔ یا اپنے یوں فرمایا کہ اس کے وہ روزے کہاں گئے جو اس بھائی کے روزوں کے بعد انھوں نے رکھے۔ (راوی کو شک ہو کہ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، ام اعمال کا ذکر کیا تھا یا روزوں کا ذکر فرمایا تھا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔۔۔ ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہو جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہو۔۔۔ (ابو داؤد، نسائی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے بعد میں مرے والے اس بھائی کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے کتر سمجھا، اسی واسطے تم نے اللہ سے یہ دعا کی کہ اللہ

اپنے فضل و کرم سے اس کو بھی اس شہید بھائی کے ساتھ کر دے۔ حالانکہ بعد میں مرنے والے اس بھائی نے شہید ہونے والے بھائی کی شہادت کے بعد بھی جو نمازیں پڑھیں، اور جو روزے رکھے اور جو دوسرے اعمال خیر کیے، ہمیں معلوم نہیں کہ ان کی وجہ سے اس کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے بہت زیادہ بلند ہو چکا ہے، یہاں تک کہ دونوں کے مقامات اور درجات میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق اور فاصلہ ہے۔

راہ خدا میں جان دینا بلاشبہ بہت ادنیٰ عمل ہو، اور اس کی بڑی فضیلتیں ہیں، لیکن نماز، روزہ وغیرہ اعمال خیر اگر اخلاص اور احسانی کیفیت کے ساتھ نصیب ہوں تو ان کے ذریعہ جو ترقی اور بلند می نصیب ہوتی ہو، اس کی بھی کوئی حد نہیں ہو۔ نیز چونکہ بعد میں مرنے والے یہ بھائی بھی راہ خدا کے سپاہی اور جہاد کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہنے والوں میں سے تھے، اس لیے بستر پر موت آنے کے باوجود وہ اپنی نیت اور شوق شہادت کی وجہ سے مقام شہادت پر بھی فائز ہوئے اور بعد کے نماز روزہ وغیرہ اعمال خیر نے ان کے درجہ کو اس قدر بلند کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درجوں میں زمین و آسمان سے زیادہ فاصلہ متبایا۔

(۴۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ أَنَّ نَفَرًا مِنْ بَنِي عَذْرَةَ ثَلَاثَةً أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمُوا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْفُلُنِيهِمْ قَالَ طَلْعَةُ أَنَا، فَكَانُوا عِنْدَهُ فَبَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنًا أَخَذَهُ فِيهِ أَحَدُهُمْ فَاسْتَشْهَدَ ثُمَّ بَعَثَ بَعْثًا أَخَذَ فِيهِ الْآخَرَ فَاسْتَشْهَدَ ثُمَّ مَاتَ الثَّلَاثُ عَلَى فِرَاشِهِ قَالَ قَالَ طَلْعَةُ فَرَأَيْتُ هَؤُلَاءِ الثَّلَاثَةَ فِي الْجَنَّةِ وَرَأَيْتُ الْمَيِّتَ عَلَى فِرَاشِهِ أَمَامَهُمْ وَالَّذِي اسْتَشْهَدَ أَخْرَجَ إِلَيْهِ وَأَوْلَهُمْ يَلِيَّيْهِ فَدَخَلَنِي مِنْ ذَلِكَ فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ فَقَالَ وَمَا أَتَيْتُ مِنْ ذَلِكَ؛ لَيْسَ أَحَدٌ أَفْضَلَ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ مُؤْمِنٍ يُعْتَرَفُ فِي الْإِسْلَامِ لِتَسْبِيحَةٍ وَتَكْبِيرَةٍ وَتَهْلِيلَةٍ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) عبداللہ بن شداد سے روایت ہو کہ قبیلہ بنی عذرہ میں سے تین آدمی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے اور حضور کی خدمت میں قیام کا ارادہ کیا، تو اپنے وصیایہ کرامؓ فرمایا کہ ان نو مسلم سافروں کی خبر گیری میری طرف سے کون اپنے ذمہ لے سکتا ہے؟ طلحہ نے عرض کیا کہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں، چنانچہ یہ تینوں ان کے پاس رہنے لگے، اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کسی جگہ کے لیے روانہ فرمایا تو ان تینوں صاحبوں میں سے ایک اُس لشکر میں چلے گئے۔ اور وہاں شہید ہو گئے، پھر آپ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا تو ایک دوسرے ساتھی اس میں چلے گئے اور وہ بھی جا کر شہید ہو گئے، پھر کچھ دنوں بعد، ان میں سے تیسرے جو باقی بچے تھے ان کا انتقال بستر ہی پر ہو گیا۔

(حدیث کے راوی عبداللہ بن شداد) کہتے ہیں کہ طلحہ نے ذکر کیا کہ میں نے خواب میں ان تینوں ساتھیوں کو جنت میں دیکھا، اور یہ دیکھا کہ جو صاحب سب کے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت سے مرے وہ سب آگے ہیں۔ اور ان کے قریب ان کے وہ ساتھی ہیں جو دوسرے بستر پر شہید ہوئے تھے، اور ان کے قریب ان کے وہ ساتھی ہیں جو پہلے شہید ہوئے تھے، اس خواب سے میرے دل میں شبہ اور خلجان پیدا ہوا کہ چونکہ میرا خیال تھا کہ شہید ہونے والے ان دو ساتھیوں کا درجہ اس تیسرے ساتھی سے بلند ہوگا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خواب اور اپنے اس تاثر اور خلجان کا ذکر کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں تم کو کیا بات اور پرہیز اور غلط معلوم ہوتی ہو، تم نے ان کے درجات کی جو ترتیب بھی ہے وہی ہونا چاہیے، اور جو تیسرا ساتھی اپنے دو ساتھیوں کی شہادت کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہا، اور نمازیں پڑھتا رہا، اور اللہ کا ذکر کرتا رہا اسی کو سب آگے اور بلند تر ہی ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کے نزدیک اس مومن سے کوئی افضل نہیں جس کو ایمان و اسلام کے ساتھ عمر دراز ملے، جس میں وہ اللہ کی تسبیح و سبحان اللہ کا ذکر، تکبیر اللہ اکبر کا ذکر، اور تہلیل (لا الہ الا اللہ کا ذکر) کرے۔

(تشریح) اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں جو کچھ لکھا جا چکا ہو اُسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اگر سمجھ دے تو ان دونوں حدیثوں میں اُن جذباتی اور باتونی لوگوں کے لیے بڑا سبق ہو۔ جو جہاد اور شہادت کی صرف باتوں اور جھوٹی تیناؤں میں اپنا وقت گزارتے ہیں حالانکہ جہاد و شہادت کا کوئی میدان ان کے سامنے نہیں ہوتا، اور ناز و روزہ ذکر و تلاوت وغیرہ اعمال خیر کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ

دینی ترقیوں کا جو موقع اللہ کی طرف سے ان کو ہر وقت ملا ہوا ہو وہ اس کی قدر نہیں کرتے اور ان چیزوں کو معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چیزیں سمجھ کر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے، بلکہ بعض اوقات تو ان اعمال خیر کو طنز کا نشانہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ **وَيُحِبُّونَ أَنفُسَ حَسَنُونَ ضَعُفًا**

(۷۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَالٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَفَّيْنِ

مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا

وَتَشْتَقِي عَلَى اللَّهِ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) شذا دین اوس سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہوشیار اور توانا وہ ہو جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کے لیے (یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کیلئے) عمل کرے اور نادان و ناتوان وہ ہو جو اپنے کو اپنی خواہشات نفس کا تابع کرے، (اور بجائے احکام خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے امیدیں باندھے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

(تشریح) دنیا میں کیسے (چالاک و ہوشیار اور کامیاب) وہ سمجھا جاتا ہو جو دنیا کمانے میں جست و چالاک ہو، خوب دونوں احمقوں سے دنیا میں تیار ہو، اور جو کتنا چلے کر سکتا ہو، اور بیوقوف و ناتوان وہ سمجھا جاتا ہو جو دنیا کمانے میں تیز اور چالاک نہ ہو، اور اہل دنیا جو اس دنیوی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں ان کو ایسا ہی سمجھنا بھی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا کہ چونکہ اصل زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں ہے، بلکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہی اصل زندگی ہو اور اس زندگی میں کامیابی ان ہی کے لیے ہو جو اس دنیا میں اللہ کی اطاعت اور بندگی والی زندگی گزاریں، اس لیے درحقیقت دانشمند اور کامیاب اللہ کے وہ بندے ہیں جو آخرت کی تہائی میں لگے ہوئے ہیں، اور جنہوں نے اپنے نفس پر قابو پا کر اس اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنا رکھا ہو۔ اور اس کے برعکس جن احمقوں کا حال یہ ہو کہ انہوں نے اپنے کو نفس کا بندہ بنا دیا ہو، اور وہ اس دنیوی زندگی میں اللہ کے احکام و اوامر کی پابندی کے بجائے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلتے ہیں اور اس کے باوجود اللہ سے اچھے انجام کی امیدیں باندھتے ہیں وہ یقیناً بڑے نادان اور ہمیشہ ناکام رہنے والے ہیں، خواہ دنیا کمانے میں وہ کتنے ہی جست و چالاک اور پھرتیلے نظر آتے ہوں، لیکن فی الحقیقت وہ بڑے نا عاقبت اندیش، کم عقلے، اور ناکامیاب و نامراد ہیں کہ جو حقیقی اور واقعی زندگی آنے والی ہے

اُس کی تیاری سے غافل ہیں، اور نفس پرستی کی زندگی گزارنے کے باوجود اللہ سے خدا پرستی والے اچھے انجام کی امید رکھتے ہیں، نادان اتنی موٹی بات کو نہیں سمجھتے کہ

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات علی غافل مشو

(۷۶) عَنْ أَبِي كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ثَلَاثُ أَقْسِمٍ عَلَيْهِنَّ وَاحِدٌ تَكُمُ حَدِيثَنَا فَاحْظُوا مَا الَّذِي أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ فَإِنَّهُ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظِلُّ عَبْدٍ مِنْ ظِلَّةٍ صَبَرَ عَلِيمًا إِلَّا زَادَهُ اللَّهُ بِهَا عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ إِلَّا أَفْتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ وَمَا الَّذِي أَحَدٌ تَكُمُ فَاحْظُوا فَقَالَ إِنَّمَا الدُّنْيَا لِارْتِيَةِ تَغْفِيرَ عَبْدٍ رِزْقَهُ اللَّهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَيَصِلُ بِهِ وَيَعْلُ اللَّهُ فِيهِ بِحَقِّهِ فَهَذَا أَيُّ أَفْضَلِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٌ رَزَقَهُ اللَّهُ عِلْمًا وَلَمْ يَزِرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَلٍّ فَلَنْ فَاجِرُهُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٌ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالًا وَلَمْ يَزِرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَتَّخِذُ فِي مَالِهِ لِبَغَائِرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحْمَهُ وَلَا يَعْلُ فِيهِ بِحَقِّهِ فَهَذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٌ لَمْ يَزِرْزُقْهُ اللَّهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَلٍّ فَلَنْ فَهُوَ نِيَّةٌ وَزَرْهُمَا سَوَاءٌ.

(رداء الشریعی)

(ترجمہ) ابوالکبشہ انمارئی سے روایت ہو کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں، اور ان کے علاوہ ایک اور بات ہے جس کو میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں، پس تم اس کو یاد کر لیجیو! جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں ان میں سے ایک تو یہ ہو کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کی وجہ سے کم نہیں ہوتا، (یعنی کوئی شخص بامال ہو خدا میں دینے کے سبب کبھی مفلس و نادار نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی۔ اور جس خدا کی راہ میں وہ صدقہ کرے گا وہ اپنے خزانہ غیب سے اکو دیتا رہے گا) اور (دوسری بات یہ ہے کہ) نہیں ظلم کیا جائے گا کسی بندہ پر ایسا ظلم جس پر وہ مظلوم بندہ صبر کرے، مگر اللہ تعالیٰ اُس کے

عوض بڑھا دے گا اُس کی عزت (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قانون مقرر فرمایا ہو کہ جب کسی بندہ پر ناحق کوئی ظلم کیا جائے اور اس کو ستایا جائے اور وہ بندہ صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کی عزت و رفعت دُنیا میں بھی بڑھائے گا) اور (تیسری بات یہ ہو کہ) نہیں کھولے گا کوئی بندہ سوال کا دروازہ مگر اللہ کھول دے گا اُس پر فقر کا دروازہ (یعنی جو بندہ مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا پیشہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہو کہ فقر و محتاجی اس پر مسلط ہوگی، گو بایہ تینوں اللہ کے ایسے اہل فیصلے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان پر قسم کھا سکتا ہوں، اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اور جو بات میں ان کے علاوہ تم سے بیان کرنا چاہتا تھا، جس کو تمہیں یاد کر لینا اور یاد رکھنا چاہیے۔ وہ یہ ہو کہ دنیا چار قسم کے آدمیوں کے لیے ہو (یعنی اس دنیا میں چار طرح کے آدمی ہیں)۔ ایک وہ بندے جن کو اللہ نے مال دیا ہے، اور صحیح طریق زندگی کا علم بھی ان کو دیا ہو، پس وہ اس مال کے صرف و استعمال میں اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ صلہ رحمی (یعنی اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ سلوک اور ان کی بہرہ رسانی) کرتے ہیں اور اس میں جو عمل اور تصرف کرنا چاہیے اللہ کی رضا کے ساتھ وہی کرتے ہیں۔ پس ایسے بندے سب سے اعلیٰ و افضل مرتبہ پر فائز ہیں اور دوسری قسم وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے صحیح علم اور صحیح جذبہ (تو عطا فرمایا ہو لیکن ان کو مال نہیں دیا، پس ان کی نیت صحیح اور سچی ہو، اور وہ اپنے دل و زبان سے کہتے ہیں کہ ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں (نیک بندے) کی طرح اس کو کام میں لائیں) اور اللہ کی ہدایت کے مطابق وہ جن اچھے مصارف میں صرف کرتا ہو وہ بھی اُن ہی میں صرف کریں، پس ان دونوں کا اجر برابر ہے (یعنی دوسری قسم کے ان لوگوں کو حسن نیت کی وجہ سے پہلی قسم والوں کے برابر ہی ثواب ملے گا) اور (تیسری قسم) وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے مال دیا اور اس کے صرف و استعمال کا صحیح علم اور صحیح جذبہ نہیں دیا، پس وہ نادانی کے ساتھ اور خدا سے بے خوف ہو کر اس مال کو اندھا دھند غلط راہوں میں خرچ کرتے ہیں۔ اس کے ذریعہ صلہ رحمی نہیں کرتے، اور جس طرح اس کو صرف و استعمال کرنا چاہیے اُس طرح نہیں کرتے، پس یہ لوگ سب سے بُرے مقام پر ہیں۔ اور (چوتھی قسم) وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے مال بھی نہیں دیا اور صحیح علم (اور صحیح جذبہ بھی نہیں دیا، پس اُن کا حال یہ ہو کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں (عیاش اور فضول خرچ) شخص کی طرح اور اسی کے طریقہ پر صرف کریں) (یعنی اس شخص کی طرح ہم بھی عیاشی و فضول خرچ کر رہے ہیں)

اسلام میں نبوت کا تصور

(از، ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے، پی، ایچ ڈی)

دوسری اور آخری قسط

(۳)

اسلام سے قبل دلائل اور نبوت کے ائمہ شفاعت ہونے کا ایک بہت غلط تصور پھیلا ہوا تھا۔ اس کا خاص سبب یہ خیال تھا کہ جو نسبت ایک مطلق الغان بادشاہ (درس کی رعایا کے درمیان ہوتی ہو کم و بیش وہی خدا اور اس کے بندوں کے درمیان بھی ہو اور جس طرح ایسے بادشاہوں کے دربار میں مقرروں اور سفارشیوں کے بغیر رسائی نہیں ہو سکتی اسی طرح بارگاہ خداوندی میں بھی درمیانی وسائل کے بغیر شنوائی ہونا محال ہو یہ درمیانی وسائل ان لوگوں کے نزدیک دیوتی، دیوتا، پیغمبر اور راہب وغیرہ تھے۔ اس لیے لوگ ان کی پرستش کرتے تھے اور کہتے تھے:-

مَا نَعْبُدُ هُمْ اَكَّا لِيَقَرَّ جُؤْنَا اِلَى اللّٰهِ

”ہم ان کو صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ

ذُرُوعُ (القرآن زمر)

ہم کو اللہ کا تقرب حاصل کراویں۔“

هُؤُكَا وِ شَفَعَا وِنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یون)

”یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں“

طبیعتیں جب انسانوں میں خدائی اوصاف دیکھنے کی عادی ہو جاتی ہیں تو وہ خدا کا اندازہ بھی انسانی عادات و اطوار پر لگانے لگتی ہیں۔ لوگ ظاہر پر غیب کو تیس کر لیتے ہیں اور دنیاوی تقریبات کی بنا پر خدائی معاملات کی بابت بھی فیصلے کرنے لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسان خود فرتیسی کی حد تک آسان پسند ہو۔ وہ دشوار مگر صحیح کے مقابلہ میں آسان مگر غلط کی طرف جلد مائل ہو جاتا ہو چنانچہ

اسے آخرت کے خوف سے چھکارہ پانے کا یہ طریقہ بہت پسند آیا کہ اپنے دینی رہنماؤں کی سفارش و شفاعت پر کلی تکیہ کر لے۔

عیسائیوں میں آج بھی کفارہ کا عقیدہ عام ہو۔ وہ حضرت عیسیٰ کو نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ اس پر بحث کرنا ہمارا موضوع نہیں ہو۔ ہم اس کے متعلق صرف دو عیسائی مفکرین ہی کی رائیں نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔

سر آر تھرکینن ڈاؤل نے لکھا ہے کہ :-

”کسی کا فرض کرنے بھی اس سے زیادہ بھونڈی بات نہیں اختراع کی کہ انسان موردِ ثنی گناہ کا داغ لے کر پیدا ہوتا تھا جس کے لیے وہ بذاتِ خود دم دار نہ تھا اور جس کے لیے کفارہ کی ضرورت تھی اور رب العالمین کو مجبوراً اپنے بے گناہ مسر زہ کی جان قربان کرنا پڑی تاکلاس پر اسرارِ لعنت کے اثر کو زائل کیا جاسکے“ (۱)

اور ربیکا دسٹ کا قول ہو کہ

”میرے نزدیک کفارہ کا عقیدہ اہل ہو“ (۲)

اب کفارہ اور شفاعت کے اس عقیدہ کے متعلق قرآنی بیانات ملاحظہ ہوں :-

وَلَا تَعْلَمُ الْاٰیٰتِیْنَ یَذْعُبْنَ مِنْ دُوْنِ الشَّفَاعَةِ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ (زمر)

”یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں مگر وہ جس نے شہادت دی حق کی۔“

وَلَمْ یَنْ مِّنْ مَّلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تَعْبٰی شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا وَّلَیْمٌ اَمِ الْحَسْبُ وَاَمِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شَفَعْنَا قُلُوْلُوْكَ اَنْتَ وَاُولٰٓئِکَ اَنْتَ وَاُولٰٓئِکَ لَیْسَ لَکُمْ اَلْحَسْبُ شَیْئًا وَلَا یَعْقِلُوْنَ

”اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی“

”کیا ان کافروں نے غیر اللہ کو شفع بنایا ہو؟ کہہ دے کہ اگر یہ کچھ اختیار اور سمجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں تو بھی (شفیع بننے کے

قابل ہیں)؟“ (زمر)

قیامت کے دن جب سارے پردے اٹھ جائیں گے تو ان کی مایوسی اور سرگمی دیکھنے کے

قابل ہوگی جو خدا کے علاوہ کسی اور کو اپنی شفاعت کا ضامن سمجھے بیٹھے تھے۔

وَجِئْتُمْ تَقْوَمُ السَّاعَةِ يُبْلِسُ
الْجُرْمُونَ ۚ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ
مِنْ شُرَكَاءٍ هُمْ شَفَعَوْا
وَكُنُوا بِشُرَكَاءِ هُمْ كَفِرِينَ ۚ

”اور جب قیامت قائم ہوگی تو شرکین
مایوس ہو کر رہ جاویں گے اور جن کو وہ
خدا کا شریک کا رہتے تھے ان میں سے
کوئی ان کا شفیع نہ ہوگا“ اور یہ انکار
کریں گے ان شرکاء سے۔ (روم)

خاص کر یہودیوں کو ڈرایا گیا کہ:-
وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ
عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يَقْبَلُ بَيْنَهُمَا
عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

”اے بنی اسرائیل..... ڈرو اس دن
سے جس میں کوئی کسی کے ذرا بھی کام نہ
آئے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی
بدلہ قبول ہوگا اور نہ شفاعت فائدہ
دے گی“ (بقرہ)

اور عیسائیوں کو جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ مسیح کے جانشینوں یعنی پوپوں اور پادریوں کے سامنے
اعتراف گناہ کرنے سے مغفرت ہو جاتی ہو سمجھایا گیا کہ:-

وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ
مَعَاذَ كَرَسَاتِهِمْ

”اور خدا کے سوا گناہوں کو کون
معاف کر سکتا ہو“ (آل عمران)

ان کے اس عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے کہ ”روز قیامت خدا کا بیٹا یعنی مسیح خدا کے
دائے ہاتھ پر بیٹھ کے عدل و انصاف کرے گا“ بتایا گیا کہ واقعہ یوں ہوگا کہ خدا حضرت عیسیٰ سے
دریافت فرمائے گا کہ کیا تم نے لوگوں کو تعلیم دی تھی؟ اور وہ عرض کریں گے کہ
اے پروردگار! میں نے تو ان کو وہی ہدایت دی تھی جس کا تو نے حکم دیا تھا اب

إِنْ تَحَدَّ بِهُمْ فَاتَّخِذْ لَهُمْ عِبَادًا
وَأِنْ تَعَفَّرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

”اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے
بندے ہیں اور اگر تو بخش دے تو (تو) توب
کچھ کر سکتا ہو کہ (تو غالب اور حکمت والا

ہو“

(مائدہ)

الغرض اسلامی تعلیم یہ ہو کہ مغفرت کا معاملہ بس خدا کے ہاتھ ہو۔ کوئی دوسرا اس میں دخل نہیں۔ انبیاء کی شفاعت کا یہ خود بخوارانہ تصور اور عقیدہ باطل ہو۔ خدا جہے چاہے گا اپنی رحمت سے نوازے گا، اور جہے چاہے گا اُسے سزا دے گا۔ البتہ اس کی اجازت اور رضامندی سے اس کے رسول اور صالحین دوسروں کے حق میں شفاعت کر سکیں گے۔

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ
خدا کے بارگاہ میں کوئی شفیع نہیں
إِذْ يُنْفَخُ (یونس)
لیکن اس کی اجازت کے بعد
مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ
"وہ کون ہو جو خدا کے سامنے کسی
إِلَّا بِإِذْنِهِ (نبرہ)
کی شفاعت کر سکے، لیکن اس کی اجازت"
اور یہ شفاعت بھی ہر شخص کے لئے نہ ہو سکے گی۔ صرف وہی اس سے فیض یاب ہوں گے جن کو
خدا چاہے گا۔

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى
اور وہ شفاعت نہیں کریں گے علاوہ
وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ
اس کے جن کے لیے خدا اپنی خوشنودی ظاہر
(انبیاء)
کرسے اور وہ اس کے خوف سے ترسائیں
ہوں گے۔

اور جن کا جرم خدا کے نزدیک ناقابل معافی ہو گا ان کے حق میں کسی کی بھی دعا یا سفارش کا رُجھ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ بعض منافقین کے لیے اپنے دعا و مغفرت کی توجہ اب ملا

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
"تم ان کی مغفرت چاہو یا نہ چاہو اگر
إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً
تم ان کے لیے ستر دفعہ بھی مغفرت چاہو
فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (توبہ)
گے تو خدا ان کی مغفرت نہ کرے گا۔"

مگر اقرآن کا ایک خاص اسلوب ہے۔ شفاعت کے مسئلہ میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہو اور اس کے تمام پہلوؤں پر بار بار اور طرح طرح سے روشنی ڈالی گئی ہو تاکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کے بعد کسی طرح کی غلط فہمی میں گرفتار نہ ہو سکے۔

ہر شخص کو اپنے اعزاز اور احباب کی فلاح محبوب ہوتی ہو۔ حضور کو بھی فطران اپنے اعزاز کی

مغفرت کی فکر رہتی تھی۔ چنانچہ اپنے اپنے بعض ایسے قریبی عزیزوں کے لیے دعائے مغفرت کرنا چاہا ہی جن کو اسلام کی دولت نصیب نہیں ہوئی تھی تو آپ کو اس کی اجازت نہیں ملی۔

نیز اسی خیال سے کہ آپ کے اقرباء شرفِ قرابت کی وجہ سے خوفِ آخرت سے غافل نہ ہو جائیں آپ نے ان کو جمع کر کے نصیحت فرمائی کہ ”اے قریشیو! اے اولادِ عبدالمطلب (آپ کے دادا)! اے عباس (آپ کے چچا)! اے صفیہ (آپ کی بھوپھی)! اے فاطمہ (آپ کی صاحبزادی)! میرے کمال سے جو مانگو میں دے سکتا ہوں لیکن خدا کے یہاں میں تمہارے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔“

نیز اپنے بارہ میں بھی فرماتے تھے کہ:-

”میں پیغمبر ہو کے بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔“



مختلف انبیاء اپنے ساتھ اصولِ دین کے علاوہ شریعتیں بھی لاتے تھے۔ اصولِ دین کا تعلق خدا کی ہستی، اس کی توحید، اس کی صفاتِ کاملہ، اس کی خالص عبادت، رسولوں کی بعثت، یومِ حشر، اچھے اور بُرے اعمال کی باز پرس اور جزا و سزا، جیسے بنیادی اور اصولی امور سے ہو۔ اور شریعہ کے معنی راستہ کے ہیں یہ اصولِ دین کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت کی چیز ہے اور اصل مقصد نہیں بلکہ ذریعہ ہو۔

سارے پیغمبر ایک ہی خدا کے فرستادہ ہونے کے باعث اصولاً ایک ہی پیغام لے کر آتے تھے، یعنی اصولی طور پر ان سب کی ایک ہی دعوت تھی اور سب کا ایک ہی دعویٰ تھا۔ چنانچہ اسلام کی تعلیم یہ ہو کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد علیہما السلام تک جتنے سچے مذہبِ خدا کی طرف سے آئے وہ سب ایک تھے اور اسلام اُسی ایک مذہب کا نام ہو۔ جو اختلافات ان مذاہب میں بعد میں پیدا ہوئے وہ دراصل خود انسانوں کا پیدا کیا ہوا ہے جن کے فساد و تغافل اور تصرف و تحریف نے دین اور اس کے ساتھ انسانیت کے پُرزے کڑا لے دیے ہیں اور خدا کی بہترین مخلوق کو بے شمار فتنوں اور گردہ بول میں بانٹ دیا ہو۔

سَدَّ عَکْظُکُمْ مِنَ الدِّینِ مَا وَهَىٰ اس نے متین کردی ہو تمہارے لیے دین

بِهِ نَحْوًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا
 إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ
 وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ الْأَتَمَةَ
 (شوری، ۱۲)

کی دہی راہ جس کا حکم نوح کو دیا تھا اور
 جس کی ہم نے تیری طرف وحی کی اور جس
 کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ
 کو دیا۔ انج

مگر جزئیات احکام یعنی شرع یا منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ ہر مذہب اور قوم کی زمانی
 و مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتا رہتا تھا۔ گویا ایک ہی روشنی مختلف محفلوں میں وقت اور شرکائے محفل
 کے تقاضہ اور مذاق کے اعتبار سے مختلف فنڈلوں میں ڈھل کر آتی تھی۔

لَكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً
 وَمِنْهَا جَاءَ (مائدہ)

”ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک
 دستور لعل اور ایک راستہ بنادیا“

اس آیت سے ایک طرف یہ واضح ہوتا ہو کہ راستوں کا اختلاف منزل کے مختلف ہونے کی دلیل
 نہیں ہو اور دوسری طرف یہ کہ شرعی احکام و قوانین کے اختلافات بھی خدا ہی کی طرف سے تھے اور
 ان میں انبیاء کی رائے یا پند کو دخل نہ تھا۔ انبیاء صرف شارح تھے شارع نہیں۔ ان کا منصب اور کام
 خدا کے قانون کی تشریح اور وضاحت اور اس قانون کی روشنی میں لوگوں کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا
 کرنا تھا، قانون وضع کرنا نہیں۔

مَا عَلِيَ الرَّسُولَ إِلَّا الْبَلَاغُ
 (مائدہ)

”ہمارے رسول پر صرف پیغام پہنچا
 دینا ہے“

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ (معد)

”(اے رسول) تو صرف ڈرانے والا ہے“



بحث کا لب لباب یہ ہو کہ انبیاء نہ خدا تھے، نہ خدا کے بیٹے، نہ خدا کے اوتار، نہ خدا کے شریک
 نہ اس کے ہم پلہ و ہمسر اور نہ وہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح خدا سے کشتی ہی لڑتے تھے بلکہ
 انبیاء خدا کے بندے اور اس کے عہد تھے۔ ہماری ہی طرح ایک بشر لیکن پاک و صاف، برگزیدہ

لے تو مات (آیت ۲۹ تا ۲۷) میں حضرت یعقوب کا خدا سے کشتی لڑنے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہو۔

— اور اگر اس نے انہیں سب کیلئے ایک ہی دستور و عمل بنا دیا تو یہ اس کا حق تھا —

و محصور۔ خدا فتنہ اور سرے ان کی حفاظت کرنا تھا، ان پر اپنے احکام نازل فرماتا اور وہ ان احکام کو تولیے اور عمل سے دوسرے انسانوں تک پہنچاتے تھے۔ ان سب کا دین واحد تھا اگرچہ شریعتیں مختلف تھیں۔

خدا کے پیغام میں تبدیلی یا اضافہ کرنا ان کے اختیار میں نہ تھا اور نہ وہ اپنی یا کسی اور کی بابت اس کے یہاں کوئی طاقت ہی رکھتے تھے۔ خدا کی مرضی، اس کی عادت و سنت اور اس کے حکم کے سامنے وہ ایسے ہی بے دست و پا تھے جیسے کہ ہم اور آپ۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صد اقلوں کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں ایسا جذب کر لیا تھا اور اپنے وجود کو اس کامیابی کے ساتھ اس تعلیم کی جیتی جاگتی تصویر بنالیا تھا کہ جبکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اللہ، اور حضرت عیسیٰ روح اللہ کے القاب سے مشہور ہوئے آپ کا مستقل لقب ہی عبد اللہ ہو گیا۔ یہ قتل اور توازن تعلیم ان انوں کے حق میں کتنی مبارک ثابت ہوئی اور ان میں حق پرستی، ہریت، فکرمادر خود اعتمادی کی اعلیٰ صلاحیتوں کی افزائش میں اس سے کیا مدد ملی اس کا اندازہ اس خطبہ سے ہوتا ہو جو خلیفہ اول حضرت ابوبکر صیق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر دیا تھا۔

| | |
|---|---|
| مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ | دلے لوگو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت |
| مُحَمَّدًا أَقْدَمَاتٍ وَمَنْ كَانَ | کرنا تھا اسکو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد کا انتقال |
| يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ | ہو گیا ہوا اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرنا تھا تو اللہ |
| لَا يَمُوتُ — وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا | بے شک نہ ہو اسکو کبھی موت نہیں (اللہ تعالیٰ |
| رَسُولٌ خَلَّخَتْ مِنْ قَبْلِهِ | فرما چکا ہو کہ محمد صرف رسول ہی تو ہیں (اور، |
| الرُّسُلُ أَفْوَاجٌ مَاتَ وَأُقْبِلَ | ان سے پہلے کتنے ہی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر |
| أُنْقَلَبَتْ عَلَيَّ أَعْقَابُكُمْ وَمِنْ | وہر جاؤں یا شہید کر دیے جائیں تو تم اٹھے پاؤں |
| يَنْقَلِبُ عَلَيَّ عَقْبِيهِ فَنَلَنُ | پھر جاؤ گے اور (یا دیکھو) جو کوئی ایسا کرے گا |
| يَضُرَّكَ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيَجْزِي | وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ ان لوگوں |
| اللَّهُ الشَّاصِرِينَ | کو عن قریب بچا حاصل دیکھا جو شاکر رہیں گے۔ |

”ہادم اللذات“

ایک سیاسی قوال کا عبرتناک و موجد قوال

— (۳) —

(ادارہ انارکلی منظر احسن گیلانی، مدظلہ العالی)

”چھ مہینے سے زیادہ مدت گزر گئی“ ”ہادم اللذات“ کی کمائیاں نالے والا اس عرصہ میں خود اسی
 ”ہادم اللذات“ کی پچھائیوں کے نیچے گیا، لیکن بقول اکبر مرحوم
 کمزوری میری صحت بھی کمزور ہی میری بیماری
 اچھا جو راکھ کر دکھا، بیمار پڑا تو مر نہ سکا
 کچھ نہیں معلوم کہ ملت جوں ہی ہے اس کی مدت بھی کتنی ہے قل ان الموت الذی تفرون منه
 فانه ملائیکہ ————— دین الفرقان کا اصرار ہے کہ

جب تک بس پل کے ساحسہ چلے

بجول اللہ دھوتہ ساغر کو پھراتا میں اٹھا لیتا ہوں، جو بیٹا چاہتے ہیں ان کے لیے ”ملائے عام“ ہے،
 انسانی زندگی کے چند لازوال زندہ حقائق جن کا شعور حمد حاضر کے قلوب میں مردہ کیئے یا زمرہ جو کر رہ گیا
 ہی، اسی شعور کا جگانا، اس مجھوڑے مقصود ہی، تارک کی صورت نقاب چہرے پر پڑھالی گئی ہو، اکبر مرحوم ہی
 کس مشور شر کہ باقی قصوں یوں پڑھ لیجئے

سرد و موسم ہے ہوا میں چسپ رہی ہیں برنبار

مشاہد معنی نے یوں اوڑھا ہو تاریخی لحاظ

۱۵ ہمارے مخدوم و محترم رفیق جامعہ عثمانیہ مولانا شاہ عبدالباری الہندی مدظلہ العالی نے ان چند سیاسی نظریات کو چھڑک کر کیا اس
 خانہ کی طرف کیا گیا تھا، فقیر کا اہتمام فرمایا کہ گڑھی بڑیوں کے اکھاڑنے سے کیا فائدہ؟ بلکہ دوسرے مومنین کے ساتھ (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

کسی نئی داستان کے پھڑنے سے پہلے مناسب ہو کر نامکمل قصہ ہی کو پورا کر لیا جائے، قصہ دشمن کی مردانی حکومت کے ایک گورزدالی، خالد بن عبداللہ القسری کے عروج و زوال کا سنا رہا تھا، ہشام بن عبدالملک نے اپنے عہد خلافت میں خالد کو اس علاقہ کا حاکم و والی بنا دیا تھا جس پر بھگڑانی کرنے والے ایرانیوں کے عہد میں "کسریٰ" کے لقب سے طعنے ہو جاتے تھے۔ خالد ایک یمنی الاصل عرب تھا، ایک زمانہ اس پر وہ بھی گذر تھا خود کہتا تھا کہ اس کا بیٹا ایک ایک درم کے لیے ترستا تھا، اسی خالد کے سامنے ہیرا ایک ایسا وقت بھی آیا کہ محل کے چوبچے میں بٹو ٹھنی لگ گئی، جس پر میں ہزار درم کا ٹکینہ جڑا ہوا تھا، لگو ٹھنی چوبچے سے نکالی گئی لیکن بٹو خرمی باڈی رائے نامی کو اس لیے استعمال کرنے کی اجازت خالد نے نہ دی کہ "گندے چوبچے سے نکالی ہوئی بٹو ٹھنی اس کی نازک انگلیوں سے مس نہیں ہو سکتی۔"

مناظر حسن گیلانی

چودہ سال کی مدت گزر چکی تھی، پندرہویں سال بھی قریب تھا کہ پورا ہو جائے، کل چند مہینے باقی تھے کہ وہی خالد بن عبداللہ القسری جو مروانی حکومت کے ایرانی بلکہ تورانی مقبوضات کا بھی مطلق العنان حاکم بنا ہوا تھا، لے رہا تھا اور دسے رہا تھا، کوڈ کے تجار اور کاروباری لوگوں کے محافظ خانوں میں کیے، یا مینکوں میں، خالد کے مقرر کردہ حکام و دلاۃ لاکھوں لاکھ کی رقمیں جمع کیے ہوئے تھے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اپنی ذمہ داریوں کو کین بڑھاتے ہوئے مولانا نے اپنی اس تہیہ سے چمکانے والے ہی کو چمکا دیا، یقیناً ایک پہلو اس قسم کے مضامین کے متعلق یہ بھی پیدا ہوتا ہو، مولانا کو کچھ بھی دیا تھا کہ آئندہ انشاء اللہ احتیاط سے کام لوں گا۔ یاد آتا ہو کہ خالد دسے مضمون کی تکمیل کی اجازت بھی ملے لی تھی۔ واقعہ یہ کہ تاریخی واقعات جو کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ان کی واقعیت پر اصرار کرنے والوں پر تو شاید ذمہ داری عاید ہوگئی ہو، لیکن کئی کی نقل بھی جہاں جہاں لکھ نہیں ہو تو خافض القصص، القمص، القمص، قیفکون کے ذرفی حکم کی تفصیل پیش نظر رکھتے ہوئے مرے ہوئے لوگوں کے مردہ نظریات و خیالات کو ان لوگوں کو اگر یاد دلایا جائے جو ان خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں ان کی نئی زندگی ان کے نئے ذہن و افکار و افکار سے پیدا ہوئی ہو، تو تفکر اور عبرت آفرینی کے لیے ان قصہ خوانوں کی اہمیت کین نہیں دی جا سکتی، غیر تاریخی قصہ اور کہانیوں تک کو ملا کر جب تک معاہدہ میں مسلسل استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں تو میں روایات کا واقعات سے تعلق نہ ہم ان سے بھی آخر کیوں نہ فائدہ اٹھائیں۔ وانا للاعمال بالنیات، وکل امرع ما نوى۔ ۱۲۔ ۱۳ طبری ۲۵۳ھ میں خالد کے (قصہ لکھے صغیر)

خالد کا حقیقی بھائی اسد بن عبداللہ بھائی کا نائب بن کر خراسان میں جس شان سے گورنری کر رہا تھا، اسکا حال سنا ہی چکا ہوں، تو دوزخ کے جہنم میں جو تھے تحائف خراسانی زمینداروں اور جاگیرداروں کی طرف سے پیش ہوتے تھے، ابن عساکر کے حوالہ سے اس کی فہرست بھی پیش ہو چکی ہو، خالد کے صرف ایک ایک لڑکے کی سالانہ آمدنی میں ملین درم سے بھی متجاوز ہو چکی تھی، کوہذ میں دیارے فرات پر جو جسر (پل) بنا ہوا تھا، اسی پل کے پاس خالد کے دوسرے بھائی اسماعیل بن عبداللہ کا مشہور محل تیار ہوا تھا، الغرض اسلیباب ذکر کی سرحد سے بصرہ تک خالد اور خالد کے حوالی و موالی جو کچھ بھی کرنا چاہتے تھے کر رہے تھے، کوئی بھی ان کا نہ روکنے والا تھا اور نہ ٹوکنے والا، تنبوء فی الارض زمین میں ٹھکانہ بنانے کی اس نعمت سے سرسراز تھے، خالد کے مصارف کمال یہ تھا کہ سرکاری خرچ جسے شاہی خزانہ عامہ میں داخل کرنا اس کا فرض تھا، خود اسی کا بیان طبری نے نقل کیا ہو کہ پوچھنے والے نے اس سے جب پوچھا کہ سرکاری مالیات کے سلسلہ میں بقایا کی کتنی رقم آپ کے ذمہ واجب الادا ہو، تو اس نے کہا کہ

ما شاء العت الف (صفحہ ۲۵۳) یعنی ایک سو ملین درم

مگر باوجود اس کے ہشام بن عبدالملک جو اپنی مالی سمیت گیری میں مشہور تھا، اس سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کر رہا تھا، چند سال سے بقایا کی یہ رقمیں خالد کے ذمہ چڑھی جا رہی تھیں، لوگ حیران تھے اور اس حاشہ کو دیکھ رہے تھے، خالد بھی مطمئن تھا کسی کو خطرہ بھی اس کا نہ تھا کہ کم از کم ہشام بن عبدالملک کے عہد حکومت تک خالد کا کوئی بال بھی بیکا کر سکے گا،

لیکن وہی آسمان تھا، وہی زمین تھی، وہی ہشام تھا وہی خالد تھا، ہر نیا دن نئی کامیابیوں کے ساتھ اس پر سے گزرتے ہوئے آسائش و آرام سے بھری ہوئی نئی فوجی راتوں کی گود میں اس کو سلاتا چلا رہا تھا کہ پہلی دفعہ جیسا کہ طبری وغیرہ کا بیان ہو، ہشام کے عطر خانہ کے واروہد حسان نبلی نے ٹھیک اس وقت جب عطر کا ایک نیا "امیزہ" تیار کر کے ہشام کے سامنے حاضر ہوا تو سنا کہ خلیفہ زیر لب لگنا رہا ہو۔

امرتك امرا جازما فخصيتني فاصبحت مملوب الامارة نادما

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حال طارق سعید بن راشد الزینی ابانہ بن الولید کے اعتراضات نقل کیے ہیں کہ نواب اہل الکوفہ کے پاس

الہدیہ سے بعضوں نے چاہیں ملین، بعضوں نے بیس بیس ملین اور ان میں قبیل پیش قرار قوم جمع کرانے ہیں۔ ۱۰

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”مجھے میں نے ایک قطعی حکم دیا، لیکن تو اسے سبانا لایا، پس امارت (گورنری) سے بعد مذمت تو محروم ہو گیا۔“ حسان بن علی کے کان تو کھڑے ہوئے۔ اتنی بات تو سمجھ میں آگئی ہوگی، کہ کسی صاحب امارت والی کی شاید شامت آگئی، لیکن خطاب کا رخ کس کی طرف ہو؟ خود بھی اس کو سمجھ نہ سکا، اور خلیفہ سے پوچھنے کی بجلا وہ غریب کیا ہمت کر سکتا تھا، مگر اسی کے ساتھ جب ہشام نے اپنے داروغہ عطر خانہ سے یہ دریافت کیا کہ ”میں سے چل کر آدمی عراق کتنے دن میں پہنچتا ہے۔“ جس کے جواب میں گو حسان نے لاعلمی کا اظہار کیا، لیکن پرانا درباری آدمی تھا، جو واقعہ پیش آنے والا تھا، اس کی نوعیت اس پر واضح ہوگئی، تاہم راز کی بات تھی، دوسروں پر ابھی اس نے ظاہر بھی نہیں کیا تھا کہ اچانک ملک کے طول و عرض میں یہ خبر پھیل گئی کہ ”خلیفہ وقت ہشام نے خالد بن عبداللہ العسری کو عراق کی گورنری سے معزول کر کے یمن کے والی (گورنر) یوسف بن عمرو کا تقرر کر دیا ہے۔“

اچانک راز پردے سے باہر ہو گیا، خالد اس زمانہ میں دورے پر تھا، کوئٹہ کا دارالامارت خالی تھا ہشام نے کچھ ایسے راز دارانہ طور پر یوسف کا تقرر کیا تھا کہ کوئٹہ پہنچنے کے بعد خالد کو یہ خبر اس وقت ملی جب وہ اپنے معمولیہ علاقہ کے مشہور نو تعمیر شہر واسط میں ٹھہرا ہوا تھا، جہاں ”القبة الخضراء“ نامی دارالاراءہ حاج کا بنایا ہوا تھا، اور دلاۃ دامر اسی میں ٹھہرا کرتے تھے، وہی ”القبة الخضراء“ جس کے متعلق جی، بی ایئر بیچ نے لکھا ہو کہ

”اس محل کا عالیشان گنبد تھا، جس پر کھڑے ہو کر سات فرسخ (دس میل) پرے شمال کی طرف فم الصلح کا شہر دکھائی دیتا تھا۔“ (مذہب جزئیہ خلافت شرقی)

لیکن اسی گنبد والے ایوان میں خالد جو مقیم تھا، اس غریب پر اپنے سر کی پیشانی کا نوشتہ بھی اس وقت تک مخفی رہا، جب تک کہ کوئٹہ سے آنے والے اس کے بعض عمال نے اس انقلاب حکومت سے اسے باخبر نہ کیا۔

کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ اپنے ماں بائی بھائی اسد بن عبداللہ والی خوارسان کی موت کے حادثہ سے اس کا قلب مجروح تھا، ابھی یہ زخم مندمل بھی نہ ہوا تھا کہ اپنی موت کی توہنیں لیکن اپنے جلال و اقبال کی موت کی خبر کا تیر بھی اس کے گلے میں ترازد ہو گیا، معزولی کی خبر سننے کے بعد واسط سے روانہ بھی نہ ہوا تھا کہ اچانک یوسف بن عمرو جو اس کا جانشین مقرر ہوا تھا، تھکڑیوں اور بیڑیوں کے ساتھ خود واسط پہنچ

گیا، خالد گرفتار کر لیا گیا، پاب زنجیرہ کو ذکے بالمقابل دریائے فرات کے پار جو حیرہ کا پرانا شہر تھا، وہیں لایا گیا یوسف اس کے ساتھ کچھ قدیم موروثی عداوت رکھتا تھا، حیرہ لاکر اس نے قید کر دیا، اور ہشام سے اعجازت طلب کی کہ سرکاری بقایا کے مطالبہ میں اس پر سختی کروں، ہشام نے شروع میں تو شرف سے کام لیا لیکن بار بار یوسف کے اصرار سے مجبور ہو کر اس نے کھا کہ قتل کے سوا میرے جو جی میں آئے خالد کے ساتھ بڑا ڈکر سکتا ہوں۔ کھا ہوا کہ وہی حیرہ جس کے قدیم تاریخی تصور غورق^{۱۱} اور سدیر خالد کی سیرگاہ ہیں تھیں، اسی حیرہ میں ایک بلند چوڑے پر خالد باندھ کر ڈال دیا گیا تھا، لوگوں کا ہجوم تھا، ظالم یوسف بن عمر کوڑے سے خالد کو پڑا رہا تھا اور خالد گردش ایام کے ان تماشوں کو سکوت اور خاموشی کے ساتھ دیکھ رہا تھا، یوسف غالباً چاہتا تھا کہ معذرت خواہ ہوتے ہوئے خالد اس کے قدموں پر جھک جائے، لیکن عربی کردار کا خالد ایک مثالی نمونہ تھا، پٹ رہا تھا، پڑا یا جا رہا تھا، قطری میں ہے۔

فلم دیکھو واحدۃ - ص ۱۶۱
ایک لفظ بھی تو خالد کی زبان سے نہ نکلا۔
اں! غصہ میں یوسف نے خالد کے نسب پر حملہ کرتے ہوئے ایک ایسا فقرہ کہا کہ خالد تلملا گیا، اور صرختے ہوئے کہتے ہوئے کہ

۱ 'اوشرب فروش کے بچے، تیرا باپ شرب فروش ہونے کے سوا اور کچھ بھی تھا؟
بجائے جھکنے کے خالد کی یہ سرکشی یوسف کے لیے اس حد تک ناقابل برداشت تھی، کہ غریب خالد کا شاید حیرہ کے اسی چوڑے پر کام تمام کر دیتا، لیکن اس کو معلوم تھا کہ ہشام کی طرف سے ایک جاسوس بھی اس کی نگرانی کرنے کے لیے آیا ہوا ہے جسے ہشام نے حکم دے رکھا تھا کہ اسی وقت تم یوسف ہی کو قتل کر دینا، اگر خالد کے ختم کرنے کا وہ ارادہ کرے۔ اسی لیے اس وقت تو معاملہ صرختا زبانا بازی ہی کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ پرانی موروثی عداوتوں کے خالد کی اس آن بان، استغنا اور بے نیازی کی اداؤں نے یوسف کے دل میں انتقام کی انگلی بھی بکڑی شاید الاؤ ہی جوڑ دیا، وہ خالد اور خالد کے خاندان کے

۱۱ عراق کی مشہور تاریخی عمارتوں کا نام ہے، ایام جاہلیت کے شعراء کے کلام میں ان کا بہت جو چایا یا جاتا ہے۔
۱۲ یوسف طائف کے قبیلہ بنی ثقیف سے متعلق رکھتا تھا، طائف میں بکثرت وسیع پیمانے پر انگور کی کاشت ہوتی تھی۔ اسی لیے متعدد جعنیان ایام جاہلیت میں وہاں قائم ہو گئی تھیں۔ ۱۱۰

ایک ایک فرد کو قتل کر کے انتقام کی اس آگ کو بجھانا چاہتا تھا، لکھا ہوا کہ حیرہ کے قید خانے میں خالد کے ساتھ ایک بیٹا، بھائی اور چھ سب ہی قید تھے، اٹھارہ مہینوں تک قید و بند کی زندگی حیرہ ہی میں ان کو گزارنی پڑی۔ آخر ہشام ہی کو رحم آگیا، دمشق سے فرمان یوسف کے نام جاری ہوا کہ خالد اور اس کے خاندان کے جو افراد حیرہ میں قید ہیں سب کو چھوڑ دیا جائے۔ یوسف ان کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، لیکن خلیفہ کے فرمان سے سربازی کی بھی کئی شکل نہ تھی، خالد اور اس کے خاندان کے لوگ چھوڑ دیے گئے۔ خالد عراق سے بھاگ کر گئے پڑے شام پہنچ گیا، اور ہشام کی صحرائی قیام گاہ الرصافہ کے پاس آکر اس لیے ٹھہرا کہ پھر ہشام سے تعلقات کی تجدید کا موقعہ میسر آئے، مگر انتہائی کوششوں کے باوجود ہشام نے باریابی کا موقعہ نہ دیا، مایوس ہو کر خالد دمشق چلا گیا۔ ردم کی طرف موسم گرمیاں جو فوج روانہ ہوئی تھی، اپنی وفاداری دکھانے کے لیے اس فوج میں اپنے خاندان کے نو جوانوں سمیت شریک بھی ہو گیا، لیکن بجائے فائدہ کے زمانہ ایک نئے فتنہ کے ساتھ خالد کے آگے کھڑ ہو گیا۔ فتنہ تو طویل ہو، خلاصہ یہ ہو کہ خالد اور اس کے گھر کے نو جوان تو فوج میں تھے لیکن عورتیں بچے، غلاموں، بزرگوں چاکروں کے ساتھ دمشق ہی کے مکان میں مقیم تھے، شہر میں ایک نیا جنگلہ برپا ہوا، لکھا ہوا کہ چوروں اور ڈاکوؤں کا کوئی گروہ تھا جو راتوں میں چھپ کر دمشق کے باشندوں کے گھروں میں پہلے تو آگ لگا دیتا، اور جب لوگ آگ بجھانے میں مشغول ہوتے تو آراباب ثروت و دولت کے جن گھروں کو لوٹنا مقصود ہوتا، ان ہی میں چوروں کا یہ گروہ داخل ہو جاتا، انفرنگری کی صورتیں کچھ ایسی پیدا ہو جاتی تھیں کہ لوگ ان کو بڑے بھی نہیں سمجھتے تھے، پایہ تخت میں سسل چوری اور ڈاکے کے ان عجیب و غریب حوادث سے شہر دالے بدحواس بنے ہوئے تھے۔ ہشام دقت کا حکم اس زمانہ میں اپنی اسی صحرائی قیام گاہ الرصافہ میں مقیم تھا، شہر کی نگرانی جس انسر کے سپرد تھی خالد سے وہ بھی لٹھی بغض رکھتا تھا، یا اس کی گزشتہ ترقیوں سے حسد کرتا تھا، موقعہ کو غنیمت خیال کر کے اس نے یہ جلی مقدمہ تصنیف کیا کہ خالد اپنے گھر کے جو انوں کے ساتھ خود تو فوج میں شریک ہو گیا ہے، لیکن ڈاکہ اور چوری کے یہ سارے واردات شہر میں اسی کے اشارہ سے ہو رہے ہیں۔ یہ سارا کیڑا کچال خالد کے نوکر چاکر، حوالی موالی انجام دے رہے ہیں، خالد کی مسرناہ زندگی کو دیکھتے ہوئے اس التزام کا

۱۷ دمشق میں عموماً حاکم کو باجوٹ پڑتی تھی، اس لیے مردانی حکمرانوں نے معاہدہ شام کے باد میں علات تعمیر کئے تھے جہاں حاکم کے زمانہ میں بھاگ کر پناہ گزین ہوتے تھے، اسی کا نام الرصافہ تھا ۱۲۔

اقتاب اس بے چارے کی طرف اُسران تھا، گویا افات کی تلافی کی ایک شکل اس نے یہ نکالی ہو، ہشام کو مسلسل عراض کے ذریعہ سے یہی خبر و مشق کانگواں کا راسر دینا رہا، بالآخر وہ بھی متاثر ہو گیا، لکھا ہو کہ ہشام کا فرمان الرضادہ سے و مشق پہونچا کہ

ان یحبس آل خالد الصغیر منهم خالد کے گھر کے سارے لوگ چھوٹے ہوں
والکبیر وموالیہم والنساء یاڑے ان کے حوالی موالی اور عورتوں
طبری ص ۱۱۶

شاہی فرمان کی تعمیل میں دیر ہی کیا تھی، و مشق کے نگواں کا راسر کی توہی آرزو تھی، لکھا ہو کہ دوسروں کے ساتھ ساتھ جیل میں

حبس ام جریر بنت خالد قید کر دی گئی خالد کی بیٹی ام جریر اور اس
والرأفة وجميع النساء کی شرعی باندی، رافقہ بھی ان کے سوا گھر
والصبیان کی ساری عورتیں اور بچے بھی جیل بھیج دیے
گئے۔

عورتوں کے سلسلے میں آپ دیکھ رہے ہیں، رافقہ کا نام بھی ہو، وہی رافقہ جس کی انگلیوں کے لیے چھ بچہ میں گر جانے کی وجہ سے بیس ہزار دم کے نیکہ والی انگوٹھی کا استعمال بھی باعث ننگ و عار تھا، آج وہی رافقہ بے چاری جیل میں سڑ رہی ہو، یہ عجیب بات ہو کہ تحقیقات کے بعد ثابت ہوا کہ انشرفی، چوری اور ڈاکے کے سارے حوادث جن کو خواہ مخواہ خالد کے لوگوں کی طرف منسوب کیا جا رہا تھا، درحقیقت یہ ساری کارستانیاں عراق کے ایک مشہور ڈاکو ابو العترس نامی اور اس کے رفقاء کی تھیں، ہشام کو مذمت ہوئی، حکم دیا کہ خالد کے لوگوں کو جیل سے باہر نکال دیا جائے، اس عرصہ میں خالد بھی فوج سے و مشق واپس ہوا، لوگ ملنے کیلئے آئے، اس کی دراکیاں زینب اور عاتکہ بھی پاس ہی بیٹھی تھیں، چاہا کہ پردے میں چلی جائیں، تو جھنجھلا کر خالد نے کہا کہ

مالھا تفصیان وھشام فی کل یوم کس لیے یہ عورتیں ہنستی ہیں، جب ہشام
لیسوقھن الی الحبس و خلیفہ وقت کا نہیں روزانہ جیل خانے میں
گھسیٹ کر داخل کرتا رہتا ہو۔
(طبری ص ۱۱۶)

الغرض چڑھائے اور بڑھائے جانے کے بعد اپنے گزرتے اور گھٹنے کے ان دردناک تماشوں کو خالد بھی دیکھ رہا تھا۔ اس کے گھر کے لوگ بھی دیکھ رہے تھے، جو اتنا ادب نہ تھا کہ حکمرانِ وقت کے بعد سارے مروانی محرمہ میں خالد سے ادب نہ کیا کرتے تھے، سالہا سال تک وہی ایران کا کسریٰ اور ترکستان کا خاقان بھی بنا رہا تھا، لیکن آج دمشق کی گلیوں میں وہی خالد کس پیرسوں کی زندگی بسر کر رہا ہو، لوگ حیران تھے کہ کمال کے بعد زوال کے ان عجیب و غریب نظاروں کے اسباب کیا تھے اور اس وقت تک اسلامی تاریخ کے فیث شانسوں کے لیے یہ ایک عجیب موضوع بنا ہوا ہو، ڈھونڈنے والوں نے اسباب و علل کا انبار ہی کتابوں میں نفل کر دیا ہو۔ لیکن ان ہی موصوفین کی کتابوں میں جب ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ ہشام بہ سردارِ اعلان کرتا تھا کہ

”خالد پر جو الزام بھی لگایا جائے لیکن اس کی وفاداری ہمیشہ غیر شبہی رہی ہے۔“ (طبری)

تو اباب تبارج کی ساری تو جیس سچ پوچھئے تو صرف ایک بیٹہ ورنہ کچھ سے زیادہ اور کچھ باتیں نہیں ہیں اور یہ واقعہ بھی ہو کہ خالد حالانکہ چاہتا تو ہشام کے مقابلہ میں بہت کچھ کر سکتا تھا، لیکن جہاں تک تاریخی شہادتوں کا تعلق تھا، ہشام کی زندگی تک زوالی حوادث کے ایام میں خالد اسی طرح وفادار رہا جیسے آٹھارہ و عروج کے دنوں میں اس کا اور اس کی حکومت کا وہ ہی خواہ تھا۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ ہشام کے عہدِ حکومت میں یوں تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں سب ہی کچھ گزری لیکن اس غریب کی جان تک معائب کے ان تھوڑے دنوں کا اثر نہ پہنچا، تاہم ہشام بھی مر گیا۔

ہشام کے بعد مروانی گدی پر ولید بن یزید بن عبدالملک قابض ہوا، خالد کے ساتھ ولید کے قہقہے بھی پیش آئے، ہشام کی موت پر ایک سال کا زمانہ بھی نہ گزرا تھا کہ ولید کی خدمت میں خالد کے پرانے دشمن یوسف بن عمر نے جو اس کا جانشین ہوا تھا، یہ مسئلہ پیش کیا کہ خالد پر حکومت کا جو بقایا ہو، یہ رقم میں خزانہ شاہی میں بائیں شرط داخل کر سکتا ہوں کہ خالد میرے حوالہ کر دیا جائے، ولید نے گویا خالد کو بیچ دیا، ردِ پیسے لے لیا گیا، اور خالد اپنے دشمن یوسف بن عمر کے حوالہ کر دیا گیا، اور اس طور پر حوالہ کر دیا گیا کہ یوسف جو کچھ چاہے خالد کے ساتھ کر سکتا ہو، لکھا ہو کہ کھلی پیٹھ والے اونٹ پر سوار کر کے یوسف خالد کو دمشق اپنے ساتھ لے چلا، راستہ میں حد سے زیادہ تو یہی تھغیری برتاؤ کے ساتھ غریب کو طرح طرح کی جہانی تکلیفیں بھی پہنچاتا تھا، راستہ کی ایک منزل میں خالد کے ایک دوست نے جو یوسف کا ملازم تھا عرق انار میں گھولا ہوا ستو کا ایک پیالہ بھیج دیا، کسی طرح اس خفیہ حُسنِ سلوک کی خبر یوسف کو

ل گئی، اس غریب کی بھی اس نے کوڑوں سے خبر لی، جس نے یہ سترہ خالد کو بھیجا تھا، اور اس ملازم کو بھی بپا جس نے خالد تک اس سترہ کو پہنچایا تھا، آخر منزل بہ منزل ان ہی حالات میں خالد حیرہ تک یوسف کے ساتھ پہنچا، حیرہ وہاں یوسف کو خالد نے گالیاں دی تھیں، اسی حیرہ میں پہنچ کر شترکینہ یوسف نے خالد کے ساتھ جو سلوک کیا، اب بھی اس کے تصور سے روٹنے لگے کھڑے ہو جاتے ہیں، اسی زمانہ میں سترہ اپنے کے آلات میں ایک آٹھ شنگھ بھی تھا، شنگھ میں بھی بدترین شنگھ وہ تھا جس کا نام اس زمانہ میں

”المضی سہ“

تھا، یہ دندانہ دار شنگھ ہوتا تھا، سترہ افستہ غریب اسی شنگھ میں کس دیا جاتا تھا، ادویوں روح اس کباب سے نکالی جاتی تھی، طبری نے ایک چشم دید گواہ کی شہادت یہ نقل کی ہو

”جس وقت خالد کو ختم کرنے کے لیے لوگ باہر لڑے میں موجود تھا، میں نے دیکھا کہ اسی دندانہ دار شنگھ میں پہلے خالد کی دونوں ٹانگیں کسی گئیں، اور چند آدمیوں نے شنگھ کو گنا شروع کیا، تاہم خالد کی ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں، پھر شنگھ کو آگے کی طرف ٹھکرایا گیا، اور پٹلیاں خالد کی توڑ دی گئیں، شنگھ اور اوپر کی طرف بڑھایا گیا، زانو کی ہڈیاں توڑی گئیں، زانو کے بعد کمر تک شنگھ پہنچا، اور کمر بھی خالد کی توڑ دی گئی، بالآخر سینہ تک شنگھ پہنچایا گیا، کسے والے کتے جاتے تھے، تاہم ایک ایک کر کے سینہ کی ہڈیاں بھی ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو گئیں۔“

راوی جو خود بھی حد سے زیادہ سنگدل معلوم ہوتا ہو، اسی کا بیان ہو کہ ان تمام مرحلوں میں

فواللہ مات کلم خدا کی قسم خالد کے منہ سے نہ کوئی لفظ بھی
ولا عیب نکلا، اور نہ اس کا چہرہ بگڑا۔

حتی مات

تاہم خالد مر گیا

یہ سب کیا تھا، جو زندہ ہوتے ہیں ان کو کسی نہ کسی شکل کے ساتھ ہو، بالآخر مرنا ہی پڑتا ہو، آج بھی ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے آلات موت سے دنیا دھمکائی جا رہی ہو، کھینچنے والے اس ”موت“ کا جو قتل کے ان جدید آلات سے پیدا ہوگی، اسی کا نقشہ حبیب اور ہوش ربا، جہاں فرسا الفاظ کے قالب میں کھینچ

کھینچ کر دنیا کو لرزا اور سہا رہے ہیں، حالانکہ "موت" سے آگے تو ان آلات کے نتائج نہیں پہنچ سکتے، ان "بمبوں" سے بھی جب موت ہی پیدا ہوگی اور موت ہی کو پیدا کر کے ان آلات کی قوت ختم ہو جائے گی تو کچھ میں نہیں آتا کہ پھر نئی بات ہی کیا پیدا ہوئی، جب یہ آلات نہ تھے جب بھی موت سے کس کو رشکاری تھی، مرنے والے کسی نہ کسی طرح مرتے ہی چلے آ رہے تھے۔ تو آئندہ موت ہی تو ان آلات سے بھی پیدا ہوگی، اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ کن دردناک شکلوں میں پہلے بھی "الموت" آدم کے بچوں کے سامنے آ چکی ہو، پس سوچنے کی چیز یہ نہیں ہو کہ خالد کس طرح مارا گیا، کوئی شبہ نہیں اس کی "موت"۔

ترگ کی تاریخ

میں ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہو، "ہدم اللذات" کے زیر عنوان اس کے ذکر کرنے کی بڑی وجہ یہ بھی تھی، لیکن کچھ بھی ہو "موت" ہی کے اس نتیجہ تک خالد بھی پہنچا جس سے اس کا قاتل یوسف بھی بچ نہ سکا، یوسف کو مرنا پڑا، اور ہری موت کے ساتھ مرنا پڑا، اس کو بھی، ہشام کو بھی، جس نے خالد کو معزول کر کے یوسف کو عراق کا گورنر بنا دیا تھا، اور ہشام کے بعد ولید کو بھی جس نے یوسف کے ہاتھ غریب خالد کو بیچ کر قتل کرایا تھا، سوال یہی ہو کہ مرنا تو ہر حال ہر ایک کے لیے ناگزیر و مقدر ہی تھا، لیکن اسلام اور نبوت محمدیہ علیہ صلیا علیہ وسلم و آلہ وسلم و صحابہ کرام و تابعین و غیرہ کی غیر معمولی قوت جو اتفاق سے میسر آ گئی تھی، اس قوت سے انھوں نے زندگی میں کیا کام لیا، ظاہر ہو کہ آدمی کو خدا نہیں، بلکہ بندہ بنانے کے لیے یہ قوت ان کو عطا ہوئی تھی، لیکن عہدیت اور بندگی کی تعمیر میں اس قوت سے کام لیتے

۱۵ ہشام کے بعد مدنی تخت کا الگ و تہ ہوا۔ لیکن ایک سال چنواہ سے زیادہ حکمرانی کا موقع اس کو نہ ملا، مارا گیا، اس کی جگہ یزید بن الولید بن عبد الملک تخت نشین ہوا۔ اسی یزید کے زمانہ میں یوسف بن عمرو بھی کچھ عجیب شان کے ساتھ یزید کی تخت نشینی کی خبر سن کر جفا دہ نامی مقام کی طرف بھاگا جہاں اس کی جاگیر تھی، لوگ تعاقب میں گئے ایک گاؤں میں چھپا ہوا تھا، سرکاری دوش کو دیکھ کر بدتمیزی کے عالم میں بھاگا، جوتے تک نہ پہن سکا، چند عورتوں نے اوپر سے چادر ڈال دی تھی اور خود چادر طرٹ اسی چادر کے گوشوں پر بیٹھ گئیں۔ لیکن بات چپ نہ سکی، ٹانگ پر پڑ کر چادر کے نیچے سے لوگوں نے باہر نکالا، اس کی ڈاڑھی کافی دراز تھی۔ ایک ایک بال اس کا لوگوں نے نوچ لیا، یوسف کچھ دنوں قید خانے میں رہا بالآخر جیل ہی میں قتل کر دیا گیا۔ یوسف کے بعض حسب حالات آپ کو میری کتاب "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" میں بھی ملیں گے، اسی طرح خالد کے قتل سے ایک (باقی اگلے صفحہ پر)

بجائے اس کے انھیں نے چاہا کہ اپنی اپنی خدائی جھوٹی خدائی کی ڈیڑھ ڈیڑھ ٹرانزٹ کی بجائے کھڑکے میں اسی مال و
مصلحت سے کام لیں، جو بندے بنا کر پیدا کیے گئے تھے، وہ خدا تو بن نہیں سکتے تھے، نتیجہ صرف یہی ہوا کہ
بندگی اور عبدیت کا تعمیر کا جو موقع مل گیا تھا، اس موقع کو بھی کھو بیٹھے، اور یہ جھوٹی جھوٹی خدائیاں باہم ایک
دوسرے سے ٹکرائیں کہ پاش پاش ہو گئیں، غیر طبعی اور غیر فطری استعمال ہر قوت کا اسی نتیجہ کو پہلے بھی پیدا
کرنا رہا ہو، اور آج بھی اس پر یہی ثمرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اور جب تک ”خدائی“ سے ہٹ کر بندگی کی
تعمیر میں انسانیت مشغول نہ ہوگی، ان ہی تلخ پھلوں کے پھلنے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ باوجود انحصارِ جمال
کے خالد ہی کے قصے میں بہت زیادہ وقت ضائع ہو گیا۔ چاہا تو یہی تھا کہ اسی نقطہ پر اس داستان کو ختم کر دوں لیکن
دل نہیں مان رہا ہو، خالد کی نیابت میں بصرہ کی حکومت جن صاحب کے قبضہ اقتدار میں تھی، نام ان کا پہلے
بھی گزرا ہو، بلال بن ابی بردہ تھا، یاد ہو گا کہ حذام کی بیماری میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے علاء عباسی بلال بن
ابی بردہ روزانہ گھٹی میں غسل فرمایا کرتے تھے، اور غسل سے فارغ ہونے کے بعد بصرہ کے بازار میں گھی فروخت
کے لیے بھیجا دیا جاتا تھا، لوگوں کو جب اس کا علم ہوا تو مدتوں بازار کا گھی کھانا بصرہ والوں نے چھوڑ دیا تھا۔
بہر حال جیسا کہ میں نے عرض کیا خالد کی معزونی کا معاملہ حد سے زیادہ عینہ راز میں انجام پایا تھا،
لیکن ایسا معلوم ہوتا ہو کہ کسی ذریعہ سے اس کی بھنگ بلال کے کاغذات تک پہنچ گئی تھی، یا خود ہی حالات
کی وجہ سے اس دوسرے میں مبتلا ہوا کہ کوئی آفت خالد پر آنے والی ہو، لکھ کر دریافت کیا کہ اجازت ہو تو بصرہ
سے ڈاک کی چوکی پر صرف ایک دن کے لیے میں کو ذہ حاضر ہو جاؤں، کو ذہ کا فاصلہ بصرہ سے (۲۴۰ میل
یا اتنی فرسخ تھا، لیکن چوبیس گھنٹوں میں بلال رواروی کرتا ہوا، اجازت ملنے کے بعد واقعی کو ذہ پہنچ گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سال پہلے ہشام خنقا کی بیماری سے جس وقت مرنا تو جیسا کہ مومنین کا اتفاق ہو مروانی خزانے میں جتنی
دولت ہشام نے جمع کی کسی نے نہ کی لیکن جوں ہی کہ اس کا دم نکلا تو ہشام کے بعد جو اس کا جانشین ہوا، یعنی ولید کے، امیوں نے
حکومت کی ایک ایک چیز پر قبضہ کر لیا، غسل میت کے لیے ضرورت ٹھوکی کے برادے کی ہوئی جس سے پانی گرم کیا جاتا لیکن ہشام کے لیے
ٹھوکی کے برادے کی بھی اجازت غلاموں نے نہ دی، غلام نے کھن دفن کا انتظام کیا، کہتے ہیں کہ اس وقت جب ہشام کی کھڑکی تھی اور دیکھا
تھا کہ ابھی جمع کی ہوئی دولت پر دوسرے قبضہ کر رہے ہیں تو سنا گیا کہ ہاتھ ”ہائے میں کیا ولید کا صرف خود اپنی تھا“ ہشام کے بعد ولید کو بھی
لے نفع وغیرہ در محمد از حیالات کی وجہ سے لوگوں نے پائو اور دھرم کی شکار گاہ میں مار ڈالا، اُس ہوا سر اس کا نیزہ پر دھن ہو چکا، اور دھن
کی انیس پر دم کا دیا گیا ۱۲۔

بعضوں کا بیان یہ بھی ہو کہ

کان بلال اتخذ داراً بالكوفة و
انما استاذن خالد بن الخطاب داره
طبری ص ۲۵۶

گویا خالد کو ہشام کی رائے سے مطلع کرنا، یہ تو صرف بہانہ تھا ورنہ اصل مطلب بلال کا یہ تھا کہ اپنے نو تعمیر محل کے معائنہ کا موقع اس طریقہ سے مل جائے گا، کہتے ہیں کہ بلال نے جس زمانہ میں ہشام کے آئندہ اقدام کے خطروں سے خالد کو آگاہ کیا تھا، اس وقت چونکہ معزولی کا ہلکا سا خطرہ بھی نظر آ رہا تھا، اس لیے بلال نے اس سلسلہ میں جو مشورے خالد کو دیئے ان کو خالد نے درخور اعتناء قرار دیا، بلال واپس ہو گیا، کچھ ہی دن بعد معزولی واقعہ بن کر خالد کے سامنے آئی، یوسف نے خالد کے مقرر کیے ہوئے دوسرے حکام و ولایہ کی دھڑکن لگائی ان ہی میں غریب بلال بن ابی بردہ بھی تھے، بصرہ سے کوفہ بلائے گئے اور وہی نو تعمیر محل جس کے دیکھنے کے شوق میں انھوں نے بقول شخصے دوسو چالیس میل کا فاصلہ چوبیس گھنٹوں میں طو کیا تھا، اسی مکان میں قید کر دیئے گئے اور ان کے بعد مدت دراز تک بلال کا یہی مکان سرکاری جیل خانے کی حیثیت سے استعمال ہونا ملا۔

طبری میں یہ ہو کہ

فما نزلها الا مقيداً
ثم جعلت سجيناً
الى اليوم۔
اپنے اس نو تعمیر محل میں بلال قیدی بن کر داخل ہوئے اور ان کے بعد اس وقت تک دھننی راوی جس زمانے میں روایت بیان کر رہا تھا، یہ محل حلیانہ ہی بنا دیا گیا ہو۔

ص ۲۵۶

اسی قید خانے میں بلال مرے بھی اور عجب طح سے مرے، حافظ ابن حجر اور حافظ ابن عساکر نے اس عبرتناک حادثہ کا ذکر جن الفاظ میں کیا ہوا ان کا خلاصہ یہ ہو کہ بلال نے جیل کے واردہ کو اس پر راضی کیا کہ ایک لاکھ درم لے کر کسی طح اس جیل خانے سے نکل جانے کا موقع میرے لیے پیدا کرے۔ یوسف بن عمر کو ذکا جو اس وقت حاکم تھا اور اسی کے حکم سے بلال کو جیل خانہ ہوا تھا، اس کا قاعدہ تھا کہ کسی قیدی کی موت کی خبر جیسے اس کو دی جاتی تو حکم دیتا کہ مرنے والے کے وارثوں کے حوالہ لاش کر دی جائے، بلال اور داؤد غنہ جیل میں طے ہوا کہ بلال کی موت کی یوسف کو خبر دی جائے، اس طریقہ سے خلاصی کی صورت نکل گئی،

لیکن اتفاقاً یہ عجیب صورت پیش آئی کہ روپے داروغہ تک جب پہنچ گئے اور یوسف کو حسب قرارداد بلال کی موت سے داروغہ نے یہ سمجھتے ہوئے مطلع کیا کہ بلال کے داڑوں کو لاش کے حوالے کرنے کا حکم دیا جائے گا، خلافت توقع یوسف نے کہا کہ

” بلال کی لاش! میرے سامنے لائی جائے، میں خود بھی اس کا معائنہ کر دوں گا۔“

جیل خانے کا داروغہ حیران تھا کہ اس کیا کرے، اپنی دی ہوئی خبر سے پھر بھی نہیں سکتا تھا اس کے سوا خاص کی صورت کوئی سمجھ میں نہ آئی کہ جیل پہنچ کر بلال پر ایک لمحات داروغہ نے دلوادی، اور لمحات ہی کے نیچے حکم دیا کہ ان کی سانس گھونٹ دی جائے، زندہ بلال تھوڑی دیر بعد واقعی مردہ بلال بن گئے۔ داروغہ لاش لے کر یوسف کے دربار میں پہنچ گیا۔

حافظ ابن حجر نے ابن الانباری کا قول نقل کیا جو کہ

قتلہ دہاء ۱۰ بلال اپنی روشنی طبع کے خود شکار ہو گئے

تفسیر بیان القرآن مکمل

از

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

بیان القرآن کا ایک نسخہ بھی ربوں سے لیا مشکل ہو گیا تھا، طالبین کی تشنگی حد سے بڑھ گئی تھی کہ خدا خدا کر کے

یہ عظیم کام پھر بخیر و خوبی انجام پایا اور اب تھانوی بھون والے ساڑ اور اسی طرز پر قدس قلم علی کر کے ہدیہ ناظرین

کی جا رہی ہے۔ قیمت مکمل ساڑ روپے ستہ

نوٹ:- خرید حضرات آرڈر کے وقت مبلغ ستہ روپے پیشگی ارسال فرمائیں اور

اپنے یا قریبی ایسے اسٹیشن کا نام ضرور تحریر فرمائیں۔

پاکستانی حضرات:- مبلغ ستہ روپے پیشگی ادارہ اصلاح و تبلیغ اشرطین بلڈنگ لاہور کے پتہ پر

ارسال فرمائیں اور حسب قاعدہ منی آرڈر کی رسید مہرہ آرڈر دیں۔

رَافِضَةُ كِتَابِ حَاشِيَةِ الْفَرْقَانِ لَكْهَنؤ

سفر مصر

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

(مترجمہ عتیق الرحمن سنہ ۱۳۵۱ھ)

پنجشنبہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۰ء - ۱۴ اپریل ۱۹۳۱ء

ڈاکٹر احمد امین صاحب ملاقات

آج علی الصباح ”بین العالم وجزیرۃ العرب کا مقدمہ لکھا اس کے بعد حیرہ کا رخ کیا، وہاں ڈاکٹر احمد امین صاحب کو منتظر پایا، نشست ہوئی تو ڈاکٹر صاحب نے یوگ کے بارے میں سوال کیا میں نے کہا یہ ایک علم ہے جو ہندوستان میں بہت پھیلا ہوا ہے اہل ہند کے پاس جسمانی ورزش اور جسم کی تقویت اور تندرستی کی حفاظت کے سلسلہ میں بعض بہت عمدہ تجربات ہیں لیکن روغتیا کے سلسلہ میں وہ تخریب جسم، تصفیہ نفس، کسر شہوات اور طبیعت کی محکومی سے نکل جانے پر اکتفا کرتے ہیں۔ پس وہ مدت دراز تک جس دم جیسے اشغال کرتے ہیں لیکن ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے اتباع شریعت اور عمل بالسنتہ کے بعد ان چیزوں کی ضرورت نہیں رکھی مگر اس میں شبہ نہیں کہ تصفیہ نفس کے بڑے عجیب و غریب آثار ہوتے ہیں اور انسان اپنی طبیعت پر فخر حاصل کر لیتا ہے لیکن یہ چیز ولایت زیادہ..... کسی دوسرے فنی کمال سے مشابہت رکھتی ہے اور اسی لئے متبع سنت صوفیہ نے تصفیہ نفس پر تصفیہ قلب کو ترجیح دی ہے۔

بات ہوتے ہوتے تصوف اور صوفیہ تک پہنچ گئی اور اسی گفتگو میں یہ انکشاف ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کو اس علم میں بھی دخل ہے اور انھوں نے ایک نقشبندی شیخ سے (جو ایک داخانہ

کے مالک تھے) اس فن کے کچھ اسباق بھی لئے ہیں۔ میں نے کہا کہ بے شک حضرات صوفیہ کے کچھ خاص قہمی اذکار ہیں جن سے انہیں سکینت اور قوت قلب حاصل ہوتی ہے۔

حکیم و عارف کا فرق | ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں نے بعض حکایات میں پڑھا ہے کہ اکابر

ہی پر آمنا سامنا ہو گیا۔ دونوں حضرات تین دن تک ایک ساتھ کھڑے رہے پھر جب جدا ہوئے تو ایک شخص نے ابن سینا سے شیخ ابوالخیر کے متعلق دریافت کیا ابن سینا نے کہا ”جو میں جانتا ہوں وہ وہ دیکھتے ہیں“ ایسے ہی کسی نے ابوالخیر سے ابن سینا کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا ”جو میں دیکھتا ہوں وہ اسے جانتے ہیں“۔ میں نے کہا ڈاکٹر محمد انبال مرحوم نے عارف محقق کے متعلق اپنے ایک شعر میں اسی فرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سز دیں مارا خبر اور انظر اور درون خانہ ماہیرون در

میں نے کہا کہ تمام علم و فکر کا حاصل اور مقصد بلاشبہ یہی ہے کہ **کثرتِ وحدت کی طرف** آدمی کثرت سے وحدت کی طرف متقل ہو جائے۔ یہ ایک بڑی قوت اور علمِ عظیم ہے جب کسی پر اس کا دروازہ کھل جاتا ہے تو وہ انتظارِ فکر، عالمِ رنگ و بو میں تخیل اور مادہ و اسباب کی پریش سے نجات پا جاتا ہے اور اسباب (کی کثرت) اسے (وحدت) مستتب تک پہنچ جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں اپنے احباب کی مجلس میں عموماً کہا کرتا تھا کہ عقل ہی تنہا علم کا سرچشمہ نہیں ہے بلکہ دل بھی اسی کی طرح ایک سرچشمہ علم ہے اور میرے بعض احباب کو اس خیال پر اصرار ہوتا تھا کہ عقل ہی تنہا منبع علم ہے میں نے عرض کیا کہ شیخ احمد سرہندی مجددِ ملت ثانیؒ نے عقل پر نقد کرتے ہوئے بہترین کلام فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک عالم واقع میں وہی کہیں پائی ہی نہیں جاتی جس پر عقل مجرور کا اطلاق کیا جاسکے اور نہ کوئی گفت ہی ایسا پایا جاتا ہے جس کو خارجی اثرات سے مطلقاً آزاد مانا جاسکے یہ دونوں چیزیں خارج سے ضرور متاثر ہوتی ہیں اور عادات و خواہشات اور سلمات کی کوئی نہ کوئی پہچانیں ان پر ضرور پڑتی ہے چنانچہ حق و باطل کی اس طرح آمیزش ہو جاتی ہے کہ انسان کو شعور بھی نہیں ہو جاتا جیسے کہ آئینہ میں (بلا قصد و شعور کے) چند چیزوں کا عکس آ جاتا ہے۔ اور عجبات

ہے کہ مشہور جرمن فلسفی کا نٹ بھی اسی نتیجہ پر پہنچا ہے اور اس نے اپنی معرکہ الارا کتاب (CRITIC OF PURE REASON) میں مجرد عقل کے وجود سے قطعی انکار کیا ہے

علم خالص کا چشمہ سرہ | دو سر چشمہ علم جس کی صحت ہر سونی صدی اعما و کیا جاسکے وہ تو صرف وحی ہے اور وہ علم ہے جو انبیاء علیہم السلام کے راستہ سے آتا ہے۔

ہم زندہ عجائب گھر میں ٹہلتے ہوئے گفتگو کرتے رہے، یہاں تک کہ جزیرۃ انسانی میں پہنچ گئے، محترم ڈاکٹر صاحب نے دو پہر کا کھانا طلب کیا، ہم لوگ سال کے کنارے سیڈی کے نیچے بیٹھ گئے۔ سامنے شفات پانی تھا جس پر بطیں تیر رہی تھیں۔ ہم اس منظر سے لطف اندوز ہوتے رہے اور فاضل اساذ کی گفتگو سے مستفید بھی ہوتے رہے۔ آخر میں اساذ موصوف نے کہا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تصوف کے ذریعہ سے انسان تہذیب حاضر کی دغریبیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہ کے متعلق کچھ معلومات | میں نے کہا غالباً سید جمال الدین افغانی کو تصوف سے کچھ حصہ ملا ہوا تھا اور وہ ذکر قلب سے اشتغال رکھتے تھے اس پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں شیخ محمد عبدہ

کا حال بھی یہی تھا، چنانچہ دونوں کو زہد کا مقام حاصل تھا اور دنیا سے جاتے وقت ان میں سے کسی نے اپنے پیچھے دولت و ثروت نہیں چھوڑی۔ میں نے کہا کیا آپ کو شیخ سے کچھ پڑھنے کا موقع ملا ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا، ہاں میں نے ان سے دو سبق پڑھے ہیں۔ شیخ کی زندگی ہر مزید روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ شیخ محمد عبدہ کے اندر راہنار و سخاوت کا بڑا مادہ تھا، جو کچھ ان کے پاس آتا تھا اپنے رفقاء اور فقراء پر خرچ کر دیا کرتے تھے اور ایک خس پوش مکان میں رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے سوال کیا کہ وحدۃ الوجود کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا یہ مسئلہ نظری سے زیادہ عملی ہے۔ کہاں بات تو یہی ہے، مزید فرمایا کہ کبھی کبھی انسان کو کچھ لمحات حضوری حاصل ہو جاتے ہیں لیکن یہ ہمیشہ باقی نہیں رہتے، میں نے کہا ہاں اگر ان لمحات کو دوام حاصل ہو جائے تو انسان اس زندگی سے تعلق منقطع ہو جائے اور پھر وہ اس

ٹھہرے لیتا، الحیوانات ظاہرہ میں بیچ نالاب میں ایک بند ٹیلہ ہے جس پر ایک ہوٹل دانت ہے اسکو جزیرۃ انسانی کہتے ہیں

تعلق رکھنے کے قابل ہو ہی نہ سکے، ڈاکٹر صاحب نے کہا لیکن میں نے بعض آدمیوں کو سنا ہے کہ ان کے لئے ان لمحات میں دوام کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا، ہاں جب کسی کو ملکہ راتو حاصل ہو جاتا ہے تو یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔

قضاء و تعلیم کا فرق | پھر کچھ اور باتیں ہونے لگیں، اور میں نے کہا کہ کیا آپ کو قضاء سے بھی دلچسپی ہے؟ بولے بالکل نہیں! چنانچہ میں نے ایام قضاء کے آخری دن میں لے تدریس کی لائن اختیار کر لی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کے پاس بگڑے ہوئے خاندان آتے ہیں اور مدرس کے پاس کلیاں آتی ہیں جو کھٹنے کے لئے بیتاب ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرے ایک استاد تھے جو کہتے تھے کہ تمہاری عقل تو ریاضی ہے، پھر تمہارا اشتغال ادب سے کیسے ہے؟ میں نے کہا ہاں آپ کے بارے میں ان کا خیال صحیح تھا، اور اسی وجہ سے آپ کے ادب میں واقعیت پسندی اور مرکزیت ہوتی ہے۔ بولے جی ہاں مجھے ادب میں منطقی ربط و ترتیب پسند ہے اور اسی وجہ سے مجھے شعر سے ذوق نہیں ہے کیونکہ وہ منطق کے تابع نہیں ہوتا۔

جمعیتہ الشبان المسلمین کے دفتر میں

رات کو ڈاکٹر جلد الجید سعید کے مکان پر جمعیتہ الشبان المسلمین کے دفتر میں جا رہا تھا جہاں استاد سعید رمضان کی تقریر تھی۔ تقریر کا فی طویل اور بہت پر جوش اور جاندار تھی جو دو گھنٹے تک جاری رہی تقریر کا موضوع تھا "الجماعة الإسلامية اتحاداً و اسلامیاً" اس تقریر میں جو خاص بات نظر آئی وہ اس کا دینی رنگ اور رجحان تھا جو علمی رنگ سے بھی نمایاں تر تھا۔ اور اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مصری زندگی میں بہت بڑا انقلاب ہو چکا ہے یعنی دین کی باتیں جو ایک زمانہ میں، وجہ محسوس کی جانے لگی تھیں اب وہ نہایت خوشگوار اور پسندیدہ بن گئی ہیں۔ ایسے ہی ایک اور خاص بات جو میں نے نوٹ کی وہ نوجوان طلبہ کا دین کی طرف التفات اور میلان تھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ طلبہ اتنی دیر تک بہت دلچسپی کے ساتھ تقریر سنتے رہے جبکہ ان میں سے بہت سے (جگہ کی تنگی کی وجہ سے) کھڑے ہوئے تھے۔ تقریر کے بیچ بیچ میں بار بار "اللہ اکبر و الحمد للہ" کے ہر زور نعرے بلند ہوئے تھے

لے ڈاکٹر صاحب ایک عرصہ عہدہ قضا پر بھی رہے ہیں۔

اور بڑی گرم جوش تالیوں سے داد دہی جا رہی تھی۔

جمعہ ۲۵/۴/۷۰ء - ۲۷/۴/۷۱ء

آج ہم صبح کے ناشتہ کے بعد الحاج علی شریف کی دوکان (واقعہ شہر) پر گئے۔ یہاں سے ہمیں اوسیم جانا تھا، جہاں جمعہ کی نماز پڑھنا تھی اور الحاج عطیہ البہوشی کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھانا تھا۔ یہاں اتفاق سے محب کرم احمد عثمان صاحب مل گئے۔ انھوں نے ملتے ہی کہا، آج مصر پر ایک بجلی گری ہے، میں نے کہا خیر تو ہے، کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا یونیورسٹی کے طلبہ مطالبات نے مطالبہ کیا ہے کہ سرکاری طور پر زنانہ بازار می کے پیشہ بر جو پابندی لگا دی گئی ہے وہ اٹھائی جائے اور پیشہ کی اجازت بحال کی جائے کیونکہ اس کے نتیجہ میں سرکوں اور راستوں پر لڑکیوں کے ساتھ چھپر چھاڑ کے واقعات بہت بڑھ گئے ہیں اور اس کا کوئی علاج بجز اس کے نہیں ہے کہ پیشہ کو برداشت کیا جائے، یہ کہہ کر انھوں نے مصری روزنامہ "آخر لحظہ" کا ایک شمارہ پیش کیا۔ اس واقعہ سے عثمان صاحب بہت متاثر تھے، اور ان کی دینی حمیت اور اسلامی غیرت بھڑک اٹھی تھی چنانچہ علماء اذہر پر برس پڑے اور کہنے لگے یہ اپنی ترقی اور گورڈ کے لئے تو ہڑتالیں کرتے ہیں لیکن دین اور نیکی کی خاطر ہڑتال نہیں کریں گے؟ یہ اپنے مفاد کی خاطر تو غضبناک ہوتے ہیں لیکن اللہ اور رسول کے لئے انھیں غصہ نہیں آئے گا؟ میں نے کہا یا استاد چھوڑیے جانے دیجئے کیونکہ اسلام سے یہ بغاوت، اخلاق کے ساتھ بے رونا ک کھیل، یہ بے حیائی اور یہ لذت پرستی تو برابر رہے گی اور نئے نئے روپ میں آتی رہے گی جب تک کہ قوم کے اندر ایک طاقتور دینی روح اور ان بے ہودگیوں کے خلاف زبردست انگار اور قہلج کا جذبہ پیدا نہیں ہو جائے گا۔

قوم میں دینی احساس کی بیداری اور دینی روح کا وجود

ہی اس بے حیائی، لذت پرستی اور اسلام سے بغاوت کا

واحد علاج ہے

جب تک جمہور امت اور افراد ملت کے اندر دینی شعور بیدار نہیں ہوگا اور جب تک

لے اس وقت ازہر میں اساتذہ معین نا انصافیوں کے خلاف احتجاجاً اسٹراک کر رہے تھے اور تعلیم بند تھی۔

قوم حکومت کے افعال کی نگراں اور اس کے اخلاقی رجحانات کی محنت نہیں بنے گی اس وقت تک جو علاج بھی آپ تلاش کریں گے وہ وقتی اور ناکافی ہوگا۔

مصری دیہات اس گفتگو کے بعد ہم شیخ عطیہ کی موٹر پر ریفٹ مصری (مصری دیہات) دیکھنے کے لئے گئے۔ اسٹاذ عبدلواہاب محمد غنائم چیف ایڈیٹر "صوت الامت" اور وزارت صحت کے صحافتی سکریٹری (بھی رفیق سفر تھے) ہم موٹری میں مصری ریڈیو اسٹیشن سے تلاوت قرآن سن رہے تھے۔ اس پر میں سوچنے لگا کہ قرآن کتنا عام ہو گیا ہے مگر ساتھ ہی کس قدر مخصوص اور محدود ہو گیا ہے! ساعت کس کنٹریسٹ ہوئی ہے اور انٹرس قدر کم لیا جاتا ہے! — میں آج پہلی مرتبہ ریفٹ مصری دیکھ رہا تھا اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ گویا میں ہندستان میں ہوں۔ نیندگی جسے ہم اس وقت دیکھ رہے تھے اور یہ زمین جس پر اس وقت ہم چل رہے تھے اس کا کوئی رشتہ قاہرہ سے نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ وہاں تمدن و ترقی اور آسائش و نظم کی کوئی حد نہیں، اور یہاں فقر و خستہ حالی اور بیکارگی بڑھتی جا رہی تھی۔

عظیم خطرہ ایک ملک کی آبادی میں اتنی تھوڑی سے مسافت کے اندر تہذیب و تمدن اور معیشت کے درجات میں اتنا عظیم تفاوت — بلکہ ایک شہر بلکہ ایک محلہ کے بسنے والوں کے درمیان معیار زندگی کا اتنا غیر معمولی فرق جو ہر دیکھنے والے کو محسوس ہوتا ہے — قوم اور ملک کے لئے ایک زبردست خطرہ ہے، اسی تفاوت کا وجود اقتصادی شورشوں اور اشتراکیت کی لہروں کے لئے راستہ صاف کرتا ہے اور زمین تیار کرتا ہے — راستہ طے ہو گیا اور ہم الحاح عطیہ البہوشی کے دولت کدہ پر پہنچ گئے۔ ان کا دولت کدہ گویا ایک نیا عالمی شان محل تھا۔ میں نے قاہرہ میں سنا تھا کہ انہوں نے اس کی تعمیر پر پچیس ہزار پاؤنڈ (سوائین لاکھ روپیہ) خرچ کیا ہے یہاں سے ہم فوراً ہی مسجد چلے گئے اور جمعہ کی نماز پڑھی۔ امامت کے فرائض محب محترم سید علی محمد الشریف نے انجام دئے اور بعد میں میری تقریر کا اعلان بھی کر دیا۔ چنانچہ میں کھڑا ہو گیا اور اس وقت کے حسب توفیق سورہ عصر کی تفسیر بیان کی۔

اہل ریفٹ کی گرجوشتی اور مجھے ہی بیان ختم ہوا لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ شخص چاہتا تھا کہ اور عزت افزائی مجھ سے مصافحہ کرے اور مجھے خطرہ ہو رہا تھا کہ اس بھیڑ کے کسی ریلہ میں

گرنہ بڑوں۔ ان کی اس عقیدت و محبت پر میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ بدر دگران کے اس حسن ظن کو حقیقت بنادے اور آخرت میں رسوائی سے محفوظ رکھ۔ ان لوگوں کے اس معاملے نے مجھے یقین دلا دیا کہ دین میں آج بھی طاقت ہے اور قلوب و ارواح پر اس کا گہرا اثر موجود ہے ورنہ میں ہندی یہ مصری میرا ان کا کوئی رشتہ دینی رشتہ کے علاوہ نہیں لیکن یہ مجھ سے جس اخلاص اور جس جوش و محبت کے ساتھ پیش آرہے ہیں اس کرۂ زمین پر کسی ملک میں بھی یہ خلوص اور یہ روح کسی اجنبی کو میسر نہیں آسکتی۔ یہ اگر دین کی طاقت اور اس کے اثر کا کرشمہ نہیں تو کیا ہے۔

مواد خام ہو رہا ہے ہم مسجد سے نکلے تو اساذ جلال ہے اور چند دوسرے حضرات کو منتظر پایا جن کو الحاج عطیہ نے دو پہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھانے کیلئے

دعو کر رکھا تھا۔ میں اس وقت اہل ریلٹ کی سلامت طبع جن ظن اور ان کے اس اعزاز و اکرام کے منظر سے بہت متاثر تھا جو ابھی ابھی میں نے دیکھا تھا۔ اسی تاثر کے تحت میں نے ان حضرات سے کہا کہ محترم حضرات! آپ کے پاس دنیا کا سب سے بہتر خام مواد موجود ہے لیکن وہ بالکل بیکار پڑا مٹا ہوا ہو رہا ہے کوئی نہیں ہے جو اسے صحیح کام میں لگا کر نفع بخش بنائے۔ اساذ جلال نے میری تائید کی اور فرمایا کہ میں مشرق و مغرب میں پھرا ہوں اور کئی بار یورپ کا سفر کیا ہے اور ان ملکوں کی حیثیت کی ہے لیکن میں نے اپنی قوم کے اس حصہ سے۔ جو مصر کے دیہات میں آباد ہے۔ زیادہ سمجھ اور پاکیزہ، زیادہ کارآمد اور زیادہ گرم جوش قوم نہیں دیکھی لیکن قسمتی ہے کہ ہم احساس کمتری میں مبتلا ہیں، ہم اپنے ہر اور اپنی قوم پر اعتماد نہیں۔ اس لئے اس کو کم قیمت اور حقیر سمجھتے ہیں اور اس کے برعکس مغربی اقوام سے بے حد مرعوب ہیں۔ میں قسم سے کہتا ہوں کہ میں نے ان قوموں کے اندر و لطافت روح، وہ سلامت طبع وہ ایمان اور وہ فطری جوہر نہیں دیکھے جو مجھے اپنے ان دیہات کے خستہ حال سہلاؤں اور عوام کے طبقوں میں نظر آتے ہیں۔ اس بات کو انھوں نے بہت مفصل اور مدلل طور پر کہا اور پھر ہم اس بارے میں گفتگو کرنے لگے کہ اس طبقہ کو کیسے کارآمد اور نفع بخش بنایا جاسکتا ہے؟ اس موقع پر میں نے ان کے سامنے ہندوستان میں دینی دعوت کا طریق کار پیش کیا کہ کیسے اس طبقے سے تعلق قائم کیا جاتا ہے اور کس طرح متمدن اور مرفہ الحال طبقہ قصوں اور شہروں میں دین کی بنیادی دعوت کی نشر و اشاعت میں تعاون کرتا ہے اور کیسے یہ لوگ اپنے

استاذ محمد فرید و جدی سے گفتگو | یہاں میں پھر گیا اور مجھے استاذ محمد فرید و جدی یاد آ گئے جنہیں میں غالبِ علمی کے زمانہ سے جانتا تھا۔ میں نے انکی

دائرۃ المعارف الاسلامیہ اور بہت سے مضامین پڑھے تھے۔ چنانچہ اسی تعلق کی بنا پر میں نے ڈرمینگٹ بھیجا اور انہوں نے فوراً ہی بلوایا۔ بڑے تپاک سے ملے اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ہم ہندوستانی ہیں اور ہمیں ان کی تالیفات اور مقالات سے واقفیت ہے تو بہت بلباش ہوئے اور ہماری ملاقات سے انہیں ایک طرح کی مسرت حاصل ہوئی۔ میں نے ان کو بتلایا کہ ان کی قدیم کتاب المرأة المسلمة جو انہوں نے قاسم امین کی کتاب المرأة المصرية کے رد میں لکھی تھی۔ بہت عرصہ ہوا اردو میں منتقل کی جا چکی ہے اس کا ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد دوزیر تعلیمات حکومت ہند نے اپنے زمانہ شباب میں کیا تھا اور یہ ترجمہ بہت ہی معیاری اور نہایت شگفتہ و جربستہ تھا۔ میں نے کہا کہ میں آپ کی اس خصوصیت سے بھی واقف ہوں جو آپ کو عصری ثقافت اور دینی ثقافت کو ملانے اور عصری علوم اور مغربی فلسفہ کے ہتھیاروں سے اسلام کا دفاع کرنے میں حاصل ہے۔ کہنے لگے کہ اس زمانہ میں اسلام کی خدمت کرنے اور اس کے فضائل و محاسن کو اجاگر کرنے کا یہی صحیح طریقہ ہے۔

فرانسیسی اور انگریزی | میں نے کہا آپ کی تعلیم انگریزی ہے یا فرنگی؟ انہوں نے کہا میری تعلیم تو فرنگی ہے مگر میں فرانسیسی پر انگریزی زبان کو ترجیح دیتا ہوں۔ میں نے کہا ثقافت کا فرق

فرانسیسی ادبی اور شعری لحاظ سے زیادہ وزنی ہے۔ کہا جی ہاں یہی بات ہے میں نے کہا انگریز قوم ایک علمی اور حقیقت پسند قوم ہے اور اس کے مزاج کو دور از کار اور خیالی باتوں سے مناسبت نہیں ہے۔ استاذ فرید نے کہا کہ انگریزوں میں روحانیت اور اس سلسلہ کے لٹریچر کے مطالعہ کا رجحان بہت بڑھ رہا ہے اور مجھے امید ہے کہ مستقبل میں یہاں سے روشنی ملے گی۔ میں نے کہا جی ہاں یہ بات تو ہے کہ ان کی توجہ روحانی پہلو کی طرف بڑھ رہی ہے مگر یہ اپنے مطالعہ اور اپنی تلاش میں غفلت نہیں ہیں یعنی ان کا مقصد روحانیت کا حصول نہیں ہے بلکہ روحانیت پر محض ایک فن کی طرح ریسرچ کرنا چاہتے ہیں۔ استاذ موصوف نے بظاہر میرے اس خیال سے اتفاق کیا۔

پھر مسلمان ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں گفتگو ہونے لگی اور انہوں نے کہا مجھے امید ہے

کہ مستقبل میں ہندو اسلام کی طرف متوجہ ہوں گے۔ میں نے کہا امید تو مجھے بھی یہی ہے۔

یہاں اتفاق سے استاذ محمد فواد جلد بانی صاحب سے ملاقات ہو گئی جنہوں نے مفتاح کنوز السنہ کو اس کی اصل زبان (ڈچ) سے عربی زبان میں منتقل کیا ہے۔ موصوف نے علامہ سید سلیمان ندوی کی خیریت دریافت کی اور بہت تعریف کی اور بتلایا کہ میں نے ان کو اپنی بعض تصنیفات بھیجی تھیں اس کا انہوں نے بہت مناسب الفاظ میں شکریہ ادا کیا تھا اور انہوں نے میری محنت کی داود بھتی — میں نے فرید و جہدی صاحب کو اپنی کتاب رماذخسرا العالم بالخطاط السلیین پیش کی انہوں نے ممنونیت کے ساتھ قبول کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ دو شنبہ کو اسی دفتر میں پھر ملاقات ہوگی۔

ہوسٹل میں اسی طرح یہاں استاذ علی نوری سابق سکریٹری دارالکتب المصریہ اور مولف السیرۃ النبویہ سے بھی ملاقات ہو گئی اور تعارف ہوا۔ یہاں سے نکل کر براہِ دم محمد درویشی متسلم کلیۃ الشریعہ کی معیت میں آٹھ رکھ مدرسہ علوم دینیہ (کلیۃ الشریعہ) اور اس کا کتاب خانہ اور ازہر کا دارالاقامہ دیکھا۔ دارالاقامہ میں انتظام اور صفائی کی تکفیل وہ حد تک کی نظر آئی — میرے نزدیک یہ اقامت خانے اپنے رہنے والوں میں کمزوری اور غلطی کا احساس اور مصری تعلیم گاہوں اور وہاں کے نظام اور متعلمین سے غیر معمولی مروت پر پیدا کرنے کا باعث بنے ہوں گے۔ اور اسی کا نام احساس کمتری ہے — اور پھر یہاں اعزاز بالبدین اور اعزاز بالعلم (نفس دین اور علم میں عزت سمجھنے) کی وہ روح بھی موجود نہیں ہے جو اس احساس کو رد کرتی ہے اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ادارہ آٹھ ایسے اقامت خانے بنوائے جو اپنی باقاعدگی اور صفائی میں عصری کالجوں اور مصری یونیورسٹی سے کسی طرح کم نہ ہوں۔

عصر کے وقت ہم استاذ محمد رشا و جلد لطلب کی معیت میں شیخ محترم مصطفیٰ اصبری آفندی (مابق شیخ الاسلام دولت عثمانیہ) سے ملنے کے لئے گئے لیکن علالت کی وجہ سے ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اس لئے ہم نے اندر خسر العالم اور چند دوسرے رسائل ان کی خدمت میں بھیجوانے پر اکتفا کیا۔

علامہ محمد ابراہیم الکوشری کی خدمت میں اور ہم یہیں سے ان کے رفیق و صدیق مشہور مصنف

تواضع کے ساتھ ملے اُسے دیکھ کر علماء ہند کی محبت و تواضع یاد آگئی بیٹھے اور باتیں شروع ہوئیں گفتگو کا

تعارف و تبصرہ

مترجم النص از مولانا محین اللہ صاحب ندوی راسخا ذندوة العلماء، ناشر دارالعلوم ندوۃ العلماء، بادشاہ باغ، کھنڈ، کتابت لطاعت اور کاغذ اعلیٰ دہلی، صفحات ۲۰، قیمت ۲۰

ندوۃ العلماء نے عربی کا جو نصاب تیار کر لیا ہے جس کی چند کتب از قصص النبیین تا مترجم انوشائع ہوجلی ہیں اور متعدد تعلیم گاہوں میں پڑھائی جا رہی ہیں طالب علم کے نفسیاتی تقاضوں کو بڑی حد تک پورا کرتی ہیں۔ ان کی مقصد میں کامیابی کو تجربہ کرنے والے جانیں لیکن ان کو ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حسبِ اوصاف کی بڑی حد تک حامل ہیں۔ کتاب کی زبان طالب علم کی اور می زبان ہے۔ زبان سلیس پہل اور سچہ کی استعداد کے مطابق ہے۔ مسائل بتوضیح کی سہل پیش کئے گئے ہیں۔ جو مسائل طالب کے ذہن و استعداد کیلئے بارہیں موخر کر دیئے گئے ہیں۔ جو شائیں دی گئی ہیں وہ روزمرہ کی محسوس اور طالب کے حلقہ علم کے اندر کی ہیں۔ پیش نظر کتاب بھی مذکورہ بالا اوصاف پر مشتمل ہے اور ندوۃ العلماء کے تیار کرائے ہوئے نصاب کی ایک قیمتی کڑی ہے۔ کتاب کے شروع میں مولانا ابوالحسن علی صاحب کا پیش لفظ بھی اس خیال کو تقویت دیتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ کتاب کا یہ پہلو بھی قابلِ تسامح نہیں ہے کہ کتابت کی غلطیاں کافی ہیں اور بھراؤ غلطیاں جن سے طالب علم غلط مسائل سیکھ جائے مثلاً حلا سطرہ دیکھیے، یفتح البابین، الفاضل کا اعراب نصب دیا ہوا ہے۔ قواعد تصحیح اعراب والفاظ پر کتاب لکھنے والوں کے لئے تصحیح کتابت میں یہ تساہل مناسب نہیں ہے۔ امید ہے آئندہ ایڈیشن میں اس پر ضرور توجہ کی جائے گی کہ اس تساہل سے قطع نظر مصنف کی محنت بہر حال قابلِ تائید ہے۔

سیرت پاک مرتبہ بشیر محمد صاحب شارق دہلوی، شائع کرن فور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی، کتابت و لطاعت اور کاغذ بہتر، صفحات ۱۹۲، مجلد قیمت ۲۰

اس کتاب کو ہم نے صرف بعض مقامات سے دیکھا ہے اور ہمارے رائے ہے کہ مختصر سیرتوں میں یہ بہت

اچھے درجہ کی ہیرت ہے۔ زبان میں ادبیت اور عام فہمی کا بڑا خوشگوار امتزاج ہے، بیان کا انداز علمی بھی ہے اور تذکرہ بھی۔ دلاوت مبارکہ سے وفات تک کے موٹے موٹے واقعات اور ان کے ماتحت ارشادات کے علاوہ چند صفحات میں کچھ ایسے عمومی اقوال مبارکہ بھی درج کر لئے گئے ہیں جو چند نئے نئے بادل جو دوسوں کی روزمرہ کی زندگی کے لئے شمعِ ہدایت کا کام دے سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں مسدس حالی اور چہل حدیث کو بھی جزو کتاب بنا دیا ہے جو یقیناً ایک کارآمد اضافہ ہے۔

تصحیح گذشتہ شمارہ میں عربی اردو دکتھری پر تبصرہ کرتے ہوئے تبصرہ نگار نے صفحہ ۱۳-۱۴ پر جو مثال پیش کی تھی اس میں تبصرہ نگار کو کارسپانڈنٹ اور کارسپانڈنس میں اشتباہ ہو گیا تھا اس لئے وہ مثال صحیح نہیں رہی اب غلام اس مثال میں یوں ترمیم فرمائیں مثلاً ”وکیلیم لا گیا تو“ کے ذیل میں خوش آمدید..... لے آیا جانا۔

(بقیہ سفر مصر ص ۵۴) محور زیادہ تر علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی کی سیرۃ النبی اور اس کا ترکی ترجمہ، مولانا محمد یوسف بنوری اور ہندوستان کے بعض مخطوطات رہے۔ شیخ نے ہمیں اپنی قیمتی تصانیف کا ایک مجموعہ نذر کیا۔ افسوس کہ مجھے فقہی مناقشات اور بحث و مباحثات سے کوئی دلچسپی اور اس کا کوئی ذوق نہیں ہے اور نہ ائمہ کی تنقیص شان یا ان کی مدافعت میں جو کچھ کہا یا لکھا گیا ہے اس پر میری زیادہ نظر ہے ورنہ بڑی پُر لطف اور نفع بخش مجلس ہوتی۔

الغرض ہم نے اجازت چاہی اور ہم شیخ کی تواضع و سادگی، ان کی وسعت نظر اور اس میں جس جس کو آدمی ملے گا کدکاش کے قابل نہیں رہتا۔ کھنڈ بڑھنے کے کاموں میں ان کی جہتی اور انہماک کی کدکاشیت متاثر نہیں۔

نشان اعتماد



فائنہ اقدام

شیرپائین سنگ کا نام تیار خ میں محفوظ ہو گیا
اس کا پس منظر قوت و توانائی ہے

قوت و توانائی کا سرچشمہ ”مار اللحم“ ہے
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(بقیہ نگاہ اولیں صفحہ ۱۰) جو سنگین نتائج نکلیں گے وہ پوری جماعت کو بھگتنا پڑیں گے! ————— الدعوہ کا اگر کہیں فائل موجود ہو تو یہ ادارہ آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

صالح عثمانوی کے یہ آخری الفاظ بتلا رہے ہیں کہ حکومت کے جذبات پہلے ہی دن سے اس معاملہ میں کس قدر نازک تھے کہ صرف ایک تنقیدی تقریر پر ایسے سنگین نتائج کی پیشین گوئی کی جاسکتی تھی جن کو ایک آزمودہ کار اغوانی بھی غاظر میں لاسکتا تھا۔ اور جب جذبات کی نزاکت کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص صرف تقریر کے ان حسیب نتائج کا بہانہ بننے کی پیشین گوئی کر سکتا تھا تو جو شخص بجائے تقریر کے اس سے سخت تر اقدام (قاتلانہ حملہ کو ان مجنونانہ حرکات کے لئے بہانہ بنانے کا خیال رکھتا ہے) یہ اس کا سونپن ہے یا حسن ظن؟ — اور کیا یہ پیشین گوئی اس خیال کو حقیقت نفس الامری ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ اغوان کی یہ ساری پھانسیاں اور تمام دردناک سزائیں صرف اس جرم میں ہیں کہ انھوں نے حکومت کو انگریزوں سے معاہدہ کرنے کے سلسلہ میں من مانی کرنے کی اجازت نہیں دی ورنہ یہ حملہ کا واقعہ تو صرف ایک بہانہ ہے جو حکومت کو بہت موقع سے ہاتھ آیا اور اس سے پھر اس نے دوسرا فائدہ اٹھایا ابک طرف اغوان المسلمین کا گلا گھونٹ دیا اور دوسری طرف جنرل نجیب کے ہاتھ سے صدارت کا قلم چھین لیا۔ کیونکہ یہی دو طاقتیں تھیں جو معاہدہ کی تعمیل کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

جنرل نجیب جنھیں جلی ہوئی رسی سمجھ کر کرنل ناصر نے بڑا چھوڑ دیا تھا ان کے متعلق جب بیکارک یہ انگشتات ہوا کہ اس جلی ہوئی رسی میں ابھی بل باقی ہیں اور (غالبا) اغوان کی جرات بیباک دیکھ کر اس شعلہ نم خوردہ میں بھی اتنی حرارت آگئی ہے کہ جب معاہدہ کا مسودہ صدر کی منظوری کے لئے ان کے سامنے پیش ہوگا تو یہ اسے رد کرنے کی جرات کر لیں گے تو جہاں ایک طرف اغوان کو داخل زندان کیا گیا وہاں دوسری طرف نجیب کو محل صدارت سے خارج کیا گیا۔ اور آناً فاناً صدارتی اختیارات کیبنٹ کی طرف منتقل کر کے معاہدہ کی آخری منظوری کا اعلان کر دیا گیا۔ اور پھر نجیب کے ساتھ چونکہ کوئی منظم طاقت نہ تھی اس لئے ان کو تو صرف صدارتی اختیارات سلب کر کے ہی چھوڑ دیا گیا لیکن اغوان چونکہ ایک منظم طاقت تھے اس لئے ان کی طرف سے اس آمریت اور دھاندلی کے سخت رد عمل کا بھی خطروہ ہو سکتا تھا لہذا ان کی منظم کو درہم برہم کرنا بھی ضروری سمجھا گیا۔

ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے کہ ایک طرف تو حکومت خویش انقلاب کی ایک ایسی زبردست

ٹٹہ اس کا انکشاف جنرل نجیب کی سرزدلی کے بعد ہو چکا ہے۔

سازش بڑی تھی جس میں صدر مملکت بھی شریک، فوج بھی شریک، بری بھی، بحری بھی اور ہوائی بھی۔
 موسم بھی شریک اور طلبا بھی۔۔۔ گویا جس کی جڑیں مصر کے بحر و بر اور آب و ہوا میں پھیلی ہوئی
 تھیں اور ہفتوں جس کے سلسلہ میں نئے نئے انکشافات ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مگر عین ان انکشافات
 اور ہنگامہ دار و گیر کے دوران میں سب سے پہلا کام معاہدہ کی توثیق کا کیا جاتا ہے جو اپنی اہمیت
 کی بنا پر غیر معمولی سکون اور حالت اطمینان کے غور و فکر کا متقاضی تھا۔ یہ جلد بازی آخر کیا معنی رکھتی ہے؟
 اگر کسی شخص نے حقائق سے آنکھیں بند رکھنے کی قسم نہ کھا رکھی ہو تو یقین کے درجہ میں اگر نہیں تو
 شبہ کے درجہ میں ضروریہ واقعہ اس نتیجہ پر پہنچانا ہے کہ یہ سارا ہنگامہ مصنوعی تھا اس کا پورا پورا
 حکومت نے خود بنایا تھا اور تصدیق یہ تھا کہ اسے غیب اور اخوان کے سرچسپا کر معاہدہ کی تکمیل کا راستہ
 ان دونوں رکاوٹوں سے صاف کر دیا جائے ورنہ اس ہنگامہ بغاوت میں یہ سکون و اطمینان اور
 جمعیتِ قلب و فکر کی باتیں آخر کیا معنی رکھتی ہیں؟ اور اس کی توجیہ بجز اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ ہنگامہ
 برپا ہوا نہیں تھا، برپا کیا گیا تھا اس لئے اس کے اثرات جو کچھ تھے بس سطح ہی سطح پر تھے، سطح کے نیچے
 مکمل سکون تھا مکمل اطمینان تھا!۔۔۔ جیسے کہ کوئی خوفناک سے خوفناک ڈرامہ ہوا اور دیکھنے والوں
 کے دل دہل جائیں مگر ڈرامہ کرنے والے اُسے اطمینان و سکون کے ساتھ اختتام تک لے جاتے ہیں
 اور ان کے دل و دماغ کی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں پیدا ہوتا۔۔۔ یا جیسے مدارِ اپنے پیٹ
 میں چھار مارنے کا تماشہ دکھاتا ہے بعض دیکھنے والے تاب نہ لاکر منہ تک پھیر لیتے ہیں مگر مدارِی کے
 دل پہ ذرا اس وقت ہاتھ رکھ کے دیکھئے! جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

بہر حال بات بہت طویل ہو گئی، کتنا صریح یہ تھا کہ مصر کے حالیہ واقعات کے پس منظر میں اگر
 جانیے تو اخوان پر عائد کردہ الزامات میں سے کوئی الزام اگر ثابت ہو بھی جائے تب بھی وہ بچا رہے
 اس میں معذور اور انھیں دی گئی سزاؤں میں سراسر مظلوم ٹھہرتے ہیں یہ مظلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصل
 جرم معاہدہ سوز کی مخالفت کے سوا اور کچھ نہیں اور عائد کردہ الزامات کے نام سے جو سزائیں
 انھیں دی گئی ہیں وہ سب دراصل ان کے اسی جرمِ اصلی کی بادشاہت ہے۔ اگر بات کچھ تھی تو بہت
 معمولی تھی لیکن اس کا بنیاد بن کر ان کی مخالفت کو کچلنے کا بہانہ بنایا گیا ہے۔ اور اگر پس منظر کے علاوہ
 بعد کے بعض واقعات پر بھی غور و فکر کی زحمت کیجئے تو یہ شبہ قوی نظر آنے لگتا ہے کہ الزامات شروع سے

۱۔ اور اس بعد کے واقعہ کے علاوہ صریح مملکت کی وہی تفصیلات بھی اگر دیکھی جائیں جو حکومت نے سپاہیوں کو یہ شبہ قوی تر ہو جاتا ہے۔ آخر
 تاج پڑاؤ آٹھ فیروں کا موقع ملتا اور ایک فیروں نے لگایا اور پھر حال نامہ کا اس اطمینان کے ساتھ کہ مارنا گھسے گوساں نہیں۔ ۱

آخر تک سب ایک ڈھونگ ہیں جو حکومت نے ایک دوسرے سمجھے منصوبہ کے ماتحت رچایا تھا۔ اس لئے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اخوان نے واقعی بغاوت کی سازش کی تھی، اور اگر کی تھی تو وہ حکومت مصر کی آمریت کے پیدا کردہ تشدد و گمراہی کی نفسیاتی رد عمل نہیں تھی، تو اس وقت تک ہر غیر جانبدار انسان کو حق ہے اور غیر جانبداری اور انصاف پسندی کی فطرت کا عین تقاضہ ہے کہ وہ اخوان کے اس قتل عام کو ظلم و رزیا دینی قرار دے کیونکہ مذکورہ مورسے اخوان کی بے قصوری کا یقین اگر نہیں تو ان کے قصور وار ہونے میں شبہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے اور قانون حدود کی رو سے لازم شبہ کا فائدہ پاکر بری ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس پر سزا کا نفاذ ظلم ہے۔ خواہ وہ فی الواقع مجرم ہی کیوں نہ ہو۔ اور جب اخوان کی یہ پوزیشن بھی سامنے آئے کہ وہ مشرق وسطیٰ میں اسلام کے سچے خادم اور جاننا زبا ہی بھی ہیں اور پھانسی پانے والوں میں اس حیثیت سے بعض بڑے ممتاز افراد بھی تھے تو دنیا کے ہر مسلمان کو حق ہے اور اس کی اسلامیت کا عین تقاضہ ہے کہ ان مظلوموں کے ساتھ اس کی ہمدردی عام مظلوموں کے مقابلہ میں کچھ سوا ہی ہو جائے!۔ اور (حدیث رسول کے مطابق) اس طرح تڑپ اٹھے جیسے جلد لقا درمودہ کو نہیں، محمدؐ غلیٰ کو نہیں، خود اسی کو پھانسی پر لٹکا، یا گیا ہے۔ ہاں جن لوگوں کے نزدیک اخوان خارجی ہیں ایسے لوگوں کو بیشک اخوان سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کریں گے بھی تو نعمت آمیز!۔ اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا تھا، ہم پر بھی اگر ان کی خارجیت مشکف ہو جاوے تو ہم خود انھیں حضرات کی پوزیشن اختیار کریں۔ اس لئے اس کی تحقیق یقیناً ضروری ہے کہ اخوان کا واقعی موقف کیا ہے؟ اور اس پر خارجیت کا اطلاق درست ہے یا نہیں؟۔ آئندہ سطور میں ہم اسی سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں گے اور یہی نقطہ غالباً ہماری بحث کا آخری نقطہ ہو گا۔

مصر کے حالیہ واقعات میں تو دیکھا کہ ہم نے تفصیل سے عرض کیا، اخوان کی خارجیت کا کوئی ثبوت ملتا نہیں کیونکہ ان واقعات کی بنا کوئی مذہبی مسئلہ نہیں بلکہ ایک خالص ملکی اور سیاسی مسئلہ ہے جس کا کوئی تعلق مذہب کے نہیں اس لئے اس میں مذہبی اختلاف کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہوتا، اور اخوان نے بھی اس سلسلہ میں اپنی حکومت سے جو اختلاف کیا اس میں مذہب کا کہیں نام نہیں لیا۔ اور ان کے مخالفین نے بھی نہیں اس کا الزام نہیں دیا۔ بلکہ ان کا اختلاف ملک کی آزادی اور اس کی سیاسی بہبودی کے نام پر ہے۔ لیکن اس حقیقت حال کو جانتے دیکھتے یا اب جان لینے کے بعد بھی اگر کوئی اخوان کو خارجی ٹھہراتا ہے

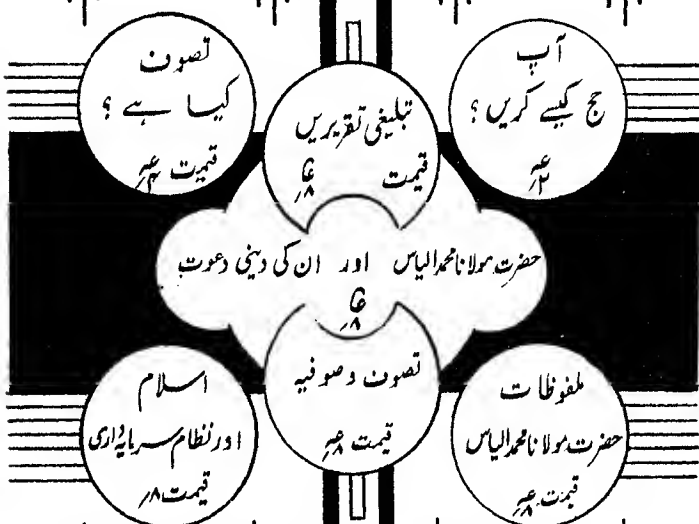
تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اخوان نے اپنی یکجہلیں سالہ محنت سے اپنی قوم کے ایک معتد بہ حصہ میں دین سے جو مخلصانہ تعلق پیدا کر لیا ہے، اس کی تکمیل کے لئے اوس اپنے اس خون پسینے سے پہنچے ہوئے باغ کو اس طبقہ کی دست برد سے بچانے کے لئے جس کو اپنی قوم میں دینی شعور کی بیداری اور دین کی سرسبزی سے اپنا مفاد و اپنی خواہشات کا تنقیل خطرہ میں نظر آتا ہے۔ اور اس کو قوم کا ہزد و ہونے کی وجہ سے اراکین کے سے مواقع بھی حاصل ہیں۔ اس بات کی وجہ و ہمد شروع کر دی ہے کہ دعوت کے ساتھ ساتھ حکومت کی طاقت بھی دین کو حاصل ہو۔ اخوان کی اسی جدوجہد کو خارجیت قرار دیا جا رہا ہے۔ ورنہ اس کے سوا ان میں واقعی خارجیت کا تو کوئی جزوہ نظر نہیں آتا۔ تو پھر اس صورت میں خارجیت گویا ہر اس فکر و عمل کا نام ہے جس سے کوئی مسلمان حکومت ناراض ہو سکتی ہو اور اس تعریف کی رو سے اخوان بیشک خارجیت میں کیونکہ ان کی موجودہ جدوجہد میں ایسے امور تقریباً ناگزیر ہیں جو چین اقتدار پر شکن لانے کا باعث بن سکیں۔ ان کی اس جدوجہد کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ جب ان کی حکومت کی ایسے کام کا ارتکاب کرنے جا رہی ہو جس کے اثرات قوم پر دینی نقطہ نظر سے مضرتیں تو وہ حکومت کو افہام و تفہیم کے ذریعہ اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور اگر وہ اس کے جواب میں استکبار اور بے اعتنائی کا رویہ دیکھیں تو قوم کے بیچ میں کھڑے ہو کر پوری حمایت دینی کے ساتھ احتساب و تنقید کا فرض انجام دیں تاکہ قوم میں احتساب و تنقید کی روح پیدا ہو سکے اور نفسیاتی طور پر اس میں پراساس پیدا ہو سکے کہ اگر حکومت کی طاقت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں رہی جو دینی تقاضوں کے ساتھ موافقت کے بجائے مزاحمت کے خواہر ہوں تو پوری قوم میں، اور اس کی زندگی کے تمام گوشوں میں۔ داعیانہ تجدید دین خواہ سرینک بھی مر جاویں۔ دین کی احیاء، تجدید نہیں ہو سکتی! کیونکہ اس روح اور اس احساس کے بغیر اس استکباری بے اعتنائی کی موجودگی میں ان کی یہ جدوجہد نامعمر کامیابی کے ساحل پر نہیں پہنچ سکتی۔

پس اگر اخوان کی خارجیت یہی ہے تو اخوان کے ہمد و دوس کو مطمئن رہنا چاہئے کہ اس خارجیت کا مسلک اہل سنت سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے بلکہ اس کا ٹکراؤ ان لوگوں کے مذاق خاص سے ہے جو ہر مسلمان حکومت کو لٹل لٹپٹ سمجھتے ہیں اور میں استغفہا استغفہا اللہ و من اکرمہا اکرمہ اللہ۔ کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور اگر اس کی کسی حرکت پر لب کشائی کے لئے مجبور رہی ہوتے ہیں تو ضروری مناقب شاماری اور اطہار زینا زینا کے بعد بھی اس طرح چپا چپا کر عرض کرتے ہیں کہ مزاج لٹل لٹلی برا ایک لفظ بھی گراں نہ گزے۔ خواہ وہ مسلک اہل سنت ہی ہوں اور اہل سنت میں مختلف مذاق کے لوگ ہمیشہ رہے ہیں۔ اب یہ اپنی اپنی پسند ہے کہ کوئی اس مذاق کو پسند کرے یا مزاج لٹل لٹلی کے علی الرغم اطہار حق اور نصرت حق کرے اور اگر اس راہ میں

پہنائی کا پسند نہ کرے تو بڑھ کر جرم ہے!

کتابخانہ الفروقان کی مطبوعات

| | | | |
|--|-------------------------------------|------------------------------------|---|
| معارج الحدیث قیمت مجلد للہجہ قیمت غیر مجلد ۳۱۱ | کلمہ طیبہ کی حقیقت قیمت ۶ آنے | نماز کی حقیقت قیمت ۱۲، ۲ آنے | اسلام کیا ہے؟ قیمت مجلد ۸ قیمت غیر مجلد ۶ |
|--|-------------------------------------|------------------------------------|---|



| | | | |
|--|--|--|--------------------------------|
| ہوارق الغیب حصہ دوم قیمت ایک روپیہ | معرکہ القلم فیصلہ کن مناظرہ قیمت ۶ | قادیانیت پر غور کرنے کا یہ عار است قیمت چھ آنے | پیام انسانیت قیمت دس آنے |
|--|--|--|--------------------------------|

کتابخانہ الفروقان گوئن روڈ لکھنؤ

سوانح قاسمی

بانی دارالعلوم شمس الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب
انوار قوسی نور الشرح قدہ کی سوانح حیات کی ٹرپ ہر فرزند
دارالعلوم کے دلیس مدوں سے موجزن تھی اور ہر ہی خواہ
دارالعلوم خواہ شہنشاہ بانی دارالعلوم کی سوانح بھی دارالعلوم کی طرح نورافسنے دیدہ دل ہو۔

اللہ کا ہزار ہزار شکر ہو کہ یہ حادثہ ۶۶ برس بعد حضرت مولانا گیلانی ظلہ کے حصہ میں آئی اور مولانا ظلہ نے نہائی
عزیز ی سے تین سال مسلسل محنت و فکر کے مبارک تحفہ جہان دارالعلوم کے ہاتھوں تک پہنچانے کے قابل بنایا۔
اندازہ فرمائیے کہ صاحب سوانح تو حضرت مولانا قوسی ہوں اور سوانح لکھا حضرت مولانا مناظر حسن گیلانی
جیسا اہل قلم اہل دماغ اور اہل دل بزرگ ہو تو کتاب کی افادیت و عظمت کس درجہ کی ہوگی،

بڑا سائز، عمدہ کاغذ، وطباعت، ۶۱۲ صفحات، قیمت بیسے



فخرالحق شین علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کبیری نور الشرح قدہ کے انتقال کے
پورے بیس سال بعد توفیق الہی کی مساعیت سے ان کی بالکل زندگی کے مختلف
گوشوں اور علمی فضائل کے مختلف پہلوؤں پر یہ تذکیری و تحقیقی کتاب شائع ہوئی ہو۔

یہ مبارک سوانح حیات کی ایک اہل قلم کی تصنیف نہیں بلکہ حضرت صاحب سوانح کے خاص خاص
تلامذہ میں سے چند بزرگوں نے چودہ مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی جو جس کا اندازہ عنوانات سے ہوگا۔

- (۱) افتخاریہ محمد انور شاہ قیصر (۲) حالات زندگی، سید محمد انور شاہ قیصر
- (۳) علامہ انور شاہ کی درسی خصوصیات، مولانا یحییٰ مناظر حسن گیلانی
- (۴) حضرت الاستاذ، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی (۵) حضرت علامہ انور شاہ کے افادات
- مولانا محمد منظور نعمانی (۶) اے تو مجھ کو ملے تو بی بیچہ ناست مولانا سعید احمد کبیر آبادی
- (۷) حضرت شاہ صاحب کی تصانیف، مولانا محمد یوسف صٹا بٹری (۸) نور الانوار، حضرت مولانا محمد طیب صاحب
- (۹) حضرت مولانا یحییٰ انور شاہ، مولانا اعجاز علی صاحب (۱۰) علامہ انور شاہ اور قادیانیت، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
- (۱۱) حضرت شاہ صاحب اور دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد میاں صاحب دیوبند
- (۱۲) حضرت شاہ صاحب کے ملاقاتیں، پروفیسر سید ابوالظفر ندوی (۱۳) حضرت الاستاذ محمد انور شاہ کبیری
- مولانا محمد صاحب انوری (۱۴) حضرت شاہ صاحب کا تبصرہ علمی، مولانا یحییٰ محمد ادریس صاحب

صفحات ۳۵۲، مجلد قیمت (اللہ)

انسانی دنیا پر

مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

از، یئر ابو الحسن علی (ندوی)

یہ کتاب ایک دیانت دارانہ تاریخی جائزہ ہے اور اس میں انسانیت کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے حقیقی اسباب کو واقعات اور تاریخی حقائق کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، وہ پڑھنے والوں کو ایک نیا نقطہ نظر اہل علم کو مرتب معلومات، مسلمانوں کو نیا اعتماد اور نئی جرات ایسا ہی، نوجوانوں کو جذبہ عمل اور انسانیت کے بھی خواہوں کو نئی راہ عمل اور نیا فکر بخشتی ہے اور انسانیت کے مسئلہ اور دنیا کے مستقبل پر نئے انداز سے غور کرنے پر آمادہ کرتی ہے اس کتاب کے چار سو تیس صفحات میں پورے ایک مکتب خانہ کا مواد و معلومات جمع ہو گئے ہیں اور بعض مباحث پر یہ کتاب انفرادی حیثیت رکھتی ہے، مجموعی حیثیت کے نئے اسلامی لٹریچر میں یہ کتاب بالکل نیا اضافہ ہے۔ اس کتاب کے دو عربی ایڈیشن مصر میں نکل چکے ہیں، بلا مغالغہ کہا جاتا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے علمی اور اسلامی حلقوں کو اس کتاب سے زیادہ دور حاضر کی کسی تصنیف نے متاثر نہیں کیا، عربی دنیا کے بعض چوٹی کے اہل قلم اور اہل فکر نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے اپنی عمر میں جو چہ بہترین کتابیں پڑھی ہیں ان میں یہ کتاب ممتاز مقام رکھتی ہے۔

کتابت و طباعت عمدہ، صفحات چار سو تیس، کاغذ گلیٹر ۲۰ پونڈ، سائز ۳۰x۲۰، جلد گرد پوش قیمت

(از، حضرت مولانا عبد الشکور صاحب مدظلہ)

علم الفقہ

اس کتاب میں ہر چیز کے متعلق جس قدر احکام ہیں وہ سب ایک جگہ جمع کر دیے گئے ہیں تاکہ ہر شخص کو مسئلہ کا حل میں آسانی ہو۔ نیز ہر مسئلہ میں وہی قول لکھا گیا ہے جس پر فتویٰ ہو۔ مختلف اقوال اور روایات کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ دیکھنے والے کے ذہن میں انتشار نہ پیدا ہو۔

بعض مسائل کو ضرورت کا لحاظ کر کے دلیل بھی دی گئی ہیں، زمانہ کے بدلنے سے جو احکام بدل گئے ہیں ان کا بھی تفصیل سے ذکر آگیا ہے جن میں مکتب سے مسائل نقل گئے ہیں ان کا حوالہ صفحہ وسط کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے، تاکہ اصل تلاش کرنے والوں کو راحت نہ ہو۔

فقہ میں اردو میں بے نظیر کتاب ہے، قیمت مکمل (لکھ)

حضرت تھانویؒ کی تصنیفات جلد ۱۱

آخری ہشتی زیور: جسکی صحت کی ضمانت "آخری" کے نام میں ہو، ہر لحاظ سے بہتر و مفید ہو قیمت مکمل ۱۵ روپے
حیات المسلمین:۔ اہم ہائی کتاب تعلیمات اسلامی روح جسکی تعلیم بتدی تجوں و درجوں کے لیے نہایت ضروری، اور
بڑوں کے لیے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہو۔ اہل ایڈیشن خوبصورت ڈسٹ کور۔ قیمت ۱۵ روپے
مکمل تعلیم الدین:۔ حضرت مولفؒ کی یہ تالیفات بھی سچوں و درجوں کی تعلیم کے لیے نہایت مفید ہو۔ کتاب
کا یہ ایڈیشن پچھلے تمام ایڈیشنوں سے اچھا ہو۔ قیمت مجلد خوبصورت ڈسٹ کور۔ ۱۵ روپے
اصلاح الرسوم:۔ حضرت تھانویؒ نے اس کتاب میں انسان کی ہر ہر بات کو اسلام کی کسٹنی پر پرکھا ہوا و تمام
بُری رسوم کو قرآن و حدیث کی روشنی میں پرکھ کر بیان فرمایا ہو جس کا مطالعہ ہر چھوٹے بڑے کے لیے مفید ہو۔
اس کتاب کے ساتھ "صفائے معاملات" جیسا اہم رسالہ شامل کر کے قباب کی افادیت اور اہمیت کو بڑھایا
گیا ہے، اور اب یہ دو مفید کتابوں کا مجموعہ ہے۔ قیمت مجلد خوبصورت ڈسٹ کور ۱۵ روپے

تالیفات شیخ الحدیث مولانا زکریا مدظلہ

حضرت مہرؒ کی تالیفات اُمت کو خوش ازبیش بنی اور ایمانی نفع ہوا ہو وہ اب محتاج بیان نہیں ان کتابوں کے
اثر کے ہزاروں بندوں کی زندگیاں بدل دی ہیں۔ ہم ذیل میں صرف کتابوں کا نام اور قیمت درج کر رہے ہیں۔
خصائل نبوی یعنی شرح شمائل تبریدی:۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روزمرہ کی عادات و خصائل
کا تفصیل کے ساتھ بیان ہو۔ اپنے موضوع پر ایک ہی کتاب ہو۔ قیمت پانچ روپے۔
فضائل حج سے فضائل صدقات حصہ اول سے دوم ہے، حکایات صحابہؓ، فضائل نماز ۱۲
فضائل تبلیغ ۱۲، فضائل ذکر ۱۲، فضائل ستر ۱۲، فضائل رمضان ۱۲
فضائل صدقات:۔ حضرت شیخ الحدیث کی نئی تصنیف ہو جس میں زکوٰۃ و صدقات کے متعلق قرآن
و حدیث کی تفسیلات و تائیدات کو استیعاب کے ساتھ جمع فرمایا ہے، سرا یہ و دلکیت کے متعلق ابواب
خاص طور پر متامل ذکر ہیں۔

میلے کا پتہ مکتب خانہ الفرقان "گوئن روڈ لکھنؤ"

Osmania University Library
HYDERABAD (DECCAN)

کلمہ کائنات

ایمان نامہ

ہماری دعوت

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

اسی گمراہ اسلام کی دنیا، جو اور ہزار ایمان ہو کر یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ جو
 دیکھیں یہ صرت ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، جو اس
 دین کے امت کا ہمہ گیر صفت اور عبادت اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی پیروی کرنی
 اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اور شریعت کی ہر چیز کی پیروی کر کے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی پیروی کرنی
 جو اس گمراہ ایمان لائے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسے اپنی
 زندگی کو دنیا میں رونق دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا
 عہد کرتے ہیں اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنے کا پتہ ہیں۔
 فَاِطِيعُوا السُّلْطٰنَ وَالْاَوْصِيَاءَ وَلِقُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
 شَوْقِيْكُمْ مِّنْهَا اِنَّ الْفٰقِقِيْنَ بِالْاُخْلَاصِ
 "اَوَاہُ الْفِرْقَانِ"

مکتبہ تحفہ عثمانیہ

محمد مرزا مظہر عثمانی عفا اللہ عنہ

مولانا محمد منظور نعمانی

اور

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی

تبلیغی تقریریں

ہندوستان اور پاکستان کے مختلف شہروں کے اہم تبلیغی اجتماعات میں کی گئی تھیں۔ اور جن کے مخاطب تبلیغی جماعت کے کارکن مسلم عوام اور غیر مسلم حضرات ہیں یہ ۱۳ اٹھائیس سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں۔

قیمت جلد دو روپے آٹھ آنے

ملفوظات

حضرت مولانا محمد الیاس

جسے

مولانا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولانا عبدالیاس فی ثعلبی اور مخصوص گفتگوؤں سے منتخب کر کے مرتب کیا ہے۔ علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہے، ایک ایک ملفوظات یقین اور معرفت کی بندیوں سے اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

بہترین کتابت و طباعت

قیمت غیر جلد ایک روپہ آٹھ آنے

تصوف کیا ہے؟

مولانا محمد منظور نعمانی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد اویس ندوی

کی مشترکہ تصنیف

بولنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے اپنے موضوع کی غیر معمولی کماؤں کے مقابل میں بہت ممتاز بھی گئی ہے۔

۱۵ صفحات، بہترین کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ

قیمت ایک روپہ چار آنے

قادیا نیت پر

غور کرنے کا سیدھا راستہ

مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی ایک گفتگو

جس میں مرتب یہ جتلا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف

ہونے چاہئیں اور مرزا غلام احمد قادیانی میں وہ

اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف

تھے یا نہیں؟۔ بس یہی ان کو جانچنے اور پرکھنے کا

سیدھا اور آسان راستہ ہے۔

قیمت چھ آنے

ملکی کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ (کھٹو)

| | | |
|--|------------------------|---|
| ہندستان و پاکستان سے سالانہ چندہ (بکندستان) صفر سالانہ چندہ (بکند پاکستان) ستر ششماہی ستر | الفرقان ماہنامہ | غیر مالک سے سالانہ چندہ اشکند اعزازی خریداروں سے سالانہ |
| | قیمت فی کاپی ۲ پٹہ آنے | |

جلد ۲۲ | بابنہ ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ مطابق فروری ۱۹۶۵ء | شمارہ ۶۷

| نمبر شمار | مضامین | مضامین نگار | صفحات |
|-----------|-----------------------------------|------------------------------|-------|
| ۱ | نگو والدین | عقیق الرحمن سنبھلی | ۲ |
| ۲ | قرآنی دعوت | محمد منظور نعمانی | ۹ |
| ۳ | پدرہم محمدی کی طرہ | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | ۱۶ |
| ۴ | ہندوستان کی ایک قدیم پنجالہ اسکیم | مولانا سید سناظرا حسن گیلانی | ۲۵ |
| ۵ | سفر مصر (دو آخری) | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | ۴۳ |
| ۶ | ایک نئی اسلامی نسل کی ضرورت! | استاذ سعید رمضان | ۵۰ |
| ۷ | انتخاب | ادارہ | ۵۴ |

اگر اس ○ دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے!

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا ہرچہ بصیغہ وی جی بی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع و حشر میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ تاریخ تک پہنچ جانی چاہئے۔

پاکستان کے خریدار!۔ اپنا چندہ سکرٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلیین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور
سنی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجیں
تایخ اشاعت ہر سال ہر انگریزی جینے کی ۵ اکر ورنہ کر دیا جاتا ہے، اگر وہ ترک، کبھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے رسالہ کے ساتھ مکروہ بھیج دیا جائے گا

(مولوی) محمد منظور نعمانی ہر مضمون و تبصرہ پر جس کلمہ میں چھپو اگر وہ فریقان گوئن روڈ کلمہ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اولیں

پچھلے مہینے مؤخر اسلامی فلسطین کے جنرل سکرٹری جناب شیخ سعید رمضان صاحب مشرق بعید کا دورہ کرتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے، ڈیڑھ دن کے واسطے لکھنؤ بھی تشریف آورے ہوئے، متعدد جلسوں میں خطاب فرمایا اور اپنی حیرت، اسلامی اخوت اور جذبہ دعوت کا ایک گہر نقش چھوڑ کر واپس ہو گئے۔۔۔ سلامت روی و باز آئی

سعید رمضان صاحب کا یہ دورہ نہایت نائن کے سلسلہ میں تھا، فلسطین کا قلعہ بڑا دردناک ہے۔ مغربی طاقتوں نے اپنی شاطرانہ سیاست سے عالم عربی کے سینے میں ایک یہودی ریاست کا کھونٹا گاڑا ہے، جہاں یہودیوں کے لئے دنیا میں کہیں جگہ نہیں تھی جنہیں قبول کرنے کے لئے کوئی ملک تیار نہیں تھا اور اللہ کی یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود جن کے لئے تنگ ہو گئی تھی انھیں عربوں کے سینے پر مونگ دینے کے لئے لایا گیا ہے، اور یہی نہیں کہ انھیں عربوں کی سر زمین پر زبردستی اُتارا گیا ہے بلکہ انھیں آباد کرنے کے لئے دس لاکھ عربوں کو خانہ برباد کیا گیا ہے اور آج ان کا یہ حال ہو کہ ”نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن“

کھلے آسمان کے نیچے ریت کے فرش پر میلوں تک خیموں کی ایک دنیا بسی ہوئی ہے جس میں یہ فنا بردوش اپنی زندگی کے دن ہو رہے کر رہے ہیں۔ شاید آسمان ان کے حال زار پر رُورہا ہوگا اور زمین کا جگر شق ہو رہا ہوگا۔

ایک ایک خیمہ میں چھ چھ خاندان تک پناہ گزین ہیں۔ ایک خیمہ اور چھ خاندان! پتہ نہیں یہ کیسے جی رہے ہیں؟ ہاں ایسے جی رہے ہیں کہ ساٹھ فی صدی دق میں مبتلا ہیں۔ اور جہاں

ساتھ فی صدی دہائی میں مبتلا ہوں وہاں باقی کا حال معلوم !

دنیا کی دھڑکا رہی ہوئی قوم کا کسی جمعی جانی آبادی کو برباد کر کے خود اس کی جگہ پر آباد ہو جانا کچھ ایسا آسان نہیں تھا ! لیکن تھا کہ فلسطین کی عرب آبادی ہی انھیں اس دست درازی کا مزہ چکھا دیتی، مگر جن طاقتوں کی سرپرستی نے یہودیوں کو یہ حوصلہ دیا تھا ان طاقتوں نے اس کا انتظام بھی سوچ لیا تھا۔ اس پاس کی عرب حکومتیں میدان میں کود بیٹیں اور اہل فلسطین نے ان پر اعتماد کر کے اپنے ہاتھ روک لئے۔ ان فوجوں کی باگ بھی دراصل ان ہی طاقتوں کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے چند روزہ دھکیل دے کہ باگ کھینچ لی اور پوری تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتی ہوئی فوجوں کی عام پسپائی شروع ہو گئی۔ عالم عربی کی مشہور خدا کا دینی جماعت الاخوان المسلمون کے ہزاروں رضاکار بھی سرزمین مقدس کی حفاظت کے لئے کھن برباد ہوئے تھے اور عرب فوجوں کی زیادہ تر فتوحات انھیں کی جاں نثاری اور فداکاری کی رہن منت تھیں۔ جن کا اعتراف خود فوجی افسروں نے کیا ہے۔ مگر کمزور اور ملک فروش وزارتوں نے آتایا بن مغرب کے اشارہ پر انھیں بھی جیتی ہوئی بازی ہارنے کے لئے مجبور کیا، رسدیں رکاوٹ ڈال دی اور مصر میں ان کی تنظیم کو ٹھیک ان وقت خراب قانون قرار دے کر ان کی بیڑی میں ایسا جھڑکھوپا کر جما دیا کہ جہاد جاری رکھنا ناممکن ہو گیا۔ ایسے ایسے خائن اور غدار علم حکمرانوں کے متعلق بھی لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے وہی حقوق مانے جائیں جو خیریت لے لے ظالمات اسلام کے لئے رکھے ہیں۔

بہر حال اپنی ہی حکومتوں کی غداروں نے مجاہدین اخوان کی کمر توڑ دی، پھر یہودیوں کا روکنے والا کون تھا؟ ان کی ٹھنی بھر جمیعت نے پوری عربی دنیا بلکہ پورے عالم اسلام کو رسوا کر کے رکھ دیا اور دس لاکھ فلسطینی عربوں کو غارت خانہ برباد کر کے ایک مستقل اسٹیٹ کے مالک بن کر بیٹھ گئے اور بیٹھ کہاں گئے؟ انھوں نے جب دیکھا کہ عربی حکومتوں کا حال یہ ہے تو اپنی سرحد سے آگے بڑھ کر بھی تاراج کرنا شروع کر دیا..... پھر اس پر بھی بس نہیں ہے بلکہ وہ بیت المقدس کا مقدس شہر بھی لے کر اپنی دیرینہ آرزو پوری کرنا چاہتے ہیں، بلکہ مدینہ تک پہنچنے کا خواب دیکھ

لے اسے آج کل بعض لوگوں نے ایک متصل مسئلہ بنا کر کھڑا کر دیا ہے، خدا نے چاہا تو ہم کسی قریبی اشاعت ہی میں اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے ۱۲

رہے ہیں یہ خواب تو ان شاء اللہ خواب ہی رہے گا لیکن بیت المقدس یقیناً خطرہ میں ہے۔ اسی خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے موثر اسلامی فلسطین کی بنیاد پڑی ہے۔

عرب کے بعض دردمندا و مخلص لیڈروں نے جب دیکھا کہ عرب حکومتیں معاملہ کو کھٹائی میں ڈال رہی ہیں، وہ خارجی طور پر ان استعماری طاقتوں سے ڈرتی ہیں جو یہود کی پشت پناہی کر رہی ہیں اور داخلی طور پر ایسی نفسی اور اخلاقی پرستی میں مبتلا ہیں کہ اہل فلسطین کے لئے اُن سے کسی بڑے ایثار کی توقع نہیں کی جاسکتی، نہ خانہاں بربادوں کی امداد و اعانت کما حقہ ہو رہی ہے اور نہ بچے بچے کے عرب ملاقات کی حفاظت کی کوئی اطمینان بخش انتظام ہو تو انھوں نے غیر حکومتی بنیاد پر ایک ادارہ قائم کیا اور اس میں تمام عالم اسلامی اتحاد کی دہی اسی ادارہ کا نام موثر اسلامی فلسطین اور مسجد رمضان صاحب اسی کے جنرل سیکرٹری ہیں۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین کے وہ لاکھ پناہ گزین جو اقوام متحدہ اور عرب حکومتوں کی ناکافی امداد کی وجہ سخت دردناک حالت میں پڑے ہوئے ہیں ان کے لئے تمام عالم اسلام سے امداد حاصل کر کے ان کی تکالیف کو رفع کیا جائے اور وہ ناقہ فلسطین کی تقسیم کے بعد عربوں کے مسلحہ میں رہ گیا ہے جس میں وہ بیت المقدس بھی ہے جو غازی صلاح الدین ایوبیؒ نے اپنی جان لڑا کر عیسائیوں کے پنجے سے واپس لیا تھا اور آج یہودی جس پر دانت لگائے ہوئے ہیں، اس کی حفاظت کے معقول انتظامات کئے جا رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں موثر اسلامی کا خیال ہے کہ تنہا یہودیوں کو روکنے کیلئے وہ عربی زبان کا فی ہیں جو عربی فلسطین کی سرحد پر آباد ہیں لیکن اپنے موجودہ حالات میں زیادہ دن رات اس فرض کو نبھانے میں مصیبت یہ ہے کہ اقوام متحدہ سخت معاشی بحران میں مبتلا ہیں، دوسرے ان کے پاس اسلحہ کی کمی ہے نیز یہ ان کے مکانات ایسے مضبوط نہیں ہیں جو گولیوں اور گولوں کا مقابلہ کر سکیں اور جو تعمیری مصیبت یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی آڑ میں ایسے ہی ادارے وہاں قائم کئے جا رہے ہیں جو نئی نسل میں ایمانی جذبات اور اسلامی مصیبت کا خاتمہ کر دیں، اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے معاشی بحران کو ختم کیا جائے تاکہ وہ تلاش رزق میں اپنی بستیاں چھوڑنے پر مجبور نہ ہوں، ان کے لئے جدید اور کافی تعداد میں اسلحہ ہتھیار کئے جائیں، ان کے لئے کچھ ایسے بڑے بڑے مضبوط مکانات تعمیر کئے جائیں جو ایک دفاعی لائن کی شکل اختیار کر لیں، نیز ان کے بچوں کے لئے اسلامی تعلیم کا یہ اقدام کی جائے تاکہ انھیں دین کش

تعلیم گاہوں میں جانا نہ پڑے۔

مؤقر اسلامی اپنے وسائل کی حد تک یہ سب کام کر رہی ہے۔ اس وقت مؤقر کے زیر انتظام ایک ہزار مزدور و دفاعی لائن کی تعمیر کا کام کر رہے ہیں۔ مؤقر کے جنرل سکریٹری سعید رمضان صاحب سال بھر سے اپنا ٹھکانہ چھوڑ کر ایک مستقل عملہ کے ساتھ وہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں اور اس کی نگرانی کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً اُن تمام ممالک کے دورے کر رہے ہیں جہاں مسلمان بستے ہیں۔ ان دوروں سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے بھائیوں کے مصائب سے آگاہ کریں تاکہ وہ اپنا فرض پہنچائیں اور مسلمانوں کے علاوہ عام انسانوں کی انسانیت سے خطاب کریں اور بتلائیں کہ فلسطین میں انسان نافرمانی انسانیت کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔

فلسطین کا مسئلہ حقیقت میں پوری دنیا کے اسلام کا مسئلہ ہے، اس لئے بھی کہ وہاں امت اسلامیہ کا ایک حصہ اغیار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا ہوا ہے اور ہمارے آقا و مولا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔۔

”سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اُن کے ذمہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی حفاظت

اور دفاع میں جو کچھ کر سکتے ہوں کریں۔“

اور اس لئے بھی کہ بیت المقدس کا مذہبی تقدس صرف عربوں ہی کے لئے نہیں، تمام اسلامیانِ عالم کے لئے ہے اور اس کی حفاظت کی فکر جس طرح عرب کے بسنے والے مسلمانوں کا فریضہ ہے، اسی طرح مسلمانانِ عجم کا بھی! ————— مسجد اقصیٰ مسلمانوں کی پہلی قبلہ گاہ، اگر یہودیوں کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے تو یہ تنہا عربی مسلمانوں ہی کی نہیں، مشرق و مغرب کے رہنے والے ہر مسلمان کی رسوائی ہے ————— بشرطیکہ احساس ہو!

سعید رمضان صاحب ہم میں یہی احساس جگانے آئے تھے۔ وہ اپنا فرض پورا کر گئے اور ہم پر ایک فرض عائد کر گئے، اب معاملہ ہمارے اور خدا کے درمیان کا ہے اور وہ دیکھنے والا ہے کہ ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں یا نہیں! ————— ہمارا فرض کیا ہے؟ یہ کوئی پوچھنے کی بات نہیں، ہر مٹی سی بات ہے

کہ ہمارا پہلا فرض اپنے مظلوم بھائیوں کی مالی امداد ہے جس حد تک بھی ہو سکے اور جس حد تک "کا کوئی معیار نہیں، یہ احساس ہر موقوف ہے، اگر احساس ہو تو یہ امداد "یؤثرون علی انفسہم ولو کان بھم خصاصۃ" (اور وہ ایثار کرتے ہیں اگرچہ خود نگنی ہیں) (قرآن) کی حد تک بھی ہونگنی ہے!

سعید رمضان صاحب نے ہم سے کوئی چندہ نہیں مانگا، کوئی مالی اپیل نہیں کی بلکہ صرف احساس اخوت کو بیدار کرنے کی کوشش کی، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر احساس نہ ہو تو ہر اپیل صدا بھرا، اور اگر احساس بیدار ہو جائے تو پھر کسی اپیل کی حاجت نہیں!

ایک زمانہ تھا اور ابھی اسکو زیادہ مدت نہیں گزری کہ دنیا کے ایک حصہ میں اگر مسلمانوں پر کوئی افتاد بڑھتی تھی تو تمام دنیا کے مسلمان اس سے متاثر ہوتے تھے اور حدیث

المومنون کرجل واحد ان اشتکى - پوری مسلمان اُمت اپنے درد کھ کے لحاظ عینہ اشتکى کلہ وان اشتکى راسہ - (ہے) ایک شخص کی طرح ہے جس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب اُس کی آنکھ میں یا اُس کے سر میں تکلیف اشتکى کلہ۔

(رواہ مسلم) ہوتا میں تکلیف آدمی بڑے کا پورا بے چین، ہوتا ہر

کی علی تصدیق ہو جاتی تھی لیکن رفتہ رفتہ حالت اتنی بدل گئی ہے کہ اب بڑے بڑے واقعات ہو جاتے ہیں، اُمت کے کسی حصے پر قیامت گزر جاتی ہے مگر دوسرے حصوں پر کوئی خاص اثر نہیں ہوتا، یہ ایک خطرناک علامت بلکہ اعدا اُمت کی جراثیم بڑھنے کا خاص سبب ہے — اور فلسطین کے جیسے المیہ نہیں دیکھ سکتے، اگر اس رابطہ اسلامی کی از سر نو تجدید عمل میں نہ آئے۔

سعید رمضان صاحب اس تجدید اخوت کا بھی پیغام لے کر آئے تھے، بلکہ حق یہ ہے کہ ان کی ہر ہر اداس پیغام کی ترجمان تھی جس نے بھی ان کو ذرا قریب سے دیکھا ایک پیکر اخوت جلوہ نمایاں۔ انھوں نے اپنی پوری قوت اور انتہائی دل سوزی کے ساتھ ہر موقع پر یہ پیغام دیا اور سنسنے والوں نے محسوس کیا کہ گو یا شخص اس دن کو دیکھنے کے لئے بیتاب ہے جب یہ پوری اُمت اندرونِ خیال سے مراکش تک محبت و اخوت کے ایک دھاگے میں بندھی ہوئی نظر آوے۔

یہ کب ممکن ہے؟ — یہ اس وقت ممکن ہے جب امت اسلام کی طرف لوٹ آوے، اور ”اَدْخُلُوا فِي الْيَسْمِ كَافَّةً“ کے قرآنی حکم کی تعمیل ہو جائے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں بسنے والے مسلمانوں کا یہ باہمی رشتہ جب استوار ہو سکتا ہے جب ان کا رشتہ اسلام سے پوری طرح استوار ہو جائے، کیونکہ اسلام ہی کا رشتہ ہمیں بھائی بھائی بنانا ہے — الغرض ہماری اسلامیت جتنی گہری ہوگی، باہمی اخوت اتنی ہی مضبوط ہوگی اور اسلامیت جتنی ناقص ہوگی، اخوت بھی اسی نسبت سے کمزور ہوگی اور اس کے آثار اسی قدر خفی ہوں گے — اور آج اس رشتہ میں جو کمزوری ہم پا رہے ہیں وہ بلاشبہ نتیجہ ہے ہماری اسلامیت کے نقص کا۔

سعید رمضان صاحب کی اس حقیقت پر بھی نظر ہے اور وہ اس زمانہ کے خالی سیاسی اسلامیتان کا نعرہ لگانے والوں کی طرح نہیں ہیں چنانچہ جس طرح وہ اخوت کے داعی نظر آتے ہیں، اسی طرح اسلامیت کے بھی مخلص اور بیہوش داعی ہیں، انھوں نے کھنڈ میں جتنی عمومی اور خصوصی تقریریں کیں ان سب میں اس دعوت کو ہر بات پر مقدم رکھا اور زبانِ قال ہی سے نہیں زبانِ حال سے بھی وہ ڈھڑھ دن کے مختصر قیام میں اس دعوت کو بار بار دہراتے رہے اور اپنے اس حال سے، اس دعوت سے مناسبت رکھنے والوں کے دلوں میں ایک نیا ولولہ اور ایک نئی امنگ پیدا کر گئے۔ ان کی دعوت کیا تھی؟ مختصر لفظوں میں پورے اسلام کی طرف بازگشت کی دعوت! اس اسلام کی طرف بازگشت کی دعوت جس نے پہلے مسلمانوں کو دنیا پر بھاری کر دیا تھا اور زاویہ قبول سے نکال کر عالمی سیادت کے منصب پر بٹھا دیا تھا — اس دعوت کی کچھ جھلک آپ کو ان کی اس تقریر میں نظر آئے گی جو اسی شمارہ کے آخری صفحات میں شائع کی جا رہی ہے!

پھر ایک حقیقت پسند داعی کی طرح سعید رمضان صاحب کی نظر اس حقیقت پر بھی تھی کہ اس وقت باہمی اخوت کے راستہ میں، دین سے بعد کی طرح وہ فروعی اختلافات بھی حائل ہیں جو قرنِ اول کے بعد سے مسلمانوں میں پیدا ہو گئے ہیں اور بد قسمتی سے ان کی اصیلت کو کھو لئے جانے کی وجہ سے ان کی موجودہ نوعیت بہت بھیانک ہو گئی ہے۔ پس اگر کل اسلام کی طرف عمومی بازگشت ہو بھی جاوے جب بھی یہ اختلافات اخوت کا راستہ روکے ہیں گئے اس لئے وہ جہاں اسلام کی طرف بازگشت کی دعوت دیتے تھے وہیں پورے زور کے ساتھ اور پوری دل سوزی کے ساتھ اس طرف بھی توجہ دلاتے

تھے کہ ان اختلافات کی اصلیت کو سمجھا جائے، یہ اختلافات فروعی ہیں اصولی نہیں۔ اس لئے ان اختلافات کو اس اتحاد میں مانع نہیں ہونا چاہئے جس کا تقاضا منہ بالکے جس کی تخم ریزی اصول دین کرتے ہیں۔

ہم نے ایک طرف سعید رمضان صاحب کی یہ اعتدال پسندی اور متوازن مزاجی دیکھی اور دوسری طرف ہمیں یہ معلوم تھا کہ وہ اخوان کے صف اول کے زعماء میں ہیں۔ وہی اخوان جن کے متعلق ہم سن رہے ہیں کہ غلو پسندی اور تشدد مزاجی میں اپنے وقت کے خوارج ہیں۔ اس لئے ذہن میں معاً یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا کسی خارجی کو بھی یہ طرز فکر نصیب ہو سکتا ہے؟ کہاں خارجیت اور کہاں اختلافات کو انگیر کرنے کی یہ پُردرد دعوت و نصیحت!

بات تو بس ختم ہو گئی تھی مگر جب سعید رمضان صاحب کی "اخوانیت" کا ذکر آگیا تو پھر یہ کہے بغیر بھی نہیں مانتا کہ اخوان المسلمین پر مصری فوجیوں کے ظلم و ستم کا جتنا رنج پہلے تھا وہ سعید رمضان صاحب کو قریب سے دیکھ کر کسی گنا بڑھ گیا، اب تک اخوان کے متعلق جو سن ظن تھا وہ بالواسطہ قائم ہوا تھا۔ مگر سعید رمضان صاحب کو دیکھنے کے بعد گویا "اخوانیت" کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس حسن ظن کی تصدیق ہو گئی کہ "اخوانیت" نام ہے۔

اسلام سے سچی وابستگی کا، اللہ سے گہرے تعلق کا، ایک بے چین جذبہ دعوت کا اور ہر جوش باہمی محبت کا، مومنین کے لئے تواضع و انکسار کا اور اعتدال دین کے حق میں ترمیم و سرکشی کا!

سعید رمضان صاحب میں یہ چیزیں جس درجہ میں تھیں اگر باقی اخوان میں اس سے آدھے درجہ کی بھی مانی جائیں تب بھی یہ کہنا بڑا مہلک ہے کہ بس اللہ ہی سمجھے ان لوگوں کو جن کے ہاتھوں عالم اسلام کی ایسی قیمتی امانت کا خون ہوا ہے۔ مگر ان لزرہ نیز مظالم کے باوجود اخوان کے اس ناسندے کی ہر امید ہی ہے ہر اسی اور طمانیت قلب کا جو عالم دیکھا وہ یقین دلا رہا تھا کہ ع۔ ہر گز نفیر دال کہ دش زندہ شد بعشق

قرآنی دعوت

—(۱۶)—

تقوے!

اللہ، یومِ آخرت اور مسئلہ نبوت پر ایمان کے بعد جن چیزوں کی دعوت قرآن مجید نے زیادہ اہمیت کے ساتھ دی ہو اور جن کو گویا انسان کی فلاح و سعادت کا مدار بتلایا ہو ان میں سے ایک ”تقویٰ“ بھی ہو۔
تقوے کی اصل حقیقت یہ ہو کہ بندہ اللہ اور یومِ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے، پھر اللہ کی ناراضی اور اس کی پکڑ اور آخرت کے عذاب اور سواخذے سے ڈرتے ہوئے فکر اور احتیاط کے ساتھ زندگی گزارے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابی بن کعبؓ جو علم قرآن میں خصوصی نیاز اور مہارت رکھتے تھے (اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کا اس خاص علمی حیثیت کی توثیق فرمائی تھی) ایک دن ان سے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ”تقویٰ“ کی حقیقت کیا ہو؟ — حضرت ابیؓ نے فرمایا کہ کبھی کانٹوں بھرے کسی راستہ پر چلنے کا اتفاق تو آپ کو ضرور ہوا ہوگا؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کیوں نہیں، بار بار ایسے راستوں پر چلنے کا اتفاق ہوا ہو، حضرت ابیؓ نے فرمایا کہ اُس وقت آپ نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں نے اپنے جسم اور کپڑوں کو سنبھالا اور خوب کوشش کی کہ اپنے جسم اور کپڑوں کو کانٹوں سے بچا کر صحیح سالم نکل جاؤں، حضرت ابیؓ نے فرمایا ”فذلک التقویٰ“ (بس یہی تقوے کا حقیقت ہو)۔

واقعہ یہ ہو کہ تقوے کی کوئی تشریح اس سے بہتر اور طبعِ زہین کی جاسکتی۔
قرآن مجید کی جن آیتوں میں تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین اور تاکید فرمائی گئی ہو ان سب کا تو

شمار بھی شکل ہو، صرف چند آیتیں اس سلسلہ کی یہاں پڑھ لیجئے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ
وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ
(آل عمران - ع ۱۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس
ڈرنے کا حق ہو اور راخری دم تک اس
تقویٰ پر قائم رہتے ہوئے دل و جان سے
اپنے اس مالک کی فرمانبرداری کرتے رہو،

یہاں تک کہ تم کو اسی فرمانبرداری کی حالت میں موت آئے۔

مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ جو سب کا پیدا کرنے والا، اور پرورش کرنے والا ہو، اور جس کے ہاتھ میں زندگی اور مرگ کا نظام ہو اور بے انتہا بخشش و رحمت کے ساتھ جس کے تہ و جلال کی بھی کوئی حد نہیں ہو ایسے مالک سے بندہ کو جیسا ڈرنا چاہیے ایمان والے اس سے ویسا ہی ڈریں۔ اور زندگی کی آخری سانس تک اس کی فرمانبرداری کرتے رہیں۔

اور سورہ تغابن میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں ادا فرمایا گیا ہو۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَطِيعُوا
أَمْرًا
(تغابن ع ۲)

اللہ سے ڈرو، اور تقویٰ اختیار کرو جس قدر
بھی تم سے ہو سکے اور دل و جان سے اس کے
سارے حکم سنو اور مانو۔

اور سورہ حشر میں فرمایا گیا ہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
وَلَا تَطْرُقُ نَفْسٌ مِّنْكُمْ لَعْنًا
وَأَتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا
تَعْمَلُونَ
(حشر ع ۲)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر نفس کو
ضرور دیکھنا (اور سوچنا) چاہیے کہ اُس نے
کل کے لیے (یعنی آخرت کے لیے) کیا سارا
کیا ہو، اور (تم کو کمر تائید کی جاتی ہو کہ)
اللہ سے ڈرتے رہو، یہ بالکل قطعی اور یقینی

بات ہو کہ اللہ تمہارے سب گئے پچھلے اعمال سے پوری طرح باخبر ہو (تمہارا کوئی عمل بھی
اس سے مخفی نہیں ہے۔

اور سورہ مائدہ میں ارشاد ہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا
فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے
قرب کا ذریعہ تلاش کرو اور اس کی راہ
میں جدوجہد کرتے رہو، تاکہ تم کو فلاح
(المائدہ ع ۶)

نصیب ہو۔

ان چاروں آیتوں میں تقوے کی تاکید ہی پر اکتفا نہیں کی گئی ہو بلکہ اس کے ساتھ اس کے لوازم
اور مقتضیات اختیار کرنے پر بھی پورا زور دیا گیا ہو، چنانچہ پہلی آیت میں اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ کے
ذریعہ تقوے کے حکم کے بعد فرمایا گیا ہو کہ ”زندگی کی آخری سانس تک اپنے پروردگار کی پوری پوری فرمانبرداری
کرتے رہو۔ اور دوسری آیت میں اسی مضمون کو ”وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا“ کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے۔
اور تیسری آیت میں ”وَلَنَنْظُرَنَّ مَا فَدَّ مَنَّا لِعَدِّ“ کے الفاظ سے ہر شخص کو اپنے اعمال
کا محاسبہ کرتے رہنے اور سفر آخرت کے لیے اعمال صالحہ کا توشہ تیار کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہو۔ اور
چوتھی آیت میں ”وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ“ کا مطلب بھی یہی ہو کہ جن اعمال
صالحہ اور جن طاعات و مجاہدات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو سکتی ہو ان کو
اختیار کیا جائے اور اس راہ میں پوری پوری جدوجہد کی جائے۔ اور آخر میں ”لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ“
فرما کر اہل تقویٰ کو فلاح و کامیابی کی بشارت بھی سنائی گئی ہو، جو دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح
کو شامل ہے۔

پھر قرآن مجید کی سیکڑوں آیتوں میں اس فلاح و کامیابی کی تفصیل کی گئی ہو جو تقوے کی روش
اختیار کرنے کی بدولت اللہ کے متقی بندوں کو دنیا اور آخرت میں حاصل ہونے والی ہو۔ چند آیتیں اس
سلسلہ کی بھی یہاں پڑھ لیجئے! پہلے صرف دو تین وہ آیتیں پڑھیے جن میں اہل تقویٰ کو جنت کی خوشخبری
سنائی گئی ہو، سورہ آل عمران میں ارشاد ہو۔

لَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
مِنْ خَيْرٍ إِنَّا أَصْلَحُهُمْ
فِي هَذِهِ الدُّنْيَا
وَأُجْرَتُهُمْ
أَمْثَلُ
الْأَمْثَالِ
جو لوگ تقوے کی روش اختیار کریں ان کے
لیے ان کے رکبے پاس بہشتی باغات ہیں جن کے
نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ان بہشتی

مِنْ اللَّهِ ط وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ۔ میں رہیں گے اور پاک وصاف بیبیاں
 وہاں ان کی رفیق ہوں گی۔ اور اللہ کی (اہل عمران ۲۷)
 رضا سے وہ سرفراز ہوں گے، اللہ اپنے سب بندوں کے (ظاہری و باطنی احوال) پر نگری
 نظر رکھتا ہو۔ (اس لیے کسی کا متقی یا غیر متقی ہونا اس سے مخفی نہیں ہو سکتا)
 اس آیت میں اہل تقویٰ کو جنت اور اس کی نعمتوں کے علاوہ اللہ کی رضا کا بھی مژدہ سنایا گیا ہے
 جو یقیناً دنیا اور آخرت کی ساری نعمتوں سے بلند تر ہو، خود قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے۔ ”وَبِرَحْمَتِ
 رَبِّكَ أَكْبَرُ۔“

اور سورہ نحل میں ارشاد فرمایا گیا ہے
 وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ هَٰ جَنَّتُ
 عَذَابٍ يَدُّ خُلُودَهَا خَجَرٌ مِّنْ
 تَحِيَّتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا
 يَشَاءُونَ هَٰ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ
 الْمُتَّقِينَ ہ
 اور متقیوں کا ٹھکانا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہے
 غیر فانی اور سد بہار بہشت کے باغات
 جن میں وہ داخل ہوں گے، اُن کے نیچے
 نہریں بہ رہی ہیں۔ وہاں ان کے لیے وہ
 سب کچھ مہیا ہوگا جو وہ چاہیں گے، اسی
 طرح اللہ متقیوں کو (ان کے تقویٰ کا)
 بدلہ دے گا۔ (نحل ۳۷)

اور سورہ قمر میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔
 إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّتٍ وَنَهْرٍ
 فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ
 مُّقْتَدِرٍ ہ
 جن بندوں نے دنیا میں تقویٰ کا رویہ
 اختیار کیا وہ (آخرت میں) باغات اور
 نہروں میں رہیں گے، ایک عمدہ مقام
 میں، کامل اقتدار رکھنے والے کائنات کے
 (قمر ۲۷)

حقیقی بادشاہ کے قریب میں۔

اللہ اللہ کیا نصیب اُن بندوں کے جن کو جنت میں ہر قسم کی دوسری نعمتوں کے ساتھ اپنے مالک کا
 قریب خصوصی بھی حاصل ہوگا۔

ان آیتوں میں تو اہل تقویٰ کو صرف اُن انعامات کی خوشخبری سنائی گئی ہے جن سے وہ مرنے کے

بعد عالم آخرت میں نوازے جائیں گے، اب چند آیتیں وہ بھی پڑھ لیجئے جن میں ان متقی بندوں کو آخرت کی جنت و مغفرت کے علاوہ اور اس سے پہلے اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل خاص کی بشارت سنائی گئی ہو۔ سورہ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ
سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ
اے ایمان والو! اگر تم تقوے کا رویہ اختیار
کر گے تو اللہ تم کو اپنے خاص فضل سے
ایک امتیازی قوت اور امتیازی شان
بخنے کا اور تم سے تمہاری برائیاں دور
کر دے گا اور تم کو بخش دے گا، اور اللہ

(انفال - ۴۷)

بڑا فضل کرنے والا ہو۔

اس آیت میں جو ”فُرْقَانًا“ کا لفظ ہو (جس کا مطلب ہم نے یہاں ”امتیازی قوت اور امتیازی شان“ کے الفاظ سے ادا کرنا چاہا ہے)، دراصل اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہو، تقوے کا رویہ اختیار کرنے والے بندوں کے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و باطل کی معرفت کی جو ایک خاص صلاحیت عطا ہوتی ہو، اور ان کی زندگی میں جو ایک نمایاں امتیاز ہوتا ہو جس کی وجہ سے ان کی ہیبت و عظمت قلوب میں پیدا ہوتی ہو، اور پھر اللہ تعالیٰ کی خاص مدد و جوان کے ساتھ ہوتی ہو، جس کی وجہ سے وہ اپنے بلند مقاصد میں معجزانہ قسم کی کامیابی حاصل کرتے ہیں، فرقان کے مفہوم میں دراصل یہ سب کچھ داخل ہو۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کو یہ سب کچھ اس دنیا میں عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے، اور اسی کے ساتھ گناہوں کی معافی اور بخشش کا بھی جس کا تعلق عالم آخرت سے ہو۔

اور سورہ اعراف میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا
وَاتَّقَوْا لَفَعَحْنًا عَلَيْهِمُ بَرَكَاتٍ
مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان
لائے اور تقوے کا رویہ اختیار کرتے تو ہم
زمین اور آسمان سے ان پر برکتوں کے

(اعراف - ۱۲)

دروازے کھول دیتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اس سنت اور اس قانون کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی ملک اور کسی

علاقہ کے لوگ ایمان اور تقویٰ والی زندگی اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر برکتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، پھر جن نعمتوں کا تعلق آسمان سے ہو وہ ان پر آسمان سے بہتی ہیں، اور جن کا تعلق زمین سے ہو وہ زمین سے ان کے لیے اُبلتی ہیں۔

اور سورہ طلاق میں 'اہل تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسی خاص فضل و کرم کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہو۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا
وَيُزِدْ رِزْقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط
اور جو لوگ تقویٰ کا رویہ اختیار کریں،
ان کے واسطے اللہ تعالیٰ مشکلات اور
سختیوں سے نجات کی راہ پیدا کر دیتا
ہو اور ان کو ان طریقوں سے رزق دیتا
(الطلاق: ع ۱)

ہے جن کا ان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

اور سورہ یونس میں اہل تقویٰ کو "اللہ کے دوست" قرار دے کر ان کو دُنیا اور آخرت میں سزاؤں کی بشارت سنائی گئی۔ ارشاد ہو۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَأَخْوَفُ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ هَ الَّذِيْنَ
آمَنُوا وَكَانُوا يَقُولُونَ هَ لَمْ يَلْبِسْ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ ط
یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں انھیں
کوئی خوف و غم نہ ہو گا۔ وہ لوگ وہ ہیں جو
ایمان لائے اور تقویٰ کا رویہ انھوں نے
اختیار کیا، ان کے لیے خاص خوشخبری
ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور
آخرت میں بھی۔
(یونس: ع ۴)

اس آیت میں اہل تقویٰ کو "اولیاء اللہ" (اللہ کے دوست) کہا گیا ہو جو یقیناً ان کا بہت ہی بڑا اکرام و اعزاز ہو۔ لیکن اس سے بھی بڑا اعزاز ان کا یہ ہو کہ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات پاک کو ان کا دوست بتلایا ہو۔ سورہ جاثیہ میں ارشاد ہو۔

وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ه
اور اللہ دوست ہے تقویٰ والوں کا۔
(جاثیہ: ع ۲۷)

اسی طرح سورہ نحل کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک ذات کو متقیوں کا رفیق اور ساتھی بتلایا ہے۔ ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا
الَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ
اللہ اپنے ان بندوں کے ساتھ اور
ان کا رفیق ہے جو متقی اور نیکوکار
ہیں۔ (نحل ۱۶)

بلاشبہ کسی بندہ کے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا کہ اس کا مالک و مولا اس کے بارہ میں فرمائے کہ ہم اس کے دوست، اس کے رفیق اور اس کے ساتھ ہیں۔
کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی بجائے ہو

معذرت!

بعض حضرات اس مادہ اپنی بعض کتابوں پر تبصرہ کے منتظر ہوں گے، مگر گنجائش نہ رہنے کی وجہ سے ہم اس شمارہ میں تبصروں کا حصہ نہ دے سکے، منتظرین معاف فرمائیں۔ (مرتب)

اطلاع

دیجے الاول مطابق نومبر ۱۹۵۷ء الفرقان جن حضرات کو نہیں پہونچا تھا اور ان کی اطلاع پر ہم نے وعدہ کیا تھا کہ لاہور کسٹم آفس سے رے کے ہوئے پرچے واپس ملنے پر اعلان کر دیا جائے گا۔ چنانچہ حسب وعدہ ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ پرچے واپس مل گئے ہیں لیکن بہت محدود تعداد میں ہیں۔ جو حضرات یاد دہانی میں جلدی کریں گے صرف انہیں کو مل سکیں گے۔ اور بیزنگ بھیجے جائیں گے۔

ناظم الفرقان

پرچم محمدی کی طرف!

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) ————— ترجمہ عتیق الرحمن سنبلیلی

گزشتہ عرصہ کے پہلے ہفتہ میں مولانا ابوالحسن علی کو بیوی کے جذباتی علم اور صاحبہ جہانت دوستوں نے چلے پر دعو کیا اور تفاوت و ملاقات کے لیے ایک مختصر سی ثقافتی مجلس منعقد کی، عام ممالک اسلامیہ اور بالخصوص عرب ممالک کی تہذیب و معاشرت کا جو حال ہوا اور مغربی تہذیب کا جو حال کیا سلاطین تمام دنیا کے اسلام میں طغیانی پر جو غیر محسوس بھی ہو سکی پوری نمائندگی اور غمازی کرتی تھی، احساس اور درد مند ممالک کے دل پر جیکے اعزاز میں یہ مجلس کی گئی تھی سخت چوٹ لگی اور دس جہزبات کا دھڑکا دیا، وقت کی تنگی کی وجہ سے وہاں اخبار خیال کی نوبت نہ آئی اور مجلس منتشر ہو گئی کچھ کہہ کر اپنا دل دکا نہ کر سکے کی وجہ سے دل پر بار بار، رات ہی لکھنؤ واپسی تھی صبح ہی چینی گاڑی پر مولانا نے قلم ہاتھ میں لے لیا اور اپنے تاثرات کا اظہار صفحہ قرطاس پر کرنا شروع کیا، انہوں نے اپنے مخصوص میزبانوں کو مخاطب فرمایا اور ان کے توسط سے تمام شرکاء مجلس بلکہ پوری عرب قوم کو مینام دیا اور اپنے درد دل کا اظہار کیا، خطبے مضمون کی شکل اختیار کر لی اور وہ ایک اچھا خاصہ عوتی رسالہ بن گیا، جن لوگوں کے نام یہ خط لکھا گیا تھا، انہوں نے اس سے تاثر ہو کر اسکو معجزہ چھاپوایا، خود مولانا نے اسکو ایک مستقل رسالہ کی شکل میں الی الوایۃ الحمد للہ ایھا العریب! کے نام سے طبع کروایا جو یہاں اس کو اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ————— مدلیہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس دن سے مبعوث ہوئے آپ ہر نسل کے نبی اور ہر زمانہ کے امام ہیں، آپ اپنے ساتھ جو دین لائے وہ ہر طرف ان میں سبقت لے کر چلا گیا، جو کہ غرقانی سے صرف وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ رحم کرے اور وہ اس کشتی کی پناہ میں آجائے۔ اس نبی کریم کی پیروی کرنے، اس کے دین کو ماحرمت سمجھنے، اس کے عادات و اطوار کو مضبوطی سے لے لیا، اس کی رسالت و امامت کا بار اپنے سر پر اٹھانے سے اہم و اقوام اور افراد و اشخاص کو عزت و سرفرازی اور بقاء و دوام اور فتح و ظفر کی ضمانت ملتی ہے، اور اس کے برعکس جو اس کے در سے بے نیازی دکھلائے اور اس کے راستہ کے علاوہ کسی اور

راستہ کو عزت و رفعت کا راستہ سمجھے، یا آپ کی اس بہرہ گیر اور عالم گیر قیادت سے سرکشی کرے جس کو تسلیم کرنا اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہر نسل اور تاریخ کے ہر دور پر فرض کیا ہو۔ آپ کے عظیم سلسلہ سے اپنا تعلق منقطع کر لے اور آپ کی رسالت کا بار اٹھانے اور آپ کی امانت کا حق ادا کرنے سے اعراض کر کے اپنی ذات، اپنی خواہشات اور اپنے ذاتی مفادات کی فکر میں لگ جائے، وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہو، اُسے ناقابلِ ذکر بنا دیا جاتا ہو اور (زندہ رہتا ہو تو) دلیلِ ذمہ دار ہو کہ زندہ رہتا ہو۔ اُس پتے کی طرح جو کسی ہرے بھرے درخت سے ٹوٹ کر گر جائے، دیہ نہیں لگتی کہ وہ سوکھ جاتا ہو، پھر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہو، اور ہوا میں اسے ادھر سے ادھر اڑائے پھرتی ہیں، خدا کا قانونِ عام جو جس سے نہ عرب مستثنیٰ ہیں، نہ ترک نہ ہاشمی نہ قسیمی؛ یہ اللہ کا اہل فیصلہ ہو اور اس کے فیصلے کا بدلنے والا کوئی نہیں!۔ تاریخ اس کی تصدیق کرتی ہے، قوموں کے تجربات اس کی تائید کرتے ہیں، فارسی کے ایک شاعر عادت نے صحیح کہا ہو۔

محمد عربی کا بروئے ہر دوسراست کے کہ خاک درخش نیت خاک بر سراد
ایک ہندی شاعر نے اسی بنا پر کہا ہو، اور سچ کہا ہو۔

عجب کیا اگر مہ دیروں مرے نچیر ہو جائیں کہ بر فراز اک صاحب دولۃ بستم سر خود را
وہ دانائے مہل ختم الرسل ہو لائے گل جس نے غبارِ راہ کو بخشنا فردِ بخ دادی سینا
مسیحِ عزیز دوستو! شجرہ نبوی سے یہ قطع تعلق اور قائدِ محمدی سے یہ علیحدگی ایسا خارہ جو جس کا بدل کوئی چیز نہیں بن سکتی، نہ کوئی بڑی سے بڑی دولت نہ کوئی وسیع سے وسیع سلطنت اور نہ ظاہری ٹیپ ٹاپ! اس نقصان کی تلافی نہ ذہانت سے ہو سکتی ہو، نہ قابلیت سے، نہ سیاست سے، نہ مختلف زبانوں کی مہارت، اور نہ لباس کی عمدگی اور برتری سے۔ اس لیے کہ یہ نقصان حقیقت میں کاروانِ حیات سے بکھر جانے اور دنیا سے محروم ہو جانے کے مترادف ہو اور ظاہر ہو کہ روح و معنویات کی تلافی ظاہر و پوشاک زبان و ثقافت اور دوسروں کی تعبیرِ نقالی کسی طرح بھی ممکن نہیں، حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا کہ ان کی عزت و رفعت کا منبع، ان کی صیغہ و زخاں کا مطلع، ان کے دورِ جدید کا سرچشمہ اور ان کی قوت و فتحیابی کا راز اسلام اور صرف اسلام ہے، اور اس کا وہ بر ملا اظہار کرتے تھے جیسا کہ ابن کثیر کی مندرجہ ذیل روایت سے ظاہر ہوتا ہو۔ ابن کثیر کہتے ہیں:

جب حضرت عمرؓ شام تشریف لائے تو راستہ میں آپ کو ایک حبشہ پڑا، آپ اونٹ سے اتر پڑے اور اپنی جرابیں اتار کر ہاتھ میں لے لیں اور پانی میں گھس گئے، آپ کا اونٹ آپ کے ساتھ ساتھ تھا، یہ دیکھ کر حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا آج آپ نے اہل شام کی نظر میں بہت میسب کام کیا، آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کاش لے ابو عبیدہ یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی، (تم بھول گئے) کہ تم لوگ دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل، سب سے زیادہ حقیر اور سب سے کم تھے، پس اللہ نے تم کو اسلام کے ذریعہ عزت دی، اب اگر تم اسلام کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے عزت حاصل کرنا چاہو گے تو (بتائے دیتا ہوں کہ) اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے گا

(البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۶۰)

چنانچہ ایسا ہی پیش آیا اور حبیب عربوں نے اس دین کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے عزت و سر بلندی حاصل کرنا چاہی حبیب ہی ذلت دہتی کا تھ دیکھا۔

ایک زمانہ تھا کہ ان کا نام دلوں کو فخر دیتا تھا اور رعب و دہشت کے مارے دشمنوں کا پتہ پانی ہو جاتا تھا، حالانکہ وہ اپنے جزیرہ سے نکلے تو خشہ سالی اور بے سرد سالی کا مرقع تھے، جسم پڑکھے تو موٹے بھوٹے اور پیوند کے پیرے اور پیروں میں دیکھے تو پیچھے پرانے جوتے!۔ اس حالت میں عربوں کا وہ رعب و دہبہ اس بنا پر تھا کہ وہ ایمان و یقین اور اخلاق کی اس دولت کے مالک تھے جس سے دوسری قومیں بری طرح عاری تھیں، اور انسان کی فطرت ہو کہ وہ اپنے سے بزرگے سامنے بھکتا ہو اور دولتِ مایاب کے لیے دیدہ و دل فرس راہ کرتا ہے، اور پھر یہ بھی وجہ ہو کہ مادہ و روح کے خالق نے مادہ پر فرض کیا ہو کہ وہ روح کے سامنے بھکے، اور تاریخ اسلامی ہی نہیں پوری تاریخ انسانی اس بات کی مسلسل شہادت دے رہی ہو کہ جب کبھی کشمکش ہوئی تو روح نے مادہ پر فتح پائی ہو، اور معنویات نے ہمیشہ مادیات کو نیچا دکھایا ہو، عربوں کا اپنے حریف روم و ایران پر جو مادی سازو سامان اور تہذیب و تمدن میں ان سے ہزار درجہ فائق تھے۔ غالب آنا حقیقت میں مادہ پر روح کے غلبہ ہی کی ایک مین شہادت ہو۔

پس مسلمانوں کو عجمیوں اور عربوں کو (خصوصاً) کسی طرح زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ اس معنہ بنی تہذیب کو اپنائیں جس کے منتقل جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کی بنیاد و رزاد دل ہی سے ظلم و غلامی

پر رکھی گئی ہو اور اس کا خیر مغز پرست کی ترجیح، محسوسات پر قناعت، مادہ و محسوسات کا انکار اور مادہ اور آدمی خواہشوں کی عبادت سے تیار ہو ہو۔ اور اس کا شجرہ نسب رسوائے زمانہ رومی اور یونانی تہذیب سے ملتا ہو، پھر راج اس تہذیب کی سربراہی جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہو وہ تاریخ کے سب سے بڑے پاپی، انسانیت کے سب سے مجرم اور دنیا میں ظلم و فساد اور سرکشی و سنگدلی کے سب سے بڑے داعی ہیں، یہی میں جنھوں نے زمین کو جو ر و فساد اور ہوس کی لگی انسانیتوں سے بھر دیا ہو اور دنیا کو و در تہ قتل عام کا وہ ہولناک منظر دکھایا ہو جس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس سے میرا مراد پہلی اور دوسری جنگ عظیم ہو۔ اور وہ اب ایک قیصرِ مذبح آراستہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں جو شاید اس دنیا کا آخری مذبح ہو گا جس میں تمام انسانیت نہیں تمام دنیا فاسکے گھاٹے اُتر جائے گی۔ اس لیے کہ یہ ظالم اس میں ایم بھم ضرور استعمال کریں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے خواہشات اور اپنے مفادات کی خاطر قوموں کو غلام بنا رکھا ہو، اور یہی ہیں جنھوں نے شرقِ اسلامی کی عزت و لوٹی ہے، اس کی آزادی کا گلا گھونٹا ہو اور اسے باز بچہ اغراض بنا رکھا ہو، اس کے مصالح سیاست اور ارباب قیادت کو انھوں نے طعنے طعنے کے پھینک دیئے ہیں اپنی مٹھی میں لے رکھا ہو، اور جب چاہتے ہیں اپنی اغراض کے لیے ایک کو دوسرے سے بھڑا دیتے ہیں۔

پس تمام مسلمانوں اور خاص کر عربوں کی غیرت کا تقاضہ یہ تھا کہ ان کا معاملہ اس تہذیب اور ارباب تہذیب کے ساتھ سخت بغض و عداوت کا ہوتا اور ان کی طرف سے ان ظالم اقوام اور ان کی اس فاجر تہذیب کی طرف کوئی میلان، التفات، ان کے ساتھ کوئی تعلق و ارتباط اور ان کی کسی طرح کی نفالی دیکھنے میں نہ آتی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہو

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا
فَتَكُونَ لَهَا مَعًا مِمَّا ظَلَمُوا
وَلَا تَتَّبِعُوا لَهَا مَعًا مِمَّا ظَلَمُوا
وَلَا تَتَّبِعُوا لَهَا مَعًا مِمَّا ظَلَمُوا

غلط فہمی نہ ہو، مغربی تہذیب سے مراد معسوم علومِ طبعی یا کوئی بھی دوسرا علم و فن نہیں کیونکہ علوم پر کسی قوم کی ہر نہیں ہوتی، بلکہ میری مراد وہ فلسفہ حیات ہو جس کی مغرب پیروی کرتا ہو۔ عام اس سے کہ مغرب کا سرمایہ دار بلاک ہو یا کمیونسٹ بلاک۔ اور وہ فلسفہ حیات کیا ہو؟ صرف مادہ

اور قوت پر ایمان اور غیبی حقائق اور اعلیٰ اقداروں کا انکار! اسی مادی فلسفہ کے طبق سے یہ مادی تہذیب وجود میں آئی ہو، جو نمود و شہرت، جاہ و منزلت اور لذت و مسرت کے لیے زیادہ سے زیادہ مالی دولت کی حرص و ہوس اور اس کے برعکس، ادیان سادیہ کے لائے ہوئے عقائد و ضوابط اخلاق سے تغافل و اعراض کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہو۔۔۔۔۔ یہ مادی فلسفہ حیات اس ایمانی نظریہ حیات کی عین ضد ہو، جو کہتا ہو کہ

وما هذه الحیوة الدنیا الا لہوٌ یہ حیات دنیا صرف ایک لہو و لعب ہو
ولعب وان الدار الاخرة لہی اور اصل زندگی تو حقیقت میں آخرت
الحیوان لوکا نوا یعلمون۔ ہی کی ہو۔ کاش یہ جانتے!
یہ فلسفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد عالی سے بھی ٹکراتا ہو کہ
اَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ مِنَ الْاَوَّلٰی بار اٹھا! زندگی تو بلاشبہ صرف آخرت
الْاٰخِرَةُ۔ کی ہے

اور یہ اللہ کے اس فرمان اور قانون اعزاز و اکرام کو بھی نہیں مانتا کہ
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰی اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ مکرم وہ
جو جو (اللہ سے) زیادہ ڈرنے والا ہو!

اور یہ بھی اسے تسلیم نہیں ہو کہ
قَدْ اَخْلَجَ مِنْ تَرَكٰی وَ ذَكَرَ کامیاب ہو وہ جس نے خود کو (ظاہر و باطن)
اَمِّ رِبِّہٖ فَصَلٰی پاک و صاف کر لیا اور اس نے اپنے رب کا
نام لیا اور پھر نماز پڑھی

بلکہ اس کا کہنا یہ ہے کہ

اِنَّ اَكْرَمَ النَّاسِ جو جتنا زیادہ اللہ پر وہ اتنا ہی زیادہ
اَغْنٰی النَّاسِ۔ معزز ہے

اور

قَدْ اَشْلَمَ مَنْ اَغْنٰی وَاَقْتَفٰی کامیاب رہ جو جو زیادہ اللہ پر زیادہ

وَالْبَيْتَ وَالشَّرِيَّ وَالْأَهْلَ الْبَيْهَتِيَّ
صاحبِ ثروت اور خوشحال ہو جو بہت
الَّذِيذِ وَلِبْسِ الْفَاخِرِ الْمَجْدِيدِ
لذیذ کمانے کھانا ہو، جو دنیا اور اعلیٰ درجہ کا
وَمَلَكٌ عَدَدُ مَنْ السِّيَّارَاتِ
لباس پہننا ہو اور جو چند کو ٹھیسوں اور گروں
وَالْقُصُورِ
کا مالک ہو۔

اس تہذیب کی نقالی تو مسلمانوں اور عربوں کے لیے اس وقت بھی زیبا نہیں تھی جب وہ اپنے پورے عروج پر تھی اور اس کا عالم شباب تھا، اور جب وہ دنیا کو کچھ دے رہی تھی۔ پس اب جبکہ اس کے ضعف و پیری کا دور ہو اور یہ تیزی کے ساتھ زوال و افلاس اور تباہی و بربادی کی طرف بڑھی چلی جا رہی ہو، تب تو اس کی نقالی کہیں زیادہ باعثِ شرم و عار ہو۔ جن لوگوں کو اس تہذیب کے مراکز اور اس کے جدید رجحانات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہو وہ جانتے ہیں کہ اس کا حال اس وقت ٹھیک اس پہل جیسا ہے، چوک گیا ہو اور ٹوٹنا چاہتا ہو، اور اگر کوئی مضبوط ہاتھ اس کو ٹوٹنے کے لیے نہ بڑھے تو یہ خود ہی زمین پر آ رہے اور دانہ دانہ ہو کر بکھر جائے۔ پس جن لوگوں نے اپنا اور اپنی دچیوں کا دامن اس ٹوٹی ہوئی کشتی سے باندھ رکھا ہو جو اب ڈوبی اور تباہی و بربادی کے مسئلہ میں ہو، انہیں سجدہ لینا چاہیے کہ وہ اپنے عقیدے اور اپنے دین سے پہلے خود اپنے اور اپنی قوم کے حق میں کاتے ہو رہے ہیں۔ ہندی اور دیگر غیر عربی ممالک کے مسلمان عربوں کے متعلق بجا طور پر یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ اسلام کو سرایہ عزت و افتخار سمجھنے میں اور ان اقوامِ غرب سے نفرت رکھنے میں جنہوں نے عربوں سے عالمی سیادت اور فکری و سیاسی قیادت چھینی ہو اوروں سے بڑھے ہوئے ہوں گے، دعوتِ اسلامی کا جذبہ بھی ان میں دوسروں سے زیادہ تیز ہوگا، اور دنیا جن آفات و آلام سے گزر رہی ہو ان پر بے تحاشہ و ملال اور انسانیت کی ہمتی سے ان کا تائید بھی اوروں سے سوا ہوگا، ان کی تمنا تھی کہ عرب ان تمام مسلمانوں سے زیادہ راسخ الاعتقاد اور غیور و پر جوش ہوں جو انھیں کی دعوت پر ایمان لائے ہیں۔ اور اس دین میں ان کے مقتدی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اور قبیلہ ہیں اور اس لیے کہ وہ قرآن جس کی تاثیر سے پہاڑ پکپکا جاتے اور زمین لرز جاتی ہو وہ انھیں کی زبان میں نازل ہوا ہو اور وہ اب بھی اس کو اچھی طرح پڑھتے اور سمجھتے ہیں۔ اور اس کا حال یہ ہو کہ جب وہ امام کو دیکھتا ہو کہ وہ دوسروں کی اقتدا کر رہا ہو، قوی کو دیکھتا ہو کہ وہ ضعیف

بن رہا جو دغمنی کو دیکھتا ہو کہ دست سوال دراز کر رہا ہو تو کسی انسان کو بھی کیا ملال ہوتا ہوگا جو اُسے ہوتا ہے۔

برادرانِ مسرّم! ہندو پاکستان میں بہت سے ایسے اشخاص ہیں جن میں علومِ عصریہ کی تحصیل، نظاوائے غیبیہ سے واقفیت، مغربی تہذیب کے مراکز سے قرب اور یورپ کے مشاہیر اور زعمائے فکرو سیاست کے ساتھ اجتماع و اختلاط نے اپنے اسلام پر فخر اور محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ مبارک کے ساتھ محبت و عقیدت کو کم کرنے کے بجائے دوچند کر دیا ہو۔ اور ان کے اس عقیدہ کو مضبوط کر دیا ہو کہ اسلام ہی انسانیت کا سب سے آخری پیغام ہو۔ اس کی تعلیمات ہر زمان و مکان کے لیے مناسب و موزوں ہی نہیں بلکہ در قدم آگے ہیں اور انسانیت اپنی زندگی کے ہر دور اور ہر مرحلہ میں اپنی ضروریات اور مشکلات کا حل اس میں پاسکتی ہو، ان چیزوں نے اُن کے اس احساس کو تقویت دی ہو کہ مغربی تہذیب جو نہ اپنا وجود سنبھال سکتی ہو اور نہ اہل مغرب کی حاجت روائی کر سکتی ہو، ہمیں کسی طرح فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور ان چیزوں نے، ان کو مغرب کے ان رہنماؤں سے سخت متنفر کر دیا ہو جو انسانیت کی مشکلات کو حل کرنے میں بالکل ناکام رہے ہیں۔ اور اُن اوصاف و اسباب سے ان کی تہی دہمی ظاہر ہو چکی ہو جن سے یہ مشکلات حل کی جا سکتی تھیں اور دنیا کو ایک اعلیٰ نسب العین کی طرف بڑھایا جاسکتا تھا۔

خاص طور پر ایمان و اخلاص سے جوان اوصاف و اسباب میں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ لیکن ازراہِ تنقیر اپنے اس اخلاص اور تہی دہمی کا اعتراف نہیں کرتے اور نہ کسی نئے سرشتیہ ہدایت کی جستجو کرنا چاہتے ہیں جس کے فیض سے وہ اپنی پیدا کی ہوئی انسانیت کی گتھیاں سلجھا سکیں اور اس انسانیت کی کچھ مدد کر سکیں جس کی زمام اختیار اُنھوں نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہو۔ ہندو پاکستان کے اُن اشخاص میں اس تعلیم اور اس قرب و اختلاط نے اُن اپنے دین پر اعتماد کو بڑھایا، اس کے عقائد اور اس کی شریعت میں سخت تر اور اسلامی تہذیب و آداب کا خیال رکھنے میں اور پکا کر دیا۔ میں اگر چاہوں تو ایسے فضلاء مومنین اور علماء راہِ حقین کے دسیوں نام گن سکتا ہوں جو ایک طرف وسیع عصری تعلیم رکھتے ہیں اور دوسری طرف اسلامی عقاید میں رسوخ کی دولت سے مالا مال ہیں، بلکہ بعض تو متوہ مغربی علوم، فلفہ و سیاست اور اقتصاد و ادب میں یگانہ روزگار تھے۔

لیکن یاد رہے کہ اس سے نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ بات

خود انھیں لوگوں کے لیے باعث عز و شرف ہو جو اپنی نسبت آپ کے دین کی طرف کرتے ہیں اور خود کو آپ کے غلاموں میں شمار کرتے ہیں۔ اور یہ بات اسلام کے ہر دور میں رہی ہو کہ وقت کے بڑے بڑے فضلاراد و یگانہ روزگار علماء و عقلاء اور بڑے بڑے نامور بادشاہ آپ کے غلاموں کے زمرہ میں داخل ہونے پر فخر کرتے کرتے رہے ہیں، بلکہ اپنے سارے مفاخر میں اسی غلامی کو سب سے بڑا فخر سمجھتے رہے اور بعد ہزار زبان یہ کہتے رہے ہیں۔

داغ غلامیت کو دسبہ خسرو بلند میر ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید
برادران گرامی قدو! اسلام کو باعث عزت سمجھنا اور اپنی اسلامیت کا بر ملا اظہار کرنا، ترقی پسندی ہو، ذہنی بلندی ہو، روشن خیالی ہو، اور بالغ نظری کی علامت ہو، اور اس کے برعکس اسلام سے دامن کھینچنا، مغربی تہذیب کی نقالی کرنا، اور اسلام کے گھر اور اس کے ملک میں لادینی نظام قائم کرنے کی کوشش کرنا اور اس پر اصرار کرنا رجعت پسندی ہو، جمود ہو، کم عقلی ہو، کوتاہ نظری ہے، اور احساس کمتری کی علامت ہو! وہ زمانہ گزر چکا (اور اب کبھی لوٹ کر آنے والا نہیں ہو، جب مغربی شکل و صورت اختیار کرنا، زندگی کے مغربی طور طریقوں کو اپنانا اور نظام جدید کے گن گانا ترقی پسندی، دانشمندی اور روشن خیالی تھی، اب تو یہ زمانہ ہو کہ خود اہل مغرب اپنی تہذیب سے عاجز ہو چکے ہیں، انھوں نے خود اسے اپنی تنقید کا نشانہ بنا لیا ہو اور اس کا سارا بھرم کھول کے رکھ دیا ہو، اور صاف صاف کہہ دیا ہو کہ یہ تہذیب ایک "جرتہ" تہذیب ہو جو کسی غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہو بلکہ ان حالات سے یکایک ابھرائی ہو جو قرون وسطیٰ میں پائے جاتے تھے۔

لے بزرگ عربو! ان سب حقیقتوں کے سامنے آنے کے بعد مجھے تمھارا یہ حال کسی طرح بھلا نہیں معلوم ہوتا کہ تم اس مادی نشین میں ایک خنجر پرزہ بن جلنے ہی کو بڑی بات سمجھتے رہو، تمھاری نظریں محض مفاد اور انفرادی خوشحالی سے آگے نہ جا سکیں اور تم اس کم ہمت کی طرح ہو جاؤ جس کی خدمت میں تمھارے شریعت شاعر حاتم طائی نے کہا ہے۔

من العیش ان یلقی البوسا و مطعما

لما للہ صلوا کما مناء و ہمة

زندگی میں صرف یہ ہو کہ اے کھانے اور پینے کو کھائے

نعت ہو اس فقیر پر جسے بیش نظارہاں کجا منتلہ نظر

اے کاش کہ عربی و جوان علو ہمت اور بلندی نظریں جاہلی شاعر (امرئ القیس) ہی کے مرتبہ کو پہنچ

جہانے، جس نے کہا تھا۔

وَلَوْ اَتَيْتَنِي اَسْعٰی لِادْفِنِیْ مَعِیْشَةً کَفَافِیْ وَلَمْ اَطْلُبْ قَلِیْلٌ مِّنَ الْمَالِ
اگر میں کسی دفنی درجہ کی زندگی کے لیے کوٹان ہوتا۔ تو مجھے ٹھوڑا سا مال بھی کافی ہوتا اور اسکے لیے مجھے ایسی جگہ دہ کی ضرورت نہ ہوتی۔
وَلَکِنِّیْ اَسْعٰی طَبِیْعِیْ مَوْثِقِیْ وَقَدْ یَدْرٰکُ الْعَبْدُ الْمَوْثِقَ الْمَعْنٰی

لیکن میں تو ایک ایسی عظمت کا طالب ہوں جس کی جڑیں مضبوط ہوں، اور مجھ جیسے آدمی بھی ایسی عظمت کو پاس لیتے ہیں۔
برادرانِ من! یہ جہد مؤثر! یہ ربہ بلند اور یہ پایدار اعزاز۔ جس کی اس عالی نظر شاعر کو تو خیر ہوا
بھی نہیں لگتی۔ اسی شرف و اعزاز کا نام جو جس کی عمر بن عبدالعزیز نے جستجو کی، اور پایا۔ طاعت بن نیاز
اور محمد بن قاسم نے جس کے لیے تگ و دو کی اور بالآخر کامیاب ہو گئے، یہی بزرگی جو ان کے حمید بن قاسم
”جہد مؤثر“ کہلاتی جو، اور یہی اس لائق ہو کہ تمھارے لیے معیار و مطلع نظر بنے، تم دنیا کے تمام انسانوں سے
زیادہ اس بات کے حقدار ہو کہ بیس صدی کی جاہلیت کے خلاف بغاوت کرو جیسے کہ تمھارے آباؤ اجداد
نے چھٹی صدی کی جاہلیت کے خلاف بغاوت کی تھی، تم سب بڑھ کر اس بات کے حقدار ہو کہ اس زمانہ کی
مادیت کے خلاف سمجھ کر کھڑے ہو جاؤ، جیسے کہ تمھارے اسلاف اپنے دور کی مادیت پر سمجھ کر کھڑے ہوئے تھے۔
اور اسلام کے لیے، مفاد عامہ کے لیے، اور فلاح بشری کے لیے اپنے عیش، اپنے آرام اور اپنے خواب شیریں
منہر اموش کر دو۔ ایک ایک کر کے پرچم محمدی کے گرد جمع ہو جاؤ۔ یہ پرچم عدل ہو! یہ پرچم حق ہو!
اس عالم میں اللہ کا وہ تنہا پرچم جو جسے اُس نے تمھارا پرچم بنانا پسند فرمایا ہو، اور تمھیں ہمیشہ کے لیے اس
پرچم کو بلند رکھنے والی فوج بنایا ہو!

اور کوشش کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ اس کا حق ہو
اس نے تم کو منتخب کیا ہو، اور تمہیں ڈالی ہو تمھارے
اور پر دین میں کوئی مشقت، یہ دین جو تمھارے
باپ ابراہیم کا۔ اسی نے تمھارا نام ”مسلمین“
پہلے بھی اور اس (کتاب) میں بھی، انکشافات
نے تمھارے سامنے رسول اور تمہنات اور
گردانی، تمام لوگوں کے سامنے پس قائم کرو
نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور تمام لوگوں کی رسی
وہی تمھارا مولا ہو۔ اور کیا ہی اچھا مولا ہو
اور کیا ہی اچھا مددگار!

وَجَاهِدْ وَاِنِیْ اَللّٰهُ حَقَّ جِهَادٍ
ہو اَجْتَبَاکُمْ وَاَجْعَلْ عَلَیْکُمْ
فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ اَبِیْکُمْ
اِبْرٰہِیْمَ هُوَ سَمَّاکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ
قَبْلِ وَفِیْ هٰذَا الْیَوْمِ الرَّسُوْلُ شَہِیْدٌ
عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شَہِدَآءَ عَلٰی
النَّاسِ فَاقِمْوُا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتَوُا زَکٰوۃَ
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ هُوَ مَوْثِقُکُمْ فَنَعْمُ
الْمَوْثِقُ وَنَعْمُ الْمُضِیْرُ

ہندوستان کی ایک سو پچیس سالہ ایسکیم جس نے

موت کو بھی زندگی بنا دیا

(از مولانا سید مناظر الحسن گیلانی مدنیو مضمہم)

دکھانے میں تو سستی سے کام لے رہا ہے پھر ”تو درخوردن طعام سستی می کنی ہر لاد
اپنے دادا و محل سے جنگ کیسے کرے گا“ غرض مغل جہ گونہ جنگ خواہی کرے چٹا بھڑا وانی
یہ تھے وہ الفاظ یا فقرے جن سے بقول لٹا جلد قادر برادری شیر شاہی حکومت کے آخری حکمران
قدلی کہیے یا امد علی کی فوج کا مشہور سپہ سالار دیوبند بقال ہندوستانی چٹا لوں کی همان نوازی میں وقت
کیا کرتا تھا جس وقت دن میں ایک مرتبہ اپنے سامنے دسترخوان پر ان کو کھانا کھلوا یا کرتا تھا۔
لٹا صاحب کا بیان ہے کہ چٹا جان
جو اب بھڑنے لڑنے بھڑنے میں مشغور تھے داہنی جہل و ستیزہ کو باں شہرت داشتند بر طاق

لے جانے والے تو خیر جانتے ہی ہیں لیکن نہ جاننے والوں کے لئے یہ آگاہی مفید ہو گی کہ شیر شاہ کے بعد اس کا بیٹا اسلام آباد سلیم شاہ
ہندوستان کا اوشادہ ہوا اسلام شاہ کے مرنے کے بعد شیر شاہی امراء نے اسلام شاہ کے وہ سال بچے کو غیر در شاہ کے نام سے تخت ہند پر
بٹھا دیا تھا اسی معصوم بچے کو قدلی نے قتل کر کے حکومت کی باگ لپنے کا عزم لے لی تھی، قدلی کا اہلی نام مبارز خاں تھا انتظام خاں شیر شاہ
کے بھائی کا لڑکا تھا لیکن فرور و مالدار اس کا حقیقی بھائی تھا لیکن بہن کے سامنے اس کے معصوم بچے کو قدلی نے ذبح کر دیا سخت بے رحمی
ہونے کے بعد سلطان محمود لہوری اپنا لقب قرار دیا عادل کا لفظ قدلی اور آخر میں مسخ ہو کر سامنے ہندوستان میں وہی امد علی بن کو مشہور
ہو گیا، حکومت احمد علیہ میں دہلی اوی کے ایک بقال ایسہ نامی کو سپہ سالاری کے منصب پر فائز کیا گیا تھا۔ اکبر نے اس فتنہ کو فرو کیا۔

ساری خصوصیتوں کو طاق پر رکھ کر یہی بقال
نساوہ دشنام دے اور از بیم
کی گالیوں کو چاہے ڈر کے اسے یاد آئندہ
دچہ از ابد چوں حلوا فرومی بردند
ترقیوں کی امید کے زیر اثر طلوع کی طالع
نکھنے چلے جاتے تھے۔

انہوں نے کھا ہے اور کھلایا ہے اپنی آنکھوں و کئی شہادت قلم بند کی ہے کیونکہ اس زمانہ میں وہ خود
موجود تھے جو کچھ بھی ہو رہا تھا ان کے سامنے ہو رہا تھا بہر حال کہتے ہیں کہ اخلاقی دیوالیہ پن میں ان
غریب پٹھاؤں کی زبان حالیاں اس حد تک پہنچی ہوئی تھیں کہ زبان حال سے ہندوستان کے کچھ
دبازار میں ہر ایک بھی کتنا پھرتا تھا کہ ج

مرانان بد کفش بر سر زن

یہ مصرعہ آج بھی ملا صاحب کی مشہور مطبوعہ کتاب منتخب التواریخ میں موجود ہے۔

اللہ اللہ ابراہیم لودی جسے قتل کر کے باہر نے ہندوستان میں مغلوں کی حکومت کی بنیاد ڈالی،
کھا ہے کہ باہر کے مقابلہ میں

ایک لاکھ سوار اور پانچ ہزار جنگی ہاتھیوں،
ایک سو اور پانچ ہزار فیل و پیادہ بیار
بہت سے پیادے اور بے شمار آتشیں آلات
و آتش بازی بے شمار متوجہ محارب و مقابلہ
حرب کے ساتھ میدان میں اترتا تھا۔
مشہدہ (مخزن افغانی ص ۱۷)

لیکن ایک ایک لاکھ سوار اور پانچ ہزار جنگی ہاتھیوں کے باوجود تواریخ کی روایت ہے کہ راسین
(علاقہ بھوپال کے) ایک مقدم دیں کھلوان ل پورہ نے غارتگری کا پیشہ اختیار کر کے ابراہیم لودی
کے عہد حکومت میں چند عری جیسے آباد شہر کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا اور بالفاظ مورخین

”یعنی“ روتی دو اور سر پر جو تیاں مار لیں اخلاقی زوال کے ساتھ کہستانی زندگی کے عادی پٹھاؤں کی نزاکت باغی کا اندازہ
اسی سے کیجئے کہ عدلی اپنے پانچاٹنے کی بومی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ تقارح حاجت کے وقت مسلسل قسطنطنیہ بھڑک کر فوج پر کھاتا تھا۔
”ہر روز از عمارت خانہ اش دو تار و تار دو دو تین تین سیر کا فور علی حال خواراں ی جید تر چہ“ براؤٹی

حالا کہ پٹھاؤں کی حکومت پر پوری صدی بھی نہیں گزری تھی قومیں و خوش و خوش کے ساتھ حکومت کی ہے بچہ اقتدار میں لاتی ہیں
اور حکومت کی ان کے بچہ اقتدار کو ڈوبلا کے لوگوں کو باکارہ بنا کر چھوڑ دیتی ہے۔ پہلے بھی ہو رہا ہے۔ آج بھی ہو رہا ہے
کل بھی یہی جو گا اسی کا نام ہے۔ ج۔ شمشیر و سان اول طاووس در باب آخر

یہ آئین اکبری میں ابو الفاضل نے لکھا کہ چند بری زمین تین سو اونچا بازار تین سو ساٹھ سرائیں چودہ ہزار گنہیں پھر سے بنے ہوئے مکان تھے ۱۲

چندیری کی باخندوں کو عام طور پر قتل
 کہے کہ دہزار ہندو اور مسلمان عورتوں کو
 اسی دہریوں نے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔
 صرت حرم میں داخل نہیں کیا بلکہ

دو ہزار مسلمان اور ہندو عورتوں کو اسی دہریوں
 نے گانے والیوں اور ناچنے والیوں کے گروہ
 میں شریک کر رکھا تھا۔
 سیر المتاخرین ص ۱۵۵

یہ سب کچھ ہو رہا تھا ملک میں چیخ و پکار کا ہنگامہ برپا تھا، ابراہیم کی چشم و آبرو کا ہلکا سا اشارہ بڑے
 بڑوں کو ختم کرنے کے لئے کافی تھا، راجہ کے ایک سرکش مقدم کی بھلا کیا حقیقت تھی لیکن جس ملک
 کے آباد کاروں کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری ابراہیم نے اپنے سر لی تھی، اپنی
 حکومت کے گھمنڈ اور نشہ میں ان ہی غریبوں کی طرف سے گونگا بہرا بنا ہوا صرت اپنے دربار کے امیروں
 اور ملک کے سیاسی بساط کے مہروں کے اکھاڑ بچھاڑ میں مصروف رہا۔

اور ابراہیم ہی کو تنہا ذمہ دار کیوں ٹھہرایا جائے، آخر ملک مسلمان امیروں، اور ہندو راجاؤں
 سے بھرا ہوا تھا دونوں ہی قوموں کے ناموس عزت و آبرو پر حملہ کیا گیا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی
 کے کان پر نہ جان تک نہیں رہی۔

جس علاقہ میں دہریوں نے لوٹ مار چا رکھی تھی، تاریخی کتابوں کی شہادت ہے کہ وہاں سے دہریہ
 و فو دہریہ تخت و تہیہ کی پوج کرشور و غوغا مچاتے، فریاد و زاری کرتے لیکن ان کی غنوائی نہیں ہوتی تھی حالانکہ
 حکومتوں کی پہلی بنیادی ذمہ داری پہلے ہی، آج بھی اور آئندہ بھی یہی رہی ہے، ہمیشہ رہے گی کہ جنہیں بحال یا
 بنا کر ٹیکس اور لگان وصول کرتی ہے ان کے ساتھ اور کچھ کرے یا نہ کرے لیکن ان کی جان و مال، عزت و
 آبرو کی طرف سے کم از کم اتنا اطمینان تو دلا دے کہ دن کے کاموں سے تھک تھکا کر رات کو جب اپنے
 بستروں پر لوگ و رازدہوں کو چند گھنٹوں کے لئے ان کو نیند میں آجائے، اپنے فرائض اور ذمہ داریوں
 کی فہرست چاہے کوئی حکومت جتنی ہی طویل و عریض بھی بنائے لیکن اس پہلی بنیادی ذمہ داری سے
 بھی سہیدہ برآمد، مرنے میں اگر لاپار اور معدودہ نظر آ رہی ہو، تو یوں سمجھئے کہ اپنے وجود کی لامعلیٰ اور

بے ضرورت ہونے پر وہ دستخط کر چکی ہے۔ جس وقت تک آبادکاروں سے دنیا کو قدرت معمور اور آباد رکھنا چاہتی ہے، اس وقت تک ہی ہوتا رہے گا اور یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ اس غیر ضروری حکومت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور نئی قوتوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ قدرت کا یہی دوامی اٹل قانون سپرد کر دیتا ہے خدا کی نہ بدلتی والی یہ سنت ہے۔ **وَلَكِنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا**

اب دیکھئے دلی میں، ان لوگوں کا اتنا بندھا ہوا ہے جو چند پیری اور اس کے اطراف و نواح میں ستائے جا رہے تھے، بوٹے جا رہے تھے اکھوٹے جا رہے تھے اُبے آبرو کے جا رہے تھے، بے عزت ہو رہے تھے، راکسین کا قلعہ جو غارت گروں کا امن و ملجا تھا دلی سے زیادہ دور بھی نہ تھا، مگر مظلوموں کی ساری ہنگامہ آریاں صد ابصر بن بن کر ان ہی کی طرف وہ واپس ہوتی چلی جا رہی تھیں لاکھوں لاکھ انسانوں سے بھری ہوئی اسی دلی میں صرف ایک نوجوان تھا، یہ بیان کرتے ہوئے کہ چند پیری کے یہی مظلوم باشندے۔

فریاد کرتے تھے کہ رائے پور محل نے ہماری
بستیوں کو ٹھٹھا لیا، اور لوٹ کھسوٹ کر
سب کچھ لے گیا، ہماری عورتوں اور بچوں
کو قیدی بنا لیا، اور ان کو اپنے محل کی نوٹیاں
فریاد می کر دند می کر دند کہ رائے پور محل دہائے
ارازدہ و نہب و تاراج ساختہ و
زن و بچہ مارا با سیری بردہ آں بالکیر ہا
حرم خود ساختہ
(تاریخ شاہی طبع مطبوعہ کلکتہ)

اور فریاد می کر دند کہ یہ صورت ایک ہی دفعہ پیش نہیں آئی، وہی نوجوان راوی ہے کہ
! بار سلطان کے دربار عام میں وہ بے چارے
فریاد کرتے اور انصاف چاہتے
ہم وارہ در دربار عام سلطان مذکور فریاد
می کر دند و داد می خواستند

لیکن بایں ہمہ سلطان ابراہیم لودی جو اتر کے مقابلہ میں پنج ہزار مسلح ہاتھیوں اور ایک لاکھ سوار کے ساتھ
اُتر سکتا تھا اسی کو چند پیری کے مظلوموں کی فریاد و رسی کے لئے فوج کے چند سپاہیوں کے بھیجنے کی بھی
توفیق نہ ہوئی، نوجوان کے بیان کے آخری الفاظ تاریخوں میں یہ نقل کئے گئے ہیں کہ

در بار عام میں غریبوں کا یہ گروہ کچھ بھی ہنگامہ
نہ کر سکا اور بال زاری کرتا ابراہیم ان کی طرف
ہر چند ایں غریباں و دربار عام فریاد و
زاری کر دند تافاض می نمود (حاصل)

غفلت سے کام لیتا، سنی کو ان سنی بنا دیتا۔

ان ہی خوابیدہ دماغ یا مردہ دل پٹھانوں کے درمیان ہی ایک نوجوان پٹھان جو دلی سے دوسرے ہمسرا کے ایک زمیندار حسن خان نامی کا بیٹا تھا اسی کے سینے میں زندگی کی حرارت بھڑک اٹھی، اسی حرارت سے روشنی پیدا ہوئی، اسی روشنی میں اس نے کچھ دیکھا، دل ہی دل میں جیسا کہ اسی کا بیان ہے یہ گفتگو اس نے کی کہ

اگر حق تعالیٰ نے مجھے قابو بخش تو ان غلاموں
کا بدلہ (ظالموں) سے لے کر رہوں گا۔
(از منہا بکشم واپس شاہی ص ۱۹)

اسی عزم نے جس وقت اس کے اندر جرم کی صورت اختیار کی، ایک سمولی سپاہی ہونے کے سوا اس وقت وہ کچھ نہ تھا مگر چرخ نیلوفر کی چند ہی گردشوں کے بعد دیکھا گیا کہ واقعی وہ دلی کا بادشاہ اور ہندوستان کا شہنشاہ تسلیم کر لیا گیا۔

یہ شیر شاہ سوری تھا، پانچ سال کے لئے ہندوستان کی حکمرانی کا موقع اس کو بھی بخش گیا تھا اور نام کی حد تک تو شیر شاہ نے

”پنج سالہ اسکیم“

جیسے الفاظ یا اصطلاح تو نہیں بنائی تھی لیکن جیسا کہ عام ارباب تاریخ نے کھا ہے کہ

”پنج سال بادشاہی بلا ہندوستان کرو“ (ص ۲۲ فرشتہ ج ۱)

اپنی حکومت کے اسی پنج سالہ دور میں اس نے ملک کے داخلی اور خارجی معاملات میں انقلابی کاڑھے انجام دئے جن کے آثار میکروٹوں سال گذر جانے کے بعد کچھ بھی کسی کی شکل میں باقی ہیں، اسی نے سارے ہندوستان کو مختلف سرکاروں اور ہر سرکار کو مختلف پرگنوں، پرگنوں کو محالوں اور دیہاتوں پر تقسیم کر کے ملک کی زرعی زمینوں کی پیمائش کی اسی نے لگان کے قانون کو درست کیا۔ سکہ جاب تک آباد کاروں کیلئے ایک عقدہ لائیکل بنا ہوا تھا، وہ یہ رہتے ہوئے بسا اوقات مسافروں کو بھوکا مرنا پڑتا تھا کہ رات کی تاریکی میں کھوٹے اور کھرے سکوں میں تمیز و شناخت تھی، بنے سودا دینے سے اسی لئے رات کو اکھاڑ کر دیتے تھے۔

لہذا پنج شاہی میں کھا ہے کہ خود شیر شاہ جسے سپاہی کی حیثیت سے ایک فہرستہ گزارا تھا، رات کسی گاؤں میں بسر کرنے پر مجبور ہوا چند کندری سگے اس کے پاس تھے لیکن رات بھر اس گاؤں میں خود اس کو بھی بھوک مڑنا پڑا، اور گھوڑے کو بھی دانہ نہ ملے سکا، حاجت کو بھنے نے سودا دینے سے انکار کر دیا، کھا ہے کہ اسی زمانہ میں شیر شاہ کے دل میں یہ بات (باقی صفحہ آئندہ پر)

اسی نے باضابطہ ملک میں سڑکوں کا نظام قائم کیا اور سارا گاؤں (مشرقی بنگال) سے دریائے جمک (منہرجہ) تک طویل سڑک تعمیر کی جس پر پولوں کے ساتھ ڈھورویہ بھلدار و رخت، جامن، کھرتی، آم وغیرہ کے اس طور پر لگائے گئے تھے کہ اول سے آخر تک سایہ ہی میں مسافروں کا سفر ختم ہوتا تھا۔ ڈھورویہ کے فاصلے سے اس سڑک پر سرائیں اور چوکیاں قائم کیں مسافروں کی جان و مال کی حفاظت چوکیوں کے تھانہ دار کرتے تھے اور سرائوں میں جیسا کہ معلوم ہے کہ

ہر سرائے ایک دروازہ پر مسلمانوں کے لئے در یک دروازہ طعام و آب بہشت
اور دوسرے دروازے پر ہندوؤں کے لئے مسلمانوں و در دروازہ دیگر بہشت ہندوان
لکھا اور اپنی کا نظم حکومت کی طرف سے کیا گیا تھا مقرر گردانید (۱۲۷۵)

ڈاک کا نظم بھی ملک کے طول و عرض میں اسی نے اس طریقہ سے کیا کہ کم از کم تین دن میں پانچتک تک ہر جگہ کی خبریں آسانی ہو جاتی تھیں اس کے سوا بھی شیر شاہی عہد کے بیچ سالہ دور میں جو کچھ اصنافا ہوئیں ان کی تفصیل آپ کو کتابوں میں مل سکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حکومت کا یہ بیان نظریہ اسلام نے مسلمانوں کو جو عطا کیا تھا یعنی

ملک کے ہر باشندے کا مال غنائوں کے مال و اَمْوَالُھُمْ کَامَوَالِنَا وَ حِمَاھُمْ
ان کی جان بھی مسلمانوں کی جان اور ان کی کَدِمَاتُنَا وَ اَعْرَاضُھُمْ
آبرو عزت مسلمانوں کی آبرو عزت کے برابر کَا اَعْرَاضِنَا
مستحق احترام ہے۔

شیر شاہ نے اس کو بھی عمل کر کے دکھا دیا۔ اسی کے ساتھ باتفاق بورچین امن و امان کا ایسا نظم قائم کیا کہ شہر و قلعوں و دیہاتوں ہی میں نہیں بلکہ

الہ آباد مسافر بھی جنگلوں اور بیابانوں میں مسافرین متحمل و صحرا ہا منزل کردہ سے
اترے اور کسی محافظ کی ضرورت نہ ہوتی تھی حاجت پاسبانے نہ بود (سیرالتارخین صفحہ ۱۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) آئی کہ ایک بین ایسے نیک کو ترجیح ہونا چاہیے کہ

ورشپہ اراک بہشت بہشت و در شانہ (۱۲۷۵) شاہی

لے سیرالتارخین میں ہے کہ شیر شاہ جس وقت دسترخوان پر بیٹھتا تھا اسی وقت نثاروں کے ذریعہ سے ایک سرالے سے دوسری سرا تک یہ خبر پہنچ جاتی تھی اور مسافروں میں اسی وقت کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ لے صحیح ہے کہ اگر بے کے لہال کی عورت پر بان کا جو بڑھو شاہ نے جینا تھا شیر شاہ نے حکم کیا کہ شاہزادے کی بیوی شیر شاہ کی بہو پر بقال بھی اسی طرح بیڑہ بان کا چھینکے۔ سیرالتارخین وغیرہ ۱۲

اس کی نظر جہاں ملک کے کلیات پر تھی، وہیں غریب اور بیوہ عورتوں کی بچہ دہ کی شادی کا نظم بھی حکومت ہی کی طرف سے اپنے زمانہ میں کر دیا تھا۔

الغرض مکی و جزئی بڑی اور چھوٹی ہر قسم کی باتیں اس کی اسی فوج سال مدت میں حکومت کے فرائض میں داخل ہوئیں لیکن ان شغولیتوں میں کیا ان مظلوموں کو وہ بھول گیا جو ابراہیم لودی کے دربار سے ناکام و نامراد ہو ہو کر گھر واپس ہوئے تھے اور اس ظلم کے انتقام کا فیصلہ اس نے دل میں کیا تھا: تاریخوں میں پڑھئے شیر شاہ نے نفس نفیس بذات خود رائسین کی طرف کوچ کیا اور بدلتی گلی کو اپنے کبوتر گزدار تک پہنچا کر رہا: تاریخ شاہی کے مصنف احمد یادگار کی روایت ہے کہ جس وقت بادشاہ رائسین جا رہا تھا راستہ میں بخارا کا اس پر حملہ ہوا، ایسا حملہ کہ بجائے گھوڑے کے بالکل ہر سوار ہونے پر مجبور ہونا پڑا، لیکن بخارا ہی کی حالت میں سفر کو اس نے جاری رکھا، بیان کیا ہے کہ

شیر شاہ کے طبیب مہمانداری نے کہا بھی کہ در راہ مہماند طبیب گفت کہ بادشاہ در غلبہ

بخارا کی حالت میں سفر کو جاری رکھا ٹھیک نہیں ہے تب را در فتن غوب نیست

مگر مہماند جس کے سپرد گیا بادشاہ نے اپنی جان ہی کر رکھی تھی اس موقع پر اس کی بات بھی نہیں سنی گئی جواب میں شیر شاہ نے کہا تھا کہ

.. مہماند یادہ گوئد..

اور جو منصوبہ ابراہیم لودی کے دربار میں اس نے طے کیا تھا اسے بے لوار کر کے رہا، احمد یادگار وہی نے یہ خبر بھی دی ہے کہ جس وقت پورتل سے معرکہ آرائی ہو رہی تھی رات بھر بخارا کی حالت میں شیر شاہ مصلیٰ پر سر ڈالے یہ دعا کرتا تھا کہ جب تک انتقام بے لوار نہ ہو،

”جان مارا از قاتل بیرون نہ کنی“

اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ بخارا کی خدمت کو دیکھ کر شیر شاہ نے اپنے افسروں کو طلب کر کے یہ حکم بھی دے دیا تھا کہ جب تک ظالموں سے ظلم کا بدلہ نہ لے لیا جائے۔

اگر میری موت کا حادثہ بھی پیش آجائے تو ”اگر از قضا اظلم و در رسد مردن مارا

چاہئے کہ لوگوں کو اس سے مطلع نہ کیا جائے آشکارا نہ کہنی“

علامہ حسین طباطبائی صاحب سیر المتاخرین نے پورتل کے اس قصہ کا ذکر کرتے ہوئے شیر شاہی ہمد کے افغانی عہد پر پیش قدم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے بادشاہ کے سامنے ایسا قوی پیش کیا جس کی وجہ سے انتقام انتقام نہ رہا بلکہ خود ظلم کی شکل اس انتقام نے اختیار کر لی یعنی صورت حال کچھ ایسی پیش آئی کہ قلعہ کے دہنے والے خود کشی و آتی ماشینی صفحہ آئندہ ہے)

اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ شیر شاہ کے سامنے صرف کام تھا، کام ہی کرتے ہوئے وہ زندہ بھی رہتا چاہتا تھا اور کام ہی کرتے ہوئے مر جانا بھی۔ اسی کو اس نے اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان ہی کی حد تک اس کی نظر محدود نہ تھی، ہندوستان سے باہر سفر کرنے والوں کی حفاظت کے لئے بحری راستے کی حفاظت کے لئے طے کیا تھا کہ ایک مستقل حفاظتی بیڑہ تیار کیا جائے۔

اسی طرح سرحدی پہاڑوں کے دروں سے ہندوستان پر غمگنا جو حملے ہوتے تھے ان کے سدباب کے لئے بلوچستان کے قریب اس نے رہتاس غزنی کے نام سے جدید قلعہ بنا کر بیس ہزار سپاہیوں کو اس میں رکھ چھوڑا تھا۔ اس کا خیال یہ بھی تھا کہ سرحدی دروں سے پار ہو جانے کے بعد بیرونی ملک کے حملہ آوروں کو لاہور جیسا آباد اور دولت و ثروت سے بھرا ہوا شہر شروع ہی میں مل جاتا ہے جس سے کافی مدد ملے گی اور یہی میں میرا جاتی ہے۔ شیر شاہ کا یہ ارادہ بھی تھا کہ اس شہر لاہور کو راستہ سے ہٹا دے ایک دفاعی مسودہ ملک کے متعلق اس کا یہ بھی تھا کہ

| | |
|---------------------------------------|--|
| دولت اور راز آں جاویدان ساختہ | سرحد کے پہاڑوں میں جو لوگ آباد ہیں اور وہ |
| از نیلاب تالابور کوہ واسن خند نہ | جن کے علاقوں کی تعبیر ہے، ان لوگوں کو وہاں |
| ما سوا ملک آباداں سازم تا از در آمدن | سے ہٹا کر دریائے الہک سے لاہور اور خند نہ |
| مغل واقف باشند و نگذارند کہ سے از | پہاڑ سے سوا ملک کو جہاں انہیں ملک آباد کردادوں |
| کابل بہ ہندوستان بیاورد و ہنداران کوہ | اگر مغل کے آنے سے لوگ آگاہ رہیں اور کابل سے |
| نیز مال و زبوں شوند | ہندوستان پر کوئی حملہ نہ کرے، نیز سرحد کی پہاڑیوں |
| د مخزن افغانی ص ۱۹ | کے زمیندار یعنی خاندان کو بھی ختم کرنے کی یہ تدبیر |

اور تاج محل و قنادی صاحب کی یہ دل چسپ روایت اگر صحیح ہے کہ اگر کسی کے شہر پر محدث علامہ فیض الدین شیرازی نے شیر شاہ سے ہجرت مرہٹہ کی اجازت جب چاہی تو بادشاہ نے ان کو یہ کہتے ہوئے روک دیا کہ

دقیقہ حاضر غور مستند، مشہور ہندی طریقہ جو ہے کہ ایک بار مجبور ہوئے یعنی آگ کا لالہ جوڑ کر اس میں پھاند گئے۔ واللہ اعلم اصل واقعہ کیا ہے اگر اب تاریخ ہی اس کا فیصلہ کر سکے میں جانتا ہوں کہ اس واقعہ پر ان مولویوں کے متعلق "علامہ افغانی کی غول بیانی" ان فتویٰ ہے یا انی بدیں روش داد و مد وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں (ص ۱۹۵) لے مخزن افغانی میں لکھا ہے کہ کچھ اس جہازوں پر ارادہ کیا گیا تھا کہ یہ بڑا شہر ہنگامہ ۱۲ لکھ شیر شاہ کا اہل وطن جیسا کہ معلوم ہے ہسرام دہا تھا۔ ہسرام کے پاس پہاڑ پر قدم ہند کا ایک شہر قندو رہتا اس کو غلامی اب تک موجود ہے بڑی بڑی تاریخی ہستیوں کا اس قلعے متعلق ہے۔ میر تقی میر نے مورتی کے محل رہتا ہے کی نگاہوں کے مقابلہ میں اس بنا چاہا تھا لیکن حجرہ سے معلوم ہوا کہ میر جگہ ہے اس کے محبوب لالہ شیر شاہ لے اپنے وطن گئے

اسی قلعہ کے نام پر بلوچستان کے پہاڑوں میں رہتا اس قلعہ کو لکھا ۱۲۰

میں آپ کو سلطان ترکی کے پاس بطور سفیر اس لئے بھیجنا چاہتا ہوں کہ

کہ مغلطہ ورمینہ مندرہ ان دوسریں سے ایک کیے از دوحرم شریف زادہ اللہ شرفاً

حرم کی خدمت ہمارے یعنی اہل ہندوستان از وائس برائے من بگیرید۔

کے لئے سلطان ترکی سے طلب کریں۔

دوسری بات یہ کہ ایران میں صفوی بادشاہوں کی حکومت جو قربلاش کہلاتے تھے اور سنی مسلمانوں پر منظم قلم ڈال رہے تھے، راستہ میں حجاج کو بھی یہ حکومت ستاتی تھی، اور بھی طرح طرح کی فرعونیت کی کھجک تھی۔ صفویوں کی اس حکومت پر

دو دنوں میں سے (یعنی ایک طرف سے شیرشاہ از ہر دو جانب احاطہ کینم با ایں لشکر و

اور دوسری طرف سے سلطان روم، ایرانیوں کثرت۔ جمعیت کہ در ہندوستان سرت وہاں

کو گھیر لیں ہندوستان میں آریوں کی کثرت اور شوکت و آتش بازی کہ در روم است

روم یعنی ترکوں کے پاس شوکت و آتش بازی طاقت مقاومت قربلاش معلوم است

ص ۳۷
۱۲

کا جو سامان ہے قربلاش دیرانی مشکل ہی سے

ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

یہ تو یہ ہے کہ بجائے ایک کے شیرشاہ انار اللہ برہانہ کو کم از کم دو ہی

”پنج سالے“

اگر مل جاتے تو ہندوستان ہی جی قسمت کا ستارہ ہندیوں پر پہنچ کر انہیں بچتا بلکہ ممکن تھا کہ دنیا ہی کا

جغرافیہ شاید بدل جاتا، بعض تاریخی اشاروں سے تو اس کا سراغ بھی ملتا ہے کہ سلطان ترکی کے ساتھ

”محافلہ“ اور معاہدہ کا جو منصوبہ شیرشاہ کے دل میں تھا اگر وہ پورا ہو جاتا تو یورپ کو ایشیا پر دست آزمہ

دراڑ کرنے کا موقعہ غالباً نہ ملتا۔ وہ عجیب و غریب آدمی تھا، ایک طرف ہندوستان کے سرحدی مقامات پر

دفاعی قلعوں کی تعمیر میں مصروف تھا اور دوسری طرف ہندوستان کے پرانے قدیم شہروں کے متعلق جن کی کتب

امتداد زمانہ سے صرف سڑے ہوئے گھوڑے کی شکل اختیار کر چکی تھی ان شہروں کو چاہتا تھا کہ نئی کنواری زمینوں

پر نئے سرے سے اس طور پر آباد کیا جائے کہ باشندوں کو زندگی کی ممکنہ سہولتوں سے استفادہ میں

لے ہندوستانی بیٹھانوں کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے ہمالیوں کو ایران سے مدد کے حاصل کرنے میں جو کامیابی ہوئی اس کا

واژ شاہ پٹنوں کے اسی ارادہ میں پوشیدہ تھا جس کی ہنگ ایران کی حکومت کو شاید مل گئی تھی۔

دشواریاں نہ پیش آئیں۔ دلی کی حد تک تو کھا ہے کہ وہ یہ کربھی گزرا کہ

دعلائی دہلی (علاء الدین خلجی کی بسائی ہوئی) دہلی ملائی رکھتے آہ بود بہ دریائے
اس میں پانی کی کمی تھی (غیر شاہ) نے دریائے لب دریائے جون آباد نمود۔
جنا کے کنارے نیا شہر آباد کیا۔ (شاہی حوالہ)

نئی شیر شاہی دلی فیروز آباد کے نام سے مشہور ہوئی۔ جو پچھیل لمبا شہر اپنے زمانہ میں تھا، بدوئی
نے کھا ہے کہ بادشاہ نے پرانے فتوح کو بھی برانی جگہ سے ہٹا کر دریائے گنگا کے کنارے آباد کیا اور شیر گڑ
نام رکھا اور شمس آباد کا قلعہ جو فتوح ہی کے قریب تھا، اس کی جگہ بھی بدل دی۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اپنی حکومت کے اسی پنج سالہ دور میں اس بندہ خدا نے کیا کیا کر کے دکھا دیا،
اسی سے سمجھ میں آتا ہے کہ لمبی تائید اس کے پیچھے کام کر رہی تھی، وہ خود بھی یہی سمجھتا تھا، ہمایوں کو فاش شکست
جب ہمارے قریب ہوئی اور نظام ستہ کی پھینکی ہوئی مشک پر کسی طرح جان بچا کر ہمایوں گنگا کے اس پار
تک پہنچ جانے میں کامیاب ہوا، ایک لاکھ سات ہزار سوار اور سترہ سو جنگی مسلح اہلیوں والی ہمایوں فی فتح
تتر ہزار دریائے یاموہو گئی تو دیکھا گیا تھا کہ گنگا کی ایک طرف غریب ہمایوں

بجائے سنہرے تخت اور رنگین فرش کے بجائے تخت زریں و بساط رنگین برکاد

گھاس پر بیٹھا ہوا ہے نشستہ (شاہی)

گھاس کے اس فرش پر سنے والوں نے یہ بھی سنا تھا کہ ہمایوں آسمان کی طرف اشارہ کر کے بڑبڑا رہا تھا

مسکرا کر فلکا کجرا جفا کارا گنومت کہ مرا تخت و تاج شاہی وہ

توئی جو کہ نہ رہا طے قادیہ بر سر راہ زہر چہ تاج ستاں دہر کہ غمناہی وہ

اور ٹھیک اسی گنگا کے مشرقی ساحل پر جہاں ہمایوں اپنے خیمہ دگر گاہ اور سربراہروں کیان عصمت و
عفت کو چھوڑ کر بھاگا تھا، لکھا ہے کہ شیر شاہ خاص ہمایوں کے شاہی خیمہ میں پہنچا جہاں اس کا طلائی
مرصع تخت بچا ہوا تھا، شیر شاہ نے اسی تخت کے کنارے فرش پر ٹکرائی دکانہ ادا کی اور سعدی کی
بوستان کا شعر

خدا یا تو انا تو نگر توئی تو انا درویش ہو و توئی

اسی کے ساتھ دوسرے شعر میں مسعودی نے صرف کر کے بلبل ہلا کر و و و و اٹھ اٹھائے پڑھ رہا تھا۔

فرید من را تو شاہی دہی سپاہ ہایوں ہماہی دہی

اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت دہی کے بعد بھی مستی کا نشہ شیر شاہ پر جو سوار نہیں ہوا تو اس کی وجہ وہی تھی کہ اول سے آخر تک بجائے اپنی قوت کے اسی ذات بہر اس کی نظر جمی ہوئی ہے جو
”لاحول ولا قوۃ الا باللہ“

کا حقیقی مستحق ہے، وہ کہا بھی کرتا تھا کہ

”میں نے ایک خواب دیکھا کہ کافی بلند اور اونچی عمارت میں سرور کائنات مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور ہایوں بادشاہ کو اس بلند ایوان سے باہر نکالا جا رہا ہے اور مجھے حکم دیا جا رہا ہے کہ تم اس ایوان کے اندر داخل ہو جاؤ۔“

شیر شاہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد اسی کو خطاب کر کے بارگاہ رسالت بنا ہی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ ۱

شیر خاں اتم کو معلوم ہو کہ کچھ دن کے لئے شیر خاں پر انکو حق سبحانہ و تعالیٰ ملک خود را حق سبحانہ و تعالیٰ ملک دہندہ کو تمہارے حوالہ کرینگے
چند گاہ حال بہ تو نمود
اسی سلسلہ میں یہ ہدایت بھی فرمائی گئی تھی کہ

ہمائیے کہ د حکومت جب عطا ہو تو خود اسے ملک کو ”ملک الہی را بعدل و انصاف مہمور داری و عدل و انصاف سے مہمور کرنا اور اس ملک کو آبادال گروانی“
آباد کرنے کی کوشش کرنا۔
(شامی صفحہ ۱۹)

خواب سے بیدار ہونے کے ساتھ لوگوں سے اس خواب کا ذکر کرتے ہوئے جیسا کہ لکھا ہے شیر شاہ نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان دربارت از زبان درباراں حضرت سرور کائنات

۱۱۔ بوستان سعدی کا مجموعہ شعروں پر جس کے ذریعے دہی و شاہی فرید شیر شاہ کا اور حسن اس کے باپ کا نام تھا جو سمرقند علاقہ ہزارکامولی جائیداد تھا، اس موقع پر اپنے اصلی نام کو شعر کا شیر شاہ نے جز بنایا ہے مراد فرید من ہے ۱۲۔ مملکت مولیٰ زندہ اس کے ایک نژاد کے خوشنما ہند میں جانے کا موقع مل گیا تھا لیکن خود شیر شاہ کا احساس کیا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ شاہی بیگمات جن میں ہایوں کی نگاہ بھی تھی ہایوں کو سب کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ شیر شاہ شاہی سربراہ دہ کے پاس پہونچا اور خواجہ سراؤں سے کہلا بھیجا کہ دعائے من بخندست خداون بیکم چہمورسانید کہ من فرید ہاں نوکر شاہ ام کہ بودہ ام و شاہی بہر عظمت و احترام کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ لکھا جس کی داستان طویل ہے ۱۱

یہ الفاظ ادا ہوئے کہ چند گاہ (کچھ دن کے لئے) صلی اللہ علیہ وسلم برآمدہ کہ چند گاہ بہ حوالہ تو
ملک تیرے حوالہ ہوگا۔ کردہ شدہ۔

”چند گاہ“ اسے اسی لفظ سے اس نے خود یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ

شاید مری سلطنت کے دن تھوڑے ہیں شاید کہ آیام سلطنت میں انوک باشد

گریہ جانتے ہوئے بھی کہ چند ہی دنوں کے لئے ہندوستان کی حکومت اس کے سپرد کی گئی۔ باوجود
اس کے حکومت کے اسلامی نظریہ کو پہلی پیکڑ میں جلوہ گر کرتے ہوئے اس نے زندگی بھی گزار دی اور
اسی مغلہ میں اپنی آخری سانس بھی اس نے پوری کی یعنی حکومت کا وہی

”اسلامی نظریہ“

حس کا تاثر تو کچھ نہیں رکھا گیا تھا اور بیدار ہونے والے بچوں کی طرح حکومتوں کے بھی نام
رکھنے کا قاعدہ شاید اس زمانہ تک رواج پذیر نہیں ہوا تھا لیکن کام جس کا سکھت مسلمان حکمرانوں
کو اسلام نے بنایا تھا وہی تھا کہ جن لوگوں کی جان و مال عزت و آبرو کی ذمہ داری قبول کی گئی ہو
ان کا مذہب، ان کی قومیت، ان کا رنگ، ان کی زبان خواہ کچھ ہی ہو، ہر لحاظ سے مسلمانوں کے مساوی
اور برابر ہوں گے۔ میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں تفصیل کے لئے تاریخ کی مبسوط کتابوں کا مطالعہ کرنا
چاہئے، سچی بات تو یہی ہے۔ آخر اس سلسلہ میں شیر شاہ اور کیا کر کے دکھاتا، دن کے چوبیس گھنٹوں میں
بنگلہ سے بلوچستان تک اور آگرہ سے انڈونیکس ہندوستان کا آسمان اس نمائش کو دیکھ رہا تھا کہ ہڑو
میل پر ایک مٹھی سے مسلمانوں کو اور دوسری مٹھی سے ہندوؤں کو شیر شاہی حکومت بغیر کسی تفریق کے
کھانے پینے، آرام کی چیزیں تقسیم کر رہی ہے۔

اس شیر شاہی فصلہ کو بھی آپ سن چکے جس کی رو سے آگرہ کے ایک بننے کی بیوی کی عزت و
ناموس شیر شاہ کی حقیقی بہو (شاہزادے کی بیگم) کے مساوی قرار دی گئی تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ ملک کے
عام باشندے (ہندو مسلمان) بھی شیر شاہ پر اعتماد کرتے تھے۔ اور خود وہ بھی ان پر اسی حد تک بھروسہ

لے جاں تک میرا خیال ہے عہد رسالت و عہد خلافت راشدہ میں بھی مسلمانوں کی حکومت کا نام الٰہیہ یا اسلامیہ وغیرہ
نہیں رکھا گیا تھا، بعد ازاں بھی تاریخوں میں حکومت بنی امیہ، عباسیہ وغیرہ اصطلاحیں ملتی ہیں، جو کسی قصد و ارادہ کا نتیجہ نہ تھا
حکومتوں کے نام رکھنے کے موجودہ عصری طریقہ کا انجام بھی دیکھا جا رہا ہے، زرنگی غلام کا نام کا فوراً رکھ کر سمجھ لیا جاتا ہے
بسمجھا دل جاتا ہے کہ واقعی کا لاجپتی غلام ہر رنگ کا فوراً ہو گیا ۱۲

کرتا تھا کہ اس کا خاص شاہی معالج بجائے کسی مسلمان طبیب کے نہ داتا می دید تھا۔

بلکہ اس کے بیچ سالہ عہد حکومت کے کارناموں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر یہ سوچا جائے کہ ان پر کتنی دولت صرف ہوئی ہوگی تو شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ جیسے اسلام کے مذکورہ بالا نظریہ سیاست یعنی رعایا کی جان و مال عزت و آبرو کی مساوات کے ساتھ ساتھ حکومت کی آمدنی کے متعلق

ان کے سرمایہ داروں سے لیا جائے اور ان کے
 تو خذ من اغنیائهم
 و ترد علی فقرائهم

کا اسلامی اصول کو بھی سر زمین ہند میں شیر شاہ نے علانیہ ذکر کے دکھا دیا تھا۔ عام فوجی اور کشوری ضرورتوں کے سوا ذرا انوارہ تو کیجئے کہ اسی چھوٹی سرٹکوں جن میں اگر سے سے ماٹرو والوہ (تک کی ایک سرٹک تقریباً چھ سو میل کی تھی، پھر شیر شاہی شہور گریڈ ٹرنک روڈ جس کے متعلق مآ عبد القادر کا بیان ہے کہ

بنگال سے غری رہتاس متصل بلوچستان
 از ولایت بنگالہ تا رہتاس غری کی کچار
 تک جو چار مہینے کی راہ ہے۔ ماہہ راہ است (صفحہ ۳۶)

دریا اندیاں نالوں سے بھرے ہوئے ملک ہندوستان میں خود ان سرٹکوں پر ان کے پلوں پر درخت و دروہ جو دونوں طرف نصب کئے گئے تھے، ڈو ڈومیل پر سر آئیں، ہر سر میں پختہ خشتی کنویں، ڈاک چوکیاں، پھر سافروں کے کھانے پینے، آرام کرنے کے ساز و سامان ہر جو کچھ صرف ہوتا تھا اور اس کے سوا ہندوستان کے سرحدی علاقوں پر دفاعی قلعے اور دمنے، ملک کے اندر دفاعی تعمیرات، خیر خیرات وغیرہ کے مصارف کا باضابطہ کھاتہ گزرتا کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ شیر شاہی حکومت ملک کے سرمایہ داروں سے جو کچھ وصول کرتی تھی اسے اسی ملک کے غیر سرمایہ دار طبقات کے فلاح و بہبود کی راہوں پر خرچ کرتی تھی۔ گویا سیاسی نظام کے ساتھ کچھ دن کے لئے سمجھنا چاہئے کہ ہندوستان میں اسلام کے اس معاشی نظام کا بھی تجربہ کر کے دکھا دیا گیا تھا جس میں بجائے حوصلہ شکنی کے سرمایہ حاصل کرنے والی توانائیوں کو ملک کے ناوار اور بے سرمایہ طبقات کیلئے استعمال کرنے کا ایک ایسا طریقہ نکال لیا گیا ہے جس کی وجہ سے کسی طبقاتی کشمکش کے بغیر تقسیم دولت کی ساری بے اعتدالیاں قدرتی توازن کے سانچے میں خود بخود ڈھل جاتی ہیں۔

غیر بات بہت طویل ہو گئی، مختصر یہ ہے کہ کسی کو مجھ سے اتفاق ہو، یا نہ ہو لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے بندوں پر خدا کی مرضی کے مطابق حکومت کرنے کا ایک دلچسپ نمونہ اپنے بیچ سالہ دورِ حکومت میں شیر شاہ نے سر زمین ہند میں گویا قائم کر دیا تھا اور شاید اسی لئے مسلسل

اَنُوْنِمْ اَللّٰہُ کَاہ و کُرُوْخِند اِی تہا دی مرد

کرے گا اور تمہارے قدم جادے گا۔

وَحِیْثَبِتْ اَقْدَامُکُمْ

کے قدم آگے آئیں گے اور دیکھا جا رہا تھا کہ پورا ہورہا ہے۔ اس زمانہ میں لوگ مشکل ہی سے باور کریں گے لیکن کیا کیجئے تاریخ کی مسلسل شہادت یہی ہے اور تو اور خود ہایوں بادشاہ اپنا ذاتی مشاہدہ ان الفاظ میں ادا کیا کرتا تھا۔

لڑائی کے دن میں نے اپنی آنکھوں سے

دیکھا کہ سپاہِ لباس پہنے ہوئے سوارِ سری

فوج کے گھوڑوں کو مار کر پھیر رہے

ہیں مائیکو میری فوج کو شکست ہو گئی۔

افتادہ (جھلکا بنایا)

اور سپاہِ پوشوں کا یہ گروہ جسے ہایوں نے دیکھا تھا کہ اس کی فوج کے سپاہیوں کے گھوڑوں کا منہ مارا کر پھیر رہے ہیں انہیں کہا جاسکتا کہ یہ کون لوگ تھے لیکن ہندوستان کے ان چٹانوں کو تو دنیائے دیکھا تھا۔ آبر کی وینٹل فوج کے مقابلہ میں ثابت کر چکے تھے کہ بے جان لاشوں سے زیادہ وہ اور کچھ باتیں نہیں ہے ہیں، لاکھوں لاکھ تعداد چٹانوں کی فوج چند چراغوں کے آگے نہ ٹھیر سکی لیکن دیکھا جا رہا تھا کہ ان ہی چٹانوں کی یہی مردہ لاشیں شیر شاہ کی زندہ روح کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور جو بھی کہ شیر شاہی روح ان سے علیحدہ ہوئی، آپس پہلے کہ پھر خاک کا ڈھیر بن کر رہ گیا۔

مراناں بدہ کفش بر سر بزن

کی صدا بقول ملا جلاؤنی ہندوستان کے کوچہ و بازار میں لگاتے پھرتے تھے۔ آخر یہی بوقال کے نفروں کو حلوسے کی طرح نگلنے والے وہی چٹان تو تھے جنہوں نے شیر شاہ کے جھنڈے کے نیچے ملک کو زبرد زبرد کر کے رکھ دیا تھا۔

شیر شاہ کی کامیابیوں کے متعلق تاریخوں میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ مار کاٹ بقتل قتال سے زیادہ وہ سیاسی

حکمت علیوں سے کام لے کر عموماً عادی تھا، اور یوں بے لڑے بھڑے بڑی بڑی مہموں کے سر کرنے میں وہ کامیاب ہوا، میرا خیال تو یہی ہے کہ اس میں زیادہ دخل ان ہی مردہ دل پر مردہ افلاق ہندی پٹھانوں کی زبوں حالیوں کو تھا، اس میں شک نہیں غفل کے مقابلہ میں بکھرے ہوئے پٹھان شیرشاہ پر جمع ضرور ہو گئے تھے، مگر شیرشاہ سے زیادہ اس کا راز دان اور کون ہو سکتا تھا کہ! ہر کی چند ہزار فوج کے مقابلہ میں لاکھ تعداد والی پٹھانوں کی فوج جب نہ ٹھہر سکی تو ان ہی پٹھانوں پر قتل و قتال کی کارروائیوں میں کہاں تک بھر دوسہ کیا جاسکتا ہے۔ دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لئے شیرشاہ پٹھانوں کے اس غول کو بڑے طعنائی کے ساتھ اپنے جلو میں ضرور رکھتا تھا لیکن جہاں تک ممکن تھا حتی الوسع اس کام لینے میں احتیاط ہی سے کام لیتا تھا، وقت ہر اس کو عجیب و غریب چالیں سوچ جاتی تھیں حتی الوسع وہ ان ہی چالوں سے کام نکال لیتا۔ اسی کو بنی آدم کی عام خونریزی سے غالباً زیادہ بہتر خیال کرتا تھا، بہر حال چند گاہ کے لئے حکومت ہند کی باگ اس بہاری پٹھان کے سپرد کی گئی تھی اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ فرصت کے اس "مغتنم" موقعہ کی اس نے پوری قدر قیمت بچانی جب تک سانس چلتی رہی، کام ہی میں جیتی رہی۔ اللہ اللہ جس وقت کالج کے قلعہ کی دیواروں کے نیچے خود اپنی ہی آتش بازی کی آگ سے جل کر شیرشاہ اپنے خیمہ میں تڑپ رہا تھا، اس پر بار بار یہ ہوشی کا دورہ پڑتا تھا، مآب لقا در کی روایت ہے کہ

یہوشی کی اس حالت میں تھوڑی دیر کے لئے دریاں بے شعوری ہر گاہ کے اندر کے بحال

شیرشاہ جب ہوش میں آتا تو زور زور سے می آمد فریاد بر مردم زدہ ترغیب بر گرفتار

دگوں کو پکار کر قلعہ کو فتح کر لینے پر آمادہ کرتا۔ قلعہ می نمود (جلد ۳)

یہی نہیں بلکہ حکام اور فوجی افسران عیادت کے لئے جب اس کی شاہی فرگاہ میں پہنچتے تو ملا صاحب کا بیان ہے کہ ان کو بھی

لڑائی ہی کے جاری رکھنے کا اشارہ کرتا اشارت بھنگ می کرد

"شاہی خیمہ سے یہ بھی کھا ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر پر شاہی حکم سے آدمی دوڑائے جاتے تھے جو بادشاہ تک جنگ کی معالت اور نوعیت کی خبریں پہنچاتے، ملا صاحب کے الفاظ میں کہ

اسی بے چینی اور اضطراب میں شیرشاہ تھوڑی شیرشاہ درہاں قلع و اضطراب زماں

تھوڑی دیر میں قلعہ کے فتح ہونے کی خبر پڑا کھنؤ زماں شیر فتح می گرفت
تاریخ شاہی میں یہ لکھ کر کہ جس دن شیر شاہ زخمی ہوا اسی دن ظہر کے وقت کالجبر کے قلعہ پر شیر شاہی فوج
کا قبضہ ہو گیا لکھا ہے کہ اس وقت

شیر شاہ میں ذرا سی جان باقی تھی۔ شیر شاہ را رستے از جاں امدہ بود
روح بدن سے ابھی نکلی نہیں تھی کہ

لوگوں نے قلعہ کے فتح ہونے کی خبر شیر شاہ تک پہنچائی بشارت کشوں قلعہ رساندند
اپنی زندگی کی آخری ہم کی اس آخری کامیابی کی بشارت سننے کے ساتھ

شیر شاہ نے (اس خوش خبری کو سن کر) الحمد للہ
کہا، اور اس کے بعد تین مرتبہ کلمہ شہادت
کو دہراتے ہوئے روز جمعرات ۲۳ ذیقعدہ
۹۵۷ھ کو یہ دین پرور آفاق گیر تعلقوں کا
گفت الحمد للہ بعدہ سر مرتبہ کلمہ شہادت
بر زبان راند، روز پنجشنبہ بہت وچہام
ذیقعدہ ۹۵۷ھ، بادشاہ دین پرور آفاق گیر
قلعہ کشائے برحمت حق بیہوش۔

فتح کرنے والا بادشاہ اللہ کی رحمت سے جالما۔ (مجلد ۲ تاریخ شاہی احمد یادگار)

موت کو بھی زندگی بنا لینے کی یہی واحد تدبیر تھی، شیر شاہ اس میں بھی کامیاب ہو گیا۔ ملا عبد القادر صاحب
جو عہد شیر شاہی میں ہی پیدا ہوئے، اپنی اسی کتاب میں انہوں نے لکھا ہے کہ

خدا کا شکر ہے کہ اسی بادشاہ (شیر شاہ) کے
زمانہ میں اس نقشب کے معصن کی ولادت
بتاریخ ۱۷ ربیع الثانی ۹۵۷ھ میں ہوئی۔
بحمد اللہ کہ در زمانہ میں جنیں ملے... تولد
صاحب این نقشب در ہند ہم ربیع الثانی
۹۵۷ھ واقع شد (مجلد ۲)

بہر حال دہی راوی ہیں کہ

ایک ثقہ قابل اعتماد آدمی خود اس فقیر سے
بیان کرتے تھے کہ قلعہ کالجبر کے ارد گرد
جو مورچے قائم کئے گئے، ان میں ہر ایک کے
مورچے اور اس کے کام کی نوعیت جداگانہ
تھی لیکن اسی حال میں میں نے ایک فوجی آدمی
یکے اثقات بنفیر حکایت کر کہ دراز روز
حملہ کار ہر یکے ازاں ملچا نہایاں و علاا
و صورت ہا اذیک دیگر ممتاز بود می دیدیم
کہ سپاہی مسلح مکمل کہ نہ ہرگز بیش اذان و نہ بعدہ
اذان در نظر آمد سرتاپا شاد سینیاد و شیدہ

کو دیکھا جو تمام ہتھیاروں سے مسلح تھا میں نے
 اس کو نہ اس موقع سے پہلے دیکھا اور بعد کو
 بھی اس پر نظر نہ پڑی، سر سے پیر تک سیاہ
 لباس میں تھا، اس کے کپڑے، عمامہ سب کا
 رنگ سیاہ تھا، وہی سپاہی مجھے جنگ کی
 ترغیب دے رہا ہے اور دوسرے سے آثار کر
 خود کو قلعہ کے اندر اسی نے پہنچا دیا، قلعہ کی
 فتح ہو جانے کے بعد حالانکہ اس شخص کو بہت
 ڈھونڈا مگر اس کا پتہ نہ چلا میں نے بھی یہ
 دیکھا اور دوسرے لوگ بھی کچھ اسی قسم کی باتوں کی خبر دینے لگے کہ اس لباس میں ہم نے
 سواروں کو دیکھا کہ آگے آگے میرے حامی ہیں لیکن قلعہ میں داخل ہونے کے بعد نظروں سے اوجھل ہو گئے۔
 ”اللہ دفاع عالم، ہی کو جنھوں نے اپنا پلنے پوسنے والا بنا لیا اور اسی پر ڈٹ گئے، ان پر
 فرشتے یہ کہتے ہیں کہ نازل ہوتے ہیں کہ نہ غم کرو، اور نہ کڑھو، اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا
 کیا ہے اس کی خوش خبری لو، ہم تمہاری پشت پناہی کرنے والے ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور
 آخرت والی زندگی میں بھی۔“

یعنی قرآنی آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ شعثا غبرا ما اتوا من قبلہم الملائکۃ
 ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التي كنتم توعدون وانھن
 اولیاءکم فی الحیوة الدنیا وفی الآخرۃ کا جو حامل اور ترجمہ ہے جو ان الفاظ
 کو خدا فی کلام یقین کرتے ہیں، واقعہ تو یہ ہے کہ طبعی تائیدوں کے ان ملکوتی مظاہر کے متعلق شک اندازی
 کرنے کے لئے ان کے لئے گنجائش ہی کہاں چھوڑی گئی ہے، بدر کے میدان سے مسلمانوں کو اسی قرآنی خبر
 کا تجربہ قدرت کراتی چلا آ رہی ہے اور جو بھی رہنا اللہ پر قدم ہما کر ڈٹ جائے گا اس کو کسی نہ کسی
 شکل میں اسی قسم کے تجربوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے، بقول شخص ۵

عاشق کو شہد کہ یا ربجا لٹل نظر نہ کرو اے خواجہ درویش و گرنہ طلبیب بہت

حقیقت تو یہی ہے کہ شیرشاہ کی زندگی عبرتوں اور بصیرتوں کے اسباق سے مالا مال ہے۔
 انوس ہے کہ پانچ سال کی محدود حکومت کو دیکھ کر لوگوں کی توجہ اس بادشاہ کے کارناموں پر متنی
 نہ ہوئی جس کا دستِ حق ہے۔ ہندوستان کے عہدِ اسلامی کے سب سے زیادہ باخبر عالم حضرت مولانا
 سید عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظمِ ندوۃ العلماء کی یہ بات فقیر کے حافظہ سے نہیں ملتی۔ گفتگو کرتے
 ہوئے حضرت والائے ایک دن فرمایا کہ لوگ آئینِ اکبری کے اس راز سے عموماً ناواقف ہیں کہ
 آئینِ شیرشاہی کا وہ ایک چربہ ہے تاریخِ ہی کے طلبہ کے لئے شیرشاہ اور اس کی حکومتِ مستحق
 التفات خاص نہیں ہے بلکہ ہندوستان کی حکومت جس زمانہ میں بھی جن لوگوں کے سپرد ہو چاہے
 کہ شیرشاہی مجاہدات اور سامعی سے وہ روشنی حاصل کریں۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہ وسلم ۷ بغضِ امانہ

کیسی عجیب بات ہے شیرشاہ کے بعد وہی پٹھان جن میں مجازی زندگی کی ماضی اور وقتی
 ہر دو لگتی تھی، دوسرے مرنے والوں پر قیاس کر کے ان ہی مرے ہوئے پٹھاؤں نے تراشے ہوئے
 پتھروں کا ایک ڈھیر موزوں اور مناسب ترتیب کے ساتھ ان کی ہڈیوں کے دفن پر جمع کر دیا
 جو آج شیرشاہ کے روضہ کے نام سے مشہور ہے، حالانکہ نہ یہ عمارت ہی شیرشاہ ہے اور نہ شیرشاہ کا نام
 جو اس عمارت کی نسبت سے نماؤں پر آتا یا کتابوں میں لکھا جاتا ہے وہی نام خود شیرشاہ ہے۔
 مرنے والوں کی زندگی کا رازِ مرنے اسی مسلکِ عشق میں پوشیدہ ہے جس کی طرف اشارہ کرتے
 ہوئے عارفِ شیراز نے فرمایا

از مدامتِ سخن عشق نہ دیرم خوش تر یادگارے کہ دریں گنبد دوا رہا نہ

(بقیہ صفحہ ۵۳) صدائے آواز اور ذکرِ بہت ہی کڑی عیائی ہیں۔ بہر حال یہ سب اسلام کے غلات کیں گاہیں ہیں۔
مقامی حکومتیں | دوسری رکاوٹ جو پہلی سے زیادہ خطرناک ہے مقامی حکومتیں ہیں۔ یہ حکومتیں خواہ مسلمانوں پر
 ہیں مگر اس سلسلہ میں خوش خبری کی بات یہ ہے کہ یہ مقابلہ ذرا دیر سے ہوا اور اس وقت شروع ہوا جب اسلامی تحریکیں
 نے بڑھکڑلی۔ اس لئے امید ہے کہ انشا اللہ اس کا اثر محدود ہوگا۔

یہ ضرور ہے کہ ابھی کچھ دنوں کے لئے ایسا تغذائے والا ہے جو کچھ تاریک ہوگا اس کے بعد اسلام کا مستقبل
 روشن ہوگا اور آپ کی سرگرمیاں مثبتی بڑھیں گی اتنا ہی مستقبل قریب آتا جائے گا۔
 یاد رکھئے آپ کے ساتھ تین طاقتیں ہیں۔ ایک مکمل دین۔ ایک نو خیز امت۔
 اور حقائقِ کائنات کی مدد۔ اللہ آپ سب کے ساتھ ہے!

سفرِ مصر

(مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

(ترجمہ عتیق الرحمن سنہ ۱۴۰۳ھ)

مصر کی عدالت اور انخوان المسلمین کے مقدمہ کا ایک منظر

یکشنبہ ۲۷ مارچ ۲۰۲۲ء - ۲۸ مارچ ۲۰۲۲ء

برادر عزیز عبداللہ حقیقی عراقی آگئے اور ہم حسب قرار داد ان کے ساتھ عدالت دیکھنے گئے، وہاں کچھ انخوان المسلمین کے مقدمہ میں انخوان کی طرف سے اسٹاذ سعید رمضان کی بحث تھی، میرا جی چاہتا تھا کہ مصری عدالت میں کسی مقدمہ کی کارروائی بھی دیکھی جائے کیونکہ یہ بھی کسی ملک کی زندگی اور اس کے نظم و نسق کا ایک شعبہ ہو۔ بہر حال ہم کچھری پہنچے اور سٹریوں نے ہماری جیب تلاشی کے بعد اندر جانے کی اجازت دی عدالت کے کمرہ میں پہنچے تو دیکھا کہ طالب علموں، فوجیوں اور خواتین اور دکاندار کی ایک بڑی تعداد موجود ہو، یہاں محافظ پولیس کے لوگوں سے ہم نے اپنے متعلق ایسے خیر مقدمی کلمات سنے جن کا اپنے ملک کی کچھریوں میں سننا ناممکن تھا، ہمارے یہاں کی کچھریوں کے لیے تو شاید یہ ضروری ہو کہ وہاں کی فضا رعب و دہشت اور ترس و ڈر سے بھری ہوئی ہو، اس کے برعکس یہاں ہم یہ الفاظ سن رہے تھے "یہ ہمارے ہمان ہیں"۔ "اے آمدنت باعث آبادی ما"۔ کچھ بھی سہی، یہ تو حقیقت ہو کہ شاد باشی اور سبک روحی، عربی طبیعت کا جزو لا فک ہو۔ ہمارے نظر اٹھی تو سامنے دیکھا کہ ٹھیک کر سئی عدالت کے اوپر دیوار میں ایک تختی نصب ہو جس پر یہ فرمان الہی نقش ہو۔

وَإِذَا حُكِمَ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

(اور جب تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو واجب ہو کہ انصاف کرو)

میں نے کہا کاش اسلامی ملکوں میں بھی فیصلے کی بنیاد ہوتی اور یہاں کی عدالتوں کا بھی دستور شمار ہوتا، اور کاش یہ اہمیت قاضیوں اور ججوں کی آنکھوں کے سامنے رہا کرتی، نہ کہ ان کی پشت کے پیچھے جیسا کہ واقعہ ہو۔

تھوڑی دیر بعد پنج کے ارکان جو تین افراد پر مشتمل تھے تشریف لے آئے، وہ خاص عدالتی لباس پہنے ہوئے تھے، یہ حضرات اگر اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے، پھر مزین آئے اور کٹھنہ کے اندر داخل کر دیے گئے۔

استاذ سعید رمضان کی بحث | عدالت کی کارروائی شروع ہوئی، سرکاری وکیل ایک طرف بیٹھ گیا اور اس کی اثر انگیزی | استاذ سعید رمضان وکیل کی جگہ پر کھڑے ہوئے، استاذ سعید نے بڑی اثر انگیز خطابت اور قابل دید جرات کے ساتھ اپنا کیس پیش کرنا شروع کیا، انھوں نے اپنی بحث حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت ارضی کے قصہ سے شروع کی اور بتلایا کہ وہ کس طرح جنت سے نکلے پھر کس طرح اس دنیا میں حق و باطل کی کشمکش ہوتی رہی اور کس کس انداز میں ”شرارِ بولہبی“ ”چرخِ مصطفوی“ سے سیزہ کا رہا، پھر خلافت اسلامیہ کے مختلف ادوار کو بیان کیا، خلافت کا شباب، اس کا ضعف، اس کا عہدِ پیری، یروش تا مار اور جنگِ صلیب، پھر انیسویں صدی میں یوہپ کی صلیبیت اور اس کی قبضہ گیری، اور استعماریت، اس کے بعد وہ یہودی صلیبیت پر آئے کہ اس کے کیا عزائم ہیں اور اسلام کو اس سے کیا خطرہ ہو، پھر انھوں نے بتایا کہ اخوان المسلمین کی تحریک کس طرح اس خطرہ کے مقابل میں آکر کھڑی ہو گئی، اور ثابت کیا کہ اخوان کا موقف مجاہدین کا موقف ہو نہ کہ مجرموں اور باغیوں کا!

اپنی بحث میں وہ اس قدر آیات و احادیث سے استہنا و کر رہے تھے کہ عدالت کی فضا میں دینی فضا کا رنگ پیدا ہو گیا، حاضرین کے دل اٹھنے لگے اور ایسا سا بندھا کہ لوگ تھوڑی دیر کے لیے یہ بھول کر کہ وہ عدالت کے کمرہ میں ہیں۔ ایسا محسوس کرنے لگے کہ وہ کسی دینی و خطا یا سیاسی مسئلہ میں ہیں۔ یہ منظر ایک طرف فاضل وکیل کی قوتِ بحث اور ایمانی حرارت پر دلالت کر رہا تھا، اور دوسری طرف اس بات کا پتہ دے رہا تھا کہ فضا اخوان کے حق میں ہو، پھر جب فاضل وکیل نے پنج کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے ان کے جذبہ رحم و عدل سے اپیل کی اور ان کے ایمانی احساس اور دینی شعور کو چھیڑ کر بیدار کرنے کی کوشش کی۔ جو بہر حال مسلمان تھے۔ تو پورا مجمع ہل گیا، حتیٰ کہ جب انھوں نے

اپنا صلح لزمین کی طرف موٹا اور انھیں صبر و استقامت کی تلقین کی اور کچھ بر محل آیات و احادیث سنائیں تو بند ٹوٹ پڑا، آنکھیں بہہ نکلیں اور آنسوؤں کی بھڑیاں لگ گئیں اور بعض گوشوں میں خصوصاً عورتوں کی جانب سے آہ و بکا کی دلدوز آوازیں بلند ہو گئیں اور ہم غیر معمولی تاثر لے کر عدالت سے نکلے۔

شیخ حسن البنا، کے والد ماجد شیخ احمد بن عبد الرحمن البنا، کی خدمت میں

ایک عجیب اتفاق ہوا کہ ہم عدالت دیکھنے کے بعد انھوں نے مرشد عام شیخ حسن البنا، شہید کے والد ماجد شیخ احمد بن عبد الرحمن البنا، کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم ہندوستان میں ان کو الفتح الربانیؑ کے مولف اور ایک خادم حدیث کی حیثیت سے جانتے تھے، پھر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اساتذہ کے والد ماجد ہیں، اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہو کہ لوگ عام طور پر اپنے باپ کی وجہ سے مشہور ہوا کرتے ہیں لیکن یہ ان لوگوں میں ہیں جن کی شہرت اپنے بیٹوں کی وجہ سے ہوتی ہو۔ ہم نے ان کے دروازہ پر دستک نہی تو شیخ خود ہی کھل کر آئے۔ کچھ تقاضائے سن اور صدقات ملے اور کچھ پڑھنے لکھنے کے شغل نے انھیں بہت کمزور کر دیا ہو،۔ ہمیں انھوں نے ایک حجرہ میں لے جا کر بٹھایا جو کتابوں سے اُٹا ہوا تھا، پھر گفتگو میں ہمیں معلوم ہوا کہ جیسے وہ منہ امام احمدؒ کی ترتیب اور منہ ابوداؤد و طیالسی کی خدمت کر چکے ہیں جبکہ انھیں ایک ہندوستانی چھاپہ کار نسخہ مل گیا تھا، ویسے ہی آج کل منہ امام شافعی کی ترتیب میں مشغول ہیں۔ اس نشست میں ہم نے علماء ہند کے متعلق بھی ان کے ارشادات سنے۔ ان کے علمی انہماک و شغف اور ان کی مساعی علیہ کے بہت معترف اور مداح تھے، اسی دوران میں شیخ نے عربی قومہ سے ہماری تواضع بھی فرمائی۔

۱۔ اس بحث کی تاثر کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہو کہ جو بیچ اس مقدمہ کی سماعت کر رہا تھا چند ماہ بعد اس کا ردیائے ہو کر انھوں نے دفتر میں پہونچا اور انھوں نے رکنیت کے رجسٹر میں اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ لکھے ”كنتُ اُحاکمهم فاصبحتُ منهم“ ایک وقت وہ تھا کہ میں ان کے مقدمہ میں جج تھا اور آج میں انھیں میں کا ایک ہو گیا ہوں۔

۲۔ یہ منہ احمد بن حنبل کی ترویج جو ابواب فقہ پر اور مولف کی سعی و محنت کی ایک زندہ یادگار۔

شیخ حسن ابنار کے حالات | میں نے موصوف سے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی زبان سے آپ کے
فرزند راجہ شہید اسلام شیخ حسن ابنار رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات سنیں
اور خاص طور پر ان کے بچپن اور جوانی کے متعلق کچھ معلومات حاصل کریں! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو ولا یبغضک
مثل منہ ۲ اور نہیں تباہ کرتا تجھ کو کوئی خیر رکھنے والے کی طرح، انھوں نے ازراہ عنایت منظور فرمایا، اور
تغصیب کے ساتھ ان کا حال بیان کیا۔

فرمایا کہ ایک عرصہ تک میرے یہاں کوئی بچہ نہیں پیدا ہوا، یہاں تک کہ مجھے بچہ کی تمنا ہونے لگی۔
تب میں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے ایک فرزند صالح عطا فرمائے، اسی زمانہ میں میری نظر
ایک چھوٹے سے بچے پر پڑی جو نماز پڑھ رہا تھا وہ مجھے بہت ہی بھلا معلوم ہوا، تب میں نے مزید عرض کیا کہ
وہ ایسے ہی نماز پڑھنے والا ہو جیسے یہ بچہ پڑھ رہا ہو اور ہر لحاظ سے بہت ہی اچھا (حسن) ہو! میری یہ
دعا قبول ہوئی، اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بچہ عنایت فرمایا، اور میں نے اس کا نام حسن رکھا۔ اس لیے کہ جب
میری شادی ہوئی تھی تو میری والدہ نے میری بیوی کو ام حسن کہہ کے پکارا تھا، یہ بچہ جب چار سال کا ہوا تو
میں نے اس کو کتاب شروع کرا دی، وہ برابر ترقی کرتا گیا، یہاں تک کہ تین سالوں کے علاوہ باقی تمام
قرآن مجید حفظ کر لیا، میں نے ارادہ کیا کہ اس کو دہنور کے ابتدائی سکول مدرسۃ المعلمین میں داخل کرا دوں،
لیکن یہ مدرسہ صرف ان بچوں کو داخل کرتا تھا جو حافظ قرآن ہوں، میں نے ایک دن حسن کو بلایا۔ وہ
بڑا ہی سعید اور فرمانبردار بچہ تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ بیٹا میں چاہتا تھا کہ تم کو مدرسۃ المعلمین میں
داخل کرا دوں، لیکن تمہارا حفظ قرآن ابھی پورا نہیں ہوا ہو، تب کو کیا ہونا چاہیے؟ اُس نے کہا ابا جان
جو آپ کی مرضی ہو، میں اس کے لیے تیار ہوں، میں نے کہا ایک تھئی لے ڈو، اور پھر میں اُس پر قرآن کا
کچھ حصہ لکھ کر دے دیتا تھا اور وہ یاد کر لیتا تھا، یہاں تک کہ بہت تھوٹے عرصہ میں اس کے بقیہ تینوں پائے
بھی ہو گئے اور وہ مدرسہ میں داخل ہو گیا۔

وہ بچپن ہی سے عبادت کی طریت مال تھا، سال میں تین مہینے رجب، شعبان، رمضان روزے
رکھتا تھا، میں نے اس سے کہا کہ بیٹا تم تو ابھی بالغ بھی نہیں ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم پر روزہ فرض نہیں کیا
ہو پھر تم کیوں اتنی مشقت اٹھاتے ہو؟ اس نے کہا ابا جان مجھے روزے سے طبعی رغبت ہو اور اس میں
مجھے کوئی مشقت نہیں معلوم ہوتی، تب میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ وہ اسی زمانے سے مسجدیں

میرے درس میں بھی شریک ہوتا تھا، اور عبادت گزاری میں بہت سے ادھیڑ عمر والوں اور بوڑھوں سے زیادہ جہت اور جفاکش تھا، اس کو شروع ہی سے نصیحت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی شوق تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ تو بڑا ہی عجیب ہو۔ وہ ایک دن محمودیہ میں نہر کے کنارے تفریح کے لیے گیا۔ وہاں اس نے ایک ہجازی دیکھا کہ تنگی عورت کا مجسمہ ہو، توسیدھا پولیس افسر کے پاس پہنچا اور کہا کہ یہاں ایسے مجسموں کا ہونا کسی طرح مناسب نہیں ہو، بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں یہاں تفریح کے لیے آتے ہیں، لہذا ضروری ہو کہ اس کو توڑ ڈالا جائے، اس پر وہ افسر ہنسنے لگا اور ٹالنے کے لیے اُس نے ایک سپاہی کو ساتھ کر دیا اور کہہ دیا کہ اگر وہ مجسمہ والا راضی ہو جائے تو بھی تم اس کو توڑ دینا، وہ جانتا تھا کہ وہ کبھی راضی نہ ہوگا۔ بہر حال جن اُس سپاہی کو ساتھ لے کر گیا اور مجسمہ والے کو سمجھا بھاکر قائل کر لیا کہ یہ حرام ہو اور نہایت نامناسب چیز ہو، اور پھر توڑ پھوڑ کے برابر کر دیا۔

شیخ نے مزید فرمایا کہ یہاں ہمارے یاں مشائخ صوفیہ و علماء میں سے ایک بزرگ تھے۔ میں نے حجت کو نصیحت کی کہ ان کی خدمت میں حاضری دیا کرے چنانچہ وہ جانے لگا، حتیٰ کہ اُسے اُن نے غیر معمولی تعلق ہو گیا، اور اُن کی صحبت سے اس نے بہت فائدہ اٹھایا۔

وہ جب اپنے مدرسے کے آخری سال میں تھا تو قاہرہ میں دارالعلوم کی نئی تنظیم ہوئی اور اس میں علوم عربیہ کے علاوہ (جن میں دارالعلوم امتیازی شان رکھتا تھا) علوم عصریہ بھی داخل کیے گئے۔ میں نے دارالعلوم کی علمی شان اور شہرت کی وجہ سے سوچا کہ اس کو یہاں سے واپس متعلق کر دوں، چنانچہ میں نے اس سے مشورہ کیا تو پھر آخری رائے یہ ہوئی کہ یہ سال ہمیں پورا کر لیا جائے اور دارالعلوم میں داخلہ کے لیے پوری تیاری کر لی جائے۔ اس کے لیے اس نے کہا کہ اباجان علوم نقلیہ یعنی حدیث و فقہ وغیرہ میں تیاری کرانا آپ کے ذمہ ہو اور علوم ریاضیہ (حساب اقلیدس وغیرہ) میں میں خود تیاری کر لوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر وہ قاہرہ چلا گیا۔

قاہرہ پہنچ کر اسے امتحان کے دن سے پہلے والی شب میں الجبر کے متعلق بہت نکتہ و پریشانی لاحق ہوئی۔ اس مضمون میں وہ اپنے کو کمزور سمجھتا تھا اور ڈرتا تھا کہ امتحان میں فیل ہو جاؤں گا،

شیخ کا تو بیان یہ ہے لیکن جن الباقی رحمہ اللہ نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ وہ مضمون صرف دعو تھا۔

اسی فکر و پریشانی میں اُسے نیند آگئی، دیکھا کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں، حسن! پریشان نہ ہو میں تمہیں وہ جگہ بتلاؤں دیتا ہوں جو امتحان میں اُسے گی۔ یہ کہہ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور نہر کی طرف لے گئے، پھر نہر کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچے اور کتاب کا ایک صفحہ بتلا کر کہا اس کو خوب سمجھ لو اور یاد کر لو! شیخ احمد بن عبد الرحمن البنا کہتے ہیں کہ میرا بیٹا حسن قسم کھا کر کتا تھا کہ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا کہ اس کو وہ سبق یاد ہو گیا ہو، پس وہ امتحان کے لیے گیا اور وہی سبق امتحان میں آیا، چنانچہ وہ نہایت آسانی سے پاس ہو گیا، پھر وہ ہر امتحان میں امتیاز کے ساتھ پاس ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس کا ایک ہم وطن ساتھی جو اس سے دس سال بڑا تھا اُس سے بُری طرح جھگڑنے لگا اور اس نے حسن کو زہر کھلانے اور اس کی آنکھوں میں تیزاب ڈالنے کی کوشش کی، لیکن اس کا ہاتھ خطا کر گیا، چنانچہ زہر تو منہ میں پہنچا ہی نہیں اور تیزاب بھی آنکھوں کے بجائے چہرے پر پڑ گیا، چہرہ زخمی ہوا اور حسن نکلا کر کُٹھ پڑا، بعد میں پتہ چل گیا کہ یہ حرکت اس کے فلاں ساتھی کی تھی اور معاملہ پولیس میں گیا، لیکن بعض اساتذہ نے مجرم کی سفارش کی اس لیے حسن نے معاف کر دیا۔ اور کہا میں چاہتا ہوں کہ اس کا اجر اللہ پر چھوڑ دوں اور اپنی جان بچنے کے شکوے کرنے کے طور پر مجرم کو معاف کر دوں۔

حسن دارالعلوم سے امتیاز کے ساتھ فارغ ہوا اور اسماعیلیہ میں مدرس بنا کر بھیج دیا گیا، وہاں اُس نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا اور اخوان المسلمین کی بنیاد ڈالی، اس وقت اس کا طریق کار یہ تھا کہ مسجدوں اور قہوہ خانوں میں جا کر دینی تقریریں کرتا، لوگوں کو دینی زندگی کی طرف بلاتا اور برائیوں پر تنبیہ کرتا۔ دعوت برابر ترقی کرتی چلی گئی، اور اس کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا کہ ایک وسیع مچان میں اس کا متعلق دفتر قائم کر دیا گیا۔

اسماعیلیہ میں جب دعوت کا کام اتنا ہو گیا تو حسن نے دوسرے اضلاع کی طرف توجہ کی چنانچہ کبھی اسکندریہ میں کبھی السوئی میں، غرض ہر جگہ نہایت سرگرمی کے ساتھ دعوتی دورے کیے، اخوان کی جیستیں قائم کیں، دعوتی تنظیم کی، مسلسل تقریریں کیں، یہاں تک کہ پورے ملک میں جماعت کی شاخیں پھیل گئیں۔ اور اس کو جو طاقت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور لوگوں کے اخلاق اور عام زندگی پر اس نے جو اثر ڈالا وہ سب آپ جانتے ہی ہیں۔

اس کے بعد مرحوم حسن کی توجہ صنعتی اور اقتصادی تنظیم کی طرف ہوئی، اس نے دیکھا کہ بیرونی

سرایہ دار، مصر کی اقتصادیات پر قابض ہیں۔ اور ملک کی صنعت، تجارت، اور معدنی دولت پر جبارہ داری قائم کر کے اہل مصر کا خون چوس رہے ہیں۔ اس چیز نے حسن کو صنعتی کارخانے اور لیڈر کمپنیاں قائم کرنے پر آمادہ کیا۔ اور اس نے ایسے ماہر انجینیر اور میکینک تیار کیے جو کانوں میں کام کر کے قوم کو غیر ملکیتوں سے مستغنی کر دیں۔ حسن کی ان سرگرمیوں سے غیر ملکی باشندوں اور مغربی کمپنیوں کو اپنا مستقبل خطرہ میں نظر آنے لگا اور انھوں نے اس کو اور اس کی جماعت کو ختم کر دینے کی سازشیں شروع کر دیں، اسی دوران میں نقراشی پاشا وزیر اعظم مصر اور جماعت کے درمیان کچھ اختلافات پیدا ہو گئے اور اس مخالفت کا نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ (فادوق) نے نقراشی پاشا سے استعفا طلب کر لیا، اور ان کو مستعفی ہونا پڑا۔

اس دن سے نقراشی، حسن اور اس کی جماعت کا سخت دشمن ہو گیا۔ پھر حبیب فلسطین کی جنگ شروع ہوئی تو یہ دزادات دوبارہ برسرِ اقتدار آئی اور اس نے جماعت کو توڑ دیا۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے، یعنی نقراشی کا قتل، حسن کی شہادت وہ سب کے علم میں ہیں۔

شیخ نے اپنے محنت جگر کا شروع سے آخر تک یہ سارا قصہ اس قدر وقار اور مکت کے ساتھ بیان کیا کہ معلوم ہوتا تھا وہ تاریخی واقعات میں سے کوئی واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ ہم ان کی اس قوتِ قلب اور ایمانی عزیمت سے بی حد متاثر ہوئے، انھوں نے اپنے بچے کو دعوت و جہاد کی راہ میں قربان کر کے اس صدمہ کو جس صبر و تکب اور مجاہدہ عزیمت و استقامت کے ساتھ بھیلایا ہو وہ یقیناً قابلِ رشک ہو۔ ان کے اس حال پر مجھے امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے وہ دو شعر یاد آ رہے ہیں جن میں آپ نے ایسے ہی موقع پر اپنا حال بیان کیا تھا۔

فان تسألینی کیف انت فانی صبور علی ساریب الزمان صلیب

اگر تو مجھ سے پوچھتی ہو کہ میں کیسا ہوں تو سن کہ میں مسکین زمانہ پر صابر اور سخت جفاکش ہوں

یعز علیٰ ان ترفع فی کآبۃ فی شمت عاد اولیاء حبیب

مجھے یہ بات بہت شاق ہے کہ مجھ پر غم و اندوہ کے آثار دیکھے جائیں، اور مجھ پر دشمنیں اور دہشتوں کو ناگوار ہی ہو۔

اس کے بعد ہم نے اجازت چاہی اور اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔

ایک نئی اسلامی نسل کی ضرورت

(از افادات استاذ سعید رمضان صاحب)

سعید رمضان صاحب نے اپنے حالیہ دورہ ہند کے سلسلہ میں دہلی کے ایک جلسہ میں متذکرہ ذیل تقریر فرمائی تھی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زید محمد ہم نے ان کی ترجمانی فرمائی اور سہ روزہ دعوت دہلی کے نامہ نگار نے اس کو نظم بند کیا۔ ہم اس تقریر کو دعوت کے مشکوٰۃ کے ساتھ ہر یہ ناظرین الفرقان کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

اس وقت دنیا کے مسلمان افتخاراً بڑی اور نزاکت کی گھڑیوں سے گزر رہے ہیں، یہ نزاکت تین قسم کی ہے۔

(۱) نفسیاتی (۲) اجتماعی (۳) سیاسی

نفسیاتی کش مکش کا نتیجہ اس وقت دنیا میں اخلاقی انارکی، بے نظمی، بے راہ روی اور انتشار کی شکل میں رونما ہو رہا ہے، کش مکش کا رمی ہتھیاروں سے مسلح ہے، یہ بے راہ روی خدشہ بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے فوری علاج کی ضرورت ہے، یہ سلسلہ مسلم اہل فکر کی عاجلانہ توجہ کا محتاج ہے، اس کے علاج کے لئے محض تحریر یا خطابت کافی نہیں بلکہ سنجیدگی اور گہرائی سے غور کی ضرورت ہے۔

یاد رکھئے! اثر میں ایک کشش، لذت اور ترغیب ہے۔ اب اگر خیر کو اس کا مقابلہ کرنا ہے تو اس کو بھی لازماً مقابلہ میں ایک حلاوت اور چٹائی پیش کرنا چاہئے، بلا ایک مقابلہ بلا سبب ہی کیا جاسکتا ہے نفوس ہی نفوس کو کھینچ سکتے ہیں اور اپنی طاعت کی راہ پیدا ہو سکتی ہے اور جن لوگوں کے کندھوں پر اس کا بار ہے انہیں اس کی ذمہ داری کو محسوس کرنا چاہئے اور ایک زندہ تنظیم سے اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

دعوت کی اشاعت کے لئے سب سے پہلے جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ کہ **تعلق باللہ کی ضرورت** ہے۔

میں طاقت ہوا اور اس طاقت میں زندگی اور گرمی اسی وقت آتی ہے جب اے بیوں کا ربط اپنے مالک سے قوی ہو، انبیاء علیہم السلام کے پاس یہی طاقت تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا جائزہ لیجئے، آپ یتیم تھے، آپ کے

پاس مادی طاقت نہیں تھی لیکن آپ کی تاثیر سے لوگ کس قدر متاثر تھے، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ قریش کو ایسے آدمی نہیں ملتے تھے جن کے بارے میں انہیں یہ گمان ہو کہ وہ حضور کے پاس جیسے جائیں گے ویسے ہی واپس آجائیں گے چنانچہ واقعات گواہ ہیں کہ قریش نے سب طاقتور انسان کا انتخاب کیا مگر وہ بھی مسلم ہو کر پٹا۔ اس وقت ہمیں دراصل ایک ایسی اسلامی نسل کی ضرورت تھی جس کا خدا سے راست بازی کا تعلق ہو۔

داعی کا فریضہ | جو گروہ دعوتِ اسلامی کے لئے کھڑے اس کے لئے ضرورت ہے کہ وہ نرمی و نزاکت کے اختلافات کا مقابلہ کرے۔ دعوت کا اصل مقام دل ہوا اور اس کی گڑبگڑ کو ہلنے کیلئے سبکدستی کی ضرورت ہے، مجھے اس موقع پر ایک لفظانی داعی کا فقرہ یاد آ رہا ہے اس نے کہا تھا جب کسی سے خطاب کرنا ہو تو اس پر اچانک تلے اور نہ ہور دل کی حیثیت گھر کی ہے اور کوئی شخص بھی اپنے گھر پر اچانک تلے کو گواہ نہیں کر سکتا۔ اگر ہم غور کریں تو ہمیں میخانوں میں نہ جانے کتنے نوجوان خرابی ایسے ملیں گے جن کی صلاحیتوں سے اسلام کو فائدہ پہنچ سکے اور جن کی تبدیلی سے بہت بڑا فائدہ دعوت کو پہنچ سکے۔ آج کے مدرسے، آج کا ماحول، آج کی صحافت ادب یا ان کی پرورش نہیں کر رہا ہوں لئے ایک حقیقت بہند انسان کی حیثیت سمجھ کر اپنا سفر شروع کیجئے کہ فساد غالب ہے اور حق کمزور رہے۔

اجتماعی کشمکش اور اس کی علامتیں | دوسری کشمکش اجتماعی ہے جس سے سیری مزید ہے کہ پوری زندگی مسلم نہیں ہے بلکہ ہماری زندگی کا کچھ حصہ اسلامی ہوا اور کچھ غیر اسلامی مسجدیں جاگزیں ہوا ماحول ملتا ہے تو بے اختیار الحمد للہ دلوں سے نکلتا ہے لیکن جوں ہی مسجد سے نکلتے ہیں اور صحافت یا ادب کا کوئی ٹکڑا انہیں نظر آتا ہے تو لاجول ولاقہ الا باللہ کہنا پڑتا ہے، یہ تضاد ختم ہونا ضروری ہے اور یہ بات واضح ہونا ضروری ہے کہ اسلام ہر دو کا نہیں کل کا نام ہے جسے کل کا کل ہی قبول کرنا چاہئے۔ اس خرابی کا اصل سبب ناقص دینی تربیت ہے، لوگ اپنی اپنی جگہ اجڑا پھٹے ہوئے ہیں، اس کا علاج یہی ہے کہ نظامِ کامل کی حیثیت سے اسلام کو پیش کیا جائے لوگ اپنے مسائل کا حل اس میں تلاش کر سکیں اور لوگ یہ سمجھ سکیں کہ اسلام کا ان کی زندگیوں سے رشتہ بندھا ہوا ہے، یہ بات میں مصلحت و وقت کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ شریعت کا ملہ اتری ہی اس لئے ہے۔

اختلافات کے گمراہ کی ضرورت | خدا سے ربط اور نرمی کے ساتھ ایک ایسی کوتاہی سیری اس بات پر بھی توجہ ضروری ہے کہ وہ اختلافی چیزوں سے بچے اور اس کا رویہ چمکانہ ہو فتویٰ و کلامی اختلافات کا زمانہ بیت گیا، ان اختلافات کو حل کرنے کی کوشش کسی نئی اختلافی راہ کو پیدا کرنے کا سبب بھی بن سکتی ہے اور ایسی مساعی کسی نئے گروہ کی بنا کا بھی سبب بن سکتی ہیں شیخ حسن البنا شہید اور اخوان المسلمون کی

کامیابی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ اختلافی مسائل سے بچ کر نکل گئے مصر میں جب عورتوں کے چہرے چھپانے کا مسئلہ چھڑا ہوا تھا اور اس کے جواز اور عدم جواز پر علما میں بحثیں ہو رہی تھیں ایک جلسہ میں کسی نے حسن البناؒ سے اس مسئلہ پر ان کی رائے دریافت کی انھوں نے جواب میں کہا کہ آج سڑک پر چلنے والی عورت سر سے پاؤں تک عریاں ہے پہلے اس کا ہم چھپاؤ اس کے بعد چہرے کی بات کرنا اور شہید حسن البناؒ نے انجانیوں کو مشورہ دیا تھا کہ کوئی انجانی گھروں میں بھی اس قسم کے مسائل میں نہ الجھے اس موقع پر مولانا علی میاں نے حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے ایک مکالمہ کا حوالہ دیا (قال فما بال القرون الاولیٰ قال علمہا عند ربنا) جس میں فرعون نے داعی توحید حضرت موسیٰؑ کو کسی دوسرے بھت میں ابھانا چاہا لیکن وہ اس سے بچ کر نکل گئے اور اصل موضوع سے نہ ہٹے۔

ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کی فکر و رویوں کے لئے خود ہی غدر تلاش کرے اور اپنی طاقتیں اصولی اور برکزی دعوت پر مرکوز کرے آج جبکہ اسلام کے دشمنوں میں سینکڑوں اختلافات کے باوجود اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلام کو مشادیں تو ہم لوگوں کو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہونا ضروری ہے۔

موجودہ سیاسی کشمکش ایک تیسری کشمکش جس سے ہمیں واسطہ پیش آ رہا ہے سیاسی نوعیت کی ہے ہر ملک کی برسر اقتدار طاقتیں خواہ ان کے کارفرما مسلمان ہوں یا غیر مسلم اسلامی تحریکات کے مخالف ہیں۔ اس مقامی کشمکش کے علاوہ سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اشتراکیت کے دو کمپیوں میں سے کسی کمپ کی مخالفت اور کسی کی تائید کا بھی مسئلہ ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارا ایک تجربہ ہے کہ سیاسی استقلال اور آزادی کے مرحلے تک اسلام کا نام استعمال کیا جاتا ہے گویا یہ ایسا سکہ ہے جو حجازی منڈی میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن کامیابی کے بعد اس کی پہلی ضرب اسلام ہی پر پڑتی ہے اس صورت حال کا ختم ہونا ضروری ہے مصر، انڈونیشیا اور پاکستان میں یہی کچھ ہوا۔ انڈونیشیا کے وہ لیڈر جو آج برسر اقتدار ہیں اور جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں کل آزادی کی جدوجہد کے وقت اللہ اکبر کے نعروں سے اپنی کارروائی کا آغاز کیا کرتے تھے یہی حال پاکستان کا ہے اس صورت حال کا علاج یہ ہے کہ نئی نسل اسلامی شعور حاصل کرے۔ دراصل ہر ایسی عمارت جس کی بنیاد اسلامی نہ ہو اور صرف اس کی ٹیٹیں اور چنائی اسلامی ہو اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اسلام اقدار و حقائق و عقائد پر ایمان لانے کا نام ہے جو شخص ان پر ایمان نہیں رکھتا وہ اقتدار لینے کے بعد پہلے ہی ترقی ہو اسلام کا لہارہ اٹا کر پھینک دیتا ہے اور جن کے ایمان سے زیادہ واقف ہوتا ہے ان ہی پر سب سے زیادہ شدت سے حملہ کرتا ہے جلال جلدینا مر کی مثال ہمارے سامنے ہے آج یہ شخص جماعوان کے خون کا اتنا پیاسا ہے جتنی میں انجانی کا دکنوں سے بہت زیادہ قریب تھا، سو نہ کی جنگ میں جلال جلدینا مر کہ سب سے زیادہ جتنی شخص

پر بھروسہ تھا وہ یوسف طلعت تھا اور اب اقتدار کے بعد جن لوگوں پر اس نے سب سے پہلے وار کیا ان میں یوسف طلعت نمایاں ہیں۔

دوئیں سے کس کیمپ میں؟ آخری سوال یہ ہے کہ ان دو کیمپوں سرمایہ داری اور اشتراکیت جس ہی نہیں ہوتا وہ ایک صاحبِ ہنر نام امت ہیں جو خود اپنی ایک دعوت رکھتے ہیں وہ اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ اگر اپنے آپ کو بچان لیں تو خود ایک مستقل کیمپ بن جائیں۔ مجھے اپنے اس دور سے میں بار بار یہ خیال ہوا کہ اگر ہمارے پاس مخصوص سیرت و صلاحیت کے ۲۰ طاقتور مبلغ ہوں اور وہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک آئیں جائیں تو نصف بدل سکتا ہے اور اس ڈھیلی دھالی امت جس ایک نئی امت نکل سکتی ہے۔

نہیں ہونا امید! انڈونیشیا سے چلنے کے بعد میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جب میں نے یہ نہ محسوس کیا ہو کہ ایسی امت جو خدا کا نام سن کر ٹرپ جانے والی ہو جو اس کی بادی میں آنسو ٹپکانے والی ہو مٹی ذلیل ہو رہی ہو رنگوں میں طلبہ کے ایک جنار میں میری تقریر کے بعد ایک چینی طالب علم نے کس حیرت کا اظہار کیا ہم اپنی کڑھ سے آپ نے ہمیں چھوڑ دیا، یہ ایک زرخیز امر ہے جو آپ کی دسترس میں ہے جن کا بنا خبیثہ ایک مثال دیا کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ کسی تیز رفتار گاڑی کی پٹری بدلنے کے لئے ایک تیسری پٹری کی ضرورت ہوتی ہے، وہ پٹری جس پر گاڑی چل رہی ہے قلوب کی پٹری ہے اور وہ پٹری جس کے سہارے اسے دوسری پٹری پر منتقل کرنا ہے ایمان ہے۔ اس ایمان کے ذریعہ ہمیں قلوب کا زاویہ بدلنا ہے۔

چند لکڑیاں اس وقت اسلام کی راہ میں جو بڑی رکاوٹیں ہیں ان میں بڑی سلطنتیں خاصی اہمیت رکھتی ہیں بعض لوگ خوش فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ اور برطانیہ اسلام کو راستہ دینے اور اشتراکیت کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ یہ طاقتیں اسلام کو جانتی ہیں کہ یہ بھی اتنا ہی خطرناک ہے یعنی اشتراکیت۔ انھوں نے ایسی صدی میں جب اس مردِ ہمارے خاتمہ کی تدبیریں کی تھیں۔ دراصل یہ اسلام کو EXPLOIT کرنا چاہا رہی تھیں اسی لئے وہ اسلام کے گل سے نہیں بلکہ اسکے کسی جزو سے اشتراکیت کا مقابلہ کرنا چاہتی تھیں نہ پورا اسلام ان کیلئے بھی یکساں خطرناک ہے پچھلے سال میں امریکہ میں تھا بھروسے آنریس وہاں کی ایک سیاسی شخصیت کے ملاقات کا موقع ملا شخص اس قدر اہمیت رکھتا تھا کہ مصری سفیر بھی بلا وقت مقرر کے نہیں مل سکتا ہے وہ خود مجھ سے میری قیام گاہ پر ملنے آیا اور کہا کہ تمہاری تقریریں سن کر میں متاثر ہوا ہوں اور تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں کہ کوئی امریکی لیڈر بھی یہ کہے کہ ہم اخوان کو پسند کرتے ہیں تو اس پر ہرگز یقین نہ کرنا۔

واقعہ یہ ہے کہ صلیبی جنگوں سے ابھی تک امریکی مدبرین کے ذہن متاثر ہیں، موجودہ امریکہ کے مدبرین

انتخاب

سرکاری اسکول اور مسلمان بچے | ہندوستان میں رہنے والے طبقوں کو حکومت سے شکایات کرنے بلکہ اس پر نکتہ چینی کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔ جب کسی گروہ کو شکایت پیدا ہوگی تو اس کا دل ملول بھی ہوگا اور دل کی بات زبان پر آجائے گی، پھر اگر حکومت شکایت نہ کی جائے تو کس سے کی جائے؟ کیا یہ مناسب ہوگا کہ دل کی بات دل میں رہے اور کوئی طبقہ ڈر کر اور سہم کر اپنے لبوں پر سکوت کی ہر لگائے رکھے؟ ہمارے خیال میں جمہوریت نے ہر شخص کو یہ حق دیا ہے کہ اگر اسے افسروں کے ہاتھوں کوئی تکلیف ہوئے یا حکومت کی روش سے کوئی شکایت پیدا ہو تو وہ اس کا اظہار کھل کر کئے البتہ شرط یہ ہے کہ شکایت اور نکتہ چینی تعمیری ہو اور واقعات اس کی تائید کرتے ہوں، تخریبی نکتہ چینی سے نہ تو اپنا فائدہ ہو سکتا ہے اور نہ حکومت کو اس کا فرض یاد دلایا جاسکتا ہے تنقید برائے تنقید اور جوں کا اصول ہو تو موثر، شہرہ یوں کا یہ اصول نہ ہونا چاہئے، نکتہ چینی ہو مگر تعمیری اور واقعات کی بنیاد پر اور ساتھ ہی محبت اور نرمی کے ساتھ اور موقع اور محل دیکھ کر تاکہ حکومت بھی اس کا اثر قبول کرے اور شکایت کو دور کرنے پر آمادہ ہو۔

ہمیں اس بات کی شکایت ہے کہ سرکاری اسکولوں میں بنیادینی تعلیم کے تحت جو نصاب پڑھایا جاتا ہے وہ مسلمان بچوں کو موافق نہیں آسکتا، اس کے باعث مسلمانوں میں ہر جگہ تشویش بلکہ بدگمانی کا اظہار کیا جا رہا ہے اور ہمیں اس بارے میں بہت سی شکایات موصول ہو رہی ہیں، لوگ پوچھتے ہیں کہ جسکے تعلیم کے اثرات کا مقابلہ کس طرح ہوا اور مسلمان بچوں کی اسلامیت کو کس طرح بچایا جائے۔ اگر یہ بزرگے دور میں جو نظام تعلیم مروج تھا وہ بھی مسلمانوں کے لئے مفید ثابت نہ ہوا مگر یہ بات ضرور تھی کہ اردو کے اسکولوں کے ذریعہ اس غلامی کی تلافی ہوتی رہی اور مسلمانوں کے نیم سرکاری اسکول بچوں کی اسلامیت کو بہت بڑی

حد تک بچاتے رہے، گراہ اور دوسرے کرامی اسکولوں سے خارج کر دی گئی ہے، اگر اس کا تھوڑا بہت انتظام ہے بھی تو وہ سراسر ہندویت کے رنگ سے رنگا ہوا ہے۔ عام طور پر نصاب کی کتابیں ہندی میں ہیں اور مسلمان بچوں کو لازمی تعلیم کے تحت ان ہی کو لینا پڑتا ہے لیکن یہ کتابیں ہندو کلچر، ہندو دیوالا ہندو اثرات سے بھری پڑی ہیں اور مسلمان کو بھی وہی کچھ پڑھنا پڑتا ہے جو ہندو بچے پڑھتے ہیں، نمکایت یہ نہیں ہے کہ ان کتابوں میں اسلامی اثرات کا کوئی نشان نہیں ملتا، نمکایت یہ ہے کہ مسلمان بچوں کے مزاج میں ہندویت داخل کی جا رہی ہے اور ان پر وہ اثرات مرتب کئے جا رہے ہیں جو اسلام کی من ضد ہیں، دیوی دیوتاؤں کے قصے، رام اور کرشن کی کہانیاں، گائے اور دھرتی ماتا کی پوجا، گیتا اور مہا بھارت کی داستانیں وہ چیزیں ہیں جو خاص ہندو روایات اور کلچر سے تعلق رکھتی ہیں اور جن کو مسلمانوں کا موجدانہ ذہن ایک سکند کو بھی قبول نہیں کر سکتا۔ اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ ساری کائنات انسان کے تابع ہے اور انسان صرف خدا کا تابع، ایک مسلمان زمین سے فائدہ اٹھاتا ہے، جانوروں سے کام لیتا ہے، مگر وہ انھیں اپنے سے اوپر کوئی مرتبہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے مسلمان وطن کی محبت کو اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہے مگر دھرتی کو ماتا کہہ کر کبھی نہیں پکار سکتا، اس کے مذہب نے منع کیا ہے کہ وہ کسی بت یا کسی تصویر کا احترام کرے اور اس کے سامنے جھکے حتیٰ کہ پیغمبر اسلام کی بھی کوئی تصویر بنائی جائے تو مسلمان اسے دیکھ کر غضبناک ہو جائیگا اور اس کے سامنے کبھی احترام کے لئے نہیں جھکے گا۔ غرض مسلمان کے مذہبی نظریات بت پرستانہ نظریات سے بالکل جدا ہیں، اس لئے جب وہ نصاب کی کتابوں میں ایسی چیزیں پڑھتا ہے تو اس کی روح کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اب کیا حکومت کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ مسلمان بچوں کو وہ کتابیں پڑھائے جنہیں وہ اپنے مذہب اور ملک کے خلاف سمجھتے ہیں؟ کیا سیکولر ازم کا یہ مطلب ہے کہ کتابوں میں اسلامی اثرات کا تو نام و نشان تک نہ ہو اور انھیں ہندو روایات و نظریات سے بھر دیا جائے؟ بلاشبہ ایسی کتابیں ہندو بچوں کو ضرور پڑھانی جائیں گی لیکن یہ خیال رکھنا چاہئے کہ نظریات کے اعتبار سے مسلمان بچے، ہندو بچے، اور ہندو بچے مسلمان بچے نہیں ہیں!

مثال کے طور پر ہم الہ آباد کے ایک اسکول کا ذکر کریں گے، اس گورنمنٹ اسکول میں نوے فیصد مسلمان بچیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں، پہلے اس اسکول میں اُڑو کی بھی تعلیم کا انتظام تھا اور ساتھ ہی مذہبی تعلیم کبھی گراہ اس میں اُڑو اور مذہبی تعلیم کا کوئی نشان باقی نہیں رہا ہے صرف ہندی پڑھانی جاتی ہے

کوئی برج نہیں اگر ہندی ذریعہ تعلیم ہو کیونکہ وہ سرکاری زبان ہے جسے ہر ہندوستانی کو سیکھنا چاہیے۔
 مگر شکایت یہ ہے کہ ان کتابوں پر ہندو دھرم کا رنگ غالب ہے۔ اسی پر بس نہیں مسلمان لڑکیوں
 کو کرشن کی گوی بنایا جاتا ہے کبھی انھیں رام لچھمن اور سیتا بنا کر نائک کرایا جاتا ہے، جہنڈا گیت تو
 عام بات ہے اور پراگھنا کے بعد جے جے کے نعرے گوانا بھی تعلیم کا جزو اب مسلمان سخت پریشان
 ہیں کہ وہ کیا کریں اور اپنی بچیوں کو انہی اغرات سے کس طرح بچائیں؟ ہم مان لیتے ہیں کہ حکومت
 کی یہ پالیسی نہیں ہے کہ مسلمان بچے ایسی کتابیں پڑھیں جو ایک فرقہ کے نظریات کی حامل ہوں اور نہ
 ان کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان بچوں سے ہندوانہ کھیل کرائے جائیں، مگر یہاں سوال پالیسی اور
 خواہش کا نہیں بلکہ عمل کا ہے اور عمل یہ ہے کہ محکمہ تعلیم نے ایسی ہی کتابیں منظور کر رکھی ہیں جن کے
 ہر صفحہ پر ہندو روایات کا رنگ موجود ہے اور پھر اسکولوں میں جو بچہ مقرر کئے جاتے ہیں وہ خود
 بھی حکومت کی پالیسی اور سیکولرزم کو ڈائنامیٹ کرتے ہیں اور زبانی بھی ایسی باتیں بتاتے اور
 ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن کو مسلمان بچوں کی اسلامیت کبھی برداشت نہیں کر سکتی، یہ معاملہ اس
 حد کو پہنچ گیا ہے کہ بہت سی دینی کونٹین کو بھی اس پر احتجاج کرنا پڑا اور مسلم اخبارات بھی
 مجبور ہوئے ہیں کہ اس کے خلاف حکومت سے احتجاج کوں، اگر صورت حال یہ ہے تو ہم مجبور
 کا پورا احترام کرتے ہوئے حکومت سے دریافت کریں گے کہ وہ اپنی روش کو کب بدلتے گی
 اور مسلمان کب تک احتجاج کرنے پر مجبور رکھے جائیں گے؟



گاندھی کانٹن

فائنل اقدام شیرپائین سنگ کا نام تبلیغ میں محفوظ ہو گیا

اس کا پس منظر قوت و توانائی ہو

قوت و توانائی کا سرچشمہ "مارالحم" ہے!

ایجنسیاں :- (۱) مشہور یونانی دوا خانہ رام نگر، مادہ (۲) ۵۵۵ کننگ اسٹریٹ کلکتہ
 (۳) بی۔ کے۔ ایم عبدالحق دار کو لمبو

دوا خانہ طلبیہ کانج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

3
کتاب



ہماری دعوت

لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
 اسی گمراہ اسلام کی بنیاد جو اور ہمارا ایمان جو کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ
 لیکن یہ صرف ایک ہل ہی نہیں جو بلکہ ایک شہادت ایک اصول اور ایک ہم پل ہے جو
 اس بات کا عہدہ کہ صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی تعمیل
 اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں گے اور اس سال پر پیش گئے اور مر جائیں گے
 جو لوگ اس گمراہ ایمان لائے بغیر ان کا فرض جو کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمان
 زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا
 حمد کرتے ہیں اسی کی دعوت ہے جس اور اسی پر مبنی اور رہنا چاہتے ہیں۔
 قَاطِبَ السَّعْدِیِّ وَالْأَرْضِ اَنْتَ وَلِيُّ بَنِي اَدَمَ اَعْلٰی وَاٰخِرُہٗ
 شَوْہِدِیْ سُبْحٰنَا وَتَعَالٰی عَنَّا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
 "اَوْدَاهُ الْفِرْقَانُ"

میں نے یہ سب نبیوں سے

میرے منظر و بصرانی عفا اللہ عنہ

مولانا محمد منظور نعمانی

اور

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی

تبلیغی تقریریں

ہندوستان اور پاکستان کے خلف شہروں کے اہم تبلیغی اجتماعات میں کی گئی تھیں۔ اور جن کے مخاطب تبلیغی جماعت کے کارکن، مسلم عوام اور غیر مسلم حضرات ہیں۔ ۱۲ تقریروں سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں۔

قیمت جلد ڈو روپے آٹھ آنے

ملفوظات

حضرت مولانا محمد الیاس جے

مولانا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولانا محمد الیاس کی مجلس اور مخصوص گفتگوؤں سے منتخب کر کے مرتب کیا ہے علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہے، ایک ایک ملفوظات یقیناً اور معرفت کی بلندیوں سے اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

بہترین کتابت و طباعت

قیمت غیر جلد ایک روپہ آٹھ آنے

تصوف کیا ہے؟

مولانا محمد منظور نعمانی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد اویس وی کی مشترکہ تصنیف

جو اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور سادگی کے ساتھ اس کے لحاظ سے اپنے موضوع کی خیم کتابوں کے مقابل میں بہت ممتاز سمجھی گئی ہے۔

۱۵ صفحات، بہترین کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ

قیمت ایک روپہ چار آنے

قادیانیت پر

غور کرنے کا سیدھا راستہ

مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی ایک گفتگو

جن میں صرف یہ تھلا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف ہونے چاہئیں اور مرزا غلام احمد قادیانی میں وہ اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف تھے یا نہیں؟۔ بس یہی ان کو جانچنے اور برکے کا سیدھا اور آسان راستہ ہے۔

قیمت چھ آنے

ملنگ کاپتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ کھٹو

غیر مالک سے
سالانہ چندہ ۱۰ انگلیک
اعزازی خریداروں کو
سالانہ صفحہ

افتان

قیمت فی کاپی ۲۰ روپے آنے

ہندوستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (بسکے ہندوستان، مصر
سالانہ چندہ (بسکے پاکستان سے
سفارشیں سے

جلد ۲۲ | بابۃ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق اپریل ۱۹۳۵ء | شمارہ

| نمبر شمار | مضامین | مضامین نگار | صفحہ |
|-----------|------------------------------------|--|------|
| ۱ | نگاہِ اولیں | علیق الرحمن سنبھلی | ۲ |
| ۲ | قرآنی دعوت | محمد منظور نعمانی | ۵ |
| ۳ | پیغمبر اسلام اور تلوار | ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے پی ایچ ڈی | ۱۳ |
| ۴ | زندگی میں فرد کی اہمیت (تقریر) | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | ۲۳ |
| ۵ | اسلامی رواداری اور مساوات و بے نفی | مولانا سید مناظر حسن گیلانی | ۲۹ |
| ۶ | سفر مصر (ڈاکٹری) | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | ۳۹ |
| ۷ | انتخاب | ادارہ | ۴۷ |
| ۸ | تعارف و تبصرہ | ع. س | ۵۲ |

اگر اس ○ دائرہ میں سرخ نشان لگا، تو

تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بصیغہ دی پی آر سال کیا جائے گا چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ تر سے زیادہ ۱۴ تاریخ تک پہنچ جانی چاہئے۔ پاکستان کے خریدار ہمسایہ چندہ سکریٹری ادارہ اصحاب و تبلیغ اسٹریٹین بلاڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجیں

تاریخ اشاعت ہر سال ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے رسالہ کے ساتھ کمر بھجوا جائے گا

موجودی محمد منظور نعمانی ہندوستان پبلشر نے تئیر پریس گھنٹوں میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ گھنٹوں سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہ اولیں

ممالک اسلامیہ میں پچھلے چند سال سے جو احیاء دین اور احیاء خلافت کی تحریکیں منصفہ شہود پر آئی ہیں ان سے انگریز اور امریکن مدبرین بہت خائف اور فکر مند ہیں اور پوری کوشش اس بات کی کی جا رہی ہے کہ ان تحریکوں کو ناکام بنا دیا جائے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی وہ پروپیگنڈہ ہے جس میں ان تحریکوں کو ممالک اسلامیہ کے موجودہ انتشار و اضطراب کا باعث قرار دیا جا رہا ہے۔ چند ماہ پہلے جب لندن کے ایک اہم اخبار نے اس انتشار و اضطراب کی ذمہ داری ان تحریکوں پر ڈالتے ہوئے یہ سوال بھی کر ڈالا تھا کہ پھر یہ کتنا کتنا تک درست ہے کہ اسلام نظم ملت پیدا کرتا ہے؟ اور اس سوال کی تصویب ہندوستان میں ایک ایسی شخصیت کی طرف سے دیکھنے میں آئی کہ شاید اس شخصیت کے وزن سے بہت سوں کو اس سوال میں وزن محسوس ہونے لگا ہو۔ حالانکہ اس کی حیثیت ایک مفالطہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھی۔ چنانچہ اسی وقت سے خیال تھا کہ اس پر کچھ لکھا جائے مگر ہر ماہ بعض ایسی چیزیں پیش آتی گئیں جن پر لکھنے کا تقاضہ طبیعت میں کچھ زیادہ ہوا اور یہ خیال عملی جامہ نہ پہن سکا۔ آج خیال ہے کہ اس مفالطہ کا پروہ چاک کیا جائے۔

ان ممالک میں انتشار بے شک ہے مگر اس پر یہ سوال کرنا کہ اسلام کے متعلق یہ دعوے کہ وہ نظم ملت پیدا کرتا ہے کتنا تک صحیح ہو؟ ایسا ہی ہے جیسے کسی گھریں پانی رکھا ہوا ہواڑاں آگ لگ جائے اور کوئی دانشمند کہنے لگے کہ ”سوال قدرۃ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دعوے میں اصلیت کہاں تک ہے کہ پانی آگ بجھانے والا ہے؟“۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال قطعاً بھل اور لالچی ہے۔ پانی آگ کو کیوں کڑ بھاسکتا ہے اگر اس سے استعمال نہ کیا جائے؟ اسی طرح اسلام اس انتشار کی آگ کو

کیسے بچھا سکتا ہے اگر اسے کام ہی میں نہ لایا جائے؟

مصر ہو یا پاکستان یا انڈونیشیا ان سب ممالک میں اصل انتشار، دستور و آئین حکومت کے مسئلہ پر پھیلنا ہوا ہے، اگر کسی کو یہ دیکھنا ہے کتنا سلام اس انتشار کو دور کر سکتا ہے یا نہیں تو اس کی واحد صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ان ممالک کا دستور کتاب و سنت کے مطابق بنادیا جائے اور تمام قانون سازی اسی اسلامی دستور کی روشنی میں ہو پھر دیکھا جائے کہ یہ دستور ہی حسل موجود انتشار کو دور کرتا ہے یا نہیں؟ — عقلیت اور منطق کا راستہ تو یہی ہے اور ویسے جو جس کے جی میں آئے انکا کرے۔

یہ تو ہوا اس سوال کا جواب کہ اسلام نظم و منت پیدا کرتا ہے یا نہیں؟

اب رہا یہ سوال کہ اس انتشار کی ذمہ داری آیا اسلامی نظام کے حامیوں پر ہے یا لاڈلی نظام چاہنے والوں پر — جو اس وقت برسر اقتدار ہیں —؟ تو اگر واقعات کی دیکھ بھال تبصر کی جائے تو اس مسئلہ کا فیصلہ بھی چنداں مشکل نہیں۔

پاکستان کو لے لیجئے، مسلم لیگ نے اس نعرہ اور اس وعدہ کے ساتھ حصول پاکستان کی جدوجہد شروع کی کہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم کی جائے گی اور اس خطہ کے مسلمانوں کو موقع ملے گا کہ وہ اپنی سیاسی اور تمدنی زندگی کی تنظیم اپنے مذہب کی روشنی میں کریں۔ اس نعرے اور اس وعدے نے مسلمانوں کے سوا و اعظم کو مسلم لیگ کی پشت پر جمع کر دیا، مگر حصول پاکستان کے بعد یہ تمام وعدے زیرت طاق لیاں بنا دے گئے۔ اور اسلامی نظام کے ساتھ کہیں معاوضہ اور کہیں منافقانہ روش اختیار کر لی گئی۔

یہی انڈونیشیا میں ہوا کہ جنگ آزادی میں عام مسلمانوں اور دینی جماعتوں کی طاقت کو ساتھ لینے کے لئے اس طرح کے وعدوں کی رشوت دی گئی، ملی بڈا منہر کی فوجی حکومت جب برسر اقتدار آئی تو اس نے بھی انھوں کی زبردست دینی طاقت کو اپنا پشت بناد بنانے اور عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے اسی قسم کی گول بول باتیں کہنا شروع کیں لیکن جب عمل کا وقت آیا تو کچھ اور، اسی انداز سامنے آئے۔

• کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ ایک دم سے تمام اسلامی احکام کا اجرا چاہتے ہیں حالانکہ عملاً یہ بالکل

ناممکن ہے اگر یہ کہنا سراسر جھوٹ، اور محض پروپیگنڈہ ہے۔ ان کے بیانات اور مطالبات دیکھئے تو سب بیک آؤا کہ ہے میں کہ آپ اسلام کی طرف ایک ایک قدم اٹھائیے مگر اٹھائیے تو اہی! اور انھوں نے تو حمایتِ مصلحت کی حد ہی کر دی۔ انھوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ آپ جتنا جتنا ممکن ہو کرتے جائیے اور وہ بھی بلا اعلان کے کیجئے اور ہماری باقاعدہ شرکت کے بغیر کیجئے تاکہ دنیا کی بڑی طاقتیں جو اسلام اور انھوں سے عداوت رکھتی ہیں آپ کی دشمن نہ ہو جائیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اپنی سوچی سمجھی روش میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں کی جاتی۔

بس یہی انتشار کی جڑ ہے

دین سے محبت رکھنے والے مجبور ہوتے ہیں کہ اس روش کے خلاف احتجاج کریں اور مقدمہ کو قوم کی عدالت میں رکھیں، ان سے کہا جاتا ہے کہ خاموش رہو۔ وہ خاموش نہیں ہوتے اور نہونا چاہتے، تو طاقت استعمال کی جاتی ہے جو اندر ہی اندر مزید انتشار کا مواد پیدا کرتی ہے۔ اب بتلائیے اس انتشار کا ذمہ دار کون ہے؟

اور یہ تو ان ملکوں کے انتشار اور افراتفری کا وہ رخ ہے جس میں دینی تحریکوں کو گھسیٹا جاسکتا ہے مگر اس سے کہیں زیادہ سنگین انتشار اور طغیانی کا ایک رخ اسلامی ملکوں میں وہ ہے جس سے دینی تحریکوں کا کوئی تعلق سرے سے ہے ہی نہیں۔ وہ لادینی ذہنیت رکھنے والے سیاسیوں کی آپس کی جنگ ہے اور آج دنیا میں ان ملکوں کی اصل ہوا خیزی اسی کی بدولت ہو رہی ہے۔ پاکستان تین سال سے جو سیاسی تلا بازیوں کا رہا ہے کوئی بتلائے کہ ان میں دینی تحریکوں کا کیا حصہ ہے؟

ماظرین کو اخبارات اور دوسرے ذرائع سے یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ اس ماہ کی ۸ تاریخ کو صبح پانچ بجے دارالعلوم دیوبند کے استاذِ اقدس شیخ الادب والفہ حضرت مولانا محمد اعجاز صاحب (مدظلہ العالی) رحلت فرما گئے۔ راقم الحروف کو بھی حضرت استاذ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے اور دارالعلوم کے چار سال حضرت مرحوم و مغفور ہی کے خصوصی سایہ شفقت و عاطفت میں گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے اس لئے اس خبر جانکاہ سے جو کچھ خدمہ نہ گزر گیا (دینی صفحہ ۵۶ پر)

قرآنی دعوت



تقویٰ (۲)

[اس سلسلے کی اس سے پہلی قسط میں تقویٰ کی حقیقت، اختیار کے ساتھ بیان کرنے کے بعد اس کی تعین و تاکید اور اس کے اختیار کرنے والوں کے لیے دنیا و آخرت کی خیر و فلاح کی خوشخبری سنلے والی چند آیات میں کی گئیں تھیں، آج کی اس قسط میں بھی تقویٰ ہی سے متعلق قرآنی دعوت کے معنی، دوسرے پہلوئوں کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہو۔]

قرآن مجید تقویٰ ہی کو نیکی کی اصل و اساس اور سارے اعمال کی روح قرار دیتا ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہو

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى ۚ
(بقرہ ع ۱۷۷)

لیکن نیکی کی حقیقت تو بس یہ ہو کہ کوئی
اللہ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے۔

اور سورہ حج میں قربانی کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا کہ تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کو مطلوب نہیں ہو اور نہ وہ اس کے پاس پہنچتا ہو، بلکہ دل کا جو جذبہ اور جو کیفیت قربانی کے حکم کی تعمیل کراتی ہو، یعنی تقویٰ، بس وہ مطلوب ہو، اور وہی خدا کے پاس پہنچتا اور قبول ہوتا ہے، اور وہی گویا عمل کی روح ہو۔

لَنْ يَنَالِ اللَّهُ نُفُوسَهُمَا وَلَكُمْ مَا هُمَا
وَلَكِنْ يَنَالُهُ الشَّقْوَىٰ مِنْكُمَا
(الحج ع ۵)

تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ
کو نہیں پہنچتا، اس کے حضور جو کچھ پہنچتا
ہو۔ وہ تمہارے دلوں کا "تقویٰ" ہو۔

اسی لیے ایک اور موقع پر فرمایا گیا ہو کہ اللہ اسی حل کو قبول کرتا جو جس کے کرنے والے میں تقویٰ ہو، اور اس نے وہ عمل تقویٰ کی صفت کے ساتھ کیا ہو، یعنی اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کی فکر اس عمل کی محرک ہو، ارشاد ہو۔

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ (مائدہ ۵) اللہ تقویٰ والوں ہی کے عمل قبول کرتا ہے۔

قرآن مجید میں تقویٰ کی تعلیم و دعوت ترغیبی انداز میں بھی دی گئی ہو اور ترہیبی انداز میں بھی، یعنی بہت سے مقامات پر تو مغفرت و رحمت اور جنت و رضا الہی کی جیسی خوشخبریاں سن کر تقویٰ پر ابھارا گیا ہو اور بہت سی آیتوں میں اسی طرح قیامت اور آخرت کے ہولناک مناظر کا ذکر کر کے انسان کے دل میں تقویٰ اور غور خدا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ پہلے چند ترہیبی آیتیں پڑھیے! — سورہ حج میں ارشاد ہو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ كُمُ
إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ
يَوْمَ تَرْوُفُهُاتُ ذَهَلُ كُلُّ مُصْضِعَةٍ
عَمَّا أَمْرَضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَابٍ
حَمْلَ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَى
وَمَا يُمْسِكُهُمْ إِلَّا عَذَابُ
اللَّهِ شَدِيدٌ ۝

(حج - ۲) ماں اپنے اس بچہ کو بھول جائے گی، اور حمل
والیوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، اور تم دیکھو گے سب لوگوں کو نشہ کی سی حالت
میں بیہوش، اور وہ کسی نشہ سے بیہوش نہ ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہو،
(اس کی ہولناکی اور دہشت سے اُن کا یہ حال ہو گا۔)

اور سورہ لقمان کے آخر میں ارشاد ہو

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ كُمُ ۝

اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو، اور

یَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ
وَلَا مَوْلُوهُ هُوَ جَانِبُ عَنْ وَالِدِهِ
مَنْيَةً إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا
تَغُرُّكُمْ مِثْقَلُ الذَّنْيَا وَلَا
يَغُرُّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ
(نہان ۴)

اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے
بیٹے کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہیں
کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے ماں باپ کی
طرف سے کسی مطالبہ کی ادائیگی کرے گا۔
بلکہ ہر ایک کو اپنی ہی فکر ہوگی۔ یقین کرو کہ
اللہ کا وعدہ بالکل حق اور اٹل ہو، پس یہ

دنوی زندگی میں تم کو دھوکا دے گا اور اسی طرح دھوکہ باز شیطان اللہ کی طرف سے
تم کو کسی فریب میں مبتلا نہ کرے۔

ان دونوں آیتوں میں تو تقویٰ اور خوفِ خدا دلوں میں پیدا کرنے کے لیے قیامت اور آخرت کے
شدائد اور ہولناکیوں کا بیان کیا گیا ہے (اور بلاشبہ یہ ایسا بیان ہے کہ اگر کسی دل میں اس کو سن کر بھی
خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا نہ ہو تو بلاشبہ وہ دل پتھر کا ہے)۔ اور بہت سی دوسری آیات میں
اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے تہ و عذاب کا ذکر کر کے بھی دلوں میں تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی
ہو۔ مثلاً سورہ بقرہ ہی میں ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ
اور ڈرو اللہ سے اور یقین جانو کہ
(مجرموں کو) اللہ بڑی سخت سزا دینے
والا ہے۔ (بقرہ ۲۵)

اسی طرح سورہ مائدہ کے پہلے ہی رکوع میں فرمایا گیا ہے
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ
اور ڈرو اللہ سے، یقیناً اللہ (مجرموں کو)
سخت عذاب دینے والا ہے۔ (مائدہ ۵)

اور صرف ایک آیت درمیان میں چھوڑ کر دوسری ہی آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے۔
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ
مَبْرِعُ الْحِسَابِ
اور ڈرو اللہ سے، اللہ بڑی جلدی
حساب کرنے والا ہے۔

اور دو تین آیتوں کے بعد پھر فرمایا گیا ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
بِذَاتِ الصُّدُورِ اور ڈرو اللہ سے، یقیناً اللہ سینوں کے
پچھے ہوئے راز بھی جانتا ہو۔

اور اس سے اگلی ہی آیت میں پھر فرمایا گیا ہو۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ
بِمَا تَعْمَلُونَ (المائدہ ع ۲) اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ تمہارے
تمام اعمال سے آگاہ ہو۔

بعض مقامات پر تقوے کی تعلیم کیلئے یہ عنوان بھی اختیار فرمایا گیا ہو کہ اللہ کے بند و اللہ سے
ڈرو، تم کو اس کے حضور حاضر ہونا ہو۔ مثلاً سورہ بقرہ میں ارشاد ہو

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَٰهَ
تَحْتَمِلُونَ (بقرہ ع ۲۵) اور ڈرو اللہ سے اور یقین جانو کہ تم سب
اس کے سامنے جمع کیے جاؤ گے۔

پھر دوسرے کوع کے بعد اسی سورہ بقرہ میں فرمایا گیا ہو

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ
مَلَائِكَةٌ (بقرہ ع ۲۸) اور اللہ سے ڈرو اور یقین جانو کہ تم سب
اس کے سامنے حاضر ہونے والے ہو۔

ان سب آیتوں میں تو ترجمہ ہی انداز میں تقوے کی تعلیم اور یقین فرمائی گئی ہو، اب چند آیتیں وہ
بھی پڑھ لیجئے جن میں ترجمہ ہی انداز میں یعنی مغفرت و رحمت اور جنت و رضائے الہی کی خوشخبریاں سنانا کہ
تقوے پر ابھارا گیا ہو۔

سورہ نسا میں ایک موقع پر ارشاد ہو۔

وَإِنْ تَصْلَحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ
كَانَ عَفُورًا رَحِيمًا اور اگر تم اصلاح اور تقوے کا رویہ
اختیار کرو تو اللہ بہت بخشنے والا اور نہایت

ہی مہربان ہو۔ (وہ تمہارے ساتھ مغفرت

(النساء ع ۱۹)

اور رحمت ہی سے پیش آئے گا)

اور سورہ حجرات میں فرمایا

وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ
رَحِيمٌ اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو، اللہ
بہت عفو کرنے والا اور نہایت

ہر بان ہو۔

اور اسی سورہ میں فرمایا۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

اللہ سے ڈرو اور تقوے کی روش اختیار

(انجرات، ع ۱۱)

کرو، تاکہ تم پر تمھارے مالک کی رحمت ہو۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کے لیے مغفرت و رحمت کے علاوہ اپنی محبت و احسان اپنے

پیارے کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد ہے۔

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ ۖ وَاتَّقَىٰ ۖ

ہاں جو پورا کریں عہد اور تقوے کا رویہ

فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

اختیار کریں تو اللہ ان متقی بندوں سے

(آل عمران ع ۸)

محبت اور پیار کرتا ہے۔

اسی طرح سورہ توبہ میں ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

یقیناً اللہ کا پیار ہے اپنے متقی بندوں

(توبہ ع ۱)

پر۔

ان آیتوں میں اہل تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جس محبت و رحمت کی خبر دی گئی ہے اس کا اصل

ظہور تو عالم آخرت ہی میں ہوگا جہاں جمل جہاں کا عالم ہو، لیکن قرآن مجید ہی نے بتلایا ہے کہ کسی درجہ میں

اس کا ظہور اس دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ اس مضمون کی چند آیتیں اس سے پہلی قسط میں ناظرین کرام پرچہ چکے

ہیں۔ ایک آیت یہاں اور بڑھ لی جائے۔ سورہ آل عمران میں ارشاد ہے

إِنْ تَصْبِرُوا وَاتَّقُوا لَا يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ

اور اگر تم انتقال اور تقوے کے ساتھ

کَیْذُكُمْ فَهِنَّ أَرْأَتْ اللَّهَ یَسَا

رہو تو تمھارے ان دشمنوں کی حالوں،

یَعْمَلُونَ مِیْخَطَ ۝

(اور ان کے خفیہ واردوں) سے تم کو کوئی

(آل عمران ع ۱۲)

نقصان نہ پہنچے (کیونکہ پھر اللہ تمھارا

محافظ اور مددگار ہوگا) اور وہ دشمن جو کچھ کرتے ہیں (اور تمھیں نقصان پہنچانے کے لیے

جو خفیہ چالیں چلتے ہیں) اللہ تعالیٰ اس سب کو جانتا ہے اور سب اس کے بس میں ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور بشارت ہو کہ اللہ کے جو بندے صبر و تقویٰ کی روش اختیار کریں گے ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ان کا حامی اور مددگار ہوگا اور ان کی ہر خواہشوں اور برائے نیشوں سے حفاظت فرمائے گا۔

اہل تقویٰ کو ایک خوشخبری قرآن مجید یہ بھی سنا تا کہ موت کے وقت ان کی روح خوش و خرم ہوتی ہو اور قبض روح کے لیے جو فرشتے ان کے پاس آتے ہیں وہ ان کو پہلے سلام کر کے جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔

سورہ نحل میں اہل تقویٰ کو آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں اور لذتوں کی خوشخبری سنانے کے بعد فرمایا گیا ہو۔

كَذَٰلِكَ يُخَبِّرُ اللَّهُ الْمُتَّقِينَ
الَّذِينَ تَتَوَفَّيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ
يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ أَذْخَلُوا
الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ
(نحل ۴۷)

اللہ تعالیٰ ایسی ہی جزا دے گا متقین کو، وہ متقی بندے جن کی روح قبض کرتے ہیں فرشتے خوشی کی حالت میں، کہتے ہیں ان سے تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے سلامتی ہو۔ (اور اس کا

تمہارے لیے فرمان اور فیصلہ ہو کہ) پہنچ جاؤ اس کی تیار کی ہوئی جنت میں اپنے اعمال کے سبب سے۔

نیز قرآن مجید ہی کا بیان ہو کہ اسی طرح آخرت میں جنت کے داخلہ کے وقت بھی وہ فرشتے جو جنت کے نگراں مقرر ہیں، اہل تقویٰ کا استقبال بڑے اکرام اور اعزاز سے کریں گے اور ان کو سلام کر کے اور مبارکباد دے کے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بشارتوں سے ان کو شاد کریں گے۔ پڑھے سورہ زمر کے آخری رکوع کی یہ آیت

وَسَيُقَالُ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا رَبُّهُمْ
إِلَى الْجَنَّةِ ذُرًّا وَحَشَىٰ إِذَا جَاءُوا
فَقَعَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ
خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طَيِّبَةٌ

اور لے جائے جائیں گے متقی بندے جنت کی طرف گر وہ درگاہ وہاں تک کہ جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھولے جائیں

فَاَدْخَلُوْهُمْ اَحْلَادِيْنَ ۝ اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے

سلام ہو تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو، پس داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کے لیے۔

فرشتوں کی طرف سے یہ سلامی اور مبارکبادیں ہوئے اللہ کے یہ متقی بندے اس جنت میں داخل ہوں گے جو اللہ نے انہی کے لیے سجائی اور بنائی ہو (اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ) اور اس وقت ان کی زبانوں پر اپنے مالک کی حمد و شکر کا یہ ترانہ ہوگا۔ وَقَالُوا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقْنَا

وَعَدًا ۙ وَاَوْفَاَنَا الْاَعْرَاضَ

نَتَّبِعُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ فُتِّشْنَا

(ذمر ج ۸)

پھر جنت میں اللہ کے ان متقی بندوں کو جو نعمتیں، اور جو راحتیں اور لذتیں عطا فرمائی جائیں گی حق تو یہ ہو کہ اس دنیا میں ان کا صحیح علم بھی کسی کو نہیں ہو سکتا تاہم ہم نے اس سے پہلی قسط میں جو دو چار باتیں اس مضمون کی درج کی ہیں ان سے جو کچھ اجالی اندازہ ہو سکتا ہو اہل ایمان میں جنت کا شوق اور اس کی طلب و ترپ پیدا کرنے کے لیے بلاشبہ بھی کافی ہو۔ اس سلسلہ میں سورہ ص کی یہ آیت اور پڑھ کر اپنی ایمانی روح کو نازہ کر لیا جائے۔

وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ حَسَنَ مَّآبٍ ۝ اور تحقیق ڈر والوں کو ہو، اچھا ٹھکانہ

جَنَّتٍۭ عَرْضُهَا مِثْقَلَةُ ذَرَّةٍۭ مِّنَ الْمَسْكَةِ ۝ باغ ہیں بسنے کے، کھولے ہوئے ہیں ان

الْاَبْوَابِ ۝ مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا ۝ کے لیے دروازے، بیٹھے ہیں ان میں تکیہ

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍۭ وَ ۝ لگائے، منگاتے ہیں میوے اور شربت

شَرَابٍۭ ۝ وَ عِنْدَهُمْ قُصِرَاتُ

الطَّرِيقِ ۝ اَنْرَابٍۭ ۝ ہذا مآ

تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝

اِنَّ هٰذَا الَّذِيْ رَزَقْنَا مَالَهُۥ مِنْ

فَقَّادٍ ۝

(ص ج ۴)

جس کو کبھی نہ بڑنا نہیں۔

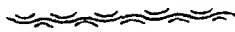
قرآن مجید نے تقویٰ کی تعلیم و ترغیب اور اس کے فضائل و برکات اور اس پر دنیا اور عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات اور بشارتیں سننے کے ساتھ ایک نہایت اہم اعلان تقویٰ کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ بندوں کی چھوٹائی و بڑائی اور ان کی پستی اور بلندی کا معیار اللہ کے نزدیک بس تقویٰ ہی ہے۔ پس جو تقویٰ میں جتنا اونچا اور جقدر ممتاز ہے اللہ تعالیٰ کی نگاہ اور اس کی سرکار میں وہ اتنا ہی اونچا اور اتنا ہی ممتاز ہے۔ اور جو تقویٰ میں جتنا ناقص جتنا ہٹا اور جتنا گھٹیا ہے وہ اللہ کی نگاہ اور اس کی سرکار میں اتنا ہی ناقص اور گھٹیا اور بے قیمت ہے۔

ارشاد ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
أَتْقَاكُمْ (مجموعات ۲۷) وہ جو تقویٰ میں بڑا ہے۔

اور اس کی وجہ ظاہر ہے، کیونکہ تقویٰ ہی بندے کی وہ صفت ہے جو اس کو اُن معاصی اور منکرات سے روکتی ہے جن سے رکنے ہی میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، اور وہی اُن اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کو پیدا کرتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا وابستہ ہے۔

اللَّهُمَّ اِنْتَ نُقُوسُنَا تَقْوَاهَا وَنَزَّكَاهَا اِنَّتَ خَيْرُ
مَنْ نَزَّكَاهَا اِنَّتَ وَلِيُّهَا وَ مَوْلَاهَا



پیغمبر اسلام اور تلوار

از، جناب ڈاکٹر محمد آصف صاحب قذافی ایم اے، پی ایچ ڈی
(ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی نے سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر مختلف مقالات پر قلم
فرمائے ہیں۔ یہ مقالہ انھیں میں سے ایک اور ————— (ادارہ)

لا اکر آة فی الدین

(دین میں کوئی زبردستی نہیں)

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ روشنی کی کوئی کرن پھوٹی ہو اور تاریکی نے اسے نگل جانے کی کوشش
دکی ہو۔ نور و ظلمت کی یہ کشمکش ابدی ہو اور کسی تحیل یا تحریک کا تحسین و تکویم کی تالیف کے ساتھ تحقیر و
تکذیب کی صدائوں سے استقبال نہ کیا جاتا اس کی ناقابل تردید صداقت کی دلیل نہیں بل اوقات
اس کے پوچ اور پھر ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔

اسلام بھی ابتداء سے مختلف غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا نشانہ رہا ہو۔ اور اس کی جس چیز نے
معتزضوں کی جینوں پر سب سے زیادہ شکنیں ڈالی ہیں اور جو ان کی زبانوں اور قلوب کو جنبش میں لانے
کا قوی ترین سبب ہوئی ہو وہ جہاد کا تصور ہے۔ غیر مسلم حلقوں میں عام طور پر اس بات کو یاد کرنے
کا شعور یا غیر شعوری رجحان پایا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں
تلوار لے کر اپنے دین کی تبلیغ کی اور آپ کی روحانی جد و جہد کے پیچھے دراصل لگ گیری اور جہانپانی
کی خواہشوں کی کارفرمائی تھی۔ چنانچہ ”دی نیو ایجوکیٹر انسٹیٹیوٹ پٹیا“ جیسی اہم اور مستند کتاب

بھی اس بے بنیاد بیان کی حامل ہو کہ ”جب محمد کے پیروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا تو انھوں نے اپنے عقائد بزدل و شریر منوانے کی ٹھانی (اور جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔) بالآخر انھوں نے) پورا ملک عبس فتح کر ڈالا“

یہاں جہاد کے نظریہ کی تھوڑی سی تشریح ضروری ہو۔ جہاد کے معنی عموماً جنگ اور قتال کے سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن مفہوم کی یں تنگی قطعاً غلط ہو۔ جہاد کا لفظ (جہد) سے نکلا ہو۔ اس کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں۔ (جہاد) کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ:- ”حق کی بلندی اور اس کی اشاعت اور حفاظت کے لیے ہر قسم کی جہد و جہد قربانی اور ایثار گوارا کرنا اور ان تمام جہانی و ملی و دماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کوئی ہیں اس راہ میں صرف کرنا یہاں تک کہ اس کے لیے اپنی، اپنے عزیز و قریب کے اہل و عیال کی، خاندان و قوم کی جان تک کو قربان کر دینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا، ان کی تدبیروں کو رائیگاں کرنا، ان کے حلوں کو روکنا اور اس کے لیے جنگ کے میدان میں، اگر ان سے لڑنا پڑے، تو اس کے لیے بھی پوری طرح تیار رہنا“

تاریخ سے صرف رسم و راہ رکھنے والوں کو بھی اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں دشواری نہو گی کہ کوئی تحریک محض اپنے پیغام کی حقانیت یا اصولوں کی پاکیزگی کی بنا پر کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس کے پیچھے عیش و آرام اور جان اور مال کے دواؤں پر لگا دینے والوں کی ایک جماعت نہو اور اگرچہ یہ درست ہو کہ کسی تحریک کی کامیابی اس کی صداقت اور انضیلت کا ثبوت نہیں ہو، مبارک سے مبارک تحریک کامیابی کا منہ، اپنے پیروں میں مجاہدانہ جذبات پیدا کیے بغیر نہیں دیکھ سکتی۔

فطرت کا یہ راز دنیا نے آنحضرت صلیم ہی کی وساطت سے جانا اور آپ ہی کی بدولت آپ کی اُمت میں اعلیٰ مقاصد کی خاطر آدمی سود و زیاں کے حدود سے گزر جانے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ یہ جہاد بانفس اور جہاد بالمال ہی کا حوصلہ تھا جس نے مسلمانوں کو مکہ میں سخت ترین مظالم

کو برداشت کرنے کا کلیہ عطا کیا۔ وہ تپتی ہوئی ریگ پر ٹٹائے گئے، ان کے جسم دیکھتے ہوئے لوہے سے داغے گئے، ان کے گلوں پر تلواریں چلیں، تیردوں کی ان پر بارش ہوئی، بھوک اور پیاس سے آزمائے گئے مگر ان کے عزم و استقلال میں ترقی ہی ہوتی گئی، پھر وطن اور عزیز و اقارب سے منہ موڑ کر حبش اور مدینہ کا رخ کرنا پڑا تو کسی کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی۔ دو ربوت کے آخری دس سال مسلمانوں نے مدینہ میں جس طرح تلواروں کے سایہ میں بسر کیے وہ بھی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے جہاد کے معنی صرف تیر و فنگ ہی کے ذریعہ کوشش کرنے کے نہیں ہیں بلکہ تمام نیک کاموں کے لیے تمام جائز طریقوں سے سعی کرنا اس کے تحت میں داخل ہو چنانچہ خود اپنے نفس کے خلاف سعی کرنے کو سب سے بڑا جہاد بتایا گیا ہو۔ ایک روایت میں ہو کہ ایک بار آنحضرت صلعم نے میدان جنگ سے لوٹ کر آنے والے صحابہ کا ان الفاظ سے استقبال کیا کہ ”تمہارا نامبارک! تم چھوٹے جہاد (جنگ) سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو۔ بڑا جہاد بندہ کا اپنے نفس سے لڑنا ہوگا۔“ ایک اور حدیث میں ہو کہ آپ نے فرمایا کہ ”بہترین جہاد یہ ہو کہ تم خدا کے لیے اپنے نفس اور اپنی خواہشوں سے جہاد کرو۔“

اسی طرح تحصیل علم بھی ایک جہاد ہو کیوں کہ اس سے ظلمت کی مپائی ہوتی ہو۔ جہالت ایمان کی سب سے بڑی دشمن ہو۔ اسی لیے بعض علماء نے اس جہاد کو جہاد بالنفس اور جہاد بالمال پر ترجیح دی ہو۔ اسلام کی عظیم الشان ترقی کا راز دراصل ”قرآن اور تلوار“ میں نہیں بلکہ قرآن کی تلوار میں تلاش کرنا چاہیے۔

فلا تطع الکافرین وجاہدہم
تو کافروں کی باتوں میں نہ آ اور

جہاد اکبراً۔
قرآن کے ذریعہ ان سے جہاد کرو بڑا جہاد

(القرآن - فرقان)

اور ظلم، افلاس، بیماری، توہم پرستی، عصبیت اور تمام دوسرے جسمانی و اخلاقی دروہانی

مصائب و معائب کے خلاف محنت و سعی، مبلغ جہاد کا مرتبہ رکھتی ہو۔ ارشاد نبوی ہو کہ: ”ایک بڑا جہاد کسی ظالم قوت کے سامنے انصاف کی بات کہہ دینا ہو۔“

ایک صحابی مین سے سفر کے مدینہ آئے اور دربار رسالت میں حاضر ہو کر شکر اسلام میں شامل کئے جانے کی خواہش کی۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ ”تمہارے والدین زندہ ہیں یا فوت ہو گئے؟“ انھوں نے بتایا کہ زندہ تھے۔ ارشاد ہوا ”تو پھر تم ان ہی کی خدمت میں جہاد کرو۔“ گویا خدمت والدین بھی جہاد ہو۔

عورتوں نے ایک بار جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی تو انھیں جواب ملا کہ ”تمہارا جہاد نیک حج ہو۔“

مختصر یہ کہ مومن کی زندگی جہاد مسلسل ہو۔

زندگی نرم بھی ہو اور گرم بھی، یا شاعر کی زبان میں ”شاخ گل“ بھی اور ”تلوار“ بھی، اسی لیے انسان کو نرم و گرم دونوں قسم کے اخلاق کی حاجت ہو۔ حلم اور رحم، صبر اور ضبط، عفو اور درگزر بڑی خوبصورت صفیتیں ہیں مگر زندگی کے ہر نشیب و فراز میں تو یہ دستگیری نہیں کر سکتیں۔ فراؤ ڈسے نے خوب کہا ہو کہ ”تخت اپنی جگہ پر ایک اچھی چیز ہو لیکن تم اس کو تو برداشت نہیں کر سکتے جو تم کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہو اور تمہاری گردن قلم کر دینے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔“

پھر یہ ضروری نہیں کہ تخت اور ضبط کے پیچھے سمجھ داری اور شرافت ہی کے عناصر ہوں۔ یہ کیفیات مختلف لوگوں میں مختلف دماغی و اخلاقی عوامل کے نتیجے میں پیدا ہو سکتی ہیں۔ گبن نے اس پہلو پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہو کہ ”ایک تخت فلاسفر کا ہو جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں سچے ہیں۔ دوسرا مورخ کا ہو جس کی نظر میں سب یکساں جھوٹے ہیں۔ تیسرا سیاست دان کا ہو جو کل کو یکساں مفید سمجھتا ہو۔ ایک تخت اس شخص کا ہو جو مختلف نظریوں اور طریقوں کو اس پناہ پر برداشت کرتا ہو کہ وہ خود تمام نظریوں اور طریقوں سے مطلق بے نیاز ہو چکا ہو۔ پھر ایک تخت اس

کمزور آدمی کا بھی ہو جو اپنی کمزوری کے باعث ان ہستیوں یا باتوں کی ہر طرح کی توہین و تحقیر برداشت کرنے پر مجبور ہو جھینیں وہ بہت عزیز رکھتا ہو۔“

چنانچہ نرم اخلاق نہ تو ہر حال میں کریم النفس کا پرتو ہیں اور نہ ہی تمام موقعوں پر زندگی کی باگ ڈور ان کے حوالے کی جاسکتی ہو۔ مشہور انگریز مفکر ماہس کی رائے ہے کہ ”فطرت کا اولین قانون یہ ہو کہ امن کو تلاش کیا جائے اور اس کی راہ پر چلا جائے اور دوسرا جو کہ فطرت صاف کا مجموعہ ہے، یہ کہ ہر ممکن طرح سے ہم اپنی حفاظت کریں۔“

اسی نقطہ نظر کی حمایت میں اسٹریٹوی ڈبڑ آر جی، کیسے نے اپنی کتاب ”این اسٹریٹین ان انڈیا“ میں گاندھی جی کے تصور عدم تشدد پر تنقید کرتے ہوئے تحریر کیا ہو کہ یہ تو میری سمجھ میں آسکتا ہو کہ میں دوسروں کے خلاف تشدد نہ استعمال کروں لیکن میں دوسروں کو اپنے خلاف تشدد اختیار کرنے سے کیسے باز رکھ سکتا ہوں؟ یعنی دوسرے الفاظ میں، عدم تشدد کا نظریہ ایک ناکافی اور نامکمل نظریہ ہو اور اس کے سانچے پر افراد یا اقوام کی زندگیوں کو نہیں ڈھالا جاسکتا۔

چنانچہ ہر فرد اور ہر جماعت کی زندگی میں کچھ مواقع ایسے آتے ہیں کہ اسے حلم، عفو، اور اہنسا کے علاوہ ان کے برعکس اخلاقی اوصاف کی بھی ضرورت ہوتی ہو۔

سقراط سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ ”کیا انسان کو جنگوں سے بچات نہ مل سکے گی؟“ تو اس نے جواب میں کہا کہ ”جنگیں اس وقت تک ناگزیر رہیں گی جب تک انسان دیوانگی میں مبتلا رہے گا۔“ اس پر لوگوں نے سوال کیا۔ ”اور انسان کب تک دیوانگی میں مبتلا رہے گا؟“ سقراط نے کہا ”ہمیشہ“

خواجہ کمال الدین نے ”آئیندیل پرافٹ“ میں لکھا ہے کہ ”بند اہسب اور مالک کی توار سنجے یکساں طور پر معلوم ہوتا ہو کہ تلوار کو کبھی بالاعے طاق نہیں رکھا گیا ہو۔ ہندو اقواموں اور اسرائیلی سرداروں نے اسے بے نیام کیا کیوں کہ نہ تو اسرائیلی قانون اور نہ ہندو دھرم کسی معنوں میں اہنسا کا پرچار کرتا ہو۔ امن کے شاہزادہ کا بھی یہی اعلان تھا کہ وہ دنیا کو امن نہیں بلکہ تلوار دینے آیا تھا۔ وہ قانون اور غیروں (دکے کاموں) کو

پورا کرنے آیا تھا۔ اس کے مذہب کے اصول تلوار کے استعمال کی اجازت دیتے تھے۔ اور اس کے (سلسلہ کے) پیغمبروں نے جنگیں لڑی تھیں۔ و حقیقت وہ تلوار ضرور اٹھاتا۔ اگر مناسب اور موقع پیش آتا، مگر ایسا نہ ہوا۔ اور اگر اس نے لپٹس کو تلوار بے نیام کرنے سے باز رکھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ وقت نامناسب تھا، اور تشدد کے استعمال سے اس کو اور اس کے پیروں کو زیادہ نقصان پہنچ جاتا۔ اس کے علاوہ جو حضرت عیسیٰ خود نہ کر سکے وہ ان کے پیروں نے پوری استعداد اور تندہی سے کر ڈالا ہو، اور اس طرح ان کے الفاظ کی صداقت نظر نہ انداز میں ثابت کر رہے ہیں۔ مسیحیہ (کرائسٹم) کا مادی اور ذہنی وسائل کا بہت بڑا حصہ ان ذرائع کی ایجاد میں صرف ہو رہا ہو جو ساری دنیا کو بہترین طور پر آگ اور تلوار کے حوالے کر سکیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو تلوار کا صحیح استعمال بتایا۔ بعض مواقع ضرور ایسے آتے ہیں کہ تمہارا اٹھانا ایک اخلاقی ضرورت بن جاتا ہو۔ جب آزادی پر چوڑے گئے ہونے لگیں یا عبادت گاہ میں خطرہ میں پڑ جائیں یا ابن آدم کی آبرو اور جان اور مال کی کوئی قیمت نہ رہ جائے تو محض تماشائی بن کر تو نہیں دیکھا جاسکتا۔ لیکن بد قسمتی سے تلوار کا استعمال اکثر غلط ہی ہوا ہو۔ خدا کے رسول کا اس طرح یہ فرض تھا کہ وہ امن و جنگ کے موقعوں کو آگ آگ کے دکھائے۔ اور دنیا کی ہدایت کے لیے میدان جنگ کے اخلاقیات کا بھی ایک مکمل اور جامع دستور العمل بہم پہنچائے۔

۳

اسلام نے حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لیے جنگ کرنا جائز قرار دیا ہو اور آنحضرت صلعم کو بھی مجبور ہو کر تلوار سے کام لینا پڑا، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسلام کی کامیابی جنگ و جبر کی کہانی ہو اور لشکر کشی کی اجازت کے پیچھے یہ مقصد تھا کہ دین تلوار کے ذریعہ لوگوں میں پھیلایا جائے تاکہ کوٹھلانے کی ایک منظم سادش کے علاوہ کچھ اور کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

اسلام ایک استدلالی اور عقلی مذہب ہے، اس کے تبلیغ و دعوت کے اصول، حکمت اور

دانشمندی، وعظ اور نصیحت و سہدائ اور مناظرہ پر قائم ہیں۔ اسی لیے پیغمبر اسلام پر جو صحیفہ ربانی نازل ہوا اس نے عقل انسانی کو مخاطب کیا اور غور و فکر، وفہم و تدبر کی دعوت دی۔ پھر چونکہ یہ انہی اشاعت کے لیے دعوت و تبلیغ کا راستہ اختیار کرتا ہوا اور وفہم و دانش و حکمت کا لوگوں سے مطالعہ کرتا ہوا وہ کیوں کہ جبر اور زبردستی کی تدبیریں کام میں لاسکتا ہو۔ اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ دین کی جبری اشاعت کی مذمت کی بلکہ اس نے یہ نکتہ بھی سمجھا یا کہ مذہبِ ضاد و غبت کی چنیر ہو۔ اس کا تعلق قلب و روح سے ہو اور قلب و روح کو زبردستی سے تسخیر نہیں کیا جاسکتا۔ ایمان و اہل یقین کا دوسرا نام ہو اور دنیا کی زبردستی سے زبردست طاقت کمزور سے کمزور انسان کے دل میں بھی یقین کا ایک ذرہ نہیں پیدا کر سکتی۔

وَقُلِ الْمُتَّقِينَ مِنْ رَبِّكُمْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنُوا مِنْ رَبِّكُمْ شَاءَ فَلْيُكْفُرُوا
”اور کہہ دے کہ حق تمہارے پروردگار کا
طرف سے ہو۔ تو جو چاہے قبول کرے اور جو
چاہے انکار کرے“ (سورہ کہف)

لَا اِكْرَاهُ اِلٰى الدِّينِ
”دین میں کوئی زبردستی نہیں حقیقت
گمراہی سے الگ ہو چکی“
الْعَقَبِي (سورہ بقرہ)

نبی کا کام لوگوں کو حقیقت سے روشناس کر دینا ہو۔ اس کو زبردستی منوانا نہیں۔

اِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينِ (مائدہ)

”وہ صاف صاف ہمارا پیغام پہنچائے“

اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ

عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّطٍ (غاشیہ)

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَا اَرْسَلْنَاكَ

عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۚ اِنْ عَلِيَاكَ

اِلَّا الْبَلَاغُ

”پیغمبر تم نے تجھ کو ان پر گناہ نہ بنا کر نہیں بھیجا، تیرے ذمہ صرف پیغام کو پہنچانا دینا ہے“ (شوریہ)

اگر خدا کو دین کی یہ جبر اشاعت ہی منظور ہوتی تو وہ یقیناً اس پر قادر تھا کہ تمام لوگوں کو مسلمان بنا دیتا لیکن اس کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ اس کے بندوں کو مذہب کے معاملہ میں پوری آزادی ہو اور عقل اور بصیرت والے چشمہ نور سے فیضیاب ہوں اور ناتواں فہم محروم نہ رہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآ مَنَّ
مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جِيعًا
أَفَأَنْتَ تُكْذِرُ النَّاسَ
حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔

”اگر تیرا پروردگار چاہتا
کہ دلوں کو زبردستی مومن بنائے،
تو زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے۔
تو کیا پیغمبر تو لوگوں پر زبردستی کرے گا کہ وہ
ایمان لے آئیں“ (یونس)

قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں کسی کا فر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم دیا گیا ہو۔ قرآن کی ہدایت اس کے بالکل برعکس ہو۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ
اسْتَجَارَكَ فَاجْبِرْهُ حَتَّى
يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ
مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ
لَّا يَعْلَمُونَ۔

”اور اگر (کسی) میں (کوئی) مشرک تجھے
پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دے یہاں
تاک کہ وہ خدا کا کلام سن لے پھر اس کو
دہاں پہنچا دے کہ جہاں وہ بالکل بے خوف
ہو کر رہ سکے کہ یہ لوگ بے علم ہیں۔“

(توبہ)

اور نہ آنحضرت صلعم کی سیرت ہی میں کوئی واقعہ ایسا ملتا ہے جو ہودین کی جبری اشاعت کی طرف اشارہ کرتا ہو۔ اس کے برخلاف نرمی، حسن خلق، صداقت و سخاوت، عفو و حلم کے ذریعہ پتھر کو نرم بنا دینے کے لائق اوقات و احوال البتہ آپ کے صحیفہ حیات کے تمام اوراق میں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

چنانچہ غزوہ خیبر کے دوران میں جب آپ نے علم خاص حضرت علی کو عنایت فرمایا تھا تو انھوں نے دریافت کیا کہ ”کیا یہودیوں کو لڑا کر مسلمان بنالیں؟“ آپ نے فرمایا۔ ”نرمی کے ساتھ ان کے

فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا
قتل کیا اس نے گویا سارے عالم کو قتل
(مائدہ) کر ڈالا

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ سَعْيٍ فِي الْأَرْضِ
”اور جب وہ پھر کرجاتا ہو تو کوشش
أَنْ يُعْبِدَ فِيهَا وَيُصَلِّكَ
کرتا ہو کہ زمین میں فدا و برپا کرے
الْحَرُوثَ وَالْأَنْشَلُ وَاللَّهْ
اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے اور لاش
لَا يُمِيتُ الْفَسَادَ (بقرة)
فنا و کو پند نہیں کرتا“

وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَ الَّتِي
”خدا نے جس جان کو حرام کیا ہو
حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (بنی اسرائیل)
اس کو ناحق نہ مارو“

اور جیسا کہ سابق میں بار بار کہا جا چکا ہو اسلام میں نیک و بد کی تشخیص صرف علم و عقیدہ ہی تک محدود نہیں ہو بلکہ وہ بدی کے استیصال اور نیک کی نصرت کی خاطر عملی جدوجہد کا مطالبہ بھی کرتا ہو اور اس کی تدبیریں بتاتا اور اس سلسلے میں احکام صادر کرتا ہو۔ اسلام کا عملی اسلوب فکر انسانی کمزوریوں کو نظر انداز کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہو کہ کمزوریاں ہمیشہ صرف پند و نصیحت ہی کے ذریعہ مٹائی یا دباؤ نہیں جاسکتی ہیں بعض اوقات امن کا مقصد بھی جنگ کے بغیر حاصل نہیں ہوتا ہو۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کے سامنے بھی ایسے مواقع آئے جب تلپین و وعظ کے ساتھ زور بازو سے بھی کام لینا ناگزیر ہو گیا، اور اگر ان صورتوں میں بھی آپؐ نے زبردستی سے ہتھیار ڈال دیا تو دنیا کے لیے ایک ایسی مثال چھوڑ جاتے جن کی اولیٰ تو عمل کرنا ممکن ہی نہ ہوتا اور اگر بغیر محال وہ حامل ہو جاتی تو چند ہی صدیوں میں اس کی شکل ایسی مسخ ہو جاتی کہ تہذیب و تمدن کا نکھار ڈھونڈنے پر بھی نظر نہ آتا۔

اسلام جنگ کی اجازت دیتا ہو مگر صرف ایک عمل جبراحت کی طور پر یعنی ایک ایسی رکاوٹ کو دور کرنے کی غرض سے جو معمولی قدر ابیر سے دفع نہ ہو سکے۔ گویا جنگ ایک ناپندیدہ ضرورت ہو، ایک بلند اور سخن مقصد کے حصول کی آخری تدبیر۔ اس طرح اسلام جنگ کو ہیما نہ کشت و خون کی سطح سے اٹھا کر عبادت کے مقام پر پہنچا دیتا ہو جو جنگ اس عظیم اور ارفع معیار پر نہ آ سکے وہ سراسر قابل نفرت اور رسوائی کا باعث ہو۔

زندگی میں فرد کی اہمیت

ہمارے اصلاحی کاموں کا ایک بڑا خلا

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

حضرت میرا فرقان و مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (دامت برکاتہم) ایک بڑی جماعت کے ساتھ ۲۰ فروری سے ۱۲ مارچ تک کے ایک طویل تبلیغی دورہ پر ہیں۔ خیل میں اسی سلسلہ کی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک تقریر مدینہ ناظرین کی جاری ہے جو موصوف نے ۲۱ فروری کو جوہڑاؤن ہال میں ہندو مسلمانوں کے ایک مخلوط اجتماع میں ارشاد فرمائی تھی۔ اسی سلسلہ کی کچھ اور تقریریں ان شمار اللہ آئندہ اشاعت میں پیش کی جائیں گی۔ (ادارہ)۔

دوستو اور بھائیو! سب جانتے ہیں کہ ہمارے سماج اور موجودہ نظام زندگی میں کوئی خرابی اور کمی ہے جس کی وجہ سے زندگی کی کل صحیح نہیں بیٹھتی اور اس کا جھول نہیں سکتا ایک خرابی دور کیجئے تو چار خرابیاں اور پیدا ہو جاتی ہیں۔ آج دنیا کے بڑے بڑے ملک بھی اس خرابی کے شاک میں ہیں اور محسوس کرنے لگے ہیں کہ بنیادین کوئی خرابی ہے مگر ان کو اپنے پینٹل مسائل سے فرصت نہیں۔ ہم ان مسائل کی ضرورت سے انکار نہیں کرتے مگر ان سب مسئلوں سے زیادہ اہم مسئلہ انسانیت اور آدمیت کا مسئلہ ہے اس لئے کہ ہماری پہلی حیثیت انسان ہی کی ہے اور یہ سارے مسائل اس کے بعد آتے ہیں۔ جن لوگوں کے ہاتھوں میں زندگی کی باگ ڈور ہے انھوں نے زندگی کی گاڑی اتنی تیزی سے چلا رکھی ہے کہ ایک

منٹ کے لئے اس کو روک کر خرابی دیکھنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ ٹھیک پڑی ہو جا رہی ہے یا نہیں اور اس غرابی سے اُس کے مسافروں اور آئندہ نسلوں کے لئے کیا خطرہ درپیش ہے۔ ان کو صرف اس کی فکر ہے کہ اس گاڑی کے چلانے والے وہ ہوں۔ اُن میں سے ہر ایک دنیا کو اس بات کی رشوت دیتا ہے کہ اگر گاڑی کا ہنڈل اُس کے ہاتھ میں ہوگا تو وہ زیادہ سے زیادہ تیز رفتاری سے گاڑی چلائے گا۔ امریکہ اور روس دونوں میں ہر ایک کا دعویٰ ہے اور ہر ایک کا وعدہ ہے کہ وہ اس گاڑی کو زیادہ تیز رفتار سے چلائے گا لیکن کسی کو سمتِ سفر اور مقصدِ سفر سے بھٹ نہیں۔

اجتماعیت کا رجحان | کماں ہو رہی ہے۔ آج دنیا میں بڑی بڑی تنظیمیں ہو رہی ہیں اس وقت اجتماعیت پر بڑا زور ہے۔ ہر کام اجتماعی اور عالمگیر پیمانہ پر کیا جا رہے۔ یہ اجتماعیت ایک خوشگوار اور ترقی پسند رجحان ہے لیکن افراد اور اُن کی صلاحیت ہر اجتماعی کام کی اور ہر تنظیم کی بنیاد ہے اور اس کی اہمیت سے کسی دوسری انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس زمانہ کی خطرناک غلطی یہ ہے کہ افراد کی اہمیت اور اُن کی سیرت و صلاحیت کو بالکل نظر انداز کیا جا رہا ہے عمارت بنائی جا رہی ہے مگر جن اینٹوں سے وہ بنے گی اُن کو کوئی نہیں دیکھتا۔ اگر کوئی یہ سوال جھپٹتا ہے کہ اینٹیں کیسی ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اینٹیں ناقص ہیں، کمزور ہیں مگر عمارت مضبوط اور اعلیٰ ہوگی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سو خراب چیزوں سے ایک اچھا مجموعہ کیسے برآمد ہوگا۔ کیا خرابی جب بڑی تعداد میں جمع ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے میں شامل ہو جاتی ہے تو معجزہ کے طور پر اُس سے ایک عمدہ چیز ظاہر ہو جاتی ہے؟ کیا تلو جرموں اور ظالموں کے مل جانے سے ایک انصاف پرور جماعت اور ایک عدالتِ شہادتِ اوارہ وجود میں آ جاتا ہے؟ ہمیں تو یہ معلوم ہے کہ نتیجہ ہمیشہ مساوی اور مقدمات کے تابع ہوتا ہے اور کُل ہمیشہ اجزا کی خصوصیتوں کا نمائندہ اور مظہر ہوتا ہے آپ صحیح میزان نکالنا چاہتے ہیں تو جب تک اکائیاں ٹھیک نہ ہوں میزان غلط رہے گی۔ یہ کہاں کی منطق اور کہاں کا فلسفہ ہے کہ افراد کو بنانے کی فکر نہیں اور ایک اچھے مجموعہ کی توقع کی جا رہی ہو؟

جبرانہ غفلت | آج کا بچہ تحقیقاتی اداروں، تجربہ گاہوں، تفریحی مرکزوں اور انسانی

زندگی کی ہر حقیقی اور فرضی ضرورت کا انتظام کیا جا رہا ہے مگر ان آدمیوں کے بنانے کا کوئی انتظام نہیں سوچا جا رہا ہے جن کے لئے یہ سب انتظامات ہیں۔ کیا یہ سب تیاریاں ان انسانوں کے لئے ہیں جو سانپ، بچھو، بن کر زندگی گزاریں گے جن کا مقصد زندگی بواہوسی اور بیش بہی کے سوا کچھ نہیں۔ اس دور کے انسان نے ظلم اور جرم کو منظم کیا ہے اور اس بارے میں وہ جانور سے بازی لے گیا۔ کیا کبھی سانپوں اور بچھوؤں اور جنگل کے شیروں اور بھڑیلوں نے انسانوں پر کوئی منظم اور متحد حملہ کیا؟ لیکن انسان اپنے جیسے انسانوں کو فنا کرنے کے لئے تنظیمیں اور ادارے قائم کرتا ہے اور پوری پوری دنیا کو تباہ کر دینے کی اسکیمیں بناتا ہے۔ اس وقت افراد کی تربیت، سیرت کی تعمیر اور انسانیت کی صفات اور اخلاق پیدا کرنے کی طرف سے مجرمانہ غفلت برقی جا رہی ہے یہی کام سب سے غیر اہم سمجھا گیا ہے۔ مشین ڈھالنے کی کتنی فیکٹریاں ہیں۔ کاغذ بنانے کے کتنے کارخانے ہیں۔ کپڑے کے کتنے مل ہیں مگر حقیقی انسان بنانے کا بھی کوئی ادارہ کوئی تربیت گاہ ہے؟ آپ کہیں گے یہ تعلیم گاہیں، کالج اور یونیورسٹیاں لیکن بے ادبی معنا وہاں انسانیت کی تعمیر اور فرد کی تکمیل پر کتنی توجہ کی جاتی ہے، یورپ اور امریکہ نے کتنے بڑے صرف اور کتنے بڑے ساز و سامان سے ایٹم بم بنایا۔ اگر اس کے بجائے وہ ایک فرد کا مل بنانا تو دنیا کے لئے کتنا مبارک ہوتا۔ مگر ادھر کسی کا ذہن نہیں جاتا۔

ہماری غفلت کا خمیازہ | ہمارے ملک ہندوستان تاریخ میں بڑا مردم خیز ملک رہا ہے۔ اس نے بڑے کامل افراد پیدا کئے ہیں مگر اب صدیوں سے

اس کی طرف سے غفلت برقی جا رہی ہے، یہیں کتنا بڑا ہے کہ مسلمانوں نے بھی اپنے دور حکومت میں اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لیا۔ ان کی حکومت اگر خلافت راشدہ کا نمونہ ہوتی اور وہ اس ملک کے منظم اور حکمران ہونے سے زیادہ اس ملک کے مرقی اور اخلاقی معتم ہوتے تو آج اس ملک کی اخلاقی حالت یہ ہوتی اور وہ اس ملک کی ولایت اور انتظام سے سبک دوش نہ کئے جاتے۔ پھر انگریز آئے۔ ان کی حکومت تو صرف اسپنج (SPUNGE) کی طرح تھی جس کا کام یہ تھا کہ گنگا کے دہانے سے دولت چوس کر ٹیمپ (TAMES) کے کنارے اگلے سے ان کے عہد میں اس ملک کا اخلاقی انحطاط کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ اب ہم کو آزادی ملی یہیں

چاہئے تھا کہ ہم سب سے پہلے اسی بنیادی مسئلہ کی طرف توجہ کرتے آکيا یہ ملک کبھی آزاد نہیں تھا؟ پھر وہ آزادی کی دولت سے کیوں محروم ہوا؟ اپنی اخلاقی پستی اور اخلاقی کمزوریوں سے ! مگر افسوس ہے کہ سرکاروں اور روشنی کی طرف بھی جتنی توجہ ہے اتنی بھی توجہ اس بنیادی کام کی طرف نہیں ہے

این شرم دان " اور بھودان سحر کیوں کا بڑا قدر دان ہوں لیکن ہر اصلاحی کام کی بنیاد میں اپنے اس عقیدہ کو نہیں چھپا سکتا کہ اس سے بھی پہلے کرنے کا کام اخلاقی اصلاح اور صحیح احساس پیدا کرنا تھا۔ یہیں تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بہت قدیم دور میں زمینیں واجبی طور پر تقسیم کی جاتی تھیں اور کوئی کوئی دور تو ایسا گذرا ہے کہ ہوا اور پانی کی طرح زمین کو بھی ایک ضرورت کی چیز اور انسانوں کا حق سمجھا جاتا تھا لیکن پھر انسانوں کی حرص نے ضرورت مندوں کو محروم اور بے ضرورت اشخاص کو اس کا مالک بنا دیا۔ اگر اخلاقی احساس اور انسانیت کا احترام نہ پیدا ہوا تو پھر اسی کا خطرہ ہے کہ تعظیم شدہ زمین پر پھر قبضہ کر لیا جائے اور ضرورت مندوں کو بے دخل کر دیا جائے اس لئے جب تک یہ احساس نہ پیدا ہوا اور ضمیر بیدار نہ ہو، اس وقت تک ان کوششوں کے نتائج اور وعدوں پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ آج اخلاقی انحطاط درجہ کو پہنچا ہوا ہے۔ رشوتوں، بھوریا زاری، غبن اور خیانت میں کمی نہیں بلکہ لوگوں کا کہنا ہے کہ کچھ زیادتی ہی ہے۔ دولتمند بننے کی خواہش جنوں کو پہنچ گئی ہے، کوئی اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا۔ ذہنی کیفیت یہ ہے کہ ایک دوسرے کی نیکی کی آڑ لے کر بدی کرنا چاہتا ہے جب سب کا یہ حال ہو جاوے تو وہ نیکی پھر کہاں سے آئیگی جس کی آڑ میں اور جس کے دامن میں بدی چھپ سکے۔ میرے ایک مصری دوست نے اپنی تقریر میں اس کی ایک بڑی اچھی مثال دی۔ انھوں نے کہا کہ ایک بادشاہ نے ایک رات اعلان کیا کہ ایک حوض دودھ کا بھرا ہوا چاہئے۔ ہر شخص ایک گھڑا دودھ اس میں ڈال دے اور صبح اپنے دام لے لے اندھیری رات تھی۔ ہر شخص نے یہ خیال کیا کہ میں نے اگر ایک گھڑا پانی ڈال دیا تو اتنے بڑے حوض میں کیا پتہ چلے گا۔ سب لوگ تو دودھ ڈالیں گے لیکن اتفاق سے ہر شخص نے یہی سوچا اور دوسرے کی نیکی اور دیانت کے اعتقاد پر بددیانتی کرنی چاہی نتیجہ یہ نکلا کہ

مجھ جب بادشاہ نے دیکھا تو بہرِ اخوض پانی سے بھرا تھا۔ دودھ کا نام و نشان نہ تھا۔ جب کسی بستی کی یہ حالت ہو جائے تو پھر اس کی کوئی حفاظت نہیں کر سکتا۔

اصل خطرہ | یاد رکھئے اس ملک کے لئے کوئی بیرونی خطرہ نہیں۔ اس ملک کے لئے سب سے کیا خطرہ؟ بڑا خطرہ یہ اخلاقی انحطاط، یہ مجرمانہ ذمیت، یہ دولت پرستی اور برباد کنی ہے۔ کیا یونان اور روم کو کسی دشمن نے تباہ کیا، نہیں بلکہ اُن اخلاقی بیماریوں نے جن کا گھن اُن کو لگ گیا تھا۔ پھر اس وقت ایک ملک کا اخلاقی انحطاط عام دنیا کے لئے خطرہ ہے۔ دنیا جب ہی خوشحال اور بر امن ہو سکتی ہے جب ہر ملک خوش حال اور بر امن ہو۔

پیغمبروں کا کلام | پیغمبروں کا یہی کلام ہے کہ انھوں نے صالح افراد تیار کئے۔ خدا سے ڈرنے والے، انسان سے محبت کرنے والے، دوسروں کے لئے تکلیف اٹھانے والے، اپنے پر اسے کے معاملہ میں انصاف کرنے والے، سچ بولنے والے، حق کا ساتھ دینے والے مظلوم کی مدد کرنے والے۔ دنیا کے کسی فرد کی ادارہ اور کسی تربیت گاہ نے ایسے صالح افراد تیار نہیں کئے۔ دنیا کو اپنی ایجادوں پر ناز ہے۔ سائنس دانوں کو اپنی خدمات پر فخر ہے لیکن پیغمبروں سے بڑھ کر کس نے انسانیت کی خدمت انجام دی۔ اُن سے زیادہ بیش قیمت چیز کس نے دنیا کو عطا کی۔ ان افراد نے دنیا کو گلزار بنا دیا۔ اُن کی وجہ سے دنیا کی ہر چیز کا آمد بن گئی اور ہر دولت ٹھکانے لگی۔ آج بھی دنیا میں جو نیکی کا دھماکا، جو سچائی، انصاف اور انسانیت کی محبت پائی جاتی ہے وہ انھیں پیغمبروں کی کوشش اور تبلیغ کا نتیجہ ہے۔ یہ موجودہ دنیا بھی محض ایجادات اور تمدن کی ترقیات پر نہیں چل رہی ہے۔ یہ محض اسی سچائی، دیانت داری، انصاف اور محبت پر قائم ہے جو پیغمبر پیدا کر گئے۔

پیغمبروں کا طریقہ کار | پیغمبروں نے یہ صالح ترین افراد کس طرح پیدا کئے، یہ بات کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ انھوں نے ان کے اندر ایک نیا یقین پیدا کر دیا۔ وہ یقین جس سے دنیا اس وقت محروم تھی، جس کے فقدان نے ساری دنیا کے نظام کو درہم برہم کر رکھا تھا۔ اور انسان اس کو کھوکھلا کر ایک خوشخوار درندہ یا ایک حریص چوپایا بن گیا تھا۔ یعنی خدا کی ہستی کا یقین اور مرنے کے بعد کی زندگی اور جواب دہی کا یقین اور اس بات کا یقین کہ یہ سچے انسان

خدا کا پیغام لانے والے اور انسان کی صحیح رہنمائی کرنے والے ہیں۔ اس یقین نے انسان کی کایا پلٹ دی اور اس کو ایک بے لگام جانور سے ایک ذمہ دار انسان بنا دیا۔

تایخ کا تجربہ | ہزاروں کا برس کا تجربہ بتاتا ہے کہ انسان سازی کے لئے اس سے بڑی طاقت نہیں۔ آج دنیا کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ جماعتیں موجود ہیں۔

تو میں موجود ہیں، نظمیں اور ادارے موجود ہیں لیکن صالح افراد نایاب ہیں اور دنیا کے بازار میں سب سے زیادہ اسی جنس کی کمی ہے خط ناک بات یہ ہے کہ ان کی تیاری کی فکر بھی نہیں ہے اور سچ بچھے تو اگر تیاری کی کوشش بھی کی جاتی ہے تو اس کے لئے صحیح راستہ نہیں اختیار کیا جاتا اس کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ یہ یقین پھر پیدا کیا جائے اور سب سے پہلے انسان کو انسان بنایا جائے۔ اس کے بغیر جرائم بند نہیں ہو سکتے خرابیاں دور نہیں ہو سکتیں۔ آپ ایک چور دروازہ بند کریں گے دس چور دروازے کھل جائیں گے۔ افسوس ہے کہ جن کو اس بنیادی کام کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور جن کے توجہ کرنے سے اثر ہو سکتا ہے ان کو دوسرے مسائل سے فرصت نہیں۔ اگر وہ اس مسئلہ پر توجہ کرتے تو اس سے پوری زندگی پر اثر پڑتا اور سبکدوڑوں مسائل اس سے حل ہو جاتے جن پر پلچدہ پلچدہ کوشش کی جا رہی ہے اور خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

ہماری جدوجہد کا محرک | ہم نے جب دیکھا کہ اتنے لمبے چوڑے ملک میں کوئی اس کی صدا بلند کرنے والا نہیں اور کوئی اس کو اپنی زندگی کا مقصد اور

مہم بنانے والا نہیں تو ہم اور ہمارے چند بے سرو سامان ساتھی اس دعوت کے لئے اپنے گھر سے نکلے، ہم آپ کے شہر میں آئے۔ آپ نے ہماری پذیرائی کی اور دلچسپی اور سکون سے ہماری بات سنی۔ اس کے ہم بڑے شکر گزار ہیں اور اس سے ہماری بڑی حوصلہ افزائی ہوتی ہے ہم اسی امید پر نکلے ہیں۔ انسانوں کی اس وسیع پستی میں ضرور کچھ ذمہ دل ہائے جاتے ہیں۔ دنیا کا ہر کام انھیں انسانوں کے وجود کے یقین اور ان کی ذمہ داری کے اعتماد پر کیا گیا ہے۔ اتنے بڑے مجمع میں کہیں امید ہے کہ بہت سے دلوں نے ہماری اس بات کو قبول کیا ہو گا۔ ہم اس بات کی بھی امید کرتے ہیں کہ وہ اپنے کو وہ فرد بنانے کی کوشش کریں گے جس کی آج دنیا کو ضرورت ہے اور جس کے بغیر اس زندگی کی چول بیٹھ نہیں سکتی۔

ہادم اللذات

اسلامی رواداری اور مساوات بے نفسی

— کا —

ایک دل آویز مرقع

(از مولانا سید مناظر احسن گیلانی زیرِ محمدیم)

وہ ایک طرف بیٹھے زار و قطار رو رہے تھے

”مذکورہ رحمانیہ ص ۲۶“

یہ زار و قطار روکنے والے صاحبِ اردو زبان کی سب سے بڑی انقلابی نظم (مدرسہ حالی) کے مصنف مولانا الطاف حسین حالی تھے، ان کے اساذ و شیخ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب، پانی تہی کا انتقال ہو رہا تھا، نزع کا عالم طاری تھا، سعادت مند شاگرد اس حال کو دیکھ کر بے قابو ہو گیا اور ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اسی زمانہ میں اخبار میں مضمون بھی لکھا تھا ”ان الفاظ کے بعد“

”نہایت افسوس ہو کہ پانی تہی ایک ایسے بزرگ سے خالی ہو گیا جو نہ صرف پانی تہی کے لیے بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے باعثِ فخر تھا“

مولانا حالی کے ذمہ دار قلم کی اس شہادت کی قدر و قیمت کا اندازہ کیجئے، لکھا ہو کہ

”جس کا مثل آئندہ زمانہ میں پیدا ہونا محالاتِ عادیہ میں معلوم ہوتا ہو“

آخر میں عربی کے اس مشہور مثالی شعر کو مولانا نے اس موقع پر درج کیا ہو کہ

وماکان قیس ہلکۃ ہلکۃ واحد

فلکنہ بنیان قوم نہصدّما

خود ہی ترجمہ بھی اس شعر کا اردو میں بایں الفاظ فرمایا ہو۔

”قیس کا مرنا ایک آدمی کا مرنا نہ سمجھو، بلکہ وہ قوم کی بنیاد تھی جو گر گئی۔“

(مذکرہ رحانیہ ص ۲۶)

قاری صاحب کیا تھے، کن کن کمالات و صفات سے سرفراز تھے، جاننے والوں کے لیے شاید اس سلسلہ میں اتنا لکھنا کافی ہو سکتا ہو کہ سیدنا شاہ عبدالعزیز کے نوے حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب کے ارشد تلامذہ میں ایک غیر معمولی ممتاز ہستی اپنے زمانہ میں قاری صاحب کی بھی شمار ہوتی تھی۔ جیسا کہ معلوم ہو نسبی طور پر خانوادہ دلی الہی کی علمی و علمی خصوصیتوں کے آنکھوں پر چرخ شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ خدر سے پہلے ہندوستان اپنی زبوں حالیوں میں جس حد تک پہنچ چکا تھا، شاہ صاحب ان کے دیکھنے کی تاب نہ لاسکے۔ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں وطن (سرزمین ہند) کو سلام کر کے ہجرت کی نیت سے حجاز پہنچے، اور خاک پاک حجاز ہی میں آسودہ ہوئے۔ مکہ معظمہ کے مشہور مقبرہ ”جنت معلیٰ“ میں نحو خواب ہیں۔

قاری صاحب کی علمی جلالات شان کا اندازہ اسی سے ہوتا ہو کہ شیخ المہد حضرت مولانا محمود حسن دہلوی حکیم الامت حضرت مرشد عثمانوی جیسے بزرگوں نے تبرکاً قاری صاحب سے حدیث کی اجازت حاصل کی تھی ان ہی اجازت حاصل کرنے والوں میں ایک طرف نواب صدیقار جنگ، مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی معترف بھی نظر آتے ہیں، اور دوسری طرف قاری صاحب کے حلقہ افادہ میں شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی کو بھی ہم پستے ہیں۔ لکھا ہو کہ

”مولانا رحمانی، نے حضرت (قاری صاحب) سے صحاح ستہ کی کتابیں پڑھی تھیں“

(مذکرہ رحانیہ ص ۷۷)

جس کے معنی یہی ہیں کہ ہم وطنی کے علاوہ مولانا حالی نے قاری صاحب کو بہت قریب سے دیکھا تھا، اور اپنے ان ہی ذاتی مشاہدات و تجربات کی بنیاد پر کم از کم ان کا ذاتی احساس کیے یا خیال ہی تھا کہ اب دنیا ان مونوں کو شاید کبھی نہ دیکھ پائے گی جن کی ناسندگی قاری صاحب نور اللہ ضریح کا وجود کر رہا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ قاری صاحب کے زمانہ میں جدید نظام تعلیم کے اسکولوں اور مدرسوں کے

کھ رہتا تھا لیکن قاری صاحب ان نئے اسکولوں کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کے لیے یہی کافی ہو کہ بچے تعلیم لگائیں گے ہمیشہ ان اسکولوں کو وہ

”مجتلے“

کے نام سے موسوم کرتے رہے۔ (دیکھئے ان کی سوانح عمری)

بہر حال ان کی تربیت و تعلیم اہل سے آخر تک پرانے نظام ہی کے تحت ہوئی تھی، ان ہی پرانے خیال والے مسلمانوں میں وہ پیدا بھی ہوئے۔ ان ہی کے حلقے میں مدرسے میں لکھا پڑھا، اور ساری زندگی اسی ماحول میں گزار دی لیکن باوجود اس کے کہ وہ کچھ وہ دکھاتے رہے اس کا اندازہ آپ کو ان چند خاص نمونوں سے ہو گا، قاری صاحب کے صاحبزادے مولانا عبدالسلام رادی ہیں، ریل کے سفر میں وہ اپنے والد ماجد کے ساتھ تھے۔ جب جس میں قاری صاحب سوار ہوئے بھرا ہوا تھا، زیادہ تعداد ہندو مسافروں کی تھی، قاری صاحب کی خاص شکل و صورت کو دیکھ کر خود بخود مسافروں نے خواہش کی کہ

”آپ تنگ ہو کر نہ بیٹھیں، ہماری طرف پاؤں پھیلا لیجئے۔“

جواب میں اپنے مذہب (اسلام) کا حوالہ دیتے ہوئے وقت کا ایک محدث ان ہی ہندو مسافر کے یہ کہہ رہا تھا۔

”میرا مذہب اجازت نہیں دیتا کہ کسی انسان کے پہرے کی بے ادبی کروں، ہم شخص کے پہرے کا احترام کریں گے۔“ (تذکرہ رحمانیہ ص ۲)

اسی لیے باوجود اجازت بلکہ اگر حضرت والا پاؤں پھیلا دیتے تو شاید ان کے مسافروں کو مسرت ہی ہوتی لیکن انسانیت کے احترام کی تعلیم مذہب کی طرف سے اس کو جو ملی تھی، اسی پر اصرار کرتے ہوئے سفر کو پورا فرمایا، لکھا کہ سفر کے ان رفیقوں سے حضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا

”تمہیں اختیار ہو جس طرح چاہو بیٹھو، مگر میں اپنے اصول کے خلاف نہیں کروں گا۔“

سفر میں جس کا یہ حال تھا۔ حضرت میں اس کے ہم وطنوں کو اس رنگ میں اگر پایا گیا تھا تو اس پر تعجب کیوں لیجئے، لکھا ہو کہ

”جس گلی یا بازار سے گزرتے اور کوئی ہندو مت پرست ہوتا تو حضرت کو در سے آتا دیکھ کر

”خدا تمہارا دھرم بدھوتا۔“

دوامی عادت پانی پیت کے ان ہی عام باشندوں کی یہ تھی
 ”جب آپ (قاری صاحب) بازار میں سے گزرنے تو ہندو آپ کو جھک جھک کر
 سلام کیا کرتے تھے۔“ (صفحہ ۱۱)

جس دن حضرت دالاکا انتقال ہوا، تو لکھا ہو کہ
 ”ہندوؤں نے اپنی دوکانیں اور کاروبار بند کر دیے اور بہت رنج و غم کا اظہار کیا۔“
 صبح دشام دیکھنے والے جس پانی پیت میں انہی جان اسیر و زور و روح پرور و نظر اردوں کا تماشا
 کر رہے تھے اس وقت مسلمانوں کا پانی پیت سے سیاسی اقتدار کا دباؤ اٹھ چکا تھا، مسلمان اور ہندو دونوں
 تیسری بیرونی طاقت کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ مگر اس وقت تک ”انسانیت“ کے احترام کا جو دریں سلام
 نے دیا تھا، ابھی یہ سن ان کو یاد تھا، حافظہ سے اس قسم کی قرضی آئیوں کا اثر مٹا نہیں تھا۔ مثلاً ارشاد
 ہوا ہے۔

وقل لعباد ی یقولوا اللہ ہی
 احسن ان الشیطان ینسغ بینہم۔
 (سورہ بنی اسرائیل)

جس کی تفسیر میں قاضی بیضاوی لکھتے ہیں۔
 یتولوا اللہ ہی احسن الکلمۃ
 اللہ ہی احسن ولا یخافون
 المشرکین۔

”بولا کریں ایسی باتیں جو اچھی ہوں“ اس کا
 مطلب یہ ہو کہ ایسی بات زبان سے نکالیں
 جو اچھی ہو اور مشرکین کے ساتھ سخت
 کلامی سے کام نہ لیں۔

مگر بجائے ”الانسان“ کے احترام کے پورے قوم پرستی کی بلاناہل ہوئی، پھر وہی پانی پیت تھا، اس کا
 وہی آسان تھا اور اس کی وہی زمین تھی دیکھنے والوں نے جو کچھ وہاں دیکھا تھا اور اس وقت تک دیکھا ہے
 ہیں وہ بھی کبھی سامنے ہی ہوئے

۱۵ ماہ اس گئے گذرے ناز میں بھی اللہ کا ایک بندہ اس وقت تک ایمان و شفقت کامل میں رہا پانی پیت میں
 رہا جو۔ یہ ہمارے کرم فرما رہا تھا اور اللہ صوفی ہیں

اور ہندوؤں کو خیر حکومت میں مسلمانوں کے اس وقت سامتی تھے۔ آپ کو سن کر حیرت ہو گئی کہ انگریز حکومت سے محروم کر کے مسلمانوں کے سینوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ سروں سے وہ غنیمت سیلاب بھی گزر چکا تھا جس کا نام عہد شکن حکومت نے عنبر رکھ چھوڑا تھا، جو آسمان پر تھے وہ زمین پر پٹکے جا رہے تھے۔ دلی میں بیٹھ کر جس وقت یہ الفاظ غالب کا قلم شاید خون کے حرفوں میں کھرا تھا۔

| | |
|-------------------------------|------------------------------|
| بکہ نقاں مایہ ہے آج | ہر سلحشور انگلستان کا |
| گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے | زہرہ ہوتا ہو آبِ انسان کا |
| چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے | گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا |
| شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک | تشنہ خون ہے مسلمان کا |
| کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک | آدمی واں نہ جاسکے یاں کا |
| میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا | وہ ہی روزِ تاق و دل و جاں کا |
| گاہ جل کر کیا کیئے شکوے | شودش داغناے بہناں کا |
| گاہ رو کر کہا کیئے باہم | ماجسہ ادیدہ ملے گریاں کا |

خطوط میں ایک خط غالب ہی کا ہے، جس میں لکھا ہے

"معزول بادشاہ کے ذکور، جو بقیۃ السیف ہیں وہ پانچ پانچ روپیہ مہینہ پاتے ہیں،
اناث میں جو پیرزن ہیں وہ کنیاں، اور....."

امراء اسلام میں اموات گنو!

پھر طویل فہرست ان کی درج کر کے آخر میں لکھا ہے۔

"مقتد کو تہ قلعہ اور بھجور، اور بہادر گڈھ، بلب گڈھ، اور فرخ نگر کم و بیش میں لاکھ
کی ریائیں من گئیں، شہر کی عمارتیں خاک میں مل گئیں، ہنرمند آدمی کیوں پایا جائے۔"
(اردو دئے سنی ص ۲۲)

لیکن جن نگریزوں نے مسلمانوں کو پایہ تعزت دئی سے نکالا تھا اور اس طریقہ سے نکالا تھا کہ بقول غالب

"یہاں (دلی میں) باہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا۔"

اور آخوس خطرہ پر تحریر ختم کی ہے کہ دلی میں

”ابھی دیکھا جاہلیہ مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا جو یا نہیں۔“ (ص ۶۱)

اسی دلی سے کچھ فاصلہ پر بانڈا کی ریاست جہاں اس زمانہ میں حضرت قاری صاحب مہر کا ایک مدرسہ تھا، بیان کیا گیا ہو کہ

”جب بغاوت زوروں پر تھی، تو پچھتر انگریز مردوزن تلاش امن میں حضرت قاری صاحب کے پاس آئے۔“

جس قوم کی حکومت نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے باہر نکالنا تھا، اسی ظالم قوم کے افراد امن لینے کے لیے اسلامی اخلاق کے ایک قدیم نمونے کے سامنے آتے ہیں، مذہبی جنون (فنی ازم) کا ہتھکنڈا مسلمانوں کے جن غریب ملاؤں کے سرخو پانگیا ہو اور ہر جگہ ہتھیار جابجا ہو، انہیں کھول کر دیکھنے وہی ملا کھڑا ہوتا ہو لکھا ہو۔

”ان سب انگریزوں کو، اپنا مدرسہ قاری صاحب نے دے دیا۔“

صرف ہی نہیں کیا یہ انگریز مدرسہ میں انارے جارہے تھے اور طلبہ و علمائے جن کا مدرسہ سے تعلق تھا ان کو خطاب کر کے قاری صاحب فرماتے جارہے تھے۔

”ان مظلوم اور بے کس انگریزوں کی مدد و حفاظت اور خاطر مدارات لوجہ افشرہ بموجب حکم خدا و رسول کرو۔“

پناہ مانگنے والوں نے پناہ مانگی ہو۔ ان کو اپنی ذاتی رائے کی بنیاد پر نہیں اشد اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فشار کے مطابق پناہ دی جاتی ہو۔ یہ اسلامی کردار تھا، جس کا نمونہ نازک ترین گھڑیوں میں اسلام اور اسلام کے ایک فینک ملا کی طرف سے پیش ہوا تھا، اور اس کے مقابلہ میں ”سلف پکٹ“ یا خود دانی پر فخر کرنے والے انگریزوں کو اسی مدرسہ میں دیکھا گیا تھا کہ

”دیکھن نامی ایک انگریز اپنی تسم اور ناکتھار کی سمیت چھ ماہ مدرسہ میں پناہ گزین ہوا

وہ یعنی مسٹر ڈیکھن، اور اس کی بیوی اور اس کی لڑکی بیمنوں مسلمان ہو گئے تھے۔“

لیکن جب آسمان قائم ہو گیا تو بیان کیا گیا ہو کہ کچھ عرصے تک مسلمان ہونے کا اعلان کرنے والا یہی انگریز دو تین سال بعد قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، معلوم ہوا کہ اپنے آبائی دین کی طرف واپس ہو گیا، قاری صاحب نے دریافت فرمایا کہ

”پھر اس وقت تم نے مسلمان ہونے کا اعلان کیوں کیا تھا۔“

جواب میں اسی خود دار انگریز نے اقرار کیا تھا کہ

”حضور! جان کا خوف تھا اس لیے مسلمان ہو گیا تھا۔“

حالانکہ دکن کے سوا آپ دیکھ چکے انگریزوں کی کافی تعداد ’باوجود عیسائی رہنے کے قاری صاحب ہی کے مدرسے میں پناہ لیے ہوئے زندہ رہی، سب کی خورش و شمش کا جہاں تک امکان میں تھا انظم کیا گیا۔ سوانح نگار نے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے کہ

”یہ اس کی (دکن) کی غلطی تھی، مسلمان ہو جانے کے لیے حضرت نے کسی پر کوئی جبر

نہیں کیا تھا، اور نہ مسلمان ہو جانے والوں کے ساتھ بہ نسبت دوسرے انگریزوں کے

کوئی خاص رعایت و ہلک آپ کرتے تھے۔“ (ص ۶۷)

یہ دکن کی اخلاقی کمزوری تھی کہ بغیر ضرورت کے نفاق کے اس طریقہ کو اس نے اختیار کر لیا تھا جو اسلامی نقطہ نظر سے کفر سے بھی زیادہ بدتر ہے، باخبر مسلمان بنانے کا الزام مسلمانوں پر لگانے والے یہ شاید بھول جاتے ہیں کہ جبراً اسلام قبول کرنے والا یعنی دل سے تو اسلام کا منکر ہو، اور زبان سے اس کی صداقت کا اقرار کر لے، ایسا آدمی کافر ہی نہیں، منافق بن جاتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ بجائے کافر کے کسی کو منافق بنالینا، یہ مسلمانوں کے نزدیک دین کا نیک کام کسی حیثیت سے بھی ہو سکتا ہے، لیکن ابد یہی کہتے چلے جاتے ہیں۔ اسی کو جو دیولہ ہیں باور بھی کر لیتے ہیں۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان انگریزوں کو اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کے فساد کے مطابق اپنے مدرسے میں پناہ دی تھی، یہ دعویٰ صرف زبان ہی سے نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اس کے سوا اور کسی قسم کی پوشیدہ غرض اور مصلحت آپ کے سامنے نہ تھی، قدرت کی طرف سے اس کے امتحان کا بھی ایک دلچسپ نظم ہو گیا۔ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ قیام امن کے بعد انگریزی حکومت تک جب خبر کسی طرح پہنچی کہ باندہ امین انگریزوں کی کافی تعداد مسلمانوں کے ایک ملا کی بدولت قتل ہونے سے محفوظ ہو گئی۔ تو علاقہ کے کسٹر صاحب کے نام حکومت کا پودانہ پہنچا جس کی نقل کسٹرنے حضرت قاری صاحب کی خدمت میں باندہ بھجوا اس میں کسٹر صاحب نے لکھا تھا۔

”ایک لاکھ روپے سالانہ کی جائداد کے آپ متھی سمجھ گئے ہیں۔“

حکم دیا گیا تھا کہ اس انعام کے حاصل کرنے کی درخواست دیجئے، مولنا حاکمی صاحب نے چودھویں صدی اخبار (راولپنڈی) میں جو مضمون قاری صاحب کی وفات پر لکھا تھا، اسی میں اس انعام کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہو کہ

”حضرت نے کمشنر کے پاس جانا یا جاباؤ کا لینا دونوں باتیں نا منظور فرمادیں“ ایک انگریز جو پناہ گزینوں میں تھا اور اسی کی کوشش سے یہ صورت پیش آئی تھی، وہ خود حاضر ہوا، لیکن اس کے شدید اصرار پر بھی بس اسی قدر فرماتے ہوئے خاموش ہو گئے۔

”لا مزید منکم جزاء ولا مشکوراً“ یعنی نہ بدلہ ہی کے لیے میں نے یہ کیا تھا اور نہ اس کے لیے کہ تم اس کا گن گاؤ گے، ہم نے تمہاری خدمت کسی دنیوی طمع اور لالچ سے نہیں کی تھی، بلکہ ہمارے نزدیک اس وقت تمہاری امداد اور احسان مذہب و اخلاقاً لازمی و ضروری تھی، اور انسانی ہمدردی کا تقاضا تھا کہ مصیبت زدوں کو حتی الوسع ہم بچاتے، مجھے حکومت سے کسی صلہ کی ضرورت نہیں اور تمہاری ذات خاص سے بھی کچھ نہیں چاہتا، مجھے معاف رکھو۔“

مولنا حاکمی مرحوم نے لکھا ہو کہ اس تقریر کو سن کر انگریز کے لیے کوئی چارہ کار اس کے سوانہ تھا کہ

”نہایت ادب کے ساتھ سلام کر کے رخصت ہو گیا۔“ (تذکرہ رہائزہ ص ۶۵)

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اس زمانہ کا قصہ ہو جب مسلمانوں کی تمام تباہیوں میں سب سے زیادہ اہم معاشی تباہیوں کے قصے تھے اور یہ کہ ایک لاکھ کی جاگیر اس زمانہ کے کچھ ہی دن بعد دس ہزار لاکھ کی آمدنی والی جاہلادین جاتی تھی، لیکن اللہ کے کچھ بندے اس زمانہ میں بھی تھے جو یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں پر معاش کے دروازے ایک ایک کر کے بند ہوتے چلے جاتے ہیں، مگر ان ہی حالات میں لاکھوں روپے کی جاہلادو کی بھی کوئی قدر و قیمت ان کی نظر میں نہ تھی، ان کی نگاہ صرف ”الرزاق ذو المقوۃ المتین“ کے مواعید بخیر نزدقت و العاقبۃ للتعوی رہم تھے روزی پہونچائیں گے اور آخری انجام تو بس تعوی ہی کا ہو، پر بھی اندر کے اس رنگارنگ کے بعد اسی دنیا میں حضرت قاری صاحب کو اپنی ناسوتی زندگی کم و بیش تقریباً ”چالیس سال“ گزارنے

پڑے۔ یکے بعد دیگرے دو دوشادیاں آپ کی ہوئیں، بکثرت بال بچے ہوئے، پانی پت کے خوشحال گھرانوں میں آپ کا بھی شمار ہوتا تھا، اچھا کھاتے، اچھا پیتے، اچھا پہنتے رہے، اور خدا کا وعدہ ”خلق من ذقک“ پورا ہوتا رہتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ رزق میں اتنی کافی کٹائش کی گئی تھی، کہ دس پانچ کے سوا کبھی کبھی لوگوں کو لکھے پڑھے بغیر قاری صاحب نے ہزار روپے تک بطور قرض دیئے۔ لطافت اور نفاست ہندی آپ کے جلی اقتضاؤں کے لازمی اجزاء تھے۔ میٹر مٹی بھی ہوئی چار پائی کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ذہنی نظام ختم ہو جاتا ہے اگر کوئی چیز بے ترتیب نظر آتی ہو، ایک طرف طبعی لطافت ہندی کا حال یہ تھا، کہ لوٹے کی ٹوٹی سے پانی پینے والوں کو آپ ٹوک دیا کرتے تھے، فرمانے کہ پیالہ میں پانی نکال کر مینا زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ لیکن ان ہی قاری صاحب کا یہ قصہ بھی لوگ نقل کرتے ہیں۔ ایک مسلمان بھنگی عبداللہ نامی پانی پت میں تھا، نماز کے لیے مسجد بھی آتا تھا، مسلمان اس کو روک تو نہیں سکتے تھے، لیکن لکھا ہے کہ مسجد کے لوٹوں کو چھپا دیا کرتے تاکہ عبداللہ ان میں وضو نہ کرنے پائے۔ اس حال کا احساس قاری صاحب کو بھی ہوا۔ بیان کیا ہے کہ ایک دن مسجد میں جب لوگ بھرے ہوئے تھے، آپ نے آواز دی۔

”میاں عبداللہ! کوئیں سے تازہ پانی کا ایک لوٹا بھر کر لاؤ“

عبداللہ نے حکم کی تعمیل کی، اسی کے لئے ہوئے پانی سے قاری صاحب نے وضو کیا۔ پھر ایک دن یہ کر کے بھی دکھایا کہ عبداللہ بھنگی کو پکار کر بلا رہے ہیں، اور فرما رہے ہیں کہ بھئی! ذرا پانی تو ملاؤ۔“ عبداللہ نے بھی غضب ہی کر دیا۔

انگلیاں ڈوتا ہوا ایک پیالہ بھر لایا، قاری صاحب نے فرمایا کہ بھائی! یہ پانی تو زیادہ ہے کچھ تم پہلے پی لو، چند گھونٹ جب عبداللہ پی چکا تو اسی کے جھنڈے پانی کو جو پیالہ میں رہ گیا تھا، مسجد کے مسلمانوں کے سامنے قاری صاحب کو دکھایا کہ بخندہ پیشانی نوش فرما رہے ہیں۔

آج چھوٹ چھات کے خلاف کوششوں کا ایک سلسلہ ہو جو ملک کے طول و عرض میں جاری ہو، لیکن درد کی یہ داستان کسے سنائی جائے، کہ بنی نوع انسانی کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار غلام، اسی ملک میں کیسے کیسے مرنے کو کر کے لوگوں کو دکھائے تھے،

دھکادی ہوئی انسانیت کو جو گلوں سے لگا رہے تھے، جو گرائے گئے تھے ان ہی کو وہ اٹھا رہے تھے، اُن ان ہی پر الزام لگایا جا رہا ہو کہ دوسروں کو اپنے نیچے دبائے ہوئے تھے۔

الغرض ہندو مسلمان انگریز اور انہوں نے انہوں کے متعلق یہ اور اسی قسم کے مثالی نمونوں کا ایک دراز سلسلہ تھا جسے تقریباً (۸۰) سال کی عمر تک حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی ہندوستان میں پیش فرماتے رہے، مولانا عاتقی جو ان کے خاص عقیدت مند تلامذہ میں ہیں، ارقام فرماتے ہیں کہ ہر جہہ کو بڑوالی مسجد میں وعظ کئے کا دستور تھا، قاعدہ تھا کہ وعظ کرتے ہوئے فرماتے۔

”باقی انشاء اللہ زندہ ہوگا“

لیکن آخری جمعہ جس کے بعد دنیا نے پھر آپ کا وعظ نہ سنا، ختم وعظ کے بعد خلافت دستور یہ فقرہ سنا گیا۔

”باقی بشرط زندگی“

مسجد سے گھر آئے، بیچش کا دورہ پڑا، شہر میں ہنگامہ برپا ہو گیا، مقامی اطباء کے سوا دیکھا گیا کہ سرعہ نے حضرت داتا کے ہمارا جو پیالہ کے معالج خصوصی ڈاکٹر کریم اللہ بیٹھے ہوئے ہیں، انہیں قافی حساب نے کھول دیں، ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر فرماتے لگے۔

”کیوں نہ ہو آخر محبت ہی تو ہو“

دلی سے بھی دو آدمی، یونانی اور ڈاکٹری مشورے کے تحت علاج میں زور دینا ممکن تھا، لگایا گیا، دوا کا دن تھا، عصر سے کچھ پہلے بیر تقار اللہ صاحب کا بیان ہو کہ مولانا عاتقی تو زار و قطار رو رہے تھے، اور میں نے دیکھا کہ قاری صاحب کا شہ ناسوتی میکل سے ٹوٹ گیا۔

”میں نے فوراً حضرت کے دونوں قدم چوم لیے“ (ص ۲۹۱)

یوں اللہ کا یہ بندہ ۱۳ ستمبر ۱۸۹۶ء مطابق ۵ ربیع الثانی ۱۳۱۳ھ کو جہاں سے آیا تھا، چلا گیا۔ اب مسلمان ان ہی پرانے مدرسوں کے ان نمونوں کو ان لوگوں میں تلاش کر رہے ہیں جن میں کہ بجائے انسانیت کے اپنی قوم، اپنے وطن، اپنی زبان، انہیں اپنی خودی کے عشق کی آگ بھڑکا دی گئی ہو، کچھ کے لفظ کا ایک خوش نالغافہ ہر قوم کے ہاتھ میں تھا دیا گیا ہو، حق و ناحق، راستی و ناراستی، مصلحتی اور براستی کے سارے معیار ختم کر دیے گئے ہیں، کچھ کے اس لغافہ میں جو کچھ بند ہو، چونکہ ہمارا یہ وہی لیے اس پر

سفر مصر

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

(مترجمہ عتیق الرحمن سنہجلی)

دوشنبہ ۲۸/۳/۲۰۱۴ء - ۲۵/۳/۲۰۱۴ء

آج ہم حسب وعدہ رسالہ ازہر کے دفتر گئے اور ماذا خسر العالم کا ایک نسخہ ریویو کیلئے اسٹاف فریو جہدی کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے تبصرہ کا وعدہ کیا اور کتاب کے چند اوراق الٹ پلٹ کر دیکھے، غہرست مضامین پر نظر ڈالی اور پسندیدگی کا اظہار کیا۔
نمودہ می دیر کے بعد اسٹاذ محمد فواد عبدالباقی بھی آگئے اور اپنی کتاب تیسیر المنفعۃ بتانی مفتاح کنوز السنۃ والعمم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی کے دو نسخے، ایک راقم سطور کے لئے اور ایک علامہ سید سلیمان ندوی کے لئے ہدیہ کئے۔

شیخ محمد الغزالی سے ملاقات

شیخ محمد الغزالی نے ملنے کی بہت خواہش تھی اور انہوں نے ایک اہم شخصیت اور مصر میں تحریک اسلامی کے ایک ممتاز اہل قلم ہیں۔ آج ان سے ملاقات ہوئی یا یوں کہوں کہ ”الاسلام والاصلاح الاقتصادیہ“۔ ”الاسلام والمناہج الاشتراکیہ“ اور ”من ہنا نعلم“ کے مصنف سے ملاقات ہوئی۔ آج اس شخص سے ملنا ہوا جو ان کی جماعت کو صحیح علمی اور روحی غذا اور ٹھوس اسلامی ادب بہم پہنچاتا ہے۔ اور مجھے اس ملاقات سے واقعہً مسرت ہوئی۔ کیونکہ میں نے اس شخصیت میں ایک صاحب صلاح، صاحب علم، زندہ دل، روشن دماغ اور ایک

شگفتہ روانسان کو پایا۔ اور معلوم ہوا کہ ہم دونوں میں ہر ایک دوسرے کو اس کی کتبِ سائل کے ذریعہ پہلے سے جانتا پہچانتا ہے اور ایک دوسرے کے انکار و نظریات سے بھی واقف ہے آج انھیں جامعہ ازہر میں وعظ کنا تھا کیونکہ ازہر کے شیوخ اور واعظین سیدنا حسینؑ کے جن ولادت کے سلسلہ میں دینی تقاریر فرمایا کرتے ہیں چنانچہ ہم بھی ان کے ساتھ ہوئے۔

مصر میں ان ایام میں سیدنا حسینؑ کی ولادت کا جشن منایا جاتا ہے۔

جشن ولادت حسینؑ | اس لئے آج کے دن اگر کوئی قاہرہ میں نکلے گا تو اسے رنگ برنگ کی ریشمیاں، پھول، پنکھڑیاں، مٹھائیاں اور جیسے جیسوں کے سوا کچھ اور نظر نہیں آئے گا یہاں کا منظر کھینچا جائے تو کچھ اس قسم کا ہوگا۔۔۔ یہاں ایک آدمی کھڑا فقرا کو روٹیاں تقسیم کر رہا ہے اور فقرا اور غیر فقرا سب اس ہر بڑی طرح پہلے بڑھے ہیں۔۔۔ وہاں ایک نہایت شاندار محفل آراستہ ہے۔ دکانیں مارے سجاوٹ کے دلہن بنی ہوئی ہیں اور سڑکیں روشنی سے بے بقعہ نوراً قاہرہ میں جس طرف بھی جائیے آپ کو اہل دیہات کے مجھے اور گھٹے نظر آئیں گے۔ جو ۱۲ سال سیدنا حسینؑ کہلاتے ہیں جو شہیدِ مظلوم کی خود ساختہ عید میلاد پر خوشی منانے آئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض آپ کے سر مبارک کے مدفن کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور انھیں اس سے کوئی مطلب نہیں بلکہ یہاں کے اکثر اہل علم کو بھی اس سوال سے کوئی مطلب نہیں کہ قاہرہ میں سر مبارک کیسے پہنچ گیا؟ کب آیا؟ کہاں سے آیا؟ اور اس شہرت کی آیا کوئی تاریخی اصل ہے بھی یا نہیں؟ بس لوگوں میں جو کچھ مشہور ہو گیا ہے اسی کو کافی سمجھتے ہیں اور پھر اس کے اوپر اپنے دین کی بنیاد رکھتے ہیں بلکہ اس سلسلہ میں ایک اور عجیب قصہ بھی مشہور ہے۔ وہ یہ کہ ایک عورت نے اپنے لڑکے کو قتل کر کے اس کا سر تن سے جدا کیا اور حضرت حسینؑ کے سر کی جگہ اس سر کو رکھ کر آپ کا سر مبارک برکت حاصل کرنے کے لئے مصر لے آئی۔ اس قصہ کی بنا پر اہل مصر خود اس عورت کی بھی بزرگی کے قائل ہیں اور اس کی قبر کی بھی اسی طرح زیارت کرتے ہیں جو مدفنِ راس کے قریب ہی ہے۔

سینہ ۲۹، ۴۰، ۶۱، ۶۲، ۵۱

آج صبح آٹھا تو طبیعت سست تھی اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ رات میں نے اپنا مقالہ

”اسمعی یا مصر“ تیار کیا اور اس نے ذہن و دماغ کو کچھ اس طرح سچوڑ لیا کہ بے خوابی کی شکایت ہو گئی۔
ایسی صورت میں مجھے اکثر یہ شکایت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نیند بہت دیر میں آتی اور پھر نیند پوری
ہونے بغیر آنکھ کھل گئی۔

عصر کو ہم نے استاذ محب الدین الخطیب صاحب الفتحؒ سے ملنے کے لئے جزیرۃ الروضۃ کا قصد
کیا۔ الفتحؒ اور صاحب الفتحؒ سے ہمارا تعارف کافی پرانا ہے۔ تقریباً بیس سال سے ہم اُن سے واقف
ہیں جبکہ علامہ سید تقی الدین الملای (حال ڈاکٹر بلالی) سے ہم (دندہ میں) پڑھتے تھے، اُس وقت الفتحؒ
طلباء دندہ کی انجمن الاصلاح میں پزیر و ہمارے گھر آتا تھا اور ہم اُسے بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے
دیکھتے تھے۔ اُن دنوں اس میں امیر شکیب ارسلان اور استاذ ذیلای صاحب کے مضامین خاص طور پر
شائع ہوتے تھے اور خود مجھے اور میرے رفیق استاذ مسعود عالم ندوی (مرحوم) کو بھی اس میں لکھنے کا
شرن حاصل ہوا ہے۔

میرے کئی مقالے اُن دنوں اس میں شائع ہوئے جن میں سے ایک مقالہ ”لسان العصر“ تھا۔
اس مقالہ میں میں نے اکبر آبادی مرحوم کے اُن اشعار کو عربی میں نقل کیا تھا جن میں موصوف نے
استہزائی انداز میں مغربی تہذیب پر تنقید کی تھی۔ الفتحؒ نے اس مقالہ کی کئی قطعیں شائع کیں۔

میں استاذ محب الدین الخطیب کو بہت بڑھتا تھا۔ میں نے ان کا مرتبہ مجموعۃ الحدیث کے کچھ
حصے بھی پڑھے تھے جس کے ذریعہ جدید اسلامی عربی ادب کے نادر نمونوں تک رسائی ہوئی اور
بہت سے فوہزادہوں سے تعارف حاصل ہوا۔ علیٰ ہذا ”الزمراء“ کی جلدیں بھی نظر سے گزری تھیں۔

اہم جزیرۃ الروضۃ پہنچ گئے (جو کہ شہر کے ایک سرے پر واقع
استاذ موصوف کے ساتھ) ہے اور استاذ محب الدین الخطیب سے ملاقات ہوئی۔ استاذ

نے اپنا وہ دور یاد دلایا جب زندگی میں شباب کا رنگ تھا اور روئے عمر پر بڑھاپے کے داغ
نہیں لگے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ الفتحؒ کا کیا حال ہے؟ کہا کہ جب سے اس شہر میں حامل قرآن
مجموعہ قرار پایا ہے اور ایک مجرم کی طرح اس کے ساتھ تلاشی اور سزا کا معاملہ شروع ہوا ہے اُس وقت
سے میں نے الفتحؒ بند کر دیا ہے۔ موصوف کا اشارہ اغوان کی تلاشیوں اور ان پر تشدد کی طرف
تھا۔ استاذ موصوف کہنے لگے کہ اس سوسائٹی میں ہمارے خیالات فٹ نہیں ہوتے اور اس

بنا پر گویا ہم اس سوسائٹی کے لئے جنبی ہیں۔

شیخ احمد عثمان نے موصوف سے میری یہ خواہش ظاہر کی کہ میں یہاں کے مشاہیر اہل قلم اور ارباب ادب کے ساتھ ایک صحبت چاہتا ہوں تاکہ اخلاقی اور دینی حیثیت سے ان کا جائزہ لے سکوں انہوں نے کہا کہ ان ادبا کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ وہ ایکٹریں اور ایکٹر کی کامیابی یہ ہے کہ اس کے سپرد جو پارٹ کیا جائے اُسے وہ نہایت چابکدستی کے ساتھ ادا کر دے۔ مثلاً اُسے اگر بادشاہ کا پارٹ دیا گیا ہے یا وہ خود بادشاہ کا پارٹ ادا کرنا چاہتا ہے تو وہ اُسے اس قدر کمال کے ساتھ ادا کرے کہ دیکھنے والا اُسے فی الحقیقت بادشاہ سمجھ لے۔ بس اسی مثال سے ادیبوں کو سمجھ لیجئے کہ ان میں سے کوئی اگر فلسفہ قرآن پر ایک کتاب لکھنا چاہتا ہے تو نہایت شاندار طریقہ پر قرآن کا فلسفہ پیش کر دیتا ہے یا مثلاً اگر سیرت نبوی پر کوئی کتاب لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو ایسے ہی مجددِ انداز میں یہ بھی لکھ دیتا ہے اور پھر اسی بلاغت و مہارت کے ساتھ شاندار دنیا میں سے کسی بادشاہ کی خوشنودی کے لئے بھی ایک کتاب اس بادشاہ کی سوانح پر اُس کے قلم سے نکل جاتی ہے یا اور کوئی ایسی تصنیف کر دیتا ہے جو اسلامی اصول اور دینی روح کے سراسر منافی نہ ہوتی ہو۔ فرمانے لگے کہ ایک ثقہ آدمی نے بذاتِ خود مجھے اپنی اور ایک ایسے بلند پایہ ادیب کی گفتگو سنائی جو اکثر اسلامی موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں۔ اس گفتگو میں اُن ادیب صاحب نے فرمایا کہ ”اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم معر میں تشریف لے آویں اور یہاں تک اسلامی نظام رائج کرنے کی کوشش کریں تو میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو آپ سے لڑنے کے لئے بھٹکے گا۔“

محب الدین الخطیب صاحب نے جو تصویر پیش کی ہے وہ بلاشبہ بالکل سچی ہے اور آج کے اُن اکثر ادبا و مصنفین پر صادق آتی ہیں جنہوں نے مصر بلکہ بہت سے اسلامی ملکوں میں اسلامی موضوعات پر لکھنا ایک پیشہ بنا لیا ہے۔

شیخ محمد الغزالی کے ساتھ

چہار مہینہ کیم جہادی الاولیٰ سنہ ۱۴۲۷ھ

آج شیخ محمد الغزالی کی طرف سے بڑی محبت اور گرم جوشی سے ملے گا۔ دیر گفتگو رہی۔

گفتگو مختلف علمی و دینی موضوعات پر تھی۔

ہم نے موصوف سے کہا کہ آپ کے یہاں کے فلاں فلاں بعض اہل قلم جو نظام اسلامی پر طعن و تنقید کرتے ہیں اور اسلامی روح، اس کے اصول اور اساسات کو نشانہ بناتے ہیں حالانکہ وہ دینی ماحول کے پروردہ اور دینی تعلیم یافتہ ہیں۔ تو اس ردِ عمل کا سبب کیا ہے؟ کیا یہ اُن کے ذاتی حالات اور نجی تجربات کا نتیجہ ہے جیسا کہ اکثر ملکوں میں اس طبقہ کو یہ چیزیں پیش آتی ہیں؟

شیخ غزالی نے ہمارے اس خیال کی تصویب کی اور کہا کہ میں ان مؤلفین میں سے ایک سے ذاتی طور پر واقف ہوں وہ آٹھ ہیں میرے ہم درس اور دوست رہے ہیں۔ ایک دینی جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور اس خاندان کا گویا ایک فرد تھے۔ ان کی زندگی تنگدستی اور پریشانی کی تھی جبکہ اُن کے بعض دینی بھائی آرام اور رفاهیت کی زندگی گزار رہے تھے لیکن ان میں سے کسی نے ان کی کوئی مالی امداد نہیں کی اور کسی بڑے یا چھوٹے کی طرف سے انھوں نے دوستانہ یا رفیقانہ برتاؤ تو کیا عام انسانی ہمدردی اور غم خواری کا برتاؤ بھی نہیں دیکھا۔ اس چیز نے انھیں دینی سوسائٹی اور رجالِ دین کی طرف سے بدظن کر دیا۔ اور ان کا خیال یہ ہو گیا کہ اگر ملک میں اسلام کا اقتدار ہوا اور اسلامی نظام یہاں رائج ہوا تو اسی جماعت کا امیر یا اسی جیسا کوئی دوسرا شخص وزیر خارجہ یا وزیر مال ہوگا لہذا اس سے بہتر تو یہی ہے کہ وزارت کسی لادین شخص کے ہاتھ میں رہے۔

شیخ غزالی کی یہ بات واقعہً ایسے انفرادیہوں کے حال پر صادق آتی ہے جن کا نشوونما دینی ماحول میں ہوا مگر بعد میں اس سے باغی ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ آدمی جب زیادہ ذمی شعور اور ذکی الحس ہوتا ہے اور پھر ایسے تلخ تجربات سے گزرتا ہے تو قدرتی طور پر اس میں ایک سخت قسم کا ردِ عمل اور ایک شدید فکری بغاوت رونما ہوتی ہے۔ اشتراکیت کے بانی کارل مارکس اور اُس جیسے دوسرے انقلابیوں کے باغیانہ اندکا راہیے ہی تجربات و واقعات کا نتیجہ ہیں!

اس کے بعد موضوع بدل گیا اور گفتگو کا رخ یونیورسٹی کی تعلیم، رجالِ تعلیم اور بعض اہم

مصنفین کی طرٹ پھر گیا۔

شیخ غزالی نے نہایت افسوس کے ساتھ بیان کیا کہ ان لوگوں میں سے بہت سے حضرات جو علم و ادب کے اعتبار سے بڑا مقام رکھتے ہیں اور جن کی معلومات اور مطالعہ بہت وسیع ہے حتیٰ کہ ان کو اگر انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اور انھوں نے اسلامی تاریخ، اسلامی تمدن اور اس کے مختلف ادوار پر ایسی تصانیف کی ہیں جو بڑی علمی قدر و قیمت کی حامل ہیں لیکن علی پہلو سے بالکل صفر ہیں۔ ان کے اندر دینی ارکان و اعمال کا کوئی خاص اہتمام حتیٰ کہ نماز کا خیال بھی دیکھنے میں نہیں آتا۔ اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں مرتبہ کا مذہب اختیار کر کے اعمال کو غیر اہم نہ سمجھنے لگیں ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تعلیمی نظم دینے اور ایسی تعلیم کا ہوں کا بست و کشاد ان کے حوالہ کرنے پر جن کا مقصد دینی اور تمدنی تعلیم کو جمع کرنا اور ایسے اشخاص پیدا کرنا ہے جو دینی تعلیم اور عصری تعلیم کا سنگم بنیں۔ ہم بالکل مطمئن نہیں ہیں۔

شیخ غزالی نے اذہر کے تعلیمی نظام پر بھی تنقید کی اور کہا کہ وہاں اسلام کے اذہر کا تعلیمی نظام اصول و مقاصد اور سیاسیات و کلیات سے زیادہ فروع اور اختلافی مسائل پر توجہ کی جاتی ہے اور کہا کہ اذہر کی دینی ثقافت نہایت تنگ اور کمزور ہے! میں نے کہا اذہر کی وہ خصوصی ثقافت کیا ہے جسے فضلاء اذہر کا امتیاز سمجھا جائے؟ شیخ نے جواب دیا کہ علوم لغویہ اور دور عباسی کا فلسفہ!

اس باب میں ہم دونوں کے خیال میں اتفاق پایا گیا کہ مکمل دینی صلاح دین کی کئی دعوت کی دعوت کے لئے اختلافی مسائل سے احتراز ضروری ہے شیخ غزالی اور مذہبی اختلافات نے فرمایا کہ شاید آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ میں اپنی تحریروں میں ایسے مسائل میں جن میں دورائیں ہو سکتی ہیں دامن بچا کر نکل جاتا ہوں۔

ہم دونوں اس بات پر متفق ہوئے کہ اختلافی مسائل میں پڑ کر اُمرت کی نشاۃ ثانیہ ناممکن ہے۔

شیخ نے بطور بذلہ سنجی کے فرمایا کہ کہیئے آپ کی کیا رائے ہے اگر ایک شخص ایک کتاب لکھے اور اس کا نام رکھے «انھاض الامة بمسئلة القرءاة خلف الائمة»

پرفتن کے متعلق | ہر وہ کے مسئلہ میں شیخ غزالی کی رائے یہ ہے کہ چہرہ کھولنے اور ڈھانپنے میں راہِ وسط و اعتدال اختیار کرنا ضروری ہے یعنی صرف شرعی پرہیز ہونا چاہئے تاکہ ہماری خواتین دینی جدوجہد اور اس سلسلہ کی ضروری خدمات میں حصہ لے سکیں۔

اس سلسلہ میں انھوں نے اخوان کی دینی بہنوں کا ذکر کیا کہ اخوان کی گرفتاریوں کے زمانہ میں انھوں نے گرفتار شدگان کے خاندانوں کی کیسی مدد کی۔ انھوں نے کہا کہ یہ خواتین ہی گرفتار شدگان اور ان کے خاندانوں کے درمیان تنہا واسطہ تھیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو ان خاندانوں کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا۔ شیخ نے کہا کہ ہم نے اپنی ان بہنوں کے لئے ایک اس طرح کا سائربلاس ضروری قرار دیا ہے جیسا (مثال کے طور پر) راہبہ عورتیں استعمال کرتی ہیں۔

دینی جوش اور جذبہ جہاد | ایسے ہی ہم نے ایک اور مسئلہ میں گفتگو کی جو تمام اسلامی جماعتوں اور دینی تحریکات کے کارکنوں کے لئے ایک وائٹاںہ کیسے قائم رکھا جائے | ہم مسئلہ ہے وہ یہ کہ دینی جوش اور جہاد و قربانی کے جذبات ہمیشہ ایک حال میں نہیں رہتے، ان میں مدوجزر ہوتا رہتا ہے اور کبھی کبھی بالکل سرد و خالی ہوتے ہیں جس سے جماعت کی زندگی اور اس کی سرگرمی پر اثر پڑتا ہے، پس کیا صورت ہو کہ ”مد“ کے بعد ”جزر“ کی حالت پیدا نہ ہو اور حرارت برودت میں تبدیل نہ ہو؟ اس مسئلہ کے حل کے لئے بعض اہل تجربہ ذکر کی اور جماعت کو روحانی غذا دیتے ہیں اور ایسی باتیں گوش گزار کرتے رہنے کی ہدایت کرتے ہیں جو دینی جذبات میں گرمی اور تیزی رکھیں۔

بہر حال دینی جماعتوں کے لئے اس پہلو پر توجہ رکھنا بہت ضروری ہے یہی چیز جماعت کی زندگی کا سرچشمہ اور اس کی قوت کا منبع ہے! اس گفتگو کے بعد ہم نے اجازت چاہی اور قریبی ملاقات کے وعدہ پر رخصت ہوئے!

ایک فلسطینی بزرگ کی خدمت میں

عصر کے بعد ہم اپنے رفیق سید سلیمین شریف فلسطینی کے جد امجد شیخ عارت بن عبد الجلیل الشریف کی زیارت کے لئے گئے۔ شیخ سابق میں اشرف فلسطین کے معتمد اور مسجد اقصیٰ کے مدرس تھے۔ شیخ کی عمر اس وقت پچھارہ سال کی ہے۔ اپنی آل اولاد کے ساتھ مصر الجدیدہ میں پناہ گزین کی حیثیت سے مقیم ہیں۔ نہایت گرم جوشی اور اکرام کے انداز میں ملے اور بار بار بڑی محبت کے ساتھ فرماتے تھے: ”آپ لوگوں میں میں نے اسلام کی خوشبو پائی“

ہر تھوڑی دیر کے بعد اُن کے منہ سے یہ فقرے سن سن کر

المسجد حزین مسکین! ہائے مسجد اقصیٰ غم اور کس ہر سی کے عالم میں ہے!

المسجد مجزون! ہائے مسجد اقصیٰ غمیں ہے!

ہمارے دل بھر آئے تھے۔ ان کی زبان سے یہ فقرے نکلتے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو بہتے جاتے تھے۔ واقعی فلسطین کا زخم بھرنے والا نہیں ہے!

شیخ نے مسجد اقصیٰ، حرم سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان دونوں کے انوار و برکات اس قدر بیان کئے کہ ہمیں ان مقامات مقدسہ کی زیارت اور وہاں نماز پڑھنے کا غیر معمولی اشتیاق ہونے لگا۔ ہم نے شیخ سے دعا کی درخواست کی اور اجازت چاہی اور وہ بادیو اس کبر سنی کے ہمیں رخصت کرنے تھوڑی دور شریف لائے

سید کا بقیہ

اصرار بھی ہمارا قدرتی حق ہو، آج افریقہ کے صحرائی مردم خور باشندے بھی ”کچر“ کے اسی لغائے میں بزدل کر کے اپنے آباؤ اجداد کی ساری ناکردنیوں کو کردنی قرار دینے پر اصرار کر رہے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی کچری مسلمانوں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا ہو، خوش خیالوں کا ایک گروہ ان کو دیکھ دیکھ کر شاید وقتی خوش فہمیوں کا شکار ہو رہا ہو، سمجھا جاتا ہو کہ ”اسلامیات“ یا ”مسلیات“ پر خدا کا شکوہ اب ہمارے اندر بھی فخر کرنے والے پیدا ہو گئے ہیں، لیکن کچریت کی وجہ سے اسلام کی صداقت پر اصرار سوچنا چاہیے واقعی اسلام کی صداقت پر اصرار ہو اللھم اِنِّیْ اَعُوْذُبُکَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَہَرَ مِنْهَا

و ما بطن

انتخاب

اسلام کا اہم کردار | برطانوی مفکر مسٹر آرنلڈ بی نے اپنی کتاب سویڈیش آن ٹرائل میں اعتراف کیا ہے کہ شراب اور نسلی امتیاز کی مخالفت اسلام کے دو بڑے امتیازی نشان ہیں، وہ لکھتا ہے کہ:-

”انتہائی مدبرانہ قسم کی اندامی تدابیر جو خارجی جبر اور دباؤ کی مدد سے کسی قوم پر ظمونی تھی، ہم وہ سماجی برائیوں سے اس وقت تک نجات نہیں دلا سکتیں جب تک کہ اس قوم کے دلوں میں ان برائیوں سے نجات پانے کی خواہش اور اس خواہش کو ان میں بروئے کار لانے کا جذبہ بیدار نہ کر دیا جائے۔ روح کو منقلب کرنا ایک ایسا کام ہے جس کی توقع اہل مغرب کی اہلیت سے نہیں کی جاسکتی اور یہی وہ مرحلہ ہے جہاں اسلام آڑے آکر مستقبل میں ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اہل مغرب کو ہزار تجربہ کے بعد جو چیز اسلام میں نظر آ رہی ہے وہ خود مسلمانوں کو نظر نہیں آتی مغرب کے مفکرین اسلام کو مستقبل کے لئے ایک محفوظ سرمایہ سمجھتے ہیں مگر خود مسلمانوں کو خبر نہیں کہ ان کے خزانہ میں زرد و جواہر کی کتنی مقدار موجود ہے۔“

عربی مدارس | مسٹر فشی نے فرمایا کہ ہندی اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اسے سنسکرت سے مالا مال نہ کیا جائے اور اس کے روپ میں نہ ڈھالا جائے۔

آپ نے یہ بھی کہا کہ سنسکرت کو ابتدائی درجوں میں داخل کرنا چاہئے خاص طور پر میٹرک و کولین اور انٹرمیڈیٹ میں اگر اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے؟ یہ بھی ایک خیال ہے اور ہر شخص اپنے اپنے خیالات کا مالک ہے، اگر ہم کہہ سکتے ہیں تو صرف یہ کہ ہندوستان کے مسلمان عربی مدارس کی اہمیت کو محسوس کریں اور چھی طرح سمجھ لیں کہ مسلمانان ہند کی بقا عربی درگاہوں کی بقا پر منحصر ہے۔ پہلے یہ حقیقت مسلمانوں کی نظروں

سے پوشیدہ رہی، وہ بھی سمجھتے رہے کہ ان مدارس سے صرف مولوی پیدا ہوتے ہیں جو مفت کا کھاتے اور بیکاری کی زندگی بسر کرتے ہیں مگر آج ان عربی مدارس اور مہن کے پڑھے ہوئے مولویوں کی قدر معلوم ہو گئی کہ اسلامی تہذیب اور اسلامی روایات کچھ ان ہی کے دم قدم سے قائم ہیں۔ ہم خود کہا کرتے تھے کہ بلا سوچے سمجھے خالی قرآن کریم کی تلاوت کرنا قطعاً بے معنی ہے لیکن آج احساس ہوتا ہے کہ ایسا پڑھنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ کم از کم یہ توجہ چلتا ہے کہ قرآن سے مسلمانوں کا تعلق قائم ہے اور وہ الفاظ کے سہارے ہی اسلام سے وابستہ ہیں۔ ہندوستان کی حیاتی ذہنیت مسلمانوں کو ختم کر دے گی، اگر انھوں نے عربی زبان، عربی مدارس اور قرآن سے کوئی دلچسپی نہ لی، ایک وہ ہیں جو مردہ زبان کو حلق سے اتار رہے ہیں، ایک ہم ہیں جو زندہ زبان اور زندہ مذہب کی طرف سے مایوس ہیں کاش مسلمان عربی مدارس کی قدر کریں اور ان کی خدمت کو ایک بہت بڑا جہاد سمجھیں۔ (الجمینہ)

اعظم گڑھ ۲۱ رفروری، آج وزیر مال یو پی شری چرن سنگھ نے یہاں **امیدافزار سیرچ** سے ۵۰ میں دو کسانوں کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں بندروں کو دیتا نہیں مانتا۔ ہندو فیصلیں برباد کرتے ہیں۔ میری رائے میں انھیں ماڑا ڈالنا چاہئے اور میں نے ایک تجویز حکومت میں پیش کی ہے۔ رام چندرجی کی فوج کا سپہ سالار کبھی تھا جس کی ذات کہی ہو سکتی ہے جس کے معنی بندر کے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک ذات ناگ ہے جس کے لفظی معنی سانپ کے ہوتے ہیں۔ لوگوں نے محض توہم پرستی کی بنا پر بندروں کا تعلق ہنومان سے کر دیا جو غلط ہے (خبر)

بڑی امیدافزار ہے وزیر مال صاحب کی یہ تازہ لغوی اور تاریخی ریسرچ جو فیصلوں کی مسلسل اور کئی سال تک غیر ملتان بربادی کے بعد ہی ہو سکی شاید کہ ذبیحہ گائے کے سلسلہ میں بھی کوئی ریسرچ اس کی اندھا دھند بندش کے نتائج دیکھ لینے کے بعد ہو سکے :

نقیب کانگریس معاصر قومی آواز کے اسٹاف رپورٹر کی روایت ہے کہ جب **اُردو نواز لکشن** ۲۱ رفروری کو بجٹ ایجنڈ میں وزیر الیات یو پی نے یہ فرمایا کہ اتر پردیش

سرکار ناتمی ہے کہ اس پرویش میں اُردو بھی بولی جاتی ہے اور بہت سے بچوں کی مادری زبان ہے۔ اور پنڈت پنٹ اور ڈاکٹر کمپورنا مندا سی ایمان میں بیان دے چکے ہیں کہ سرکاری دفتر وڈ میں

درخواستیں اردو میں بھی دی جاسکتی ہیں تو شری گووند سہاسے (سابق پارلیمنٹری سکرٹری اور موجودہ ام، ال، سی) نے کہا کہ اردو کے بارہ میں یہ سرکاری اعلان تو ایک تکلفی حربہ ہے، اور انھوں نے کہا کہ موجودہ انکشن میں مسلمانوں نے کانگریس سے زیادہ بھی بے تعلقی کا اظہار کیا ہے تو سرکار نے یہ اعلان کیا، اگر پوری طرح بے تعلقی مسلمانوں کی طرف سے ظاہر ہو تو ہر کانگریسی قرآن شریف پڑھنے لگے گا۔

اس سے بڑھ کر لطیف و برجستہ داد کسی شاعر کو بھی سر مشاعرہ کبھی کیوں ملی ہوگی! زندہ باد شری گووند سہاسے! — یہ آزد و نوازی اگر انکشن ہی کی ہیداداری تو خدا کرے انکشن روز ہی ہوا کریں!

”جنگلو ر ۱۸ فروری، آج میوراٹھ سنگیت اکیڈمی کا افتتاح کرتے ہوئے راج برکھ ہڑائنس ہمارا مہاراجہ میورا

نے اپنی عدا رتی تقریر میں کہا کہ کامل سیاسی آزادی حاصل ہو چکنے کے بعد اب ہم کو سب سے پہلی فکر اپنی ذہنی و اخلاقی فلاح کی کرنی چاہئے۔ اور اس ذہنی و اخلاقی فلاح و بہبود کے پروگرام کے سلسلہ میں ایک بڑا اور سچا مرتبہ لگانے، ناچ اور نائک کا ہے۔“ (خبر)

مسلمان ہر سیاسی مسلک و مکتب خیال کے مسلمان دیکھ رہے ہیں کہ آزاد ہند انھیں کدھر لئے جا رہا ہے؟ ان کے اسلامی اخلاق و تمدن پر فرنگی تمدن جتنا ڈاکہ ڈالتا تھا وہ ڈال ہی چکا، اور اب جو رہی یہی کسر تھی اسے ہندو تمدن پوری کئے دے رہا ہے؛ ڈوم ٹوٹھاڑیوں، بھانڈوں، ٹھنڈیوں کے دھ پٹے جنھیں جاہلیت قدیم سر و پیشانی پر جگہ دے ہوئے تھی اور ہم نے انھیں ٹھکرا کر روند کر کے پامال کر کے رکھا تھا اب وہ پھرنے سے سرے سے سر چڑھنے لگے اور ہندو تہذیب و خاکستری بننے لگے ہیں۔۔۔ جمعیت علماء مسلم لیگ (مدراس) مسلم جماعت، جماعت اسلامی، سائے اسلامی دہلی ادارے عموماً اور ادارہ جمعیتہ علماء خصوصاً کیا اسے اپنا کھلا ہوا فرض نہیں سمجھتے کہ ایسے فتنہ کا متحدہ اور ہر ذور مقابلہ کریں اور سارے ملک کی نصیب اگر نہیں بدل سکتے تو کم سے کم اپنے ہی قافلہ کو اس ہلک آب و ہوا کے اثر سے بچائے رکھیں؟ (صدق جدید)

انگ پور ٹائمز ۱۶ جنوری کے ادارہ سے :-
اصلاح کا واحد طریقہ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ڈاکٹر کے۔ این۔ کاٹھو مرکزی وزیر

دفاع کی زیر صدارت CONSTRUCTIVE WORK COMMITTEE مقرر کی ہے اس نے

سفارش کی ہے کہ برسر اقتدار کانگریسیوں اور ان کے حکومت سے باہر کے ساتھیوں میں اختلافات کے اسباب اول الذکر کانگلوں میں رہنا قیمتی کاروں میں گھومنا اور مسرفانہ طرز زندگی ہے جسے ختم ہونا چاہئے۔ مختصر یہ کہ وزیر کو مفصل دور کے نوایوں کا سارا ہن ہن ترک کرنا چاہئے۔

کہیں یہ سفارشات آئندہ الیکشن میں کانگریس کی گرتی ہوئی ساکھ کو قائم رکھنے کے لئے تو نہیں کی گئی ہیں۔ مہاتما گاندھی نے جنگ آزادی کے دوران میں متعدد بار اعلان کیا تھا کہ آزادی حاصل ہونے کے بعد گورنمنٹ ہاؤسوں کو اسپتالوں میں تبدیل کر دیا جائے گا اور حکومت کے وزراء اور افسران عوام کے آگاہ نہیں بلکہ ان کے خادم بن کر رہیں گے۔ گزشتہ آٹھ سالہ تجربے نے مہاتما گاندھی کی آرزوں کو گلا گھونٹ دیا ہے۔

وزیر اعظم نہرو و شانہ طمطراق کی کتنی ہی مذمت کیوں نہ کریں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کی دہلی اور صوبائی راجدھانیاں پچھلے دور کے ان شہروں کی یاد دلاتی ہیں جن میں عیش پسندی کا دور دورہ اور علم و قابلیت کا فقدان تھا سابق راجاؤں اور نوابوں کے ساتھ انصافی ہوگی۔ اگر ان کی عیش پرستیوں کے باوجود ان کی کچھ نیک روایات کا اعتراف نہ کیا جائے تو نیکال کے ایک سابق حکمران نے شاہی بادشاہی خانہ میں اس وقت تک نہک استعمال کرنے کی ممانعت کر دی تھی جب تک ریاست کے ہر شہر ہی کو نہک مہیا نہ کیا جائے۔ کچھ ایسے بھی زمیندار تھے جو دھیر کا کھانا اس وقت تک نہ کھاتے تھے جب تک گاؤں میں ہر شخص کے لئے کھانے کا انتظام نہ ہو جاتا۔ ان جابر حکمرانوں کے مقابلہ میں ہمارے جمہوری وزراء کا یہ حال ہے کہ مشکریہ کنٹرول قائم کرنے سے پہلے بوروں و شکر ذاتی استعمال کے لئے جمع کر لیتے ہیں اور پٹرول کی قلت کے زمانہ میں سینکڑوں میل کاروں پر بارائیں لے جاتے ہیں تاکہ عوام پر اپنی عظمت کا سک بٹھاسکیں کچھ دزدوں کو سال میں پچاسی روپے فی عدد کی قیمت کے ۳۳ فوٹین بینوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کے لئے خصوصی منظوری دی جاتی ہے۔ سنگ بنیاد رکھنے اور عوام سے رابطہ قائم کرنے کے لئے طویل دوروں کے ام پرووزا، اور نائب وزراء دونوں ہاتھوں سے عوامی خزانے کو لوٹ رہے ہیں۔ اس کے برخلاف ہم نے نہیں سنا کہ چرچل یا ایڈن نے سنگ بنیاد رکھنے اور ایڈریس سننے کے لئے دورے کئے ہوں لیکن یہ باتیں ہندوستانی دزدوں کی

سرگرمیوں کا اہم جزو ہیں، ایک وزیر کے ناگہور سے راجپور یا جہلبور کے ہوا کے سفر کا خرچہ گیارہ سو روپیہ تک پہنچتا ہے۔ اگر ہم ان کے دوروں کا جائزہ لیں تو یہ پتہ چلے گا کہ گاندھیا کی فلسفہ کے علمبرداران وزراء پر کتنی دولت صرف ہو رہی ہے محض وزراء کی تنخواہوں میں کمی کرنا اور انہیں معمولی مکانات میں رہنے پر مجبور کرنا سادگی کی ایک ادنیٰ نمائش ہے جس سے حالات کی اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک ان میں یہ احساس نہ پیدا کیا جائے کہ ایک ایک بانی کے ناجائز خرچ کے لئے وہ خدا اور اسٹیٹ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ صرف ہمتاؤں ہی سے اس طرز عمل کی امید کی جاسکتی ہے۔

سلطان ناصر الدین احمد قرآن لکھ کر اپنا گزارہ کرتا تھا، روزانہ چوہا پھونکتے پھونکتے تنگ آ کر ایک دن بیگم نے شکایت کی کہ آپ میری مدد کے لئے ایک ملازمہ کیوں نہیں رکھ دیتے جبکہ حکومت کا خزانہ بھرا ہوا ہے۔ سلطان نے فوراً جواب دیا خزانہ میرا نہیں اللہ کا ہے دوسری مثال محمود گکاواں قطب شاہ کے دیوان کی ہے کہ جو فقیروں کا پیالہ رکھتا اور انہیں کا لباس پہنتا تھا اور اپنے اقتدار کو امانت سمجھتا تھا۔

• عوام کو کانگریسی وزارتوں سے ایسی ہی دیاننداری اور صاف باطنی کی توقع تھی لیکن انہوں نے اپنے مسرفانہ ریسن بہن سے عوام کو ناامید کر دیا اور کانگریس کے وقار کو ملیا میٹ کر دیا آٹھ سال تک اقتدار کے غیر ذمہ دارانہ استعمال کے بعد یہ لوگ ایک دن میں نمائشی سادگی کے ذریعہ عوام کے دلوں میں جگہ نہیں کر سکتے ہمیں امید نہیں کہ یہ لوگ کمیٹی کی منشا کے مطابق اپنی روزمرہ زندگی میں تبدیلی کر سکیں گے۔ بہر حال یہ ایک اچھی علامت ہے کہ کانگریس کو اپنے روال کے اسباب پر غور کرنے کی فرصت تو ملی ہے۔ (دعوت)

اعلان

خریدارانِ الفرقان میں ہے اگر کوئی صاحب فائل کا اہتمام نہ کرتے ہوں اور ان کے پاس صفر ۱۳۷۲ کا شمارہ موجود ہو تو قیمتاً یا مائیت دفتر کو ارسال فرمادیں بعض حضرات اس کے طالب ہیں۔
منیجر الفرقان

تعارف و تبصرہ

سوانح قاسمی | از مولانا سید مناظر الحسن گیلانی عم فیوضہ، ناشر دفتر دارالعلوم دیوبند۔
کتابت طباعت اور کاغذ نہایت نفیس الفرقان ساتر صفحات ۶۱۲ قیمت دس
نہیں (غالباً بچہ روپے ہے)

حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند، نور اللہ مرقدہ کی ذات
گرامی محتاج تعارف نہیں، اُن کا کام اُن کے نام کو دوام بخش چکا ہے۔ وہ تنہا ہندوستان کے
مسلمانوں کے لئے جتنا بڑا کام کر گئے ہیں، بڑی بڑی جماعتیں بھی شاید اتنا کام نہ کر سکیں۔ ان کے
ہاتھوں اس سرزمین پر ایک ایسا چشمہ فیض جاری ہوا جس سے صد ہا اُنکال اہل علم و دین پیدا ہوئے
اور حدود ہند سے آگے بڑھ کر بیرون ہند کے بھی کتنے ہی تشنہ کا مان علم اس سے سیراب ہوئے اور
ہو رہے ہیں۔ مگر عجیب اتفاق تھا کہ اتنے اہل علم کا مورث ہوتے ہوئے — جن کے قلم سے مجموعی
طور پر صد ہا دفتر نکل چکے ہوں گے — آپ کی کوئی مفصل سوانح حیات اب تک وجود میں
نہیں آئی تھی اور اب خدا کو منظور ہوا تو اتنی مفصل سوانح وجود میں آئی ہے کہ اس کی پہلی جلد
ہی ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جبکہ دو جلدیں اور باقی ہیں۔ اور آپ کو سکر تعجب ہو گا کہ ضخامت کا
یہ عالم جب ہے جبکہ اس کا اصلی اخذ یعنی مولانا محمد یعقوب صاحب کی لکھی ہوئی سوانح صرف
۲۶ صفحات پر مشتمل ہے — یہ سوانح بھی کتاب کے شروع میں شامل کر دی گئی ہے — اس
محافظ سے اس تالیف کو دقیقہ رسی اور کثرت آفرینی کا شاہکار کہا جاسکتا ہے اور پڑھنے والے کو
مؤلف دام مجیدہ کی طباعی اور ذہانت کا ہر اماننا پڑتا ہے۔

اس کی تالیف کا فخر اسی چشمہ فیض کے قابل فخر فیض یافتہ ہمارے آپ کے جانے پہچانے

سہ کتب خانہ الفرقان لکھنؤ سے بھی مل سکتی ہے۔

حضرت مولانا سید مناظر الحسن گیلانی دامت فیہم کو حاصل ہوا ہے۔ یہ جلد صرف حضرت کے ذاتی اور عائلی حالات پر مشتمل ہے۔ جی بہت چاہتا ہے کہ تعارف میں کتاب کی ایک جھلک دکھلا دی جائے مگر پوری کتاب اول سے آخر تک اتنی مسلسل گتھی ہوئی ہے اور اتنے مختلف موضوعات میں پھیلی ہوئی ہے کہ تبصرہ نگار اس کی تلخیص سے عاجز ہے۔

کتاب میں چاہا تو وضع و تشریح کے لئے حواشی کا بھی ایک سلسلہ ہے جس میں زیادہ حصہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب ہتم دارالعلوم دیوبند کے قلم کا ہے جنہوں نے کہنا چاہئے کہ کتاب کو ایڈٹ کیا ہے۔ اکثر حواشی ضروری اور مفید ہیں۔ خاص طور پر صفحہ ۷۷م کا حاشیہ تو قابل دیدہ و سہرہ ہے۔ لیکن ایسے بھی ہیں جن کی ضرورت بلکہ موردِ نیت میں کلام کیا جاسکتا ہے۔ خاص کر صفحہ ۷۷م کا حاشیہ۔ خدا کرے کہ کتاب کو قبول عام حاصل ہو اور جلد ہی دوسرے اور تیسرے ایڈیشن کی نوبت آئے جیسی کہ انشاء اللہ توقع ہے مگر آئندہ ایڈیشن کے لئے ایک بات ہم ابھی سے عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ موجودہ فہرست مضامین نہایت تثنیہ ہے۔ کوئی صاحب اگر تھوڑی سی محنت کر کے اس تشنگی کو دور فرمادیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ اس کام کے لئے ضرورت اس بات کی پڑے گی کہ کتاب میں موقع بموقع نئے عنوانات قائم کئے جائیں جن کی بڑی گنجائش ہے۔

الذی جناب مولانا عزیز احمد صاحب قاسمی بی۔ اے (جامعی) نانشر
اسلامی عقائد اور سائنس | ادارہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند کا غذا اور کتابت

طباعت عمدہ صفحات ۵۶، قیمت ۸ر

ہمارا دور سائنس کا دور ہے جس کی تحقیقات نے بہت سے لوگوں کے مذہبی عقاید کو بھی متزلزل کر دیا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو متزلزل تو نہیں ہوتے البتہ ان تحقیقات اور اپنے عقائد میں تطبیق نہ کر سکنے کی وجہ سے شکالات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی کسی صاحب کی تشنگی کے لئے مولانا عزیز احمد صاحب نے یہ رسالہ قلم بند فرمایا ہے جس میں اسلام کے چند بنیادی عقائد و جوہر باری تعالیٰ، عدم تجسم، خالقیت اور ہر جا موجودیت، عرش، علم غیب اور قدرت مطلقہ وغیرہ کو تازہ سامنی نظریات کی روشنی میں برحق ثابت کیا گیا ہے لیکن جیسا کہ چاہئے تمام صنف نے ابتدا ہی میں اس بارے میں تنبیہ کر دی ہے کہ سائنس کے نظریات سے صرف انتہا دکا کام لیا جاسکتا

ہے بنیاد ثبات نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ یہ نظریات ہر دم تغیر پذیر ہیں۔ اور پھر اسی سے یہ بات بھی نکل آتی ہے کہ ان نظریات کو بنیاد انکا رکھی نہیں بنانا چاہئے۔

رسالہ کا انداز تحریر بہت سلیس اور سچا ہوا ہے۔ مگر پہلا بحث جس قدر زور دی پاسٹ ہے اگلی بحثوں میں یہ بات نہیں ہے۔ شاید سوالات کی نوعیت اس کی متقاضی ہوئی ہو، اور اس لئے اچھا ہوتا اگر جوابات سے قبل سوالات بھی درج کرتے جاتے۔

بہر حال موجودہ حالت میں بھی یہ رسالہ کچھ کم مفید نہیں ہے جن کو اشکالات ہوں ان کو اطمینان کے لئے اور جن کو اشکالات نہ ہوں ان کو از دیا و ایمان کے لئے اس کے مطالعہ سے مستفید ہونا چاہئے۔

فقہ الحشید | از مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند ناشر نور محمد کا رخا نہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔ کتاب طبعیت عمدہ کاغذ بہت مہمولى مجلد قیمت ۱۰

مولانا سید اصغر حسین صاحب مرحوم کے مشہور رسالہ الجواب التین باعادیث سید المرسلین کو جو دیوبند میں بار بار چھپ چکا ہوگا، نئے ناشر نے اس نئے نام سے کتابی سائز پر شائع کیا ہے لیکن اصل نام کی تصریح کے ساتھ بہر حال یہ اس رسالہ کی اچھی خدمت ہے۔

عصر سے شائع ہونے کی وجہ سے یہ کتاب غالباً اب کسی تہصرے کی محتاج نہیں ہے البتہ ناواقف حضرات کے لئے اتنا تعارف کوڑ دینا ضروری ہے کہ اس میں مولانا مرحوم نے مختلف ایاد فقہ کے ۱۳۳ مسائل کے احکام کو احادیث سے ثابت کیا ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ مرد و زن کی عام زندگی کے لئے بہت کارآمد مجموعہ ہے۔

بشری | از مولانا سید شاہ عثمان غنی صاحب ناظم امارت شریعہ صوبہ بہار۔ ناشر غنی بک ڈبیلو دریا پور ڈپن نمبر ۱۰۔ کتاب طبعیت اور کاغذ بہتر صفحہ ۸۰۔ قیمت ۱۲

یہ سیرت نبوی کے موضوع پر ایک مختصر سی تصنیف ہے جس میں پیدائش سے وفات شریف تک کے اہم اہم واقعات اور آنحضرت کے موٹے موٹے دلائل و خصوصیات و عادات کو سبق آموز باتوں کی شکل میں تزیینی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ مصنف کی توقع کے مطابق مسلمان نوجوانوں کی دینی تربیت میں اس سے بہت مدد ملے گی۔

مرتبہ مولوی عاشق الہی صاحب بندنہری، ناشر ادارہ اشاعت
رسول اللہ صلعم کی بیویاں و بیئات، حضرت نظام الدین اولیاء، دہلی کا غذا و رکت بت و

طباعت بہتر صفحات ۱۴۴۱ مجلد قیمت پیر۔ بلا جلد پیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، امت کی امیں ہیں اور براہ راست رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہنے کی بنا پر ان کی زندگیوں میں یقیناً امت کی آؤں بہنوں کیلئے
ایک قابل تقلید اسوہ ہے۔ اس کتاب میں اسی اسوہ کو پیش کیا گیا ہے مگر بہت مجمل؛ ضرورت اس کی تھی
کہ ان کی زندگی کے روزمرہ کے حالات و واقعات کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا۔ شاید دوسرے
حصہ میں اس کی کوہلا رکھا جائے۔

فہرست مضامین میں غیر ضروری اجمال سے کام لیا گیا ہے۔ اگر ذیلی عنوانات بھی فہرست میں
شامل کرنے جاتے تو اچھا تھا۔

مرتبہ جناب سید ازہر شاہ صاحب قیصر کتب طباعت اور کاغذ بہتر، ۴۶ صفحہ ۱
حیات النور

مجلد مع گرد پوش قیمت چار روپے۔ ملنے کا پتہ سید محمد ازہر شاہ قیصر شاہ منزل۔ دیوبند
فرزندان قاسمی کے لئے یہ سال کچھ محب ہی مبارک سال ہے کہ ایک طرف تو عرصہ دراز کے
بعد حضرت ابائی دارالعلوم نور اللہ مرقدہ کی سوانح حیات کا روضہ ہر دستہ اس سال کے ہاتھوں آیا۔
اور دوسری طرف اسی دارالعلوم کے گل سرسبز حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
کی حیات طیبہ کے بعض گوشوں اور آپ کے علمی نفاذ و کلمات ہر ایک نظر افروز مجموعہ بھی مرتب و کر
اسی کے ساتھ منصفہ شہود پر آیا ہے۔ اسی مجموعہ کا نام حیات النور ہے۔

اس مجموعہ میں حضرت مرحوم کے بعض خصوصی تلامیذ مثلاً مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد رفیع
بنوری، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، مولانا محمد صاحب انوری، حضرت مولانا اعجاز علی صاحب
مولانا قاری محمد طیب صاحب، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا محمد منظور صاحب لعلی اور مولانا سعید احمد صاحب
اکبر آبادی وغیرہم نے آپ کے مختلف علمی کمالات اور فضائل حیات ہر اپنے اپنے رنگ میں لکھا ہے
اور ان مضامین کو مرتب کر کے حضرت مرحوم کے صاحبزادہ کرم مولوی سید ازہر شاہ صاحب نے اپنے
ایک افتتاحیہ اور ایک مقالہ کے ساتھ حیات النور کے نام سے شائع کیا ہے۔

افتتاحیہ کے علاوہ کل تیرہ مقالے ہیں اور ہر ایک اپنی جگہ ہر ایک الگ افادیت رکھتا ہے۔

طلباء اور علماء اور عالم تعلیم یافتہ حضرات سب ہی کے دیکھنے کی چیز ہے۔

(نگاہ اولیں بقیہ صفحہ ۴۴)

وہ تھوڑا ہے۔

لیکن اس ذاتی تعلق کے علاوہ حضرت مرحوم کے ساتھ ارجحال کا اصل غمناک اور ملال انگیز پہلو یہ ہے کہ آپ کی ذات صحیح ترین الفاظ میں دارالعلوم کی تعلیمی روح تھی اور اب گویا وہ روح نکل گئی۔ خدا کے کسی اور قالب میں جلوہ گرفتارئے۔ تعلیم اور مطالعہ حضرت مولانا کا اور ضابطہ بچھونا تھا۔ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں غالباً ۱۶ گھنٹے ضرور اس میں صرف ہوتے تھے اور یہ حال تو ایام پیری میں تھا جبکہ مجھے قرب کی سعادت حاصل ہوئی۔ چہ نہیں شباب میں کیا عالم رہا ہوگا؟

حضرت الاستاذ کے فضائل اخلاق اور علمی کمالات پر اگر تھوڑا تھوڑا بھی لکھا جائے جب بھی ایک مقالہ درکار ہے، ان چند حوزہ نویس سطروں میں ان کا احاطہ کہاں کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت تو بس اپنے اور اُن کے رب کریم سے استدعا ہے کہ آپ کا بندہ عمر بھر انتھک محنت کرنے کے بعد آپ کے حضور میں حاضر ہو لے، اب آپ اپنی شانِ کبریٰ کے مطابق اُن کے ساتھ معاملہ فرمائیں اور بعد پورا جرعہ فرمائیں۔ اللہ صمّٰی صمّٰی

ما انت اهل امت اهل المغفرة و اهل الجود و اهل الکرم و اهل الاحسان

ادارہ الفرقان خود آپ کے پسانندگان میں شامل ہے وہ کسی کی تعزیت کیا کرے۔ صاحبزادگان جنم ہر قدر ترقی طور سے اس صدمہ کا اثر زلزلہ ہوگا، ان کی تسلی کے لئے اگر کافی ہو سکتا ہے تو اتنا کافی ہے کہ اس صدمہ میں وہ تنہا نہیں بلکہ ایک عالم کا عالم ان کا شریک ہے:



یاد رکھئے

ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی! ننان اہتمام

تمام مشروبات میں صحت

شربت نشاط فروز

اعتماد کے قابل ہے۔ بہترین مفرح اور نہایت مفید۔

قیمت فی بوتل (۲۴ اونس) دو روپیہ آٹھ آنے۔ مقامی ایجنٹوں اور اثاثہ کسٹوں سے طلب کیجئے

ایجنسیاں :- (۱) شمشاد حسین رکاب گنج گوڑہ (۲) کھڑکی علی بیگ فیض آباد (۳) سید نور الحسن گاندھی نگر، لکھنؤ

دواخانہ طیبہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اپنے شفیق ترین استاد
کی
یاد میں

از محمد منظم و نعمانی عفا الله عنه

اِنَّ اللّٰهَ وَاِنَا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ۝ وَاَنَا بِكُمْ يَوْمَئِذٍ لَّاحِقُوْنَ

یہ ناچیز ۲۰ فروری سے کل ۱۱ مارچ تک احباب کے ایک تبلیغی قافلہ کے ساتھ سفر میں رہا اور ۲۰۲۱ کے بعد آج ۱۲ مارچ کو کھٹنڈو واپس پہنچا ہو۔ آج سے تین دن پہلے ۵ مارچ کو ہمارا قافلہ کھٹیار ضلع پورنیہ (ہار) میں تھا۔ وہاں کے مدرسہ دارالعلوم لطیفیہ میں ہمارا اقیام تھا، قریباً بچے دن کا وقت ہوگا کہ مدرسہ مذکور کے مدرس مولانا عبدالرزاق صاحب ایک تار ہاتھ میں لیے نہایت غمزہ و صورت میں دوڑے ہوئے آئے اور بھڑائی ہوئی آوازیں مجھ سے کہا کہ ”دیوبند سے آیا ہوا یہ تار ہی بہت بڑا حادثہ ہو گیا میں نے پوچھا کیا خبر ہے؟ انھوں نے جواب دیا اطلاع یہ ہے کہ حضرت مولانا اعجاز علی صاحب کے انتقال ہو گیا۔ اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں کسی گھڑی کسی کی بھی موت کوئی موجب حیرت واقعہ نہیں ہو لیکن چونکہ حضرت مولانا کی علالت کی کوئی اطلاع اس سے پہلے نہیں تھی، اس لیے تھوڑی دیر تو سنجیدگی سے کیفیت رہی، لیکن بالآخر یقین کرنا پڑا، اٹھ کر وضو کیا، کچھ نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے اپنے نہایت شفیق استاذ کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کی، — کھٹیار سے روانہ ہونے کے بعد کل کو کھپور میں اخبارات میں بھی یہ خبر پڑھ لی۔ اپنے ناظرین کرام سے گزارش ہے کہ وہ بھی حضرت رحم کیلئے مغفرت و رحمت اور ترقی درجات کی دعا فرمائیں، راقم الحروف پر بھی ان کا یہ احسان ہو گا۔

سب جانتے ہیں کہ اس دنیا کی حقیقت ایک سرائے سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ مسافروں کی آمد و رفت کا تانتا بندھا ہوا ہے اور زائہ ہزاروں بلکہ لاکھوں آتے ہیں اور جاتے ہیں، اس لیے کسی کا یہاں سے کوچ کر جانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، لیکن اس کے باوجود اللہ کے بعض بندے کچھ ایسی اخلاقی

خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں کہ ان کا اس دنیا سے جانا کسی قوم یا جماعت کے لیے واقعہ بہت بڑا حادثہ ہوتا ہے، اس لیے اُن سے تعلق رکھنے والوں کو اُن کی موت سے غیر معمولی رنج اور صدمہ پہنچتا ہے۔ حضرت اساذ رحمۃ اللہ علیہ بھی اللہ کے ان ہی بندوں میں سے تھے اس وقت کسی مفصل مذکرہ کی تو گنجائش نہیں صرف چار صفحے کی محدود وسعت کو پیش نظر رکھ کر حضرت محدث کی زندگی کے بعض پہلوؤں کے متعلق چند سطریں الفرقان کے ناظرین کرام کے لیے لکھنا چاہتا ہوں، اس سے انشاء اللہ کچھ اپنے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔

حضرت مولانا سے میری ابتدائی واقفیت حضرت مولانا نے اپنے ابتدائی دور ہی میں فقہ اور ادب کی بعض درسی کتابوں پر جو حواشی لکھے تھے اور درس کے انداز میں جو غیر معمولی خصوصیت پیدا کر لی تھی اس کی جسکے علمی اور درسی حلقوں میں اپنے ابتدائی زمانہ ہی میں حضرت مولانا کو خاص شہرت اور عظمت حاصل ہو گئی تھی۔ اے ۳۴-۳۵ سال پہلے جبکہ راقم الحروف عربی کی ابتدائی متوسط کتابیں پڑھتا تھا، خوب یاد ہے کہ اس وقت کے میرے بعض اساتذہ حضرت مولانا کی علمی اور درسی خصوصیات کے بہت مذکرے کیا کرتے تھے۔ میں نے پہلے پہل حضرت مولانا کا نام اپنے ان اساتذوں ہی سے سنا تھا۔

دارالعلوم میں میری حاضری | سوال ۳۴۳ میں یہ اپنی زبان دارالعلوم دیوبند گیا اور دو سال اور حضرت مولانا کا تدریسی امتیاز | رہا، پہلے سال میں ”ہدایہ اخیرین“ ”سبعہ معلقہ“ اور دوسرے سال میں ”تفسیر بیضاوی“ سورہ بقرہ جو اس وقت دورہ حدیث کے ساتھ پڑھائی جاتی تھی، اور ”سائل ترمذی“ مولانا ہی سے سبقاً سبقاً پڑھیں، اس وقت کا اپنا خیال اور اندازہ یہ تھا اور آج تک بھی اس میں کوئی فرق نہیں آیا ہے کہ مولانا حرم ان کتابوں کو اس طرح پڑھاتے تھے کہ اگر ان کے مؤلفین و مصنفین علامہ محمد غنیانی اور امام ترمذی، اور قاضی بیضاوی، اور امراء اہل اقیس وغیرہ اسکا مہلقات مولانا کا درس سنتے تو انھیں یہ دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوتی کہ ان کی کتابوں کا کیسا حق ادا کیا جا رہا ہے، خاص کر ہدایہ اخیرین کا درس تو اتنا ممتاز ہوتا تھا کہ علمی اور درسی ذوق رکھنے والے اہل علم جنھوں نے بار بار ہدایہ اخیرین پڑھائی ہوئی، مولانا کا درس سن کر انکا بھی جی چاہنے لگتا کہ ایک دفعہ ہدایہ اخیرین مولانا سے پھر پڑھیں اور بعض حضرات نے یہ کیا بھی۔

بے پناہ محبت اور بے انتہا مصروفیت حضرت مولانا کا خاص وصف جس میں اب تک انکا کوئی ثانی نہیں دیکھا گیا وہ انکی بے پناہ محنت اور بے انتہا مصروفیت تھی، میرا خیال ہو کہ دن رات کے ہم گھنٹوں میں دوپہر اور رات کے سونے کے چند گھنٹوں کو نکال کر دجو میرے اندازہ میں ۴۔۵ گھنٹوں سے زیادہ نہ ہوتے ہوں گے، اگر کوئی شخص اس کی کوشش کرے گا کہ ان کو کسی وقت فارغ اور غیر مشغول دیکھے تو مبینوں بھی نہ دیکھ پاتا۔ ان کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ آدمی اپنے وقت کی قدر کرے تو کتنا کام کر سکتا ہو۔ بلا مبالغہ وہ روزانہ اتنا کام کرتے تھے کہ اوسط درجے کے کام کرنے والے ۴۔۵ آدمی مل کر بھی اتنا کام عام طور سے نہیں کرتے۔

شیخ الادب والفقہ اور صدر مفتی دارالعلوم دیوبند خاصہ انخاص مہارت تھی اس لیے دارالعلوم دیوبند سے تعلق رکھنے والی علمی برادری میں عام طور سے ان کو "شیخ الادب والفقہ" کہا اور لکھا جاتا تھا۔ ایک عرصہ تک وہ دارالعلوم کے صدر مفتی بھی رہے لیکن بعد میں تدریس و نظامت تعلیم کی ضروریات نے دارالعلوم کے اہل عمل و عقد کو مجبور کیا کہ دارالعلوم کی صدارت افتا کے لیے کسی اور کا انتخاب کیا جائے اور تدریس اور نظامت تعلیم کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

تجوید و تصدیق اہل ہر قدیم طرز کے علماء میں علمی روح کے باوجود تجوید پر قدرت اور تصنیف کا اچھا ذوق رکھنے والوں کی کمی رہی لیکن مولانا مزوم صاحب علم و درس ہونیکے ساتھ صاحبِ قلم بھی تھے اور پسِ شگفتہ اردو لکھنے والوں میں تھے۔ دارالعلوم دیوبند کا قدیم نامنامہ "القاسم" جس ودرس دارالعلوم کی علمی شان کے مطابق ایک معیاری دینی و علمی ماہنامہ تھا اس زمانہ میں کافی عرصہ تک اس کی ادارتی ذمہ داریاں علماء مولانا ہی سے متعلق تھیں۔۔۔۔۔ القاسم کی پرانی جلد میں آپ کے بعض مضامین اب بھی ایسے محفوظ ہیں جو آپ کے طرز نگارش کا اچھا نمونہ ہیں۔

انتہائی شفقت کے ساتھ انتہائی دعب | غلبہ کے حق میں حضرت مولانا اس قدر رقیق تھے کہ اس کی مثال نہ دیکھی نہ سنی، بنیاد پر علم پڑھنے میں محنت اور نیک سیرت ہوتے، مولانا ان سے پہلے اپنی اولاد کی طرح محبت فرماتے، انکو اوقات مدرسہ کے علاوہ بعض اوقات کئی علمی سبق پڑھاتے، دن میں کوئی وقت خالی نہ ہوتا اور اس کے اوقات میں پڑھاتے۔۔۔۔۔ یہ ہو کہ وہ اگر حافظِ قرآن ہوتے تو ان کا قرآن جمیع سننے کے لیے بھی

وقت نکالتے، اگر کوئی وقت نہ نکلی سکتا تو تب ہی ان کو امام بنا کر ان کا قرآن سننے، واقعہ یہ کہ جنہوں نے دیکھا نہیں ان کو طلبہ کے ساتھ حضرت مولانا کی محبت و شفقت کا اس زمانہ میں کسی طرح اندازہ نہیں کرایا جاسکتا لیکن آپ کی یہ محبت اور شفقت۔ اس دلی محبت و شفقت بنوئی، جو بسا اوقات بیکہ کو بے تکلف اور بے باک بھی بنا دیتی ہو بلکہ ایک باوقار اور پررباب کی سی محبت و شفقت ہوتی جو طالب العلم کو مولانا کا گرفتار اور گردیدہ تو بنا دیتی لیکن اس میں بے تکلفی بھی نہ آسکتی۔ آپ کی سیرت کا یہ پہلو حضرت فاروقی عظم سے بہت مشابہ تھا۔ اسی لیے طلبہ جس قدر ان کے سامنے باادب اور محتاط رہتے اور جتنا ان سے ڈرتے اس میں ناچیز نے خود اپنی طالب علمی کے زمانے میں دیکھا کہ ان کے بھی اکابر مثلاً امین آبادی حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے بھی نہیں ڈرتے، مولانا کا یہ فاروقی طرز عمل طلبہ کے لیے جس قدر فیاد رہی سیرت، کا جیسا کئی افظا تھا اس کا اندازہ صرف انھیں کو ہوگا جو کچھ عرصہ دارالعلوم میں طالب علم بن کر رہے ہیں۔

بے مثال تواضع | اس وقار اور اس فاروقی رعب و جلال کے ساتھ تواضع اور کس نفی اس قدر تھی کہ جن کو خود واسطہ نہیں پڑا ان کو اب کسی طرح سے کوئی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ شخص کو پہلے سلام پہلے کے وہ اتنے حریم اور اس معاملہ میں اس قدر شاق اور حاکم دست تھے کہ ان کے قریباً سمجھی نماز مندوں نے جن کی تعداد ہزاروں ہو گئی مدتوں اس کی کوشش کی ہوئی کہ پہلے سلام عرض کرنے کی سعادت بھی انھیں حاصل ہو، لیکن راقم سطور کے ساتھ وہ سب شہادت دے سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں وہ ہمیشہ ناکام اور شکست خوردہ رہے۔ حضرت مولانا کا عام قاعدہ تھا کہ نگاہ نیچی کیے تیز چلتے اور جیسے ہی کوئی شخص سلام کی زوہر اٹھاتا یعنی اتنے قریب ہو جاتا کہ وہ سلام سن سکتا تو اچانک اس کی طرف نگاہ اٹھاتے اور نگاہ کے ساتھ ہی زبان اپنا کام کرتی اور اس بجا رہے کہ علیکم السلام ہی عرض کرنے کا موقع ملتا۔ دارالعلوم میں پڑھنے والے طالب علموں کے سوا جو شخص غنیمت آتا تھا اس کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ یہاں تک آپ کے جوش گرد طالب علمی کے زمانہ میں آپ کے خاص خادم اور نیا زندہ رہے ہوتے وہ بھی جب بعد میں بھی حاضر ہوتے تو حضرت مولانا ہمیشہ کھڑے ہو جاتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ پہلے انھیں بیٹھنے پر مجبور کرتے اور بعد میں خود بیٹھتے۔ واقعہ یہ ہے کہ تواضع اور دوسروں کے اکرام کی یہ صفت اس درجہ تھی کہ جو شخص آپ کو نہ جانتا اسے بسا اوقات نقصان اور بناوٹ کا شبہ ہو سکتا تھا۔

افسوس صد افسوس کہ ان اوصاف و کمالات کا حامل و جامع ہم سے جدا ہو گیا ہے !
اللهم اغفر له وادخه وعافه واعف عنه واکرم نزلہ ووسع مدخلہ
وانزل علی روحہ وجسدہ وترتبه شایبہ رحمتک ورضوانک واجعله
عن عبادک المقربین۔ آمین یا ارحم الراحمین !

DAIRY • HINDUSTAN
HYDERABAD DECCAN

مکمل ایمانانہ

ہماری دعوت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسی حمد پر ہمیں اپنی دنیا و آخرت اور ہمارا ایمان جو کہ ہمیں انسانیت کی نعمت کا ثمرہ ہے
 ہمیں ہر صحت اور ایک دل کی شہادت اور ایک شہادت ایک شہادت اور ایک شہادت اور ایک شہادت
 اس بات کا ہمیں ہر صحت اور ایک دل کی شہادت اور ایک شہادت اور ایک شہادت اور ایک شہادت
 اور صحت اور صحت اور ایک دل کی شہادت اور ایک شہادت اور ایک شہادت اور ایک شہادت
 جو کہ ان کے ہر صحت اور ایک دل کی شہادت اور ایک شہادت اور ایک شہادت اور ایک شہادت
 زندگی کو دنیا میں روح کی کوئی شہادت اور ایک شہادت اور ایک شہادت اور ایک شہادت
 حمد کرتے ہیں اسی کی دعوت ہے ہمیں اور ہمارے پیارے دوستوں میں اہم اس کا
 فی اظہار الشکوک والارباب فی القربی اللہ اعلم بالصواب

"آوازہ الفرقان"

میں سے سب سے

مختصر منظوم لفظی غفا الشریعہ

مولانا محمد منظور نعمانی

اور

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی

تبلیغی تقریریں

جو ہندوستان اور پاکستان کے مختلف شہروں کے اہم تبلیغی اجتماعات میں کی گئی تھیں۔ اور جن کے مخاطب تبلیغی جماعت کے کارکن، مسلم عوام اور غیر مسلم حضرات ہیں۔ ۱۲ تقریریں سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں۔

قیمت جلد دو روپے آٹھ آنے

ملفوظات

حضرت مولانا محمد الیاسؒ
جسے

مولانا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی مجلس اور مخصوص گفتگوؤں سے منتخب کر کے مرتب کیا ہے۔ علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہے، ایک ایک ملفوظ یقیناً اور معرفت کی بلندیوں سے اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

بہترین کتابت و طباعت

قیمت غیر جلد ایک روپہ آٹھ آنے

تصوف کیا ہے؟

مولانا محمد منظور نعمانی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد اویس ندوی کی مشترکہ تصنیف

جو اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث کے سچاؤ کے لحاظ سے اپنے موضوع کی ضخیم کتابوں کے مقابل میں بہت ممتاز سمجھی گئی ہے۔

۱۵ صفحات، بہترین کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ

قیمت ایک روپہ چار آنے

قادیا نیت پر

غور کرنے کا سیدھا راستہ

مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی ایک گفتگو جس میں صرف یہ بتلایا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف ہونے چاہئیں اور مرزا غلام احمد قادیانی میں وہ اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف تھے یا نہیں؟۔ بس یہی ان کو جانچنے اور برکھنے کا سیدھا اور آسان راستہ ہے۔

قیمت چھ آنے

ملکتی کاپیہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ کھٹو

| | | |
|---|---|---|
| ہندوستان و پاکستان سے سالانہ چندہ (بیکہ ہندوستان) عشر سالانہ چندہ (بیکہ پاکستان) نے ششماہی..... سے | افسوس لکھنؤ محبت فی کابینہ..... آٹھ آنے | غیر ممالک سے سالانہ چندہ..... اخلاک اعزازی خریداروں سے سالانہ..... |
|---|---|---|

جلد ۲۱ باب نمبر ماہ شعبان رمضان ۱۴۳۲ھ مطابق اپریل مئی ۱۹۵۵ء نمبر ۹

| نمبر شمار | مضامین | مضامین نگار | صفحہ |
|-----------|--|---|------|
| ۱ | نگار و ادبیں | ادارہ | ۲ |
| ۲ | مسلمان بچوں کا تعلیمی مسئلہ | مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی | ۳ |
| ۳ | قرآنی دعوت | محمد منظور نعمانی | ۱۲ |
| ۴ | معارف الحدیث | | ۲۰ |
| ۵ | پیشوا اسلام اور تلوار | ڈاکٹر محمد آصف صاحب لائی ایم اے پنجابی ڈی | ۳۱ |
| ۶ | ایک مقدس وقت اور اس کا ستویں | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | ۳۹ |
| ۷ | ہماری موجودہ زندگی کے خطرناک نتائج | محمد منظور نعمانی | ۴۷ |
| ۸ | سفر مصر (ڈاکٹری) | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | ۵۸ |
| ۹ | رمضان کا استقبال (ترجمہ) | ہفتین الرحمن بٹھلی | ۶۵ |
| ۱۰ | تذکرہ اعزازیہ سیرت کو ایک ہلکا سا خاکہ | مولانا سید فرید الوحیدی | ۷۲ |
| ۱۱ | اسلام کی ایک سچی یادگار | مولانا سید انظر شاہ صاحب | ۸۸ |
| ۱۲ | اعزاز العلماء کی معنایات | مولانا نسیم احمد صاحب فریدی | ۹۴ |
| ۱۳ | ادب ہائے تاریخ و فطانت | مولانا محمد حسن صاحب بدر بٹھلی | ۱۰۴ |

اگر اس ○ دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بیعید دی۔ پنی ارسال کیا جائے۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ تاریخ تک پہنچ جانی چاہئے۔ پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ سکرٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلیین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور مئی آڈٹ کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجیں تاریخ اشاعت :- رسالہ ہر گریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ ہمارے ساتھ طرہ رسید بھیجا جائے گا۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پزیر و پبلشر نے نمبر ہر مہینے لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

نگاہِ اولیں

اس مرتبہ بغیر کسی پیشگی اطلاع و اعلان کے دو ماہ کا مشترکہ شمارہ آپ کی خدمت میں پیش ہوا جس کا خیال تورجب کے شمارہ کی اشاعت پہلے ہی آیا تھا مگر حصولِ مضامین کی دقتوں کے پیش نظر ارادہ کر کے اعلان کر دینے کی ہمت نہ ہو سکی۔۔۔۔۔۔ لیکن ججب کی اشاعت کے بعد کچھ ایسی صورتیں سامنے آئیں کہ اس خیال کا عمل میں آنا آسان معلوم ہونے لگا اور بنامِ خدا ارادہ کر لیا گیا۔ یہ شمارہ شعبان و رمضان مطابق اپریل و مئی کا جواب اسکے بعد شوال مطابق جون میں اگلا رسالہ بنے گا۔ رمضان میں کسی مزید شمارہ کا استعار نہ فرمایا جائے۔ دعا فرمائیے کہ عید کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو خیریت کے ساتھ بلائے۔

اس اشاعت کیلئے مخدوم و محترم جناب مولانا سید ابوالحسن علی صاحب دی نے اپنا ایک خطبہ صدارت عنایت فرمایا جو اس کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر اس شمارہ کے نگاہِ اولیں کی جگہ شائع کیا جا رہا ہے اس مرتبہ اسی کو نگاہِ اولیں سمجھئے اور ہندوستان کے مسلمانوں کے جن ہم مسئلہ سے اس کا تعلق ہے اس پر تنبیہ دگی سے غور فرمائیے!

غافلِ مفئیں نہ وقت ہا ز یست وقت ہنراہست و کار ساز یست

ہماری خواہش تھی کہ ہم ادارہ علمی دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند اور فضلاء دارالعلوم کے عظیم المرتبت اور فقیہ الفاضل اُستاد حضرت مولانا محمد اعجاز علی صاحب نے اللہ مرقدہ کی سراپا فیضِ زندگی کا کچھ مفصل تذکرہ الفرقان کے صفحات میں پیش کریں کہ ایسی دائرہ روزگار دستیاں بھلائی جانے کے قابل نہیں ہوتیں اور ان کی زندگی کا ایک ایک ورق و اگر حفاظت کے ساتھ پہنچا دیا جائے تو آلے والوں کے لئے ایک قیمتی سبق بنتا ہے۔۔۔۔۔۔ ہمیں خوشی ہو کہ ہماری یہ آرزو بہت جلد برآئی اور اسی اشاعت کا ایک معتد بہ حصہ تذکرہ اعزاز سے متعلق جو اس میں مروج کی بروری زندگی تو نہیں لیکن زندگی کا ایک بکا سا خاکہ ضرور آگیا ہو۔۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ اسے مفید بنائے اور ہمارے تعلیمی اداروں میں مولانا کی شخصی حیثیت پروری فیاضی کے ساتھ پیدا فرمائے۔ واداک علی اللہ تعالیٰ

مسلمان بچوں کا تعلیمی مسئلہ

نئے ہندوستان میں

(جون پور (یو۔ پی) کی دینی تعلیمی کانفرنس کا خطبہ صدر)

(از مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی)

اضلاع مشرقی کا یہ اہم تعلیمی اجتماع جس شہر میں منعقد ہو رہا ہے اس کو ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں صدیوں دینی و ملی مرکزیت حاصل رہی ہے۔ نویں صدی کے بالکل آغاز میں امیر تیمور گورگاہ کے محلہ نے جب دہلی کو زیر و زبر کیا تو جوہنور کا پایہ دہلی سے بلند ہو گیا اور بہت سے علمی جواہرات جو سلطنت دہلی کے لئے کوہ نور اور سرمایہ فخر و سرور تھے جوہنور کی طرف منتقل ہو گئے انھیں منتقل ہونے والوں میں ملک العلماء شیخ شہاب الدین دولت آبادی (متوفی ۱۰۳۵ھ) اور ابوالفتح بن ایشخ عبدالحی بن عبدالمعتمد رکن الدین (متوفی ۱۰۳۵ھ) بھی تھے جن میں سے ہر ایک اپنی ذات سے ایک عظیم الشان دارالعلوم تھا۔ اور ہر ایک نے فضلاء کا ملین فن اور اہل درس کی اتنی بڑی جماعت تیار کر دی جو اس وقت بڑی بڑی یونیورسٹیوں سے ممکن نہیں۔ یہی وہ سرمایہ ہے جہاں تاریخ کی چشم مہر نے تخت سلطنت کو مندر علم کے سامنے جھکے ہوئے اور سلطان وقت کو علم کے بور نیٹس پر قربان ہوتے ہوئے دیکھا۔ دنیا کی علمی تاریخ میں یہ واقعہ ہمیشہ یادگار رہے گا کہ جب ملک العلماء شیخ شہاب الدین دولت آبادی بیمار ہوئے اور ان کی صحت سے ناامید ہی ہوئی تو سلطان ابراہیم شرقی نے پانی کا پیالہ ان کے سر پر گھا کر خدا سے عرض کیا کہ ملک العلماء سے

میری سلطنت کی رونق اور آب و تاب ہے اور ان کی ذات خلق خدا کے لئے سرچشمہ فیض ہے تو ان کی جگہ مجھے قبول فرما اور ان کو اٹھا کر میری سلطنت کو بے چراغ اور کم قیمت نہ کر، یہ دعا قبول ہوئی۔ ملک العلماء نے ابراہیم شرقی کی وفات (۱۸۳۷ء) کے پانچ سال بعد (۱۸۴۲ء) تک دنیا کو اپنے علم و درس اور تصنیف و تالیف سے فیض پہنچایا۔ سلاطین شرقیہ کے ہشتاد سالہ دور حکومت (۱۸۰۲ء-۱۸۸۱ء) دہلی اور جون پور کے درمیان سیاسی زور آزمائی بھی جاری رہی اور علمی تقابل و مسابقت بھی۔ پہلی کوشش کے نتیجے میں جون پور نے کوئی پائدار کامیابی حاصل نہیں کی لیکن دوسرے مقابلہ میں جون پور بارہا دہلی سے بازی لے گیا اور علماء دہلی نے علماء جون پور کی عظمت اور علمی تفوق کو تسلیم کیا۔ سلطنت شرقیہ کے زوال کے بعد بھی علماء جون پور کا دور دورہ اور ان کا علمی وادبی فائز رہا۔ دسویں صدی میں مولانا والدہ جو پوری (م ۱۹۲۲ء) اور مولانا بہار الدین (م ۱۹۱۳ء) جیسے علماء کا ملین اور گیارہویں صدی میں دیوان محمد رشید (م ۱۸۷۸ء) جیسا فاضل یگانہ و مرشد زمانہ، ملا محمود جو پوری (م ۱۸۷۸ء) جیسا مجتہد فن اور کیاٹے روزگار عالم نظر آتا ہے جس کی شیس بارہ درس نظامی کے نظام شمس میں بلند ترین مقام رکھتی ہے۔ بارہویں صدی میں جس طرح دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ذات میں بیک وقت مدرسہ و خانقاہ اور ہاتھ میں جام شریعت و سندان عشق، نظر آتے ہیں اسی طرح اس صدی کی ابتدا میں جون پور میں دیوان محمد رشید کے خلیفہ رشید بلکہ ارشد دیوان محمد ارشد (م ۱۸۸۸ء) صاحب درس و صاحب ارشاد ہیں۔

تیرہویں صدی میں جون پور کو اس صدی کے مجدد حضرت سید احمد خمیدہؒ کے وجہی القدر خلفاء حضرت مولانا سخاوت علی اور حضرت مولانا اکرامت علیؒ کے وجود پر ناز ہے۔ اول الذکر نے جون پور اور باندہ میں برسوں درس و تدریس میں مشغول رہ کر صد ہا جلیل القدر عالم اور مدرس پیدا کئے اور اصلاح مشرقیہ میں مقائد و اعمال کی اصلاح کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ آخر الذکر سے بنگال کے وسیع اور پسماندہ خطہ نے دین کی روشنی اور علم کی چاشنی پائی۔ اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس دور آخر میں کسی ایک شخص نے اتنے وسیع خطہ اور اتنی کثیر تعداد کو اپنی تبلیغی مساعی سے متاثر نہیں کیا، پھر جب مدارس کا دور آیا تو شیخ امام بخش کے مدرسہ خفیہ نے نصف صدی تک علم کی شمع روشن رکھی اور ہندوستان کے متعدد جلیل القدر علماء و مدرسیں

نے اس کو اپنے درس و تدریس سے رونق بخشی۔ اس لئے جو پور اس وقت سے جب غیر درشا کے عہد میں وہ آباد ہوا تھا اس وقت تک علم کی امانت اپنے سینہ سے لگا کر رہا اس گزشتہ تاریخ اور ان شاندار روایات کی بنا پر اس کو یہ استحقاق حاصل ہے کہ یہ اہم تعلیمی اہتمام اس کی مرز میں بر منعقد ہو۔

حضرات! زمانہ کے انقلابات نے دہلی اور جو پور کی سیاسی رقابت صدیوں پہلے ختم کر دی تھی اور جو پور نے دسویں صدی ہی میں دہلی کی سیادت و مرکزیت تسلیم کر لی تھی، علم کی ترقی و اشاعت میں اس وقت سے وہ دہلی کے دوش بدوش اور قدم بقدم ہے، موجودہ تعلیمی اجتماع جس میں مشرقی اضلاع کے اہل علم و اہل فکر جمع ہیں اور جو پور کو کمیز بانی کا شرف حاصل ہو رہا ہے اس بات کا تازہ ثبوت ہے کہ وہ اس اہم تعلیمی مسئلہ میں دہلی کے ساتھ مشترک عمل اور تعاون کے لئے تیار ہے اور اس کو دہلی کی اولیت و مرکزیت تسلیم ہے۔

حضرات! پہلے حکومت ایک محدود ادارہ تھا جس کا تعلق زیادہ تر ملک کے نظم و نسق، فوج پولس اور محاصل و مالیات سے ہوتا تھا، زندگی کے بہت سے شعبے اس کے دائرہ عمل اور دائرہ اثر سے خارج ہوتے تھے، قوم اپنے نظام تعلیم، تہذیب و تمدن، اخلاق و معاشرت میں آزاد ہوتی تھی اور اس بارہ میں خود مختار تھی کہ وہ ان کا جو سانچہ پسند کرے یا اختیار کرے یا گزشتہ سانچہ قائم رکھے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ انقلاب سلطنت سے ضروری نہ تھا کہ تعلیم و تہذیب میں کوئی انقلاب آئے۔ تا تاریخوں کے حملہ کی قیامت نیز یہی ابھی تک دنیا کو یاد ہے اس نے تمام عالم اسلام کی چلیں ہلا دیں لیکن عالم اسلام کے نظام تعلیم و تہذیب کو نہیں چھیڑا ہندستان کے فاتحین اور حکمران خاندانوں نے یہاں کے نظام تعلیم اور اس کے مختلف عناصر اور قوموں کی تہذیبی تعلیمی خود مختاری میں بہت کم دخل دیا۔ یہ طرز حکومت کچھ غریباں بھی رکھتا تھا اور کچھ معائب بھی۔ اس وقت اس کی خوبیوں اور نقصان کا موازنہ مقصود نہیں لیکن جب سے یورپ میں نئی طرز کی جمہوری حکومت کا آغاز ہوا، یہ سمجھا جانے لگا کہ حکومت محض ایک انتظامی مشین نہیں بلکہ اس کی حیثیت ایک اتالیق اور مرئی منظم کی ہے، اس کا دائرہ عمل ملک و قوم کی پوری زندگی پر وسیع اور اس کے حدود اختیار زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہیں، وہ قوم کو تعلیم دیتے، تہذیب سکھاتے، اور اس کی دماغی

تربیت کی بھی ذمہ دار ہے۔ اس طرز فکر کا نتیجہ ہے کہ حکومتیں پورے پورے ملک اور پوری پوری قوم کی تعلیم کا بندوبست کرتی ہیں اس کے لئے وسائل تعلیم مہیا کرتی ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں مدارس و کالج قائم کرتی ہیں اور تعلیم کو عام کرنے کے لئے جبری تعلیم کے قانون کا نفاذ کرتی ہیں۔ حکومت کا یہ جدید رجحان جس کی تاریخ ایک صدی سے زیادہ نہیں ہے ایک بڑا تاریخی پس منظر ہے۔

مبارک رحمان ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حکومت کو انتظامی، فوجی و مالیاتی دائرے میں محدود کر دینا حکومت کا ایک جماداتی تخیل اور فرض حکومت کا نہایت تنگ اور محدود تصور ہے، ایک صحیح اور فرض شناس حکومت درحقیقت ایک اتالیق (GUARDIAN) اور ایک خیر خواہ و شفیق سرپرست (PATRON) ہی کی حیثیت رکھتی جو اس سے ان تمام فراغ و خدمات کی انجام دہی کی توقع بجا ہے جو ایک شفیق سرپرست اور ایک مستعد فرض شناس مربی انجام دیتا ہے یقیناً حکومت کی ایک اہم ترین ذمہ داری ہے کہ اپنے شہریوں کی تعلیم کا انتظام کرے اور ان کو خواندہ تعلیم یافتہ بنانے کی امکانی جدوجہد کرے تعلیم کے وسائل و مراکز تیار کرے اور کوشش کرے کہ ملک میں ایک بھی ناخواندہ، اور بے شعور انسان نہ رہے۔ جہاں تک حکومت کے اس بنیادی تخیل کا تعلق ہے کسی صاحب شعور انسان کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا، صحیح دینی حکومت جس کا نمونہ کمال خلافت راشدہ تھی اسی بنیادی عقیدہ پر قائم ہوئی کہ حکومت پوری قوم کی اتالیق ہوتی ہے فرقہ اتنا ہے کہ خلافت نے اپنے کام کو حرت شناسی اور خواندگی میں محدود نہیں سمجھا تھا اور اس پر کبھی تناعت نہیں کی کہ ساری قوم خواندہ ہو جائے بلکہ قوم کے اخلاقی شعور اور اخلاقی بلوغ کو اپنا مقصد نظر بنایا اس طرز حکومت کے ایک معتبر نمونہ ہے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اپنے مشہور تاریخی فقرے میں اس طرز حکومت کی اسی امتیازی خصوصیت کو بیان کیا جب خلیفہ انتظامی نہایت رکھنے والے بعض کارکنان حکومت نے ان کی اصلاحی تجاویز اور جمہور کے دینی رجحان کی وجہ سے حکومت کے مالی خسارے کی شکایات کیں تو انہوں نے اپنے طرز حکومت کی طرف سے یہ کہہ کر ممانعت کی اور اس کو حق بجانب ثابت کیا ”جن کے ہم قائم مقام ہیں انہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تحصیلدار بن کر دنیا میں نہیں آئے تھے صلح اور ہادی بن کر دنیا میں آئے تھے“ حکومت کا یہ بنیادی تخیل کہ قوم کی عمومی تعلیم اس کا فرض منصبی ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں

نہایت قابلِ قدر اور لائقِ تحسین اقدام ہے، اس میں کسی شخص کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا لیکن یہ اقدام جتنا مبارک اور عظیم الشان ہے اس کا راستہ اتنا ہی نازک اور مشکل ہے اور اس پر چلنے کے لئے بڑی سہک رومی اور احتیاط کی ضرورت ہے کہ ع۔

زیرِ قدمت ہزارِ جان است

ایک ایسے ملک میں جہاں مختلف عقاید مختلف اخلاقی قدروں اور مختلف مذاہب کی قومیں آباد ہوں تعلیم کا جبری اور عمومی نظام نافذ کرنے کے لئے بڑی وسعتِ نظر و وسعتِ قلب اور شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی، کم نظری یا محبت..... کی کار فرمائی سے اس کا اندیشہ ہے کہ جن قوموں کو اپنے عقائدِ جان سے زیادہ عزیز ہیں ان کی زندگی میں ایک ایسی تلخی اور کوفت اور ایک ایسی دہی نگش پیدا ہو جائے جو اس ملک کی اخلاقی زندگی کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں، دو یا تو ایسے نظامِ تعلیم کا مطالعہ اپنا دینی فرض سمجھیں یا نہایت بددلی اور ذہنی کش مکش کے ساتھ اس کو قبول کریں۔ ایک نظامِ تعلیم کی یہ بہت بڑی ناکامی اور اس کے مرتب کرنے والوں کی بڑی غیر انشمنندی ہے کہ آبادی کی ایک بڑی تعداد اس کا گرم چوٹی اور مسرت کے ساتھ استقبال نہ کرے۔

ایسے مختلف مذاہب اور مختلف العقائد ملک کے لئے سب سے زیادہ دانش مندانہ طرزِ عمل یہ ہے کہ اس ملک میں عمومی و جبری نظامِ تعلیم کو پوری شدت اور خلوص و دیانتداری کے ساتھ غیر جانبدارانہ اور نا مذہبی رکھا جائے۔ اور اس کو آبادی کے کسی عنصر اور کسی فرقہ کے۔ دعوہ وہ تعداد میں کتنا ہی غالب کیوں نہ ہو۔ عقائد و مذہبی روایات کا نام نہادہ اور کیل نہ بنایا جائے ایسا ممکن ہے اور اس وقت جمی دنیا کے بہت سے ملکوں میں ایسا ہو رہا ہے۔ خود یورپ و امریکہ میں جہاں مذہبی احساس ہندوستان کی طرح تیز بھی نہیں ہے اس کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ انگریزوں کا دورِ حکومت ہمارے لئے کسی طرح لائقِ تقلید اور قابلِ رشک نہیں لیکن اس بارے میں اس کی مثال دی جا سکتی ہے کہ اس دور میں نصاب کی کتابیں بالکل غیر جانبدارانہ اور نا مذہبی ہوتی تھیں اور ان میں کسی فرقہ یا قوم کی مخصوص چھاپ اور اس کے مذہب کی جھلک نہیں ہوتی تھی یہی طرزِ عمل ہندوستان کے لئے ہر زمانہ میں مناسب۔

البتہ اگر اخلاقی عنصر کو تعلیم کا جو بنیاد کا خیال ہے اور اس سے ذہنی اور اخلاقی تربیت حاصل کرنے کے مقصد سے یہ ضروری سمجھا جائے کہ بعض روحانی شخصیتوں، معلمینِ اخلاق اور پختہ زبانِ مذہب

کا ذکر ہو تو پھر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ پوری فراخ دلی کے ساتھ ان امور و انہاموں اور اخلاقی و روحانی شخصیتوں کا تعارف ہو جن کی اخلاقی بلندی، پاکیزہ نفسی، روحانیت، خدمتِ خلق، سچی خدا پرستی اور انسانیت دوستی ایک مسئلہ تاریخی حقیقت ہے خواہ وہ اپنے عقائد و اعمال کے لحاظ سے کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان دور استوں (ایک کال غیر جانبداری و نا مذہبیت اور ایک مکمل رواداری و بے تعصبی) کے علاوہ اس ملک کے لئے کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔

حضرات! اس معیار سے جو ہر طرح مالدانہ اور عاقلانہ ہے اور جس کی پشت پر اصولِ تعلیم اور انسانی نفسیات کے دلائل کا ایک فز اور تاریخی واقعات اور حقائق کا ایک لشکر ہے جب ہم اپنی نامذہبی (SECULAR) ریاست کے نامذہبی نظامِ تعلیم و نصابِ تعلیم کو جانچتے ہیں تو ہم کو بڑی مایوسی اور حیرت ہوتی ہے، ہم کو صاف نظر آتا ہے کہ ان دور استوں میں ہے جو ہندوؤں کی نوخیز جمہوری حکومت کے لئے ہر طرح موزوں و مناسب تھے کوئی راستہ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ ایک تیسرا راستہ اختیار کیا گیا ہے جو اس ملک کے لئے بھی موزوں نہیں ہے جس نے کبھی بھی نامذہبی ہونے کا اعلان نہ کیا ہو چہ جائیکہ وہ ملک جو اپنے دستور میں بارہا نامذہبی ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

ہم ایک طرف نصابِ تعلیم کی وہ کتابیں دیکھتے ہیں جن میں صاف صاف اور نمایاں طور پر ایک ہی فرقہ اور ایک ہی عنصر کی مذہبی روایات، تاریخی شخصیات اور قدیم علمِ الاہنام (دیوالا MYTHOLOGY) کے اسباق ہیں۔ ان اسباق میں ان عقائد و تخیلات کو پیش کیا گیا ہے جو کم سے کم مسلمانوں کے بنیادی عقائد (توحید و رسالت) سے صرف یہی نہیں کہ مطابقت نہیں رکھتے بلکہ ان کی تردید کرتے ہیں۔ مسلمان بچہ جو ان سرکاری مدارس میں تعلیم پانے پر مجبور اور دوسرے ذرائعِ تعلیم سے عام حالات میں محروم ہے تعلیم اور نوشت و خواندہ کے نام سے ایسے عقائد و تخیلات قبول کرتا ہے جو ان بنیادوں سے متصادم ہیں جن پر اس کے مذہب کی عمارت قائم ہے اور جن کا اعتقاد قبول کر لینا اس کے لئے ذہنی و اعتقادی ارتداد کے مراد ہے۔ اگر اس کا ذہن سلیم ان کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے یا اس کے گھر کا ماحول اور تعلیم اس کی تردید کرتی ہے (جس کی موجودہ حالات کے لحاظ سے ہمت کم توقع ہے) تو اپنے نصاب

کی بے وقعتی اور غیر معقولیت کا قائل ہوتا ہے اور خود ایک کش کش اور ذہنی الجھن میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں نتیجے کسی نظام تعلیم کے لئے اچھے اور قابل قبول نہیں نہ یہ کہ بچہ جو مدرسے میں اپنے والدین کی امانت ہے اپنے والدین کے عقائد اور اپنے مذہب کے بنیادی حقائق سے باغی ہو جائے۔ نہ یہ کہ وہ تعلیم بھی حاصل کرتا رہے اور اس کی فطرت سلیم اس کے قبول کرنے سے انکار بھی کرتی رہے اور اس کو وہ بعید از قیاس اور ناقابل فہم بھی معلوم ہوتے ہیں۔

دوسری طرف آپ اردو کی وہ سرکاری کتابیں دیکھئے جو مختلف تعلیمی منزلوں کے لئے تجویز کی گئی ہیں اور حکومت کے زیر نگرانی تصنیف ہوئی ہیں ان میں کس طرح صرف ایک فرقے اور ایک مکتب خیال کی ناسازگاری کی گئی ہے اور صرف اس کی روایات، تقریبات اور مذہبی و تاریخی و سیاسی شخصیات (HEROES) کو انتخاب کیا گیا ہے اور کس طرح دوسرے فرقوں اور جماعتوں (COMMUNITIES) کی نامور شخصیتوں قابل ذکر تقریبوں اور زندگی کے اچھے پہلوؤں کو نظر انداز کیا گیا ہے میں آپ کے سامنے صرف ایک نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

یورپی کے محکمہ تعلیم نے اردو کی جو بیک ریڈریں تیار کرائی ہیں ان میں بزرگوں اور شخصیتوں کے سلسلہ میں صرف شری رام چند راجی، شری کرشن جی، سور داس تلہسی داس، میر ابائی کے متعلق اسباق ہیں، تیرتھوں اور مذہبی مقدسات میں صرف ابو دھیا، ستھرا، کاشی پریاگ، گنگا، رامائن کا تذکرہ ہے تاریخی واقعات میں سے بھرت ملاب، دھنیش یک پرہلا و کا انتخاب کیا گیا ہے۔ رہنماؤں اور لیڈروں میں سے ہمانا گاندھی، ہنڈت جواہر لال نہرو، ایشور چندر روتیا ساگر، مدن موہن مالوی، تلک، لالہ لاجپت رائے، سر دایٹیل، راجندر پرشاد روجنی نامڈو، ہنڈت ہنٹ، ٹنڈن جی کا نام ملتا ہے۔ بڑے سلسلہ میں کہیں کسی مسلمان شخصیت کسی اسلامی تقریب کسی تاریخی روایت حتیٰ کہ جنگ آزادی کے بھی کسی مسلمان قائد اور رہنما کا تذکرہ نہیں ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں منگل پانڈے، تاننیا ٹی بی اور بھگت سنگھ تک کو فراموش نہیں کیا گیا ہے۔

میں عرض کروں گا کہ یہ صرف مسلمانوں کے ساتھ نا انصافی نہیں ہے بلکہ ہندوستان

کے ساتھ بھی بڑی نا انصافی ہے کہ اس کو خواجہ معین الدین اجمیری جیسے کامل انسان، مخدوم شرف الدین بکٹی بہارمی جیسے خدا شناس، نظام الدین اولیاء جیسے سچے خدا پرست، ناصر الدین محمود جیسے درویش صفت بادشاہ، شیر شاہ سوری جیسے اعلیٰ درجہ تنظیم، امیر خسرو جیسے شاعر خوش نوا و فخر ہندوستان، عجلہ العزم خان غاناں جیسے جامع کمالات انسان، شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے حکیم و فلسفی، ٹیپو سلطان جیسے غیور و بلند ہمت انسانوں کی پیدائش اور پرورش کے ثمرات سے محروم کر دیا جائے جن کی وجہ سے ہندوستان کا پایہ سارے مشرق اور پورے ایشیا میں بلند ہے اور بڑے بڑے اہل کمال کا سرعقیدت اس کے آگے خم ہے۔ یہ نئی نسلوں کے ساتھ بھی نا انصافی ہے کہ ان کو انسانیت کی ان تابناک مثالوں اور ہندوستان کے ان سرمایہ فخر فرزندوں کے نام اور کام سے واقف ہونے کا کوئی موقع نہ دیا جائے جن کی زندگی صرف اسی ملک کے لئے نہیں دنیا کے تمام نوجوانوں کے لئے قابل تقلید اور ان کا کردار انسانی سیرت کی تعمیر اور شخصیت کی تکمیل کے لئے ایک بیش بہا طاقت ہے۔

حضرات انصاف کی یہ نوعیت نظام تعلیم کا یہ جارحانہ رجحان اور اس کے مرتبین کی یہ کوتاہ نظری مسلمانوں کی قومی زندگی کا سب سے اہم اور دشوار مسئلہ بن گیا ہے، دوسرے معاشی و سیاسی مسائل اس مسئلہ کے مقابلہ میں بیچ میں ہیں، مسلمانوں کو جب تک اس کی طرف سے اطمینان نہ ہو کہ ان کی آئندہ نسلیں اسلام پر قائم رہیں گی (اور یہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ اسلام کسی قومیت اور نسل کا نام نہیں، وہ عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے) اس وقت تک مسلمان ایک شدید ذہنی کش مکش میں مبتلا رہیں گے اور ان کو اپنے مستقبل کی طرف سے وہ اطمینان و سکون حاصل نہیں ہوگا، جو اس قوم کے لئے ضروری ہے جو اپنے ماضی کے اعتبار سے بھی اور اپنی موجودہ صلاحیتوں اور تعداد کے اعتبار سے بھی اسی ملک کی تعمیر و ترقی کا ایک اہم عنصر ہے مجھے معلوم ہے اور آپ حضرات بھی بے خبر نہ ہوں گے کہ حساس مسلمانوں کا ایک طبقہ شدید کش مکش میں مبتلا ہے، اسی کش مکش کا نتیجہ وہ تاریخی کنونشن ہے جو تعلیم کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے گذشتہ جنوری میں ممبئی میں منعقد ہوا، اور جس میں سارے ملک سے مسلمانوں کی مختلف انجمنیں جماعتوں اور اداروں نے شرکت کی، مسلمان اس مسئلہ کے حل سے مایوس ہو کر مستقبل کی خطرناکی کو دیکھ کر اس ملک کو چھوڑ دینے پر غور کرنے

لگے ہیں اور میرے اور آپ کے لئے یہ کوئی راز کی بات نہیں کہ بہت سے خاندانوں نے محض اسی وجہ سے اس ملک کو خیر باد کہہ دیا۔ میں اس شکست خوردہ ذہنیت کا سخت مخالفت ہوں اور اس کو مسئلہ کا حل بالکل نہیں سمجھتا۔ اس کو اس عظیم تعداد کے ساتھ بے وفائی بھی سمجھتا ہوں جن کو اس ملک میں رہنا ہے لیکن اس سے بہر حال مسالوں کی شدت احساس اور طنز احساس کا اظہار ہوتا ہے اور یہیں سنجیدگی کے ساتھ اس واقعہ پر غور کرنا چاہیے۔

اس صورت حال کا مقابلہ جو خلافت عقل بھی ہے اور خلافت عدل بھی جو مسلمانوں کے لی وجود کے لئے بھی خطرہ ہے اور ہندوستان کی سیاسی قوت و عظمت کے لئے بھی۔ دو طرح سے ممکن ہے ایک یہ کہ پوری قوت و جرات کے ساتھ اس کا مطالبہ کیا جائے کہ ہماری نامزد بھی ریاست کا نظام تعلیم پوری دیانت داری کے ساتھ نامزد بھی ہو جس نصاب تعلیم سے وہ تمام اجسرا خارج کئے جائیں جو مذہبی اور کسی خاص فرقہ کی تعلیمات و عقائد و تاریخ کی نمائندگی کرتے ہیں! یہ بنیاد ہر طرح معقول و مستحکم ہے۔ آپ جو اس ملک میں قیام کا فیصلہ کر چکے ہیں، جو یہاں پیدا ہوئے اور یہاں کے شہری ہیں، جو حکومت کے محصل و مطالبات ادا کرتے ہیں جن کو حق رائے و ہندگی حاصل ہے، جو حکومتوں اور وزارتوں کی تشکیل میں دخیل ہیں، جن کو کوئی طاقت اور کوئی سیاسی پارٹی نظر انداز نہیں کر سکتی جن کی رائے اور تعداد کا پاسنگ ہر آئینے کو جبکا سکتا ہے۔ ان کو تمام خصوصیتوں سے قطع نظر محض ہندوستانی اور شہری ہونے کی بنا پر بھی اس کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں کہ اس ملک کا نظام تعلیم اور نصاب تعلیم ان کے بنیادی عقائد اور ان کے مذہبی جذبات و ضروریات کے مطابق ہو یا کم سے کم ان کو مجروح کرنے والا اور ان کو چیلنج کرنے والا نہ ہو۔ اس مطالبہ میں ہندوستان کے تمام معقولیت پسند عناصر آپ کی تائید کریں گے۔ اور یہ صورت حال جس میں زیادہ دقت باقی رہنے کی صلاحیت نہیں ہے اور جو بالکل غیر طبعی اور خلافت لطیف ہے جلد تبدیل ہو جائے گی لیکن اس کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ مسئلہ آپ کی زندگی کا اہم ترین مسئلہ ہے اور آپ کے لئے مذہبی و روحانی طور پر موت و زندگی کا سوال ہے اور آپ کے لئے اس کے مقابلے میں کوئی اور متوازی راستہ نہیں ہے۔

دوسرا صل یہ ہے کہ آپ اپنے ان بچوں کی دینی و اخلاقی تعلیم کا خود بھی بند و بست کریں جو جبری تعلیم کے قانون کے مطابق سرکاری مدارس میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اس کا سہل اور قابل عمل راستہ یہ ہے کہ آپ ان کے مقام پر جہاں مسلمانوں کی کچھ تعداد آباد ہے ”صحابی“ و ”مسائی“ مکاتب و مدارس کا انتظام کریں۔ جہاں آپ کے بچے سرکاری اسکول جانے سے پہلے ایک آدھ گھنٹہ یا سرکاری اسکول سے آنے کے بعد ایک آدھ گھنٹہ دینی تعلیم حاصل کریں۔ اس سلسلہ تعلیم کے قیام اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک عزم کی دوسرے نظم کی۔ ان دو طاقتوں سے ہزاروں کی تعداد میں ایسے مکاتب و مدارس قائم ہو سکتے ہیں۔ وسائل و ذرائع ہر دور میں اور ہر ملک میں انسانی فیصلہ اور عزم کے تابع رہتے ہیں۔ عزم نے ان کو حاصل کیا اور نظم نے ان کو کارآمد اور دور رس بنایا۔ اب بھی جہاں کہیں یہ دو چیزیں پیدا ہو گئی ہیں انھوں نے وسائل کو بھی مسخر کر لیا ہے اور مواقع کو بھی مغلوب بنا لیا ہے۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ کم سے کم دو مقامات (منخل بستی اور شہر سیٹاپور) میں عزم اور نظم نے اس مشکل کو آسان کر کے دکھا دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ ہر مقام پر انھیں دو طاقتوں سے اس جہم کو سر کیا جاسکتا ہے اور مدارس و مکاتب کا ایک ایسا غیر سرکاری جال بچھایا جاسکتا ہے جس کے ذریعہ ہزاروں بچے اپنے عقائد و فرائض اور دینیات اور اردو کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرات! آپ نے اپنے ایک گمنام کارکن اور سپاہی کو جس کا دائرہ عمل جیلوں اور کانفرنسوں سے دور دور رہا ہے، ایک اہم تعلیمی کانفرنس کی صدارت کی عزت بخشی، سپاہی حقیقت پسند اور مٹی ہوتا ہے۔ میں آپ سے آخر میں اسی کا مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ اپنے آہنی عزم اور عاقلانہ نظم سے اپنے تعلیمی اور دینی مستقبل کو اس ملک میں محفوظ بنائیں۔ جہاں آپ نے رہنے کا فیصلہ کیا ہے اور جس کو آپ کے پیغمبرانہ پیغام کی ضرورت ہے، آپ اپنی متحدہ آواز اور برہنہ لیکن طاقتور احتجاج سے نظام تعلیم کے اس نقص کو دور کریں جو اس ملک کے بنیادی دستور اور سیاسی مشور کے بھی خلاف ہے اور اس ملک کی قدرتی ساخت اور واقعات کے بھی خلاف ہے آپ مطالبہ کریں کہ وہ نظام تعلیم یا تو مخصوص اور دیانت داری کے ساتھ

ناگزہبی ہو یا انصاف و رواداری کے ساتھ مذہبی۔ ان دونوں کے درمیان کوئی راستہ نہیں۔ دوسرے اپنے عزم و نظم سے صباہی و مسائی مکاتب و مدارس کا جال بچھا دیجئے اور ہر سرکاری مکتب اور مدرسہ کے ساتھ ایک دینی مدرسہ اور مکتب قائم کیجئے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ صرف اس ایک اجتماع میں مختلف گھاؤں، تہذیبات اور شعروں سے آئے ہوئے وہ مخلص اور صاحب اثر مسلمان اور اہل علم ہیں کہ اگر وہ تنہا اس کا عزم کر لیں کہ وہ واپس جا کر ایسے مدارس اور مکاتب قائم کریں گے تو سیکڑوں کی تعداد میں ایسے مدرسے قائم ہو سکتے ہیں اور جہاں تک اضلاع مشرقی کا تعلق ہے یہ مسئلہ بہت حد تک حل ہو سکتا ہے میں ان سب بزرگوں اور دوستوں سے عرض کروں گا کہ

غافل نشیں نہ وقت بازلیت

وقت ہزارست و کار ساز لیت

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلق سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

آخر رمضان تک کتب خانہ الفرقان کی طرف سے خاص رعایت

اپنی تمام مطبوعات پر ہر فی روپیہ اور بیرونی مطبوعات پر ۲ فی روپیہ رعایت دی جائے گی بشرطیکہ مطلوبہ کتب کی قیمت پانچ روپیہ سے کم نہ ہو۔
(ناظم کتب خانہ الفرقان)

پاکستانی حضرات توجہ فرمائیں:

ہمت سے پاکستانی بھائی رسالہ جاری کرانے کے لئے ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور کو چندہ بھیج دیتے ہیں مگر ہمیں براہ راست اس کی اطلاع نہیں دیتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب لاہور سے ماہانہ رپورٹ آتی ہے تب ہمیں ان کے چندہ کی اطلاع ملتی ہے۔ اس طرح بعض حضرات کے چندہ کی اطلاع وصولیابی سے تقریباً ایک مہینہ بعد پہنچ پاتی ہے اور انھیں شکایت ہوتی ہے کہ رسالہ جاری کرنے میں اتنی تاخیر کیوں کی جا رہی ہے۔ اگر وہ ترسیل زر کے ساتھ ایک اطلاعی خط براہ راست ہمیں بھیج دیا کریں تو یہ شکایت نہ ہو، ورنہ ہم معذروں ہیں کہ اطلاع ملے بغیر رسالہ جاری کرنے کی کوئی صورت نہیں؛

ناظم الفرقان کھنڈ

قرآنی دعوت

— ۱۱ ۱۹ ۱۱ —

تقوے (۳)

اس سلسلہ کی اس سے پہلی دو سطحوں میں تقوے کی حقیقت، قرآنی تعلیم میں اس کی اہمیت، اس کے تقاضے، اور اس کے دنیوی و دُخروی نتائج وغیرہ مختلف پہلوؤں پر قرآنی آیات و سُنن کی جاچکی ہیں، آج کی سطح میں چند وہ آیات درج کی جا رہی ہیں جن میں قرآن مجید نے اہل تقوے کے اوصاف اور ان کی کچھ نشانیاں بیان کی ہیں۔

تقوے کی نشانیاں اور اہل تقوے کے اوصاف :-

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بتایا جا چکا ہے تقوے دراصل دل کی ایک خاص کیفیت کا نام ہے، پھر اُس کیفیت کے دل میں ہونے سے آدمی احتیاط اور پرہیزگاری کی جو زندگی گزارتا ہو اس کو بھی تقوے کہہ دیا جاتا ہے،

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان کی علمی زندگی پر تقوے کے کیا اثرات ہوتے ہیں اور اہل تقوے کی خاص علامات اور نشانیاں کیا ہیں۔ چند آیتیں اس سلسلے کی بھی پڑھیے! ————— سورہ بقرہ کے بالکل شروع ہی میں ارشاد ہو۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ
يُؤْتُونَ بِالْغَيْبِ وَيَقِيمُونَ
کتاب (قرآن مجید) ہدایت جو متقی بندوں
کے واسطے (وہی اس سے نفع اٹھائیں گے)

الصَّلَاةُ وَجَمَاعَتُهُمْ يُتَّقُونَ؟ یہی سبب ہے کہ وہ ہیں جن کا حال یہ ہو کہ

(بسترہ ۱۱) وہ بن دیکھی باتوں پر ایمان لاتے ہیں

اور خوب اچھی طرح نماز ادا کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہو اس میں سے (ہماری

راہ میں بھی) حشر کر دیتے ہیں۔

یہاں اہل تقویٰ کی موٹی موٹی تین علامتیں بیان کی گئی ہیں، ایک اللہ کے رسول کی بسلامت ہوئی اُن غیبی حقیقتوں کو دل سے ماننا اور اُن پر ایمان لانا جن کو آدمی بطور خود نہیں جان سکتا، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اور قیامت و آخرت، جنت و دوزخ وغیرہ، اور دوسری نماز اچھی طرح ادا کرنا، اور تیسری اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے اُس کے حکم کے مطابق اس کی راہ میں خرچ کرنا، جس جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک بات نہ پائی جائے سمجھنا چاہیے کہ اس کا دل تقویٰ سے خالی ہو۔

پھر اسی سورہ بقرہ میں، آگے ایک موقع پر فرمایا گیا ہو۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَيْنِ يَدَيْهِ
الْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةُ وَالْكَتِبُ
وَالشَّيْطَانِ وَآتَى الْمَالَ عَلَى
مَحَبَّتِهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ
وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَ
آتَى الزَّكَاةَ وَالْمُؤْتُونَ بِعَهْدِهِمْ
إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي
فِي الْبَسَاءِ وَالضَّرَةِ وَحِينَ
الْبَأْسِ وَأُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

اس نیکو دکنے والے جن کی اللہ تعالیٰ
کی نگاہ میں قدر و قیمت ہو، وہ بندے
ہیں جو ایمان لائے سچے دل سے اللہ پر
اور یوم آخر پر، اور ملائکہ پر اور اللہ کی
کتاب پر اور نبیوں پر، اور اپنا محبوب
مال انھوں نے اللہ کی محبت میں رکھے
حکم کے مطابق، و یا اپنے صاحبان
اہل قرابت کو، اور عام قریبیوں، مسکینوں
کو، اور (ضرورت مند) مسافروں اور
سائلوں کو اور (خرچ کیا، غلاموں کی
رہائی میں، اور اچھی طرح قائم کی انھوں
نے نماز، اور ادا کی زکوٰۃ اور پورا کرنے

(بسترہ ۲۲)

والے اپنے عہد کو جب کہ کسی سے کوئی عہد کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف و مصیبت کے وقت اور حق و باطل کی جنگ میں یہی ہیں راست باز اور متقی بندے

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ راست باز اور متقی وہ لوگ ہیں جن میں تقویٰ کے یہ آثار و پرہیزگاریاں پائی جائیں۔ وہ ایمان رکھتے ہوں اللہ کے فرشتوں اور اللہ کی کتابوں پر اور نبوت کے پورے سلسلہ پر، اور مال کی محبت اور چاہت کے باوجود اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے وہ اس کو بے دریغ خرچ کرتے ہوں اپنے حاجت مند قربت واروں پر، عام سکیں تو تمہیں پر، اور ضرورت مند مسافروں اور سائلوں پر، اور اللہ کے بندوں کو قید غلامی سے آزاد کرانے پر۔ نیز وہ پوری فکر کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہوں، زبان کے سچے اور وعدے کے کپے ہوں، اور اللہ کے حکم کے مطابق اور اس کی راہ میں تنگیاں اور سختیاں بھیلنے والے اور حق پر مضبوطی سے قائم رہنے والے ہوں۔

اور سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَنَاقِبِهِ مِّن رَّبِّكُمْ
وَجَنَّتْهُ عَرْنُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ
أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ
يُتَّقُونَ فِي السَّعَاءِ وَالصَّرَاءِ
وَالْكَافِظِينَ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ
عَنِ النَّاسِ ۖ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ
ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ دَخَرُوا ۖ وَاللَّهُ فَاتِفِقُوا
بِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرَ الذُّنُوبَ
إِلَّا اللَّهُ ۖ وَلَمْ يُبَيِّنْ دَاخِلِي مَا
فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

لوگو تیزی سے بڑھو اور دوڑو اپنے
پروردگار کی بخشش اور اس وسیع جنت
کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین
جیسی ہو، وہ ان متقی بندوں کے لیے تیار
کی گئی ہیں جن کی سیرت یہ ہو کہ، وہ راہ خدا
میں خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور
تنگی اور تکلیف میں بھی، اور جو آپس کے
اختلافات و نزاعات میں غصے کو پی جاتے
ہیں اور دوسرے لوگوں کے قصور و معاصی
کردیتے ہیں، اور اللہ ایسے نیکو کار بندوں
سے محبت کرتا ہے۔ اور وہ بندے

دال عمران ع ۵۴

وہ بھی متقی ہیں، جن کا حال یہ ہو کہ اگر کبھی اتفاق سے کوئی شرناک بات اُن سے

سرزد ہو جاتی ہو یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے ہیں تو معاف اللہ انہیں
یاد آ جاتا ہو، پھر وہ اس سے اپنے گناہوں تصوروں کی معافی چاہتے ہیں، — اور کوئی
ہو سوا اللہ کے جو بخشے گناہوں کو — (اور پھر وہ اس گناہ سے باز رہتے ہیں) اور دیدہ
و دانستہ اس پر اصرار نہیں کرتے (اور اس کو اپنی عادت نہیں بناتے)

اس آیت میں اہل تقویٰ کی علامات اور صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ وہ خوشی اور راحت
اور تکلیف و مصیبت دونوں حالتوں میں خدا کو یاد رکھتے اور اس کے احکام کے مطابق اس کی راہ
میں اپنا کام کیا اور پیہ خیر خرچ کرتے ہیں، اور اپنے ذاتی معاملات میں غصے کو پی جھانسنے والے اور اپنے
تصور و اوروں کو معاف کر دینے والے ہوتے ہیں۔ آگے فرمایا گیا ہو کہ اور جن لوگوں کا حال یہ ہو کہ اگر
کبھی شیطان کے دھوکے یا نفس کے فریب میں آکر ان سے کوئی ناشائستہ حرکت یا کوئی مصیبت نرزد
ہو جاتی ہو تو انہیں اللہ اور اس کا عذاب یاد آ جاتا ہو، اور پھر وہ سچے دل سے اس سے معافی مانگتے
ہیں اور گناہ کو وہ عادت نہیں بناتے، وہ بھی متقیوں ہی میں شمار ہیں۔
اور یہی آخری بات سورہ اعراف میں ان الفاظ میں فرمائی گئی ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ
طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكُّرٌ
فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ
جن بندوں کے دلوں میں تقویٰ ہوتا ہو ان
کا حال یہ ہوتا ہو کہ جب کبھی شیطان کی طرف
سے کوئی چکر ان کو لگتا ہو (اور وہ غیبت
ان پر کندہ آتا ہو) تو فوراً ہی ان میں

(الاعراف ۲۸)

چونک پیدا ہوتی ہو اور ان کی ایمانی بصیرت بیدار ہو جاتی ہو، (اور پھر وہ اس کے حال
سے نکل جاتے ہیں)

اور سورہ حج میں تقویٰ کا ایک خاص اثر یہ بتلایا گیا ہو کہ جس دل میں تقویٰ ہوگا وہ اللہ سے
تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کا بہت ادب اور ان کی بہت تعظیم کرے گا، جیسے اللہ کی کتاب اللہ
کے رسول، اللہ کی مسجدیں، خاص کر خانہ کعبہ، اسی طرح اللہ کے نام اور اللہ والوں کا وہ ادب کرے
گا، الغرض اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کی علی فرق مراتب تعظیم اور ان کا ادب
کہا بھی تقویٰ کے خاص آثار و علامات میں سے ہو۔ ارشاد ہو۔

وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا
مَنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ
(الحج ۴۴)
اور جو بندے تعظیم کریں اللہ کے شاعری کی
(یعنی اس سے خاص نسبت رکھنے والی
چیزوں کی) تو ان کا یہ ادب و تعظیم کا رویہ
اُن کے دلوں کے تقویٰ کا نتیجہ ہو۔

اور اسی بنا پر سورہ ہجرات میں بارگاہ نبویؐ کا ادب کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا
إِنَّ الَّذِينَ يَعْصُونَ أَمْرًا
عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
أَمْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لَتَقْوَىٰ دِلَّهُمْ
مَغْفِرَةً وَآجْرًا عَظِيمًا
(الحجرات ۱۷)
جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
حضور میں (ازراہ ادب) دلی آواز سے
بولتے ہیں وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ
نے جانچ کر انتخاب کر لیا ہے تقویٰ کے لیے
ان کے لیے اللہ کی معافی ہو اور ثواب

عظیم ہے۔

الغرض ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ادب اور اسی طرح
اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق و نسبت رکھنے والی ہر چیز کی تعظیم تقویٰ کے لازمی اثرات میں سے ہے جو
بے ادب اور مبالغہ اس سے محروم ہیں، اُن کے دلوں کو تقویٰ کا کوئی ذرہ بھی نصیب نہیں۔
تقویٰ کے آثار اور اہل تقویٰ کے اوصاف کے سلسلہ میں اب صرف ایک آیت اور پڑھ لیجئے!۔
سورہ ذاریت میں اہل تقویٰ کو جنت اور نعمائے جنت کی خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ
أَخِذُوا مَا أَنْتُمْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا
كَأَنُؤُا قَبْلُ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ
قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ
وَبِالْآسَانِ يُسَبِّحُونَ
فِي أَمْوَالِهِمْ حَقَّ لِّلشَّامِلِ الْمَحْرُومِ
(الذاریت ۱۷)
یقیناً ہمارے متقی بندے ہمیشہ باغات میں
اور خوش منظر دامن چشموں میں رہیں گے
ان کا پروردگار جو خاص نعمتیں ان کو دے
گا وہ ان کو (اپنے ہاتھوں سے) وہاں لیں گے
یہ بندے پہلے سے تھے اچھے کام کرنے
والے، راتوں کو یہ تھوڑا سوتے تھے اور
زیادہ وقت نماز اور ذکر و عبادت وغیرہ میں

میں گزرتے تھے، اور سحر کے وقتوں میں پھر اللہ سے معافی اور بخشش کی دعائیں مانگتے تھے

اور ان کے مالوں میں حصہ تھا ضرورت مند سائلوں اور ہمارے ہوؤں کو آفت رسیدوں کا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کے خاص آثار میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی رات کو کم سوئے، اور اس کی راتوں کا زیادہ حصہ اللہ کی عبادت اس کی یاد اور دعا و استغفار میں گزرے، اور اس کے بعد بھی مطمئن اور بے فکر نہ ہو، بلکہ رات اس طرح گزارنے کے باوجود اپنے کو خطا کار اور قصور دار سمجھتے ہوئے سحر کے وقت اپنے اللہ سے معافی اور بخشش ہی کا سوال کرے۔ اور اپنی دن کی کمائی میں ضرورت مند سائلوں اور ایسے بے دست و پا بندوں کو حصے دار بنائے جو کسی مرض یا کسی اور آفت کی وجہ سے ضروریات کے محتاج ہو گئے ہوں۔

ان سب آیتوں کو جمع کرنے سے تقویٰ والی زندگی کی ایک مکمل تصویر تیار ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو تقویٰ کے نور سے منور فرمائے اور ہماری زندگیوں کو تقویٰ الیٰ زندگی بنائے، اور ہمارے ساتھ چلنے والوں اور ہماری آئندہ نسلوں کو بھی تقویٰ نصیب فرمائے۔

وَجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا

معارف الحدیث

مسل

توکل اور رضا بالقضا

ہم انسانوں کو جو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں، ان میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہو کہ اس کا رخا نہ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہو اور جس کو جو کچھ ملتا یا نہیں ملتا ہے، سب براہ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہو، اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ وہ چیزوں کے ہم کب پہنچنے کے لیے اللہ ہی کے مقرر کیے ہوئے صرف ذریعے اور راستے ہیں، جس طرح کہ گھر میں پانی جن کنوؤں کے ذریعہ پہنچتا ہو وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کی تقسیم میں ان کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہو۔ اسی طرح اس عالم وجود میں کار فرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہو، بلکہ کار فرما اور موثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہو۔

اس حقیقت پر دل سے یقین کر کے اپنے تمام مقاصد اور کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنا، اسی سے لو لگانا، اسی کی قدرت اور اسی کے کرم پر نظر رکھنا، اُسی سے امید یا خوف ہونا، اور اُسی سے دُعا کرنا، بس اسی طرز عمل کا نام دین کی اصطلاح میں توکل ہو۔ توکل کی اصل حقیقت میں اتنی ہی ہو۔ ظاہری اسباب و تدابیر کا ترک کر دینا یہ توکل کے لیے لازم نہیں ہو۔ حضرات انبیاء علیہم السلام خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام اور ہر دور کے عارفین کاملین کا توکل یہی تھا، یہ سب حضرات اس کا رخا نہ ہستی کے اسبابی سلسلہ کو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے

ماتحت اور اس کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے عام حالات میں اسباب کا بھی استعمال کرتے تھے لیکن دل کا اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ ہی کے حکم پر ہوتا تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا وہ اسباب کو پانی کے نلوں کی طرح صرف ایک راستہ اور ذریعہ ہی جانتے تھے۔ اور اسی واسطے وہ ان اسباب کے استعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کے احکام کی تعمیل کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، نیز یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں ہو، وہ اگر چاہے تو ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مشاہدہ اور تجربہ بھی کرتے تھے۔

الغرض ترک اسباب نہ توکل کی حقیقت میں داخل ہو نہ اس کے لیے شرط ہو، ہاں اگر غلبہ حال سے اللہ کا کوئی صاحب یقین بندہ ترک اسباب کر دے تو قابل اعتراض بھی نہیں، بلکہ ان کے حق میں یہ کمال ہی ہوگا، اسی طرح اگر اسباب سے دل کا تعلق توڑنے کے لیے اور بجائے اسباب کے اللہ پر یقین پیدا کرنے کے لیے یاد و سرور کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ کرنے کے لیے کوئی بندہ ترک اسباب کا رد اختیار کر لے تو یہ بھی بالکل درست ہوگا، لیکن توکل کی اصل حقیقت صرف اسی قدر ہو جو اذیاد پر عرض کی گئی اور قرآن حدیث میں اسی کی ترغیب و دعوت دی گئی ہو اور اسی کے حاملین کی مدح و ثنا کی گئی ہو، اور بلا مشابہ یہ توکل، ایمان اور توحید کے کمال کا لازمی ثمرہ ہو، جس کو توکل نصیب نہیں، یقیناً اس کا ایمان اور اس کی توحید کامل نہیں۔

پھر توکل سے بھی آگے رضا بالقضا کا مقام ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ بندہ ہر جو بھی اچھا یا بُرا احوال آئیں وہ یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر حال کا بھیجئے والا میرا مالک ہی ہو، اس کے حکم اور فیصلہ پر دل سے راضی اور شاد رہے، اور راحتِ عافیت کے دنوں کی طرح تکلیف و مصیبت کی گھڑیوں میں بھی اس کے خدا آشنا دل کی صدا یہی ہو کہ۔ ”ہرچہ از دوست میرسد نیکوست“

ان تمہیدی سطروں کے بعد توکل اور رضا بالقضا کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں پڑھیے۔!

(۶۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي مَنْبَعُونَ الْفَأَبْنَاءُ جَبَابُ هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْحُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَعَلَى رِجْلَيْهِمْ نِوْطُونَ ۝

رداء البخاری و مسلم
(مترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے،
وہ وہ بندگان خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے ہیں، اور شنگون بد نہیں لیتے ہیں، اور
اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔

(بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کے لیے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم جس وقت مبعوث ہوئے اس وقت اہل عرب میں دوسری بہت سی چھوٹی بڑی قابل اصلاح
برائیوں کے علاوہ یہ دو برائیاں بھی عام طور پر رائج تھیں، ایک یہ کہ جب وہ خود یا ان کے بچے کسی
بیاری اور دکھ درد میں مبتلا ہوتے تو اس وقت کے منتر کرنے والوں سے منتر کراتے اور سمجھتے کہ یہ خیر منتر
دکھ اور بیماری کو بھگانے کی ایک آسان تدبیر ہو۔ (اور یہ منتر عموماً جاہلیت کے زمانہ ہی کے تھے) اور
دوسرے یہ کہ جب وہ کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ کرتے جس میں نفع اور نقصان، ہار اور جیت دونوں کا
احتمال ہوتا تو شنگون لیتے اور اگر شنگون برا نکلتا تو سمجھتے کہ یہ کام ہم کو ہارست نہیں آئے گا اس لیے پھر کچھ
نہیں کرتے تھے، الغرض شنگون کو بھی وہ نقصان سے بچنے کی ایک آسان تدبیر جانتے تھے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کی مختلف موقوفوں پر مذمت فرمائی، اور تعلیم دی کہ بیماری
دور کرنے کے لیے منتر نہ کرائے جائیں، اور شنگون بدلنے اور اس کا اثر قبول کرنے کا یہ طریقہ بھی چھوڑا
جائے اور یقین رکھا جائے کہ بیماری اور تندرستی اور نفع نقصان سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہو،
لہذا اس پر بھروسہ کیا جائے اور اپنے مقاصد اور ضروریات کے لیے صبر و ہمت، اسباب اور تدابیر
استعمال کی جائیں جو اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں، کیونکہ اصل کار فرما اور مؤثر اسباب نہیں ہیں بلکہ
اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہو، لہذا کسی مقصد کے لیے ایسے اسباب استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو
ناپسند ہیں سخت حماقت کی بات ہو۔

پس اس حدیث کا مطلب یہی ہو کہ جنت میں بے حساب جانے والے یہ بندگان خدا وہ ہوں گے
جنہوں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے منتر اور شنگون بدلے کے ان غلط طریقوں کو چھوڑ دیا۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ لوگ اسباب کا استعمال مطلقاً ترک کر کے توکل کرنے والے ہوں گے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صراحت فرماتے، اس موقع پر اسباب میں سے صرف ان ہی دو چیزوں (مشترک و متکون بد) کے ذکر کرنے سے اس جو کہ شریعت میں خود ہی ممنوع ہیں، ممانعت معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ یہ بندے وہ ہوں گے جو اپنے مقاصد اور ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے یہ اور اسی کی مشیت اور اسی کے حکم کو اصل کار فرما اور مؤثر سمجھنے کے سبب سے ان اسباب کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ پس یہ حدیث خود ہی اس کی دلیل ہے کہ جو اسباب اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کے لیے اپنی حکمت سے مقرر فرمائے ہیں اور شریعت نے ان کی اجازت دی ہے، ان کا ترک کر دینا توکل کا متقاضی نہیں ہے، بلکہ صرف ان اسباب و تدابیر کا ترک کرنا توکل کا اتفاق ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور شریعت نے جن کو غلط قرار دیا ہے۔

البتہ توکل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسباب کو اس ایک راستہ اور اشر کی حکمت کا پرہیز کیجئے، اور دل کا تعلق میں اللہ ہی سے ہو اور یہی چیز متوکل اور غیر متوکل کے طرز عمل میں ایک محسوس فرق بھی پیدا کر دیتی ہے۔

اس حدیث میں جنت میں بے حساب داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کی تعداد ستر ہزار بتلائی گئی ہے۔ یہ تعداد صرف ان کی ہے جو اس فضیلت کے درجہ اول میں تہمتی ہوں گے۔ در نہ ایک دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور بھی بے حساب ہی جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بات کئی دفعہ ذکر کی جا چکی ہے کہ عربی زبان اور محاورات میں یہ عدد صرف کثرت اور غیر معمولی بہتات کے اظہار کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس حدیث میں بھی غالباً ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ اللہ الباقیہ میں اس حدیث کو توکل ہی کے بین میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "اقول انما وصفهم البنی صلی اللہ علیہ وسلم بقوله هم الذین لا یستترقون ولا یتطیرون" (۶) اعلیٰ ما بان ان التوکل ترک الاسباب الکی منی الشرع عنہا لا ترک الاسباب الکی منہا اللہ تعالیٰ لعیبادہ۔

یہ حدیث صرف ایک پیشین گوئی اور آخرت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی صورت خبر ہی نہیں ہو، بلکہ حدیث کا اصل منشا یہ ہو کہ آپ کے جن امتیہوں کو یہ حدیث پہنچے وہ اپنی زندگی کو توکل والی زندگی بنانے کی کوشش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں بے حساب داخل ہونے والوں کی فہرست میں ان کا نام بھی چڑھ جائے۔

(۷۸) عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لو أنكم تتوكلون على الله حق توكلكم لرد قلم كما يرد قلم الطير تغدو فجاء صا وتروح بظاناً
(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل اور اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہو تو تم کو وہ اس طرح روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہو، وہ صبح کو سبھو کے اپنے اشیاء سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہو کہ اگر بنی آدم روزی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد اور بھروسہ کریں جیسا کہ انھیں کرنا چاہیے تو اللہ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ ہو کہ جس طرح وہ چسپڑیوں کو سہولت سے رزق دیتا ہو کہ انھیں آدمیوں کی سی محنت و مشقت کے بغیر معمولی نقص و حرکت سے روزی مل جاتی ہو۔ صبح کو وہ خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھری اپنے اشیاء میں واپس آتی ہیں۔ اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ آدمیوں کو سبھی سہولت سے رزق پہنچائے اور انھیں زیادہ کد و کاوش نہ اٹھانی پڑے، جیسا کہ اب اٹھانی پڑتی ہو۔

(۷۹) عن عمرو بن العاص قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
إِنَّ قَلْبَ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ فَلَاحٍ شُعْبَةٍ مِّنْ أَشْجِ قَلْبِهِ الشَّعْبُ كُلُّهَا لَمْ يَبَالِ
اللَّهُ بِأَيِّ دَاوِدَ أَهْلَكَ وَمَنْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ كَفَاهُ الشَّعْبُ —

(رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے دل کے لیے ہر میدان میں ایک شاخ ہو یعنی ہر میدان

میں آدمی کے دل کی خواہشیں پھیلی ہوئی ہیں، پس جو آدمی اپنے دل کو ان سب شاخوں اور خواہشوں میں لگا دے گا اور نکر کے گھوڑے ہر طرف دوڑائے گا تو اللہ کو پروا نہ ہوگی کہ کس وادی اور کس میدان میں اس کی ہلاکت ہو، اور جو آدمی اللہ پر بھروسہ کرے اور اپنی حاجتیں اس کے سپرد کر دے، اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرمان بنا دے، تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کے لیے کفایت کرے گا۔ (اور اس کو دل کے اطمینان و سکون کی وہ دولت نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت و نعمت ہو)

(تشریح) حدیث کا نفس مطلب ترجمہ کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہو، حاصل اور اصل پیغام اس حدیث کا یہ ہو کہ بنو اپنی ساری ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اس پر توکل اور اعتماد کرے اور اس کے احکام کا پابند ہو کر زندگی گزارے اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں اپنی جدوجہد کو بھی اس کے احکام کے تحت کر دے، پھر اللہ اس کے لیے کافی ہوگا اور وہی اس کی ضرورتیں پوری کرتا رہے گا۔

(۸۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا عَلَّامُ اخْطِ اللَّهُ يَخْطُكَ، اخْطِ اللَّهُ يَخْذُكَ تَجَاهَلُ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِاسِئَتُنِي عَلَى أَنْ يَفْعُولَ بَشِيئٌ لَمْ يَفْعُولْ إِلَّا بَشِيئٌ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَلَوْ جَمَعْتُمْ عُلَى أَنْ يَضُرَّوكَ بَشِيئٌ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بَشِيئٌ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ خَلِيكَ رُفِعَتِ الْأَعْلَامُ وَحَقَّتِ الصُّعْفُ:

(رداء احمد و الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہو کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا کہ آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھا (یعنی اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرا خیال فرمائے گا۔ اور دنیا و آخرت کی آفات و بلیات سے تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ کو یاد رکھ جیسا کہ یاد رکھنا چاہیے اس کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب

تو کسی چیز کو مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ اور جب کسی ضرورت اور ہم میں تو مدد کا محتاج اور طالب ہو تو اللہ ہی سے امداد و احسان طلب کر، اور اس بات کو دل میں منجملے کو اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر اور بڑھ کر چاہے کہ تجھ کو کسی چیز سے نفع ہو چلائے تو صرف اسی چیز سے تجھ کو نفع ہو چلا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کر دی ہو، اس کے سوا کسی چیز سے نہیں، اور اسی طرح اگر ساری انسانی دنیا تجھ کو کسی چیز سے نقصان ہو چلا نا چاہے تو صرف اسی چیز سے نقصان ہو چلا سکے گی جس سے نقصان ہو چلا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی تیرے لیے محنت کر رکھا ہے، اس کے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں ہو چلا یا جاسکے گا، اٹھ چکے قلم اور خشک بھی ہو چکے صحیفے۔

(مسند احمد و ترمذی)

(تشریح) حدیث کا مطلب فساد اور اس کی روح یہی ہو کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اور دکھ آرام صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہو، اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں، اور اگر ساری دنیا کے انسان کو کسی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان، یا دکھ یا آرام ہو چلا نا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اس کے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہو، اور قلم تقدیر جس کو اب سے بہت پہلے لکھ کر فارغ ہو چکا ہو، اور اس کی تحریر خشک بھی ہو چکی ہو۔ ایسی صورت میں اپنی سماعت کے لیے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہو۔ لہذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی سماعت کے لیے اُمی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ اور اس سے لینے کی صورت یہ ہو کہ اس کو اور اس کے احکام و حقوق کو یاد رکھو، وہ تمہیں یاد دلائے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا، اور دنیا و آخرت میں تم پر فضل فرمائے گا۔

چونکہ کتاب الایمان میں تقدیر کے بیان میں پوری وضاحت اور تفصیل سے بتلایا جا چکا ہو کہ ”تقدیر کا مطلب کیا ہو اور تقدیر کو ماننے کے باوجود عمل اور تدبیر کی ضرورت کیوں ہو۔ اس لیے اس شبہ اور دوسرے کے متعلق یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ناظرین میں سے اگر کسی کو اس بارہ میں غلبان ہو تو معارف الحدیث جلد اول میں تقدیر کا بیان پڑھ لیا جائے۔

(۸۱) عن ابی مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرَّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ وَلَكِنْ شَيْءٌ يُقَرَّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَإِنَّ الرُّوحَ الْأَمِينِ رُوِيَ رَوَايَةً وَأَنَّ رُوحَ الْقُدُسِ (نَفْسٌ فِي دَوْعِي أَنْ نَفْسًا كُنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا أَلَا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاجْتُلُوا فِي الطَّلَبِ ، وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ امْتِطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِعَاصِي اللَّهِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرُكُ مَا عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا بِطَاعَتِهِ -

(درہ ابنوی فی شرح السنۃ والبیقی فی شبہ الامیان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! میں نے تم کو کئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے۔ مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اسی طرح میں نے تم کو کئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے، مگر میں تم کو اس سے منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو نہ منع نہ کر دی ہو) اس طرح امام دواہمی کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں اور اللہ کے تمام مثبت و منفی احکام جو بھلے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں) اور الرُّوحُ الْأَمِينُ نے اور دونوں سے مراد جبریل امین ہیں) ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہو (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہو) کہ کوئی متغض اس وقت تک نہیں مڑتا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہو) اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اس کو موت یہی نہیں ملتی ہو، لہذا اے لوگو! خدا سے ڈرو اور تلاش رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو، اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور ناشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکر کو شش کرنے لگو، کیونکہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہو وہ اس کی فراہم برداری اور طاعت

گزارہی ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جاسکتا ہو۔

(شرح السنۃ و شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حدیث کا ابتدائی حصہ صرف تنہید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر دراصل وہی خاص بات اپنے مخاطبین کو بتلانا اور پہنچانا چاہتے تھے جو جبرئیل امین نے اُس وقت آپ کے دل میں ڈالی تھی، لیکن مخاطبین کے ذہنوں کو پوری طور پر متوجہ کرنے کے لیے آپ نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لوگو! حلال و حرام اور گناہ و ثواب کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اب ایک اہم تکنیکی بات جو ابھی جبرئیل امین نے مجھے پہنچائی ہو تم کو بتانا چاہتا ہوں۔

اس تنہید کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مخاطبین کے ذہنوں کو میدانِ یاد و متوجہ کیا اور اس کے بعد وہ خاص بات ارشاد فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کا رزق مکتوب اور مقدر ہو چکا ہے۔ وہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو مل کر رہے گا، اور جب معاملہ یہ ہو تو آدمی کو چاہیے کہ اگر روزی میں کچھ تنگی اور تاخیر بھی ہو جب بھی وہ اس کے حاصل کرنے کے لیے کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اور جس میں اس کی نافرمانی ہوتی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین رکھے ہوئے صرف حلال اور مشروع طریقوں ہی سے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ اللہ کا فضل و انعام، اس کی فرمانبرداری اور اطاعت شکاری ہی کے راستہ سے حاصل کیا جاسکتا ہو۔

اس کو ایک جزئی مثال کے انداز میں آسانی سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ فرض کیجئے اللہ کا کوئی بندہ تنگ دستی میں مبتلا ہو اور اس کو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کچھ میوؤں کی ضرورت ہو، اس موقع پر وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے، شیطان اس کے دل میں دوسرہ ڈالتا ہے کہ اس سونے والے شخص کی کوئی چیز اٹھالے اور ابھی ہاتھ کے ہاتھ پہنچ کر روزی حاصل کر لے، ایسے وقت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ہے کہ یقین رکھو جو روزی تم کو پہنچنے والی ہو وہ پہنچ کے رہے گی پھر کیوں چوری کر کے اپنے اللہ کو ناراض، اپنے ضمیر اور اپنی روح کو ناپاک اور اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو، بجائے چوری کرنے کے کسی حلال اور جائز ذریعہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کرو، حلال کا میدان ہرگز تنگ نہیں ہے۔

(۸۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَىٰ أَهْلِهِ فَلَمَّا رَأَىٰ مَا

بِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ إِلَى الْبَرِيَّةِ فَلَمَّا رَأَتْ امْرَأَتَهُ قَامَتْ إِلَى الرَّحَى
فَوَضَعَتْهَا وَ إِلَى النَّوْرِ فَسَجَرَتْهُ ثُمَّ قَالَتْ اللَّهُمَّ ارْمُرْنَا فَنَقْضَمَات
فَإِذَا الْجَفْنَةُ قَدْ امْتَلَأَتْ قَالَ وَ ذَهَبَتْ إِلَى النَّوْرِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا
قَالَ فَرَجَعَ النَّوْرُ قَالَ أَصَبْتُمْ بَعْدِي شَيْئًا قَالَتْ امْرَأَتُهُ نَعَمْ مِنْ
تَبِينَا وَ قَامَ إِلَى الرَّحَى فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
أَمَا أَنْتَ لَوْ كُنْتُمْ تَبْرَأُ فَعَمَّا لَمْ تُتْرَكْ تَدُورُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ —

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، اللہ کا ایک بندہ اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچا جب
اُس نے ان کو فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا تو (اسماح کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے کے لیے)
جنگل کی طرف چلایا، جب اس کی نیک بیوی نے دیکھا کہ شوہر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے
گئے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر پھر دوسرے کے اس نے تیاری شروع کر دی، وہ اٹھ کر
چکی کے پاس آئی اور اس کو تیار کیا، تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہیں سے کچھ غلہ آئے تو
جلدی سے اس کو پیسا جلا سکے، پھر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کو گرم کیا تاکہ اُس پر جانے
کے بعد پھر روٹی پکانے میں دیر نہ لگے، پھر اس نے خود بھی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض
کیا کہ اے مالک ہیں رزق دے! اب اس کے بعد اس نے دیکھا کہ چکی کے گرد اُگڑاٹے
کے لیے جو جگہ بنی ہوئی ہو (جس کو چکی کا گراؤ اور کہیں کہیں چکی کی بھر بھی کہتے ہیں، وہ
اُٹے سے بھری ہوئی ہو، پھر وہ تنور کے پاس گئی تو دیکھا کہ تنور بھی روٹیوں سے بھرا ہوا ہو
داد بھتی روٹی اس میں لگ گئی ہیں، لگی ہوئی ہیں، اس کے بعد اس بیوی کے شوہر اس
اُٹے اور بیوی سے پوچھا کہ میرے جانے کے بعد تم نے کچھ پایا؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں
ہیں اپنے پردہ و کار کی طرف سے ملا ہو (یعنی براہ راست خزانہ غیب سے اس طرح ملا ہو)
یہ سن کر یہ بھی چکی کے پاس گئے (اور اس کو اٹھا کر دیکھا، یعنی تعجب اور شوق میں غالباً
اس کا پاٹ اٹھا کر دیکھا، پھر جب یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہونا چاہیے کہ اگر یہ اس کو اٹھا کر نہ دیکھتے تو چکی قیات
مک یوں ہی چلتی رہتی، اور اس سے ہمیشہ اُٹا ٹھکاتا رہتا۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہو وہ خوارق کے قبیل سے ہو۔ اس دنیا میں عام
طور سے اللہ تعالیٰ کی عطائیں اسباب ہی کے سلسلہ سے ملتی ہیں، لیکن کبھی کبھی اللہ کی قدرت کا یہ نامنا
بھی ظہور میں آتا ہو کہ عالم اسباب کے عام دستور کے خلاف براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسے
واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہو، اس کے لیے یہ
کچھ بھی مشکل نہیں۔ پھر اس قسم کے واقعات اگر اللہ کے کسی پیغمبر کے ہاتھ پہ ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ
کہا جاتا ہو اور اگر ان کے کسی متبع امتی کے ہاتھ پہ ایسے واقعہ کا ظہور ہو تو اس کو کرامت کہا جاتا ہو۔
ان دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ پر پوری طرح یقین کر کے اس سے روزی مانگی تھی، اللہ تعالیٰ
نے اُن کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ خارقِ عادت طریقہ سے ان کے لیے روزی کا سامان بھیجا، عیسے
جکی میں اُٹا آگیا اور تنور میں روٹیاں لگ گئیں۔

جو لوگ یقین اور توکل کی دولت سے محروم اور اللہ کی قدرت کی دستوں سے نا آشنا ہیں اُن کے
دلوں میں شاید اس قسم کی روایات پر شبہات اور دسا دس پیدا ہوتے ہوں، لیکن اللہ کے جن بندوں
کو یقین و توکل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کا کچھ حصہ ملا ہو اُن کے لیے تو ایسے واقعات میں
کوئی حنیفہ کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہو: ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ (مائدہ ۲۳)
اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے (جیسا کہ توکل کا حق ہو) تو اللہ اس کے لیے اور اس کے کام بنانے کے
لیے کافی ہو۔

قیادت آپ خود فرما رہے ہوتے تھے ان میں میدان جنگ میں صفیں آراستہ کرنے کے بعد آپ کل مجاہدین کو صاف سکھ دیدیتے تھے کہ جب تک دشمن کی فوجیں بالکل قریب نہ آجائیں اپنی جگہ سے کوئی نہ بڑھے۔ اور جن جہتوں میں آپ خود شریک نہ ہوتے تھے ان میں افواج کو نصرت کرتے وقت آپ اسی قسم کی ہدایات فرمادیا کرتے تھے۔ مثلاً سلمہ میں حضرت علی بن سواروں کے ساتھ عازم مین ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ”جب تم دہاں پہنچ جاؤ تو جب تک تم پر کوئی حملہ نہ کرے تم نہ لڑنا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن اس سے روایت ہو کہ ”میں خلاں غزوہ میں آپ کے ساتھ تھا لوگوں نے دوسروں کے پڑاؤ پر جا کر تنگ کیا اور لوٹا مارا۔ آپ نے ایک شخص کو بھیجا جس نے منادی کر دی کہ جو دوسروں کو ان کے گھروں میں تنگ کرے یا لوٹے مارے اس کا جہاد قبول نہیں ہے۔“

یہ ایک پُرانا مقولہ ہے کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہو مگر جس کا فرض زندگی کے ہر شعبہ میں جائز نہ انا جائز کی دائمی تحدید ہو اس کی نظر میں اس طرح کے شاعرانہ مقبولے کچھ وقعت نہیں پاسکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں ضعیفوں، عورتوں، بچوں، ملازموں اور غلاموں کے قتل کی قطعی ممانعت کر دی تھی۔ اور جب مسلمانوں کی فوجیں غنیمت کی آبادیوں میں داخل ہوتی تھیں تو انھیں عام طور پر یہ حکم دیدیا جاتا تھا کہ جو لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں یا کسم اور طریقہ سے مقابلہ میں آنے کا ارادہ ظاہر کر دیں انھیں مکمل امان دیا جائے۔

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ جب سلیفہ اہل حضرت ابو بکر نے شام کی طرف فوج روانہ کی تو اس کے نام یہ تاریخی فرمان جاری کیا۔ ”دشمنوں سے تمھارے معاہدوں میں جھوٹ یا فریب نہ ہونا چاہیے۔ ہر معاملہ میں ایماندار رہو تاکہ تمھاری صداقت اور اعلیٰ ظرفی ثابت ہو جائے۔ اپنے وعدوں اور اپنی باتوں کی سختی کے ساتھ پابندی کرو۔ راہبوں اور رستیا سیوں کے سکون میں خلل نہ ڈالو، اور ان کے سکون کو مسار نہ ہونے دو۔“

مشہور انگریز مصنف باسوتھ اسمتھ تحریر کرتے ہیں کہ ”ابوبکر نے شام میں اپنی فوجوں کو حکم دیدیا تھا کہ نہ تو مردوں کے چہرے بگڑائیں، نہ بڑھوں عورتوں اور بچوں کو قتل کریں، نہ پھلدار درختوں کو گرائیں اور نہ ان کے جانوروں کو ماریں علاوہ اس کے کہ کھانے کے لیے ضرورت ہو اور ان کریمانہ اصولوں نے مسلمانوں کی ساری جنگی تاریخ میں جنگی ضوابط کا کام دیا۔“

اور فیض نے لکھا ہو کہ ”اس فرمان نے یہودیوں اور عیسائیوں کو انصاف و حلم و بردباری کئے ایسے اصولوں کا مشرہ بنایا جن پر نہ تو رومی شہنشاہوں اور نہ سخت عقیدہ پادریوں اور پوپوں نے کبھی عمل کیا تھا۔“

یہاں ایک نظر دشمنوں کے ساتھ سلوک کے اس انداز پر بھی ڈال لینا چاہیے جس کی تعلیم یہود کی شریعت میں پائی جاتی ہو۔ اور جس پر ان کا عمل تھا کتاب تورہ کے بابتی کی یہ طعن ملاحظہ ہوں۔ ”بنی اسرائیل نے مدیاں کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا۔ ان کے مویشی، اور بھیسٹہ بھری اور مال و متاع سب لوٹ لیا اور ان کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کے تمام قلعوں کو بھونک دیا۔“ (۹-۳۱)

”تم ان کے کل بچوں کو قتل کر دو اور ہر عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہے جان سے مار دو۔“ (۱۸-۳۱)

”لیکن وہ لوگ یاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں ان کو اپنے لیے زندہ رکھو۔“

(۱۹-۳۱)

اور ہنر دوں کی مقصد کتاب بگ وید کے ان چند اقتباسات کا مطالعہ بھی دیکھی سے خالی نہ ہوگا۔

”اس نے پچاس ہزار سیاہ خام دشمنوں کو لڑائی میں موت کے گھاٹ اتارا۔“ (منڈل ۴ منتر ۴)

”ہم نے ہر اسوں (غلاموں) کے جسموں کو دھنوں میں قطع کر ڈالا۔ قضا و قدر نے ان کو اسی

لیے پیدا کیا تھا۔“ (منڈل ۱۰- منتر ۴۹)

”وہ اندراجہ نے درترو کو قتل کیا اور قصبے کے قصبے اور گاؤں کے گاؤں تو دہلا کر ڈالے“

(منڈل ۲۔ منتر ۲۰)

ایران جنگِ نظیم کے پہاڑ توڑ ناس زمانہ کی تمام قوموں میں ایک معمولی بات تھی اور اس کا نہ رواج میں بھی عرب کسی سے پیچھے نہ تھے۔ آنحضرت صلعم نے جنگی قیدیوں کی بابت تاکید کی کہ انہیں امن و عزت اور آرام کے ساتھ رکھا جائے۔

مسلمانوں کو سب سے پہلے جنگِ بدر میں قیدی ہاتھ آئے تھے۔ یہ لوگ اہل مکہ تھے اور ان کی اسلام دشمنی کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جنہوں نے اپنے ہاتھ اور زبان سے رسول اللہ صلعم اور اکثر کا صحابہ کو مختلف قسم کی اذیتیں پہنچائی تھیں۔ چنانچہ آپ نے مناسب جانا کہ ان کے معاملہ میں صحابہ سے مشورہ کر لیا جائے۔ صحابہ میں رائے کا اختلاف ہوا۔ ایک گروہ حضرت ابو بکر صدیق کا بحیال تھا جن کی رائے تھی کہ قیدیوں کو جرمانہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ مسلمانوں کو جنگی ساد و سامان کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ جرمانہ کی رقم اس سلسلہ میں بہت مفید ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ رہا ہونے کے بعد اکثر قیدیوں کے ایمان لے آنے کا بھی امکان تھا۔ صحابہ کا دوسرا گروہ حضرت عمر فاروق کی اس تجویز سے متفق تھا کہ کل قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے کیونکہ وہ سب کے سب کفر اور شرک کے امام اور پیشوا تھے۔ دہانے کئے مسلمانوں کا خون ان کی گزروں پر تھا۔ اب موقع تھا کہ ان معصوم شہداء کا قصاص لیا جائے۔ حضرت ابو بکر کی رائے چونکہ نرم دلی پر مبنی تھی اس لیے رحمتہ للعالمین کو وہی پسند آئی آپ نے حکم دیا کہ قیدیوں میں سے جو جرمانہ ادا کر دیں وہ رہا کر دیے جائیں اور جو مقدرت نہ رکھتے ہوں انہیں مدینہ لے چلا جائے۔ مزید ہونچ کر جب یہ قیدی صحابہ کے حوالہ کئے گئے تو آپ نے تاکید فرمادی کہ ان کو کھانے پینے یا کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ انہی قیدیوں سے روایتیں ہیں کہ صحابہ بخود دیکھ کر دیکھ کر غیرہ کھا کر بسر کرتے تھے اور ان کو کھانا کھلاتے تھے۔

غزوہ جبین میں چھ ہزار مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تھے۔ آپ نے ان سب کو بلا امتیاز و نہر رہا فرمایا اور ان کے پہننے کے لیے چھ ہزار جوڑے عنایت فرمائے۔ ایرانِ جنگ کی غیر مشروط رہائی کا یہ کوئی تنہا واقعہ نہ تھا۔ سیرتِ پاک میں اس طرح کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔

قاضی یحییٰ بن منصور پوری کا کہنا ہو کہ احادیث کی کتابوں میں ایک واقعہ قیروں کے تبادلہ کا بھی پایا جاتا ہو۔ گویا اپنے چوتھے سو برس قبل ایک ایسے معاملہ کو قابل عمل ثابت کر دیا تھا جس پر کامیابی کے ساتھ عمل پیرا ہونا آج کی جہد ترین قوموں کے لیے دشوار ہو رہا ہو۔

دوران جنگ میں دشمن کے مال و اسباب کو لوٹنے کا رواج عام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا۔ ابو داؤد میں ایک انصاری سے روایت ہو کہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے ہوئے تھے کہ تنگدستی کے ہاتھوں سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ راستہ میں اتفاق سے بکریوں کا ایک ریڈنظر آیا تو سب لوگ بیتاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ موقع پر تشریف لائے۔ اس وقت تک گوشت ہانڈیوں میں چڑھا یا جاتا تھا آپ کے ہاتھ میں کمان تھی اس سے اپنے ہانڈیاں الٹ دیں اور گوشت خاک میں مل گیا۔ پھر فرمایا ”لوٹ کے گوشت اور مردار گوشت میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا“

مفتوحہ مکہ کے جو مال و دولت ہاتھ آتا تھا وہ فاسخ کا حق سمجھا جاتا تھا اور عیش و عشرت کے پوراغ روشن کرنے اور رقص و سرود کی مٹھلیں گرم کرنے کے کام میں لایا جاتا تھا، اور دربار کے امراء اس سے حسب حیثیت مستفید ہوتے تھے۔ اپنے حکم خداوندی اس میں محتاجوں، بے بسوں اور لاوارثوں کے حقوق مقرر فرمائے۔

| | |
|--|---|
| رَاعِلْمُوا لِمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ | ”اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں غنیمت میں |
| فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ | حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ خدا کا ہجاء اور |
| وَلِلَّذِينَ الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ | رسول کا اور رشتہ داروں کا اور یتیموں کا |
| وَابْنِ السَّبِيلِ (الانفال) | اور غریبوں کا اور سافروں کا“ |

(۴)

دنیا میں دلیری اور شجاعت اور جنگجوئی اور سپہ سالاری کے عظیم الشان کارناموں کی کمی نہیں ہے۔ تاریخ کے مختلف دوروں میں کمرہ ارض کے مختلف حصوں سے ایسی زلزلہ بردوش ہستیاں نمودار ہوتی

رہی ہیں جنہوں نے اپنی تلواروں کی نوکوں سے دنیا کے طبقے الٹ دیئے ہیں، لیکن کیا کبھی ان کی فتح و نصرت کی داستانیں روح انسانی کے نہاں خانوں میں بھی سنی گئی ہیں؟ کیا ان کی تلواں اہل اہم اور خیالات فاسدہ کی بیڑیاں کاٹ کر تہذیب و معاشرت کا کوئی نیا خاکہ کبھی پیش کر سکی ہیں؟ اور کیا کبھی کسی سکندر یا چنگیز یا ناپولین کی قوت بازو کے صدقہ میں انسانیت کو اس کے قلب و روح کی سیاہی، ناپاکی اور زنگ آلودگی سے نجات مل سکی ہے۔

بخلاف اس کے انبیا علیہم السلام کے پیش نظر ہمیشہ ہمارے باطن کی اصلاح رہی ہو۔ انھوں نے ہماری روحانی و اخلاقی خامیوں اور بیماریوں کے علاج بہم پہنچائے ہیں۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ 'تن کی دنیا' دراصل 'من کی دنیا' ہی کی آوازِ باگشت ہو اور جب تک انسان کے ادا رک واساس و اخلاق کو سنوارا نہ جائے دنیا کا سنورنا محال ہے۔

چنانچہ بنی اور فاتح کے مضبوطی میں بڑا فرق ہے۔ بنی اگر سر پر خود دھین کر اور ہاتھ میں تلوار لے کر میدان جنگ میں آتا بھی ہو تو اس کی مثال اس ماہر جراحہ کی ہوتی ہے جو ہاتھوں میں مختلف قسم کے فستق لے کر آپریشن کی میز کے پاس جاتا ہے۔

متحدہ بار صحابہ کرام نے یہ منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ معرکہ کارزار گرم ہے تیروں کی مارش ہو رہی ہے، تلواریں چمک رہی ہیں، سرتن سے جُدا ہو رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہرُ بَناکِ سجدہٗ نیاز میں ہے۔ توکل کی سپر دعاؤں کے تیرا نقین کی زرہ، صداقت کی شمشیر۔ یہ ہیں ایک نبی کے اسلحہ خانے کے اصلی آلاتِ حرب۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تمام غزوات میں ایک بار بھی آنحضرت صلعم کا دست مبارک خون کو لود نہیں ہوا۔

(5)

اب آئیے ایک نظر غزوات نبوی پر بھی ڈال لیجیے۔ آپ کے کل غزوات اور سرائیا کی فہرست اور سیرت نگار نبوی قاضی سلیمان منصور پوری کی تحقیق کی روشنی میں ہے اور ان سب میں طرفین کے مجموعی نقصانات کا جو نقشہ انھوں نے پیش کیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

| نام ترقی | ایسر | زخمی | مقتول | کل | کیفیت |
|----------|------|------|-------|------|--|
| مسلمان | ۱ | ۱۲۷ | ۲۵۹ | ۳۸۷ | ہر دو جانب کے زخمیوں کی تعداد قطعی نہیں ہو۔ |
| مخالف | ۶۵۶۳ | — | ۷۵۹ | ۷۳۲۳ | ایسر اور مقتولوں کی تعداد انشا و اللہ صحیح ہو۔ |
| میزان | ۶۵۶۵ | ۱۲۷ | ۱۰۱۸ | ۷۷۱۰ | |
| | | | | | |

بتلائے کہ جن جنگوں کے مجموعی نقصانات کے اعداد شمار یہ ہوں ان کی بابت یہ کہنا کہ عسبر جیسے جنگجو اور نرم پیشہ ملک میں صدیوں پرانے مذہبی اعتقادات پر اسلام کے غالب آنے کا اصلی راز ان ہی میں پوشیدہ ہو! کہاں تک قرین عقل و صداقت ہو؟

پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ جنگیں کن حالات میں پیش آئیں اور کیا اسباب تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کو تلوار اٹھانے پر مجبور کیا؟

صورت یہ تھی کہ مسلمانوں کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد قریش کے اس حقیقت کو شرت سے محسوس کرتے رہے کہ اسلام کا وقتی طور پر ان کی سرزمین سے ہٹ جانا کسی طرح ان کے مذہبی عقاید و رسوم کی حفاظت و بقا کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اسلام کو مدینہ میں جڑ پکڑنے کا موقع مل گیا تو رفتہ رفتہ اس کی شاخیں مکہ پر ضرور اپنا سایہ ڈالیں گی اور پھر عسبر میں جو سیاسی تفوق اور روحانی سرداری ان کو حاصل ہے اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو ان کے نئے سکُن میں بھی سکُن سے نہ ہٹھنے دیا جائے۔ وہ ایک طرف تو غو و مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے اور دوسری طرف تمام قبائل عرب کو بھڑکایا کہ اگر یہ نیا گروہ کامیاب ہو گیا تو تم فنا ہو جاؤ گے۔

یہ واقعہ تو نظر سے گزر چکا ہو گا کہ جب بیعت عقبہ میں انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو ایک انصاری نے کہا تھا کہ ”بھائیو! جانتے ہو کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عسبر و عجم سے اعلان جنگ ہو!“ گویا یہ حقیقت کسی سے چھپی نہ تھی کہ اسلامی مرکز کا مکہ سے مدینہ منتقل ہونا مشرکین عسبر کے نزدیک ایک جلیغ تھا۔ چنانچہ ہجرت نور ابد ہی قریش نے مدینہ کے رئیس عبداللہ بن ابی کو کہلا بھیجا تھا کہ ”محمدؐ کو مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم خود وہاں آکر تمہارا دمخہ دوڑوں کا فیصلہ کر دیں گے۔“

اس صورت میں یہ لازمی تھا کہ مدینہ کی حفاظت کی تدبیریں اختیار کی جائیں۔ حفاظت کا
حتی الامکان پورا انتظام نہ کرنا صرف اسلام کے وجود ہی کو سخت خطرہ میں ڈال دیتا بلکہ اہل مدینہ
کے ساتھ بدعہدی کا بھی مرادف ہوتا اور پھر جو ظلم آج بھی صلعم کے تلوار اٹھانے کے خلاف اوراق
اور جلدیں سیاہ کر رہے ہیں آپ کے تلوار نہ اٹھانے پر نکتہ چینی کرتے ہوتے۔

ٹانس کارلائل نے ان واقعات پر یوں تبصرہ کیا ہے:۔ ”اب تک محمد نے اپنے دین کی
اشاعت صرف تبلیغ اور تلقین ہی کے ذریعہ کی تھی۔ لیکن اب ہیرجی کے ساتھ اپنے آبائی وطن
سے نکال دیے جانے کے بعد۔ جب کہ غیر منصف انسان نے صرف ان کے آسمانی پیغام
اور ان کے دل کی پکار کو سننے ہی سے انکار نہیں کر دیا تھا بلکہ اپنی بات پر قائم رہنے کی پاداش میں
ان کے خون کا بھی پیاسا ہو گیا تھا۔ صحر کے اس تہذیب ناک آتشا فز زند نے ایک مرد اور
ایک عسبر کی طرح اپنے تحفظ کا ارادہ کیا“

لے آن ہیر دز اینڈ ہیر دور شب، صفحہ ۶۱

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت

تالیف: مولانا شبیب الرحمن علی منڈوی

بہت کافی انتظار کے بعد نیا ڈیشن

اس دور کے مشہور مصلح اور عارف حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے نام سے ہمارے ملک کے باخبر حضرات
عام طور سے واقف ہیں۔ یہ کتاب اصل مولانا مدوح کی سوانح حیات ہے جس میں ان کے ذاتی حالات اور سوانح کے
علاوہ ان کی دینی و اصلاحی دعوت کو بھی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے جو بلاشبہ اس دور کی نہایت وسیع
اور گہری دینی و اصلاحی تحریک ہے۔ اس دعوت تحریک کے منظر اس کے بنیادی اصول اور ان کی تقاضا
منزلوں کو جس تحقیق و تنقید کے ساتھ بہترین علمی اور تصنیفی زبان میں اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ ان کے
مترجم مؤلف ہی کا حصہ ہے۔ شریع میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی دوح کا مبدوط مقدمہ ہے۔

کتابت و طباعت: اعلیٰ، کاغذ نفیس، صفحات: ۲۸۰ (قیمت: ۱۰ روپے)

ایک مقدس وقف اور اس کا متولی

(امام مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی)

گزشتہ شمارہ میں مولانا کے بھتیجی دورہ کی ایک تقریر پر یہ ناظرین کی گئی تھی اور وعدہ کیا گیا تھا کہ اس سلسلہ کی بعض اور تقریریں آئندہ اشاعت میں پیش کی جائیں گی۔ حسب وعدہ دو تقریریں اس شمارہ میں پیش کی جا رہی ہیں۔ ایک یہ اور ایک حضرت مدیر الفرقان زید محمد مکی (رحمہم)۔

دوستو! اور بھائیو! اس وقت ہمارے ملک میں جلسوں اور مجلسوں کا اچھا خاصہ رواج ہے لیکن یہ جلسے اور مجلسیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو بالکل ذاتی غرض اور مقصد کے لئے منعقد کی جاتی ہیں خواہ اس کے پیچھے کوئی جماعت و سیاسی پارٹی کام کرتی ہو یا کسی جماعت یا پارٹی کا نام لیا جاتا ہو اس کی روشن مثال اکشن کے جلسے ہیں۔ اکشن کی بدولت قصبے قصبے گاؤں گاؤں جلسے ہوتے ہیں اور اس کے لئے سخت جدوجہد کی جاتی ہے، وقت صرف کیا جاتا ہے اور روپیہ پانی کی طرح بہا یا جاتا ہے۔ جو لوگ کسی نشست کے لئے کھڑے ہوتے ہیں وہ دوٹ دینے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ انتخاب کے لئے موزوں ترین اور لائق ترین آدمی ہیں۔ ان جلسوں میں زندگی کے اصول اور اخلاق اور اچھا شہرہ بننے کی تعلیم نہیں دی جاتی ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کو زیادہ سے زیادہ ووٹ دے جائیں ان کے نزدیک وہی لوگ قابل تعریف ہیں اور انہیں کی زندگی کی قیمت ہے جو ان کی حمایت کریں اور ان کو ووٹ دیں خواہ وہ اخلاقی حیثیت سے پست اور اصول و سیرت اور کردار کے لحاظ سے ادنیٰ درجہ کے انسان ہوں۔

دوسری قسم کے جلسے وہ ہوتے ہیں جو مذہبی رسوم یا معاشرتی (سوشل) تقریبات کے

سلسلہ میں منعقد ہوتے ہیں۔ اس طرح کے جلسے مسلمانوں میں بھی ہوتے ہیں اور ہندوؤں میں بھی لیکن انہیں اس کی بات ہے کہ مذہبی جلسے جو کبھی قوموں میں زندگی پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوتے تھے اور اصلاح و انقلاب کا پیغام دیتے تھے اب کوئی پیغام اور بہرہ و گرام نہیں لکھتے۔ اسی طرح سے وہ معاشرتی تقریبات جن سے کبھی اصلاح اور اجتماعیت کا کام لیا جاتا تھا ایک طرح سے بے روح اور بے جان ہو گئی ہیں اور بگے بندھے نظام کے ماتحت ہونے لگی ہیں۔ ان جلسوں میں لوگ جو ذہن لے کر آتے ہیں وہی ذہن لے کر جاتے ہیں، ان میں کوئی تغیر اور کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ ان جلسوں کی شرکت سے ایک قسم کا اطمینان پیدا ہوتا ہے ان میں غریب ہونے والا سمجھنے لگتا ہے کہ شرکت سے وہ ہلکا اور ہلکا ہو گیا اور اس نے جو باپ کے تحفے وہ چل گئے۔ آج مذہب سے انسانوں کے دل و دماغ پر چوٹ نہیں لگتی مذہبی تقریبات کی شرکت سے اطمینان اور سکون اور بڑھ جاتا ہے۔ حالانکہ مذہب غلط زندگی کا حریف ہے، اس کا سمجھوتہ خرابیوں، باپ اور بد اخلاقیوں سے ناممکن ہے۔ پہلے غلط قسم کی زندگی گزارنے والے ان جلسوں سے کتراتے تھے کہ ان میں مذہب ان کی حرکتوں پر تنقید نہ کرے۔ قرآن مجید میں حضرت شعیبؑ اور ان کی قوم کا مکالمہ نقل کیا گیا ہے۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا اے قوم ناپ تول میں کمی نہ کرو، تم ڈنڈی مارتے اور کم تولتے ہو، تم گاہک سے زیادہ سے زیادہ لینے کی فکر میں رہتے ہو اور اس کو کم سے کم دینے کی کوشش کرتے ہو یہ ہا باپ ہے! قوم نے جواب دیا کہ کیا تمھاری نازم کو اس کی تعلیم دیتی ہے کہ تم ہمارے اس طرز عمل پر اعتراض کرو اور ہم کو اپنے مال میں آزادانہ کارروائی کرنے سے روکو؟ قوم نے تشخص ٹھیک کی۔ یہ سب رکاوٹیں ناز ڈالتی ہے اور زندگی میں غلط اور صحیح کی تمیز کرائی ہے..... ایک صحیح اور زندہ مذہب زندگی کی غلطیوں اور گناہوں پر خاموش نہیں رہ سکتا۔

بھائیو! ہمارا یہ جلسہ نئے طرز کا ہے، یہ نہ انکس کے جلسوں میں کا کوئی جلسہ ہے نہ مذہبی تقریبات سے کوئی تقریب ہے، ہم اس جلسہ میں کوشش کریں گے کہ بتائیں کہ زندگی کا صحیح راستہ کیا ہے؟ اور انسان بہت سی کیوں کر گیا ہے؟

آپ جب کوئی کام کرتے ہیں تو سب سے پہلے بٹل کرتے ہیں کہ کس نیت سے کیا جائے۔

اور اس معاملہ میں آپ کی صحیح پوزیشن کیا ہے؟ دنیا میں جو کچھ ہوا ہے اُس کی تہہ میں یہ دنیا دی حقیقت کام کر رہی ہے کہ انسان نے دنیا میں اپنے کو کیا سمجھا اور اس کو کیا مقام اور پوزیشن حاصل ہو؟ اگر یہی بات صحیح سمجھ لی گئی تو ہر کام ٹھیک ہوگا اور اگر اسی منزل پر غلطی ہو گئی تو غلطی ہوتی ہی چلی جائے گی۔

دوستو! اسلام نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ انسان دنیا میں خدا کا نائب، خلیفہ اللہ اور دنیا کا ٹرسٹی ہے، دنیا ایک وقف ہے اور انسان اُس کا متولی، اس کے ذمہ یہاں کا انتظام اور ہدایت کا کام ہے۔ دنیا میں چھوٹے بڑے بہت سے وقف ہوتے ہیں، یہ سارا عالم، یہ ساری کائنات ایک عظیم الشان وقف (ٹرسٹ) ہے، یہ کسی کی ذاتی ملکیت، یا کسی کے باپ، دادا کی جائیداد نہیں ہے کہ جس طرح چاہے کھائے اُڑائے۔ اس وقف میں جانور چرند، پرند، درخت دریا پہاڑ، سونا چاندی، سامان خوراک اور دنیا کی تمام نعمتیں ہیں۔ یہ سب انسان کے حوالے کی گئی ہیں کیونکہ وہ ان کے مزاج سے بھی واقف ہے اور اُن کا ہمدرد بھی۔ انسان خود اسی ٹرسٹ کی مٹی سے بنا ہے اور اسی خاک کا ہے اور نظم کے لئے واقفیت و علم اور ہمدردی و تعلق دونوں شرط ہیں۔ انسان دنیا کے نفع و نقصان سے بھی واقف ہے اور اس کے اندر اس کی ضرورت و عیب بھی رکھی گئی ہیں اس لئے وہ اچھا ٹرسٹی بن سکتا ہے۔

مثال کے طور پر لائبریری دکتب خانہ کا انتظام وہی اچھا کر سکتا ہے جس کو علم کا شوق ہو اور کتابوں سے لگاؤ اور دلچسپی ہو، اگر کسی دکتب خانہ کا انتظام کسی جاہل کے سپرد کر دیا گیا، چاہے وہ کتنا ہی شریف اور اچھا آدمی ہو وہ بہترین لائبریرین نہیں بن سکتا۔ لیکن جس کو علم کا شوق ہوگا اور کتابوں سے مناسبت، وہ اس میں کافی دقت محسوس کرے گا۔ اس کے ذخیرہ میں معقول اضافہ کرے گا اور اس کو ترغیب دے گا۔

اسی طرح انسان چونکہ اسی دنیا کا ہے اُس کو اس سے دلچسپی بھی ہے اور وہ اس کا ضرورت مند بھی ہے، اس سے واقف بھی ہے اور اس کا ہمدرد بھی، اس کو اسی میں رہنا بھی ہے اور اسی میں مزاج بھی لہذا وہ اس کی پوری دیکھ بھال کرے گا اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو ٹھکانے لگائے گا یہ کام اس کے علاوہ اور کوئی اس خوبی سے انجام نہیں دے سکتا۔

جب حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور زمین میں اپنا نائب بنایا، فرشتے جو پاک اور روحانی مخلوق ہیں جو نہ گناہ کرتے ہیں نہ گناہ کی خواہش رکھتے ہیں۔ بولے کہ اے مالک آپ ایسے کو اپنا نائب بنارہے ہیں جو دنیا میں خون خرابہ کرے گا۔ ہم تیری ہاکی بیان کرتے ہیں اور تیری عبادت میں مشغول رہتے ہیں یہ منصب ہم کو عطا فرما۔ خدا نے جواب دیا، تم ان بات کو نہیں جانتے ہو۔ خدا نے آدم اور فرشتوں کا امتحان لیا۔ چونکہ آدم اسی خاک کے تھے ان کو دنیا استعمال کرنی تھی، ان کی فطرت کو اس سے مناسبت تھی اس لئے وہ اس کی ایک ایک چیز سے واقف تھے، آنسوؤں نے ٹھیک ٹھیک جواب دیا۔ فرشتوں کو ان چیزوں سے واسطہ نہ تھا اس لئے جواب نہ دے سکے، اس طرح خدا نے دکھا دیا کہ دنیا کے انتظام اور اس وقت کی تولید کے لئے اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود انسان ہی موزوں ہے۔ بلکہ یہ کمزوریاں اور ضرورتیں ہی اس کو اس منصب کا اہل ثابت کرتی ہیں۔ اگر اس دنیا میں فرشتے ہوتے تو دنیا کی اکثر نعمتیں بیکار رہی نہایت ہوتیں اور ان کی وہ ترقی ہرگز نہ ہوتی جو انسان نے اپنی ضرورت اور خواہش کی بنا پر دی۔

لیکن یہ بھی آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ نائب اور قائم مقام کا فرض ہے کہ قائم مقام بنانے والے کی پوری پوری پیروی کرے، وہ اس کے اخلاق کا نمونہ اور پیر ہو، اگر میں یہاں کسی کا قائم مقام ہوں تو کامیاب اور فادار قائم مقام اسی وقت کہلاؤں گا جب اپنی بساط بھر اس کی نقل کروں اور اپنے اندر اس کے اخلاق پیدا کروں۔ خدا کی نیابت یہ ہے کہ اپنے اندر اس کے اخلاق پیدا کئے جائیں اور اس کی صفات سے مناسبت ہو۔ ہمیں بتلایا گیا ہے کہ اس کی صفات و اخلاق میں علم، رحمت، شکر، احسان، انتظام، پاکبازی، عفو و درگزر، بخشش و عطا، عدل و انصاف، حفاظت و نگرانی، محبت، جلال و جمال، مجربین سے گرفت و انتقام، جامعیت و وسعت ہے، خدا کے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو تعلیم دی کہ خدا کے اخلاق اختیار کرو و مختلفہ باخلاق اللہ، انسان اپنے محدود انسانی دائرے میں اور اپنی تمام بشری کمزوریوں کے ساتھ ان اخلاق خداوندی اور ان صفات اللہ کا پیکر اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے وہ کبھی خدا نہیں ہو سکتا لیکن دنیا میں خدا کے اخلاق کا مظاہرہ کر سکتا

ہے اور یہی ایک سچے نائب کا کام ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر انسان حقیقی طور پر اپنے کو خدا کا نائب سمجھنے لگے اور خلاق خداوندی کو اپنی زندگی کا معیار بنائے تو خود اس کی ترقی و بلندی اور اس کے دور خلافت و نیابت میں دنیا کی خوش حالی اور سرسبزی کا کیا حال ہوگا؟ مذہب انسان کا بلند ترین اور معتدل ترین تصور پرکشش ہے۔ وہ انسان کو خدا کا نائب اور اس زمین کے انتظام میں اس کا قائم مقام اور اس عظیم الشان وقت کا اس کو متولی قرار دیتا ہے، اس سے بڑھ کر انسان کا اعزاز اور انسانیت کی معراج نہیں ہو سکتی۔

مگر انسانوں نے خود دو متضاد تصورات قائم کئے۔ کہیں تو انسان کو خدا بنایا گیا اور اس کی عبادت ہونے لگی اور کہیں جاؤر سے بدتر سمجھ لیا گیا اور اس کو گائے بیل کی طرح ہنکا یا جانے لگا بعض انسان خود خدا بن بیٹھے اور بعض اپنے کو جاؤر سے بدتر سمجھنے لگے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو صرف پریت سے کام ہے اور صرف نفس دیا گیا ہے، یہ دونوں تصور غلط ہیں بلکہ صریح ظلم ہے، نہ انسان خدا ہے نہ جاؤر، انسان انسان ہی ہے لیکن نائب خدا، ساری دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ خدا کے لئے، ساری دنیا اس کے سامنے جواب دہ ہے اور وہ خدا کے سامنے، یہ زمین یہ دنیا کسی کی ذاتی جائداد نہیں، ایک وقت ہے اور انسان اُس کا متولی، اس تصور اور اس عقیدے کے بغیر دنیا کی چول ٹھیک نہیں بیٹھ سکتی تاریخ کی شہادت ہے کہ جب انسان اس راہِ راست سے ہٹا اور اپنی حد سے بڑھا اور خدا بننے کی کوشش کی اور اپنے کو دنیا کا حقیقی مالک سمجھا یا اپنے مرتبے سے گرا اور اپنے کو جاؤر سمجھا یا دنیا کے انتظام اور تولیت سے دست بردار ہوا اور زندگی کی ذمہ داریاں اور فرائض سے اُس نے گریز کیا تو خود بھی، برباد ہوا اور یہ دنیا بھی تباہ ہوئی۔

آج یورپ جس کے ہاتھ میں دنیا کی باگ ڈور ہے اور وہ انسانیت کا لیڈر بنا ہوا ہے، اس نے حیوانیت کے درجہ سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا، اُس نے انسان کا جماداتی تصور پیش کیا۔ وہ کہتا ہے کہ انسان روپیہ ڈھالنے کی مشین اور ایک کامیاب ٹکسہ ہے۔ البتہ اس کے اعمدہ خواہشات میں لیکن سراسر حیوانی، کاش کہ وہ انسان کو صرف ایک مشین ہی سمجھنے دیتا جس کے اندر اپنی کوئی خواہش اور ارادہ نہیں ستم والا ستم یہ ہے کہ وہ مشین بھی ہے اور خود غرض بھی اور مردم آزار بھی۔ یورپ کے اس دور قیادت میں سارا عالم ایک بے جان میسکڑی

بنتا جاتا ہے جس میں کبھی کبھی بڑا خطرناک ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ اس مبینی دور میں لطیف انسانی جذبات
 احساسات، انسان سے ہمدردی، دل کا گداز دوسوڑھنے سے نہیں ملتا، اس نکال میں کہیں خدا کا
 نام نہیں، اس کی سچی طلب، دل سوزی نہیں۔ نہ آنکھوں میں نمی ہے نہ دل میں گرمی، نہ انسانیت
 کی لطافت ہے نہ قلب و روح کی حرارت۔ حالانکہ جس دل میں محبت اور معرفت نہیں وہ انسان کا
 دل نہیں چمک رہا ہے جس آنکھ میں کبھی آنسو نہ آئے وہ انسان کی آنکھ نہیں نرگس کی آنکھ ہے۔
 اب سوائے روپیہ، پیٹ اور اغراض کے کچھ نہیں۔ میں اپنے شہر میں صبح تھیلے نکلتا ہوں تو مختلف
 پارٹیوں اور دوستوں کی ٹیلیوں کے پاس سے گزرنا ہوتا ہے، ادھر سے دو آدمی گزرے
 ادھر سے چار آدمی آئے لیکن برسوں حسرت رہی کہ ان مسلمان اور ہندو بھائیوں سے کچھ اور کمزور
 لیکن سوائے اس کے اور کچھ سننے میں نہیں آتا کہ آپ کی تحفہ کتنی ہے؟ آپ کی بالائی آمدنی کیا
 ہو جاتی ہے؟ آپ کا تبادلو کہاں ہو رہا ہے، فلاں افسر بد مزاج ہے، فلاں افسر بہت اچھا ہے
 بیٹے کی شادی میں اتنا خرچ ہوا بیٹی کو اتنا جہیز دیا، ہمارا فنڈ اتنا جمع ہے۔ فلاں کا بینک میں
 اتنا حساب ہے اور اب تو کرکٹ کا دور دورہ ہے، ہر جگہ کرکٹ کا تذکرہ۔ ہر جگہ کھیلنے والوں
 پر تبصرہ! میں کھیل کا مخالف نہیں خود بھی کھیلا ہوں اور اس کا ذوق رکھتا ہوں، ورزشوں اور
 مردانہ کھیلوں کو مفید اور ضروری سمجھتا ہوں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہی زندگی کا ایک موضوع
 بن کر رہ جائے اور صبح سے شام تک اس کے تذکرہ سے فرصت نہ ہو، آپ نے سنا ہوگا کہ پاکستان
 میں ایک صاحب کا اس خبر سے ہارٹ فیل ہو گیا کہ ایک کھلاڑی ۹۹ رن بنا کر آؤٹ ہو گیا
 اور سپریم ٹیم نے نہ بنا سکا۔ میرے بعض سفروں میں دیکھا ہے کہ دو دو تین تین گھنٹے تک سسل کرکٹ کی
 ٹیم اور اس کے کھیل پر تبصرہ ہوتا رہا، ایک منٹ کے لئے بھی موضوع نہ بدلا۔ انسانوں! تم نے دنیا
 کو کلب بنایا، کلب بنایا، کھانا بنایا، جنگ کا میدان بنایا مگر آدمیوں کی بستی نہ بنائی! پہلے
 ہر گھاؤں، ہر قصبے میں، اللہ کے، پیسے بندے ہوتے تھے جن سے دل کی پیاس بجھتی تھی جس طرح زبان
 کی ایک پیاس ہوتی ہے، اسی طرح دل کی بھی پیاس ہوتی ہے، زبان کی پیاس پانی، شربت، سوڈا
 لیمن سے بجھتی ہے۔ دل کی پیاس سچی اور پاک محبت کی باتوں اور خوب حقیقی کے تذکرے سے بجھتی
 ہے۔ وہ روپیہ دولت اور نفس کی خواہشات کے ذکر سے بھرکتی ہے، آج ہر چیز کی دوکانیں

ہیں۔ منڈیاں ہیں، بازار میں لیکن دل کی دوا اور روح کی غذا نایاب ہوتی جاتی ہے اور کہنے والے عرصہ سے کہہ رہے ہیں۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

آج نہ گھروں میں خدا کا ذکر ہے، نہ ریلوں میں، جتنی کہ مسجدوں، مندروں میں بھی اس کا ذکر فکر کم سے کم ہوتا جا رہا ہے آج جگہ جگہ ہوا دھوس اور ناؤ دھوس کا شور برپا ہے۔ رسی سہی کی، یہ سینا پوری کر رہے ہیں جو حیوانی جذبات بھڑکانے کا خاص کام کرتے ہیں۔ روح بے قرار ہے۔ اللہ کا بندہ کہاں جائے؟ اگر صرف پیسہ ہی کمانا انسان کا کام ہے اور پیٹ بھر لینا ہی اس کا فرض تھا تو یہ دل انسان کو کیوں دیا گیا، دماغ کیوں عطا کیا گیا۔ ایسی بے چین اور بلند پرواز روح کیوں بخشی گئی ایسی گونا گوں اور عجیب و غریب صلاحیتیں کیوں ودیعت کی گئیں؟

یورپ نے انسان کو ایندھن سمجھ لیا، وہ اپنی عزت و خواہشات کے الاؤ میں انسانوں کو لکڑی کوئلہ کی طرح ڈالتا جا رہا ہے، امریکہ کی غواہش ہے کہ شمالی کوریا اور کمیونسٹ چین کو بھینٹ چڑھا دے روس چاہتا ہے کہ قوم پرست چین کو تباہ کر کے رکھ دے۔ پورا یورپ چاہتا ہے کہ مشرق بعید یا مشرق وسطیٰ جنگ کا میدان بن جائے کسی کو انسانیت کا درد نہیں، کسی کے دل میں انسان کا احترام نہیں۔ سب خدا کی ملکیت کے غاصب بننا چاہتے ہیں کوئی خدا کا نائب بننا نہیں چاہتا، کوئی اپنے کو اس مقدس وقف کا متولی نہیں سمجھتا۔

ایشیا اور افریقہ میں بھی حکومتوں کی بنیاد ہدایت و رہنمائی کے اصول، انسانوں کی فلاح و بہبود، اخلاقی اصلاح اور انسانیت کی ترقی پر نہیں۔ سب کی بنیاد مالی مسائل اور آمدنی کے وسائل کی ترقی و اضافہ پر ہے۔ ان کے نزدیک قوم کی اخلاقی حالت اور انسانی مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اس کے لئے کوئی مالی نقصان برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں، اگر کسی غلط ادارہ، یا کسی تفریحی صنعت سے اس کو بڑی آمدنی ہوتی ہے اور قوم کے کسی طبقہ یا نئی نسل کو اس سے نقصان پہنچتا ہے تو وہ کبھی اس آمدنی سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں، چاہے آئندہ سلیس بالکل تباہ اور اخلاق بالکل برباد ہو جائیں۔

دوستو! اس وقت ایمان و اخلاق اور انسانیت کا مسئلہ نہ حکومتوں پر چھوڑا جاسکتا

ہے، نہ اداروں اور تعلیم گاہوں پر یہ بڑا وسیع اور عالمگیر مسئلہ ہے۔ اس کے لئے ہم سب کو کوشش کرنے کی ضرورت ہے یا درکھئے جس کام کو افراد اور عوام کرنے کے لئے تیار نہ ہوں اور جس کی اہمیت کا احساس جمہور اور عوام کو نہ ہو وہ کام جتنا بھی آسان ہو عمل میں نہیں آسکتا، اور بڑی سے بڑی حکومت بھی اس کو انجام نہیں دے سکتی۔ اس کے لئے عمومی اور عوامی کوشش کی ضرورت ہے پیغمبروں نے اپنی ذات اور عام افراد کی کوشش سے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا، ہم کو آپ کو ان کے نقش قدم پر چل کر اس کی کوشش کرنی چاہئے خود اپنی اصلاح کرنی چاہئے اور عام اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، اس کی کوشش کی جائے کہ انسان اس دنیا کو مقدس وقف اور اپنے کو ایک ذمہ دار متولی سمجھنے لگے، وہ اپنے کو اس دنیا میں خدا کی نیابت و خلافت کا اہل ثابت کرے اور اخلاق خداوندی کے ساتھ خدا کی مخلوق کے ساتھ برتاؤ کرے بھی اصلاح کا طریقہ ہے اور اسی میں انسانیت اور دنیا کی نجات ہے۔

پیامِ انسانیت

مولانا علی میاں کی اسی قسم کی دوسری پانچ تقریروں کا مجموعہ

بے مثل خطابت — اور — ایک زندہ پیغامِ دعوت

دنیا کے ماؤی رحمان پر اچھوتی تنقید!

اور سماجی خرابیوں کی اصولی تشخیص!

یہ کتاب ہندوستان میں ایک نئی تحریک کا بھل ہے۔

جس کی کامیابی پر ملک کی صلاح و فلاح منحصر ہے!

مطالعہ فرمائیے — اور — اس تحریک کو اپنا کر کھڑے ہو جائیے

قیمت دس آنے

کتاب خانہ الفرقان گوئن روڈ دیکھنؤ

ہماری مجبوزہ زندگی کے خطرناک نتائج

دیر 'افرقان' کی ایک تازہ تقریر جو مارچ کے پہلے ہفتہ میں کش گچ (ممبر بہار) کے ایک اجتماع میں کی گئی تھی —

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذی هدانا لهذا الذی کنا لنهتدی لو لانا هدا
الله، لقد جاءت رسلنا بالحق، صلوات الله تعالى علیهم
وعلى کل من اتبعهم رباحان الى یوم الدین۔

میسرہ دینی بھائیو! کسی قوم کی یہ حالت اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہوتی ہے کہ وہ اللہ رسولؐ کو ماننے اور ان پر ایمان رکھنے کے باوجود ان کے حکموں پر دھچلے اور دینی احکام سے بے پروا ہو کر زندگی گزارے، جب کسی قوم اور امت کی عام زندگی اس طرح کی ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس دنیوی زندگی میں اپنی رحمتوں سے انکو محروم کر دیتا ہے اور جب اس کے بعد بھی وہ اللہ رسولؐ کی طرف اور ان کے دین کی طرف رجوع نہیں ہوتی اور اپنی زندگی کو درست نہیں کرتی تو پھر وہ قوم اور امت اللہ کی نظر سے گر جاتی ہے اور دنیا پر سخت دلتوں اور مصیبتوں کا شکار ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی مدد نہیں کی جاتی، اور بے اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسری قوم کو ایمان کی توفیق دیکر اپنی خاص نعمتوں کے لیے اُس کو چن لیتا ہو۔

قرآن مجید میں جا بجا نبی اسراءؑ کا ذکر ہے، ان کی سرگزشت یہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے

رسولوں پر ایمان لائے تھے اور ان کے دین کو انھوں نے قبول کیا تھا لیکن بعد میں ان کی زندگی مجرگوئی اور وہ اللہ کی بندگی اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کے بجائے اپنے نفس کی خواہشات چسپنے لگے، اور اللہ کی بندگی اور طاعت کے مقابلہ میں نافرمانی اور بدکاری ان کی زندگی پر غالب آگئی، گویا ایسا ناکار اور اللہ اور اس کے رسولوں کو مان کر ان کی فرمانبرداری دالی زندگی گزارنے کا جو عہد انھوں نے کیا تھا اپنے عمل سے اس کو توڑ دیا۔ پھر اللہ نے اپنی نعمتیں ان سے بھیجیں لیں، اور جنتوں سے ان کو محروم کر دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”فَبِمَا نَقْضُ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً“ یعنی انھوں نے جب عہد شکنی کر کے نافرمانی کی زندگی اختیار کی تو ان پر ہماری لعنت ہوئی اور ان کے دلوں کو ہم نے اور سخت کر دیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہو: ”الَّذِينَ يَبْغُونَ كِتَابَ اللَّهِ“

مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا آمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْعَذَابُ وَلَهُمْ عَذَابُ الدَّارِ“ مطلب یہ جو کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد اور اللہ کی فرمانبرداری کا عہد دیاں کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اپنے عمل سے اس عہد کو توڑتے ہیں اور جن تعلقات کے جوڑنے کا اور جن حقوق کے ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا ان کو جوڑتے نہیں بلکہ توڑتے ہیں اور اپنی مجرمانہ زندگی سے دنیا میں بگاڑ اور فساد پھیلاتے ہیں، وہ خدا کی رحمت سے محروم اور اس کی لعنت کے سزاوار ہیں اور آخرت میں ان کے لیے برا ٹھکانا ہے۔

بھائیو! ان آیتوں میں جس زندگی کو ”نقض ميثاق“ کی یعنی عہد شکنی کی اور قابل لعنت زندگی بتایا گیا ہے وہ یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لا کر، ان کے احکام کے خلاف زندگی گزار دی جائے اور اپنے عمل سے ان کے حکموں کو توڑا جائے۔ بنی اسرائیل کی عام زندگی اسی قسم کی ہو گئی تھی۔ قرآن مجید سے اور تاریخ سے ہمیں معلوم ہوتا کہ اللہ اور اس کے رسولوں کو ماننے کے بعد انھوں نے پھر ان کا انکار کر دیا تھا اور وہ کلمہ کلام ترند اور اللہ اور اس کے رسولوں کے منکر ہو گئے تھے، بلکہ قرآن مجید نے ان کے جس گناہ کا سبب بجا ذکر کیا ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے جو احکام ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچائے تھے اور جن کو ایمان لا کر انھوں نے قبول کیا تھا اور ان کی تعمیل کا عہد کیا تھا بعد میں ان کو انھوں نے پس پشت ڈال دیا اور نافرمانی دالی زندگی اختیار کر لی، اور پوری قوم کی عام حالت یہی ہو گئی۔ بالقرض بنی اسرائیل کا وہ خاص جرم جس نے ان کو اللہ کی رحمتوں سے محروم کر کے لعنتی بنایا یہی تھا کہ اللہ کو

اور رسول کو ماننے کے باوجود ان کے حکموں کو ماننا اور ان کی فرمانبرداری کرنا انھوں نے چھوڑ دیا اور نافرمانی والی بھڑانہ زندگی اختیار کر لی۔ پھر اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے ”افضل اقوام“ بنایا تھا (فضلتکم علی العالمین) اور جس نسل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ تک سینکڑوں ہزاروں نبی ہوئے تھے، اللہ نے اسکو اپنی خاص رحمتوں سے محروم کر دیا اور اپنے فضل و کرم اور اپنی خاص رحمت کے لیے ایک ایسی قوم کو چن لیا جو اس وقت کی دنیا کی شاید سب سے زیادہ گری ہوئی قوم تھی، جس میں تعلیم تھی، نہ تہذیب تھی، نہ صحیح عقائد تھے نہ اچھے اخلاق تھے، نہ دل تھا نہ دماغ تھا، عقیدہ کا حال تو یہ تھا کہ خدا کعبہ میں انھوں نے تین سو ساٹھ بت بنا رکھے تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے، نبوت اور قیامت جیسے بنیادی عقیدوں سے بھی ان کو انکار تھا، دل کی بربادی کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ خود باپ اپنے نومولود بچہ کا گلا گھونٹ دیتا تھا اور ان کے دماغی افلاس اور عقل کے دیوانہ پن کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہو کہ ان میں سے بہت سے حج میں بیت اللہ کا طواف زاد برہنہ ہو کر کرتے تھے اور اس کا فلسفہ یہ بیان کرتے تھے کہ جب ہم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور بالکل معصوم اور بے گناہ تھے تو اس وقت بھی ننگے تھے لہذا ہم اللہ کے گھر کا طواف بھی اسی حالت میں کرتے ہیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کی عہد شکنی اور غیر ایمانی طرز زندگی کی وجہ سے ہدایت کے منصب سے معزول اور اپنی رحمتوں سے محروم کر کے دنیا کی اتنی گری ہوئی ایک قوم کو اپنی نوازش کے لیے اور دنیا کی امامت اور ہدایت کے لیے انتخاب کر لیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی عہدہ تھی اور آپ کے صحابہ کرام تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کو ایمان کی اور ایمان والی زندگی کی دعوت پہنچی انھوں نے اس کو قبول کیا اور اس طرح قبول کیا کہ جب انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کو مانا تو یہ بھی فیصلہ کر لیا کہ پوری زندگی ان کے احکام کے مطابق گزاری جائے گی، جن کاموں کے کرنے کا حکم ہو گا وہ سب کریں گے اور دل و جان سے کرسیں گے اور جن چیزوں سے بچنے کا حکم ہو گا ان سے پوری طرح بچیں گے۔ پھر انھوں نے ایسا ہی کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمتوں اور رحمتوں کی بارش کی وہ دنیا میں بھی اپنے کیے کیے اور اس دنیا سے جانے کے بعد انھوں نے جو پایا اور جہنم میں وہ پائیں گے اس کو تو بس اس دنیا سے جانے کے بعد ہی ہم دیکھیں گے۔

لیکن کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں کی زندگی میں بھی وہی بنی اسرائیل والی غرابی آئی شروع ہو گئی،

یعنی اللہ و رسول کو ماننے کے باوجود ان کے احکام غفلت اور اعمال میں نافرمانی اور معصیت اور
 یغزانی برابر بڑھتی ہی گئی، پھر نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح بنی اسرائیل اپنی بد اعمالیوں اور نافرمانیوں کی وجہ
 سے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں سے محروم کیے گئے تھے اسی طرح یہ مسلمان بھی اللہ کی رحمت اور مدد سے محروم
 ہو گئے، اسی وقت سے دنیا میں مسلمانوں کی ذلتوں کا دور شروع ہوا اور اب وہ گرتے گرتے اس مقام
 پر آ گئے ہیں کہ سچاں کر ڈر کے قریب ان کی تعداد ہوئے کے باوجود دنیا کی میزان میں آج ان کا کٹنی
 وزن نہیں، شاید آپ میں سے بہت سے بھائی نادانگی سے خیال کرتے ہیں کہ مسلمان ذلت اور پستی کی
 حالت میں صرف ہندوستان ہی میں ہیں، در نہ جہاں ان کی اپنی حکومتیں ہیں وہاں تو وہی باعزت
 اور طاقت درمیاں تو ہیں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ جہاں بظاہر وہ برس حکومت میں وہاں بھی وہ اصلی
 عزت اور طاقت سے محروم ہیں، مثال کے طور پر آپ عبسہ ممالک کو دیکھ لیجئے، کیا وہ اپنی پالیسی
 میں بھی آزاد ہیں؟ کیا عراق اور سعودی عرب اگر آج چاہیں کہ اپنے تیل کے پتھوں کے ٹھیکے منسوخ
 کر کے اپنی اس دولت سے خود فائدہ اٹھائیں تو کیا آج وہ ایسا کر سکتے ہیں؟ اسرائیلی حکومت کی قائم
 کے بعد ان حکومتوں کی بے سببی کا راز پوری طرح فاش ہو چکا ہے۔ دنیا میں ایک بالشت زمین پر بھی
 یہودیوں کی حکومت نہ تھی، جرمنی وغیرہ کتنے ہی ملکوں نے اس سود خور قوم کو اپنے لیے خطرہ سمجھ کر ملکات
 کیا اور اپنے علاقوں سے نکالا، لیکن سات عرب حکومتوں کی متفقہ مخالفت اور مزاحمت کے باوجود
 اس مغضوب اور مظلوم نے عبسہ میں اپنی حکومت قائم کر لی اور آج تک بھی یہاں حکومتیں
 اسکا بالیکا نہیں کر سکیں، حالانکہ سب محسوس کرتی ہیں کہ اسرائیلی حکومت ان سب کے لیے خطرہ جان
 ہے۔ بس اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہو کہ جن ممالک میں حکومت بظاہر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے
 وہاں بھی وہ کتنے کمزور اور بے بس ہیں۔

میرے بھائیو! اس کمزوری اور پستی کا اصل سبب یہی ہے، کہ تمام ممالک کے مسلمانوں کی زندگی
 ایک مدت سے اللہ و رسول کے احکام کے خلاف چل رہی ہے۔ ان کی غالب اکثریت کا حال
 یہ ہو کہ وہ اللہ و رسول کو تو مانتے ہیں لیکن ان کی بات نہیں مانتے، یہ بالکل بنی اسرائیل دالی وہ
 زندگی ہے جس نے ان کو اللہ کی رحمتوں سے محروم کیا تھا۔ — میں جانتا ہوں اور شاید
 آپ سے زیادہ جانتا ہوں کہ مسلمانوں میں اس عام بگاڑ کے باوجود قریباً ہر علاقہ میں اللہ کے کچھ لیے

بندہ بھی موجود ہیں جو اللہ رسول کو ماننے کے ساتھ ان کے حکموں کو بھی پوری طرح مانتے ہیں اور ایمان کے ساتھ ان کی زندگی بھی ایمان والی ہو، بلکہ ان میں بہت سے ایسے بھی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص انخاص تعلق ہے اور وہ مومن کامل اور اللہ کے ولی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس دنیا میں قوموں کے ساتھ ان کی اکثریت اور عمومی حالت کے اعتبار سے ہوتا ہے، اگر کسی قوم کی غالب اکثریت کی زندگی اللہ کی نافرمانی والی زندگی ہو اور اس میں فاسقوں فاجروں کی کثرت ہو، اور کچھ افراد صالح اور متقی بھی ہوں تو وہ قوم دنیا میں عذاب اور سزا ہی کی مستحق ہوگی اور چنانچہ افراد کا تقویٰ اور ان کی عبادت گزار اور پرہیزگاری قوم کو بچا نہیں سکے گی۔ قرآن وحدیث سے بنی اسرائیل کا حال بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس قوم کی عام حالت حد درجہ بگڑ چکی تھی اور ان کے ہر طبقہ کی زندگی نافرمانی والی زندگی ہو گئی تھی تو اس وقت بھی اللہ کے کچھ بندے ان میں ایسے صالح اور متقی موجود تھے جن سے اللہ تعالیٰ راضی تھا، لیکن ان کے ہوتے ہوئے بھی قوم بنی اسرائیل اپنی اجتماعی اور عمومی نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم اور ملعون ہوئی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی امت کے بارہ میں بھی فرمایا تھا کہ جب اس امت میں فتنہ فحور اور اللہ کی نافرمانی غالب ہو جائے گی، اور فتنہ فحور زیادہ اور اللہ کے صالح بندے کم رہ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت اور مدد سے محروم کرے گا اور پھر اس پر طعنے کی تباہیاں آئیں گی اور یہ امت ذلیل و خوار ہوگی اور اللہ کے کچھ صالح اور متقی بندوں کا امت میں ہونا اس کو تباہی کے عذاب سے بچا نہیں سکے گا۔ بلکہ ایک حدیث میں تو یہ بھی ہے کہ جب تمھاری زندگی نافرمانی والی زندگی ہو جائے گی تو ایسے ظالم حاکم تم پر سلطہ کے جائیں گے جو تمھارے ساتھ

۱۔ قرآن مجید میں کسی جگہ اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہو کہ اہل کتاب میں اللہ کے کچھ ایماندار اور صالح بندے بھی ہیں اور نص پر تو اور دنیا طلبی اور فتنہ فحور کی اکثریت کا حال بتلایا گیا ہو ”وکنیزہم فاسقون“ صحیح، اسی طرح حدیث شریف میں جو ”ان اللہ نظرانی اہل الارض فمقہم عظیم وجمعہم الا بقایا من بنی اسرائیل (صحیح مسلم)

۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ بعض اہمات المؤمنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام سے دریافت کیا ”انہماک و دنیا الصالحون ؟“ — آپ نے ارشاد فرمایا ”نعم اذا کثر الخنث“ (مشکوٰۃ شریف)

کوئی رعایت اور مروت نہیں کر سینگے اور وہ تھیں تباہ اور ذلیل کر سینگے، پھر اس وقت تم اللہ سے رو رو کے دعائیں کر دو گے تو اللہ تمہاری دعائیں بھی قبول نہیں کرے گا، حدیث کے الفاظ مشکوٰۃ شریف میں جہانک مجھے یاد ہو یہ ہیں کہ ”خیسو منکم سوء العذاب ثم تدعون فلا يستجاب لکم“ آگے اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب تمہاری شامت اعمال سے ایسا وقت آئے تو ان حاکموں کو بُرا بھلا کہنے سے اور ان کو کوسنے سے کچھ نہ بنے گا، ہاں اگر نافرمانی کی زندگی سے توبہ کر کے اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی زندگی اختیار کر لی جائے گی اور امت میں اللہ کی طرف عام رجوع پیدا ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ حالات بدل دے گا، اور ذلت اور مصیبت سے نجات دے کر عزت اور عافیت کی زندگی عطا فرمائے گا۔

بہر حال میں آپسے یہ کہنا چاہتا تھا کہ اس وقت خدا فراموشی، آخرت سے بے فکری اور فحش و فجور کی کثرت کے لحاظ سے مسلمان قوم کا عام حال قریب قریب وہی ہو گیا ہو جو بگاڑ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کا ہو گیا تھا اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج مسلمان قریب قریب ہر جگہ اللہ کی خاص رحمت اور نصرت سے اسی طرح محروم ہیں جس طرح بنی اسرائیل محروم کر دیے گئے تھے، اور اب میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے بعد بھی ہم نے اپنی حالت کو سنھالنے کی فکر نہ کی اور اللہ کے ساتھ اپنے معاملہ کو درست نہیں کیا تو خدا بخیر وہ اس دنیا میں ہم اس سے بھی زیادہ تباہ و برباد اور ذلیل و خوار ہوں گے اور مجھے خطرہ ہے کہ ہمارے اس ملک میں شور و دل کا جو حال رہا ہو کہیں ساری دنیا میں ہمارا بھی وہی انجام نہ ہو۔ بیشک حدیثوں میں آیا ہو اور ہم کو اطمینان ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور سفارش کے طفیل اس امت کے نافرمان، نبردوں اور سوزوں کی شکلوں میں تو کبھی بھی مسخ نہیں کئے جائیں گے، لیکن یہ بالکل یقینی ہے کہ اگر یہ امت اسی طرح خدا فراموشی اور آخرت سے بے فکری اور فحش و فجور کی طرف بڑھتی رہی اور اس نے اللہ و رسول کی طرف بازگشت نہیں کی تو دنیا میں یہ آخری حد تک ذلیل و خوار ہوگی۔ میرے بھائیو! یہ انجام تو خدا نخواستہ اس دنیا کی زندگی میں ہونے والا ہے اور نافرمانوں کے لیے آخرت کا عذاب اور بھی زیادہ سخت اور مرنے کے بعد کی ذلتیں اور مصیبتیں یہاں کی تمام مصیبتوں اور ذلتوں سے ہزاروں گنا زیادہ ہیں۔

خدا کی قسم قبر کا ایک دن اور ایک رات کا عذاب اس دنیا کی ساری عمر کی تکلیفوں سے

زیادہ تکلیف دہ ہوگا، اسی طرح اگر حشر میں اللہ کی رحمت کے قابل نہیں ہوئے تو دہاں کی تکلیف اور مصیبت بھی اس دنیا کی پوری عمر کی تکلیفوں سے ہزاروں گنا زیادہ ہوگی، اور اگر ہماری بد اعمالیاں اس درجہ کی ہوں کہ کچھ مدت کے واسطے دوزخ میں ڈالے جانے کا بھی فیصلہ فرما دیا گیا تو دہاں کا عذاب اور دہاں کی تکلیف تو بالکل ہی ناقابل برداشت ہوگی، ذرا سوچو تو ہم میں سے کون ایک منٹ کے لیے بھی اس دوزخ کا عذاب برداشت کر کے گاجس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو کہ دہاں سب سے کم درجہ کا اور سب سے ہلکا عذاب یہ ہوگا کہ مجرم کو آگ کی جوتیاں پہنا دی جائیں گی جن کی وجہ سے سر میں اس کا دماغ اور بھیجہ اس طرح کچے گاجس طرح چولھے پہنا ڈی جاتی ہے۔ اللہم احفظنا!

میرے بھائیو! قبر، حشر اور دوزخ اور جنت کے متعلق جو کچھ قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتلایا ہے وہ بالکل حق ہے اور وقت آنے پر ہم سب اس کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ جس طرح آگ کے پیٹ کی زندگی کا دوزخم کر کے اس دنیا میں آنے کے بعد ہم نے یہاں کے زمین و آسمان دیکھ لیے، دریا اور پہاڑ دیکھ لیے، رہیں اور ہوائی جہاز دیکھ لیے، جن میں سے کسی ایک چیز کو بھی ہم آگ کے پیٹ میں نہیں دیکھ سکتے تھے، بالکل اسی طرح اس دنیا کی زندگی ختم کرنے کے بعد جب دوسری دنیا میں ہم پہنچیں گے تو وہاں ہر منزل میں وہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھ لیں گے جو اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول نے ہم کو بتلایا ہے اور یہاں ہم اس کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ یہ تو بیچ میں ایک سٹاپ! معترضہ تھا، میں آپ حضرات سے کہہ رہا تھا کہ مسلمان تو ہم کا جو یہ حال ہے کہ ان کی غالب اکثریت اللہ و رسول کے احکام سے بالکل بے پردہ ہو کر ادا سختہ کے حساب اور مواخذہ کی طرف سے بالکل بے فکر ہو کر زندگی گزار رہی ہے اور زبان سے اللہ و رسول پر ایمان کے اظہار و اقرار کے باوجود اس کی زندگی ایمان و اسلام والی نہیں ہے یہ حالت اللہ تعالیٰ کے غضب اور جلال و حرکت میں لانے والی ہے اس کی یہ سزا تو صدیوں سے ہم کو مل رہی ہے کہ اللہ کی رحمتوں اور نصرتوں سے محروم ہو کر ہم اس دنیا میں ذلیل و خوار ہیں اور اگر ہم نے اپنے کو مذہب لا اور قوم کو بدلنے کی کوئی عمومی جدوجہد نہ کی گئی تو خدا نخواستہ ہماری ذلت اور مصیبتوں میں اور زیادہ اضافہ ہوگا، ہماری صورتیں اگرچہ بندروں اور سوڑوں کی ہی نہ کر دی جائیگی لیکن یہ ہو سکتا ہو کہ ذلت و خوار کی حفاظت سے ہم خدا نکرہ بندروں اور سوڑوں کے مقام پر گرائیے جائیں۔ اور اگر مرنے کے بعد قبر حشر اور دوزخ کے عذاب کا مزہ بھی ہم کو چکھنا پڑا تو جو کچھ وہاں گزریگی

ہمارے یقین ترقی کر کے حق یقین ہو گیا ہو کہ مسلمانوں کو اگر اس مسئلہ کی طرف متوجہ کیا جائے تو ان کے ہر طبقہ کا بلکہ ان کے ہر فرد کا فیصلہ یہی ہوتا ہو کہ اس حالت کی درستی کے لیے کچھ کرنا چاہیے!

بھائیو! ہم اسی مسئلہ کو لیکر اور اسی کام کیلئے پھر یہ یاد رکھیں کہ آپس میں اور اللہ کے فضل و کرم اور اس کی دہنائی سے ہم نے ایک ایسا طریق کار بھی پایا جو اس امت کے موجودہ حالات کے عین مطابق ہے، ہم نے اس مقصد کے لیے کوئی انجمن اور کوئی پارٹی نہیں بنائی ہو۔ نہ آپ کو اس کا مشورہ دیتے ہیں، ہماری دعوت ہر مسلمان کو فرداً فرداً صرف یہ ہو کہ وہ در فیصلہ کرے، ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے جس دین پر وہ ایمان لایا ہے اور اللہ و رسول کے جن احکام کو وہ حق جانتا ہے اپنے امکان کی حد تک وہ اپنی زندگی کو ان کے مطابق اور ماتحت کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور دوسرا فیصلہ یہ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اس چیز کو عام کرنے کی جدوجہد میں وہ ضرور کچھ حصہ لے گا۔

پھر ان دونوں فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے موجودہ زمانہ میں سب سے زیادہ سہل اور تجربہ کے بعد سب سے زیادہ مفید طریقہ ہم وہ سمجھتے ہیں جس پر خدا کی توفیق سے ہم خود کبھی عمل کر رہے ہیں اور وہ یہ ہو کہ اس مقصد کے لیے قافلے اور جماعتیں بنانا کہ زیادہ مدت کے لیے یا کم مدت کے لیے باہر نکلا جائے اور اس نام میں ایک خاص پروگرام کے تحت ایمانی زندگی کی شق کجائے اور خاص ہولوں کے ساتھ اللہ کے دوسرے بندوں میں بھی اس ایمانی زندگی کیلئے کوشش کجائے اور اس راہ میں ہر شخص اپنا خرچ حتیٰ الوسع خود اٹھائے۔ آپس میں کام کا تفصیلی طریقہ اور پروگرام کام کرنے والی کسی جماعت کے ساتھ رہ کر بھی طبع معلوم کر سکتے ہیں اس وقت اگر میں کسی کچھ اور تفصیل بیان بھی کروں تو آپ کے لیے زیادہ مفید نہیں ہوگا، یہ کام چون کہ سر اسر علی ہو ایسے اسکو تقریر یا کتاب کے بجائے عمل سے ہی لیا جاسکتا ہو۔ اس لیے میں آپ حضرات کو بدور از ادغصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ اس وقت ہم لوگ اس کام ہی کے سلسلے میں بٹکے ہوئے ہیں آپ چند روز اس سفر میں ہمارے ساتھ گزاریں آپ ہم کو اور ہمارے اس کام اور طریقہ کو انشاء اللہ اچھی طرح جان لیں گے اور ایک نتائج کا کچھ تجربہ بھی کر لیں گے۔

میرا تعلق اس کام سے تقریباً ۱۳ برس سے ہو، الحمد للہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو کہ جس علاقہ اور جس طبقہ کے مسلمانوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور اس کام کو اپنا یا خدا کی توفیق سے ان کی زندگیوں کے رُخ بدل گئے، بس اللہ ہی جانتا ہو کہ اس کے کتنے بندے ہیں جو پہلے ایک وقت کی نماز نہیں پڑھتے تھے!

اور اس کام سے لگ کر اور اس راہ پر چل کر اچھ لکھ تہجد گزار بن گئے پہلے وہ دین سے بالکل ناواقف اور نا آشنا تھے اور اب اتنا واقف اور آشنا ہو گئے، بلکہ دوسروں کو بھی دین کی باتیں بتانے اور کھانے لگے، ان کی زندگی میں دین کی فکر کا کوئی حصہ نہ تھا اور اب ان کی بڑی فکر دین ہی کی فکر بن گئی۔ وہ پہلے خدا کو بھولے ہوئے تھے اور اب کچھ اللہ اس کے ذاکر شغل بندے بن گئے اور اللہ کے ذکر میں ان کو لذت اور حلاوت ملنے لگی ان کے دل خدا کے خوف سے خالی تھے اور اب راتوں کے رونے والے ہو گئے۔ بھائیو! میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہو کہ جو چہار دن کے لیے اس کام کو کرنے لگا اور ہمارے ساتھ ہو گیا اس میں یہ تبدیلی ہو گئی۔ بلکہ میرا مطلب صرف یہ ہو کہ جس نے اخلاص اور لہیت کے ساتھ اس کام کو اپنایا اور اپنی زندگی کا کام بنایا ہمارا عام فخر یہی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی میں بہت کچھ تبدیلی فرمادی، ہم نے یہ تبدیلی امیروں میں بھی دیکھی، ہمارے غریبوں میں بھی، بوڑھوں میں بھی دیکھی ہے اور جوانوں میں بھی، اسکولوں کالجوں کے طالب علموں میں بھی دیکھی ہو اور کسانوں اور کارخانوں کے مزدوروں میں بھی۔ اس لیے ہم آپکو اسی کی دعوت دیتے ہیں۔

ہمیں یقین ہو کہ اگر ہر جگہ کے ہمارے مسلمان بھائی کھنیں دین کا کچھ درد ہو اور مسلمانوں کی اس گھری ہوئی حالت کی کچھ فکر ہو ہماری اس دعوت کو قبول کر کے اس سلسلہ میں کچھ کام کرنے لگیں تو انشاء اللہ جزیرہ میں مسلمانوں کی زندگی کا رخ بدل جائے گا اور خدا نے چاہا تو نیکی بڑی پر اور فرمانبرداری نافرمانی پر غالب ہو جائیگی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس امت پر دنیا میں بھی رحمتیں فرمائے گا۔ اور میں تم کو کھاسکتا ہوں کہ جن حالات پر ہم روتے رہتے ہیں وہ دیکھتے دیکھتے بدل جائیں گے۔ اور اگر بالفرض ہمارے بھائیوں نے ہماری نہ سنی نہ مانی تو بھی اپنی زندگی تو انشاء اللہ بدل ہی جائے گی اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ قبریں ہشر میں، اور اسکے بعد کی منزلوں میں ہم اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حقدار ہوں گے اور دوزخ کی آگ سے انشاء اللہ بالکل محفوظ رہ کر اللہ کی رضا کے مقام جنت میں پہنچا دیے جائیں گے، اور کسی بندہ کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہو سکتی ہے فص

فخر من النار وادخل الجنة فقد فانه وما الحیوة الدنیا الا متاع العوۃ ۲۷

اور میرے بھائیو! ایک آخری بات یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہو کہ اللہ کے فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے اچھے بُرے حالات سے اطلاع دیتے رہتے ہیں اور رد و قبول میں آپ کو امت کے احوال کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ پس سوچو کہ آج کل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب فرشتوں سے پیغام

سفر مصر

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

(مترجمہ شتیق الرحمن سنبلی)

پنجشنبہ ۲۵/۵/۲۰۰۷ء - ۲۸/۵/۲۰۰۷ء

آج صبح دس بجے ڈاکٹر محمد احمد الغزالی سے ملنے کے لئے عباسیہ گئے، اُن سے ابتدائی تعارف مجھے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ان کی کتاب النقد التحلیلی لشعر الجاہلی کے ذریعہ سے حاصل ہوا تھا۔ ان کے بعد ان کے دیگر مقالات اور نگارشات پڑھنے کا موقع ملا جن میں ان کی دینی غیرت نمایاں تھی۔

آج اُن سے مل کر انھیں توقع کے مطابق ایک مرد مومن اور صاحب علم و فضل پایا۔ میں نے محب الدین الخطیب کی طرح ان سے بھی دریافت کیا کہ آپ کے یہاں کے بعض ارباب اور مصنفین کے دین سے انحراف اور ان کے قلم سے ایسے مقالات اور ایسی تعنیفات نکلنے کی کیا وجہ ہے جن میں اسلام پر جرح و تنقید ہوتی ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ ابتدائی تربیت کا غمخوار ہے! میں نے کہا کہ ان میں تو بعض اذہر کے تعلیم یافتہ بھی ہیں، انھوں نے کہا ہاں درست ہے لیکن میرے خیال میں یہ وہ لوگ ہیں جو اذہر میں نیک نام نہیں تھے اور سب کچھ قرآن و حدیث کے ان کا اہٹناک خالص ادب اور عربی شاعری میں رہتا تھا۔

ادب میں غیر دینی رجحان | انھوں نے مزید فرمایا کہ ہمارے یہاں عرصہ دراز سے ادب کا رجحان غیر دینی چل رہا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جس شخص کا اہٹناک تمام تر فن و شعر

ان ڈاکٹر محمد احمد الغزالی کیلئے العلوم (سائنس کالج) میں علم الہیہ یا کیمیا کیمسٹری کے پروفیسر ہیں، اپنے موضوع کے کامیاب استاد اور باخبر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ علم و ادب کا بھی ذوق رکھتے ہیں اور صاحب قلم بھی ہیں۔

یہ ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب ڈاکٹر طہسین کی پر نام کتاب الشعر الجاہلی کی تردید میں ہے اس پر ایچ جی ایف سلمان کا مقدمہ

میں رہے جیسے کہ ابو اس یا اس جیسے دوسرے ادیب تو اس سے کہاں یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کا رجحان دینی ہوگا؟ اور پھر اس ہر طرح یہ کہ وہ نہ یورسٹی سے متعلق رہ کر یورپ میں رہ آیا ہو!۔ میں نے کہا کہ پھر آپ بھی تو اس دور اور اسی نظام تعلیم و تربیت کی پیداوار ہیں آخر آپ کیسے اس طاقت و ماحول پر غالب آ گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میرا معاملہ ان لوگوں سے مختلف ہے۔ میرا گھرانہ علم و دین کا گھرانہ تھا۔ میرے بھائی ازہر میں تعلیم پاتے تھے۔ اور ان کے ساتھ ازہر میں میری آمد و رفت ہوتی تھی۔ وہ زمانہ ازہر کا اس سے اچھا زمانہ تھا (اس کا بھی مجھ پر اثر پڑا) اور پھر میرے گھر کی زندگی نے میرے اوپر بہت اثر ڈالا۔

میں نے کہا ان لوگوں کی مذہب، بیزاری اور دین اور اہل دین کے کے خلاف طعن و تشنیع کا سبب مسلمانوں کا انحطاط، ان کی بد حالی اور برآگندگی ہے، اس لئے کہ با اوقات ایک آدمی جب ذکی اہل اور اعصابی مزاج کا ہوتا ہے تو ایسی حالت کو برداشت نہیں کر پاتا ہے اور جلدی سے جوش و غضب میں آ جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اگر یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ ان کی بغاوت اور بیزاری آخر اسی شکل میں کیوں ظاہر ہوتی ہے، اس کے بجائے صحیح دین کی دعوت اور غلط رجحانات کی اصلاح کی شکل کیوں نہیں اختیار کرتی؟۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو توفیق پر منحصر ہے۔

ادب میں دینی رجحان میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا کہ اچھا ادب میں دینی رجحان پیدا کرنے کی کیا شکل ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ تبدیلی پیدا کرنے کی شکل

ہے۔ کیونکہ ادیب وہ چیز تیار کرتا ہے جس کی بازاریں مانگتی ہیں اور جس کی طرف لوگ التفات کرتے ہیں پس اگر عوام کا میلان طبع دینی ہو جائے تو یہ از خود ایسی چیزیں پیش کرنے پر مجبور ہوں گے جسے عوام کی پسندیدگی اور ان کا قبول حاصل ہو سکے۔

ازہر کے لئے ایک تجویز میں نے دریافت کیا کہ ازہر کو زیادہ مفید بنانے کے لئے آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ شیخ غلامی کے دور میں میں نے دہلی ازہر کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ ازہر کا ایک مدرسہ اعلیٰین قائم کیا جائے جس میں ان تمام

فنون کے لئے اساتذہ و مدرسین تیار کئے جائیں جو اذہر میں پڑھائے جاتے ہیں تاکہ اذہر کو باہر سے ایسے اساتذہ نہ مانگنے پڑیں جن کی سابقہ تعلیم و تربیت اذہر کے مقاصد و اہم کی رُوح سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اور ایسے اساتذہ بسا اوقات طلبہ میں شک و تذبذب پیدا کرنے اور اسلامی عقائد و دینی حقائق اور علوم طبعیہ کے درمیان جنگ چھیڑ دینے کا موجب بن جاتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ:-

”اس زمانہ کے علوم و تجربات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم نہیں جانتے کہ دین سے جو فلاں بات اس کے خلاف ثابت ہوتی ہے اُس میں اور اس میں تطبیق کیسے ہو سکتی ہے؟“

بس ان کا یہی طریقہ عمل طالب علم کے اندر ایک تذبذب و انتشار اور دین کے ساتھ سوہن پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر اذہر اپنی ضرورت کے لئے اساتذہ خود تیار کرے تو وہ ان دونوں جہزوں کے درمیان تطبیق کر کے دکھا سکیں گے بلکہ علوم طبعیہ کو اس طرح پڑھائیں گے جیسے یہ اس نوع کی آیات قرآنی کی تفسیر ہیں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ میری سچویر بعض انتظامی مشکلات کی وجہ سے بروئے کار نہ آ سکی مگر میری رائے اب بھی یہی ہے مزید کہا کہ مشرق اسلامی میں علوم طبعیہ (فزکس) کے علاوہ اور کئی چیز کی کمی نہیں ہے۔ بس ہم ان علوم کے بارے میں صاحب احتیاج ہیں اور یورپ سے انہیں حاصل کریں گے مگر مغربی علوم کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض علوم طبعی کی حیثیت سے جن کا انکشاف اتفاق سے یورپ نے کیا ہے۔ رہے مغربی علوم جیسے اجتماعیات اھل ادب تہذیب وغیرہ تو ان کی ہمیں بالکل ضرورت نہیں ہے اور یہی علوم فی الحقیقت مغربی کھلانے کے مستحق ہیں۔ رہے علوم طبعی تو ان پر کسی کی چھاپ نہیں ہو کر تھی۔ ہم ان علوم کو لیں گے اور آیات قرآنی کی تفسیر بنا کر پڑھائیں گے۔ البتہ اس فرق کو ملحوظ رکھیں گے کہ ان علوم و نظریات میں سے کون وہ ہیں جو تحقیق سے گزر کر درجہ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں اور کون ابھی معرض تحقیق و تجربات میں ہیں۔ پس ان دونوں قسموں میں ہم امتیاز کریں گے اور ہر ایک کے اس کی مناسب جگہ پر رکھیں گے۔

مصر کی تقلید کے خلاف آگاہی | ڈاکٹر غمراوی صاحب نے ایک بات یہ بھی کہی کہ انہیں ہندوستان و پاکستان اور انڈونیشیا سے بہت کچھ امید ہے، اس پر میں نے کہا کہ

جی ہاں آج کل ہندوستان اور پاکستان میں ایک ایسا دینی جوش اور ولولہ موجود ہے۔ جو غالباً بلا دعرہ میں بھی نہیں پایا جاتا۔ انھوں نے فرمایا لیکن اب ہندوستان کو چاہئے کہ وہ مصر کی تقلید نہ کریں۔ اور مصر کی اس حیثیت سے مرعوب نہ ہوں کہ اس میں جامع ازہر جیسا دینی ادارہ موجود ہے اس لئے کہ مصر میں اس ادارہ کے باوجود غیر دینی رجحان پایا جاتا ہے۔ ازہر کے بارے میں تشویش ڈاکٹر صاحب نے آثر اور اس کے مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت ازہر کے خلاف ایک سخت سازش ہو رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ازہر میں مختلف شعبوں کی تقسیم اور اضلاع میں ازہر کے طبقہ مدارس کا قیام انگریزوں کے اشارہ سے عمل میں آیا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ ایک شہر میں ایک جگہ پر طلبہ کی اتنی غیر معمولی تعداد کے مستقل اجتماع کو انگریزوں نے ایک خطرہ محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اس اجتماع کو ٹوٹنے کے لئے یہ ترکیب کی کہ اضلاع اور شہروں میں ازہر کی شاخیں قائم کرائیں تاکہ ان مقامات کے طلبہ بجائے قاہرہ آنے اور اونچے اخراجات برداشت کر نیسکے مقامی شاخوں ہی میں تعلیم حاصل کریں۔ اس تجویز سے طلبہ اور ان کے سرپرستوں کے مصارف کا بوجھ کو ضرور ہلکا ہو گیا مگر ازہر کی قوت ٹوٹ گئی۔

اس گفتگو کے بعد میں نے اسٹاذ غراومی کی خدمت میں "ما ذخر العالم" کا ایک نسخہ پیش کیا اور اجازت چاہی۔

قلعہ کی سیر!

یہاں سے اٹھ کر قلعہ کی طرف نکل گئے۔ جہاں محمد علی پاشا کے دفاتر (سکرٹریٹ) تھے۔ سب سے پہلے قلعہ کی مسجد کی زیارت ہوئی نہایت حسین اور مضبوط مسجد ہے اور اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے آرٹ کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس کے بعد ہم کروں کی طرف گئے جہاں حکومت خدیویہ کا سکرٹریٹ اور دیگر دفاتر تھے۔ یہاں سے قلعہ کے کتب خانہ میں آئے۔ یہاں "اوقات المصریہ" (جس کا تذکرہ ادب عربی کی تاریخ اور مصر کی سیاسی وادبی تاریخ میں بڑھاتھا) کی جلدیں دیکھنے کو ملیں، علی ہذا اللواتر کی جلدیں بھی دیکھیں جس میں مصطفیٰ کا مل مرحوم لکھا کرتے

اور وہ اس کے گران اعلیٰ تھے۔ المودت کی جلدیں بھی اس کتب خانہ میں تھیں۔ اس طرح مختلف چیزیں دیکھتے ہوئے احمد زکی پاشا کے ذاتی کتب خانے میں پہونچے جواب قلعہ کے کتب خانہ میں آگیا ہے اور یہاں ہم نے اس فاضل محقق کی بعض علمی یادگاریں دیکھیں اور وہ کتب خانہ دیکھا جو کسی زمانہ میں دارالعلومہ اکاشاۃ احمد زکی پاشا کی ذہنت تھا۔

مساجد و مقابر کی زیارت

ظہر کی نماز ہم لوگوں نے سلطان حسن کی مسجد میں ادا کی۔ اس کے بعد مسجد الرفاعی کی زیارت کی۔ یہ (ہسل میں) شاہ فواد اور ان کے والد خدیوی اسماعیل وغیرہ کا مقبرہ ہے، پھر مسجد امام شافعی اور آپ کی قبر کی زیارت کی۔ اسی طرح بہت سے مقبروں سے گزر ہوا۔ اور خیال ہوا کہ اگر اسی طرح ہر امیر و کبیر اور ہر عالم و دلی کے لئے مقبرے بنائے جاتے تو سونی کی بستی زندوں کی بستی سے بڑی ہوتی اور زندہ لوگوں کو مکانات کے لئے باشت بھر زمین بھی ملنا مشکل ہوتی۔

اسلام کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اُس نے مقبرہ سازی کے رجحان کی ہمت افزائی نہیں کی۔ اللہ اپنے رسول برحق کو بہترین جزا عطا فرمائے کہ آپ نے اس کام کو سخت پسندیدہ ٹھہرایا اور لوگوں کو خبردار کیا اور یہود و نصاریٰ کے اس فعل سے بیزاری کا اظہار فرمایا کہ ان میں جب کوئی نیک بندہ وفات پاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے۔

جمعہ ۳ دسمبر ۱۹۵۶ء - ۵۱۲/۹

شہر فسطاط اور جامع سیدنا عمرو بن العاص کی زیارت

آج علی الصباح بعض عزیزوں کے ساتھ فسطاط کا شہر دیکھنے گئے۔ پہلے حضرت عمرو بن العاص کی جامع مسجد پہونچے۔ اس میں مختلف زمانوں میں سلاطین مصر نے توسیع و اضافات کئے ہیں اور اس وقت وہ اصل جامع عمرؓ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وسیع ہے لیکن اس کا وہ حجازی طرز تعمیر بحال رکھا گیا ہے جو مصر میں منی کی مسجد حنیف، اور مساجد حرمین شریفین کی

یا دولا تا ہے۔۔۔ اس مسجد میں ایک خاص روحانی لذت محسوس ہوتی اور ہونی بھی چاہئے تھی کیونکہ ارض مصر پر یہ وہ پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ و توحید اور عبادۃ وحدہ لا شریک پر رکھی گئی ہے اور ایسے مبارک ہاتھوں نے اس کی بنیاد رکھی ہے جنہوں نے ہرادر اسست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اور جنہیں نہ معلوم کتنی اناس یہ بیعت صاف مصافحہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

اس مسجد میں ہم نے وہ انس اور کوشش محسوس کی جو مصر کی کسی دوسری مسجد میں محسوس نہیں ہوئی، اس لئے کہ یہ نہایت سادہ، ذہین و آرائش سے پاک اور فن کی نائش سے دور ہے لیکن افسوس ہے کہ نہایت بے پرواہی کے عالم میں بڑی ہوتی ہے۔ چاروں طرف مٹی، کوڑا اور گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔۔۔ سنا ہے کہ شاہ فاروق ہر سال جمعۃ الوداع یہاں بڑھتے ہیں شاید پیشوائی کرنے والے ہی قریب ہر فرس فردش کے ذریعہ مسجد کی اس حالت کو چھپانے کا اہتمام کرتے ہوں گے اوہام کی کارفرمائی ایک چیز یہاں ہم نے یہ دیکھی کہ مسجد کے ایک ستون کے چاروں طرف بوسے کا جال لگا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ یہ ستون جب مسجد میں لگانے کے لئے لایا جا رہا تھا تو زیادہ وزنی ہونے کی وجہ سے مزدوروں کو بڑی دقت ہوتی تھی اس سے یہ نتیجہ نکلا گیا کہ یہ مسجد میں داخل ہونا نہیں چاہتا تھا اور اپنے خبت باطنی کی وجہ سے ایسا کر رہا تھا۔ چنانچہ فرزند ان اسلام نے جو توں سے اس کی تادیب و کوٹن اپنے ذمہ لازم کر لی۔ لہذا حکومت کو اس کی حفاظت کے لئے یہ جال لگوانا پڑا تاکہ غضبناک مجاہدین کے جو توں کی روک تھام ہو سکے۔۔۔ اور یہ کام واقعی اس نے اچھا کیا ہے۔ اس خرافات کو روکنا ہی چاہئے تھا۔ اس کے برعکس مسجد کے دوسرے گوشہ میں اس گوشہ میں جس میں کہ سیدہ نفیسہ بیٹھ کر لوگوں

لے سیدہ نفیسہ حضرت سیدنا حسن کی اولاد اور اہل بیت کرام میں سے تھیں۔ ان کے قبور علی بن جعفر الصادق ابو جعفر منور کی طرف سے مصر کے حاکم تھے، وہ اپنے شوہر کے ساتھ مصر میں اور مصنفہ میں وفات پائی۔ ان کی قبر موجودہ قاهرہ میں ہے۔ امام شافعی جب مصر گئے تو ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور حدیث کی سماعت کی جب امام شافعی کا انتقال ہوا تو ان کا جنازہ سیدہ نفیسہ کے پاس لایا گیا اور انہوں نے اپنے گھر میں نماز جنازہ پڑھی۔ مصریوں کو ان کے ساتھ بڑا اعتقاد ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ محققین تاریخ و آثار کے نزدیک مصر کے جو مقابر اہل بیت کی طرف منسوب ہیں مثلاً سیدنا حسینؑ، سیدہ زینبؑ، سیدہ زینبؑ، سیدہ نفیسہؑ، ان میں سے صرف سیدہ نفیسہ کی مصر میں آمد محقق اور ان کا دفن صحیح ہے۔

کو درس دیتی تھیں، ایک ایسا خوش نصیب ستون دیکھا جس کو لوگ زبان سے چاٹتے تھے اور اس عمل سے اس کے اندر گڑھا بڑ گیا تھا۔ اس حرکت کو روکنے کے لئے بھی حکومت کو اس ستون پر لہجے کا جھگڑ لگانا پڑا۔

پہرانے مصر میں جامع عمرو کی زیارت سے فارغ ہو کر ہم نے فسطاط کے پرانے شہر کا رخ کیا۔ یہ شہر مصر میں پہلا اسلامی پایہ تخت تھا۔ راستہ میں ہمارا گزر رندھاری کے مقابر و کناس پر سے بھی ہوا، ان اسلامی آثار کی عظمت و اہمیت اور اسلامی تاریخ کی شان و شوکت کے مناسب یہ تھا کہ اس اسلامی بستی کا گرد و پیش ایسا اسلامی ہوتا جو زائرین کے دل میں اس مقام کی عظمت اور سکینت پیدا کرتا۔ ہم حد و دشہر میں داخل ہوئے اور بہت دیر تک اس کے کھنڈرات سے گزرتے رہے اس عرصہ میں میں صحابہ کرام کی آبادی، ان کی چھاؤنی اور مجاہدین کے جیموں کا تصور کرتا رہا میں اپنے دل میں کہتا تھا، شاید یہاں زبیر بن العوّام کا خیمہ ہوگا اور اس جگہ عباد بن صامت کا خیمہ ہوگا، یہاں محمد بن مسلمہ کا قیام رہا ہوگا، اور شاید امیر مصر عمرو بن العاص کا گھر رہا ہوگا۔ ایسا گھر کہ آج قاہرہ کا کوئی مزدور یا غریب بھی اس میں رہنا پسند نہیں کرے گا، لیکن مصر کا فاتح اور رومیوں کو شکست دینے والا اس میں رہتا تھا۔ اور کبھی سوچتا کہ شاید آپ کے عظیم المرتبت صاحبزادے عبداللہ بن عمر داسی جگہ مبادت کرتے اور حدیث بیان فرماتے ہوں گے!

میں انہیں خیالات میں منہمک تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ اپنے ذہن کو پوری طرح اس عہد مبارک پر مرکوز کر دوں اور تھوڑی دیر اس دنیا کو چھوڑ کر اس دنیا میں پہنچ جاؤں اور یہ بھول جاؤں کہ میں چودھویں صدی کے نئے مصر میں ہوں!

لیکن حقائق مفروضات اور تصورات سے مغلوب نہیں ہوا کرتے۔ میں اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوا اور خود کو اس زمانے سے منفک نہیں کر سکا، یہیں کی آوازیں کالوں میں تھیں اور یہیں کے مناظر نگاہوں کے سامنے تھے۔

رمضان کا استقبال!

قرون اول میں

ترجمہ: عتیق الرحمن سنبلی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دام مجدہ نے دو سال پیشتر رمضان المبارک کے موقع پر، اہل ائمہ اربعہ کی فرمائش پر، عربی پروگرام کے سلسلہ میں چند تقریریں، ریڈیو کے مناسب ہلکی چھلکی زبان اور دلچسپ اسلوب بیان میں نشر فرمائی تھیں، ان میں سے ایک تقریر کا ترجمہ ہم مولانا موسون کا اعجاز سے دیر ناظرین الفرقان کو رہے ہیں۔ اس میں مولانا نے اپنی بات رمضان کی زبان سے کہی ہو اور اپنے سامعین کو خود رمضان کا مخاطب بنایا ہے جس سے ایک خاص قسم کی تاثیر پیدا ہوگئی ہے۔ امید ہو کہ یہ ناظرین کے حق میں رمضان کے پرچشم استقبال کی ترغیب اور بہار سے حق میں ایک درجہ میں سنت نبوی کی ادائیگی ہوگی!

تقریر کے شروع کا حصہ جس میں سامعین کی جانب سے رمضان سے زمان نبوی میں اپنے استقبال کا سال بیان کرنے کی فرمائش کی گئی تھی صحت کر دیا گیا ہے۔ رمضان کی طرح اس فرمائش کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ اِنَّ فِيْ خَالِثِ لَدُنْكَ رَغِيْ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْفِي الْمَسْتَعِدَّ وَهُوَ شَهِيدٌ (ادارہ)

میرے دوستو! تمہیں نیا رمضان مبارک اور خدا کی طرف سے تم پر پاک و بابرکت سلام!۔ تمہاری یہ فرمائش گویا میرے دل کی خواہش ہو، پتہ نہیں کیوں خود میرا ہی کچھ بات کرنے کو چاہ رہا تھا۔ اور ایک تعاضد تھا جو مجھے بات کرنے پر مجبور کر رہا تھا، اور میں محسوس کرتا ہوں کہ تمہارے تجویز کردہ

عنوان سے بہتر اور محبوب عنوان گفتگو میرے لیے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔

سنتِ ہجری کے دوسرے سال میں میرا پہلے سالوں سے کسر مختلف تھا، پہلے میں سال کے دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ تھا، اپنے دوسرے بھائیوں اور رفیقوں سے کسی قسم کا امتیاز مجھے مہل نہیں تھا۔ نہ کوئی خاص بات میرے اندر تھی، نہ کسی پیغام کا میں حال تھا، اور نہ دین کے ارکان میں سے کوئی رکن مجھ سے متعلق تھا، رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم پر مجھے حسد — استغفر اللہ — رشک ہوتا تھا، کیونکہ یہ اَشْهُرُ حَرَمٌ دُرِّمَہِ تھے اور ان میں سے ذی الحجہ پر مجھے ایک اور خاص وجہ سے رشک آتا تھا، وہ یہ کہ وہ حج کا مہینہ تھا — مجھے وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھے کبھی اتنا بڑا اعزاز بخشا جائے گا اور روزہ جیسے اہم اور مقدس پیغام کا مجھے حامل بنایا جائے گا، لیکن یہ اللہ کا فضل ہو اور وہ جس کو چاہتا ہو عطا کرے تاہو۔ بہر حال اب سنئے!

مسلمانوں نے شعبان سے میرا انتظار کرنا شروع کیا، انھوں نے شعبان کا بھی ایک مقدسہ بخش اور میرے بشر کی طرح استقبال کیا۔ شعبان ہی میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھ کر فرمے ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

| | |
|--|--|
| ایُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظْلَمَ شَهْرُ رَمَضَانَ | اے لوگو! رمضان کا مہینہ تم پر سایہ لگ چکا ہے! |
| شَهْرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةُ الْخَيْرِ مِنَ | ہو۔ بڑا عظیم الشان مہینہ ہے اس میں ایک ایسا ہی |
| الْعِشْرِ شَهْرٌ جَعَلَ اللَّهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً | جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہو۔ اللہ نے اس مہینے کے |
| وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا مِنْ تَقَرُّبٍ فِيهِ | روزے فرض کیے ہیں اور رات کے قیام (تراویح) |
| بِخُصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانِ مَكْنِ ادِّئِي | کو نفی عبادت ٹھہرایا ہے جو شخص اس ماہ میں ایک |
| فَرِيضَةً فِيهَا سَوَاءٌ وَمِنْ ادِّئِي فَرِيضَةً | نفی کی کرے گا، اس کا ثواب اور دنوں کے فرض |
| فِيهِ كَانِ مَكْنِ ادِّئِي سَبْعِينَ فَرِيضَةً | کے برابر ہوگا اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا۔ |
| فِيهَا سَوَاءٌ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرِ | اس کا ثواب اور دنوں کے ستر فرضوں |
| ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمَوَاسَاةِ وَشَهْرٌ | کے برابر ہوگا۔ یہ ماہ صبر ہے اور صبر کا بدلہ |
| يَزَادُ فِيهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ | جنت ہے۔ یہ غنواہی و غلگاہی کا مہینہ ہے! |

اس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔

تمام لوگ میرا چاند دیکھنے کے لیے بلند ٹیلوں اور کانوں پر چڑھ گئے، غروبِ کُتاب کے بعد مدینہ میں کوئی شخص ایسا نظر نہ آتا تھا جو آسمان کی طرف نظر اٹھائے میری جستجو نہ کر رہا ہو، ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ سب سے پہلے وہ میری آمد کا مژدہ منائے۔

پروردگارِ عالم نے ارادہ فرمایا کہ مجھے اب مزید تاخیر نہ ہو، لہذا اس کی طرف سے حکم طلوع ہوا اور مدینہ کے اس سرے سے اس سرے تک ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں کی زبانوں پر ایک نغمہ مسرت جاری ہوا۔

حَلَالٌ دُشْدُشٌ وَخَيْبٌ اللّٰهُمَّ اَهْلُهُ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ
والتوفيق لما تحبُّ وترضى!

سامعینِ کرام! مجھے اس کہنے میں معاف رکھیں کہ ابتدائے اسلام میں لوگوں کو میری آمد سے جو مسرت ہوتی تھی۔ حالانکہ میں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہو، صبر و جہاد کا عینہ تھا۔ وہ اس مسرت سے بڑھ کر ہوتی تھی جو آج آپ کو عید کا چاند دیکھ کر ہوتی ہو۔ میں اس کے اسباب میں نہیں جاؤں گا کیونکہ یہ ایک طویل بات ہو، اور ویسے بھی آپ کو کڑوی لگے گی۔

(میری آمد سے) مدینہ کے لوگوں میں ایک نئی زندگی اور ایک نیا نشاطِ عبادت ابھر آیا۔ یہ لوگ عشا کے بعد ایک ایک دو دو اور ٹکڑیاں ٹکڑیاں ہو کر نوافل میں مشغول ہو گئے۔ قرآن کی تلاوت کرتے اور نمازیں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ جب رات آخر ہوئی اور سحر قریب ہوئی تو رات کی باسی ردھی یا کھجور اور پانی میں جسکو جو میسر آیا اس نے اس سے سحر کھائی پھر مساجد کی راہ لی اور نماز فجر ادا کی۔

یہی وہ مقام ہو جہاں وہ لوگ اس صبح کے روزہ داروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں، آج اگر آپ میں کوئی رات کو غفوری دیر عبادت کر لیتا ہو، اور پھر روزہ کی نیت کر لیتا ہو تو وہ اپنا حق سمجھتا ہو کہ دن میں جتنا چاہے سوئے، چنانچہ آج شہر میں بہت کم ایسے روزہ دار ملیں گے جو (روزہ رکھ کر) صبح ہی صبح اپنی دوکان یا ڈیوٹی پر جاتے ہوں اور کم ایسے روزہ دار ملیں گے جو سوتے یا اونگھتے نظر نہ آتے ہوں، رات کو خواہ کتنا ہی تھوڑا قیام کریں مگر اس کے بدلے میں دن کا ایک خاص حصہ ضرور عینہ کی نذر کر دیا جاتا ہو۔ اسکے برعکس مسماہ و تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا حال یہ تھا کہ رات کا قیام ان کے دن کے نشاط میں کوئی فرق نہیں ڈالتا تھا، وہ رمضان میں عبادت بھی کرتے تھے اور مشغبتِ حیات بھی برداشت کرتے تھے اور کبھی تو روزے کی حالت میں جہاد بھی کرتے تھے، ان کے زمانہ میں رمضان اختیاری کی طبائع نہیں بدلتی تھیں۔

اور نہ دن کو راستہ بنانا تھا، وہ اُلٹے ان میں قوت اور نشاط کا رُبھا دیتا تھا اور کوئی وہ نیکی جس کو لوگ پہلے سے کرتے تھے رمضان کی آمد سے منقطع نہیں ہوتی تھی، میں اگر اہل مدینہ کے اخلاق میں کوئی فرق نہیں پاتا تھا، مثلاً انھوں نے مسلمان ہونے کے بعد سے غیبت، فحش کلامی اور بدگوئی سے زندگی بھر کا روزہ رکھ لیا تھا، تو وہ روزوں میں بھی پاک زبان، پاک نفس اور پاک باطن رہتے تھے، ہاں اگر فرق ہوتا تھا تو یہ ہوتا تھا کہ وہ ان دنوں میں جائز غصہ کو بھی ضبط کرتے تھے۔ اگر ان میں سے کسی کو کوئی شخص گالی دیتا یا لڑنے کا اتنی کرتا تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ

”میں روزہ دار ہوں“

میری آمد پر وہ لوگ نیکی اور غمخواری کے سید بن گئے، یوں سمجھے کہ ہوسے مقابلہ کرتے تھے۔ ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ تھا،

إِذَا حَلَّ وَهَضَانَ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ جب رمضان آتا تو آنحضرت اور خیر میں

مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ اندھی سے بھی زیادہ نیرفتار ہو جاتے تھے۔

روزہ دار کو انظار کرانے، غلاموں کو آزاد کرانے، یتیم رسیدوں کی امداد کرنے اور بھوکوں کو کھانا کھلانے میں ایک دوسرے پر سماعت کرتے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے فقراء و مساکین میری آمد کے منتظر رہتے تھے۔ لوگوں نے اپنے مشاغل میں روزہ گزارا، لیکن اللہ سے غافل نہیں ہوئے اور نہ بیع و تجارت نے ان کو اللہ کی یاد اور جامعوں کی حاضری سے غافل کیا، شام کو گھر لڑے اور ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے، مساجد کمال اوقات یہ ہو جاتا تھا کہ اگر تم جاؤ تو ذکر کی بھینٹنا ہٹ کے سو کوئی آواز نہ سُن پاؤ۔

آفتاب غروب ہوا، مؤذن نے اذان دی اور میں نے دیکھا کہ سید الاولیاء و آخرین نے ایک چھوٹے سے اور کچھ پانی سے انظار فرمایا اور پھر اس پر اتنا شکر کا انواع و اقسام کی افطاریوں پر بھی لوگوں کو یہ مقام شکر نصیب نہیں ہو سکتا۔ سنئے حضور فرما رہے ہیں۔

ذُهِبَ الظَّمَا، وَابْتُلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَّتْ تشنگی دور ہوئی، رگیں تر ہوئیں اور اللہ نے

الْإِسْخِرَارَ، إِنْ شَاءَ اللَّهُ جامہ تاج و اجودا واجب ہو گیا۔

سپ کے، صحاب نے بھی اسی طرح چند کھجوروں اور پانی کے چند گھونٹوں سے روزہ کھولا اور اللہ کی حمد کی پھر نماز پڑھی اور جو کچھ اللہ نے عنایت فرمایا صرف بعد ضرورت کھالیا، نہ اس میں اسراف ہوتا تھا اور نہ

ناک تک پیٹ بھرتا تھا۔

مہینہ بھران کا یہی معمول رہتا تھا، نہ اس میں کوئی فرق آتا اور نہ وہ اس سے اگاتے اور ہر روز غصہ خاطر ہوتے، بلکہ ہر دن نشاط کی ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی اور عبادت و نیکی کی حرص بڑھتی جتنی کو یاد رکھیں انکی روح کو غذا ملتی تھی اور جیسے کے آخر میں ان کی قوت اور ان کا نشاط پہلے سے بھی بڑھا ہوا نظر آتا تھا۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک مسلسل نشاط اور ذوقِ عمل سے معمور رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آخری عشرہ آتا تو بالکل ہی کمر کس لیتے تھے، رات عبادت میں گزارتے اور اپنی خانہ کو کچی چھگاتے اور پھر احکامات فرما لیتے تھے۔

میں جب اس دورِ سعادت کے روزہ داروں کا بعد کے روزہ داروں سے مقابلہ کیا کہ کتابوں کو صورتِ شکل میں تو کوئی فرق نظر نہیں آتا بلکہ بعض بعد والے زیادہ نفل پڑھتے اور زیادہ وقت تلاوت کرتے نظر آتے ہیں، مگر شریعہ و اخلاص اور ایمان و احتساب کی کیفیات میں کھلا فرق محسوس کرنا ہوں، اگر باقیں کی ایک رکعت کا وزن کیا جائے تو بعد والوں کی بہت سی رکعتوں پر بھاری نکلے گی کہ وہ اپنے ایمان و احتساب میں بھاری تھے۔

اور دوسرے فرق جو میں بتلا سکتا ہوں یہ ہو کہ ان پر روزہ اپنے بہت گہرے اخلاقیات اور نفسیاتی اثرات چھوڑ کر جاتا تھا، یوں کہتے کہ ان کی طبیعتوں پر روزہ کی ایک نہ مٹنے والی چھاپ پڑ جاتی تھی اور اگلے سال جب میں پھر لوٹ کر آتا تو ان میں وہی عفت، وہی تقویٰ، وہی صدق و امانت، وہی وقت و دہی کریم، انفسی، وہی حرص، طاعت، وہی لذاتِ نفس سے نفرت، وہی آخرت کی فکر اور وہی نبیائے سے بے رغبتی پاتا۔ — الغرض ہر دوسری مرتبہ وہ مجھے پہلے سے زیادہ پاک باطن و صاف دل ملتے تھے۔

قصہ مختصر! — جب میرا وقت ختم ہو گیا اور روانگی کا دن آیا تو انھوں نے مجھے ایک بہت ہی پیارے و دست کی طرح رخصت کیا، انکو کسی طرح تھمتے نہ تھے، اور آہیں قرار پاتی نہ تھیں، انوں پر یہ دعا تھی کہ خدایا یہ ملاقات آخری نہ ہو، یہ دن اس کے بعد بھی بار بار آئیں۔
 یہ ہے خیر القرون میں میرے استقبال کی ایک ملکی سی تصویر!

(شکریہ آل انڈیا ریڈیو دہلی)

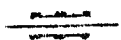
کتبخانہ کا رعایتی اعلان

جو حضرات ابے آخر رمضان تک کم از کم پانچ روپے کی کتابیں طلب فرمائیں گے ان کو کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات پر فی روپیہ ۴ روپے دوسرے اداروں کی مطبوعات پر فی روپیہ ۲ روپے رعایت دی جائے گی۔
محصول بہر حال بذمہ خریدار ہوگا۔

ہماری مطبوعات یہ ہیں مساتر الحدیث مجلد لغیر، غیر مجلد ۱۳۔ اسلام کیا ہو کا فہم علی مجلد ۱۲۔ اسلام کیا ہو کا فہم علی مجلد ۱۱۔ تہذیب قریش مجلد ۱۲۔ حقیقت ۱۲۔ کلمہ طیبہ کی حقیقت ۶۔ برکات رمضان ۵۔ آپ ج کیے کریں میرے نصرت کیا ہو میرے، یقینی تقریریں مجلد ۱۲۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت جابر طوق حضرت مولانا محمد الیاسؒ میرے۔ کتابت حضرت مولانا محمد الیاسؒ میرے، تصوف و صوفیہ اور ہندستان میں ان کے برکات میرے، حضرت شاہ ولی اللہؒ از مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم میرے۔ قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ ۶۔ فیصلہ کن مناظرہ، یعنی مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے مکلفی فتوے حسام الحرمین کا علمی جائزہ اور دینی محاسبہ میرے۔ ہوائی الغیب (رحمہ دوم) یعنی مسئلہ علم غیب کے متعلق رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی موجودت میں منع تشریح میرے۔ ہماری ان مطبوعات کے علاوہ دوسرے اداروں کی شائع کردہ دینی کتابیں مثلاً حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تالیفات، تفسیر بیان القرآن، اشتری ہشتی زیور، حیوۃ المسلمین، تعلیم الدین، اصلاح الارواح اور جناب مولانا عبدالباری صاحب کی تالیفات جامع الجہدین، تجدید تصوف و سلوک، تجدید تعلیم و تبلیغ۔ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مظلہ کی تمام تالیفات، حکایات صحابہ، فضائل نماز وغیرہ۔ اسی طرح مولانا عثمان الحسن صاحب کی تصنیفات تجلیات کعبہ، تجلیات مدینہ، شاہراہ ترقی وغیرہ۔ اسی طرح مکتبہ اسلام لکھنؤ، اور مکتبہ دینی و فنی لکھنؤ، اور غودۃ المصنفین دہلی کی تمام مطبوعات اور تازہ ترین مطبوعات میں سے سوانح قاسمی از مولانا گیلانی، اور حیات انور، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی کی معرکۃ الکافران تالیف ”انساف و نیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“۔ اور ان کے علاوہ بھی کتب خانہ الفرقان میں رہنے والی تمام دینی کتابیں جو دوسرے اداروں کی طرح کتب خانہ میں آ کر رمضان تک ان سب پر فی روپیہ رعایت دی جائے گی۔ سید ہرملہ شائقین اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گے۔ منیجر کتب خانہ الفرقان، گوئن وڈ لکھنؤ

نصف صدی کا قصہ ہمدرد چار برس کی بات نہیں!

تذکرہ اعزاز



اُس ہستی کے محاسن و خصائص کا تذکرہ جس نے مسلسل پچاس سال تک، نہایت خاموشی کے ساتھ علوم و دینیہ کی خدمت و اشاعت کی اور بالآخر اسی میں خود کو فنا کر کے آرام گاہِ ابدی میں جا سوئی۔

اُس نے زندگی بھر تشنہ کا مان علم کو اس بے پناہ فیاضی کے ساتھ سیراب کیا کہ آج اس کے میخانہ علم کا ایک جرعہ نوش اس کے سفرِ اخروی کی خبر پا کر پکار اٹھتا ہے۔

نَفِضَتْ بِكَ الْاِحْلَاسُ نَقْضَ اِقَامَةٍ
وَأَسْتَرْجَعَتْ شُرَاعَهَا إِلَّا مُصَاصًا
فَإِذْ هَبْ كَمَا ذَهَبَتْ غَوَادِي مَرْسِنَةٍ
أَشْنَى عَلَيْهَا السَّهْلُ وَالْأَوْعَارُ

شیخ الادب

سیرت کا ایک بہکا سا خاکہ

(از جناب میر فرید الاحمدی)

حضرت شیخ الادب والفقہ استاد الاساتذہ مولانا الحاج حافظ محمد اعجاز علی صاحب نور اللہ رحمہ کی زندگی کو کوئی خاکہ پیش کرنا ہویا ان کی عظمت و منزلت کا کسی قدر اندازہ کراا ہو تو ممدوح کی علمی زندگی پر قلم اٹھانا چاہئے، ان کی پوری زندگی مختلف علوم و فنون پر مشتمل ادب و فقہ کی ایک ضخیم انسائیکلو پیڈیا ہے، کوئی ذی علم صاحب قلم یہ انسائیکلو پیڈیا سامنے رکھ کر تھریروانش کی خوب خوب حسرتیں محال نکلتا ہے، اعظم و افضل حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا، دنیا کی ہر چیز سے صرف نظر کر کے محض ان کی فکر کو ممدوح کے اپنی زندگی کے لئے منتخب فرمایا تھا، دوسرے مشاغل اور دلچسپیوں سے (مولیٰ اسی لائن کی تصنیف والیف کے) نہ صرف یہ کہ دلچسپی نہ تھی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ایک حد تک بعد و تنف تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ علمی انسان بہت سے ہوتے ہیں، آج بھی مختلف علوم و فنون کے بڑے بڑے ماہرین اور فضلا موجود ہیں مگر تعلیم و تعلم کا اس قدر رغبتانی اور اس سلسلہ میں ان صفات کا حامل ہونا دوسرے انہیں آجیدہ اصطلاح میں مختلف صلاحیتوں کے لوگوں کو ان کی متعینہ صفات کے اعتبار سے فولادی انسان کہا جاتا ہے، ہم بھی اگر تھوڑی دیر کے لئے آج کی زبان میں مدح کریں تو حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ تعلیمی لائن کے فولادی انسان تھے، اس خصوصیت اور ان حقائق کی کے پیش نظر حضرت شیخ الادب کی زندگی کا صحیح عکس اور سیرت ممدوح کی علمی زندگی اور علمی کارناموں کا تذکرہ ہی ہو سکتا ہے لیکن اول تو حضرت استاد رحمۃ اللہ کی نفس سیرت پر ہی قلم اٹھانا میں بڑی ذمہ داری اور جرات کا کام سمجھتا ہوں اور پھر علمی زندگی کا جائزہ و تذکرہ تو یقیناً صرف انہی کا حق سمجھتا ہوں جو اس نعمت سے بہرہ ور ہوں اور ان خصوصیات پر فہم و بصیرت کے ساتھ

نظر رکھتے ہوں دوسرے چونکہ ممدوح کی زندگی کا یہی پہلو نمایاں اور عوام و خواص کے لئے مرکز توجہ رہا ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ جو تذکرے بھی حضرت استاذ رحمۃ اللہ کے آئیں گے ان میں بیشتر اسی موضوع پر خامہ فرسائی کی جائے گی اور علاوہ تعلیم و تعلم کے..... حضرت کی زندگی کی وہ خصوصیات و امتیازات جنہوں نے ممدوح کی زندگی کو عام سطح سے بلند کر دیا تھا ان کا تذکرہ شاید نہ آسکے اس لئے میں صرف حضرت کی عام زندگی کا خاکہ پیش کروں گا۔ علمی تذکرہ اور اس پر بحث میرے موضوع سے خارج ہے ضمنی طور پر کوئی بات آگئی تو وہ مقصود نہ ہوگی

حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ کی ایک اہم خصوصیت جو اپنے مفہوم اور افادیت کے اعتبار سے حقیقت علمی خصوصیت تھی وہ دارالعلوم دیوبند اور طلبہ اے علوم عربیہ سے شفقت اور تعلق خاطر تھا اس میں کوئی مبالغہ نہیں اور حضرت کے کم و بیش پچیس ہزار تلامذہ و خدام کے غم و اندوہ سے لبریز قلوب اس بات کی شہادت دیں گے کہ طلبہ سے بلا امتیاز و بلا استثناء حضرت کو حقیقی باپ سے کچھ کم تعلق اور محبت نہ تھی خدا نخواستہ کسی طالب علم کی اسازی طبع کی اتکان میں بڑگی تو اسے کام ملتومی کر کے جائے قیام دریافت کرتے کرتے حضرت استاذ علیل طالب علم کے سرانے موجود ہوتے، چہرے پر تاغرموتا، دعا فرماتے، غرض کہ جو بیتابی اور بے چینی اپنی اولاد کی علالت پر ایک ضعیف باپ کو ہو سکتی ہے اس سے زیادہ ایک طالب علم کی علالت پر حضرت بے چین اور مضطرب نظر آیا کرتے تھے ہشاش کی کثرت کے باوجود بار بار میاوت اور ہرکسش حال کا وقت نکالتے، کچھ دیر بیمار طالب علم کے پاس بیٹھے، جتنی دیر تشریف لکھتے دعائیں پڑھ پڑھ کر دم کرتے رہتے، سر پر ہاتھ پھیرنے اور تسلی دہنی فرماتے خدا نخواستہ کسی طالب علم کا انتقال ہو جانا تو حضرت کو بڑا صدمہ ہرنا تھا اور کئی کئی روز تک مغموم رہتے تھے۔

حیدرآباد سندھ کے ایک نابینا طالب علم حافظ عبد الرحمن مرحوم بہت شوقین مفسس اور ذہین طالب علم تھے۔ یہ خدا کی دین تھی کہ نابینا ہونے کے باوجود کتابوں میں وہ ہم سب بیکار شکرار سے زیادہ تیز اور صاحب استعداد تھے، چنانچہ طبعا حضرت شیخ الادب کو ان سے لگاؤ تھا۔ امید تھی کہ دارالعلوم سے فراغت کے بعد وہ ایک متقدم عالم ثابت ہوں گے مگر مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ انھیں زکام ہوا، بخار اور کھانسی کی شکایت ہوئی اور شکایت نے یہاں تک طول پکڑا کہ آخر پیغام قضا آپہونچا۔ انتقال سے چند منٹ قبل ایک صاحب میرے پاس دوڑے ہوئے

آئے اور اطلاع دی کہ حافظ جلد الرحمن کی حالت خراب ہے، میں پہونچا تو نزع کی کیفیت ظاہری تھی حضرت اساذ رحمۃ اللہ علیہ سرہانے بیٹھے ہوئے پرسوز اور ہزار غراواں میں تلقین فرما رہے تھے یہ تلقین تین تین اس وقت نہیں کر سکتا کہ حضرت کی آواز بھرائی تھی یا نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ آواز سے اس قدر حزن و مال مخرج تھا کہ میں اور سب حاضرین ضبط پر قائم نہ ہو سکے، اور ہمارے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، فوجہما اللہ تعالیٰ۔

یوں تو عام طور پر طلبہ سے حضرت کو تلقین اور محبت تھی ہی مگر ذہن اور شوقین طلبہ پر حضرت کی خصوصی توجہات بہتی تھیں طلب علم اور اس میں شغف کے سبب کسی قسم کی خدمت، کوئی معاملہ ایسا نہ تھا جس سے طلبہ حضرت اساذ رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ حاصل کر سکنے میں کامیاب نہ ہوتے بعض نہ پڑھنے والے طلبہ مختلف قسم کے ذرائع اور سفار میں استعمال کرتے تھے مگر یہ چیزیں کبھی اثر انداز نہیں ہو سکیں۔ ہاں اسباق میں حاضر باش اور علم کا شوقین طالب علم مروجہ کے ذہن میں ایک متقل مقام حاصل کر لیتا تھا۔ بہت طلبہ ایسے تھے جو کبھی خدمت میں حاضر نہ ہوتے تھے اور حضرت اُن کے دوسرے حالات سے واقف بھی نہ ہوتے تھے۔ مگر اپنے علمی شغف اور محنت کی بنا پر حضرت کے لئے مرکز توجہ رہتے تھے۔

راستے میں چلتے ہوئے سر کو جھکا کر چلتے تھے۔ (دھرا دھرا نظریں نہیں اٹھاتے تھے مگر کوئی طالب علم اگر مطالعہ یا مذاکرہ میں مشغول نظر آیا تو اُس کے قریب یا محاذ میں پہونچ کر نظریں اس کی جانب اٹھ جاتی تھیں اور دو چار قدم تک غور اور شفقت کے ساتھ اُسے دیکھتے چلے جاتے تھے اور پھر وہ طالب علم ذہن میں ایک جگہ حاصل کر لیتا تھا۔

سبق میں راستے میں یا کمرہ ہر اگر کسی نے کوئی علمی اشکال پیش کیا تو اسی لمحہ اُسے مطمئن کرنے پر تیار ہو گئے۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ اس قسم کے سوالات کرنے والوں یا اشکالات پیش کرنے والوں سے گزیر ہو رات کے بارہ بجے میں ابھی بخاری یا ترمذی کا درس دے کر تشریف لائے تو اور کسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہیں اتنے میں کوئی طالب علم حاضر ہوا، نہایت شفقت سے بٹھایا اور پھر اُسے کا سبب دریافت کیا، طالب علم نے اپنی الجھن بیان کی حضرت نے بلا تکلف اس کی کتنی کا سامان فراہم کر دیا۔ اس نے اگر بوقت تکلیف دہی پر مسذرت کی تو حضرت نے

مخصوص انداز میں فرمایا مولوی صاحب اللہ جانے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، حق تعالیٰ آپ کو ترقی علم و عمل دے، جس وقت کوئی ضرورت ہو بلا تکلف تشریف لے آئیے۔ طالب علم رخصت ہوا، وقت کافی ہو چکا ہے، صبح فجر سے پہلے چند طلبہ کو کوئی کتاب پڑھانی ہے، اس کے بعد ایک طالب کا قرآن سننا ہے، فجر کے بعد سے لے کر بجے تک مسلسل ہدایہ اخیرین کا درس دینا ہے مگر مطالعہ کا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔

ان مصروفیتوں کے ساتھ بعض طلبہ کے بہیم اصرار اور ان کے ازدیاد شوق سے مجبور ہو کر کوئی خصوصی سبق بھی شروع کر دیتے تھے، یا کسی حافظ طالب علم کا قرآن سنا کر لے تھے، ان اسباق کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ اہم اور انتہی اسباق ہوں۔ اس کامیبا ر محض درخواست کرنے والے طلبہ کی طلب اور ان کا شوق تھا۔ اگر طلبہ شوقین ہیں اور طلب صادق ہے تو نحو میرا و لغوہ القرآن بھی پڑھاتے تھے اور عجیب بات یہ تھی کہ جب شروع کر دیا تو چھوٹے سے چھوٹے سبق کی بھی اسی قدر پابندی فرماتے تھے جس قدر ہدایہ اخیرین اور ابو داؤد کی پابندی فرماتے تھے۔ ایک شوقین طالب علم نے ایک مرتبہ ایک سبق کی فرمائش کی، حضرت نے وقت کی کمی کا عذر فرمایا مگر اس کا اصرار بڑھتا گیا تو حضرت نے اسے بارہ بجے رات کا وقت دیا اور فرمایا اس وقت میں کمرے آٹھ گھر جاتا ہوں، راستے میں آپ سبق پڑھ لیا کریں، چنانچہ وہ طالب علم اسی طرح اکتساب فیض کرتا رہا اور حضرت اس کا تذکرہ بہت خوش ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ اُس نے کبھی ناغہ نہیں کیا۔

وقت کا صحیح استعمال اور نظام الاوقات کی پابندی جس قدر حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اس کی مثال احقر نے تو کہیں دیکھی نہ سنی، مقررہ اوقات میں منٹوں کا فرق بھی شکل سے ہوتا تھا مختلف اوقات کی مختلف گزرگاہیں مقرر تھیں مثلاً تیسرے گھنٹہ کے فوراً بعد تعلیمات کے دفتر میں تشریف لیجا کر وقت مقرر ہے۔ آپ چار سال کے بعد دارالعلوم میں حاضر ہوں اور آپ کو فوری ملاقات مقصود ہو تیسرے گھنٹہ کے شروع میں کمرے اور دفتر تعلیمات کے راستے میں کھڑے ہو جائیے حضرت آپ کو راستے میں مل جائیں گے لیکن گھنٹہ شروع ہونے کے پانچ منٹ بعد حضرت آپ کو راستے میں نہ ملیں گے وہ تعلیمات کے دفتر میں پہنچ چکے ہوں گے۔

پانچویں گھنٹہ میں سنن ابی داؤد کا سبق مقرر ہے گھنٹہ کی آواز اس امر کی ضمانت ہے کہ شیخ الادب

درگاہ میں پہنچ چکے ہیں۔ سبق کا ذکر آیا تو ایک دلچسپ طرز عمل کا تذکرہ اور کرتا چلوں۔ درسگاہوں میں عام طور پر حاضری کا اندراج سبق سے پہلے ہوتا ہے حضرت کے یہاں حاضری کا کوئی وقت مقرر نہ تھا اس لئے طلبہ کو حاضری ختم ہونے کے بعد درسگاہ سے اٹھ جانے کا موقع نہ ملتا تھا۔ سبق کی تقریر کرتے کرتے درمیان میں اچانک کتاب بند ہو جاتی اور حاضری کا اندراج شروع ہو جاتا۔ جو طلبہ کسی وجہ سے اس وقت غیر حاضر ہو جاتے پھر ان کی حاضری کا اندراج مشکل ہو جاتا کیونکہ وہاں یہ مجال ذرا مشکل تھی کہ کوئی صاحب یہ عذر پیش کر سکیں کہ میں کسی وجہ سے صرف اسی وقت کہیں چلا گیا تھا۔ دو چار دن درمیان میں حاضری کا یہ طرز عمل دیکھ کر طلبہ ابتداً سبق میں آنے کے بجائے کچھ دیر گزار کر آنے لگے کہ ایک دن گھنٹہ شروع ہونے کے فوراً بعد حاضری شروع ہو گئی نتیجہ میں دیر کرنے والے طلبہ کی غیر حاضری وضع ہو گئی۔ ہر نئے سال کی ابتدا میں نئے طلبہ کی جماعت کے ساتھ یہ معاملہ واپس تہہ پیش آیا اور پھر تمام سال کے لئے طلبہ جو کتنے ہو جاتے تھے سبق میں باب پر باب مسائل پر مسائل اور قیصدے کے قیصدے ختم ہو رہے ہیں طلبہ منتظر ہیں کہ گھنٹہ ختم ہونے میں صرف ۵ منٹ باقی ہیں آخری دیر کے لئے حضرت نیا قیصدہ بانیا اب کیا شروع کرائیں گے مگر جب تک گھنٹہ میں سانس باقی ہوتا سبق کی آس نہ ٹوٹی۔ تنبیہ کا ایک قیصدہ ختم ہو چکا ہے صرف ۳ منٹ باقی ہیں مگر دوسرا قیصدہ شروع کر دیا گیا۔ ابھی ایک مصرعہ بھی پورا نہ ہوا تھا کہ گھنٹہ ختم ہوا۔ ادھر گھنٹہ پر بیل جھوٹ بڑی ادھر کتاب ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ بند ہو گئی۔ گھنٹہ ختم ہونے سے پہلے کبھی سبق ختم ہوا اور نہ ختم ہونے کے بعد ایک منٹ بھی جاری رہا حضرت اُستادؒ کی اس افتاد طبع کا تذکرہ مولانا الحاج محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم نے بہت ہی صحیح انداز میں فرمایا۔ برصوف نے دارالعلوم کے ایک تعزیتی اجلاس میں تقریر فرماتے ہوئے کہا:-

”دیانت دار تو بہت سے لوگ ہوتے ہیں مگر وقت کے بارے میں اتنا دیانت دار اور محتاط

انسان ہماری نظروں سے نہیں گذرا۔ مولانا نے کبھی وقت میں خیانت نہیں کی“

نظام الاوقات کی یہ پابندی اور محض علمی شغف پر شفقت کی یہ ارزانی شوقین اور محنتی طلبہ کیسے تو رحمت تھی ہی مگر شوق اور نہ بڑھنے والے طلبہ بھی حضرت کی اس افتاد طبع سے پوری طرح مستفید ہوتے رہتے تھے اور اس کا آسان طریقہ یہ تھا کہ گذرگاہ پر وقت معینہ میں مطالعہ کرنے بیٹھ گئے اور گردن جھکا کر گویا غرق کتاب ہو گئے۔ چند منٹ بعد حضرت گھر گئے تو یہ بھی کہیں سے جھانک رہا ہوتا کہ کس نے اور کس طرح عرصہ کا کڑواہٹ

عام اساتذہ کی بہ نسبت حضرتؒ کے یہاں معافی کا اِس بِلَافِ نِی دِیْن تھا مگر اس کا طریقہ صرف امتِ امتِ وِ نہامت اور معقولِ مَندرت ہی تھا۔ یہ فطر اگر لوری کر دی جاتی تو بیٹے سے بڑا قصور ایک لمحہ میں معاف ہو جاتا تھا بلکہ اس قدر سادہ دل تھے کہ اگر کوئی نہامت کے آثار طاری کر کے بھوٹی مَندرت بھی کامیابی کے ساتھ پیش کر کے مولانا کو مٹا لے دیتے ہیں کامیاب ہو جاتا تو اس سے بھی مولانا فوراً خوش ہو جاتے تھے۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ شاید یہ کمی نہ بھولے گا:

ایک صاحب کے یہاں کچھ بے محنت جہان آئے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے کمرے پر مخصوص احباب کو چائے پر مدعو کیا وقت بعدِ مغرب کا تھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہر وقت چار کا وقت ہوتا ہے۔ جہاں کچھ شاعرِ قسم کے تھے چنانچہ چائے کے ساتھ ساتھ کچھ شعر و شاعری کا بھی سلسلہ چل نکلا۔ غرض مجلس دو آتشہ لکیر شعرا کے شوقِ سگرٹ نوشی سے سہ آتشہ ہو گئی۔ ایک احتیاط پسند نے معاملہ کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے کہا کہ:

”حضرت شیخِ الادب صاحب سب بڑھا کر آتے ہوں گے اور اسی طرف سے گزریں گے۔“

مگر ندانِ بلاولس نے یہ حدِ لبے محلِ لبے معنی غرقِ نئے ناب کر دی، اور چند ہی لمحوں کے بعد دروازے پر مخصوص انداز میں دستک کی آواز سے ہم سب نے سمجھ لیا کہ شیخِ الادب صاحب آہو بچے نشہ بیکفایت ہرن ہو گیا، جی بلی کر دی گئی، جو چار پائی پر بیٹھے تھے وہ آہستگی سے دیوار کی طرف گر گئے، جو فرش پر تھے وہ چاہا پیوں کے نیچے ہو بیٹھے گئے، یہ دونوں نگہیں بے ہر ہو گئیں تو بچے کچھ لوگوں نے کمرہ کے گوشوں میں پناہ لی مگر صاحبِ کمرہ مولانا.... کا حال بُرا تھا۔ ان پر لپٹی دہرا برہم تھا اور پھر مزید یہ کہ وہ اس ناحوت کے طالب علم تھے جس کو دس

اور کھوت کے کھوت ہی رہ گئے

تھے کہ حضرت شیخِ الادب اب اس تشریف لائے تھے۔ شعر و شاعری اور مجلسِ آرائی کے لئے سبق کا ناغہ، گویا شیخِ الادب کی بارگاہ میں ان کی قسمت پر مہر لگ گئی تھی، بیچاروں پر سکتہ کا عالم طاری تھا، بجائے چھینے کے کھڑے ہو گئے۔ دستک برابر جاری رہی اور دروازہ بند رہا کس کی ہمت تھی کہ دروازہ کھولتا مگر صاحبِ کمرہ مولانا.... نے بڑھ کر مجبوراً جھٹنی کھولی، حضرت نے دروازہ کھولا تو گھپ اندھیرا تھا، اتھو کہ اتھ بھائی نہ دیتا تھا، ایک قدم کمرے میں رکھا اور فوراً پیچھے ہٹ کر فرمایا لا حول ولا قوۃ الا باللہ کس قدر بیڑی جی گئی ہے، برو کی وجہ سے کمرے میں قدم نہیں رکھا جاتا۔ اچھا کون کون صاحب ہیں؟ اپنے اپنے نام بتلائیے، حضرت نے نام سننے کے انتظار میں کچھ سکوت فرمایا مگر جواب میں خاموشی رہی صاحبِ کمرہ مولوی.... سامنے ہی دیکھ کر بے تحاشہ حضرت نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا آپ ذرا روشنی میں تشریف لائیں، مولوی صاحب سامنے آئے تو شیخِ الادب نے اپنے

مضمون انداز میں فرمایا "اوپر مولوی صاحب آپ ہیں، اللہ جانے مجھے آپ سے یہ توقع نہ تھی، بہت اچھا بہت، اچھا! تشریف رکھئے!"

حضرت تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حاضرین دم بخود تھے، ہمیں اطمینان تھا، صاحب کمرہ ہریشان تھے مجلس برضاست ہوئی، صاحب کمرہ نے کہیں جا کر اس دن کا سبق دریافت کیا اور حضرت شیخ الادب صاحب کی تقریر لفظ بلفظ یاد کر لی، یہ وہی سبق تھا جس سے فایز ہو کر اس وقت حضرت واپس ہوئے مجھے کچھ ہی دیر بعد صاحب کمرہ حضرت محمدیج کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب ستور کمرہ کرسٹنکس کے لئے کھلا ہوا تھا۔ مولوی صاحب مذکور نے گھستے ہی رونا فریاد کیا اور عرض کی "حضرت میں معافی کا خواستگار ہوں، کمرہ حاضر ہوا ہوں، میں حضرت والا کی تشریف آوری سے چند ہی منٹ قبل کمرہ پر حاضر ہوا تھا اور درس میں شریک تھا۔ باہر سے آئے ہوئے چند رہمان طلبہ نے یہ مجلس منعقد کر رکھی تھی، میں بے تصور ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔" ارشاد ہوا، مولوی صاحب مذکور گناہ بدتر از گناہ! اگر آپ سبق میں تشریف رکھتے تھے تو بتلائیے کہ کونسا اب ہوا ہے اور میں نے کیا عرض کیا ہے، مولوی صاحب نے مالہ و مال علیہ کے ساتھ سبق بتلا دیا، فرمایا "اچھا مولوی صاحب اللہ جانے میرا دل بالکل صاف ہو گیا، میں اب بالکل ناخوش نہیں ہوں۔" مولوی صاحب شاداں و فراہاں تشریف لے آئے۔

رسیدہ بود بلائے دے بخیر گذشت

ڈیڑ دو و ہزار طلبہ، اساتذہ اور کارکنوں پر کنٹرول و قابو رکھنا بڑی ٹکسن بات ہے کیا اسی صاحب اختیار انسان ہوا اور کتنا ہی طاقتور صمد ہو مگر تمنا اتنے مختلف الخیال طلبہ پر پورا افر قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے مگر حضرت شیخ الادب نور اللہ مدظلہ کو قدرت نے اس قدر عجب و بربہ و جلال عطا فرمائی تھی کہ بڑے سے بڑے سرکش طلبہ و روحانین تک کو رو بردبات کرنے کی جرات ہوتی تھی، جدھر سے گزرتے تھے دور تک راستہ صاف ہوتا چلا جاتا تھا جو جہاں ہے اس کے قدم وین ٹھٹھک جاتے تھے طلبہ کا کوئی مجمع ہے منہی مذاق اور بے تکلف گفتگو ہو رہی ہے، اچانک شیخ الادب نظریں نیچی کئے گزرتے، نہ نظریں اٹھائیں کسی کو دیکھا مگر مجمع ساکت جا رہا ہو گیا، لوگوں نے سہمی ہوئی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور مجلس برضاست ہو گئی، ایک مرتبہ دارالعلوم میں طلبہ کا ایک مشاعرہ ہوا، ہر باہتا جیٹھی کا زمانہ ہے مگر طلبہ کا مجمع اور پھر محفل مشاعرہ خود فراموشی اور مستی کا عالم نہ بوجھتے، داد کی وہ ازانی کہ ایک ایک شعر و جمیع کھلا ہو رہا تھا، نامعین کی وہ فراوانی کہ دل رکھنے کی جگہ نہیں اور مجمع باہر کھڑا

اچانک ایک شریر طالب علم نے غزوہ سی صورت بنا کر باہر کھڑے ہوئے مجمع سے کہا: "ارے! شیخ الادب آگئے۔" اور یہ کہہ کر زور سے بھاگ پڑا، دوسری منٹ بعد جس جگہ مشاعرہ تھا وہاں مشاعرہ کا ادنیٰ ثبوت لٹا بھی نہیں ہو گیا اور ایک تنفس بھی وہاں نہ رہا۔ عرب و ہیبت اس قدر کہ اس کی نظیر نہ ملے اور شفقت اتنی کہ دیکھی نہ سنی حضرت کو اس صورت حال اور طلباء کی اس کیفیت کا اندازہ تھا چنانچہ ہمیشہ ایسے مواقع ہر جانے یا گذرنے یا داخل سے حتیٰ الوسع گریز کرتے تھے پھر بھی کبھی کبھی ایسے مواقع پیش ہی جاتے تھے۔

اسٹہنزا اور مزاح تو شاید حضرت کے لغات زندگی سے خارج الفاظ تھے، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ میں نے کوئی ایسا موقع نہیں دیکھا جس میں حضرت نے کوئی مزاح کا جملہ ارشاد فرمایا ہو یا کھلکھلا کر مینے ہوں۔ براہ راست طلبہ سے مخاطب یا درس کے وقت تو شاید کبھی مسکوانے کی نوبت بھی نہ آئی درجہ وسطیٰ یا ادنیٰ کے مدرسین کے مجمع میں سببیل تذکرہ کوئی ایسی بات ہو گئی تو کبھی کبھی مسکراہٹ لبوں پر آ جاتی تھی۔ اکابر دارالعلوم اور حضرت شیخ الاسلام مدنی ادام اللہ برکاتہم کی مجلس میں کبھی خود حضرت مدنی اور کبھی حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہم حضرت اسٹاذ سے مزاح فرمایا کرتے تھے وہاں ضرور ہلکی سی ہنسی دیکھنے میں آ جاتی تھی، رحلت سے چند سال پہلے حضرت شیخ الادب بروالد الشہنجدی کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا، مرحومہ نہایت ہی فرشتہ صفت اور نیک سیرت خاتون تھیں حضرت اسٹاذ بر ان کے انتقال کا بڑا اثر تھا، حضرت شیخ مدنی دامت برکاتہم عموماً خاص مجالس میں عقد ثانی کے لئے اصرار فرمایا کرتے تھے حضرت علامہ بلایوی اور حضرت مدنی کا یہ ملا جلا اصرار کبھی کبھی شگفتہ انداز اختیار کر لیتا تھا۔ ایسے مواقع پر کبھی کبھی یوں بھی ہنستے دیکھا کہ اٹنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا اور بدن میں چند سکند تک ایک متوازن حرکت ہوتی رہی بسکراہٹ اور مزاح کے اس فقدان اور رعب و دبدبہ کی مقاببت سے بعض طلبہ حضرت کو شیخ الادب کے قافیہ پر شیخ الغضب کہا کرتے تھے، گو کہ معنایہ غلط تھا۔

اپنے چھوٹوں اور خدام سے شکایت کرنے کے لئے عموماً نہایت لطیف اور غیر محسوس قسم کا طنز گفتگو اور گرامی ناموں میں استعمال فرماتے تھے۔ مثلاً آپ دیوبند حاضر ہوئے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے میں آپ نے کچھ تاخیر کی۔ اب ملاقات پر سب سے پہلا سوال آپ سے یہ ہو گا کہ کب تشریف لائے؟ آپ نے عرض کی "حضرت کل حاضر ہوا۔" اس پر قدسے چونک کر آپ کی طرف دیکھیں گے اور فرمائیں گے۔ اللہ جانے مولوی صاحب مجھے بالکل غم نہ ہوا ورنہ میں ضرور حاضر ہوتا

اور اگر آپ کو اس صورت حال کا پہلے سے اندازہ ہے اور آپ کچھ جرات سے کام لے کر فرماہیں کہ حضرت اسی طریق سے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر بھی اسی قدر چونک کر فرمایا: ”اوہو! آپ ابھی تشریف لائے، مجھ سے تو کسی صاحب نے کہا تھا کہ آپ کل آئے ہیں، غالباً انھیں دھوکا ہوا۔“ اب آپ دل ہی دل میں شرمندہ ہو لیں، نادم ہو لیں، مگر بات نہایت تیزی سے آگے بڑھ جائے گی اور ایسا محسوس ہوگا کہ حضرت نے اس پر کچھ توجہ نہ دی۔

فقہ وحدیث وادب کے گنبد معارف اسحاق کے وہ دل نشیں مناظر، پہلو بدل بدل کر طالب علم کو گھول کر بلا دینے کی وہ مسلسل جدوجہد، ایک مسئلہ پر تقریر ختم کرنے کے بعد عبارت آگے چلانے کی لفظ: جی، کے ساتھ وہ مخصوص فرائش، بڑے بڑے دقیق مسائل اور پیچیدہ مضامین کو چٹکی بجاتے آسان طرز میں حل کر دینے والی تقریر، دورانِ سبق میں اعتراضات و اشکالات کے نہایت پر وقار انداز میں الزامی اور بے لطف جوابات کی تفصیل لکھنے کے لئے کہاں سے قلم لایا جائے اور کس طرح اس مسئلہ پر کچھ لکھا جائے۔

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

بات لکھنے اور لکھے ہوئے کو پڑھنے کی انہیں بلکہ دارالعلوم حاضر ہو کر ٹوٹے ہوئے بورڈوں پر بیٹھ کر زانوئے ادب تہہ کرنے کی تھی۔ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی بدظلم نے حضرت شیخ الادب کے اسباق کی شان ایک ہی جملہ میں خوب ادا کی ہے اور نہایت مبلغ ترجمانی فرمائی ہے کہ ”اگر صاحب ہدایہ قاضی بیضاوی اور امام ترمذی وغیرہ مولانا کو اپنی کتابوں کا درس دیتے ہوئے دیکھتے تو یقیناً اگر مولانا اس بارے میں سبقت نہ فرماتے تو میں اس جگہ یہ ضرور لکھتا کہ اگر صاحب ہدایہ مبتنی اور دیگر مکتبوں کے مولفین آج زندہ ہوتے تو وہ بھی اتنی ہی عمدگی سے اپنی تالیفات بڑھا سکتے جس قدر خوبی سے مولانا بڑھاتے تھے۔“

طلباء سے تو حضرت کو غایت تعلق تھا ہی لیکن فضلاء قدیم کے لئے بھی حضرت کی ذات مجاہد و ادنیٰ تھی جو مدرس تھے اور سیکڑوں اور ہزاروں میں کی دوری پر مدرس تھے ان کی تعلیمی و تدریسی حالت کی پوری طرح نگرائی فرماتے تھے، مسائل اشکالات کو بڑی فکر و کاوش سے حل فرماتے تھے، ہدایتیں اور نصائح ارسال فرماتے تھے، ترقی کی تدبیریں فرماتے اور پوری طرح

با خبر رہتے تھے جو ملازم نہ تھے ان میں سے ہر ایک کی حیثیت کے مطابق ملازمتوں پر تقرر کر لیتے تھے اور اس کی تدبیر میں لگے رہتے تھے۔ اس قسم کے ہزاروں علماء و فضلاء اور طلبہ حضرت کی ذات سے فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ ہندوستان کے سیکڑوں مدارس و مکاتب اسلامیہ کی سرپرستی، نگرانی اور ان کی فلاح و بہبود حضرت کی ذات سے متعلق تھی، ان میں سے اکثر کا عدول و نصب، سالانہ امتحان کے متخنین کا تقرر، نتائج کی جانچ اور ان پر حرقی کا ترتیب یہ سب حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے تھے اور کمال یہ تھا کہ یہ سارا کام عموماً دارالعلوم میں بیٹھے بیٹھے ہوتا تھا، مگر بعض اہم مواقع پر خود بھی تشریف لے جاتے تھے یا اپنے کسی معتد کو بھیج دیتے تھے، ساتھ ہی دارالعلوم کی نظامت تعلیمات کی نیابت اور اس کی پوری ذمہ داری جس قدر سلیقے اور جانفشانی سے حضرت شیخ الادب نے انجام دی ہے اس کا اندازہ ان چند سطروں سے لگنا ناممکن ہے تفصیل کیوں کر لکھی جائے لکھی جائے تو محض نظامت تعلیمات کی خدمات کا ہلکا سا خاکہ تین چار اشاعتوں میں اسی قدر صفحات کا طلب گار ہے۔

کم دیش ڈیڑھ ہزار طلبہ کے سہ ماہی ہشتماہی اور سالانہ امتحان کے نتائج ہر طالب علم کی تعلیمی حالت کی مجلس سی رپورٹ ہر تیسرے ماہ طالب علم کے والدین اور سرپرستوں کے پاس حضرت کے دستخطوں کے ساتھ امتحان کے بعد دوسرے ہی تیسرے ہفتے میں پہنچ جایا کرتی تھی، یہ محض حضرت اُستاد کی انتہک محنت اور جدت طبع کا نتیجہ تھا، دارالعلوم کی نظامت تعلیمات اور ملک کے صد ہا مدارس عربیہ کی نگرانی کا یہ ڈھنگ اور بلا کسی معاوضہ یا ادنیٰ دنیوی منفعت کے یہ نظیر آج بڑی بڑی تنخواہوں اور اساتذہ والے وزراء و تعلیم اور ڈائریکٹرز آف ایجوکیشن میں بھی نہ ملے گی۔

حضرت شیخ الاسلام مدنی دامت برکاتہم سے حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کو جو تعلق اور محبت تھی اور حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کو آپ کی ذات پر جو بھروسہ اور اعتماد تھا اس کا تذکرہ اب بہت ہی صبر آزما ہے علمی مصروفیات میں اور دارالعلوم کے معاملات میں مرحوم حضرت شیخ مدنی کے دست راست کا درجہ رکھتے تھے اور حضرت مدنی مرحوم کی وجہ سے اپنے مشاغل میں اسفار میں بڑی حد تک مطمئن ہو کر مصروف رہتے تھے تفصیل کے بجائے اجمالی طور پر اس عاجز کو دینا

کافی ہے کہ حضرت شیخ مدنی دامت برکاتہم نے انتقال کے بعد دارالعلوم بہودینج کفرمایا کہ
 ”شیخ الادب کے انتقال کے بعد میرا سفر کرنا اور دارالعلوم سے غیر حاضر رہنا نہایت مشکل ہو گیا
 ہے، اب پھر کوئی شیخ الادب پیدا ہو تو میں اس درجہ بے فکر رہ سکتا ہوں۔“

حضرت شیخ الادب کی علمی شہرت نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دوسرے ممالک اسلامیہ میں بھی
 پھیلی ہوئی تھی۔ انتظامی قابلیت، ادب و فتنہ میں بے نظیر خصوصیتیں دوسرے اداروں اور یونیورسٹیوں
 کو حضرت کی جانب متوجہ کرتی رہتی تھیں، بارہا بڑی بڑی تنخواہیں اور عہدے پیش کئے گئے مگر
 دارالعلوم سے حضرت عیش کے درجہ میں تعلق تھا یہاں سے جانا گوارا نہ کیا اور ہمیشہ قناعت اور فقر کی
 زندگی بسر فرمائی۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمام عمر دارالعلوم
 کی خدمت ہی کو حضرت نے اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا۔

بات ابھی اچھی بھی نہیں ہوئی وقت بہت ہو گیا، نہ جانے کتنے اوصاف حمیدہ ابھی ایسے ہیں کہ
 میں نے ان کا تذکرہ بھی نہیں کیا جن کی طرف ہلکے ہلکے اشارات کئے ہیں یقین کیجئے کہ ان میں سے
 ایک ایک وصف ہر کھنے کے لئے کئی کئی صفحے درکار ہیں، جوں جوں لکھتا جاتا ہوں حضرت استاذ
 نور اللہ مدظلہ کے صد اوصاف سامنے آتے جاتے ہیں۔ کوئی کیا کہے کیا نہ کہے اور کہاں تک لکھے
 قصہ یوں مختصر ہوتا ہے کہ

۳ مارچ ۱۹۵۵ء کی دوپہر کو ضلع میرٹھ کے ایک عربی مدرسہ میں شرکت کے لئے میرٹھ
 اسٹیشن پر اترے خدام اور متعلقین کا ایک مجمع استقبال کے لئے حاضر تھا۔ اس بھیڑ میں اور مصافحہ اور
 زیارت کی کوشش میں جھڑے کا بیگ جو ساتھ تھا کسی بد بخت نے چڑایا، قیام گاہ پر پہنچے تو بیگ
 غائب تھا۔ اس بیگ میں پنی، انج، ڈی کے ایک طالب علم کا مسودہ تھا جو اس نے ڈکڑ بیٹ کے
 امتحان کے لئے تیار کر کے ملاحظہ و تصحیح کے لئے بنارس ہندو یونیورسٹی سے بھیجا تھا۔ میں بھی اسی
 جلسہ کی شرکت کے لئے دوسری ٹرین سے میرٹھ پہنچا تھا، پہنچتے ہی مجھے معلوم ہوا کہ حضرت کا
 بیگ غائب ہو گیا اور اس کا حضرت پر کافی اثر ہے۔ میں ہریشانی کے عالم میں دریافت حال
 کے لئے قیام گاہ پر حاضر ہوا، کیسے عرض کر دیں کہ میں نے حضرت استاذ کو کتنا ہریشان اور بچپن
 پایا، بس یوں سمجھے کہ میں نے اس قدر بے چین و مضطرب حضرت کو کبھی نہیں دیکھا تھا، مجھے حکم دیا

اللہ جانے مولوی صاحب میں تو اس قابل رہا نہیں کہ جلسہ میں شریک ہوں، مگر آپ ضرور شرکت کر لیں۔ دوسرے دن جمعہ کو دیوبند واپس تشریف لائے۔ بیچر کے دن میں واپس ہو کر خدمت میں حاضر ہوا، وہی اضطراب و بے چینی جو پہلے دن میرٹھ میں تھی وہی آج تیسرے دن بھی۔ میں نے عرض کی حضرت میں نے اخبار میں اعلان کر دیا ہے اور مبلغ عشر انعام کا وعدہ کر دیا ہے۔ لیکن ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے اور سودہ مل جائے، اس پر خوش ہو کر دعا دی تھوڑی دیر بیٹھ کر میں واپس آیا دوسرے دن دارالعلوم پہونچا تو سنا کہ حضرت شیخ الادب کی طبیعت بہت خراب ہے یوں تو اکثر یہ سن لیا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الادب کی طبیعت ناساز ہے مگر آج بیماری کی خبر وحشت ناک تھی۔ فوراً حاضر ہوا۔ دولت کدہ پر عیادت کرنے والے طلبہ سامندہ کا تانتا بندھا ہوا تھا، میں نے دیکھا تو حالت غیر تھی، دل کے درد کا دورہ تھا۔ شدت دروسے بے چین تھے سانس لینی دشوار تھی، بار بار اٹھ کر بیٹھے اور پھر گر پڑنے کے انداز میں لیٹ جاتے تھے کسی وقت بیہوشی اور غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی مگر فوراً ہی دروسے بے چین ہو کر تڑپ اٹھتے طلبہ، خدام اور تیمارداروں کا ایک ہجوم تھا، تیماردار لاکھ کوشش کرتے تھے کہ عیادت کرنے والوں کا ہجوم کسی طرح رکے مگر لوگ جوق در جوق حاضر ہو کر ہر ممکن طریقہ سے زیادت کی کوشش کرتے تھے۔

اس قدر بے چینی اور درد کے باوجود حضرت آستانہ رحمۃ اللہ علیہ جس وقت ہوش میں رہتے تو کلمہ شہادت زبان ہر جاری رہتا اور حب غشی طاری ہو جاتی تھی تو اب رواؤ و خریف کی تقریر زبان ہر جاری ہو جاتی تھی اس کے علاوہ کراہ، اشکایت وغیرہ کا کوئی کلمہ زبان پر نہیں آیا۔ یہی حالت پورے ۲۴ گھنٹے جاری رہی، نہ درد کی شدت میں کمی ہوئی اور نہ سکون ہوا، دوسرے دن رات کو سنا کہ کچھ تخفیف ہو گئی ہے۔ حاضر ہوا تو کوئی تخفیف نہ دیکھی، رات بھر یہی بے چینی رہی فجر کی اذان کے بعد دارالعلوم کے لاؤڈ اسپیکر نے کچھ اعلان کیا۔ الفاظ سمجھ میں نہ آئے مگر ذہن نے کوئی تاویل کر لی، چند ہی منٹ بعد میرا چھوٹا بھائی رشید الوحیدی آیا اور روتے ہوئے اس نے یہ اطلاع دے دی کہ انتقال ہو گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

میری طبیعت یوں بھی کچھ قوی نہیں ہے اور خبر بھی بڑے حادثہ کی قسم سن کر جو دل پر گزری

وہ اس سے پہلے کبھی نہ گذری تھی، افتخارِ دینیزاں دولت کدہ پر پہنچا، رات جس جگہ حضرت استادِ الاساتذہ شیخ الادب والفقہ مولانا محمد اعجاز علی کو چھوڑ کر گیا تھا وہاں چار بابائی پیر چادر سے ڈھکی ہوئی ایک لعش رکھی تھی، لرزتے ہوئے ہاتھوں سے جہرے سے چادر ہٹائی۔ نہ جہرے پر درد کی شدت کا اثر تھا، نہ دل کے درد کی وہ تکلیف تھی، نہ وہ بے چینی تھی۔ دائمی سکون و اطمینان کے آثار سے چہرہ منور تھا، ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، موت کی ادنیٰ نشانی بھی چہرہ سے مترشح نہ تھی۔ موت کے بعد بہت سے علماء و صلحا کے جہرے دیکھے جو شاداب تھے مگر اتنا منور چہرہ کسی کا نہیں دیکھا، طلبہ شدتِ غم سے بیتاب تھے، بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں تھے، بعض حضرات باوجود کوشش کے ضبطِ ہرقا در نہ تھے اور روتے ہوئے ان کی آواز نکل رہی تھی۔ رونے والوں میں ۵۰ برس کے عمر، ۶۰ برس کے بڑے۔ بوجوان اور بچے سبھی شامل تھے، کسی کو دلاسا دینے اور تسلی دینے کا ہوش نہ تھا، فخر کی جماعت کے بعد ایک طالب علم نے دارالعلوم کی مسجد میں روتے ہوئے آٹھ کرکھا: ”آج ہمارے باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور ہم یتیم ہو گئے“، ایک دوسرے طالب علم نے کہا کہ ہمارے ماں باپ دونوں مر گئے اور ہم بالکل بے سہارا ہو گئے، اس اعلانِ بہرہ تمام طلبہ بے اختیار ہو گئے اور مسجد آدھ دیکھا سے گونج اٹھی۔


جنازہ دولت کدہ پر رکھا رہا اور انتقال کے بعد سے فوراً زیارت کرنے والے اور آنسوؤں کے ذریعہ نذرانہ عقیدت پیش کرنے والے ۳ بجے شام تک لائن لگا کر ایک طرف سے آتے اور دوسری طرف سے جاتے رہے یہ سلسلہ پورے بارہ گھنٹے قائم رہنے کے بعد بھی ختم نہ ہوا، وصیت کے مطابق آبِ زمزم سے تبرکِ احرام کی چادروں اور حضرت شیخ الہند کے عامہ مبارک کافن دیا گیا ٹیلیفون اور تاروں کے ذریعہ پہلے ہی دہلی، میرٹھ، سہارنپور اور مظفر گڑھ وغیرہ میں اطلاع پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ ان مقامات سے سیکڑوں حضرات کے علاوہ مولانا حفظ الرحمن صاحب مولانا سید محمد میاں صاحب، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب اور دوسرے اساتذہ و علمائے اہل بیت تک پہنچ چکے تھے۔ نمازِ جنازہ تک ٹرین، کار، اور دوسرے ذرائع سے مذکورہ مقامات سے سیکڑوں کی تعدادیں لوگ حاضر ہو چکے تھے۔ ۳ بجے کے قریب جنازہ دارالعلوم کی مشہور درگاہِ نورہ کے سامنے لاکر رکھ دیا گیا اور دارالعلوم کے ہیبت ناک گھنٹے نے پورے شہر کو نمازِ جنازہ

کی اطلاع دی۔ دہلی، میرٹھ، سہارنپور، مظفرنگر وغیرہ سے آئے ہوئے سیکڑوں حضرات، شہر کے ہزار مسلمانوں اور دارالعلوم کے پونے دو ہزار سکّان کے ایک جم غفیر نے مل کر نماز جنازہ ادا کی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم نے نماز جنازہ پڑھائی جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی آدمیوں کا ایک سمندر سا نظر آتا تھا۔

نماز بعد، ہجوم نے میت کے آخری دیدار کے لئے یغار کی، تنظیمین کو مجمع پر قابو پانا مشکل ہو گیا، شخص جانتا تھا کہ میں سب سے پہلے پہنچوں اور زیادہ عرصہ تک بصیرت و بصارت کو زیارت سے شرف اندوز ہونے کا موقع دوں۔ خدام و کارکنان نے بعد کوشش کی کہ گھبراہٹ کو لائن لگا دی جائے مگر کوئی تدبیر نہ آئی۔ جنازے کے گرد کھڑے ہوئے مولانا حفظ الرحمن صاحب، مولانا محمد میاں صاحب، مولانا عزیز احمد صاحب بی۔ اے اور دوسرے اساتذہ و خدام مجمع سے قابو میں رہنے کی اور صبر و سکون کے ساتھ زیارت کرنے کی اپیل کر رہے تھے اور جنازہ کو صدمے سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے، کم و بیش ایک گھنٹہ تک یہ کشمکش جاری رہی۔ اور آخر جنازہ اٹھانے کا وقت آیا تو سب نے مل کر طے کیا کہ چونکہ مجمع زیادہ ہے اور ہر ایک کی خواہش ہے کہ میں جنازہ کو ہاتھ لگاؤں لہذا عام راستے کے بجائے جنازہ صدر دروازہ سے نکال کر مکمل دیوان کے سامنے سے گزرا ہوا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے مولانا حفظ الرحمن صاحب مولانا محمد میاں صاحب اور دوسرے بڑوں نے مل کر جنازہ اٹھایا، اٹھالے اور کارندوں تک آنے میں کمی منت صرف ہوئے مجمع بے تحاشا عواقب سے بے پروا ہو کر کامدعا دینے کے لئے ٹوٹ پڑا اور دہریہ تک جنازہ ایک قدم بھی نہ بڑھ سکا۔ بڑی مشکل اور کوششوں سے لوگوں سے بار بار چلا چلا کر عرض کرنے کے بعد جنازہ چوٹی کی سی چال سے آگے بڑھا، ہر قدم پر پوری کوشش کر کے ایک ایک قدم آگے بڑھتا کا ندھا دینا تو کجا جنازہ کو ہاتھ لگانا بھی آسان نہ تھا جو حضرات کوشش کر رہے تھے وہ کئی کئی مرتبہ قریب پہنچے مگر آن واحد میں پھر دور بھٹکدے گئے اور کئی مرتبہ اس طرح تھکیرے کھانے کے بعد اکثر حضرات مایوس ہو گئے، بہتوں نے کامیابی حاصل کی، جنازہ کے نیچے بھی لوگ جھکے جھکے چل رہے تھے، جو لوگ ایک مرتبہ گھس گئے انھیں آخر تک بھٹکنے کا موقع نہ مل سکا۔ جب تک جنازہ قبرستان تک نہیں پہنچ گیا۔

سب سے زیادہ دل خراش منظر اس وقت پیش آیا جب جنازہ صدر دروازے سے نکلا، اس موقع پر حضرت شیخ الادب کے کمرے کی تین قدم دروازہ کھڑکیاں ملتی ہیں جو سڑک کی جانب کھلتی ہیں اس جگہ سے گزرتا ہوا ہر شخص جب ان کھڑکیوں کے محاذ میں پہنچتا تھا تو نہایت خاموشی اور احتیاط سے اپنے کو چھپاتا ہوا گزرتا تھا، عموماً سبھی طلبہ اور غیر طلبہ کے قدم اس جگہ پہنچ کر ٹھٹھک جاتے تھے۔ آج اس قدر ہجوم اور مجمع میں بھی جب جنازہ کمرے کے محاذ میں پہنچا تو حسب عادت لوگوں کے قدم ٹھٹھکے اور ہزاروں نگاہیں بیک وقت ان کھڑکیوں کی طرف اٹھ گئیں گروہ کھڑکیاں بند تھیں اور مٹا یہ خیال آیا کہ اب یہ کھڑکیاں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی ہیں اور جس کے ادب سے چھپ کر نکلا کرتے تھے وہ آج اس کمرے میں نہیں، ہمارے کاندھوں پر ہے، اس موقع پر لوگوں کو جوش گریہ ضبط کرنا مشکل ہو گیا، پانچ منٹ کا راستہ گھنٹوں میں طے ہوا، جنازہ قبرستان پہنچا تو دارالعلوم سے لے کر قبرستان تک آدمیوں کے سلسلے میں کوئی فصل نہیں نظر آتا تھا۔

ساڑھے چار بجے کے قریب اس پیکر علم و عمل، ادب و فقہ کے آفتاب اور ۲۵ ہزار اساتذہ کے اس شفیق ترین استاذ کو اس کے محبوب استاذ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے پیروں کے پاس سپرد خاک کر دیا گیا۔ سدا رہے نام اللہ کا!



گورنمنٹ کالج

یاد رکھئے

ہر جگہ والی جیسے سونا نہیں ہوتی

شربت نشاط افروز

تمام مشروبات میں صرف

اعتماد کے قابل ہو، بہترین مفرح اور نہایت مفید

قیمت فی بوتل (۲۳ روپے) دو روپے اٹھ آنے۔ مقامی کمپنوں اور ٹرانکٹوں سے طلب کیجیے۔

انجینیاں پر دال منڈی بنارس، نظام شاہی، دو منظم شاہی، ایک حیدر آباد (۲) حبیبہ جرنیل، جی بارک

دولخا طلبہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سوانح قائمی

بانی دارالعلوم شمس الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب
 نانوتوی نور اللہ مرقدہ کی سوانح حیات کی تڑپ بر فرزند
 دارالعلوم کے دل میں مرقوں سے موجزن تھی اور
 ہر بھی خواہ دارالعلوم خواہشمند تھا کہ بانی دارالعلوم کی سوانح بھی دارالعلوم کی طرح نور افزا سے
 دیدہ و دل ہو۔

اللہ کا ہزار ہا شکر ہے کہ یہ سعادت ۷۹ برس کے بعد حضرت مولانا گیلانی مدظلہ کے حصہ میں آئی اور مولانا مدظلہ
 نے انتہائی عرق ریزی سے تین سال مسلسل محنت فرما کر یہ ایک تحفہ محبان دارالعلوم کے ہاتھوں تک پہنچانے کے قابل بنایا
 بڑا سائز، عمدہ کاغذ طباعت، ۱۱۲ صفحات، قیمت ۷/۰

حیاتِ انور

فخر المحدثین علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ کے انتقال کے پورے بیس سال
 بعد ان کی اکمال زندگی کے مختلف گوشوں اور اعلیٰ فضائل کے مختلف پہلوؤں پر یہ تذکری اور تحقیقی کتاب لکھی ہوئی ہے
 یہ مبارک سوانح حیات کسی ایک اہل قلم کی تصنیف نہیں بلکہ حضرت صاحب سوانح کے خاص خاص
 تلامذہ میں سے چند بزرگوں نے چلاؤ مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے، چند عنوانات یہ ہیں:-

(۱) افتتاحیہ سید محمد انور شاہ قیصر (۲) حالات زندگی، سید محمد انور شاہ قیصر

(۳) علامہ انور شاہ کی درسی خصوصیات، مولانا سیدنا خراسن گیلانی

(۴) حضرت علامہ انور شاہ کے افادات، مولانا محمد منظور نعمانی

(۵) اسے تو مجموعہ خوبی بچہ نامت..... مولانا سیدنا سید اکبر آبادی

(۶) حضرت شاہ صاحب کی تصانیف، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری

(۷) حضرت مولانا سید انور شاہ، مولانا اعجاز علی صاحب

(۸) حضرت شاہ صاحب مدظلہ دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی۔

صفحات ۳۵۲، مجلد قیمت (دو روپے)

اسلاف کی ایک سچی یادگار

(مولوی سید النظر شاہ صاحب بریل العلوم دیوبند)

چاندنی افسردہ، گل بے رنگ و بو، نئے اداس

اک ترے جانے سے کیا بتلاؤں کیا کیا ہو گیا

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ”اعلام الموقعین“ میں نقل کیا ہے کہ:-

”قال مالك بن نضاه مطا حاضر معاذ بن جبل الوفاة بکیت

فقال ما يبكيك؟ قلت والله ما ابكي على الدنيا كنت اصبها منك، ولكن ابكي

على العلة والایمان اللذان كنت اتعلمهما منك۔

یعنی مالک بن نضام جو حضرت معاذ بن جبل صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور تلامذہ

میں سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذؓ پر سکرات موت کی کیفیات طاری ہوئیں اور روح پاک جسد

عنصری سے پردا کیا جاتا رہی تھی۔ تو مجھ پر بے ساختہ گریہ طاری ہو گیا اور رنج و غم کے آنسو، پر غم و اندک الو

آنکھوں سے پھوٹ پھوٹ کر بہنے لگے، یہ نامعاذؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو مجھ سے دریافت کیا کہ مالک

کہوں زور ہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ — ”خدا کی نعم دنیا کے وہ منافع جو آپؐ ہم کو حاصل ہوتے

تھے اور لفظ آخر جن کا سلسلہ منقطع ہو رہا تو غم و اہم اس کا نہیں ہے بلکہ میری یہ بے یقاری و اضطراب

اس سترہ علم و ایمان کے خشک ہونے پر ہے جس سے صبح و شام ہم شنگار علم و یقین سیراب ہوتے تھے“

واقعہ یہ کہ اساتذہ الادب والفقہ حضرت مولانا اعجاز علی صاحب، رحمۃ اللہ علیہ کی موت پر

مجھ ایسے بے بضاعت و تہی دامن انسان کا غم و ملال ان دنیاوی منافع پر نہیں جن کا سلسلہ

مولانا مرحوم کی ذات سے وابستہ تھا بلکہ سینے کے اندر ترپنے والا دل اور خون کے آنسو بہانے والی آنکھ آج اسیلئے رو رہی ہے کہ شہر خموشاں کے کسی گوشہ میں ہم نے ”اعزاز علی“ کو دفن نہیں کیا بلکہ ادب فقہ، معافی و شعر، صرف و نحو، تفسیر و حدیث کے ایک گنج گراںمایہ اور ایک تلخ عزیز کو اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کیا ہے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لیم

تو نے وہ گنہگارے مگر انسا یہ کیسا کیسے؟

عطاء بن رباح نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مجلس فضل و کمال کا نقشہ یوں کھینچا ہو کہ:-

مارئت مجلساً قط اکدم من مجلس ابن عباس اکثر فقہاً واعظم

ان اصحاب الفقہ عندنا واصحاب لقمان واصحاب الشعر عندنا

یصد رھد کلھم فی داج واسع

بلاشبہ مولانا اعزاز علی نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں پہنچنے والا فقہ و ادب، شعر و معافی، قرآن و حدیث کی ایک وسیع اور فراخ داوی میں گلشت کرتا تھا فقہی جزئیات کی حفاظت، ادب و شعر پر اہکا نہ بقرن رکھنے والی شخصیت مولانا مرحوم کی تھی۔ وہ اپنے بزرگوں کا نمونہ اور ہمارے اسلاف کی ایک سچی نشانی تھی غالب مرحوم کا شعر ان کی موت پر کس قدر صادق ہے۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی

اک شمع رہ گئی تھی سودہ بھی خموش ہو

یوں تو ان کی دستار فضیلت میں جن صفات اور خوبیوں کے بہت سے دل آویز و تابدار جواہر بعل آویزاں تھے لیکن موقع کی مناسبت سے مولانا مرحوم کی چند وہ خصوصیات جن میں وہ منفرد تھے پیش ہیں۔

خدمت علم | نصف صدی سے زائد درس و تدریس کی خدمت میں علم کے طویل اور بیش قیمت

اور شاندار بابے، صبح و شام، روز و شب جس جانفشانی سے وہ درس و تدریس میں لگے رہے اس خصوصیت میں واقعہ یہ ہو کہ ان کی ہم وزن شخصیت مشکل سے مل سکے گی، خدمت علم کے لافانی

جذبہ سے وہ کچھ ایسے سرشار و مست تھے کہ رات کے آرام و راحت، سکون و اطمینان کے لحاظ بھی بڑھنے، ٹپھانے میں گزرتے، دوسروں کے متعلق کیا عرض کروں خود خاکسار کو ”نفقۃ العرب“ اور مفید الطالبین کے اسباق تین بجے شب میں یکایک جماعت کے ساتھ پڑھنے کا موقع ملا۔ انھیں ایام میں دیکھا کہ رات کی اندھیریوں میں اسانہ کی آمد و رفت ان کے قیام گاہ پر ہو اور اشکالات کا حل مولانا سے کرایا جا رہا ہے۔ رمضان المبارک کا نہانہ درس و تدریس میں گزرتا، دوسرے مشاغل کے ساتھ اسباق کا سلسلہ جاری رہتا خاص عید الفطر و عید الضحیٰ کے روز بھی مولانا مرحوم کے یہاں سبق ہوتے۔ ”علم الصیغہ“ کی بحث صفت مشبہ عید الضحیٰ کے روز مولانا نے اس ظلم و جہول کو سمجھائی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تعطیلات کے زمانہ میں مولانا کو دارالعلوم کی ذمہ داریوں سے قدرے فراغت ہوتی تھی ایسے بڑھنوں طلباء کو گھیرنے کا موقع ملتا اکثر یہاں ہوتا کہ ہمیشہ کتاب ایک گھنٹہ ہوتی تو ان ایام میں دو دو گھنٹے مولانا درس دیتے، کتاب کا جتنا حصہ ہو چکا ہوتا ایک ایک لفظ سنستے، غرضیکہ نہ خود اطمینان کا سانس لیتے اور نہ دوسروں کو ضرورت سے ناماً رام و راحت میں اوقات گزارنے کی اجازت ہوتی۔

اور اسی خدمتِ علم کے جذبہ نے مولانا مرحوم کو ایسا بے نفس کر دیا تھا کہ طلباء کے کمروں پر درس دے آنا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ ایک صاحبزادے نے پڑھنے کی خواہش کی دو بجے شب وقت طے ہوا مولانا مرحوم ٹھیک وقت پر پہنچ جاتے لیکن وہ صاحبزادے رہتے ایک ہفتہ کی مسلسل تشریف آوری کے بعد فرمایا کہ:-

”مولوی صاحب میں برا بہنچتا ہوں لیکن آپ سوتے رہتے ہیں“

اگر اکبر اس بے نفسی کے ساتھ علم کی خدمت ادب کی زبان میں ”ہنس متمتع“ ہو اور پھر مولانا اسی خدمتِ علم کے منہٹ اور لافانی جذبہ کے نتیجہ میں ”اکل حلال“ کی سعادت سے یقیناً بہرہ اندوز تھے۔

مولانا کی دوسری خصوصیت ان کی طلباء کے ساتھ ”بے پناہ شفقت“ تھی ہر ایک طالب علم کے لیے مولانا کی دلی تفتاد و آرزو صرف یہ ہوتی کہ وہ اپنے مشاغلِ علمیہ میں انہماک کے ساتھ لگا رہے وہ تمام طلباء کے لیے ایک شفیعِ عربی تھے جس کا سینہ شفقتوں کا خزینہ تھا۔ شخصیت نہایت مرعوب کن، لیکن قلب شفقت و خلوص کے جذبات سے

لبریز مگر ان کی ریشقت صرف مستعد طلباء کے لیے مخصوص تھی ورنہ بدشوق طلباء سے کبیدہ خاطر رہتے، اس پر بھی جن فن کا یہ عالم کہ جہاں بدشوق سے بدشوق طالب علم نے کتاب لے کر دیکھنا شروع کی پھر اس کو مولانا کے خزینہ شفقت سے متمع ہونے کا حق حاصل ہوتا۔ عام طلباء ہر وقت استفادہ کے لیے حاضر ہوتے بار بار دیکھا کہ وہ تھک کر بے خبر سو رہے ہیں۔ طالب علم پہنچا، مولانا جاک گئے، اور کسی ناگواری کے بغیر کتاب سہانے کے لیے میٹھ گئے، راقم الحروف اور اپنے صاحبزادہ مولوی حامد میاں کو حکم ہوا کہ رات کو گیارہ بجے کمرہ پر حاضر ہو کر ”کنسر الدقائق“ کا تذکرہ کر دو۔ جب دو ایک گھنٹے گزر جاتے تو خاک راود صاحبزادہ صرف مولانا مرحوم کو پریشان کرنے کے لیے بار بار بیدار کرتے، مقصد یہ ہونا کہ پریشان ہو کر کمرہ سے اٹھ جانے کی اجازت ہو لیکن یہ شہید علم ہماری تمام نامناسب اور ناروا حرکتوں پر آفتاب نکرتا، اور کبھی کمرہ سے اٹھ جانے کا حکم ہوتا۔ ان کی یہ بے پناہ شفقت آخر دم تک قائم رہی۔ اور سکرات موت کی کشش میں بھی مولانا طلباء کے لیے شفیق رہے۔ خاص اس شب میں جس کی صبح حضرت مولانا کے لیے پیغام اجل لے کر پہنچی ایک طالب علم جو مولانا کی نگرانی میں تھے مناظرہ کی ایک مجلس سے شرکت کے پہنچے۔ حضرت مولانا نے دریافت کیا کون ہے؟ بتلانے پر دردِ قلب کی جانگس تکلیف میں مبتلا ہونے والا یہ انسان کہہ رہا تھا، کہ

”مولوی صاحب علم یوں تھوڑے ہی آتا ہے کہ مناظرہ بازی کر لی، تقریر میں

شرکت ہو گئی۔ وہ تو ایک گوشہ میں کتاب لے کر بیٹھ جانے ہی سے حاصل ہوتا ہو“

اربابِ نظر خود فیصلہ کریں کہ ایک ضعیف البنیان انسان مدام اللذات کی گرفت میں کامل طور پر آچکا ہو، لیکن طلباء کی خیر خواہی سے لبریز دل اب بھی اپنا کام کر رہا ہے۔ اس بے پناہ شفقت کا نتیجہ تھا کہ وہ طالب علم کو صرف پڑھنے اور لکھنے میں مشغول دیکھنا چاہتے تھے۔ اسکے علاوہ طالب علم کے لیے کوئی مشغلہ اور ہنساں مولانا کے یہاں جائز نہ تھا۔ وفات سے تین روز پہلے جب کہ موت کے آثار ان کی زندگی کے کسی گوشہ سے بھی نمایاں نہ تھے۔ (اگرچہ اپنی موت کا وجدان وادراک مولانا کو ہو چکا تھا جس کا بار بار اظہار خود اس خاک را سے کیا) اپنے کمرہ میں تشریف رکھتے ہوئے ایک خاص موضوع پر گفتگو کے دوران میں اس تہی دامن سے فرمایا کہ

”مولوی صاحب آپ نے تو مضمون نگاری سیکھ لی یہ آپ کی نظر میں کمال ہو گا ہمارا تو

جی چاہتا تھا کہ تمام وقت درسیات کے مطالعہ میں گزار دیتے۔

انوس کہ اس شخصیت کے ساتھ تنبیہ کرنے والا اخلاص و شفقت کا یہ پیکر اب نظر سے اوجھل ہو گیا،
تواضع انولانا کی تیسری خصوصیت جو ان کی زندگی پر پوری طرح حاوی تھی وہ انکی ”تواضع“ تھی۔ وہ یقیناً بڑے پایہ کے عالم تھے اور ہزار ہا عقیدتمندوں کی ارادتمندیاں انکو حاصل تھیں لیکن اس کے باوجود عجب و غرور، کبر و خود نمائی ان کو چھو کر نہیں گذرے تھے۔ دتور، حلیم، ہارود قانع ہونے کے ساتھ بلا کے متواضع اور سلسلہ الزان تھے۔ مجھ کو یاد نہیں پڑتا کہ کبھی مولانا کی جوتیاں سیدھی کرنے کی میں نے کوشش کی ہو اور سکون کے ساتھ مولانا نے اسکو برداشت کیا ہو جسم دانے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو مولانا کی فروتنی ہمیشہ مانع آئی کسی خاص موقع پر دعا کے لیے کہا تو انکا جواب یہ تھا:-

”جی ہاں دعا کے لیے اہلیت شرط نہیں کا فر کی بھی قبول ہوتی ہے ضرور درگاہ“
 آنے جانے والوں کے ساتھ اس بشارت، خندہ پیشانی اور فروتنی سے ملنے کہ ان کی تواضع اور ہضم نفس سے آدمی پانی پانی ہو جاتا۔ سچ ہے کہ

تواضع زگر دون سنہ ازاں نکوست
 گد اگر تواضع کند، خوے اوست

اسی تواضع کے نتیجے میں مولانا مرحوم مروت و حسن خلق کا ایک حسین دولہا از پیکر تھے،
مروت بڑوں کی اولاد سے ایسا معاملہ کرتے جس کی مثال نظر ذرا کے گی اساتذہ و اکابر کی اولاد میں سے جو کوئی پہونچ جاتا تو سرودھ کھٹے ہو کر استقبال کرتے۔ اور ایسے تواضع کے کلمات استعمال کرتے کہ سننے والوں کو فروتنی کا عجیب سبق ملتا۔ مولانا حبیب الرحمن عثمانی مرحوم کے بھائی پہونچے تو استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ آپ مولانا مرحوم کے بھائی ہیں جن کے مجھ پر احسانات ہیں، ایک نہایت شکستہ احوال معلول الحال جسکے آباء و اجداد کے یہاں سے طالب علمی کے زمانہ میں انکا آؤدقہ جاری تھا وہ اگر کبھی سامنے آتے تو مولانا احترام و اکرام میں پیش قدمی کرتے ان پر کوئی ضرورت بیان کرتے تو اسکی تکمیل ان کے لیے ضروری ہو جاتی بغرض کہ ہر شخص کے ساتھ مروت، سیرجشی اور اخلاق کا معاملہ

مولانا کی جانب سے ضرور ہوتا۔

تقویٰ و توسع | ان مثالیں نبوی اور اخلاق اسلامی کے ساتھ مولانا مرحوم کی زندگی کا سب سے زیادہ نازناک اور زور پہلوا کا شالی "تقویٰ و توسع" تھا اور یہ تقویٰ اپنے تمام

تقاضوں کے ساتھ مولانا کی زندگی میں موجود تھا خصوصاً امانت، دیانت اور حیا کا ہر شخص ہر وقت مطالعہ کر سکتا تھا، تلبیس ادوی کے پابن، فرائض دارکان کی ادائیگی میں ایسے چست اور مستعد کہ اپنی مثال آپ تھے۔ دو چار بطویل اور خطرناک بیماریوں کو دیکھنے کا خود خاکسار کو موقع ملا۔ کرب و بے چینی کے عالم میں معاملات کو جاری رکھنا مولانا کا خاص حصہ تھا۔ اس آخری بیماری میں شب کو ڈاکٹر نے ہیکشن دیا تو ہدایت کہ پانی گھڑ استعمال نہ کریں۔ لیکن عشا کی نماز ادا کرنے کے لیے جو اضطراب ان پر طاری تھا وہ سب کے لیے حیرت انگیز تھا۔ آخر وقت تک کلمہ طیبہ و کلمہ شہادت و دوزبان رہا۔ قرآنی آیات کی تلاوت فرماتے رہے، غشی ہوتی تو ابوداؤد اور ترمذی شریف کی تقریر کرتے، اس عالم آب و گل سے اس طرح شریف لے گئے کہ بیماری کی کشمکش میں بھی اپنے تمام اوراد و وظائف مکمل کر لیے۔

عام اخلاقی کمزوریاں ان کے قریب سے نہیں گزری تھیں۔ غیبت، قیل و قال سے انکا دامن پاک تھا۔ معاصرین پر بے جا تنقید اور انکی عیب جوئی کو خلاف تقویٰ سمجھتے تھے۔ معاصی کا ارتکاب کنار ان کا تصور بھی مولانا کے لیے مشکل ہو گیا تھا۔ حیا کا یہ عالم کہ کتاب کے ان مواقع اور مباحث پر تفصیلی تقریریں ان کے لیے نامکن تھیں جن پر بولنا فطری حیا کے خلاف ہوتا جم کے ان حصوں کا بھی ستر کرتے جکا اہتمام عام علماء و صلحاء کے یہاں بھی نہیں ہو۔ غرض کہ مولانا کی موت صرف اعزازِ علی کی موت نہیں بلکہ علم و عمل، تقویٰ و توسع، حیا و انبیا، مروت و اخلاق جن خلق جن کو دار کے ایک حسین پیکر کی موت سے جھکنا لازمی ہو رہے اختیارِ عربی کا ایک مشہور شریہ یاد آجاتا ہو۔

یا غائباً فی الشری یتلی محاسنہ

(اللہ جو لیک غصہ رانا و احسانا)

ان کنت جبرعت کاسل الموت واحد

ففی کل یوم اذوق الموت الواحد

حضرت سید کا بیان ہو کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ (باقی صفحہ پر)

اعزازِ اسلام کی عنایتیں

اپنے ایک حقیقت پر خدام پر

(ڈر، مولانا نسیم احمد فریدی امرہوی)

استاذِ العلماء، اعزازِ الملتہ والدین، شیخ الادب والفقہ رحمۃ اللہ علیہ کی خبر وفات اخبار سے پہلے مجھے میرٹھ کے ایک خط سے ملی، پڑھ کر پاؤں کے نیچے کی زمین نکل گئی اس کا تصور بھی نہ تھا کہ وہ ہمارے درمیان سے ایک دم اٹھائے جائیں گے۔ اللہ اللہ۔ قیام دارالعلوم کا ایک وہ زمانہ تھا کہ ان کا دیدار ہر وقت نصیب تھا۔ یہ شیخ الادب نودہ میں بلند اور پر رعب آواز سے پڑھا رہے ہیں۔ اب شیخ الادب سبق ختم کر کے اپنے مکان جا رہے ہیں۔ مکان سے جلدی جلدی چلے آ رہے ہیں اپنے حجرہ میں پہنچ گئے۔ جماعت کے اوقات میں اپنے حجرے کو بند کر کے مسجد میں آ رہے ہیں۔ ان کے قدموں کی آہٹ اور ان کے حجرے کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں تک کانوں میں بسی ہوئی ہیں۔ وفات کے بعد دیوبند پہنچا تو نماز مغرب کے بعد صحن مسجد میں لیٹ گیا ایسا محسوس ہوتا رہا کہ جیسے حضرت شیخ الادب اب آئے اور اپنا حجرہ کھولا۔ لیکن ان کا حجرہ مقفل تھا۔ ہائے آج ہم ان کی ملاقات سے محروم ہو گئے۔ اس سے پہلے تو ایسا نہ ہوتا تھا۔ اوقات مقررہ میں ان کا حجرہ غیر مقفل ہوتا تھا کیونکہ بند کر لیتے تھے۔ دوتے دوتے حجرے کے کیوار کھولے اندر داخل ہوئے کہ ایک نورانی چہرہ نظر پڑا۔

آداؤ آئی آئی آئی تشریف لائے۔ غور سے اپنے خادم کو دیکھا اور ایک دم کھڑے ہو گئے۔ معاف کیا۔ اپنے پاس بٹھایا، تھوڑی دیر کے لیے اپنا تمام کام چھوڑ دیا۔ آج شیخ الادب کہاں چلے گئے؟ اللہ کے یہاں گئے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

دیکھئے۔۔۔۔۔ یہ ان کی قبر سرزمین دیوبند کے ”خطہ صابکین“ میں جو قاسم العلوم حضرت نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے قدوس میں جگہ پائی ہو جی بگڑا نگار ہم پھرتے ہیں وہ سوتے ہیں دفن میں۔ طلباء اور نوادار و تعزیت کنندگان کے پرے کے پرے جو حق مزار پر حاضر ہو رہے ہیں اور ایصال ثواب کر رہے ہیں۔ وفات کے بعد پہلا جمعہ آیا ہو۔ ہمت صاحب العلوم، کجرات کے سرفرے واپس آئے نماز جمعہ کے بعد دارالحدیث میں ایک پڑاثر تعزیتی تقریر فرما کر مزار شیخ الادبؒ پر پہنچے ہیں ان کے ہمراہ طلباء کا اتنا جھوم ہو کہ قبر نظر نہیں آتی۔۔۔۔۔ اب ہم ان سے قیامت میں ملیں گے ان شاء اللہ جنت میں ملاقات ہوگی مگر۔۔۔۔۔ شیخ الادبؒ کے علوم زندہ ہیں، بالکل معلوم ہوتا ہو کہ موجود ہیں۔۔۔۔۔ یوں بھی تو دارالعلوم سے باہر آنے کے بعد ان سے مدتوں ملاقات نہیں ہوتی تھی کبھی سال بھر میں کبھی دو سال میں ملنا ہوتا تھا۔ وفات سے پانچ چھ دن پہلے نو دس ماہ کے بعد اٹھافہ ملاقات ہو گئی تھی۔ بس یہ آخری ملاقات تھی۔ اس ملاقات میں خلافت عادت فرمایا کہ دیوبند سے ساتھ چلو۔ میں نے عرض کیا کہ آخر شعبان میں حاضر ہوں گا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ دوپہا دن ہی میں ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت نے جھائیں گے اور سارا پکا جہنمیر المساجد میرٹھ میں حضرت شیخ الادبؒ کی اقتدا میں پڑھ کر اگلا جمعہ دیوبند میں اس حال میں پڑھوں گا کہ نظریں شیخ الادبؒ کو ڈھونڈ رہی ہوں گی۔ سوال میں امروہہ آنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر وہ تو قبر میں جاسوئے اب کیسے آئیں گے۔ ہمارے ان کے آباء کی سرزمین ان کی سکونت سے تو محروم تھی ہی اب ان کی گاہے گاہے تشریف آوری سے بھی محروم ہو گئی۔ امروہہ سے کتنا تعلق تھا اس کو نہ پوچھئے، بدایوں میں پیدا ہوئے تعلیم میرٹھ، شاہجہانپور اور دیوبند میں پائی۔ امروہہ میں ذاتی مکان تک باقی نہ تھا لیکن آبائی وطن ہونے کی وجہ سے نسبت امروہہ کی طرف ہی کرتے رہے۔ ایک نفع فرمایا کہ ایک مدت میں نے خواب میں دیکھا کہ حافظ زاہد حسن صاحب مرحوم مجھ کو مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کی تدریسی خدمات کے لیے لے گئے میں نے وہاں پہنچ کر ابا بقا طلب کئے سب سے پہلے

کنز الدقائق میرے سامنے آئی طلباء نے کہا کہ کل سے شروع کر لیے میں نے کہا کہ آج ہی شروع کر دو۔ فرماتے تھے خوب یاد ہو کہ کنز الدقائق میرے سامنے آئی۔ بعدہ حضرت شیخ الہندؒ کو دکھا کہ وہ مجھے اپنے حکم سے دیوبند واپس لے گئے۔

اب بھی شیخ الادبؒ اپنی برزخی توجہات سے مستفیضین کو نوازا رہے ہیں۔ پہلے ان مکتوب گرامی ڈاکخانوں کی وساطت سے آنا تھا اب دل کو قاصد بنانا پڑ گیا۔

قاصد یہ تیرا کام نہیں اپنی راہ لے۔ اس کا پیام دل کے سوا کون لاسکے؟
دل اسی نامہ و پیام کے اجراء کی امید پر مطمئن ہو ورنہ فیض کی سلسلہ جنبا نی سے دل ایسے
ہو جاتا تو زندگی اجیرن ہو جاتی۔

مولانا عبدالحق صاحب ڈھانوی (رفیق سید شہید) کی وفات کی اطلاع ڈاک ذریعہ دولہ
(ڈونک) کو دیتے ہوئے سید احمد علی شہید (خام زادہ سید شہید) نے لکھا تھا کہ یہ وفات ایسا غم انگیز سا کھ
ہو کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے مسلمان کو تعزیت کرے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت شیخ الادبؒ کی
وفات بھی ایسی ہی الم انگیز ہو۔ اس کا اثر بھی صاحبزادگان اور بنیرگان سے گزر کر عالم اسلامی
کے ہزار ہا افراد پر پڑا ہے، مناسب ہے کہ مستفیضین ایک دوسرے کو تعزیت کریں۔

ایسا شفیق استاذ، ایسا مربی استاذ، ایسا دل سوز استاذ آج دنیا کہاں پایا کرتی ہو۔ اساتذہ
مقدمین کے واقعات سنے اور پڑھے تھے۔ آنکھوں سے بھی ہم نے دیکھ لیا کہ جن سید شخصیتوں سے قدمت
کو علمی و روحانی تربیت کا کام لیا ہوتا ہو وہ ایسے ہوتے ہیں

دیوبند کے زمانہ قیام میں ان کا جو مربیانہ طرز عمل تھا اس کو میں پھر لکھوں گا اب تو مجھے دلائل و
سے باہر آنے کے بعد ان کی شفقتوں کو ان کی ہی زبانی بیان کرنا ہو۔

مولوی عتیق الرحمن سنبھلی سلمہ کا مکتوب آیا کہ حضرت شیخ الادبؒ پر کچھ لکھا جائے۔ سوچتا تھا کہ کیا
لکھوں ابھی لوگوں کے تصور سے ہی فرصت نہیں۔ آنکھوں کے آنسو اگرچہ خشک ہو گئے ہیں مگر دل کی طغیانی
ہیں جاتی۔ تمہیل اگرچہ دیر سے ہو رہی ہے اور شاید تکمیل سے بھی قدمے ناکشا ہے مگر بہر حال اپنے
یہ نیکون دل کا ایک سامان بہم پہنچا لیا۔ خیال آیا کہ میرے نام حضرت شیخ الادبؒ کے جو کتب و کتابت

ہیں ان کو جمع کر لیا جائے۔ ایک دو دن کو صرف اس میں صرف ہوئے کہ جگہ جگہ سے کتابت گرامی اٹھے کیے۔ صند وٹوں میں، الماریوں میں، طاقتوں میں، کتابوں میں، تھیلوں میں اور یہ معلوم کس کس گوشے میں یہ تبرکات رکھے ہوئے تھے، تلاش کرتے کرتے خاک خاک گیا بالآخر چند کتابت مل گئے۔ بیس سال کی منتشر ڈاک میں کتابت گرامی آباد مریوں کی طرح چمک چمک کر اپنے کھنڈے والے کا پتہ بتا رہے تھے۔ ان کو پڑھنا گیا۔ دل کی پیاس بجھا تا رہا۔ اور ایک ایک بات یاد آتی گئی۔ اپنے استادِ اعظم کے خطوط احتیاط سے ایک جگہ رکھتا رہتا تو یوں پریشانی نہ اٹھانی پڑتی۔ ایک آدھ کارڈ شکن کی وجہ سے نصف رہ گیا ہو اس کو بھی حوزہ جان بنایا۔ ع پھر جمع کر رہا ہوں دلِ بخت سخت کو

ابھی تو بہت سے کتابت اور ہوں گے سامنے آتے رہیں گے اور ان کو آنکھوں سے گھاتتا رہوں گا۔ اب یہ جتنے ہیں ان کے کچھ اقتباسات پیش کرنے کا ارادہ ہو۔ پورا پورا مکتوب درج نہیں کر دوں گا۔ ہر ایک میں سے کچھ کچھ چلے ہوں گے۔ ان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بعض پہلوؤں پر بھی کچھ روشنی پڑے گی۔ میں ان کتابت کے آئینے میں ان کی عنایات دکھانا چاہتا ہوں۔ ہر چند کہ اس میں بعض جگہ میسج حق میں ایسے ہیں جن کو نقل کرتے مجھے شرم محسوس ہو رہی ہے اور اگر کوئی خوش گمان ہو تو اس کو میری غوغائی اور زیادہ سمجھ پر معمول کر لے گا۔ لیکن میں باوجود شرمندگی کے ان کے اظہار پر آمادہ ہوں یہ میسج رات کے شفقت آمیز چلے ہیں۔ یہ ان کی شرافت نفس، عظمت خیال اور استقامت قلب کے آئینہ دار ہیں اکابرانِ امان کے متعلق ایسا ہی خیال رکھا کرتے ہیں اس میں ان کا ہی کمال برآمد ہوا کرتا ہے تمام کتابت شائع ہونے کا کہاں موقع ملے گا میں ان تمام کو شائع کرنا چاہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ ایسے کتابت ہیں جو زیادہ تر شفقت آمیز یاد آوری پر مشتمل ہیں۔ میں تو بس حضرت والا سے خیریت معلوم کر لیا کرتا تھا اور ایک دو باتیں لکھ کر عرضِ بھیج دیتا تھا۔ علمی سوال نہیں کرتا تھا۔ ان کی شغلی زندگی کو پیش نظر رکھ کر میں اس کو مناسب بھی نہیں سمجھتا تھا کہ وہ سیر لیے کچھ غیر معمولی وقت صرف کریں اور اپنی علمی پر علمی سوال کا اہل بھی کب تھا۔ ان عرائض کے جواب میں یہ چند کتابت آج میری قلمی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ ع

دوستے گل را از کہ جویم حسنِ گلاب

اب یہ مضمون نہ ہوا استاد علیہ الرحمہ کے تبرکات کا ایک رقع ہو گیا۔ اپنے پاس ہو بھی گیا

یہ انھیں بزرگوں کا صدقہ ہو جو الٹا سیدھا لکھنا، بولنا آگیا ہو۔

حضرت شیخ الادبؒ اپنے اٹا از حضرت شیخ الہند نور اللہ مرتدہؒ کے حلقے کے حلقے من و عن نایا کرتے تھے انھوں نے غالباً ایک سے زیادہ بار بے سراسر اپنے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے — ”اللہ تعالیٰ کی بے بیسی سرکار ہو۔“ اس حلقے کو حضرت شیخ الادبؒ اس محبت اور جوش کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ سننے والوں پر خاص اثر پڑتا تھا، اب ہم اٹا از مرحوم کے تقریری حلقے ہو ہو پیش نہ کر سکیں تو کم از کم تحریری جیسے ہی رہی —

سیری تو یہ حالت ہو کہ حضرت والا کے ان مکتوبی جملوں کو پڑھ پڑھ کر ان کی یاد تازہ ہو رہی ہو اور دل مصروف دعائے مغفرت ہو، حضرت والا کے دیگر متوسلین بھی انشاء اللہ تعالیٰ ان جملوں سے مستفیض ہوں گے۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر کریں گے، اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الادبؒ کی مغفرت فرمائے اور کوٹ کوٹ جنت نصیب کرے۔ (آمین)

اب ان کے تحریری کلمات طیبات پڑھئے کہیں کہیں تشریح بھی ساتھ ہی ساتھ کرتا جاؤں گا۔

حضرت مولانا نعمانیؒ نے بریلی کے مدرسہ ثنائیہ کی خدمت کے لیے مجھے دیوبند سے بریلی طلب کیا۔ میں نے حضرت شیخ الادبؒ سے اجازت طلب کی بہت خوش ہوئے، وہ دالعلوم کے فارغ التحصیل طلباء کو جلد سے جلد خدمت درس میں مشغول دیکھنا چاہتے تھے جس طرح ایک باپ کو اپنے بالغ بیٹے کی گھر گھری کی فکر لاحق ہو جاتی ہے اسی طرح اس روحانی باپ کو یہ فکر ہوتی تھی کہ میرا علمی فرزند کسی طرح پڑھانے کا سلیقہ پیدا کر لے اور کسی مدرسہ میں کام کرنے لگے۔

میں ۱۳۵۷ھ میں بریلی آیا۔ سب سے پہلا مکتوب جو بریلی آیا اس کے چند حلقے یہ ہیں۔

”ہم از سلام سنون۔ دیوبند سے تو دلچ کے بعد آج پہلا عریضہ ارسال کر رہا ہوں اور وہ بھی ایک ذاتی ضرورت سے۔ میرٹھ کے مکان مل جانے سے میں تقریباً بائیس ہو گیا ہوں اس لیے یہ خیال ہو رہا ہے کہ امر وہم میں کوئی صورت ہو تو اچھا ہے۔“

(۲۰ رجب ۱۳۵۷ھ یوم جمعہ)

بریلی سے میں نے ہدایات طلب کیں تو تحریر فرمایا۔ ”آپ کو میں نصیحت کر دوں یا للہب۔“

ہاں میری یہ رائے ضرور ہے کہ آپ تعلیم میں اپنی طرف سے اسکی سعی کریں کہ طلبہ کتاب کی بات پوری سمجھ لیں اور تحصیل علم میں غنت کی طرف مائل ہوں۔ کتاب پوری پڑھا دیں اور تقریر میں انکی استعداد کا خیال رکھ کر کلمہ الناس علی قدر عقولہم کی روشنی میں کام کریں۔ اوقات درس کی حتی الامکان پابندی کریں۔ (یوم اخیر ۳۵ھ)

تساہل کی وجہ سے ارسال عریضہ میں دیر ہو جاتی تھی، اس پر کس خوب سے توجہ دلاتے ہیں۔ یہ ”آپ کے تعلیمی حالات سن کر خوشی ہوئی اس لیے دل چاہتا ہوں کہ گاہے گاہے آپ ضرور یاد فرمایا کریں۔ مولانا محمد منظور صاحب کی علالت کا حال ان کے خط تحریر فرمودہ انتخاب سے معلوم ہوا تھا میں نے ایک عریضہ ان کی خدمت میں بغرض دریافت عافیت مزاج ارسال کیا مگر اس کا بھی کوئی جواب نہ آیا کیوں ایسا تو نہیں کہ چھٹی رساں کو بھی یہ مسئلہ بتلایا گیا ہو کہ دہا ہوں، دیوبندیوں کو ہر طرح نقصان پہنچانا موجب ثواب ہے۔ براہ کرم مولانا معدودہ کی عافیت مزاج سے مطلع فرما کر نمونہ فرمائیں“ (۳۴ رمضان ۱۴۲۵ھ)

طلبہ کے سلسلے میں نصیحت فرمائی

”طلبہ پر شفقت صحیح معنی میں ہونا چاہیے، آپ نہ اتنے نرم ہوں کہ طلباء پڑھنا ہی ترک کر دیں نہ اتنے گرم ہوں کہ وہ آپ سے مایوس ہو جائیں، ضرورت ہو کہ آپ اپنے عمل سے یہ امر ثابت کر دیں کہ آپ ان کی تعلیم کو تمام امور سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں اسی طرف ان کو مائل رکھنے اور حتی الامکان سہولت کے ساتھ ان کے اخلاق کی تہذیب کیجئے اور ان کے ذہن نشین کیجئے کہ آئندہ چل کر ان کے اسلامی خدمات انجام دینے ہوں گے۔ بے غیرتی اور غیر تہذب چیزوں پر آپ کی طرف سے گرائی کا اظہار ضروری ہو۔ [۳۵ صغیر]

ایک عریضے میں حضرت والا کے احسانات کا میں نے تذکرہ کر دیا، اسکے جواب میں ارقام فرمایا۔ ”میں نے بہت دیر تک غور کیا، میری سمجھ میں نہ آیا کہ میری وہ کون سی خدمت تھی جس کا بار آپ پر اتنا ہوا ہو، اور یہ معمولی خدمت بھی اگر خالص خدمت ہی ہوتی تو آپ جو چاہتے فرمائیے لیکن ایک طامعانہ خدمت تو خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو جو کسے تیرزد — آپ ادا آپ جیسے

..... کی خدمت اگر میں نے کی ہو تو اس طبع پر کی ہو کہ آپ حضرات حسنِ خانہ کی دعا سے میری دیکھیری فرمائیں گے۔“ (۲۲ صفر ۱۳۸۴ھ)

حضرت دالاکو مددِ شفا فیہ کے ایک جلیلہ میں بریلی مدعو کیا گیا، تشریف لائے، یہاں حضرت دالاکو عطا پہلی مرتبہ شے کا اتفاق ہوا، بڑا موثر، پرجوش اور جامع وعظ فرمایا، میرا اندازہ ہو کہ عوام الٹا بھی اس سے بہت متاثر ہوئے۔ حق نے حضرت کو لکھ دیا کہ حضرت دالاکو عطا بڑا موثر تھا، اس پر تحریر فرمایا:-

”اس مرتبہ بریلی سے واپس ہو کر خیال ہو کہ آپ کو لکھوں گا کہ ہمارے اطراف میں مثل شہر ہو سوناد کی نہایت لوہاری، اپنے سرے اس سفر کی وجہ سے کفایت بھی اس قدر برداشت کیں کہ مجھ کو اس کا ہزار دان حصہ بھی آپ کے قیام دیوبند میں نہ ہو سکیں اور مدارات بھی اس قدر کی کہ مجھ کو شرم آگئی۔ اب اپنے تحریر فرمادیا کہ تیری تقریر موثر ہوئی، اگر آپ کی اس خبر میں محنت کی آمیزش نہیں ہو تو یہ تاثیر آپ کی کرامت ہوگی، ورنہ آپ کو معلوم ہو کہ میں سبق میں بھی تقریر کا عادی نہیں ہوں، میں رمضان میں حسنِ خانہ کی دعا کا منتفی ہوں۔“ (۲۶ شعبان ۱۳۸۴ھ)

بریلی سے حضرت دالاکو دیوبند تشریف لے گئے تو قیام گاہ پر حضرت کی ایک ٹوپی میرٹھ کی بنی ہوئی رہ گئی، میں نے اس کو بھجوا دیا اور یہ لکھا کہ جی تو یہ چاہتا تھا کہ اس ٹوپی کو تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھ لیتا، اس پر یوں ارقام فرمایا۔

”میری ٹوپی پہنچ گئی تھی، مگر وہ ایک اور طالب علم صاحب نے بطور تبرک لے لی اگر آپ اس کو قبول کر لیتے تو شاید زیادہ اچھا ہوتا۔ اگر دوستوں نے ٹوپی اتارنے کی رسم شروع کر دی تو کھڑکی ٹوپیاں بہت سے سرد پڑ جائیں گی۔“

[۱۳ رمضان ۱۳۸۴ھ]

میں نے بریلی چھوڑنے کا قصد ظاہر کیا تو حضرت دالانے تحریر فرمایا۔

”اگر مجبوری نہ ہو تو آپ بریلی ترک نہ کریں، مجبوری کی حالت میں انسان سب ہی

کچھ کرتا ہے۔ [حادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ]

بریلی سے مجبوری کی بنا پر امروہہ آگیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو فکر ہوئی اور تحریر فرمایا۔

”آپ کا قتل میرے لیے بہت شاق ہو، اشاعتِ علم کے کسی ذکی سلسلہ میں مشرق و مہنا ضروری ہو۔ کچھ دنوں تک جبریہ تعطل کے بعد ریکارہ منے کی عادت پڑ جاتی ہو۔ ایسے اگر ہو سکے تو امر و نہی کے کسی مدرسہ میں تھوڑا بہت تعلیمی کام شروع کر دیجئے۔“

[۱۲ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ]

ایک مکتوب میں تحریر فرمایا

”میری دلی خواہش ہو کہ آپ اپنے آپ کو مدرسے کی خداداد نعمت سے علیحدہ نہ کریں۔“

[سلسلہ ۱]

اب آگے ان مکاتیب کے اقتباسات ہیں جو مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں تعلق کے بعد آئے۔ اس حصے میں ایک تو اس کا جواب ہو کہ امروہہ کب تک تشریف آوری ہوگی۔ دوسرے حضرت والایہ چاہتے تھے کہ امروہہ میں مکان خرید لیں۔ اس کا ذکر بھی کہیں کہیں آئے گا بانی شفقوں اور عنایتوں کی بارشیں ہیں جو ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ [اب میں سوائے سنین کے تاریخوں کی ترتیب کا التزام بالکل نہیں کر دیا گا]۔

۱۔ اقام فرمایا۔

”خطا طعن کے بعد خیال ہوا کہ اگر دو چار خطا در آگئے یا اگر تقدیر مسامتت کرے اور میں آپ کی چند روزہ ہمرکابی کا فخر حاصل کر سکوں تو نا اہلیت کے باوجود اگر دلی نہیں تو صاحبِ کرامت ضرور سمجھنے لگوں۔۔۔ آپ مجھ کو زبان سے دلی نہ بنائیں قلبی توجہات صرف کر کے مجھ کو اس قابل کر دیں کہ میں دُنیا سے ایمان کی دولت ساتھ لے کر جاؤں۔

یمن کو خوشی ہوئی کہ آپ بیکار نہیں ہیں۔“ [۱۰ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ]

”میرا ارادہ ضرور ہو کہ جلد سے جلد دو چار دن کے لیے امروہہ حاضر ہوں، مگر اول تو میرے تمام ارادے ہی ”تغیرِ عالم“ کا صحیح نمونہ ہیں۔ مگر سفر کا ارادہ جس طرح کہ ہر ساعت رہتا ہو اسی طرح ہر ساعت بدلتا رہتا ہو، اس لیے میں کہہ نہیں سکتا ہوں کہ کب تک حاضری ہو سکے گی۔“

[۱۰ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ]

”دارالعلوم میں بھرا شہاب کسی قسم کا خلفاء نہیں ہو، بلکہ پہلے سے زیادہ روشنی ہو۔“

[۳۰ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ]

”منہج کالج کے مسائل میں غیر مسلم کا فیصلہ اگرچہ شرعی قواعد کے مطابق ہو شرعاً مستحب نہیں، کالج فتح نہیں ہوتا ہو۔ اور جو کالج اس طرح کر دیا جائے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام کاری ہو اس صورت میں اچھا یہ ہو کہ دیندار مسلمانوں کی ایک کمیٹی مقرر کر دی جائے، اور رسالہ حیلہ آتاجرہ کی روشنی میں فیصلہ کر دیا جائے۔“

[۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ]

”میرے عزیز دارالعلوم دیوبند میں پہلے سالہ قیام کی وجہ سے نام کے شاگردوں کی خدمت بہت طویل الذیل ہو، مگر ایسا بد قسمت ہوں کہ میری نظریں صرف چند حضرات ہی ایسے ہیں کہ جن سے محبت کی توقع ہو، ان میں سے ایک آپ بھی ہیں..... تقریر وہ خط کے متعلق اپنی عاجزی کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ امر وہ کہ کوئی معمولی جگہ نہیں ہو..... حضرت... بیسے خطباد ہاں تقریریں کر چکے ہیں تو ہم جیسوں کو مقررین کی خدمت میں داخل کرنا مناسب نہ ہو گا۔ لیکن آپ کے نزدیک یہ خط قابل قبول نہیں نہ سہی اور جب ۱۳۳۵ھ

”میرے تعلق جو الفاظ آپ نے تحریر فرمائے ہیں وہ خود سعادت مندی کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں جب خود مجھ کو اپنا صحیح علم ہو تو اس سے زیادہ اور کیا عرض کروں کہ آپ صیصے..... کا حق ظن میرے ساتھ ہو تو انشاء اللہ دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور کام آئے گا۔ شہیدیاں پاکستان ہیں، ہندوستان آنے کی سعی کر رہے ہیں۔ حامد میاں کنسر پڑھ رہے ہیں، احمدیہ مسئلہ کے دونوں بچے حفظ کر رہے ہیں۔ جس بچے کو (ارشد میاں سلمہ) آپ میرا شبیہ فرما رہے ہیں زیادہ ذہین ہو اور نسبت پڑھنے کا شوقین بھی ہو..... رہا وہ خط تو آپ کو معلوم ہو کہ مجھ کو وہ خط فی الحقیقت نہیں آتا ہو۔ دوسرے مجھ کو حیا کرنی چاہیے کہ جس مسجد میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی آرام فرما ہوں میں وہاں تعسیر کر دوں۔

[۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ]

ایاز قدردان خوش بشناس

”میں کسی مصروف کا نہ سہی، مگر میری قلبی خواہش یہ ہو کہ امر وہ کہ یہ مدرسہ اوج ترقی

پر رہے۔ اس وقت کی حاضری دشوار ہو۔ گزشتہ سال بھی دشوار تھی، مگر اس دشواری کو حضرت مولانا مدنی صحت فیضہ کے امر نے حل کر دیا تھا، اس مرتبہ ایسا نہ ہو سکا..... مختصر یہ کہ میں تو بہر صورت آپ کا خادم ہوں، لیکن چونکہ مدرسہ کا ایک ناکارہ ملازم ہوں اس لیے مدرسہ کی ضروریات مقدم ہیں۔“

(۹ شعبان ۱۲۶۹ھ شنبہ)

”ربیع الثانی کے کسی جمعہ کی حاضری کی نسبت ارشاد فرمایا ہو، انشاء اللہ آپ کے حکم کی تعمیل کر دوں گا۔ یہ صرف آپ کے حکم کا امتثال ہوگا ورنہ آپ یقین کریں کہ خطابت کے فن سے مجھ کو کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ بااوقات تنہا افسوس افسوس کا خیال قلب میں افسردگی پیدا کر دیتا ہو۔“ (۲۵ ربیع الاول ۱۲۶۹ھ جمعہ)

”میں نے ”دارالعلوم“ میں آپ کا مضمون حضرت نانوتوی قدس سرہ کی شاعری کے متعلق دیکھا دن بہت خوش ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق مزید عطا فرمائے۔“
 یکم جمادی الثانیہ ۱۲۶۹ھ
 ”سیری حلال کی خبر نے آپ کو پریشان کر دیا، بزرگوں اور اصحاب نے تار و میر سے بھی عزت افزائی کی، کثرت خط طے جواب میں تعمیل سے روک دیا۔ کسی صاحب نے صحت کی خبر شائع کر کے اصحاب کو مطمئن کیا، مگر عیادت کا سلسلہ اب تک جاری ہو۔ امید ہو کہ آپ حضرات میرے لیے حُسنِ خانہ کی دُعا ضرور فرمائیں گے۔“ (۲۵ رجب ۱۲۶۹ھ جمعہ)
 [۲۵ رجب ۱۲۶۹ھ جمعہ]

بقیہ مضمون ص ۹۳

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ابدی آرام گاہ پر تشریف لائے اور بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کہ:-

هَكَذَا يَذْهَبُ الْعِلْمُ

آج مولانا مرحوم کے مرقبہ مبارک پر کھڑا ہونے والا بھی غم دالم، حسرت دیاں کے گہرے تاثرات میں ڈوب کر کہتا ہو

هَكَذَا يَذْهَبُ الْعِلْمُ

آہ سیدِ حضرت مولانا محمد عراز علیؒ

۵ ۵ ۹ ۱

”سرشکِ خونی از محمد حسن بدر عفی عنہ“

”رحیل شیخ الفقیہ“

”آہ شیخ الادیب الفقیہ مولانا محمد عراز علیؒ“

”حیاتِ ابد شیخ الادیب“

”مسئمتہ عیسوی استادِ حدیث“

۴ ۳ ۴ ۱

۵ ۵ ۹ ۱

”سالِ مسیحی مخدوم نیکو سرشت“

”آہ اتاذی! اللہ متعک“

۵ ۵ ۹ ۱

۴ ۳ ۴ ۱

”اوتادِ بے مثال رحمۃ اللہ“

”ساعتِ سعید سالِ ہجرت“

۴ ۳ ۴ ۱

۴ ۳ ۴ ۱

”حضرت فہامہ مولانا محمد عراز علیؒ“

”آہ دردِ دل شیخ الفقیہ“

۵ ۵ ۹ ۱

۴ ۳ ۴ ۱

”اُتاذی! السلام علیکم طیبتم“

”غفر الوحید لہ“

۵ ۵ ۹ ۱

۴ ۳ ۴ ۱

”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ إِنَّمَعَ الْعُسْرُ“

”سنِ ہجری ستودہ صفات“

”از محمد حسن بدر بنفصلی“

۵ ۵ ۹ ۱

۴ ۳ ۴ ۱

”زین جہاں رفته سوسہ دارالوثاب“

”آہ شیخ فقیہ و اتاذِ ادب“

”بدر سالِ حلتش غفر انساب“

”سالِ رحلتِ جستم و آمدِ ندا“

۴ ۳ ۴ ۱

۴ ۳ ۴ ۱

تکلیف

اپنا تہ

ہماری دعوت

Hyderabad Meccah

لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اسی گھر پر اسلام کی بنیاد چڑا دو، ہمارا ایمان جو کہ یہی انسانیت کی نہات کا گھر ہے
لیکن یہ صرف ایک ہل ہی نہیں جو بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم ضلع ہے۔ وہ جس
اس بات کا عہدہ کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی ہی ہوتی
اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جیسا گئے اور مرے گئے۔
جو لوگ اس گھر پر ایمان لائے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی طرانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں اور وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت ہے جس اور اسی پر چلنا اور مڑنا چاہتے ہیں۔
فَاطِمَةُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِينَ اَنْتَ وَلِيٌّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
ثُمَّ يَنْتَقِلُ إِلَى الْخَلْقِ بِالْأَشْيَاءِ
”اَوَاةُ الْفِرْقَانِ“

مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ

مولانا محمد منظور نعمانی

اور

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی

تبلیغی تقریریں

جو ہندوستان اور پاکستان کے مختلف شہروں کے اہم تبلیغی اجتماعات میں کی گئی تھیں۔ اور جن کے مخاطب تبلیغی جماعت کے کارکن مسلم عوام اور غیر مسلم حضرات ہیں یہ ۱۲ تقریریں سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں۔

قیمت جلد دو روپے آٹھ آنے

ملفوظات

حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جسے

مولانا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی مجلس اور مخصوص گفتگوؤں سے منتخب کر کے مرتب کیا ہے علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہے، ایک ایک ملفوظا متین اور معرفت کی بندیوں سے اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

بہترین کتابت و طباعت

قیمت غیر جلد ایک روپہ آٹھ آنے

تصوف کیا ہے؟

مولانا محمد منظور نعمانی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد اویس وی کی مشترکہ تصنیف

جو اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث کے سلیحہ و کے لحاظ سے اپنے موضوع کی ضخیم کتابوں کے مقابل میں بہت ممتاز بھی گئی ہے۔

۱۵ صفحات، بہترین کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ

قیمت ایک روپہ چار آنے

قادیانیت پر

غور کرنے کا سیدھا راستہ

مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی ایک گفتگو

جس میں صرف یہ بتلایا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف

ہونے چاہئیں اور مرزا غلام احمد قادیانی میں وہ

اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف

تھے یا نہیں؟۔ بس یہی ان کو جانچنے اور پرکھنے کا

سیدھا اور آسان راستہ ہے۔

قیمت چھ آنے

ملکی کاتبہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ کھنؤ

| | | |
|--|--|---|
| ہندستان و پاکستان سے سالانہ چندہ (بیکہ ہندستان) ص ۵۰ سالانہ چندہ (بیکہ پاکستان) ص ۵۱ شش ماہی سے ۲ | الفرقان لکھنؤ قیمت فی کاپی آٹھ آنے | غیر مالک سے سالانہ چندہ ۱۰۰۰۰۰ خانگ اعزازی خریداروں کو سالانہ ۵۰ |
|--|--|---|

جلد ۲ بابۂ ماہ شوال ۱۳۷۳ھ مطابق جون ۱۹۵۲ء نمبر ۱

| نمبر شمار | مضامین | مضامین نگار | صفحہ |
|-----------|--|------------------------------|------|
| ۱ | نگاہ اولیں | علیق الرحمن سنبلی | ۲ |
| ۲ | معارف الحدیث | محمد منظور نعمانی | ۹ |
| ۳ | بینیمبر اسلام کے بعض معجزات | ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی | ۱۷ |
| ۴ | مسلمانوں کی متعدد زندگی اور اسکے اثرات نتائج | محمد منظور نعمانی | ۳۱ |
| ۵ | سفر مصر | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی | ۴۳ |
| ۶ | انتخاب | ادارہ | ۴۶ |
| ۷ | تعارف و تبصرہ | ع. س | ۵۲ |

اگر اس ○ دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا سالہ بیعہ دی رہی ارسال کیا جائیگا

چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۳۱ تاریخ تک پہنچ جانی چاہئے

پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ سکرٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریٹین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں

اور مئی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجیں

تاریخ اشاعت :- ۱۵ سالہ ہر انگریزی جینے کی ۱۵ کو روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ۲۰ تک بھی کسی صاحب

کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ اگلے رسالہ کے ساتھ کمر بھجوا دیا جائے گا

(دعویٰ) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر عریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے نکال دیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اولیں

دنیا کے اسلام کے جس خطہ پر بھی نظر ڈالئے ایک عجیب افسوس ناک منظر سامنے آتا ہے۔
 مذہب ہی ٹھیک ہے نہ دنیا ہی۔ دین سے بے اعتنائی کا یہ عالم کہ دو چار باتوں کے سوا غیر مسلم
 اقوام سے کوئی امتیاز نظر نہیں آتا۔ شرابیوں و ہاں بھی اڑتی ہیں اور یہاں بھی ہمارے ہاں بھی
 چلتا ہے اور یہاں بھی۔ قصہ دوسروں کی محفلیں و ہاں بھی گرم ہوتی ہیں اور یہاں بھی مصیبت
 و ہاں بھی علی الاعلان کہتی ہے اور یہاں بھی عورتیں شمع محفل و ہاں بھی نہتی ہیں اور یہاں بھی۔
 غرض جو کچھ دوسروں کے ہاں ہوتا ہے وہی سب کچھ اپنے یہاں بھی ہو رہا ہے۔ دنیا وی لٹا
 دیکھئے تو اپنا رنگ ساری دنیا سے نرالا ہے۔ قویں نہایت عزم و انہماک اور کیسوی اور
 ہوش مندی کے ساتھ اپنی تعمیر میں لگی ہوئی ہیں اور ترقی کی منزلوں پر منزلیں طے کرتی جیسی
 جا رہی ہیں۔ مگر ہم ساری دنیا سے آنکھیں بند رکھتے ہوئے اور اس دم آنکھیں بند کرنے کے
 انجام سے بھی آنکھیں بند رکھتے ہوئے ہمارے انہماک کے ساتھ صرف ایک کام میں مشغول ہیں۔
 اور وہ کام ہے سیاہی اٹھانے کا۔ آج ایک حکومت بنتی ہے۔ دو چار مہینے بھی نہیں ہوئے
 کہ مستعفی ہو جاتی ہے، یا بغاوت کر دی جاتی ہے۔ دو چار دفعہ یہ کھیل ہوتا ہے تو کوئی مچلا
 فوجی کمانڈر راتوں رات فوجی انقلاب کر دیتا ہے اور پھر فوجی آپس میں ہی ایک دوسرے کے
 خلاف پلے پلے فوجی انقلاب کر لے گئے ہیں۔ یہ ہے ہماری ساری قوتوں اور صلاحیتوں
 کا مصرت! پھر تعمیر و ترقی میں صرف کرنے کے لئے وقت، قوت اور صلاحیت کہاں سے آئے؟
 چنانچہ ہمارے اسلامی ملک جہاں سے چلتے ہیں سالہا سال تک وہیں رہتے ہیں کیونکہ یہ سیاسی
 اٹھانے کا جکڑا دلا تو سفر شروع کر لے نہیں دیتا اور اگر دو چار قدم بڑھ بھی جاتے ہیں تو پھر

پھر گھما پھرا کر اسی نقطہ آغاز پر پہنچا دیتا ہے۔ ہمارے ان اسلامی ملکوں میں ایسی ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ ملک کا حاکم ملٹی اپنے چند روزہ اقتدار کی حفاظت کے لئے اگر کوئی اور راستہ نہیں لاتا تو ملک کے برسوں میں ملے کئے ہوئے سفر کو کا عدم قرار دیدیتا ہے اور منزل کے سامنے کھڑی ہوئی گاڑی کو لوٹا کر واپس لے جاتا ہے جہاں سے چلی تھی۔ العرض یہ ملک دینی اعتبار سے بھی روز بروز انحطاط کی طرف چارہ لے رہے ہیں اور دنیوی اعتبار سے بھی اس قدر بے وزن اور ضحکہ خیز پوزیشن میں ہیں کہ خیال کرتے ہوئے بھی خرم آتی ہے۔ مگر جب تک اسلام کا رشتہ موجود ہے اور اس رشتہ کا احساس باقی ہے خیال کئے بغیر چارہ بھی نہیں، اس لئے دل کڑھتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ حالت بدلے۔

یہ حال کیوں کر بدلے؟ جہاں تک دنیوی زیروں حالی کا سوال ہے اس کے لئے تو ظاہر ہے کہ کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ اقتدار کی لاگ ڈور موجودہ برسر اقتدار طبقہ کے ہاتھ سے نکل کر ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئے جو اپنی قوم کے مخلص ہوں۔ وہی دینی حالت کو واقعہ یہ ہے کہ اس کی درستگی کی بھی کوئی کوشش اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتی جب تک اس طبقہ کا اقتدار قائم ہے اس لئے کہ یہ لوگ ابھی طرح جانتے ہیں کہ اگر عام قوم میں دینی رجحان پیدا ہو گیا تو قوم پھر اپنی قیادت ان کے سپرد کرنے پر راضی نہ ہوگی اور بغیر قوم کی مرضی کے اس پہلو پر وہ دور میں وہ کتنا بھی زور لگائیں یا دھاندلی کریں زیادہ دن تک اس منصب پر نہیں رہ سکتے اور سوال مرت اقتدار اور قیادت ہی کے ہاتھ سے جانے کا نہیں ہے بلکہ جب قوم کی مرضی کے مطابق اسلام کے فرمانبردار لوگ ان کی جگہ لیں گے تو پھر وہ فاسقانہ اور مہمانہ تہذیب و تمدن جس کے یہ دلدادہ ہیں اس کے لئے ملک میں کوئی گنجائش نہ رہے گی۔ اس بنا پر برہم کی بات ہے کہ یہ طبقہ دینی تحریکوں کو بھی پھیلنے پھولنے کی کھلی چھٹی نہیں دے سکتا اور اگر وہ ان کو بے اثر کرنے کی کوئی خاص کوشش نہ بھی کرے تو کیا رائج الوقت نظام تعلیم اور تمدنی ماحول کے وہ عناصر جو حاکمان کا صحیح مصداق ہیں اور وہ معصیت کوشی کا نقیب نظر پہنچے جو موجودہ نئی نسل کے اخلاق و شرف کو گمن کی طرح کھائے ڈال رہا ہے، ان تحریکوں کو بے اثر کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟ کے فی صدی ایسی سعید روحیں نکلیں گی جو اس نظام تعلیم سے تیار ہوں اور اس ماحول میں

بلیں بڑھیں اور پھر دین کی دعوت پر کان دھریں؟ کوئی نظری بات نہیں ہم میں سے ہر ایک کم و بیش اس باعث کا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ کر رہا ہے کہ موجودہ نظام تعلیم اور تمدنی ماحول کس پیمانہ پر دین سے بغاوت یا غفلت کی تخم ریزی کر رہا ہے حتیٰ کہ اچھے اچھے دینی گھرانوں کے چشم و چراغ بھی اس بل بے پناہ میں تنکوں کی طرح بیٹھ نظر آتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ اس طبقہ کی حکومت سے اس بات کی کبھی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس نظام تعلیم و تمدن کی اصلاح و تطہیر کرے اور ان تمام چیزوں کے خلاف اپنے قانونی اختیارات استعمال کرے جو قوم کو منکرات و معاصی کی طرف راغب کرتی ہوں اور آخرت فراموشی کا باعث بنتی ہوں۔ اس لئے قوم میں وسیع پیمانہ پر دینی زندگی پیدا کرنے کے لئے بھی بہر حال اس بات کی ضرورت ہے کہ اقتدار کی ہاگ ڈور اس طبقہ کے ہاتھ سے نکل کر ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئے جو اصلاحی کوششوں کی راہ سے ان موانع کو ہٹائیں۔

یہ جو ہم بعض اسلامی ملکوں میں دیکھتے ہیں کہ دینی اصلاح کی کوئی تحریک اٹھتی ہے اور خاموشی کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے انداز پر کام شروع کرنی ہے لیکن کچھ عرصہ بعد اس میں حکومت کی اصلاح کا رجحان بھی پیدا ہونے لگتا ہے وہ اصل میں اسی ضرورت کے احساس کا نتیجہ ہے وہ لوگ کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد یہ محسوس کرتے گئے ہیں کہ ملکی زندگی کے ہر گوشہ میں فسق و فجور کے ایسے قوی محرکات پل رہے ہیں کہ ان کی موجودگی میں قوم کی غالب اکثریت جو بہت عرصہ سے غفلت میں مبتلا ہے ہماری دعوت و تبلیغ سے پوری طرح متاثر نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ملکی زندگی کا عام ڈھانچہ کچھ اس طرح کا بنا ہوا ہے کہ اس میں دین پر چلنا مشکل ہو نیکی مشکل ہے اور بُرائی آسان ہے کوئی شخص اگر عام زندگی سے تعلق رکھ کر دین کے احکام و ہدایات کا لحاظ رکھنا چاہتا ہے تو اکثر اوقات تکلیف بھی اٹھاتا ہے اور نقصان بھی اس لئے بہت سے اشخاص بادیہ و خواہش کے دینی احکام کا اتباع نہیں کر پاتے مثال کے طور پر اگر ایک شخص کو اپنا کوئی حق حاصل کرنے کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے تو خواہ اس کا کیس کیسا ہی صاف اور مضبوط کیوں نہ ہو اسے تصورِ بہت جھوٹ بولے بغیر اور جھوٹی گواہیوں کا سامنا کر کے بغیر اس کا حق نہیں مل سکتا۔ اب یا تو آدمی اپنے حق سے صبر کرے اور یا پھر

جھوٹ کا ارتکاب کرے۔ اس لئے وہ اپنی اصلاحی کوششوں کی کامیابی کے لئے اپنے کو اس امر کی کوشش کے لئے بھی مجبور پاتے ہیں کہ ملک کا اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئے جو معاشرے سے فسق و فجور کے محرکات دور کرنے کی تدابیر اختیار کریں۔ اور ملک کا نظام ایسا بنانے کی کوشش کریں جس میں نیکی کی راہ پر چلنا مشکل کے بجائے آسان ہو جائے۔ بعض حضرات اس جدوجہد کو بجائے دینی جدوجہد کے ایک تخریبی جدوجہد قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک مسلمان حکومت سے کشمکش لازم آتی ہے۔ آج کی صحبت میں ہم اسی مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ کیا کوئی ایسا کام کرنا جس کے نتیجے میں کسی مسلمان حکومت سے کشمکش لازم آتی ہو، بہر حال ایک تخریبی عمل ہے؟

اس سلسلہ میں صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے ہمارے خیال میں مندرجہ ذیل سوالات پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) اس جدوجہد کا مقصد کیا ہے؟

(۲) دینی نقطہ نظر سے وہ مقصد کیا ہے؟

(۳) اس مقصد کے حصول کے لئے اس قسم کی جدوجہد ناگزیر ہے یا نہیں؟

۱۔ اس جدوجہد کا مقصد جیسا کہ اوپر اچھی طرح واضح ہو چکا ہے یہ ہے کہ مسلمانوں کی سرزمین سے ایسے اسباب اور ایسے حالات کا خاتمہ کیا جائے جو ان کو فسق و فجور اور غیر اسلامی زندگی کی طرف کھینچنے والے یا اس پر مجبور کرنے والے ہیں۔

۲۔ ہمارے خیال میں اہل دین میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ بنگلے گا جو اس مقصد کو دینی نقطہ نظر سے صرف صحیح ہی نہیں بلکہ مستحسن نہ قرار دے۔ اس لئے اس پر کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۔ تیسرے سوال کا بھی جائزہ لیجئے تو یہ بات تقریباً بدیہی نظر آتی ہے کہ ان اسباب و حالات کو دور کرنے کیلئے موجودہ برسر اقتدار طبقہ کے اقتدار کا خاتمہ ضروری ہے کیونکہ ان اسباب و حالات سے اُسے ذاتی دلچسپی ہے اور جب تک بات اس کے اختیار میں ہے

ایسے اسباب و حالات میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہوتا رہے گا اور اس کی لچکپی کی مثالیں اس کثرت کے ساتھ سامنے آتی رہتی ہیں کہ ان کی تردید کی جاسکتی ہے نہ تاویل بمقتصر الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ قوم میں ذوق گنہ کی ہرورش کرنے میں ان ارباب اقتدار کا اہم حصہ ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کی ہرورش یہ ملک کے مالک و مختار کدیں اُسے ختم کرنے کی کوئی صورت ان کے خاتمہ کے بغیر کیسے ممکن ہے!

تعجب ہے کہ ان حقائق کے باوجود اس جدوجہد کو دینی جدوجہد کے بجائے شخصی ٹھہرانے کے کیا معنی ہیں؟

رہ جاتی ہے یہ بات کہ اس سے ایک مسلمان حکومت سے کشمکش لازم آتی ہے، تو آخر یہ کون سا گناہ ہے۔ اگر یہ جدوجہد غیر آئینی طریقوں پر کی جائے اور طاقت کے ذریعہ حکومت کو بدلنے کی کوشش کی جائے تب تو کہا بھی جاسکتا ہے کہ اس سے مسلمانوں میں باہمی کشت و خون ہوگا لیکن اگر آئینی ذرائع سے یہ جدوجہد کی جائے تب اس میں کیا قباحت ہے؟ ایک زمانہ تھا کہ جب حکومت کو بدلنے کا کوئی آئینی ذریعہ نہ تھا اور ارباب اقتدار اگر منصب اقتدار چھوڑنا نہ چاہیں تو ان سے چھڑانے کی کوئی صورت بجز طاقت کے استعمال کے نہ تھی مگر آج جبکہ جمہوریت کا دور دورہ ہے اور حکومت کے نصب و عزل کے لئے قوت بازو سے بجائے دوش کی طاقت کافی ہے اور خود حکومتیں عوام کا یہ آئینی حق تسلیم کرتی ہیں کہ وہ جس کو چاہیں منصب حکومت پر بٹھائیں اور جس کو چاہیں اتاریں تو پھر کیوں نہ اس حق سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے۔ جب یہ آئینی حق نہ تھا تو امت معذور تھی، اگر اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو مسلمانوں کے اولی الامر ہونے کے لائق نہ تھے مگر آج جب کہ یہ حق حاصل ہے اور بغیر قتال بن المسلمین کے حکومت بدلی جاسکتی ہے تو پھر اقتدار کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑے رکھنے کے کوئی معنی نہیں ہیں جو مسلمانوں کی دنیا بھی برباد کر رہے ہیں اور عقبی بھی۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ اس آئینی جدوجہد میں بھی بعض غیر آئینی صورتیں پیش آجاتی ہیں اور کبھی کبھی معرکہ دار و رس نہا ہو جاتا ہے، مگر کلی اور غیر جانبدار آنکھوں سے دیکھنے والے جانتے ہیں کہ اس غیر آئینیت کا اور کجکاب یہ ہمارے حکمران ہی کرتے ہیں۔ یہ تو کہ نہیں سکتو

طو بہرہ ان اسباق کی ترتیب و تدوین کے لئے ادارہ نے پاکستان کے پانچ ذمی علم حضرات پر مشتمل ایک بورڈ قائم کیا ہے جس میں سرفہرست نام مولانا خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی کاتب ہیں امید ہے کہ یہ رسائل اہم کو درس قرآن دینے کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔۔۔۔۔ سالانہ چندہ پانچ روپے ہے۔ فی بدھ ۱۰۰۔۔۔ ہندوستان میں جو حضرات اس کی خریداری قبول فرمائیں وہ اپنا چندہ دفتر الفرقان کو بھیج سکتے ہیں مگر اس کی اطلاع براہ راست ادارہ کو ضرور دیدیں۔

ایک ضروری اطلاع

۱۔ اسی کو ہمیں یکا یک دفتر الفرقان کی عمارت ۳۳ گون روڈ بعض ناگزیر حالات کے تحت چھوڑ دینا پڑی ہے۔ ابھی تک کوئی مناسب جگہ فتر کے لئے نہیں مل سکی ہے۔ اس لئے فی الحال پتہ میں صرف اتنی تبدیلی ہوگی کہ ۳۳ نہیں لکھا جائے گا باقی پورا پتہ سروسٹ وہی رہے گا یعنی گون روڈ لکھنؤ۔ اس پتہ سے تمام ڈاک میں بھجائے گئے پتے سروسٹ۔۔۔۔۔ دفتر کی عمارت کا نیا انتظام ہونے کے بعد اطلاع دیدی جائے گی۔۔۔۔۔ ملنے کی غرض سے تشریف لانے والے حضرات رہائشی پکڑ تشریف لاسکتے ہیں جس کا پتہ یہ ہے۔

پس پشت قدوائی ہو میو بی بی ٹیک اسٹور کچہری روڈ لکھنؤ

کچہری روڈ، گون روڈ سے بالکل متصل ہے اور یہ مکان سڑک کے اس سرے پر واقع ہے

خاکسار

جو گون روڈ سے ملتا ہے۔ والسلام

عقیق الرحمن

مدیر الفرقان مولانا محمد منظور صاحب نعمانی سے ذاتی خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے

مرکز اصلاح و تبلیغ کچہری روڈ۔ لکھنؤ

موصوف کا مستقل قیام مرکز ہی میں رہتا ہے

معارفِ احادیث

— (سلسلہ) —

صبر و شکر

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوشگوار بھی ہے اور ناخوشگوار بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی برکات سے اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہیے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آجائے تو وہ مایوسی اور سرسراہٹ کی فکر نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر و ثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے، اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔ اسی طرح جب ایسے حالات سامنے آجائیں اور انکی چاہتیں انکو مل رہی ہوں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میں ہوں تو بھی وہ اُس کو اپنا کمال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے، اس لئے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی ترویج اور تعلیم دی ہے۔ اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہو اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہو کہ وہ کبھی مصیبتوں اور نا کامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اس کی جان

(تشریح) جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتدا ہی میں ہوتا ہو اور نہ کچھ دن گزرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی زائل ہو جاتا ہے، اس لئے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اسکی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اُسی کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں ہو۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا تو اللہ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اسکے صبر کے ثواب میں دینے پر خود خدا تعالیٰ راضی نہ ہوگا۔ اللہ اکبر! کتنی گریبانہ انداز ہے، براہ راست بندہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے ابی آدم جب تجھے میرے تقدیر پر حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیے بغیر میں راضی نہ ہوں گا۔ گویا اس صبر کی وجہ سے بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہو سکے۔

(د) جب کسی بندہ خدا کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کر کے صبر کر لے تو انشاء اللہ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔

(۸۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ مَنْ أَصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فِي مَالِهِ أَوْ فِي نَفْسِهِ فَلَمْ يَشْكُرْهَا إِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَجْزِلَهُ۔

رواہ الطبرانی فی المعجم (جمع النوادر)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں ارشاد فرمایا کہ جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور لوگوں سے شکوہ نہ کمايت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہو کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔

(معجم الطبرانی)

(تشریح) صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہو کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو اور ایسے صاحبوں کے لیے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا ذمہ لیا ہے۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ ان مواعید پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توسیع عطا فرمائے۔

(۸۶) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَرَعَلَّتْ ابْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ أَنْ ابْنَانِي قُبِضَ فَأَتَيْتَاكَ أَرْسَلْتَ يَقُولُ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّ اللَّهَ مَا أَخَذَ ذَلِكَ مَا أَعْطَى وَكُلَّ عِنْدَكَ بِاجِلٍ مَسِيٍّ فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تَقْسِمُ عَلَيْهِ لِيَأْتِيَهُمَا قَافَاً وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمَعَادُ بْنُ جَبَلٍ وَابْنُ بَنِي كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرَفَعَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبَبِيَّ وَنَفْسَهُ يَفْقَعُ فَوَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا هَذَا فَقَالَ هَذَا سَرَحْمَةُ جَعَلَهَا اللَّهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ فَأَتَانِي رَحِمُ اللَّهِ مِنْ عِبَادِهِ الْمُتَحَمِّمَاءِ

رواہ ابن ہادی و سلم

(ترجمہ) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہلا کے بھیجا کہ بیسے سزجی کا آخری دم ہو اور چل چلاؤ کا وقت ہو لہذا آپ اس وقت تشریف لے آئیں آپ نے اس کے جواب میں سلام کہلا کے بھیجا اور پیام دیا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اسی کا ہے اور کسی کو جو کچھ لے وہ بھی اسی کا ہو۔ ان عرض ہر چیز ہر حال میں اُسی کی سے اگر کسی کو دیتا ہو تو اپنی چیز دیتا ہو اور کسی سے لیتا ہو تو اپنی چیز لیتا ہو) اور ہر چیز کھلے اس کی طرف سے ایک کھٹ اور وقت تقریباً دو دفعہ کے آجانی پردہ چیز اس کیلئے نکالی جاتی ہو، پس چاہئے کہ تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس صبر کے اجر و ثواب کی طالب ہو۔ صاحبزادی سحر نے پھر آپ کے پاس پیام بھیجا اور کہہ دی کہ اس وقت حضور ضرور ہی تشریف لے آئیں، پس آپ اٹھ کر چل دیے اور آپ کے صحاب میں سے سعد بن عبادہ اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب

وَلَا يَدْرِي فَعُحْ حُذْنَا وَمَا هُوَ كَا زِلُّ فَكُنَا قَدْ دَلَّاسَا

روادہ الطبرانی فی الکبیر والاصط (تبع الفوائد)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ اُن کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہ تعزیت نامہ لکھوایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔۔۔۔۔ اللہ کے رسول محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام۔۔۔۔۔ میں پہلے اس لڑکے کی تم سے حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (بے لڑاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ کا اجر عظیم دے اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے۔ اور تم کو آدمیوں کی برکتوں کی توفیق دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اُس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا، اور جب اُس کی شیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا، اور وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہو، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی نیکو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضا، الہی کی نیت سے صبر کیا۔۔۔۔۔ پس اُسے معاذ صبر کردہ اور ایسا ہو کہ جزع و فزع تمہارے اجر کو غارت کر دے اور پھر یقین نہامت ہو (کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی رہی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا نہیں آتا اور اس سے دل کا رنج و غم دور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے، بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔

والسلام (مجموعہ کبیر و اصغیر)

(تشریح) قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے ارشاد ہے اُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عزائیت ہوگی اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے اور وہ ہدایت یاب ہوں گے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ”اگر تم نے ثواب اور رضا و الہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا تو تمہارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہو“

(ف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعزیت نامہ میں ہر اس صاحبِ ایمان بندہ کے لیے تعزیت و نعیوت اور تسلی تشفی کا پورا سامان ہو جس کو کوئی صدمہ پہنچے، کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایمان افروز تعزیت و نعیوت سے نکلن حاصل کریں اور رب و شکر کو اپنا شہسار بنائیں۔

(۸۸) عَنْ أُمِّ الدَّيْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُولُ سَمِعْتُ
أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ
وَتَعَالَى قَالَ يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ خُذْ هَذِهِ أُمَّةً إِذَا صَابَهُمْ
مَا يُحِبُّونَ حَيْدُ وَاللَّهِ وَإِنْ صَابَهُمْ مَا يَكْرَهُونَ احْتَسِبُوا
صَبْرًا وَلَا حِلْمًا وَلَا عَقْلًا فَقَالَ يَا نَبِيَّ كَيْفَ يَكُونُ هَذَا
لَهُمْ وَلَا حِلْمًا وَلَا عَقْلًا قَالَ أُعْطِيَهُمْ مِنْ حِلْمِي وَعَقْلِي -

(رواه المصنف في شعب الإيمان)

(ترجمہ) حضرت ابوالدرداءؓ کی بیوی ام الدرداءؓ سے رویہ ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے میسر نہ رہا ابوالدرداءؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ بیان فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھ سے جدا کیا، اُمّت پیدا کروں گا جس کی سیرت یہ ہوگی کہ جب ان کو ان کی چاہت اور خواہش کے مطابق نعمتیں ملینگی تو وہ جہنم کے لئے معمور ہو کر اللہ کی حمد و ثناء کریں گے اور جب ان پر نمانوش ہو اور احوال اُن میں گم ہو تو وہ صبر سے اُن کا استقبال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب ہوں گے، خداوند تعالیٰ میں کوئی نقص نہیں کرے، بردباری اور انشمنہی نہ ہوگی۔۔۔۔۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ جب ان میں بردباری اور انشمنہی نہ ہوگی تو اُن سے خوشحالیوں میں ملے گا اور مصائب پر صبر کریں گے ہو گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اُن کو اپنے علم اور اپنے علم میں کچھ حصہ دوں گا۔۔۔۔۔ (شب الايمان للبقی)

(تشریح) مصیبت میں ایسے دلگیر اور سرسیمہ ہونے اور فتنے اور غم و حلقہ میں مست ہونے کی اصل حقیقت کہ اور بخدا کہی جہوں جان انسانوں کی حاکم کفروری ہے، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا ہے، "إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ خَلُوعًا إِذْ أَمْسَهُ الشُّرُوعُ عَا"

وَإِذْ أَمَرْنَا النَّارِيَّاتُ مَنُوعًا۔ اب اگر کسی اُمت اور کسی گھر و دیہت کی سیرت ایسی ہو کہ وہ مصیبتوں میں صابر اور نعمتوں پر شاکر ہو تو اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل ہو اور یہ اس کا بڑا امتیاز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام صحابہ اور فروع و ابدال کے صلحاء و مومنین کو اللہ تعالیٰ نے جو حسنات و روحانی صفات عطا فرمائیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُن کو صبر و شکر کی دولت سے بہرہ ور فرمایا اور اُن کے اس صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت اور علم کی وسعت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اُس نے اپنے علم و حکم کے کچھ ذرّے ان بندوں کو عطا فرمادیے ہیں اور یہ صبر و شکر اُن کی ثمرات ہیں۔

جس طرح اس اُمت کے اور بہت سے امتیازات اور نصائص کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء و سابقین سے فرمایا اسی طرح صبر و شکر میں اس کے امتیاز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ انسانوں کی روحانی تربیت اور سیرت سازی کا جو کام انھوں نے اور اُن سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے کیا اُس کی تکمیل اُن کے بعد آنے والے اللہ کے پیغمبر کے درمیعہ ہونے والی ہے اور اُس کے نتیجہ میں ایک ایسی اُمت کی اُمت ظہور میں آنے والی ہے جو صبر و شکر کے مقام پر فائز ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے علم و حکم سے وہ بہرہ واپا ہوگی۔

حج و زیارت کے متعلق ایک درجہ پروردگار کتاب

آپ حج کیسے کریں کیفیتیں بھی پیدا کرتی ہیں جو حج کی روح اور جان ہیں درجہ کے اعمال و آداب اور اسکے طریقے کے بارے میں بھی پوری رہنمائی کرتی ہیں۔ حج کو جاننے والے جو خوش نصیب حضرات مغربیں ہو اپنے ساتھ اور اپنے مطالعہ میں رکھیں گے انھیں ایسا محسوس ہوگا کہ اللہ کا کوئی بندہ ان کا ساتھ پکڑے ہوئے ہو اور اپنے ساتھ عاشقانہ اور سنونو جی ادا کر رہا ہو۔ اور جو حضرات گھڑ بیٹھے اس کا مطالعہ کریں گے انھیں صرف اس کے پڑھنے ہی سے حج و زیارت کی بہت کچھ لذتیں حاصل ہوں گی کہیں کہیں تو انھیں بالکل ایسا محسوس ہوگا کہ حج و زیارت کی روح بردار نظر آئے اور گردن دیکھنے کی روانی جلتی ہو جائے۔ انہی اکٹوبہ سے دیکھ رہے ہیں۔ اس سے ان کے ایمان والے دلوں میں حج و زیارت کا پچا شوق اور جین پال کی جھڑی کی لگاؤ طلب انداز پر پیدا ہوگی جو انشاء اللہ رنگ و لائی کی قیمت سے بہرہ مند ہونے کا پتہ دے۔ مکتب خانہ القرآن کوٹن روڈ لکھنؤ

پیغمبر اسلام کے بعض معجزات

(از ڈاکٹر محمد آصف صدیقی)

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ

(اور ہمارے پیغمبروں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر گئے۔)

(القرآن : مائدہ)

معجزات: اُن مافوق العادت افعال کو کہتے ہیں جو بحکم الہی انبیاء علیہم السلام سے صادر ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں بہت سے پیغمبروں کے معجزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور دوسرے مذاہب کے صحیفوں میں بھی اس قسم کے اُن گنت واقعات پائے جاتے ہیں۔ اور یہ کچھ انبیاء ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ دوسرے بزرگان دین بھی فوقاً خدا کے حکم سے اسباب و علل کے کارخانوں پر غالب آتے رہتے ہیں۔

عام اصطلاح میں جو عجائب و خوارق انبیاء کے ہاتھوں ظاہر ہوتے ہیں ان کو معجزات اور جو اولیائے کرام سے صادر ہوتے ہیں اُن کو کرامات کہتے ہیں۔ مگر حقیقت لفظ 'معجزہ' کا استعمال زیادہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ جس مفہوم کا حامل ہے اُس سے اس کے خود پیغمبر کے فعل کرنے کی غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں کسی جگہ معجزہ کا لفظ نہیں استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس کے بجائے آیت (نشانی) اور برہان (دلیل) کے الفاظ سے کام لیا گیا ہے۔

یہاں معجزہ اور سحر کا فرق بھی جان لینا ضروری ہے۔ سحر ایک ہنر، ایک علم ہے جسے سیکھا جاسکتا ہے جبکہ معجزہ کسب و اختیار سے باہر ہے۔ اور جس طرح نبوت محض ایک عطیہ ربانی ہے،

معجزہ بھی کسی خیالی توجہ و تصرف یا "زور بازو" سے تعلق نہیں رکھتا چنانچہ طبعی و نفسی اسباب کا نتیجہ ہو۔ اور معجزہ براہ راست خدا کی مشیت اور قدرت کی پیداوار۔ اس کے علاوہ شعبہ گری کا مقصد محض تعجب طبع ہوتا ہے، اور معجزہ سے مقصود نبوت کی تصدیق اور دین کی تبلیغ ہوتی ہو اور اسی لیے ساحر و سحر کا اخلاقی معیار بلند ہونا بھی ضروری نہیں، اور نہ وہ اس کا دعویٰ ہی کرتے ہیں۔

مولانا آدم نے معجزہ اور سحر کا تعلق اس طرح بیان فرمایا ہے :-

سحر را با معجزہ کردہ قیاس ہر دو برابر محکمہ پندار و اساس
ذکر قلب و زبانی سحر کو در حیا بے محکمہ ہرگز نہ دانی ز اعتبار
ہر کرا در جہاں خدا بند محکمہ ہر یقین را باز وادند اور شک
ہوئے شود از رنج و علت دل سلیم طعم صدق و کذب را باشد علیم
کیا معجزہ واقعی ممکن ہیں؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہو کہ اگر ممکن نہ ہوتے تو واقع کیونکر ہوتے
اور اگر واقع ہونے کی بابت شک کیا جائے تو پھر اسے معجزات ہی تک کیوں محدود رکھا جائے
اور تاریخ کے دوسرے واقعات کیوں متشکک کر دیے جائیں۔ رہی یہ بات کہ ان واقعات کا ہونا کچھ
میں نہیں آتا، تو جو چیز سمجھ میں نہ آتی ہو اس کی واقعیت سے انکار کر بیٹھنا یہ بھی تو تقاضائے عقل
نہیں ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ :-

"عالم کی تاریخ آپ کے سامنے ہو جس میں اگر قوموں کے روحانی مصلوب
کے حالات و سوانح غور سے پڑھیں تو آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا کہ وہ وہ کچھ دیکھتے
تھے جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ وہ وہ کچھ سنتے تھے جو ہم نہیں سن سکتے۔ وہ وہ کچھ
جانتے تھے جو ہم نہیں جانتے سکتے۔ اور ان سے وہ اعمال بھی صادر ہوتے تھے جو کسی
اور سے نہیں ہو سکتے۔ یہ تاریخی واقعات میں جہاں سے انکار کرنا اسی طرح ناممکن ہے
جس طرح سکندر اور نپولین کے فتوحات اور بدھ اور عیسیٰ علیہما السلام کے
وجود سے۔"

وہی ان خوارق کی منطقیانہ توجیہ و تعلیل تو اس پر بے شمار اوراق سیاہ کیے جا چکے ہیں۔ یونانی فلاسفہ سے لے کر ہیوم، ہیکل، ہیکلے، اور ولیم جیمز تک سبھی مفکروں نے اس بحث میں حصہ لیا ہے۔ جس کا خلاصہ بھی اس مختصر مقالے میں پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔ سیرۃ النبی کی تیسری جلد میں فلسفہ قدیم کے نظریات کی تشفی بخش تشریح کی گئی ہے، اور جدید فلسفہ کے نظریات پر پروفیسر عبدالباری ندوی کا ایک مقالہ بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔ انیسویں صدی کے سب سے زیادہ مشہور ماہر نفسیات ولیم جیمز کی کتاب ”دائمنہ لذت ریٹینس آپیرینس“ بھی اس سلسلہ میں مطالعہ کے لائق ہے۔ مجرور پر یقین آنے کی پہلی شرط خدا اور غیب پر یقین ہے۔ قدرت خداوندی پر ایمان لائے بغیر معجزات کی صداقت کا دلی نشین ہونا محال ہے اور ایمان لے آنے کے بعد کوئی چیز مانع یقین نہیں رہتی۔ انگلستان کے مشہور منطقی ولیم اسٹانی جونس نے ایک نہایت ضخیم کتاب اصول سائنس کے نام سے لکھی ہے جس میں انھوں نے آخری نتیجہ یہ نکالا ہے کہ:

”اور پر علم سائنس کی حقیقت و نوعیت کے متعلق جو ہمیش گزری ہیں ان سے ایک نتیجہ جو نہایت صاف طور پر نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کا رخاۂ فطرت میں مداخلت خداوندی کے امکان کو کسی طرح باطل نہیں ٹھہرا سکتے..... جس قدرت نے کائنات مادی کو خلق کیا وہ میرے نزدیک اس میں حذت و اضافہ بھی کر سکتی ہے۔ اس قسم کے واقعات ایک معنی کر کے، ہمارے لیے ناقابل تصور رکھے جاسکتے ہیں پھر بھی یہ اس سے زیادہ ناقابل تصور نہیں ہیں جتنا کہ خود عالم کا وجود ہے۔“

گویا دوسرے الفاظ میں، خالق فطرت خلقات فطرت بھی کر سکتا ہے اور کبھی کبھی انہی شان کبریائی کا مشاہدہ اور تجربہ کرانے کے لیے ایسا کر بھی دیتا ہے۔

(۲)

یوں تو انبیاء کا سراپا وجود وہی ان کے مغیب جلیل کی تصدیق کے لیے کافی ہوتا ہے لیکن عام طور پر یہ خیال رائج ہے کہ اخبار بالغیب اور تصرف فی الکائنات نبوت کے ضروری اجزاء ہیں۔

اور نبی وہی شخص ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف سے امورِ غیب کی اطلاع رکھتا ہو اور جس سے خوارقِ ظاہر برپا ہوتے ہوں۔

چنانچہ اس قدیم عقیدہ کے ماتحت کہ انبیاء کے ساتھ کوئی مافوق الفطرت قوت ضرور ہوتی ہو معجزے نبوت کی منطقی دلیل نہ سہی نفسیاتی دلیل بلاشبہ ہو جاتے ہیں۔

معجزے بذاتِ خود نہ مقصود ہیں نہ مطلوب، کیونکہ انبیاء کا اصلی کام حادات اور نباتات پر تصرف کرنا نہیں، بلکہ دلوں میں تبدیلی کرنا ہے۔ معجزوں کی حیثیت بس ایک ذریعہ کی ہے کہ وہ لوگوں کے قلوب کو خدا کی طرف موڑنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو انبیاء کی زندگیوں کا ہر باب خود ایک معجزہ نظر آئے گا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام کا قریش کی پیہم سازشوں کے باوجود زندہ و سلامت رہ کر دین کی تبلیغ کرنا، اُمتی ہونے کے باوجود فسادِ انجسید جیسی فضیض و تبلیغِ کتاب کا حامل ہونا، محدود و مسائل کے باوجود دشمنوں کے عظیم الشان لشکروں پر میدانِ جنگ میں غالب آنا اور بالآخر تمام کا دلوں اور مخالفتوں پر غالب آکر اشاعتِ دین میں بے مثال کامیابی حاصل کرنا وغیرہ۔۔۔ ان میں کون سی بات آپ کی ذات کی معجز نہائی پر دلالت نہیں کرتی، مگر ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق سوچتا اور سمجھتا ہے۔ چنانچہ آپ کے ادلیں مخاطب قریش کہ کی بڑی تعداد کا یہی حال تھا کہ ان سب چیزوں سے بھی ان کو اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ اور مددِ برابر خوارقِ ہی کے لیے اصرار کرتے رہے۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا ۖ إِنِّي مُنْعِمٌ بِكُمْ مِنْ الْمُنْتَظِرِينَ ۝ (یونس ۲۰)

وَيَقُولُوا الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْوَلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۖ

”اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی طرف سے اس پر کوئی نشان کیوں نہیں اُترتا۔ اے پیغمبر کہہ دے کہ غیب کی بات خدا کے پاس ہے، تم اس کے ظہور کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔“

”اور یہ کفار کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کو اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی

کیوں نہیں اُترتی۔

(الرعد ۴)

وَقَالُوا لَنْ نَمُوتَ لَكَ
حَتَّى تَقْبُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ
يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ
مِنْ نَجِيلٍ وَغَيْبٍ فَتَقْتُلْ أَلْفًا
خَلْقَهَا تَجْزِيئًا أَوْ تَقِفْ السَّمَاءَ
كَمَا سَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ
تَأْتِي بَالَهُ الْمَلَائِكَةُ نَقِيبًا
(بنی اسرائیل ۵۰)

اور کہا انھوں نے کہ ہم نہ مانیں گے
تھاری بات جب تک کہ تم نہ نکالو ہمارے
واسطے زمین سے ایک چشمہ یا ہجر جلتے
تھارے واسطے ایک باغ کھجور اور
انگور کا پھر جاری کر دو تم اس کے بیج
میں نہیں یا اگر دو آسمان کو ٹکڑے اور ٹکڑے
ٹکڑے کر کے جیسا کہ تم کہا کرتے ہو، یا
اے اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے بنا کر

بالآخر جب مشرکین مکہ اپنی ضد سے نہ بچے تو اتمام حجت کے لیے پروردگار نے اپنے نبی
کے دست حق سے مختلف معجزے رونما کرائے۔

جنابی ہند میں ایک منسل جو کہ ”سوئے ہوئے کو صرنا تالی بجا کر جگایا جاسکتا ہو، مگر بن کر
سونے والے کو ڈھول پیٹ کے بھی نہیں جڑ نکایا جاسکتا۔“ یہی حال صدور معجزات کے بعد مکین
دین کا ہوا۔ جن کے دلوں میں حق طلبی کا ذرا بھی مادہ تھا ان کی چشم بصیرت روشن ہو گئی، لیکن جو
خود بینی اور خود نمائی کے باعث آپ کو بھٹلاتے تھے ان کے باطن نے کر دھ تک نہ لی۔

معجزہ طلب کرنے والوں میں پیش پیش اسی آخری قسم کے لوگ تھے جن کے بغض و عناد نے
ان کی حق و باطل کی فطری تیز کو فنا کر دیا تھا۔ اور جن کو بڑی سے بڑی علامات اور نشانی بھی شک و شبہ
کے گرداب سے نکال نہیں سکتی تھی۔ وہ کبھی معجزوں کو اتفاقی امور کہتے تھے اور کبھی سحر و جادو بازی
بتلاتے تھے۔ ایک معجزہ ان کو دکھایا جاتا تو فوراً دوسرے کا اٹھا کر نہ لگتے۔ اور کہتے کہ اس بار تو
تشفی نہ ہو سکی لیکن اگر آئندہ پھر ایسا ہو جائے تو ہم ضرور قائل ہو جائیں گے۔ ان کے جواب
میں اللہ پاک اپنے نبی کو نصیحت فرما کہ دو چار نہیں ان کے سامنے اگر مسلسل نشانیاں اُترتی
رہیں تو بھی ان کی زبانیں بند نہ ہوں گی۔ اور وہ حق کو نہ مانیں گے۔

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ

”اور خدا کی نشانیوں سے کوئی نشانی

آیات رَبِّهِمْ اَلَّا كَانُوا عَلَيْهَا
معرضین (الانعام ع ۱)
وَلَوْ تَرَىٰٓ اَنَّ عَلَيْنَا كِتَابًا فِی
قِرطاسٍ فَلَمَسُوهُ بِاَیْدِهِمْ
لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا
اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝
(الانعام ع ۱)
ان کے پاس نہیں آتی جس سے یہ منہ
نہ بھیر لیتے ہوں۔
”اے پیغمبر! اگر ہم تجھ پر ایسی کتاب بھی
آسمان سے اتاریں جو اوراق میں لکھی
ہو کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو سکیں
تو وہ جو کافر ہیں بھی کہیں گے کہ یہ ایک
جادو کا ٹھیکل ہو۔“

وَ اِنْ مِیْرُوا حُلَّ اٰیَةٍ لَا یُؤْمِنُوْا
(الانعام ع ۲) جہا۔
”اگر وہ لوگ تمام نشانیاں بھی
دیکھ لیں تب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے۔“

(۳)

آنحضرت صلعم کے معجزوں میں سے چند یہ ہیں۔ غلبہ روم کی پیشین گوئی، بنو نضیر کی سازش
کی اطلاع، ہماجرین حبش کو بشارت، ابوسفیان اور عمیرہ کی آپ کو قتل کرنے کی سازش کی
اطلاع، قبائل عرب و قریش کی شکست اور فتح مکہ کی پیشین گوئیاں، فتح بدر و خیبر و حسنین کی
پیشین گوئی، یہود کی دائمی نامرادی کا اعلان، روم کی قوت ٹوٹ جانے کی اطلاع، خلفائے
راشدین کے زمانہ کی لڑائیاں، اپنی وفات کی اطلاع، شرح صدر، معراج، شق القمر، شغلے
امراض، گونگے کا بولنے لگنا، استجاب دعا، قلیل المقدار اشیا میں کثیر برکت کا ظاہر ہونا،
خالی مشکیزہ سے پانی کا اُبلنے لگنا، آپ کی آنکھوں سے پانی جاری ہو جانا، ناخواندگی کے باعث
یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابوں سے ناواقف ہونے کے باوجود ان کے علماء کے سوالات کا صحیح
جواب دینا، نزول قرآن، ملائکہ سے گفتگو، روایئے صادقہ، ہندستان میں اسلام پھیلنے کا مشرور
سنانا، یہاں نمونہ کی طور پر اطلاع خیب اور صدر و خوارق کا ایک ایک واقعہ یعنی اول الذکر
میں سے غلبہ روم کی پیشین گوئی اور آخر الذکر میں سے شق القمر کے منجر ہونے کی کچھ تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

ایک گزشتہ باب میں آچکا ہو کہ روم اور فارس میں برابر جنگیں ہو کر تھیں اور نبوت
نبوی کے پانچویں سال یعنی ۳۱ھ میں رومیوں کو ایسی فاش شکست ہوئی تھی کہ ان کی سلطنت

کے پرزے اڑ گئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو جائے گا۔
 رومی چونکہ نصرانی المذہب سے تھے اس لیے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اس جنگ میں
 مسلمانوں کو ان سے ایک گونہ ہمدردی تھی۔ اور ان کی ضد میں مشرکین مکہ ایرانیوں کی طرف خدائی
 کرتے تھے۔ چنانچہ جب جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کی آرزوؤں کے خلاف نکلا تو کفار بہت شادمان
 ہوئے اور انھوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح ہمارے بھائی آتش پرست ایرانی، تمھارے
 ساتھیوں پر فخر مند ہوئے ہیں اسی طرح اگر تم بھی ہمارے مقابلہ میں آئے تو مغلوب ہو گے؟
 رومیوں کی شکست، دوسرے قریش کی طعنہ زنی کی وجہ سے مسلمان افسردہ خاطر اور
 رنجیدہ تھے۔ عین اس وقت ماضی، حال اور مستقبل کا یکجا علم رکھنے والے نے انھیں اپنے
 نبی کے ذریعہ یہ مژدہ سنایا۔

| | |
|--|--|
| غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِي آدْنَى الْأَرْضِ | "قرب کی سرزمین میں رومی مغلوب |
| وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ يَتَعَلَّبُونَ ۝ | ہو گئے ہیں۔ مگر مغلوب ہونے کے چند |
| فِي بَضْعِ سِنِينَ ۝ اللَّهُ الْأَمْرُ | دین سے نو برسوں کے اندر پھر غالب |
| مِنْ قَبْلُ ۝ وَمِنْ بَعْدِ يَوْمَئِذٍ | ہو جائیں گے۔ پہلے اور بعد سے سب اختیار |
| يَفْزَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ يَنْصُرُ اللَّهُ | خدا کے ہاتھ میں ہو۔ اس نیک مسلمان |
| (الروم ع ۱) | خدا کی مدد سے خوش ہوں گے۔ |

کوئی بھی پیشین گوئی اسی وقت حیرت انگیز مانی جاسکتی ہے جو جب حالات اور واقعات کے
 لحاظ سے وہ قطعاً ناقابل یقین ہو اور ہر شخص اسے مستبعد اور بعید از قیاس سمجھتا ہو اور اس کے
 باوجود وہ حقیقت بن کر سامنے آجائے، نہ کہ وہ پیشین گوئی جسے قرآن نے قدرت خداوندی
 اور صداقت نبوی کی ایک نشانی کے طور پر پیش کیا ہو، اس لیے یہاں اس پیشین گوئی کے تاریخی
 پس نظر کا تھوڑا سا جائزہ لے لینا مناسب ہو گا۔

سنہ ۱۰ میں فاکس نامی ایک فوجی سردار نے رومی شہنشاہ مارکس اور اس کے خاندان
 کو قتل کر کے خود تخت شاہی پر قبضہ کر لیا تھا۔ عام دستور کے مطابق نئے شہنشاہ نے خسرو دوز
 فرہ کو دوائے ایران کو اپنی تخت نشینی کی اطلاع کی اور اس کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا، مگر خسرو نے

نئی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ سفیر کو قید کر دیا۔ اور سلسلہ میں روم پر حملہ آور ہو کر آنا
فانا دیا۔ فرات کو عبور کر کے شام کے شہروں پر قبضہ کر لیا۔

اسی زمانہ میں رومیوں کے پاس اعلیٰ فوجی افسروں کی بہت کمی تھی۔ نارسین ان کا بہترین
فوجی قائد تھا، مگر اسے فاکس نے تخت نشین ہوتے ہی قسطنطنیہ کے بازار میں زندہ جلا کر ختم کر دیا
تھا۔ فاکس خود ایک معمولی قابلیت کا آدمی تھا۔ چنانچہ ایرانیوں کو روکنے میں رومی ناکام رہا۔
اور وہ شام کے بعد بازنطینی سلطنت کا دار الخلافہ انطاکیہ فتح کرتے ہوئے ارض مقدس
کے ایک ایک شہر پر قابض ہو گئے۔ یہوشلم کے کلیں نذر آتش کیے گئے۔ مذہبی مشائخ کو جین
کی لگئی۔ اور یہودیوں کی اعانت سے ساٹھ ہزار بے گناہ عیسائی قتل کر ڈالے گئے۔
یہ قیامت خیز واقعات ہو رہے تھے کہ رومی افریقہ کے گورنر ہرتل نے فاکس کے
خلاف بغاوت کی اور سلسلہ میں اس کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔

ادھر ایرانیوں کا لشکر مسر پہنچا گیا اور حبش و طرابلس کو زیر و زبر کرنا ہوا۔ صحرائے لیبیا کے
راستہ سے واپس لوٹا، ایرانی افواج کا دوسرا بازو ایشیائے کوچک کو روندنا ہوا۔ باسفورس کے ساحل
پر جا کے رکا اور شہنشاہ روم کا دار السلطنت قسطنطنیہ ہر طرف سے اس کی لپیٹ میں آ گیا۔
ایرانی سیلاب جبر سے ہو کر گزناگر جباؤں اور کلیساؤں کو بہالے جاتا۔ ان کی عجب آتش
کدے تعمیر ہو جاتے اور حضرت عیسیٰ کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کے قوانین نافذ
کر دیے جاتے۔

سلسلہ تک رومی پوری طرح منسوب ہو گئے تھے، اور علاوہ ان عظیم الشان علاقوں کے
جوان کے ہاتھ سے نکل گئے تھے سلطنت روم کی یوروپین شاخ میں بھی غدر مچا ہوا تھا۔ اگلے
اور فرانس وغیرہ چھٹی صدی کے اختتام ہی پر خود مختاری کا اعلان کر چکے تھے۔ آسٹریا سے لے کر
تھریس کی دیواروں تک آوارہ یوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اور لومبارڈ، گوٹھ
اور ونڈال کے گھاتار حملے ہو رہے تھے۔

اس اتہری کا ذکر کرتے ہوئے رومیوں کے عظیم المرتبت مؤرخ ایڈورڈ گین نے لکھا ہو کہ
رومی سلطنت کی مثال اس شاندار درخت کی سی تھی جس کے سایہ میں ایک وقت تمام اقوام

عالم آباد تھیں، مگر اس پر ایسی خزاں آئی کہ برگ و بار کے ساتھ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بھی رخصت ہو گئیں۔ اب صرف تنہا رہ گیا تھا اور وہ بھی خشک ہو رہا تھا۔ خود پایہ تخت کے اندر خلیفہ کے گھس آنے کا ایسا خوف تمام آبادی پر بھایا ہوا تھا کہ تقریباً کل کار و بار بند ہو گئے تھے۔ وہ بازار اور تاشہ گاہیں جہاں رات دن پہل پہل رہتی تھیں، اب ویران اور سنان پڑی ہوئی تھیں۔ اور عیش پرستی کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک عرصے تامل کے بجائے تجرد کی زندگی بسر کرتے تھے۔ تاکہ آزادی اور آسانی کے ساتھ اپنے شہوانی حیلہ بازی کی تسخیر کر سکیں۔

خود ہرقل کو شاہ دینا سے فرصت نہ تھی۔ ان صورتوں میں قسطنطنیہ ایرانی محاصرہ کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ مجبوراً رومیوں کی طرف سے صلح کی تحریک ہوئی۔ رومنہ الکبریٰ کے زوال کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہو کہ جب رومی عہدیدار ایرانی دربار میں اسن و عفو کی درخواست لے کر گئے تو اس نے بڑی حقارت سے کہا کہ ”مجھ کو یہ نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے، میں اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک شہنشاہ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر ہمارے سورج دیوتا کے آگے سر نہ جھکا دے۔“

آخر کار ایرانی سپہ سالار نے صلح کی شرطیں پیش کیں۔ اور کثیر المقدار سونے اور چاندی کے علاوہ ایک ہزار نا تختہ لڑکیوں کا بھی مطالبہ کیا اور رومیوں نے یہ سب منظور کر لیا۔ درحقیقت اس وقت ایرانیوں کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ اگر ان کے پاس بحری بیڑہ بھی ہوتا تو وہ آسانی سے پورا یورپ فتح کر سکتے تھے۔

یہ تھی حالت کہ جس میں مسیحیہ میں قرآن کی پیشین گوئی نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے: ”مکھنے اس کا استقبال خندہ تھیرے کیا، اور اس کے خلاف بھاری بھاری شرطیں لگائیں۔“
 یکبارگی ہرقل کی زندگی میں انقلاب رونما ہوا اور عیش پرستی، کابی اور پست وصلگی کی جگہ جواں بہمتی، بیدار مغزی اور اعلیٰ فوجی صلاحیتوں نے لے لی۔ اس تبدیلی کی بابت گبن نے لکھا ہو کہ ”وہ شہنشاہ جو اپنی ابتدائی اور آخری زندگی میں سستی، عیاشی اور دواہم کا غلام

اور اپنی رعایا کے مصائب کا نام نہ مٹا سکی تھا طبعِ شمع و شام کا کمر و پہرے آفتاب سے پھٹ جاتا ہوا، دفعۃً حکمران کا ارکاڈیوس میران جنگ کا سینر بن گیا۔

کیاں نصیب توں اور نامیدیوں سے گھر کر وہ قسطنطنیہ کو خیر باد کہنے کا ارادہ کر رہا تھا، کہاں اس نے سینٹ سوفیا میں سبائے قسم کھائی کہ رومیوں کی گھڑی ہوئی عقلت کو دوبارہ حاصل کرنے میں زندگی اور موت کی بازی لگانے لگا۔

قسطنطنیہ میں بڑے عزم و انہماک سے جنگی تیاریاں شروع ہوئیں۔ اور سلسلۂ میں ہر قل اپنی فوجیں لے کر ایرانوں سے بدلہ لینے روانہ ہوا۔ اس وقت یہ لشکر قسطنطنیہ سے نکلا لوگوں نے سمجھا کہ دنیا راتہ الگبری کا آخری لشکر دیکھ رہی ہو۔ مگر قرآن کی پیشین گوئی حوت بخت صحیح ثابت ہوئی اور رومیوں نے مغیضات کا ایک ایک شروا پس لے لیا۔

ہر قل نے ایشیائے کوچک کے مغربی جزئی ساحل کو بائیں طرف چھوڑتے ہوئے خلیج بکندہ میں اپنی فوجیں اتاریں۔ اور ہندو گاہوں کے قلعوں کی حرمت کو بائیں طرف چھوڑتے ہوئے خلیج بکندہ میں اس کو فتح کرنے کے لیے ڈوشاکارُخ کیا، اور اس سے گذرنا ہوا بحر اسود اور آرمینیا کے پہاڑوں کو عبور کرنا ہوا قلب ایران میں گھس گیا، اور رومی فوجوں کا وہ سردار تہ طورس فتح کرتا اور ایرانیوں کے لشکر سے سرو اور خسرو کی موتیں نذر آتش کرنا ہوا گندزا کا اور موکان کے علاقوں تک پہنچ گیا۔

ایرانیوں کی سلطنت اس دو طرفہ حملے سے خطرہ میں پڑ گئی۔ انھوں نے گھبراہٹ کے وادی میں اور باصفورس سے فوجیں طلب کیں، مگر ہر قل نے اس لشکرِ جرار کو بھی شکست دی اور قزوین اور اصفہان کے شہروں کو روندنا ہوا کردستان کے پہاڑی سلسلہ کے اوپر سے گذرا اور دجلہ عبور کر کے ایرانیوں سے ایک اور غرض جنگ لڑی۔ اور ان کو پراکے سا باط میں دھل ہو گیا، آخری اور فیصلہ کن معرکہ نینوا کے میدان میں ہوا جس میں ایرانیوں نے ایسی شکست فاش کھائی کہ ان کی سلطنت زبرد زبر ہو گئی، اور رومیوں نے اپنی قدیم تاریخی حدود سے نکل کر سلطنت فارس کے

قلب میں اپنا جھنڈا نصب کر دیا۔

اس طرح ۱۲۵ھ میں یعنی قرآن کی پیشین گوئی کے ٹھیک نو برس بعد ہرقل فاتحاً قسطنطنیہ واپس آیا۔

گبن نے اس پیشین گوئی پر حیرت ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "محمد (ﷺ) نے ایرانی فتوحات کے عین شباب میں پیشین گوئی کی کہ چند سال کے اندر اندر رومی جھنڈے دوبارہ فتح کے ساتھ بلند ہوں گے۔ جب یہ پیشین گوئی کی گئی تھی اس سے زیادہ بعید از قیاس کوئی بات نہیں معلوم ہوتی تھی کیونکہ ہرقل کے ابتدائی بارہ سال سلطنت روم کی عنقریب تباہی اور خاتمہ کا اعلان کر رہے تھے۔"

اس جھمکی تکبیل کے بعد ہرقل پھر شراب نوشی اور عیش پرستی کی طرف لوٹ گیا، اور دیر ہی ہو گیا جیسا کہ وہ اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں تھا۔ تمام مہترخ اس بات پر متفق ہیں کہ اس کی زندگی کا بہترین اور سب سے زیادہ شاندار دور وہ تھا جس میں اس نے ایرانیوں سے بدلہ لیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے صرف اپنی پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لیے اسے بیدار کر دیا تھا۔

سورجین ہرقل کی زندگی کا معتمد ٹھکانے سے قاصر میں اور ان کا فیصلہ ہوا کہ ہرقل کے لیے یہ کہیں زیادہ اچھا ہوتا کہ وہ مشرق ہی میں مر جائے۔
انسانیکلو پیڈیا بریٹانیکا کی گیارہویں جلد میں مرقوم ہے کہ:-

"ہرقل کا کردار ایک عجیب معتمد جو جس کا سلجھانا آسان نہیں ہے، ایک بڑا اور ہوشیار، پے سالار اور تجربہ کار مذہب پرستوں کے باوجود وہ نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی سلطنت کو پرزے پرزے ہوتے ہوئے دیکھ گیا۔ زندگی کے مختلف دوروں میں اس کی حیثیتیں اور صلاحیتیں نہ صرف ایک دوسرے کے مختلف بلکہ متضاد نظر آتی ہیں۔ لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کی خانگی زندگی کے متعلق ہماری معلومات بہت ناقص ہیں، ممکن ہے کہ اس تضاد کا کوئی واضح سبب ہو، اگرچہ اس کے حل کے لیے وہ صحیح حذر نہیں قرار دیا جاسکتا ہو۔ ایسی

شہرت کی نفا کے لیے یہ بہتر ہوتا کہ وہ ایرانی مقابلہ کے فوراً بعد مر جاتا۔

معجزہ شق القمر آنحضرت صلعم کی کئی زندگی کے اواخر میں رونما ہوا تھا۔ صحابہ میں سے حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، حبیب بن مہم وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔

قاضی سلیمان منصور پوری کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم سے چاند کو شق کرنے کا مطالبہ قریش مکہ نے یہود کے مشورہ پر کیا تھا، ممکن ہو کہ اس طرف یہودیوں کا خیال حضرت موسیٰ کے سب سے بڑے معجزہ فلق بھر کی وجہ سے گیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا اس واقعہ کا چشم دید بیان جو صحیح بخاری، مسلم و ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے، یہ ہے:-

”ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا۔ آپ نے فرمایا گواہ رہنا۔“

حضرت انس بن مالک کی یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے کہ:-

”اہل مکہ نے نبی صلعم سے مطالبہ کیا تھا کہ ان کو کوئی بڑا معجزہ دکھایا جائے۔ نبی نے انھیں چاند کا پھٹنا دکھایا۔ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا کوہ حرا کے اُس طرف تھا اور دوسرا اِس طرف۔“

اور حبیب بن مسلمہ کا بیان ہے کہ اس معجزے کو دیکھ کر قریش نے کہا کہ ”محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ اس پر کچھ لوگ بولے کہ اگر محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہے تو وہ تمام آدمیوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ مسافروں کو اور مقامات سے آنے والے دو دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ حیب مختلف مقامات سے مسافر آئے تو انھوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا۔“

قرآن مجید میں اس واقعہ کے بارہ میں اجمالاً صرف اتنا فرمایا گیا ہے۔

اِفْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ
الْقَمَرُ وَانْزِلَ آيَةٌ
يُعْزِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ
مُسْتَقِيمٌ (الفرع ۱)

قیامت نزدیک آگئی۔ اور چاند
ہو گیا، اگر کافر کوئی بھی نشان دیکھیں
تو وہ اس سے انکار ہی کریں گے اور
کہیں گے کہ یہ تو سادہ جو ہمیشہ سے

ہوتا آیا ہے۔

یہ معجزہ ابتداء سے دقیق فلسفیانہ بحثوں کا موضوع رہا ہو۔ قدما کو یہ اعتراض تھا کہ اجرام
فلکی میں شکست و ریخت ناممکن ہو اس لیے چاند کا شق ہونا بھی محال ہو، مگر بعد یہ انکشافات
نے فلکیات کے تصوروں میں بہت زیادہ تبدیلی کر دی ہو۔ اور چند صدیوں قبل جو باتیں محال بھی
جانتی تھیں آج ان کو سُن کر تعظیم یافتہ دنیا کی سپین پرکوشی نہیں پڑتی ہو۔ ایونیل و لیکاسکی
نے ”درلڈ زان کو لائزن“ کے نام سے اجرام فلکی کے سنن و عادات پر ایک بے نظیر کتاب لکھی
ہو جس میں تاریخی حوالوں کے ساتھ بڑے بڑے اجرام کے شکست و ریخت و تصادم کے متعدد
حادثوں کا ذکر کیا ہو، حتیٰ کہ سورج کے رُخ بدلنے کے کم از کم ایک واقعہ کو بھی صین ملن بتایا ہو۔
بعض مترضین کا یہ بھی کہنا ہو کہ اگر ایسی عجیب بات واقع ہوتی تو صورت اہل کہہ ہی کو
نہیں ساری دنیا کو نظر آئی مگر چاند دنیا کے تمام حصوں میں بیک وقت نظر نہیں آتا ہے۔
قاضی سلیمان منصور پوری نے بڑی محنت سے وقت کا ایک نقشہ تیار کیا ہے جس میں دکھایا ہو
کہ اگر عرب میں رات کے ۹ بجے ہوں تو دنیا کے دوسرے ملکوں میں کیا وقت ہوگا۔ اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہندستان، برما، ملایا، ترکی، یونان، انگلستان، فرانس، اسپین،
پرتگال، امریکا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ میں بارہ بجے رات سے لے کر سہ پہر تک کے مختلف
اوقات ہوں گے۔ چنانچہ دنیا کا بہت بڑا حصہ تو اس منظر کو دیکھنے سے قدرتی طور پر معذور تھا۔
اور جہاں طلوع اجتاب سے لے کر نصف شب تک کا وقت تھا، وہاں اکثر لوگ سو رہے ہوں
گے یا اپنے گھروں میں بند ہوں گے۔ اور جنہوں نے دیکھا بھی ہوگا ان میں بہت بڑی تعداد
ایسوں کی ہوگی جو ناخاندگی کے باعث اپنے مشاہدات کو تحریری صورت میں لانے کی قدرت نہ
رکھتے ہوں گے۔ پھر جو چند پڑھے لکھے تھے بھی ان کے لیے ضروری تو تھا نہیں کہ اس مشاہدہ کو

قلب بند کر لیتے، اور اگر دو چار نے انہی یادداشتوں میں کچھ بھی لیا ہو گا تو ممکن ہو ان کی یادداشتیں یک دوسرے کے ساتھ مل کر دوسرے مودوں کی طرح ضائع ہو گئی ہوں۔

دنیا میں لا اوداد فلکی انقلابات ظاہر ہوئے ہوں گے لیکن ان میں سے کتنے علم ہیئت کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں؟ تو کیا ان کا درجہ نہ ہونا عدم وقوع کی دلیل ہو؟ مثلاً انجیل میں یہ سطر لکھی ہوئی ہے کہ ”قریب دن بھر کے سورج کچھ کم کی طرف مائل نہ ہوا“ اور یہودی اور عیسائی دونوں اس کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب کیا کوئی ایمان دار شخص محض اس بنا پر اس کو جھٹلا سکتا ہو کہ قدیم کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا ہو کہ کہہ کر ارض بارہ گھنٹے کے لیے ساکت ہو گیا ہو؟

علامہ سلیمان ندوی مرحوم کے نزدیک اس میں ایک پہلو اور بھی ہو وہ فرماتے ہیں۔

چونکہ انہوں نے یہ نشانی محض اہل مکہ کے لیے ظاہر کی تھی اس لیے تمام دنیا میں اس کے ظہور و رویت کی حاجت نہ تھی، اور اس بنا پر اگر بالعرض دنیا کے دوسرے حصوں میں چاند کو شش ہوتے ہوئے نہ دیکھا گیا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی بلکہ مکہ کے علاوہ دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر نہ آنا ہی معصیت الہی تھی، کیونکہ اگر یہ دنیا بھر کے لوگوں کو عام طور سے نظر آتا تو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ یہ بھی آسمان کے طبعی انقلابات میں سے ایک انقلاب تھا۔ اور عام فلکی تغیرات سے زیادہ حقیقت نہ رکھتا تھا۔ مگر جب اہل مکہ کے علاوہ چار لوگ شہر مکہ میں تھے یا باہر سفر میں تھے صرف ان ہی کو نظر آیا تو اس بات کی گہلی ہوئی دلیل ہو کہ یہ صرف ان حضرات صلعم کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا تھا۔

مسلمانوں کی موجودہ زندگی

اور اس کے اثرات و نتائج

(مدیر الفرقان کی ایک تقریر جو گزشتہ ماہ شعبان میں امجد آباد کے اجتماع میں کی گئی تھی)

الحمد لله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولا ان
هدانا الله، لقد جاءت رسلنا بالحق، صلوات الله تعالى
عليهم وعلى کل من اتبعهم باحسان الى یوم الدین۔
مہرم بزرگوار در دنیا بجاؤ!

اس وقت مسلمانوں میں دینی حالت کے لحاظ سے تین قسم کے آدمی مل جاتے ہیں۔ بہت
تھوڑی تعداد میں تو اللہ کے وہ بندے ہیں جن کی زندگی دنیاوی اور دینی چاہیے۔ یعنی
اُن میں ایمان بھی ہو اور ایمان کی وجہ سے آخرت کی فکر بھی ہو۔ اور اس فکر کی وجہ سے ان کی زندگی
اللہ اور اللہ کے رسول کی وفاداری والی زندگی ہو، یعنی اللہ اور اس کے رسول نے جن کاموں کے
کرنے کا حکم دیا ہو وہ ان کو نظر اور انتہام کے ساتھ کرتے ہیں، اور زمین با توں سے بچنے کا حکم دیا
ہو اُن سے بچتے ہیں۔ اور اگر کبھی شیطان یا نفس کے بہکانے سے ان سے کوئی نادانی اور غلطی ہو جاتی
ہو تو وہ اللہ سے توبہ و استغفار کرتے ہیں۔۔۔۔۔ میں نے جیسا کہ عرض کیا، مسلمانوں میں اللہ کے
ایسے بندوں کی تعداد بہت کم ہو، میرا اندازہ ہو کہ ایک دو فیصد بھی نہیں ہو، تاہم اچھی امید
ایسے بندگان خدا سے خالی نہیں ہوئی ہو، اور قریب قریب ہر ملک اور ہر علاقہ میں اللہ کے ایسے

وفا دار اور فرمانبردار بندے موجود ہیں۔ اور اصلی اور حقیقی مسلمان دراصل یہی ہیں۔

اور ان کے مقابلے میں سب سے بڑی تعداد مسلمان کہلانے والوں میں اب ان لوگوں کی ہو جا کر جب پستی مسلمان ہیں لیکن اسلام سے نہ ان کا علمی قلن ہو نہ علمی یعنی انہیں نہ یہ جاننے کی فکر ہو کہ اسلام کیا ہو اور ہم سے کیا چاہتا ہو اور نہ اپنی علمی زندگی میں انہوں نے اسلامی احکام کی پابندی اور فرمانبرداری کا فیصلہ کیا ہو، ان لوگوں کے مسلمان ہونے کا مطلب بس اتنا ہی ہو کہ یہ اسلام کے منکر اور کافر نہیں ہیں۔ اور ان کے باپ دادا کا جو دین رہا ہو یعنی اسلام اس کو یہ سچا اور اچھا سمجھتے ہیں باقی اس سے اگے نہ وہ جانتے ہیں نہ سوچتے ہیں۔ میں نے ابھی آپ سے عرض کیا کہ مسلمان کہلانے والوں میں سب سے بڑی تعداد اسی قسم کے لوگوں کی ہو ممکن ہو کہ بعض حضرات میری اس بات کہ اعطاء مبالغہ سمجھیں، لیکن مجھے پورا اطمینان ہو کہ میں بالکل مبالغہ نہیں کر رہا ہوں اور میرے اندازہ میں مسلمانوں کی اکثریت قریب قریب اسی حال میں ہو، اور آپ میں سے جن حضرات کو میرے اس اندازہ سے اختلاف ہو میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ خود چل بھر کر مسلمانوں کے مختلف طبقوں کی دینی حالت کا براہ راست مطالعہ کریں، مجھے یقین ہو کہ جو صاحب اس سلسلہ میں اپنا کچھ وقت اور کچھ آرام قربان کریں گے وہ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے اور میرے اندازہ کی تصدیق کریں گے۔

دوسرے طبقے تو مسلمانوں میں یہ ہیں جن کا میں نے ذکر کیا۔ اور ایک تیسرے طبقہ ان دونوں کے درمیان والا ہو، یعنی نہ پہلے طبقہ کی طرح ان میں اللہ اور رسول کے احکام کی فرمانبرداری کی پوری فکر اور تہمات ہو اور نہ دوسرے طبقہ کی طرح ان کی طرف سے وہ بالکل بے پروا اور صرف نام کے مسلمان ہیں، بلکہ ان حال میں ہو کہ وہ دین سے کچھ باخبر بھی ہیں، ان کو دین سے کچھ دلچسپی بھی ہو اور اسلام کے بعض احکام پر وہ عمل بھی کرتے ہیں، ایسے ایک، ایک مسلمان کی طرح اللہ اور رسول کے ہر حکم پر پہنچنے کو اور ہر معاملہ میں اللہ و رسول کی ہدایت کی پیروی کرنے کو انہوں نے اپنی زندگی کا اصول نہیں بنایا ہو، اس لیے بہت کام وہ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف بھی کرتے، جتے ہیں مثلاً نماز پڑھتے تو ہیں، مگر پابندی سے پانچوں وقت کی نہیں پڑھتے، یا مثلاً زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، یا مثلاً نماز تو پڑھتے ہیں مگر رکعت لیتے ہیں یا جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں۔ یا نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ تجارت اور سوداگری میں بددیانتی کرتے ہیں۔ الغرض ان کا حال یہ ہو کہ وہ مسلمان تو ہیں اور ان کو اسلام سے محبت اور دلچسپی بھی ہو، لیکن

انھوں نے اپنے آپ کو اسلامی احکام اور اللہ و رسول کی ہدایات کا پوری طرح پابند نہیں کیا جو، اس لیے ان کی زندگی اور ان کی عادات میں کچھ چیزیں اسلامی تعلیم کے مطابق بھی ہیں اور کچھ باتیں اسکے خلاف بھی ہیں۔ یہ تیسرا طبقہ جس طرح اپنی دینی حالت کے لحاظ سے درمیانی ہو اسی طرح اپنی تعداد کے لحاظ سے بھی درمیانی ہو، یعنی اس قسم کے مسلمانوں کی تعداد پہلی قسم کے مسلمانوں سے تو بہت زیادہ ہو لیکن دوسری قسم کے مسلمانوں کے مقابلہ میں کم ہو۔

الغرض مسلمان کہلانے والی قوم اور امت میں اس وقت یہ تین طبقے ہیں۔ ان میں سے پہلا طبقہ جو تناسب کے لحاظ سے بہت ہی کم تعداد میں ہو ظاہر ہو کہ دینی نقطہ نگاہ سے اس کا حال بڑا مبارک ہو، قرآن پاک میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں ایسے بندگان خدا کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت اور جنت کی مینما بشارتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فیض و کرم سے ہمیں اور آپ کو بھی ان ہی میں سے کرے۔

دوسرا طبقہ جس کے متعلق میں نے بتایا کہ اسلام سے اس کا کچھ بھی علمی اور علمی تعلق نہیں ہو اور اس کے مسلمان ہونے کا مطلب بس یہی ہو کہ وہ کافر اور منکر نہیں ہو، اس کے متعلق اس کے سو کیا کہا جائے کہ اللہ اس پر رحم فرمائے اور ہمارے اس جہم عظیم کو معاف فرمائے کہ ہم دنیا میں زندہ ہیں، کھاتے پیتے اور سوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بہت بڑی تعداد اسلام سے اس قدر دور جا پڑی ہو۔ اور بس اللہ ہی جانتا ہو کہ ان کا اسلام سے جو برائے نام تعلق ہو وہ آنے والے زمانہ میں کب تک باقی رہ سکے گا۔ میں اس دوسرے طبقہ کے متعلق بھی سوقت اس زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا کیونکہ اس طبقہ کے تعلق رکھنے والے غالباً یہاں اس وقت موجود بھی ہو گئے اب رہا تیسرا طبقہ جس کو میں نے درمیانی طبقہ کہا جو اور جو اپنی تعداد کے لحاظ سے بھی درمیانی ہو۔ اس کے متعلق میں صاف کہنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ دوسرے طبقہ کے اعتبار سے اس کی حالت یقیناً بہتر ہو لیکن قرآن عید سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ یہ حالت بھی اللہ کو ہرگز پسند نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے ہرگز راضی نہیں ہے، اور اگر تو یہ کہہ کر کے حالت درست نہ کی جائے تو پھر یہ حالت بھی اللہ کے غضب اور لعنت کو کھینچنے والی ہو۔

حضرت امیر اہل سنت سے آپ حضرات نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس وقت مسلمان کھلانے والی قوم اور امت کا دنیاوی حالات کے لحاظ سے اجتماعی نقشہ یہ ہوگا کہ ان میں ایک دو فی صدی تو ایسے حال میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور وہ اس کی رحمت اور فضل خاص کے مستحق ہیں، اور باقی ۹۹ یا ۹۸ فی صدی کا سال ایسا ہو کہ وہ غضب اور لعنت کو زیادہ کھینچنے والا ہو، گویا شریعت سے اور خدا و صلاح سے دسوں گنا زیادہ جو۔۔۔ اور امت کی اس اجتماعی حالت کے تین نتیجے ہیں۔ ایک نتیجہ تو یہ ہو کہ یہ امت اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور مدد سے محروم کر دی گئی ہو ایک وہ وقت تھا کہ کئی ائمہ مسلمان ساری دنیا کے مقابلہ میں بھاری تھے، جدھر قدم اٹھتے تھے اُسیانی نصرت ساتھ ساتھ جلتی تھی اور ہر میدان میں ”نصر من اللہ“ فتح و ”قرب“ کا وعدہ پورا ہوتا دکھائی دیتا تھا۔ اور آج یہ حال ہو کہ ایک ایک ملک میں کئی کئی کروڑ ہونے کے باوجود ان کا کوئی وزن اور کوئی اثر نہیں۔۔۔ اللہ کی مدد سے موجودہ دور کے مسلمانوں کی محرومی کی نہایت عبرتناک اور سبق آموز مثال اسرائیلی حکومت کے مقابلہ میں عرب حکومتوں کی بے بسی ہو، کہیں بالشت بھر زمین پر بھی یہودیوں کی کوئی حکومت نہیں تھی، امریکا اور برطانیہ کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں نے اپنی خاص اغراض کے لیے عرب حکومتوں کے سینہ میں یہودی حکومت کا کھونٹا گاڑا، لیکن ساری بڑی حکومتیں مل کر بھی اس شرارت اور شیطنت کو نہ روک سکیں، اور آج تک اس کے مقابلہ میں کس ہیں، اور یہ تو میں نے ایک مثال دی وہ یہ مسلمانان عالم پر ہر روز جو کچھ گزرتی ہو، اور عالم اسلامی میں اُسے دن جو واقعات پیش آتے رہتے ہیں وہ اس حقیقت کا روشن ثبوت ہیں کہ اس دور میں مسلمان من حیث القوم اللہ تعالیٰ کی خاص مدد سے محروم ہیں۔ ایک وہ وقت تھا کہ مسلمان قوم کی مصلحت کا تقاضا اگر تیز ہواؤں کے لیے ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیز ہواؤں اور آندھیاں چھوڑ دی جاتی تھیں اور جب مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہوتی کہ ہوا ساکن ہو جائے تو ہوا ساکن کر دی جاتی تھی، اور جب مسلمانوں کے حالات کا تقاضا یہ ہوتا کہ بارش ہو جائے تو آسمان سے بارش برستی، اور جب بارش کے روک دیے جانے میں مسلمانوں کی مصلحت ہوتی تو بارشیں روک دی جاتیں، غزوہ احزاب اور غزوہ بدر میں آندھیاں اور بارشوں سے مسلمانوں کی جو مددیں کی گئیں ان کا ذکر تو روایات کے علاوہ قرآن مجید میں بھی ہے۔۔۔ بہر حال جب

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت والی زندگی تھی تو اللہ تعالیٰ زمین آسمان کی مخفی طاقتوں سے ان کی مدد کرتا تھا اور اس کے نتیجے میں وہ جیسے تھے جو قرن اول کی تاریخ میں ہم اور آپ پڑھتے ہیں اور جب سے مسلمانوں کی عام زندگی میں شر اور فساد کا غلبہ ہو گیا اور ان کی اجتماعی حالت رحمت اور نصرت کے قابل نہیں رہی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اذلی قانون کے مطابق ان کو اپنی مدد سے محروم کر دیا۔ اور اب دنیا میں ان کی حالت یہ ہے جو ہم اور آپ عرب عجم میں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پس مسلمانوں کی اس گجڑی ہوئی حالت کی ایک نثر تو خداوندی مدد سے ان کی یہ محرومی جو بددلوں سے اس دنیا میں ان کو مل رہی ہے۔۔۔ اور دوسری سزا میں ان کے بعد قبراۃ حشر کی سختیاں اور پھر خدا نخواستہ دوزخ کا عذاب ہو جو دنیا کی ساری دلتوں اور مصیبتوں سے ہزاروں گنا زیادہ تکلیف دینے والا ہو۔ البتہ دنیا اور آخرت کی جزاء دوسرے قانون میں یہ فرق ہو کہ دنیا میں کسی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس کی عام حالت اور مجموعی حیثیت کے لحاظ سے ہوتا ہوگا۔ اور آخرت میں ہر شخص کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق معاملہ ہوگا۔ و کُلُّهُمْ اَسْبَبٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا“

بہر حال اگر ہم نے اپنی دینی حالت درست نہ کی اور ہماری زندگی میں خدا فراموشی اور نافرمانی کا غلبہ رہا تو اللہ کی کتاب اور اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یقینی اطلاع ہو کہ مرنے کے بعد کی سزوں میں ہمیں بڑی سخت تکلیفیں اور بہت دردناک سزائیں کھگھگھتی پڑیں گی، ایسی تکلیفیں اور ایسی سزائیں جن کا ایک لمحہ بھی اس دنیا کی ساری عمر کی تکلیفوں اور دکھوں سے زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جا بجا فرمایا گیا ہو ”وَلْعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ“ ”وَلْعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى“ ”وَلْعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْبَرُ“ میرے بزرگو اور میرے بھائیو! اللہ پاک کی مقدس کتاب اور اس کے صادق و صدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبردار کیا تھا کہ اگر تم نے بجائے اطاعت و فرمانبرداری کے نافرمانی کی زندگی اختیار کی تو دنیا میں رحمت و مدد سے محروم کیے جاؤ گے اور دلتیں اٹھاؤ گے اور ٹھوکریں کھاؤ گے۔ اور مرنے کے بعد قبر میں اور حشر میں ایسی ایسی تکلیفوں اور دکھوں میں مبتلا کیے جاؤ گے اور اس کے بعد اگر دوزخ میں ڈالے گئے تو وہاں ایسے ایسے سخت عذاب دیکھو گے۔ پس

دنیا کے بارے میں جو کچھ ہم سے فرمایا گیا تھا وہ سب ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ جو کچھ آخرت کے بارے میں فرمایا گیا وہ بھی اسی طرح آنکھوں کے سامنے آجائے والا ہو۔

مسلمانوں کی بگڑی ہوئی زندگی کے درمیانوں کا اب تک میں نے آپ حضرات کے سامنے ذکر کیا ہے اب میں ایک تیسرے نتیجہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ میرے دینی بھائیو! ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لیے اور سب ملکوں اور سب قوموں کے لیے رسول بن کر مٹے گئے، آپ جب تک دنیا میں رہے اپنی فرزندوں کے لیے جہد و جدہ کرتے رہے کہ اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندے آپ کی ہدایت حاصل کریں اور اللہ کی رضا اور جنت کے مستحق بنیں اور جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اس کام کی پوری ذمہ داری ہمیشہ کے لیے امت کی طرف منتقل فرما کر تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ کے بعد آپ کی امت اس کی ذمہ دار ہو کر آپ کے اس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے برابر جہد و جدہ کرتی رہے۔

لیکن اب مدت دراز سے صورت یہ ہو کر خود آپ کی امت کی حالت آپ کے اس مشن کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہو۔ جو لوگ انسانوں کے مزاج اور ان کی فطرت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو تحقیق اور مطالعہ سے یا کوئی دعوتی اور تبلیغی تقریر میں کسی دین کو قبول کر لیں، لیکن اگر کسی دین کے ماننے والوں کی عام علمی اور اخلاقی حالت دنیا میں متاثر ہو اور ان کی زندگی اور سیرت پر شہادت دیتی ہو کہ ان کا دین بہترین دین ہو۔ اور یہ اللہ کے اچھے بندے ہیں تو افراد ہی نہیں، بلکہ قومیں کی قومیں اور ملک کے ملک ان سے متاثر ہو کر ان کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

صحابہ کرام کے زمانہ میں اسلام ملکی فتوحات کے ساتھ نہیں پھیلا، بلکہ جب کوئی ملک فتح ہوا، اور اس کا نظم و نسق مسلمانوں نے سنبھالا اور وہاں کے عوام کا ان مسلمان حکمرانوں سے واسطہ پڑا تو ان کی پاک اور خدا پرستانہ زندگی سے متاثر ہو کر وہاں کے عوامی طبقوں نے اسلام کو اپنا دین بنانے کا فیصلہ کیا۔ خود ہمارے اس ملک ہندوستان میں بھی یہاں کے قدیم باشندوں نے ان صوفیائے کرام کی پاکیزہ زندگیوں ہی سے متاثر ہو کر اسلام کو اپنا یا تھا جو شروع شروع میں اس ملک میں فقیرانہ طور پر پھیلے تھے۔ لیکن اب صدیوں سے یہ سلسلہ بند ہو اور اس لیے بند ہو کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی

اب کسی کے دل میں اسلام کی عظمت اور محبت نہیں پیدا کرتی۔ غیر مسلم اپنے مسلمان پڑوسیوں کو گھر گھر دن اور محلوں میں دن رات دیکھتے اور برتتے ہیں۔ بازاروں میں ان کے ہاتھ سودا بچتے اور ان سے سودا خریدتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں غیر مسلم طالب علم اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ پڑھتے ہیں، اٹھتے اور بیٹھتے ہیں، اسی طرح دفتروں اور کارخانوں میں، عدالتوں اور کچریوں میں اربابہ اشتیاق پیدا کر دینے کا طریقہ ہے۔ روزانہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن مسلمان کی زندگی پاکیزگی اور خدا پرستی میں، دیانت داری اور راستبازی میں کہیں بھی غیر مسلموں سے ممتاز نظر نہیں آتی، جو برائیاں عام غیر مسلموں میں ہیں وہ سب بلکہ ان سے کچھ زیادہ آج مسلمان کہلاتے والوں میں ہیں، ایسی صورت میں کسی غیر مسلم کے دل میں اسلام کی طرف آنے کا داعیہ کیسے پیدا ہو، بلکہ با اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کے دل میں اگر کسی ذریعہ سے اس کا جذبہ پیدا بھی ہوتا ہو تو مسلمانوں کی موجودہ بگڑی ہوئی زندگی اس جذبہ کو وہیں ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ خود میرے علم میں ایسے بہت سے واقعات ہیں۔

جب بات یہاں تک آگئی ہو تو آپ کی عبرت کے لیے ایک نہایت تکلیف دہ واقعہ بھی کہے سنا ہوں۔ ہمارے شہر لکھنؤ کے مشہور بیرسٹر چودھری نعیم الشرم حرم میرے دوستوں میں اور ملک دینی کاموں کے رفیقوں میں تھے۔ ابھی سال ڈیڑھ سال پہلے ان کا انتقال ہوا ہے، وہ تھے دو لڑکے پاس بیرسٹر مکران کے جاننے والوں کو معلوم ہے کہ صرف صوم و صلوة کے پابند ہی نہیں بلکہ بڑے خوش اوقات تھے، اور خاص بات یہ تھی کہ دعوت و تبلیغ کا بڑا جذبہ رکھتے تھے، لکھنؤ یونیورسٹی میں وہ قانون کے استاد بھی تھے اور اپنے غیر مسلم دوستوں کے سامنے اسلام کی خوبیاں اور اس کی تعلیم پر گفتگو کرنے کی ان کی عادت تھی انھوں نے یہ واقعہ خود مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ان کے ایک ہندو دوست نے جو غالباً لکھنؤ یونیورسٹی کے پروفیسروں میں سے تھے ان سے کہا کہ کبھی نعیم الشرم جب تم میرے سامنے اسلام کی باتیں کرتے ہو تو مجھے بڑا رنج معلوم ہوتا ہے کہ میں کسی مسلمان گھر میں کیوں نہیں پیدا ہوا۔ اور کبھی کبھی تو میرا جی چاہتا ہے کہ چاہے جو گھر سے میں مسلمان ہو ہی جاؤں لیکن میں بتاؤں کہ پھر کیوں میں مسلمان نہیں ہوتا؟ میں صبح کو روزانہ گومتی کے کنارے ٹہلنے جاتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ گومتی میں اشان کرنے والی استریوں کو گھور گھورتے دیکھنے والے زیادہ تر

مسلمان ہوتے ہیں۔ بس یہ دیکھ کر میری طبیعت اسلام کی طرف سے بالکل ہٹ جاتی ہو۔

میرے بھائیو! اس طرح کے شرمناک واقعات کا بیان کرنا ہو تو خود اپنی رسوائی، اور خدا ہی جلالتا ہو کہ میں نے دل کے کس قدر دکھ کے ساتھ یہ واقعہ اس وقت بیان کیا ہو، لیکن بیان اس لیے کر دیا کہ آپ سب حضرات کو بھی معلوم ہو جائے کہ ہم مسلمانوں کی بد اعمالیوں سے اسلام کس قدر رسوا ہو رہا ہو، اور ہماری پرکڑی ہوئی زندگی اولاد آدم کو اسلام کی طرف آنے سے کس قدر روک رہی ہو۔ آپ حضرات ذرا سوچیں ہمارا اور آپ کا ایمان ہو کہ اسلام بہترین مذہب ہو اور اسلامی تعلیم عین فطرت کے مطابق ہو اور اس میں محبوبیت اور کشش ہو لیکن کیا بات ہو کہ ہمارے اس ملک میں بھی، اور دوسرے بہت سے ملکوں میں بھی دو دو سو اور چار چار سو سال سے بہت سے غیر مسلم خاندان اور مسلمان خاندان ایک ایک محلہ میں برابر برابر رہ رہے ہیں۔ نسلیں کی نسلیں گزری چلی جا رہی ہیں، لیکن غیر مسلم خاندان کے کسی فرد کے دل میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ میرے مسلمان پردوسی کا دین اور اس کا طریقہ زندگی بڑا اچھا ہو، میں بھی اسی دین اور اسی طریقہ کو کیوں نہ اپنالوں۔ میں اللہ پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کی عام زندگی بگڑی ہوئی نہ ہوتی اور وہ اپنے اعمال اور اخلاق میں پورے مسلمان ہوتے جن کے قریب رہنے والے ان کی زندگیوں میں اسلام کو اپنا اصلی صورت میں دیکھ سکتے تو مسلمانوں کے قریب رہنے والے غیر مسلم خاندان اسلام کو اپنا دین بنانے پر مجبور ہو جاتے، اگر بالفرض ایک نسل غور نہ کرتی تو دوسری نسل غور کرتی، اور دوسری نسل بھی، اگر بالفرض نہ سوچتی تو تیسری نسل سوچنے پر مجبور ہو جاتی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک اچھائی کو کھلی آنکھوں برابر دیکھا جائے اور اس کو اپنا لینے کا دل میں ارادہ کبھی پیدا ہی نہ ہو۔

الفرض یہ واقعہ ہو کہ اسلام کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کی غالب اکثریت کا یہ زندگی ہو جو اسلام کے بالکل خلاف ہو، مگر دنیا اسی کو دیکھ کر اسلام کے بارہ میں رائے قائم کرتی ہو، یہ چیز خواہ منطقی طور پر میرے اور آپ کے نزدیک کتنی ہی غلط ہو لیکن واقعہ یہ ہی ہو۔

اب میں ایک بات اس سلسلہ میں اور کہتا ہوں چاہے آپ کو وہ کتنی ہی بری اور کڑی لگے، مگر جو وہ بالکل حق، اس لیے ضرور کہوں گا۔ سنئے اور غصہ ہونے کے بجائے ٹھنڈے دل سے سوچئے۔ اسلام کے دشمنوں نے، اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت کچھ زہر لگایا۔

اور مجھے معلوم ہے کہ اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے تحریر و تقریر کا یہ شیطانی سلسلہ اب تک جاری ہے اور حسب کبھی ہیں اور آپ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی دیرہ دہن نے اسلام کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو اپنی شیطنت اور بد تمیزی کا نشانہ بنایا ہو تو ہمارا خون کھول جاتا ہو۔ اور جذبات پر قابو رکھنا ہمارے لیے مشکل ہو جاتا ہو اور بلاشبہ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ لیکن خدا را یہ سوچئے کہ دشمنوں کی کسی کتاب، کسی مضمون اور کسی تقریر نے بھی دنیا کو اسلام کی طرف اور پیغمبر اسلام کی طرف آنے سے اتنا روکا ہو جتنا کہ خود مسلمانوں کی بد اعمالیوں نے روکا ہو۔؟ دنیا کی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور اسلام کی طرف جو صدیوں سے نہیں آ رہی ہیں خدا را بتائیے کہ ہم دشمنان اسلام کی کتابوں، تقریروں اور مضمونوں کا زیادہ دخل ہے یا ہماری بد اعمالیوں کا۔ پھر ہم اپنے اوپر غصہ کپڑ نہیں آتا اور ہم اپنی اس زندگی کے خلاف کہیں جنگ نہیں کرتے جو اسلام کے خلاف دنیا کے سامنے ایک کھلی ہوئی گواہی کی حیثیت رکھتی ہو۔

میرے بھائیو! دشمنان اسلام، اسلام کے خلاف یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو ناپاک کتاب یا مضمون لکھتے ہیں، اسکو خاص خاص ہی لوگ پڑھتے ہیں۔ اور جو پڑھتے ہیں وہ بھی بس ایک دفعہ پڑھ کر رکھ دیتے ہیں لیکن مسلمانوں کی بگڑی ہوئی زندگی وہ کھلی کتاب ہے بلکہ وہ پوسٹر ہے جسے ہر غیر مسلم ہر وقت پڑھتا ہو، محلہ میں پڑھتا ہو، بازار میں پڑھتا ہو، دفتر میں پڑھتا ہو، کارخانہ میں پڑھتا ہو، کلب میں پڑھتا ہو، ریل میں پڑھتا ہو، موٹر بس میں پڑھتا ہو۔ پس اگر واقعی ہمیں اسلام سے محبت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ایمانی تعلق ہو تو اس صورت حال کو بدلنے کے لیے ہمیں جان کی بازی لگا دینی چاہیے!۔ اسکے بعد میں یہ عرض کروں گا کہ اس صورت حال کو بدلنے کے لیے ہمیں اور آپ کو کیا کرنا چاہیے۔

اس سلسلہ میں اس وقت صرف ایک مختصر سی بات میں آپ سے کہتا ہوں، آپ میں سے ہر شخص دو باتوں کا فیصلہ کر لے۔ ایک یہ کہ وہ اپنی زندگی کو درست کرنے کی فکر کرے گا، اور دوسری یہ کہ وہ اپنے حالات اور اپنی صلاحیت کے مطابق اپنے دوسرے بھائیوں میں بھی اس کے لیے کچھ کوشش کرے گا۔ اپنی زندگی کی درستی کا مسئلہ کوئی بہت مشکل اور پیڑھا مسئلہ نہیں ہے بلکہ

سیدھا اور آسان ہو۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری میں اب تک جو کوتاہیاں غفلت سے یا نفس کی شرارت سے ہوئیں ان سے بچے دل سے توبہ کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی جائے اور اس گنہ کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کا بچتہ آزادہ اور عہد کر لیا جائے اور اگر بالفرض پھر شیطان کے یا نفس کے بہکانے سے کوئی کام اللہ و رسولؐ کے حکم کے خلاف ہو جائے تو پھر اس سے توبہ کر لی جائے اور معافی مانگ لی جائے۔ اگر آپؐ نے ایسا کر لیا تو اپنی زندگی کی درستی کا سامان کر لیا۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑ لیا۔

ممكن ہو آپؐ میں بعض بھائی ایسے ہوں جو کچھ ایسے گناہوں میں بھی پھنسنے ہوں کہ اپنی کم ہمتی کی وجہ سے ان کے چھوڑ دینے کا اس وقت فیصلہ اور عہد نہ کر سکتے ہوں تو وہ ایسا کریں کہ اب تک جو گناہ ان سے ایسے ہوتے رہے ہوں جن کو چھوڑ دینے کا وہ اس وقت بھی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ وہ توبہ کر کے اس گنہ زندگی میں ان سب گناہوں سے بچنے کا تو ابھی فیصلہ کریں اور جن گناہوں سے بچنے کا فیصلہ کرنا اس وقت ان کے لیے مشکل ہو وہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ اے اللہ ہمارے حالات ایسے کرفے اور ہم کو اتنی ہمت دے کہ فلاں فلاں گناہ بھی ہم قطعی طور سے چھوڑ دیں، ماور پھر اپنا استطاعت کی حد تک وہ اس کے لیے خود بھی کوشش جاری رکھیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہو کہ ان گناہوں سے بچنے کا فیصلہ کرنا بھی ان کے لیے ایک دن آسان ہو جائے گا۔

اسی کے ساتھ میں آپؐ کو مشورہ دوں گا کہ اس توبہ کے ساتھ آپؐ اپنے کو چند ایسی باتوں کا پابند بنالیں جن سے اس توبہ پر استقامت میں آپؐ کو مدد ملے اور اللہ و رسولؐ کے ساتھ آپؐ کا قطع برابر بڑھتا رہے، اور آپؐ کے دین میں برابر ترقی ہوتی رہے، — سُن لیجئے وہ چند باتیں یہ ہیں۔

کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ جو بندہ کی طرف سے توحید و رسالت کی شہادت اور اللہ کی بندگی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا گویا اقرار نامہ ہو، آپؐ اپنے کو اس کا عادی بنائیں کہ دھیان کے ساتھ اور عہد و پیمان اور شہادت کے طور پر اس کلمہ کو پڑھ کر بار بار اپنا ایمان تازہ کیا کریں، بلکہ شریع میں یہ بہتر ہو گا کہ اس کی ایک تعداد اور وقت

مقرر کر لیں۔ مثلاً سو مرتبہ یا کم سے کم دس ہی مرتبہ آپ ہر روز صبح یا شام کو پورے دھیان کے ساتھ اس کلمہ شریف کو پڑھا کریں۔

دوسری بات اس سلسلہ کی یہ ہو کہ نماز انشاء اللہ آپ سب پڑھتے ہی ہوں گے اور جو بھائی اب تک پورے پابند نہ تھے انشاء اللہ وہ بھی اب توبہ کے بعد پابندی سے پڑھا کریں گے، تو آپ سب اسکی عادت ڈالیں کہ آپ کی نماز دھیان اور خشوع و حضور والی نماز ہو۔ جس کا ادنیٰ اور کم سے کم درجہ یہ ہو کہ نماز پڑھتے وقت آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خوف ہو، اور یہ دھیان رہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں، جب آپ کھڑے ہوں تو یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست بستہ کھڑا ہوں اور میرا اللہ مجھے اس حال میں کچھ رہا ہے، اسی طرح جب رکوع یا سجدہ میں آپ ہوں تو اس وقت بھی یہی دھیان ہو کہ اللہ کے سامنے جھک رہا ہوں اور اسکے لئے سجدہ کر رہا ہوں اور وہ مجھے اس حال میں دیکھ رہا ہو۔ نماز کے بارہ میں میں اس وقت اس سے زیادہ تفصیل نہیں کر سکتا۔ جو بھائی اس سے زیادہ تفصیل چاہیں وہ مجھ سے سیری قیام گاہ پر مل کر زبانی دریافت کریں یا سیری کتاب "نماز کی حقیقت" کہیں سے حاصل کر کے اس کا مطالعہ کر لیں۔

تیسری بات اس سلسلہ کی یہ ہے کہ پابندی کے ساتھ اللہ کے کچھ ذکر کی عادت ڈالیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ذکر کے جن کلمات کے تعلیم دی ہو ان میں کلمہ تمجید "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" نہایت ہی جامع کلمہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی ثناء و صفت کے سب پہلو آجاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی بڑی فضیلتیں بیان فرمائیں ہیں صبح شام کم از کم سو دفعہ یہ کلمہ پڑھ لیا کریں، اسکے ساتھ سو سو ہی دفعہ استغفار اور دُود شریف بھی پڑھ لیا کریں۔ یہ ذکر کا بہت ہی مختصر نصاب ہے آپ میں سے جو حضرت اس سے زیادہ کریں وہ کبھی صاحب ذکر بندہ سے اپنے بارہ میں مشورہ کر لیں۔ بہر حال زندگی کی دستی میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو کبھی خاص وجہ جو بشیر طبع یہ ذکر اللہ تعالیٰ کی عظمت کے دھیان کے ساتھ ہو اور زبان کے ساتھ دل و دماغ کا بھی اس میں حصہ ہو۔

چوتھی اور آخری چیز اس سلسلہ کی یہ ہے کہ دو چار منٹ کا کوئی مناسب وقت مقرر کر کے آپ

موت کا مراقبہ کیا کریں، یعنی اپنے خیال اور ذہن کو ہر طرف سے یکسو اور ہر چیز سے خالی کر کے سوچا کریں دنیا میں جس طرح موت کا سلسلہ جاری ہو اسی طرح ایک دن مجھے بھی موت آئے گی، میری روح قبض جائیگی، پھر غسل و کفن اور نماز جنازہ کے بعد مجھے قبر میں دفن کر دیا جائے گا، اُس تہائی کے عالم میں پرکھا کرے گی، پھر جب اللہ کے حکم سے قیامت قائم ہوگی اور میں بھی اٹھایا جاؤں گا تو میرا کیا لی ہوگا، پھر جب عدالت خداوندی میں حساب کے لئے کھڑا کیا جاؤں گا اور میرا اعمال نامہ میرے سامنے لگا تو اس وقت کیا عالم ہوگا، یہ سب اس طرح سوچا جائے کہ دل کی آنکھوں کے سامنے ان سب زلوں کا نقشہ کھینچا چلا جائے اور دل میں خوف اور ہیبت ہو۔ پھر یہ یقین کر کے کہ بس اللہ تعالیٰ کی ست اور مغفرت ہی سے بڑا بار ہو گا اپنے گناہوں سے توبہ کر کے جان ناک ہو سکے پورے احساں کے اتھ اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رحمت کی دُعا کی جائے۔

یہ چار باتیں جو میں نے اس وقت بتلائی ہیں یہ نہ بھجا جائے کہ بس سارا دین یہی ہے اور ان پابندی کرنے سے آدمی پورا دین مار رہ جاتا ہے، بلکہ امید یہ ہے کہ اگر آپ نے ان کو اپنا لیا اور پابندی یہ آپ پر کرنے لگی تو انشاء اللہ آپ کا قلعن اللہ تعالیٰ سے اور دین سے برابر بڑھتا جائے گا اور آپ کی زندگی سنو رتی چلی جائے گی۔

دوستو! اور دینی بھائیو! اپنی اپنی زندگی درست کرنے کے لئے تو ایک عام مشورہ میں نے آپ پر دیدیا، لیکن امت کی زندگی میں عام تبدیلی اسکے بغیر نہیں ہو سکتی کہ اس کے مقصد کے لئے وسیع ایندھن پوری طرح جہد و جہا کی جائے اور ہم میں سے ہر شخص اس کو بھی اپنی زندگی کا جز بنالے، اب امت میں گنجائش نہیں ہے کہ میں اس کا طریق کار آپ کے سامنے بیان کروں صرف اتنا کہہ کے اب مت ختم کرنا ہوں کہ ”بتلیغ“ کے نام سے جو عمومی جہد و جہد ہو رہی ہے، جس کی دعوت لے کر کبھی کبھی ماعتیں آپ کے یہاں بھی آئی ہیں اس کا مقصد یہی ہو اور ان جماعتوں کے ساتھ کچھ وقت گزار کے آپ اس کے طریق کار کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

آخر میں خلاصہ کلام کے طور پر میں پھر کہتا ہوں کہ اس وقت امت کی جو اجتماعی حالت ہے وہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی اور اس کے غضب اور لعنت کو کھینچنے والی ہے اور اس کا انجام نیا اور سخت تر میں خدا نخواستہ بہت بُرا ہونے والا ہے، اور اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ

سفر

(مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

اس مرتبہ ان اوراق کے مترجمہ کے لئے ہم جناب۔ سید
محمد رابع صاحب ندوی استاذ ندوۃ العلماء کے ممنون ہیں۔ (ع)

شنبہ ۵۱/۲/۱۰ - ۴۰/۵/۳

آج کے دن کا بیشتر حصہ اپنے رسالے ”بین العالم و البحر یہ“ اور ”الدروائز رنی تاریخ الاسلام“ کے اجراء کی تصحیح میں گزرا۔ اول الذکر رسالہ دارالکتب العربیہ میں اور آخر الذکر مطبوعۃ انصار السنۃ میں چھپ رہا ہے۔

استاد محمد علی طاہر سے گفتگو

بعد مغرب ہم لوگ سید یاسین الشریف کے ہمراہ محمد علی طاہر سے ملنے گئے۔ ان سے اس وقت کی ملاقات پہلے سے مقرر تھی، یہ رسالہ الشوری کے مدیرین ہماری ان سے (غائبانہ) واقفیت ہندوستان ہی سے ہو، امیر شکیب ارسلان سے ان کا تعلق اور ان کی تصنیفات کی اشاعت سے ان کی کچھ سی اس کا بڑا سبب تھی نیز یہ کہ مجاہد کے زمانہ قیام میں ان کی ”تصنیف“ ”مقتل ہاکتیب“ بھی تھوڑی سی دیکھی تھی۔ ہم ان کے پاس پہنچے تو ان کے پاس فلسطینی سپرالا عرب اللہ المتل بھی موجود تھے، بیٹھے ہی فلسطین اور اس کے ضیاع کے وجود و اسباب پر گفتگو کرنے لگی، یہ محمد علی طاہر

سے فلسطین سے واقفیت میں اسٹیکٹ کا درجہ رکھتے ہیں، کہنے لگے کہ ایک کتاب لکھنے کا ارادہ ہو جو فلسطین سے ہی مخصوص ہوگی اور اس سے فلسطین کی حقیقت اور تاریخ اور وہاں پیش آنے والے حالات معلوم ہو سکیں گے اس ارادہ کا محرک یہ اندیشہ ہو کہ جس طرح فلسطین ضائع ہوا کہیں اسکی تاریخ بھی ضائع نہ ہو جائے اور پھر بعد کے آنے والے مؤرخ اور اہل قلم اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہیں اور ان کو اس مسئلے کی حسب ضرورت معلومات فراہم نہ ہو سکیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میری یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز ہو جو مستند حقائق و معلومات پر مشتمل ہو فلسطین کا معاملہ بالکل اندلس جیسا ہو اسکی بھی تاریخ ضائع ہو چکی ہوتی اگر مرقی نے اپنی زبردست کتاب ”فتح الطیب“ نہ تصنیف کر دی ہوتی۔

فلسطین کا الملیہ اور عرب سلطنتوں کی تقصیر | اس کے بعد محمد علی ظاہر الملیہ فلسطین کی استان اور اس مسئلے میں عرب سلطنتوں کی تقصیر بیان کرنے لگے وہ بتانے لگے کہ ان عرب سلطنتوں نے تقصیر سے آگے بڑھ کر فلسطین کے ساتھ دشمنی کا بڑا ٹوکیا ہو انھوں نے اہل فلسطین سے خود ان کے اسلحہ بھی چھین کر قبضہ میں کر لئے اور اس قوم کو ایسا نہتا کر دیا کہ نہ تو اپنی جان کی مدافعت کر سکتی تھی نہ عزت کی جس کے نتیجہ میں اہل فلسطین یہود کے لئے ایک لغو ترین گئے، اگر ان سلطنتوں نے اور عرب لیگ نے اہل فلسطین کو چھوڑ دیا ہوتا کہ وہ اپنے مسئلہ سے خود نمٹ لیں تو وہ اپنے ملک کی مہادارنہ مدافعت کر سکتے تھے جس طرح وہ اب تک اس بڑی مدت میں اپنی مدافعت کرتے رہے تھے۔ اسکے بعد ہم لوگ ان بڑی شخصیتوں اور لیڈروں کے کردار پر گفتگو کرنے لگے میں نے کہا زمانہ قدیم میں علما و رجال اہل ارجال پر کتابیں لکھتے تھے اور ان میں جرح و تقدیر کرتے تھے۔ اب یہ زمانہ چوں کہ سیاست اور لیڈری کا زمانہ ہے، سیاست ہر علم پر بلکہ ہر دوسری چیز پر غالب آچکی ہے چنانچہ آپسے زمانہ کے مطابق ان سلمان یا سین و قائمین کی جرح و تقدیر میں کتاب لکھی۔ اسکے بعد میں نے ان کو اپنی کتاب ”اسلامی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“ کا عربی ایڈیشن پیش کیا، انھوں نے مجھے ”ذکر علی الامیر شکیب ارسلان“ عنایت فرمائی، یہ ان مضامین اور ان اشعار کا مجموعہ جو ابو امیر شکیب کے اسی جلسوں میں پڑے گئے اور جو کچھ ان کے احباب و اصداقا یا مدیران رسائل و جرائد نے ان کی وفات پر کہا یا لکھا، اس کتاب کے علاوہ انھوں نے ادراقی محسوسہ اور معتقل مکتوب بھی عنایت فرمائی اس دور میں ان کے کچھ ملاقاتی آئے اور انھوں نے ہمارا ان کا تعارف

کرایا ان لوگوں میں احمد الشقیری معاون سکریٹری عرب لیگ اور قاضی محمد عبدالرشید عربی بن کی وزارت خارجہ کے سکریٹری تھے، سکریٹری صاحب ”تصر الجزیرہ“ ہوٹل میں رہنے کے روز ملاقات طے ہوئی اور احمد الشقیری صاحب بھی اسی شنبہ یا چار شنبہ کو ملنا طے ہوا۔

یکشنبہ ۵/۵/۶۰ - ۵۱/۲/۱۱

آج ایک حمام جانا ہوا جو ترکی حماموں کے طرز کا تھا، غسل کے ارادہ سے اندر داخل ہوا تو مجھے نہانے والے جوانوں نے غمزدادہ دھڑکنے والے آواز کی ایک برہنہ جماعت ملی جن کے جسموں پر کپڑے کی دھبی بھی نہ تھی اور ان کے اور جانوروں کے درمیان مطلق فرق نہ تھا۔ میں اس عجیب و غریب ڈھنگ کو دیکھ کر جو شریعت شرافت اور انسانیت کے منافی تھا اس کے متحمل نہ ہو سکا اور بغیر غسل کئے دل برداشتہ ہو کر باہر نکلا۔

بے حیاء صحافت

آج کے اخبارات میں شاہ فاروق کی سالگرہ کی مناسبت سے شاہ اور شاہ کی منگیت کے نوٹوشائع ہوئے ہیں اس منگیت سے روم منگنی آج ہی مکمل ہوئی ہے یہ نوٹو ایسے تھے جو مسلمان بی بیوں کے لئے بالکل مناسب نہیں ایک ایسی خاتون جو تھوڑے عرصہ کے بعد ملکہ مصر بننے والی ہے اس کے لئے لازم تھا اس کے اس طرح کے نوٹو اخبارات میں شائع نہ ہوں جبکہ صحافت ایک کھلا بوائے جو لیکن اسکا کیا کیا جائے کہ ذوق و نظر بالکل تبدیل ہو گئے اور صحافت بالکل آزاد ہو چکا ہے سب شائع کرتی ہے اور ان طریقوں کو ناپائیدار کرنے والے صرف تھوڑے سے ہیں جن کا کوئی اثر نہیں۔

اہرام کی سیر

آج ہم اہرام دیکھنے کے لئے بھی گئے۔ عظیم الشان اہرام جن کا شمار دنیا کے عجائبات اور فن و تاریخ کے امت فخر و آثار میں ہے اور بارہا ہم نے ان کے بارے میں پڑھا اور سنا ہے ہم ان کے پاس اس طرح پہنچے کہ ہماری نگاہیں انکی جانب اٹھی ہوئی اور دل ان کی جانب متوجہ تھے، یہ ایک مخمڑی شکل کی بلند عمارت تھی جس کی تعمیر چکے پتھر و سارے کی گئی ہے عقل حیران ہو کہ جن المقطم سے یہاں تک یہ پتھر کس طرح لائے گئے۔

ظالمانہ سیکورٹی یادگار | بڑے اہرام کو ہم نے گھوم پھر کر دیکھا یہ شاہ فوحو کا مقبرہ جو اسارت

(باقی صفحہ ۴۶)

انتخاب

دینی تعلیمی کنونشن بہار (ادارہ) کے خطبہ صدارت (از شاہ
معین الدین احمد ندوی اڈیٹر عارف) کا ابتدائی حصہ۔

مذہبی تعلیم کی اہمیت

حضرات آج ملک میں ایک ایسا طبقہ ہے جو مذہب اور مذہبی تعلیم کے نام سے کھٹکتا ہے خصوصاً مسلمانوں کی مذہبی وابستگی کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ حالانکہ دوسری قومیں اپنے پرانے اداہم اور فرسودہ رسم و رواج تک کو زمرہ کر رہی ہیں۔ درحقیقت نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری دنیا کے موجودہ حالات کی بنا پر اس زمانہ میں جس قدر مذہب اور مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے اتنی کبھی نہ تھی۔ مادی تصور حیات اور قوم و وطن پرستی کے پیدا کرنے والوں نے ان قوموں کو بھی اخلاق و روحانیت کی عزت مائل کر دیا ہے جو اس کی سب سے بڑی مخالفت تھیں اور اخلاق و روحانیت کا دار مذہب اور مذہبی تعلیم پر ہے۔ اس کے بغیر صحیح اخلاق و روحانیت کا وجود نہیں ہو سکتا، جو اخلاق و روحانیت انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے خالی ہو وہ محض ایک فن یا فنیہ ہے جس کا عملی زندگی میں بہت کم اثر ہوتا ہے۔ انسانی اخلاق کی اصلاح کیلئے محض فلسفہ اخلاق کی تعلیم کافی نہیں ہے۔ انسانوں کو لاکھ اخلاق و حکمت سکھائی جائے اور ممکن ہے اس کے ذریعہ کچھ انسان سدھ بھی جائیں۔ مگر جب تک دلوں میں ایک قادیطریق نہ ہو تو یقیناً اذعان اور اس کے موافقہ کا غور نہ ہوگا اس وقت تک عالم انسانیت کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور وہ اخلاقی قوانین کا پابند نہیں ہو سکتا جس پر موجودہ دنیا کے حالات مشاہد ہیں۔ آج سے زیادہ تعلیم و ترقی کا زمانہ اور کون سا ہوگا، بہتر سے بہتر فلسفہ اخلاق اور اس کی تعلیم کے ایسے ایسے سامان موجود ہیں جن کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن اخلاقی حقیقت سے آئے انسان جس قدر نہیں ایہ جو اتنا اپنے دور و حشر میں بھی نہ تھا اور مادی ترقی کی معراج

پر پہنچنے کے باوجود اپنے اخلاق و اعمال میں وحشی انسانوں سے بھی گرا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے علم و حکمت سے کائنات کو مسخر کر لیا ہے مگر انسانیت کے امراض کا مداوا نہ کر سکا حکیم الامت کے بقول: جس نے سوچ کی شخاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شبہ تار یک سحر کر نہ سکا

اگر تہذیب و ترقی محض مادی ترقیوں کا نام نہیں ہے اور اس میں تہذیب اخلاق بھی شامل ہے تو آج کے مہذب انسان اور دور و جہالت کے وحشی انسانوں میں مادیت کے ظاہری لحاظ کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں ہے اور وہ اپنی ہلاکت آفرینی میں وحشی انسانوں سے بھی بڑھ کر ہے، آج جو قوم جس قدر ترقی یافتہ ہے اتنے ہی وہ فضا کا اخلاق سے عاری اور دنیاوی ہوا و ہوس میں غرق ہے اخلاقی تہذیب کی کوئی قیمت نہیں رہ گئی ہے۔ انسانیت کا احترام اٹھ چکا ہے، ہر قوم اپنے تعوق اور برتری قومی سر بلندی مادی وسائل سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوزی اور تعیش و تخط نفس کے لئے کمزور قوموں کو ٹٹانے یا کم از کم اس کے حقوق غصب کرنے کے درپے رہتی ہے جس سے ساری دنیا میں سیاسی اور اقتصادی کش مکش کا ایک طوفان برپا ہے۔ قوموں کی رقابت نے دنیا سے امن و سکون کا خاتمہ کر دیا ہے۔ علم و سائنس کی ترقیاں انسانیت کی خدمت کے بجائے اس کی تباہی و بربادی کے سامان فراہم کرنے میں صرت ہو رہی ہیں جس پر انٹلی توانائی کے تخریبی تجربات شاہد ہیں اور مہذب اور ترقی یافتہ انسانوں کی درندگی و بھیمیت کی شہادت ہیر و شیا اور ناگاساکی کے کھنڈرات سے مل سکتی ہے۔ اگر قوموں کی خود غرضی اور جذبہ انانیت کا یہی حال رہا تو وہ دن دور نہیں جب خود ترقی یافتہ انسانوں کے ہاتھوں تہذیب و انسانیت کا خاتمہ ہو جائے گا اور دنیا ہی میں قیامت کا نمود نظر آجائے گا۔ عارت روم نے ایسے علم و سائنس کے لئے کہا ہے

علم را بر دل زنی بار سے بود علم را بر تن زنی مار سے بود

بڑے بڑے مدبر اور مفکر آنے والے وقت سے ہر اس میں اور اس کے اسناد کی تدبیریں سوچ رہے ہیں۔ یو۔ این۔ او اس کے صل کی تلاش میں سرگرداں ہے مگر ہر قوم مادی تصورات میں اس قدر غرق اور خود غرضی میں اتنی مبتلا ہے کہ کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہونے پاتی اور یہ سارا فساد فی الارض نتیجہ ہے خدا کے عفو و بخشیت سے آزادی، احتساب نفس سے غفلت اور مواخذہ آخرت سے بے نیازی کا جس کی بنیاد مذہب اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم پر ہے اس کے لئے تنہا فلسفہ اخلاق کا

درس کافی نہیں۔ دنیا میں جتنے اخلاقی اقتضاب بھی برپا ہوتے اور رائج بھی جو اخلاق و روحانیت کی کرن نظر آتی ہے وہ کما، فلاسفہ اور دنیاوی مصلحین اور متبعین اخلاق کا نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کا فیض ہے۔ ارسطو و افلاطون کا فلسفہ، افلاق اور سقراط کی اخلاقی تعلیمات کا وجود صرف کتابوں میں وہ گیا ہے لیکن حضرت موسیٰ عیسیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا فیض آج بھی دنیا میں جاری ہے۔ اس لئے مذہب اور مذہبی تعلیم کی ضرورت موجودہ اصطلاح میں محض فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے نہیں بلکہ انسانی نقطہ نظر و حواس کے بغیر ادیت کے پیدا کرنے، مفاسد کا علاج نہیں ہو سکتا اس لئے اب خود ترقی یافتہ قوموں نے تحکیم کر خدا اور مذہب کا نام لینا شروع کر دیا ہے۔ گواہی یہ نام صرف زبانوں پر ہے بلکہ ایک نہ ایک دن وہ ان کی بنیاد لینے پر مجبور ہوں گی۔

مذہب کی بنیادی صداقتیں، خدا اور آخرت کا یقین، نفاک اخلاق کا حصول اور زوال اخلاق کا ترک جن کو قرآن مجید نے معروف و منکر سے تعبیر کیا ہے تمام الہامی مذاہب میں مشترک ہیں اور تمام الہامی مذاہب کی اس ایک ہے جس کو قرآن مجید میں الاسلام کہا گیا ہے لیکن قوموں اور ملکوں کے حالات، ان کی ضروریات اور انسانی عقل و شعور کے ارتقاء کے اعتبار و مختلف زمانوں اور قوموں کے مذاہب کی تفکیک مختلف اور ان کے قوانین جدا جدا ہیں۔ انہی قوانین سے مذاہب میں امتیاز پیدا ہوتا ہے اور ان کی ملت وجود میں آتی ہے اور اسی بران کی بقا کا دار و مدار ہوتا ہے، ان کے بغیر کسی ملت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ملت اسلامیہ کا وجود اسلام سے وابستہ ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام محض چند عقائد و رسوم یا سماجی نظام کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مکمل نظام حیات ہے جس سے زندگی کا کوئی شعبہ بھی باہر نہیں ہے اور وہ مسلمانوں کی جملہ دینی، دنیاوی اور روحانی و مادی ضروریات کا کفیل ہے اور جس طرح وہ انسانی ہدایت اور تزکیہ و تطہیر کا نسخہ ہے۔ اسی طرح قوموں کے ترقی و زوال، ترقی و تنزل اور موت و حیات کے اصول کی بھی کتب ہے اس لئے مسلمانوں کی دینی و اخروی سعادت کے ساتھ ان کی دنیاوی فلاح و ترقی بھی اسی سے وابستہ ہے۔ یہ محض خوش عقیدگی نہیں بلکہ تاریخی حقیقت بھی ہے۔ مسلمان جب بھی آگے بڑھے مذہب ہی کے سہارے بڑھے اور جس قدر اس کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹا گیا وہ دنیاوی حیثیت سے بھی گرتے گئے۔ اس لئے مسلمانوں کی موت و حیات مذہب

ہی سے وابستہ ہے اس کے بغیر ان کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ (قومی آواز)

عورت جہاں مرد بن گئی ہو | نیشنل سماجی و فیئر کونسل (قومی مجلس بہبود و اطفال) کے صدر لارڈ ویرولم کی تازہ تقریر یورپ میں۔

”ملک کی پیداوار اور بارکھٹ اور اقتصاد کی حالت خواہ کیسی بھی ہو، بچوں کی فوج ان ماؤں کو فیکٹریوں کی بجائے گھروں میں اہم فرائض انجام دینے میں نہیں نیکمری کر لے، اور گھیر کر لے سے کہیں زیادہ اچھی ماؤں اور اچھی بیویوں کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔ فیکٹریوں میں عورتوں کی شفٹ شام کے ۶ بجے شروع ہوتی ہے اور اکثر مائیں فیکٹریوں میں چلی جاتی ہیں اور دن بھر کے تھکے ہارے باپ گپ شپ کے لئے کسی شراب خانہ میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچے رات کے دس بجے تک گلیوں میں آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں اور انہیں سنبھالنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ملک صنعتی لحاظ سے ترقی کر رہا ہے لیکن گھریلو زندگی تباہ ہوئی جا رہی ہے۔“

ہندوستان اور پاکستان کی ترقی زدہ یلگامات اور روشن خیال خواتین یہ اسان درد اور نالہ حسرت سن رہی ہیں! تہذیب و تمدن کے جس جلوہ پر وہ خدا ہو رہی ہیں۔ اس نے خود اپنے مرکوز میں کیا حال کر رکھا ہے اور گھریلو زندگی کتنی بگاڑ رکھی ہے۔

نرالی سیکولرزم | ڈیڑہ اعلیٰ ایسٹ شری مرادھی ڈیپائی نے تانہ جھیل سے نہر تک اپنی لائے کی نئی پائپ لائن کا افتتاح فرمایا، پہلے پوچھا ہوا، برہمنوں نے منتر پڑھے اور منتروں کی گونج میں وزیر اعلیٰ نے ہتیا گھمایا۔ جس کے ذریعے تل میں پانی آنے لگا۔

اور حکومت کی بار بار کی اعلان کی ہوئی نامذہبیت، جوں کی توں اور ہر دستور قائم رہی سیکولرزم کی پیشانی ابھی بھی داغدار نہ ہوئی جیسا کہ اس سے پہلے بھی بے شمار موقعوں پر داغدار نہ ہوئی تھی۔ لیکن ہندوستانی سیکولرزم کا آخر یہ مطلب ہی کیوں سمجھا جائے کہ اس ناظرِ مذاہب اور بے تعلقی میں دوسرے مذہبوں کے ساتھ ساتھ ہندو دھرم بھی داخل ہے!

لیڈی رسول کی زبان | لاہور کے ایک معزز ہفتہ وار میں اس کے مکتوب قاہرہ ہے۔ گزشتہ سال جون ۱۹۷۳ء میں جب جرمنی کے مشہور فوجی

قائم انجمنی مارشل روڈ میں کی بیوی مصر آئیں تو انھوں نے خواتین کی ایک پریس کانفرنس میں میں بتایا کہ :-

جرمن عورتوں کو اجتماعی (سوشل) خدمات کے علاوہ کسی امر سے سر دکا نہیں اور ہمارے ہاں گھروں میں کام کاج کرنے کے لئے کوئی خادمہ نہیں ہوتی بلکہ گھر کا کام کاج ہم خود سر انجام دیتے ہیں۔

مادام دریہفتی جو مصر میں بیگم رعنا کی دوسری کاپی ہیں۔ انھوں نے مارشل کی بیوی کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم مرد سے کسی حیثیت میں بھی پہچنے نہیں۔ میدانِ رزم ہو یا بزمِ اہم دونوں صورتوں میں اس کے ساتھ شریک رہنا چاہتے ہیں۔ اس خطاب کا جواب دیتے ہوئے بیگم مارشل نے کہا کہ "میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتی کہ تم جیسی نرم و نازک عورت افریقہ کے صحراؤں میں بھٹیاد اٹھائے گی۔" بیگم مارشل نے یہ بات اس لئے..... کہی کہ ان کے خادمہ مارشل روڈ میں نے گزشتہ جنگ میں افریقہ کے ریگستانوں میں مجیڑ العقول کا رمانہ سر انجام دے دیں۔

اس جواب پر دریہفتی خاموش ہو گئیں۔ مصری اخباروں نے اس سوال جواب پر لکھا تھا کہ مادام دریہ کا چہرہ بیگم مارشل کے جواب سے تہمتا اٹھا۔ کیونکہ اس جواب سے انھیں خوبصورتی کا سٹریٹیکٹ مل گیا۔ گو جواب ان کے غلات تھا۔

کتاب اثر اور حیرت انگیز تھا یہ مکالمہ کہ اسلامی نام رکھنے والی خاتون مصر یہ فرما رہی تھیں کہ مرد عورت میں کسی حیثیت سے کوئی فرق نہیں، اور غیر مسلم جرمن لیڈی یہ بتا رہی تھی کہ عورت مرد کی سی مشقت برداشت نہیں کر سکتی!۔۔۔ مومنہ جس کا کام فطرت کے بتائے ہوئے ہر فرق کو ملحوظ رکھنا اور اس کا درس دوسروں کو دینا تھا وہ اپنے مقام سے غافل ہو چکی اور دوسرے اس کی تعلیم کو اسی کے ہاں سے لے کر یاد رکھتے ہوئے اور اظہارِ اب اس کا درس اسی کو دے رہے ہیں! (صدقِ جہدیں) (لیفٹ صفحہ ۴۲)

ہم اپنی اس گجڑی ہوئی زندگی سے اسلام کو رسوا کر رہے ہیں اور شاید اللہ کے لاکھوں کروڑوں بندوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہونے سے روک رہے ہیں۔ اس لئے اس وقت کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی حالت کو درست کرنے کی فکر کرے اور امت کے دوسرے افراد میں بھی اسکے لئے جو جہد و جدہ کر سکتا ہو اس میں کوئی کمی نہ کرے۔ اگر ہم نے یہ کیا تو

یقیناً ہم اپنے اللہ کو راضی کر لیں گے اور دنیا اور آخرت میں اس کے فضل اور رحمت کے مستحق ہوں گے، اور دنیا کی تو میں اسلام کی طرف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسی طرح بڑھیں گی جس طرح کہ کبھی پہلے یہ ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سینوں کو کھولے، ہم میں عزم پیدا کرے۔ اور اپنا فرض ادا کرنے کی توفیق دے

(بقیہ صفحہ ۴۸)

کی پڑائی و لفریبی اور اس بڑے تاریخی نشان کی عظمت و شان میں لے آس بات سے مانع نہ بن سکی کہ میں اس ظالمانہ بیگار پر نفرین کروں جس کے نتیجے میں یہ امٹ یادگار وجود میں آئی ہو یہ ایک بادشاہ کے مدفن کے سوا اور کیا ہے؟ حالانکہ اس کو اس مقصد کے لیے دو ہاتھ زمین کافی تھی لیکن اس شخص نے اپنے جذبہ حب جاہ و افتخار کی تسکین اور اپنی ایک امٹ یادگار قائم کرنے کی غرض سے ہزار ہا اشخاص کو استعمال کیا اور ایک مدت دراز تک اس فضول کام میں پھنسائے رکھا ایسے ہی موقع پر آدمی کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول یاد آ جاتا ہے اور وہ اکی صد اقت و عظمت کا قائل ہو جاتا ہے۔

اتبنون بكل ریح آیتہ یتم ہر بندی پر ایک یادگار قائم کر کے
تعبثون و تتخذون مصانع کیا لغو کام کرتے ہو؟ اور اس طرح
لعلکم تخلدون غل بنائے جاتے ہو جیسے تمہیں ہمیشہ
میان رہنا ہے۔

مجھے انسانی طاقت اور اس کی صلاحیتوں کا یہ مصروف اور ان قیمتی اوقات رجن کا کوئی بدل نہیں کیا استعمال بہت قابل افسوس معلوم ہوا اسکے بعد ان بعدوں کی طرف گیا جن میں اب تک کچھ تصویریں مجھے نقوش و تحریرات پائے جاتے ہیں اس دوران میں ہمارا ہر ہر چیز کی تشریح کرتا جاتا اور وہ سب بیان کرتا جاتا تھا جو اس نے علماء آثار قدمیہ سے ان معبدوں اور متعلقہ شخصیتوں کے بارے میں سنا یا یاد کر رکھا تھا، اسکے بعد ہم نے ابو الہول دیکھا اور اس طرح چند گھنٹے اس تاریخی سیر کی تذکرہ کے اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔

تعارف و تبصرہ

جدید آسان لغات القرآن | مرتبہ جناب عبدلکریم صاحب پارکیدہ ناگپوری ٹمبر مرچنٹ۔
اقواری ناگپور۔ ۳۲ صفحات۔ چھوٹا سا سائز۔ کتابت۔ طباعت۔
اور کاغذ بہتر قیمت بارہ آنے۔

یہ کتاب غیر عربی داں شائقین فہم قرآن کے لئے لکھی گئی ہے اور لکھا گیا ہے کہ قرآن عزیز کے تمام الفاظ مشتعل ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنا مختصر سا کتابچہ کیوں کر تمام الفاظ قرآنی پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں تمام الفاظ قرآنی سے مرتب کی کیا مراد ہے؟ بہر حال جو کچھ بھی مراد ہو اور اور جتنے الفاظ پر مشتمل ہو، اسے مفید مطلب شکل ہی سے کہا جاسکتا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ پارکیدہ صاحب نے ایک ایسا کام اپنے ذمہ لے لیا جو ان کے کرنے کا نہیں تھا۔ چنانچہ وہ اتنی مختصر سی تالیف میں بھی کسی ایک روش کسی ضابطہ کسی قاعدہ اور کسی اصول نکارش کے پابند نہیں نظر آتے کہیں دو دو متقل اسما کو کلا کر ایک لغت قرار دے دیا ہے جیسے الحی الیقوم اور کہیں علامت استقبال میں کو بھی فعل مضارع سے الگ کر دیا گیا ہے کہیں افعال شتقہ کا ترجمہ صیغہ کے مطابق کیا گیا ہے اور کہیں معنی مصدری ہی لکھ دئے گئے ہیں۔
علاوہ ازیں بعض جگہ نفس ترجمہ کی غلطی بھی نظر آئی مثلاً متبرجات کا ترجمہ ”بناؤ سنگھار“ یا
”اخذ ان کا ترجمہ چوری چھپے آشنائی کرنا“

بہتر ہوتا کہ پارکیدہ صاحب اس کام کو اس کے اہل لوگوں کے لئے چھوڑ دیتے اور چھوڑ کر
کا کیا سوال بعض اچھی تالیفات اس سلسلہ میں ہو بھی چکی ہیں اور ہورہی ہیں بعض کا تعارف
بھی انہیں صفحات میں کر لیا جا چکا ہے۔

تبلیغی دور | از مولانا قاری دودا لکھی صاحب ندوی۔ کتابت طباعت بہتر، کاغذ معمولی صفحات ۲۴۰۔ قیمت پھر۔ ناشر ادارہ تبلیغ اسلام نمبر ۱۳۱ زکریا مسجد اسٹریٹ پہلا مالابیہی نمبر ۹۔

قاری صاحب موصوف نے گزشتہ سال مشرقی افریقہ کا تبلیغی سفر فرمایا تھا۔ یہ اسی سفر کی روئیداد ہے۔ جو روزنامہ کے انداز پر قلمبند کی گئی ہے۔ تبلیغی فرائد کے ساتھ ساتھ، سفر کے دیگر کوائف، مشرقی افریقہ کے مختلف مقامات کا تعارف، ہر جگہ کے کچھ عمومی حالات کا تذکرہ۔ وہاں کے مسلمانوں کی دینی، معاشرتی اور اقتصادی حالت اور قادیانی مبلغین کی سرگرمیوں وغیرہ پر یہ روزنامہ مشتمل ہے۔ امید ہے کہ مجموعی طور پر مفید ہوگا۔

- (۱) **سنت رسول** مصنفہ شیخ مصطفیٰ السباعی، مترجمہ ملک غلام علی صاحب
 (۲) **مکاتیب سلیمان** مولانا سید سلیمان ندوی کے خطوط مولانا مسعود عالم ندوی کے نام، مرتبہ مولانا مسعود عالم
 (۳) **شعلہ خیال نظم** از جناب نعیم صدیقی ۱۰۰ صفحات عمدہ کاغذ، مجلد پیر
 تینوں کتابیں مکتبہ چراغ راہ بیرون بوباری دروازہ لاہور نے شائع کی ہیں اور ہندوستان میں مکتبہ الحسنات رام پور سے مل سکتی ہیں۔

(۱) ایک شامی عالم اور ادیب ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ حسنی سباعی کا ایک بسوط مقالہ ہے جو قاہرہ کے بلند پایہ ماہنامہ المسلمون میں باقسط شائع ہوا تھا۔ ملک غلام علی صاحب (معاون امیر جماعت اسلامی پاکستان) نے اس کو اردو کا قالب دیا ہے اور اس وقت وہ ایک چھوٹی سی کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ ابتدا میں مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے قلم سے چند صفحہ کا تعارف ہے جس میں انھوں نے ترجمہ کی تحسین و تصویب بھی فرمائی ہے۔ ترجمہ کی خوبی تو مطالعہ سے ظاہر ہو جاتی ہے مگر یہ بات کہ ترجمہ مطابق اصل بھی ہے یا نہیں اس بارے میں مولانا کی تصدیق ایک کافی دشانی ضمانت ہے۔

پاکستان میں انکا حدیث و سنت کا فقہ ایک نہایت تشویشناک صورت اختیار کر رہا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت اسی فقہ کی فارت گرمی کے سبب اب کی ایک کوشش ہے اور ہماری نظر میں نہایت وقیع اور سنجیدہ کوشش ہے۔ چونکہ اصل تصنیف ایسی فضا میں

ہوئی ہے جہاں یہ فتنہ موجود نہیں ہے اس لئے خالص تحقیقی انداز کی ہے بلکہ مولانا مسعود عالم صاحب کانیال تو یہ ہے کہ ویسے ویسی مقالہ ہے جس پر سماعی صاحب کو ڈاکٹر پیٹ کی ڈگری ملی تھی اسی کو انھوں نے جدید ترتیب کے ساتھ المسلمون میں شائع کرایا ہے اس لئے اس کو خالص تحقیقی ہونا ہی چاہئے تھا۔

یہ کتاب بچہ ابواب پر منقسم ہے مگر اصل ابواب پانچ ہی ہیں۔

(۱) سنت کا مفہوم اور نظام دین میں اس کا مقام (۲) حدیث کی روایت و کتابت۔

(۳) فتنہ وضع حدیث۔ (۴) سنت کی محافظت کے لئے محدثین کا مجاہدہ عظیم۔

(۵) تدوین سنت اور علوم حدیث۔

ان میں سے ہر باب کے تحت بہت سے ذیلی عنوانات اور مرتب و منضبط بحثیں ہیں۔

استدراک کے عنوان سے جو ایک مستقل باب قائم کر دیا گیا ہے ہمیں وہ کچھ بے ضرورت ہی سا معلوم ہوا۔ اولاً تو استدراک کو اس کتاب میں شامل کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اگر ایسا ہی تھا تو وہ چھٹے باب کے ضمن میں ہی آ سکتا تھا۔

کاغذ عمدہ، کتابت لطیف، بہترین صفحات ۱۶۷ مجلد، قیمت دو روپے چار آنے۔

(۲) یہ مولانا سید سلیمان ندوی کے ان مکتوبات کا مجموعہ ہے جو مرحوم نے اپنے شاگرد (مرحوم)

مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کو تحریر فرمائے تھے۔ مکتوب الیہ نے ان کو اپنے اساتذہ مرحوم کی وفات کے بعد ان کی یادگار کے طور پر مرتب فرمایا تھا مگر دنیا کی بے ثباتی کا تاثر دیکھتے کہ اس مجموعہ

کی اشاعت سے قبل ہی خود مرتب بھی اسکی عالم میں پہنچ گئے فرحما اللہ تعالیٰ

سید صاحب جیسے جامع علوم کے خطوط ایک ذریعہ علم شاگرد کے نام ظاہر ہے کہ اور لوگوں

کے لئے بھی گونا گوں فوائد سے خالی نہ ہوں گے بعض خطوط اس قدر پر مغز اور بصیرت افروز

ہیں کہ بقول مرتب بڑی بڑی تصانیف پر بھاری ہیں۔ ایسے خطوط عموماً تصون و سلوک متعلق

ہیں جس میں رتاز و شاگرد کا نقطہ نظر مختلف تھا اور مختلف ہی رہا۔ علیٰ ہذا بعض خطوط سے

جماعت اسلامی سے سید صاحب کے نقاط اختلاف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی

علمی، ادبی اور تاریخی معلومات بھی ان خطوط میں جابجا بکھری ہوئی ملیں گی۔

مگر اقباس کے لئے نگہ انتخاب ان سب سے الگ ایک اور قسم کے مکتوب پر نظر پڑی ہے۔
ان مکتوبوں سے تو استفادہ جب کبھی کتاب ہاتھ میں آئے کر لیجئے گا۔ اس وقت تو یہ چند سطریں
بڑھ نیچے جنہیں بڑھ کر تبصرہ نگار پھولک اٹھا۔

”دور اکبری اور داراشکونی کا خواب دکھا ہمارا ہے تو دورنگ زیب کی تلواریں اور
مجددالتناہی کا قلم اب بھی حاضر ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وطنی سیاست پر اتحاد
کی خاطر عرب و تمدن کو تکلیف کیوں دی جا رہی ہے۔ عیسائی بریں خوش دہی بریں خوش۔“
(مکتوب نمبر ۱۷، قومی سٹیمپ ۱۹۷۹ء)

کتابت طباعت اور کاغذ نہایت عمدہ دیدہ زیب گردوش صفحات ۲۴۰، مجلد قیمت تین روپے چار گنے
(۳) یہ نفیم صدیقی صاحب مدبر چراغ راہ کی غزلیہ تخلیقات کا مجموعہ ہے خاص طور سے
دور زنداں کی تخلیقات کا۔ نفیم صاحب کی شاعری کا اصل میدان معلوم ہوتا ہے
کہ رزمیہ اور طنزیہ نظمیں ہیں۔ یہاں ان کے جو ہر خوب کھلتے ہیں مگر غزل میں تو ان کا رنگ کچھ
جتنا نظر نہیں آتا۔ اس مجموعہ کی چند ہی غزلوں میں کچھ اشعار ملتے ہیں جن میں تغزل کی شان پائی جاتی
ہو۔ اور یوں تو نظر اپنی اپنی پسند اپنی ہے۔ قیمت ہر لحاظ سے زیادہ معلوم ہوتی ہو۔

جیتلائی بی۔ اے۔ ناشر گلپنہ چراغ راہ کراچی۔

اذان اور دوسرے افسانے

ہندوستان و پاکستان میں بہت سے نوجوان شاعر و افسانہ نگار جماعت اسلامی کی
دعوت سے متاثر ہو کر اسلامی ادب کے نام سے ایک نئے ادب کا تجربہ کر رہے ہیں۔ جیتلائی بی۔ اے۔
پاکستان میں اس تحریک کے ایک نمایاں رکن ہیں۔ یہ انہیں کے چند افسانوں کا مجموعہ ہے جن میں
سے پہلا افسانہ اذان ہے۔ فنی نقطہ نظر سے ان کو جانچنا تو ارباب فن کا کام ہے۔ البتہ
مقصود نقطہ نظر سے دو ایک افسانوں کو چھوڑ کر ہمیں ان افسانوں کے اندر لگنی خاص افا دیت
نظر نہیں آتی۔ علاوہ انہی افسانوی یا شعری انداز بیان کا جو مقصد ہوتا ہے کہ قاری اسے پڑھنا
تو قہر چکا مگر اس کا دل و دماغ غیر شعوری طور پر اس سے کچھ اثرات قبول کرے، اس چیز کی بھی
اکثر افسانوں میں کمی ہوئیے دلکش مناظر دو ایک ہی افسانوں میں ملتے ہیں جو قاری کے لئے غیر معمولی

کلمہ امانتہ

ہماری دعوت

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد رکھو اور ہزار ایمان ہو کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک دہن ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت ایک اصول اور ایک ہم فیصلہ جو دوسرے
اس بات کا نمونہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی
اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز کی عبادت اور بندگی کریں گے اور اس سال تک پیش گئے اور مزید گئے
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لائے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں۔ وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا
عہد کرتے ہیں اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنے کا پابند ہیں۔
خَالِدِينَ فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ
يُؤْتِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ يُعْلِمُ سِرَّهُ وَخَيْبَاتِهِ لَا يَلْفِظُهَا بِالصَّالِحِينَ
”وَاوَاهُ الْفِرْقَانُ“

مِنْهُمْ وَرَبِّهِمْ

مَجْرِبُظْوَرُ بِنَامِي عَفَا الشَّرْعَةُ

مولینا محمد منظور نعمانی

مولینا سید ابوالحسن علی ندوی کی

تبلیغی تقریریں

ہندستان اور پاکستان کے مختلف شہروں کے اہم تبلیغی اجتماعات میں کی گئی تھیں۔ اور جن کے مخاطب تبلیغی ماسٹ کے کارکن، مسلم عوام اور غیر مسلم حضرات ہیں یہ تقریریں سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں۔ قیمت جلد دو روپے آٹھ آنے

ملفوظات

حضرت مولینا محمد الیاسؒ
جسے

مولینا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولینا محمد الیاسؒ کی علمی اور مخصوص گفتگوؤں سے منتخب کر کے مرتب کیا ہے۔ علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہے، ایک ایک ملفوظ یقیناً اور معرفت کی بلندیوں سے اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ بہترین کتابت و طباعت قیمت غیر جلد ایک روپہ آٹھ آنے

تصوف کیا ہے؟

مولینا محمد منظور نعمانی
مولینا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولینا محمد اویس وی
کی مشترکہ تصنیف

جو اپنے مختلف رتبے، درجہ، اصناف و تحقیق اور مباحث کے سمجھاؤ کے ساتھ ہے۔ یہ سنوچ کی ضخیم کتابوں کے مقابل میں بہت مختار سمجھی گئی ہے۔ ۱۵ صفحات، بہترین کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ قیمت ایک روپہ چار آنے

قادیانیت پر

غور کرنے کا سیدھا راستہ
مولینا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی ایک گفتگو
جس میں صرف یہ بتلایا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف ہونے چاہئیں اور مرزا غلام احمد قادیانی میں وہ اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف تھے یا نہیں؟۔ بس یہی ان کو جانچنے اور برکھنے کا سیدھا اور آسان راستہ ہے۔ قیمت چھ آنے

ملکنی کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ (کھنؤ)

| | | |
|--|------------------------------------|--|
| ہندوستان اور پاکستان سالانہ (بسکندہ ہندوستان) صفحہ سالانہ (بسکندہ پاکستان) صفحہ ششماہی سے | لکھنؤ الفرقان ماہنامہ | غیر مالک سے سالانہ ۱۰ خانگ اعزازی خریداروں کے سالانہ ۵۰ |
|--|------------------------------------|--|

جلد ۲۲ | بائیس ماہ ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ مطابق جولائی ۱۹۵۵ء نمبر ۱۱

| نمبر شمار | مضمون | مضمون نگار | صفحہ |
|-----------|---------------------------------------|------------------------------|------|
| ۱ | نگاہ اولیں (خاندان خود کشی کی راہ پر) | عتیق الرحمن سنہلی | ۲ |
| ۲ | معارف الحدیث | محمد منظور نعمانی | ۱۷ |
| ۳ | مسئلہ تعدد ازواج | عتیق الرحمن سنہلی | ۲۶ |
| ۴ | سفر مصر | مولانا سید ابوالحسن علی مددی | ۳۸ |
| ۵ | ہندوستان میں مسلمان | " | ۴۳ |
| ۶ | تعارف و تبصرہ | ع. س. | ۴۷ |

اگر اس ○ دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ادارہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلے سال بصیقتہ وی بی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ تاریخ تک پہنچ جانی چاہئے۔ پاکستان کے خریدار وہاں چاند چندہ سکرٹری ادارہ اصلاح تبلیغ آسٹرلیٹین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہالے پاس فوراً بھیج دیں۔

تاریخ اشاعت: رسالہ ہر انگریزی چھپنے کی ۱۵ روکروانہ کوڑا جاتا ہے۔ اگر ۲۵ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے سال کے ساتھ مکرر بھیجا جائے گا۔

(ممدی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے محمد علی بسکندہ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہِ اولیں

”قافلہ“ خودکشی کی راہ پر

(از عتیق الرحمن سلطانی)

گذشتہ چھینے ایک اخبار کے عید نمبر میں ایک صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے ”تقویٰ کیا ہے؟ جس میں انھوں نے بزرگم غوثیؒ یہ بتانے کی سعی کی ہے کہ تقویٰ کا کونسا مفہوم غلط اور درجائیت کی پیداوار ہے اور کون سا مفہوم صحیح اور اسلامی ہے۔ غلط مفہوم کی ترجمانی کا شرف انھوں نے پہلے نمبر پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو بخشا ہے اور اس کے بعد اس پر اپنی تنقید اور تبصرہ کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔

”پس یہ جہو! تقویٰ ہرگز اس قابل نہیں کہ ذی عقل انسان اس سے فریب کھائے مبارک ہیں وہ لوگ جو اس کی گرفت سے آزاد ہیں۔“

مضمون شروع سے آخر تک اس قدر سطحی اور بے وزن ہے کہ اس پر کسی تبصرہ کی حاجت نہ تھی اور پھر مضمون نگار صاحب طبع و دینی حیثیت سے کسی ایسی موثر و معروف شخصیت کے مالک بھی نہیں کہ ان کے کچھ لکھ دینے سے خواہ مخواہ فکر میں پڑا جائے۔ آج کل تو دور ہی تحریری نقد کا ہے، نہ معلوم کتنے ایسے مضامین روزانہ شائع ہوا کرتے ہیں! کس کس کا نوٹس لیا جائے اور کہاں تک لیا جائے؟ — مگر اس مضمون کی ایک اور خارجی حیثیت اس کی شتاقی ہے کہ اسے نظر انداز نہ کیا جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ سہ روزہ دعوتِ دہلی میں شائع ہوا ہے جو جامعۃ اسلامیہ ہند کا سرکاری ترجمان ہے۔ ادارہ دعوت کی طرف سے اس پر نہ اشاعت کے وقت کوئی اختلافی نوٹ لکھا گیا اور نہ بعد میں اب تک کوئی استدراک کیا گیا۔ اور نہ جماعت کے مرکزی پٹی میں سے کسی صاحب نے اب تک اس بارے میں کسی اختلاف کا اظہار فرمایا ہے۔ پھر مضمون نگار صاحب

فائزاً جماعت سے باضابطہ تعلق رکھتے ہیں اور اس میں توشیح نہیں کہ وہ جماعت اسلامی کی دعوت کے ایک سرگرم داعی اور ترجمان ہیں۔ جماعت کے رسائل و اخبارات میں اکثر ان کے اس نوعیت کے مضامین آتے رہتے ہیں اور اس کی سب سے بڑی سند جو ہمارے علم میں ہے یہ ہے کہ ابھی چند ماہ قبل انھوں نے مکتوب میں جماعت اسلامی کے ایک حلقہ جاہلی اجتماع عام میں جماعت کی ترجمانی کا فرض انجام دیا تھا۔ اور اسی سے ہم نے سمجھا ہے کہ ان کا جماعت سے کوئی باضابطہ تعلق ہے کیونکہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے جماعت ایسی ذمہ داری کا کام ایسے تعلق کے بغیر کسی کے سپرد نہیں کرتی ہے۔

بہر حال مضمون اور مضمون نگار کی یہ خاص حیثیت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اس کا نوٹس لیا جائے۔ ورنہ جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہم اس مضمون سے تعرض کرنے کا کوئی ارادہ نہ کرتے۔

اس مضمون میں کیسا ایسی بات ہے جس کا ہم نوٹس لینا چاہتے ہیں؟

اس میں پہلی بات تو اکابر و اساطین امت کے انکار و آراء کو نشانہ تنقید و تردید بنانے میں وہ بے تکلفی اور اس سلسلہ کی ذمہ داریوں سے وہ بے اعتنائی ہے جس کا اس مضمون میں کھل کر مظاہرہ کیا گیا ہے جو گویا کوئی بات ہی نہیں ہے کہ کچھ تامل اور احساس ذمہ داری سے کام لیا جائے!

دوسری بات — تنقید کا وہ اندھا جوش اور بے احتیاطی ہے جس کے نتیجہ میں اس مضمون میں امام غزالی کے ارشادات پر تغلیط و تردید کا عمل کرتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچا گیا کہ یہ باتیں ان کی طبعاً واد نہیں ہیں بلکہ کتاب و سنت سے ماخوذ یا مستفاد ہیں۔

تیسری بات — وہ بیباکی ہے جو امام غزالی اور ان جیسے امت کے محترم ائمہ و اکابر کی شان میں روا رکھی گئی ہے۔ جس کا ایک نمونہ آپ دیکھ چکے اور ابھی اور دیکھیں گے۔

جس سے ایک شخص یہ سمجھنے میں حق بجانب ہے کہ جماعت اسلامی کے بعض داعیین جس صحیح اسلام کی دعوت امت کو دیتے ہیں اس کی قبولیت کے لئے وہ صرف اسی کو اب کافی نہیں سمجھتے کہ دلائل کی رو سے اپنے خیال کے مطابق صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط ثابت کریں بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ امت کے جن اکابر و مشاہیر نے دین کی وہ ترجمانی کی ہے جو جماعت اسلامی کے خاص نظریات سے مطابقت نہیں رکھتی ان کے شخصی مرتبہ کو بھی اس حد تک گراؤ میں کہ وہ ایک

ادنیٰ درجہ کے اور ایک بہت کم علم قسم کے انسان معلوم ہونے لگیں اور ان کے ساتھ اُمت کی وہ عقیدت اور وابستگی ختم ہو جائے جو ان نئے ذاعمان اسلام کے خیالات کو قبول کرنے سے مانع ہو سکتی ہے۔

اب ذرا آپ اس مضمون کا زیر بحث حصہ پڑھ لیجئے اور دیکھئے کہ یہ باتیں اس میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ — فرماتے ہیں:۔

”آئیے آج ذرا نگاہ تجسس دوڑا کر یہ دیکھیں کہ تقویٰ کے نام پر کون کون سے سکے اس دنیا میں چل رہے ہیں اور کھرا سکد کون سا ہے۔

تقویٰ کا پہلا غلط مفہوم [تقویٰ، طہارت اور تزکیہ نفس کا ایک وہ مفہوم ہے جو جمعی نماز یا پھر غلط ذراہب کے بعد مسلمانوں کے ایک گروہ میں پالا جاتا ہے۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اس دنیا کی محسوس لذتیں، انسان کو دنیا پرست بنا دیتی ہیں اور اس کی زندگی تقویٰ سے خالی ہو جاتی ہے۔ یہ دنیا مایا جال ہے جس میں بھٹس کر انسان ہمیشہ گندگیوں ہی میں آلودہ ہوا ہے۔ انسان کو اگر خدا کی رضا حاصل کرنا اور متقیانہ زندگی گزارنا ہو تو دنیا کو ترک کرنا ہوگا۔

ہم یہاں مختصر اس نظریہ کے مشہور مبلغ داروں کے بیانات کے اقتباسات دے کر اس کے حسن و قبح پر بحث کریں گے، امام غزالی کہتے ہیں کہ

”دنیا حاصل کرنے پر قدرت رکھنے ہوئے دنیا سے دست بردار ہو جانا زہر و تقویٰ

کی نشانی ہے“ (ص ۱۹۱ کیمائے سعادت و کن جہارم)

متقی کی نشانی بتاتے ہوئے وہ پھر کہتے ہیں:۔

”کھانا اتنا کم کھا یا جائے جس سے صرف جسم و عیاں کا رشتہ برقرار رہے“

”نہ زیادہ سے زیادہ گہریوں کی روٹی میں آمانہ چھنا ہو، اگر چھانا جاوے تو زہر

باقی نہ رہے گا“ (کیمیائے سعادت ص ۱۹۱)

”اگر دو روز میں ایک بار کھائے گا تو بڑا زاہد ہوگا، اگر ایک روز میں دو بار

کھائے گا تو یہ زہرا نہیں“ (حوالہ مذکورہ ص ۱۹۱)

اس نظریہ تقویٰ کے ایک مشہور امام کے بیانات ہم نے نقل کئے ہیں جو قریب قریب سب کے ترجمان سمجھے جاسکتے ہیں۔ دوسروں کے اقوال کا نقل کرنا طوالت کا باعث ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ نظریہ تقویٰ بعض افراد کے حق میں مفید ہو جو ہو لیکن پورے معاشرہ ان کے لئے تباہی و بربادی کی دستاویز ہے کیونکہ جب صلاح پسند حضرات اور نیک نیت افراد عزت گوینی اور غلو نشینی کا شکار ہو جاتے ہیں تو دنیا شیطانوں کا کھڑا رہ بن جاتی ہے۔ اب اگر وہ ننگا ناچ لہی ناچے تو کوئی بوجھنے والا نہیں اور پھر عملاً یہ بات ناممکن ہے کہ سارے انسان غلو ت پسند ہو جائیں۔ اس نظریہ کا نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ دنیا کا عطر کھینچ کر پہاڑوں کی نذر ہو جائے اور باقی غلاظت اپنی بد بو سے انسانیت کا ناک میں دم کر دے! ایسا تقویٰ کس کام کا جو انسانیت کی دھنسی رگوں کو دکھتا چھوڑ کر انسان کو گوشہ گیر کر دے۔ یہ تقویٰ نہیں اظہارِ کفر و دہری ہے شیطان کے مقابلہ میں اور زبانِ حال سے یہ کہنا ہے کہ بھائی ہم میں مقابلہ کی سکت نہیں ہے ہم میدان چھوڑتے ہیں تو جو چاہے کرنا!!

غالباً ایسے ہی حضرات کو مناظرہ کر کے نعیم صدیقی نے کہا تھا!

یہ لالہ غم انساں جاسے نماز پیر سولی پہ چڑھ کے نغمہ جو گائے تو جانتے

پس یہ جھوٹا تقویٰ ہرگز اس قابل نہیں کہ ذی عقل انسان اس سے قریب کھائے۔ مبارک

ہیں وہ لوگ جو اس کی گرفت سے آزاد ہیں! دد صحت میدنبرہ ۲ مئی ۱۹۵۵ء

مضمون کی عبارت آپ نے دیکھ لی۔ اب ذرا یہ دیکھئے کہ ہم نے جن باتوں کی نشاندہی اس

عبارت میں کی ہے وہ سب باتیں ایک ایک کر کے ہائی جاتی ہیں یا نہیں!

بے تکلفی اور غیر ذمہ داری مضمون نگار نے اپنا موضوع بحث تو بنا یا ہے تقویٰ کو اور انھیں

نگاہِ بکس دوڑا کر دیکھنا یہ ہے کہ تقویٰ کے نام پر اس دنیا میں کون کون سے سکے چل رہے ہیں۔

اور پھر ان میں کھرے اور کھولے کی تیز کرنا ہے مگر یہ لطیفہ بھی بخت و تنقید کی تاریخ میں یادگار رہے گا

کہ انھوں نے حقیقتِ تقویٰ کی غلط ترجمانی کا طرم نہر ایک بنا کر جس شخصیت کو اپنی بے لاگ حالات

میں حاضر کیا ہے اور پھر اس پر یہ فردِ جرم مائد کی ہے کہ اس نے عام انسان فی معاشرہ کے حق میں

تباہی و بربادی کی دستاویز تیار کی ہے، اس کا بیان انھوں نے حقیقتِ تقویٰ سے متعلق نہیں لیا۔

بلکہ بیان لیا زہد و فقر کے متعلق — تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ زہد و تقویٰ دو الگ الگ حقیقتیں ہیں جن کا فرق ہر صاحب علم جانتا ہے مگر ہمارے یہ حضرات جن کو ماہنامہ القرآن حوصلہ ہے کہ غزالی کے منہ آسکیں وہ اتنے موٹے فرق سے بھی واقف نہیں ہیں چنانچہ انہوں نے تہارت بے تکلفی کے ساتھ تقویٰ کی بحث میں، تقویٰ کا پہلا غلط مفہوم بتلانے کے لئے کیمیائے سعادت کا باب زہد کی چند عبارتیں پیش فرمادی ہیں۔

اللہ اللہ! یہ مبلغ علم و فہم! اور اس پر یہ حوصلہ! یہ ہندارا! — خدا نظر برسے بچائے! زہد و تقویٰ میں کیا فرق ہے؟ ہم اگر بتائیں گے تو بہتر نہیں وہ مائیں یا نہ مائیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی جماعت کے کسی صاحب علم سے پوچھ لیں۔ مولانا ابواللیث صاحب موجود ہیں مولوی سید حامد علی صاحب موجود ہیں کسی سے کئی دریافت کر لیں۔ ہمیں امید ہے کہ انہیں ان حضرات سے بھی صحیح جواب ہی ملے گا۔

کاش! ان صاحب نے استفادہ کی نیت سے نہ یہی عیب چینی ہی کی نیت سے کیا ہے سعادت پوری بڑھی ہوتی یا درن گزانی ہی کی ہوتی، اس کی فہرست مضامین ہی پر نظر ڈالی ہوتی تو شاید انہی بے تکلفی نہ کر جاتے۔ رکن دوم میں اہل چہارم کے تحت امام محترم نے مستقل ایک باب درجات درجہ و رت کا قائم کیا ہے اور اس میں ورع و تقویٰ کی حقیقت اور اس کے درجات مفصل بیان فرمائے ہیں۔ ہمارا مشورہ ہے کہ غزالی اور ان جیسے ائمہ دین کے چلائے ہوئے سکے تقویٰ کو بڑھکنا ہی ہے اور اسے کھڑا اور جھوٹا ثابت کرنا ہی ہے تو اس باب کو ملاحظہ فرمائیے، ایک ایک لفظ میں عیب ٹھوس لائے اور اگر کوئی چیز مل جائے تو ضرور سامنے لائیے، ضرور اسے کسوٹی پر کیئے اور کھوٹا مکمل آئے تو ضرور امت کو بتلائیے کہ تمہارے اس امام نے یہ جعلی سکے جلا رکھا ہے! — مگر یہ اندیشہ تو مت کیجئے کہ بحث ہو تقویٰ کی اور عبارتیں لے آئیے باب زہد کی۔

حیلٌ لمطفیعین الذین اذا الذالوا عی الناس لیستون ذوالا کالواہم اور ذوالواہم

خسران — غضب خدا کا! اگر کوئی مولانا مودودی کی عبارتوں پر اعتراض کرتا ہے تو آپ حضرات احتجاج کرتے کرتے نہیں تھکتے کبھی کہتے ہیں عبادت میں تحریف کی گئی ہے کبھی کہتے ہیں

سیاق و سباق سے کاٹ لیا گیا ہے کبھی کہتے ہیں اس موضوع پر مولانا نے اصل کلام دوسری جگہ فرمایا ہے یہاں ضمنی طور سے بات آگئی ہے۔ پہلے اس مقام کو دیکھئے۔ پھر اعتراض کیجئے، کبھی کہتے ہیں ہور الطریج پر طے، مگر آپ جیسے صاحبین اور محققین سے کون فریاد کرے کہ آپ ایک برگزیدہ امام کے ساتھ کچھ اور بھی نرالا سلوک کر رہے ہیں۔ یہ لینے اور دینے کے دو الگ الگ پیمانے بن کر آپ آخر کس منہ سے دوسروں کے خلاف احتجاج کر سکتے ہیں؟

شاید کسی کو خیال ہو کہ کیا یہ سعادت کا جو پہلا اقتباس مضمون نگار نے پیش کیا ہے اس میں صحت تقویٰ کا لفظ موجود ہے۔ ہاں بیشک اس عبارت میں موجود ہے مگر ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ جناب مضمون نگار کے صلاح و تقویٰ کی نشانی ہے یا اگر انہوں نے کسی ترجمے سے اقتباس لیا ہے تو مترجم کی غلطی ہے۔ اس لئے کہ اصل فارسی کتاب میں تو اس لفظ کا نام و نشان نہیں ہے۔ اگر مضمون نگار کا یہ اپنا ترجمہ ہے تب تو بات جیسی ہے، ہے ہی، مگر کسی اور مترجم کے ترجمہ سے اگر انہوں نے یہ اقتباس لیا ہے تب بھی یہ ان کے اندر احساس ذمہ داری کے فقدان کی ایک روشن مثال ہے کہ وہ ایک ایسی ہستی کے افکار پر تنقید کرنے کے لئے بیٹھے جس کا علم و فضل ضرب المثل ہے اور جس کو مشرق و مغرب کے مسلمان ایک جلیل القدر امام اور مجدد کی حیثیت سے جانتے ہیں اور تو اور خود جماعت اسلامی کے پیشوا مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی انہیں گنے چنے مجددین امت میں شمار کر چکے ہیں۔۔۔ ایسی شخصیت کے افکار کو برکھنے کا انہوں نے بیڑا اٹھایا ہے۔۔۔ مگر اس کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی کہ اس کی اصل عبارت سے رجوع کر لیں۔ ترجمہ کو شاید ہی کوئی ایسا ہوتا جو جس میں مترجم سے کہیں بھی لغزش نہ ہو اور پھر ایک ضخیم کتاب کا ترجمہ اس لئے کوئی ذمہ داری کا احساس رکھنے والا آدمی ایسے ذمہ دارانہ کام میں کبھی ترجمہ پر تنقید نہیں کرتا اور اگر کوئی مجبور می ہی ہوتی ہے تو وہ صراحت کرے کہ اپنا بار ذمہ ہلکا کر لیتا ہے۔

اور بالعرض اگر یہ باتیں تقوے ہی کے باب میں کہی گئی ہوتیں تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ کتاب و سنت سے تقوے کے یہ شرائط کہیں نہیں معلوم ہوتے۔ ان چیزوں کا اختیار کرنا ایک اختیاری امر ہے جو کوئی کرے گا وہ درجاتِ باریے گا اور جو کوئی چھوڑے گا اس پر

کوئی الزام نہیں آئے گا اور ظاہر ہے کہ یہ شخص کے بس کی بات نہیں! جبکہ تقویٰ سب کے لئے مامور ہے اس لئے اس کا صحیح تصور وہی ہو سکتا ہے جو سب کے لئے قابل عمل ہو۔ مگر یہ کتنی بڑی زیادتی اور کس قدر غیر ذمہ دارانہ بات ہے کہ ان پر اعتراض کا یہ پہلو نکالا جائے کہ یہ خلوت نشینی اور عزلت گزینی کے نظریہ کی حامل ہیں۔ اور پھر اس پر عبارت آرائی کر دی جائے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مضمون نگار نے ان پر اعتراض کا یہی پہلو نکالا ہے اور اسی کو اپنے حقیقت و غضب اور طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ حالانکہ کوئی معمولی سمجھ اور دیانت کا آدمی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ عبارتیں اس نظریہ کی حامل ہیں؟

وہ ایک بات رسالے فسانہ میں جس کا ذکر نہیں وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے اور پھر اگر آپ ان حضرت کو بیچ سے بنا کر کہیں اے سعادت میں زہد کا بیان خود ملاحظہ فرمائیں تو آپ دیکھیں گے کہ کالمین فی الزہد کی مثال کے طور پر امام موصوف نے حضرت عمر فاروق کا نام نامی پیش کیا ہے اور اس کی وجہ بتلائی ہے۔ اب بتلائیں آپ اس شخص کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے جسے اُس نظریہ زہد میں بھی خلوت نشینی اور عزلت گزینی کے کیرٹے نظر آئیں جس کے کالمین میں نام نامی عمر فاروق کا ہے؟

تنقید کا اندھا جوش و رنہا رہے احتیاطی [قطع نظر اسکے کہ یہ بیانات اور عبارات تقویٰ سے متعلق ہیں ہی نہیں جو ان پر تقویٰ کی بحث میں تنقید کی جائے اور قطع نظر اس سے کہ ان بیانات کو خلوت نشینی اور عزلت گزینی کا حامل ٹھہرانا بے بنیاد الزام ہے۔ یہ بات کس قدر بے احتیاطی اور تنقید کے ائمہ جوش و شوق بہرہ وال ہے کہ ان عبارتوں میں جو تعلیم دی گئی ہے اور جس چیز کی ترغیب و تحریص کی گئی ہے اس کو تباہی و بربادی کی دستاویز قرار دیتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچا گیا کہ اس سے قرآن کی کتنی آیات پر جناب رسالت ﷺ کے کئے ارشادات پر آپ کی سیرت طیبہ کے کئے زمین و آسمان پر ہذا و آپ کے بعد آپ کے خلفاء راشدین اور اصحاب کبار کی کس مترادف عز و زوران کی زندگی کے کس جوہر بے بہا ہر زوہڑتی ہے۔ — بفضلہ للشیعیہ دلیہم کی اس سے زیادہ افسوسناک مثال اور کیا ہوگی کہ تعصبات اور مہم جوئی کے بغض میں آدمی یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ اس کا نشانہ اور کیا کیا چیزیں رہی ہے؟

کی زندگی گزار سیکے اور ان کے لیے (دنیا کے بدلے) دار آخرت میں اجر عظیم تیار کر رکھا ہو۔

(۲) دَا تَبَعَ يَوْمًا ثَابَتَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ
وَلَا تَنَسَ دَيْبِيكَ مِنَ الدُّنْيَا۔
اور فکر کر اللہ کے دیے ہوئے ماں و دولت
سے دار آخرت بنانے کی اور (اس کو)

مست بھول کر دنیا میں تیرا (دوستی) چھوڑ کیا ہو۔
(المقصص ۷۸)

(۳) تَخْرُجُ عَلَى قَوْمِهِ فِي ذِيْقَعَةٍ قَالِ
الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

يَا كَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا آتَى قَارُونَ لَا إِلَهَ

لَهُ دَحْظٌ عَظِيمٌ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا

الْعِلْمُ وَيُكَلِّمُ ثَوَابَ اللَّهِ حَتَّى مَلَأُوا

أَمْنًا وَعَمِنَ صَالِحَاءُ وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا

الصَّابِرُونَ (المقصص ۸۶)

اللہ نے حقیقت کا علم اور معرفت بخشی تھی

(ان لوگوں سے) کہنا کہ برا ہو تمہارا (تم اس پر کچھ گئے حالانکہ) اللہ ایمان اور عمل صالح کی

دولت رکھنے والوں کو جو بدلہ (آخرت میں) دے گا وہ تو اس سے کہیں بہتر ہے۔ مگر وہ

انہیں لوگوں کے حصہ میں آئے گا جو (اس دنیا میں) صبر سے کام لیں گے۔

(۴) اَعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ دَعْنَا خُزْ

بَيْنَكُمْ وَتَكَاشَرُوا فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ

كَمَثَلِ خَيْبٍ يَجْبِ الْكَفَّارُ نَبَاتُهُ

ثُمَّ يَصْبِغُ فَنَرَاكَ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ

حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ

شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لُتْلُ الْعُرْدِ

مِثْلُ الْخَيْبِ (المحمد ۳۳)

جان لو! کہ حیات دنیا ایک کھیل کا شے ہو

ایک زینت و زیبائش ہے ایک دوسرے کے

مقابلہ میں فخر کرنا ہو مال و اولاد میں ایک

دوسرے پر بڑھنا ہو۔ اور اس کی مثال

ایسی ہو جیسے بارش ہوئی اور اس کی پیداوار

سے کسان خوش ہوئے پھر وہ زود پر

آتی ہو، پس تم اس کو زود دیکھتے ہو پھر

وہ چوراہہ پر ہو جاتی ہو۔ اور آخرت

میں عذاب شدید ہے اور مغفرت و رضوان بھی

ہے اللہ کی طرف سے۔ اور یہ دنیا نہیں ہے مگر ایک دھوکے کا (یعنی بے بھروسہ) سامان۔

احادیث رسول ﷺ

(۱) الا الدنیا ملعونۃ وملعون
ما فیہا الا ذکر اللہ تعالیٰ
وما والاہ

دنیا اللہ کی نظر رحمت سے دور ہے اور جو
کچھ دنیا میں ہو وہ سب بھی اللہ کی نظر رحمت
سے دور ہے، سوائے اللہ کے ذکر کے اور

(ترمذی) اس چیز کے جو اس میں معادنِ باس متعلق ہو۔

(۲) جاء رجل الى النبي صلى الله
عليه وسلم فقال يا رسول الله

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خبر مت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ

مجھے ایسا عمل بتائیے جسے اختیار کرنے سے

اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت فرمانے لگیں اور دنیا

کے لوگ بھی مجھے محبوب رکھیں۔ آپ نے فرمایا دنیا

یحبیک الناس (ابن ماجہ) کے معاملہ میں زہد اختیار کرو اللہ تعالیٰ تم سے

محبت فرمائے گا اور لوگوں کے پاس ہو کچھ ہو اس سے استغناء رکھو لوگ بھی تم سے محبت کرنے لگیں۔

(۳) کن فی الدنیا کاناک غریباً

دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم ایک سافر

اور عابرِ سبیل (بخاری) یا راہ گیر ہو۔

(۴) لیس لابن آدم حق فی سونی

ان تین چیزوں کے سوا ابن آدم کا

ہذا الحصال بیت یسکنہ وثوب

اور کوئی حق نہیں ہے۔ رہنے کے لیے گھر،

یوماری عوماتہ وجلف

تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا اور تھوڑی سی

الجزء والماء (ترمذی) روٹی اور پانی۔

(۵) ماملأ آدمی دعاء شرا من

آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے برتر

بطین بحسب ابن آدم اكلات

نہیں بھرا۔ آدم کے بیٹے کو بس وہ چند نفع

۱۔ اس عنوان کی اور اگلے عنوان کی تمام روایات ریاض الصالحین سے لگی ہیں۔

يَقْمَنَ صَلْبَهُ فَإِنْ كَانَ لِاحْمَالَةٍ
فَذَلَّتْ لَطْعَامُهُ وَذَلَّتْ لَشْرَابِهِ
وَذَلَّتْ لِنَفْسِهِ
(ترمذی)

کافی میں جو اس کی پٹھیریدھی رکھیں۔ اور
اگر اسکے بعد بھی کچھ ضروری ہے تو یوں کہے
کہ ایک تہائی پیٹ کھانے کے لیے ایک تہائی
پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے۔

اسوہ حسنہ

(۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ
عَنْهُ قَالَ نَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَلَى حَصِيرٍ فِقَامٌ وَقَدْ أَشْرَفَ
فِي جَنْبِهِ قَلْبًا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ
أَخَذْتُ نَالَكَ وَطَاءً فَقَالَ مَا لِي
وَلَدَنِيَا مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ
اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ
وَتَرَكَهَا
(ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان فرماتے
ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ایک چٹائی پر آرام فرمایا، اس کے
گڑنے سے آچکے پہلوؤں پر نشانات پڑ گئے
ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کی کوئی نرم
بستر تیار کر دیں؟ آپ نے فرمایا مجھے دنیا سے
کیا مطلب! میں تو دنیا میں اس سوار کی
طرح ہوں جو ایک درخت کے نیچے سایہ لے
اور پھر اس کو چھوڑ کر چل کھڑا ہو۔

(۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ عَنْهَا قَالَتْ مَا شَيْعَ
أَلَّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْ خَبَزٍ شَعِيرٍ جُومِينَ مَتَابِعِينَ
حَتَّى قُبِضَ
(بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ نے بیان فرمایا
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروالوں
نے کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی (بھی)
سیر ہو کر نہیں کھائی تھی کہ آپ وفات
پا گئے۔

(۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ
مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ الْبَقِيَّةَ مِنْ حَيٍّ أَنْبَعَثَ
اللَّهُ تَعَالَى حَتَّى قُبِضَ اللَّهُ تَعَالَى

حضرت سہل بن سعد نے بیان فرمایا
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت
کے زمانہ سے لے کر انتقال فرمانے تک
میرہ دیکھا کتاب نہیں۔ اس پر ان سے

فقیل لہ ہل کان اکم فی عہد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مناخل قال ما رأی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم متخللاً^۱
من حیث انبعث اللہ تعالیٰ
حتی قبضہ اللہ تعالیٰ فقیل کیف
کنتم تأکلون الشیر غیر
منخولۃ قال کنا نطحنہ ویمضی
فیطیر ما طاز وما بقی شربناہ

کہا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ میں پھلنیاں ہوا کرتی تھیں انھوں نے
کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت
سے وفات تک پھلنی کی صورت نہیں دیکھی۔
کہا گیا کہ پھر آپ لوگ بغیر چھنچھا جو کاٹا کیسے
کھاتے تھے۔ انھوں نے فرمایا ہم اس کو
پیسے تھے اور پھر بھونک لیتے تھے جو کچھ
بھوسی وغیرہ اڑنی ہوتی تھی اڑ جاتی تھی
اور باقی کو ہم گوندھ لیتے تھے۔

(بخاری)

(۴) اللہم اجعل رزق آل محمد
قوتاً (بخاری و مسلم)
لے اللہ! آل محمد کا رزق بس بقدر رزق
مقدر فرما۔

اسوہ جانشینان | بات ہمارے اندازہ سے بہت زیادہ طویل ہوتی جا رہی ہو اس لئے
ہم اس عنوان کے تحت خلفاء راشدین و صحاب کبار کی زندگیوں
کے کچھ متعین حالات و واقعات نقل کرنے کے بجائے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ ان حضرات
کے حالات بھی بحد الشکر کتابوں میں موجود ہیں۔ خصوصاً خلفاء راشدین کی مبارک سیرتیں تو ابھی
طرح مدون ہیں۔ وہاں دیکھئے کہ زمینی الدنیا میں ان کا کیا حال تھا اور وہ اپنی اس متاع عزیز
کو کس طرح بچا بچا کر رکھتے تھے۔ یہ کم از کم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کا وہی ایک واقعہ

۱۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق ایک صاحب کا یہ چشم دید بیان کہ "میں نے بارہا آخر شب میں دیکھا
کہ حضرت موصوف اپنی داڑھی پکڑے ہوئے کھڑے ہیں، زار و قطار رو رہے ہیں اور فرما رہے ہیں یادینا!
ابی تعرضتہ ام لی تشوفت ہیما تہیما تہی! غری غیری، قد بتناک خللاً لا رجعة
لی فیہ، فعمرك قصیر وعیناک حقیر وخطرک کبیر۔ (صنۃ الصلوہ ج ۱)

پڑھ لیا یہاں جو امام غزالیؒ نے آپ کے اور آپ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے درمیان مکالمہ کی سورت میں اپنوا کیا اے سعادت میں زہد و فقر ہی کے بیان میں "نفیلت زہد" کے عنوان کے تحت نقل فرمایا ہے۔

اور ہمیں حیرت ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ جب کہ انہیں صفات میں موجود ہے جن کی چند عبارتوں کو مضمون نگار زیر بحث لائے ہیں تو انہوں نے کیسے اس کو نظر انداز کر دیا؟۔۔۔۔۔ اگر انہوں نے اس کو پڑھا تھا تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کیسے انہوں نے اس کے باوجود امام غزالیؒ کے ارشادات کو نشاء الامت بنانے کی جرأت کی؟ اور حضرت عمرؓ کے ارشادات کی کیا تاویل کی؟ اور اگر انہوں نے نہیں پڑھا تو ہم ایک بزرگ پر بھی کہیں گے کہ انہوں نے نہایت غیر ذمہ داری اور بزرگوں کے مذاکے میں حد سے بڑھی ہوئی بے تکلفی کا ثبوت دیا ہے کہ زبان تنقیہ کھولنے سے پہلے چھ سات صفحے بھی پوری طرح پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی!

بہر حال ہم کہنا یہ چاہتے تھے کہ آپ قرآن کی ان آیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات اور آپ کے اموہ حسنہ اور سیرت صحابہؓ کی ان پسند مثالوں کو دیکھے اور بتلائیے کہ کیا امام غزالیؒ علیہ الرحمہ نے جو کچھ کہا ہو وہ انہیں سے مانو یا استناد نہیں ہے؟ کیا ان میں دنیا کی مذمت اور انتہائی مذمت و تحقیر نہیں کی گئی ہے؟ کیا دنیا میں سے کم سے کم حصہ لینے کی تعلیم نہیں دی گئی ہے؟ کیا زیادہ حصہ لینے کی خواہش پر ناراضگی یا ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا گیا ہو؟ کیا حضورؐ نے بھرے ہوئے پیٹ کو بہترین برتن نہیں فرمایا ہے؟ کیا آپ نے زاہدانہ زندگی بسر کرنے کی وصیت نہیں فرمائی ہے؟ کیا اس زندگی کو اللہ کی محبوب زندگی نہیں قرار دیا ہے؟ کیا آپ نے زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر نہیں فرمائی؟ کیا آپ نے دنیا حاصل کرنے پر اعلیٰ ترین قدرت رکھنے والے اس کو ترک نہیں فرمایا؟ کیا آپ نے اللہ کی طرف سے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰) (۱) دنیا! کیا تو مجھے لٹھانے چلی ہے؟ دو رہو دو رہو! اجاںکسی اور پر اپنا جادو چلا! میں نے پہنچے میں نہیں آسکا، میں نے اپنے تئیں طاقتیں دیدی ہیں جس میں وجہت کا کوئی امکان نہیں تیری زندگی پلایا، تیرا عیش بیچ اور تیرا اندر غم نہ رہا..... ان کے اس حال کا کیا عبرت انگیز ترجمان ہے! اور اسی سے ان کے دوسرے بزرگ زہد و فقر کے حال کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اعلیٰ درجہ کی رہنمائی اور امیرانہ زندگی کی پیش کش کے باوجود فقیرانہ زندگی کو اختیار نہیں فرمایا۔ پہلے اور کیا وہ خود اختیاری فقیرانہ زندگی اس کے سوا کچھ اور تھی کہ پوری نبوی زندگی میں جو کہ بے چھنے آنے کی روٹی بھی دودن متواتر سیرتہ کر نہیں کھائی؟ اور کیا اپنے اپنے اہل و عیال کے حق میں یہ دُعا نہیں فرمائی کہ ان کو بس توت لایوت، ملے جس سے ان کے جسم و جان کا رشتہ قائم رہے؟ کیا آپ کے عالی مرتبت خلفاء و اصحاب اور نجوم ہدایت و ارشاد نے روم و ایران پر شہنشاہی کرنے کے باوجود اسی فقیرانہ اور زاهدانہ زندگی کو سینہ سے لگا کر نہیں رکھا؟ کیا اسی حالت پر ہوت کہ وہ اپنی سبک بڑی کامیابی اور حضور کے حضور میں سرخروئی کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے؟ اور کیا وہ اس زندگی کو ترک کرنے میں آخرت میں حضور کی رفاقت سے محرومی کا خطرہ نہیں محسوس کرتے تھے؟ پھر یہ تنقید کا کس قدر اندھا جوش، کتنا بیباک شوق اور کیسی ناروا اجہارت ہے کہ آدمی امام غزالی کی اسی مضمون کی عبارتوں کو نظریہ رہبانیت کا حامل اور عام انسانی معاشرہ کے حق میں ہم قائل قرار دیتے ہوئے یہ بھی نہ سوچے کہ کتنی آیات قرآنی، کتنی احادیث رسول اور کتنی پاک زندگیاں اس کی زد میں آ رہی ہیں۔

انہیں مضمون نگار صاحب کے ایک اور رفیق ہیں انھوں نے بھی دعوت کے اسی پرچم میں ”روحانیت اور شریعت کا فرق“ بتلاتے ہوئے۔۔۔ اگرچہ وہ فرق حقیقت میں بتلانا چاہتے ہیں اسلامی روحانیت اور غیر اسلامی روحانیت کا! مگر خیر میں اس سے کیا مطلب؟۔۔۔ بہر حال انھوں نے ان دونوں چیزوں کا باہمی فرق بتلاتے ہوئے تصوف کا رشتہ کبھی رہبانیت سے ملایا ہے اور فرمایا ہے کہ اسلام نے اگر سابقہ رہبانی تصورات کو ختم کیا تھا مگر

”افسوس کہ مسلمانوں نے دینِ فطرت کی اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا۔ اور ان

میں رنہ رنہ یہ ذہنیت پیدا ہونے لگی کہ یہ دنیا دار فانی ہے جس کی وجہ سے یہاں

پردل لگانا فضول ہے۔ ان کا یہ خیال اعتدال سے بڑھ کر اس انتہا کو پہنچ گیا کہ ان

لے اس مضمون کی حدیث ہم نے نقل نہیں کی ہو مگر یہاں پہنچ کر ذہن منتقل ہو گیا تو اشارہ کر دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ”عرض علی رجبی لیجعل بطنی مکتاً ذہباً نفقت لایارب ولكن اشیع جیوماً واجوع یوماً۔ الحدیث دروایہ احمد والترمذی۔“

میں صرف قبولیت باقی رہ گئی..... اور رفتہ رفتہ ان کا یہ جذبہ ترقی کر کے

تصوف کی صورت اختیار کر گیا“ (دعوت ص ۷)

اس کے برعکس اسلام نے آکر دنیا کو کیا دیا تھا؟ سینے!

”ما یوس دنیا کی پھر ڈھارس بندھائی..... انسانی قافلے صحرا نوردی

کے بجائے شہری پہل پہل دکھانے لگے۔ چٹانوں اور جھاڑیوں کے سایہ میں بسیرا لینے

والے انسان اپنے اپنے اور عالی شان عملات میں محو خواب ہونے لگے۔ پودوں

کی جڑوں اور جنگلی پھلوں پر گزارا کرنے والا انسان مرغن غذاؤں سے سیر ہونے لگا

اور مشروبات سے اپنا دل ٹھنڈا کرنے لگا..... اسلام کی یہی وہ دعوت تھی جس

نے عیسائی کی (غالباً عیسائیت کی) دنیا میں ہل چل مچا دی۔ اسی کا ثمرہ آج ہم تہذیب

نوی کی صورت میں دیکھ رہے ہیں“ (حوالہ مذکورہ)

خط کشیدہ الفاظ پر ذرا غور فرمائیے! انا للہ وانا الیہ راجعون! یہ ہے ان حضرات کا ”صحیح تصور

اسلام“ اور یہ ہے دین کے بارے میں ان محققین کا علم و فہم، اور حضرات صوفیہ اکرام چونکہ اسلام

کی تشریح اس کے برخلاف اٹھ کھڑے ہیں کہ اسکے نتیجہ میں لوگ دنیا کو دار فانی اور اس سے جی لگانے کو

نفسوں سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لیے وہ اسلام کی اصل تعلیم اس کے نقطہ اعتدال سے انحراف اور

”مسیحی رہبانیت“ کو اپنانے کے مجرم ہیں۔

بے شک ہمیں اقرار ہے کہ تصوف دنیا کو انسان کی نظر میں ہیچ ٹھہراتا ہے۔ اس کے دار فانی

ہونے کا یقین پیدا کرتا ہے اور انسان کا دل اس سے ہٹاتا ہے، اسے زائد فی الدنیا بناتا ہوا۔

مگر کیا یہ اسلامی نقطہ نظر سے قابل انوس اور قابل مذمت ہے؟ تفریط ہے؟ اور کیا اسلام کا پیش کیا

ہو نقطہ اعتدال وہ ہے جو ان مضمون نگار صاحب نے خط کشیدہ الفاظ میں بیان فرمایا ہے؟ کیا اسلام

واقعی یہی کچھ انسانیت کو دینے آیا تھا؟ وہ انسان کو عالی شان عملات میں سلانے آیا تھا؟ مرغن غذاؤں

سے پیٹ بھرانے آیا تھا؟ — خدا را کوئی حق بتائے کہ اس کا کوئی ثبوت! قرآن میں ہے؟

حدیث میں ہے؟ سیرت رسول کریم میں ہے؟ سیرت خلفاء و اصحاب رسول میں ہے؟ اس کے برعکس

نصون کے جن ثمرات کو آپ قابل انوس تفریط ٹھہرا رہے ہیں ان کے عین مطلوب اسلام، دعوت

(باقی صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

مسند احمد

خدا کا خوف اور سکر آخرت

[افسوس کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے کہ معارفِ اہل حدیث کی یہ قسط ایک نئے کاتر جسٹس لکھی ہو اور انھوں نے حدیثوں کے عربی متن پر اعراب لگانے میں سہارہ دہ کی پابندی کے بجائے محض اپنے ذوق کی پابندی کی ہو اس لئے اعراب اتنے غلط ہو گئے ہیں کہ کاپی یا پلٹ پر ان کی تصحیح نہیں کی جاسکتی تھی اور دوبارہ لکھانے کی دقت میں گنجائش نہ تھی اس لئے غیر عربی دان ظہرین کرام سے گزارش ہو کہ وہ اس مرتبہ متن نہ پڑھیں بلکہ صرف ترجمہ پڑھنا اختیار کریں۔ نعمانی مظلّم]

ایمان کے بعد انسان کی زندگی کو سنوارنے اور فلاح کے مقام تک اس کو پہنچانے میں جو حکم سب سے بڑا دھن اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں ان دو چیزوں کے پیدا کرنے کی خاص کوشش فرمائی۔ کبھی اس خوف و فکر کے فوائد و فضائل بیان فرماتے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال اور آخرت کے ان سخت احوال کو یاد دلانے جن کی یاد سے دلوں میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ کے مشہور صحابی حضرت خنظلہ بن الراحہ کی حدیث جو اسی عنوان کے تحت ابھی آپ پڑھیں گے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس کا موضوع عموماً یہی ہوتا تھا اور صحابہ کرام جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آخرت اور دوزخ و جنت کے متعلق آپ کے ارشادات سنتے تھے تو ان کا حال یہ ہو جاتا تھا کہ دوزخ و جنت گویا ان کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ حدیث کے صرف موجودہ ذخیرہ ہی میں سے اگر ایسی سب حدیثیں جمع کی جائیں جن کا مقصد خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہو تو بلاشبہ ایک پوری کتاب صرف ان ہی حدیثوں سے تیار ہو سکتی ہے۔ ہم چند حدیثیں اس سلسلے کی بیاں درج کرتے ہیں۔

(۹۱) عَنْ (ابنِ مَرْثُورَةَ) قَالَ (بَوَّالُ الْقَوْمِ) عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَقَّعْتُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ كَثِيرًا وَفَضَّلْتُ قَلِيلًا

رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ سیدنا ابوالحسن صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہو اگر اللہ کے تہ و جلال اور قیامت و آخرت کے لرزہ خیز ہونا اس حوال کے متعلق یقین نہ ہو سب لوگ ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تمھارا سنا بہت کم ہو جائے اور دنا بہت بڑھ جائے۔ (بخاری)

قتبس شیخ۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور اس کے تہ و جلال اور قیامت و آخرت کے ہونا ک لرزہ خیز اس کے متعلق جو کچھ عجیب معلوم ہو اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ چھپ کر پوشیدہ کر دیا ہو اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہو جائے اور تمھاری آنکھیں کو بھی وہ سب نظر آسکے گی جو میں دیکھتا ہوں اور تمھارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں تو تمھارا چین و سکون ختم ہو جائے۔ تم بہت کم امنسو اور بہت زیادہ روتو۔ اور اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث میں جس کو امام احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ذر غفاری سے روایت کیا ہے، اس کے آگے یہ بھی ہے کہ پھر تم اپنے بستروں پر بیویوں سے کوئی لطف زندگی حاصل نہ کر سکو اور اللہ سے نالہ و فریاد اور گریہ و زاری کرتے ہوئے بیا بیانوں اور جھگڑوں کی طرف نکل جاؤ۔

دھت۔ اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے چونکہ خلافت الٰہی کا کام لینا ہو اور وہ جب ہی ممکن ہو کہ انسان اس دنیا میں اطمینان اور سکون کے ساتھ رہ سکے اس لیے وہ حقیقتیں اور وہ چیزیں عام انسانوں پر دہ غیب میں رکھی گئی ہیں جن کے انکشاف کے بعد آدمی اس دنیا میں سکون سے نہیں رہ سکتا مثلاً استبہ کا یا دوزخ کا عذاب اور اسی طرح قیامت کے لرزہ خیز مناظر اگر اس دنیا میں ہم جیسے انسانوں پر انکشاف کر دیے جائیں اور وہ ان کو ہر ہی عین دیکھ سکیں تو پھر اس دنیا میں وہ کوئی کام نہیں کر سکتے۔ بلکہ زیادہ دنوں تک زندہ بھی نہیں رہ سکتے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کو جو خاص کام لیتا تھا اس کے لئے ضروری تھا کہ آپ اپان چیزوں کا انکشاف نہ کر دیا جائے اور ایک وجہ پر ان حقائق کا مشاہدہ آپ کو کر دیا جائے تاکہ آپ کے اندر وہ عین یقین اور حق یقین پیدا ہو جائے جس کی آپ کے منصب عالی اور کار عظیم کے لئے ضرورت تھی اس لیے اس قسم کے بہت سے غیبی حقائق آپ پر انکشاف کئے گئے اور اسی کے ساتھ حکمت خداوندی نے آپ کے طلب مبارک کو وہ غیر معمولی طاقت بھی بخشی کہ اس انکشاف اور مشاہدہ کے باوجود آپ اپنے تمام فرائض منصبی کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں اور دنیا میں ایسی جامع اور معتدل زندگی گزار سکیں جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر قسم اور ہر طبقہ کے انسانوں کے لئے نمونہ بن سکے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ارشاد فرمایا وہ جو موت کو زیادہ یاد کرنا ہے اور موت کے لیے زیادہ سے زیادہ

تیار کرنا ہو، جو لوگ ایسے ہیں وہی دانشمند اور ہوشیار ہیں، انھوں نے دنیا کی

حزت بھی حاصل کی اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی (مجم صغیر للطبرانی)

تشریح :- جب یہ حقیقت ہو کہ اہل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہو جس کے لیے کبھی فنا نہیں تو اس میں کیا شبہ کہ وہ استعداد اور دانش اللہ کے وہی بندے ہیں ہمیشہ موت کو نشی فطر رکھ کر اس کی تیاری کرنے رہتے ہیں اور اس کے برعکس وہ لوگ ہٹے نا عاقبت اندیش اور احمق ہیں جنھیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہو لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں۔

(۹۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخُوضُ فِي الْوُضْءِ هَذِهِ الْأَيَّةُ وَالَّذِي يُؤْتُونَ مَا الْوَأْوُوا لَهُمْ وَجَلَّةٌ أَنَّهُمُ الَّذِينَ يَكُونُونَ الْخَمْرُ فَيَقْرَأُونَ يَا أَيُّهَا ابْنَةُ الصَّمَدِ لَيْتَ وَاللَّهِ لَوْلَا أَنِّي مَيِّتُومٌ وَفَقِيرٌ قَوْلِي وَهُمْ يَخُوضُونَ أَنَّهُمْ لَيْتَ لَوْلَا أَنِّي مَيِّتُومٌ وَفَقِيرٌ قَوْلِي

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ :- حضرت عائشہ سے روایت ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن مجید کی آیت ”وَالَّذِينَ يَكُونُونَ مَا الْوَأْوُوا لَهُمْ وَجَلَّةٌ“ کے بارے

میں دریافت کیا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟

آپ نے فرمایا اے میری صاحبہ! جی نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے

ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور

اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی

جائیں یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔ (ترمذی ابن ماجہ)

تشریح :- ”سودہ مومنوں کے جو حقے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے کچھ اوصاف

بیان فرمائے ہیں جو بھلائی اور خوش انجامی کی طرف تیزی سے جانے والے اور سبقت کرنے والے ہیں

اس سلسلہ میں ان کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہو ”وَالَّذِينَ يَكُونُونَ مَا الْوَأْوُوا لَهُمْ وَجَلَّةٌ“

جس کا ظنی ترجمہ یہ ہو کہ وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں اور ان کے دل ترسان رہتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ کیا

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شامتِ نفس سے گناہ تو کرتے ہیں مگر گناہوں کے بارے میں ڈر اور سبے باک نہیں ہوتے بلکہ گناہ گاری کے باوجود ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نہیں اس آیت سے مراد ایسے لوگ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے وہ عبادت گزار اور اطاعت شعار بندے مراد ہیں جن کا حال یہ ہو کہ وہ نماز، روزہ اور صدقہ و غیرات جیسے اعمالِ صالحہ کرتے ہیں اور اس کے باوجود ان کے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں قبول بھی ہوں گے یا نہیں۔ قرآن مجید میں ان بندوں کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے۔ **أُولَٰئِكَ يَسْعَادُونَ فِي الْحَبِيرَاتِ وَهُمْ لِقَاءُ السَّابِقِينَ** (یہی بندہ حقیقی بھلائیوں اور خوش حالیوں کی طرف تیز گام ہیں اور حقیقی کامیابی کی اس راہ میں آگے نکل جانیو اس میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو جواب دیتے ہوئے اس سلسلہ کی اس آخری آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا اور بتلایا کہ دلوں کا یہی خوف اور فکر بھلائی اور خوشنجامی سے بھلا کرانے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور اس کا قدر و حلال اس قدر ڈرنے کے لائق ہے کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہرگز مطمئن نہ ہو اور برابر ڈرتا رہے کہ کہیں میرا یہ عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے میرے منہ پر نہ مار دیا جائے۔ کسی کے دل میں جس قدر خوف ہو گا اسی قدر وہ خیر و نفع کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

(۹۴) **يَعْرِجُ عَتِيدَهُ بْنُ عَمِيْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا كَانَ بِرَجُلٍ يَخْبِئُ عَلَى وَجْهِهِ دُرٌّ نَجِسٌ وَلَمْ يَلَمْزْهُ**

جو عتیبہ بن عمیرؓ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس شخص کو بھی وہ حقیر سمجھے گا۔ (مسند احمد)

ترجمہ: عتیبہ بن عمیرؓ سے روایت ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن سے موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے سجدہ میں پڑا رہے تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی وہ حقیر سمجھے گا۔ (مسند احمد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انسان پر وہ حقیقتیں منکشف ہو جائیں گی اور جزا و سزا اور عذاب و ثواب کے وہ مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے جو میرا پردہ غیب میں ہیں تو اللہ کے وہ بندے بھی جنہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا ہو گا یہی محسوس کریں گے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو جو پیدائش کے دن سے موت کی

گھڑی تک برابر یہ ہی میں پڑا رہا ہوا اس کا احساس بھی یہی ہو گا اور وہ اپنے اس عمل کو بھی سمجھ سکتے گا۔

(۹۵) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ يَا لَكَ وَمُحَمَّدَاتٍ الذَّنُوبِ فَإِنَّ لَهَا مِنَ اللَّهِ طَالِبًا

رواہ ابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان

ترجمہ :- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، اے عائشہ اپنے کو ان گناہوں سے بچانے کی خاص طور سے کوشش اور نیکو کردار، جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونے والی ہو۔

(سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد، شعب الایمان، بیہقی)

تشریح :- جن لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی کچھ فکر ہوتی ہو اور جو اللہ کے عذاب و داس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں وہ کبیرہ گناہوں سے بچنے کا تو عام طور سے اہتمام کرتے ہیں لیکن جو گناہ ہلکے اور بغیر سمجھے جاتے ہیں ان کو خفیہ اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے اللہ کے بہت سے خلاف ترس بندے بھی ان سے بچنے کی نگرانی نہ نہیں کرتے حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہیں اور ان کے کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونی ہو یہیں ان سے بچنے کی بھی پوری پوری نگرانی اور کوشش کرنی چاہیے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ نصیحت فرمائی ہے اگرچہ اس کی خاص مخاطب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں لیکن درحقیقت یہ انتباہ اور یہ ہدایت و نصیحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی امت کے سب مردوں اور عورتوں کے لیے ہو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص گھروں کو بھی اس فکر اور احتیاط کی ضرورت ہو تو ہمارے لئے اس میں غفلت اور بے پروائی کی کیا گنجائش ہو۔ حقیقت یہ کہ صغیرہ گناہ اگرچہ کبیرہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کی ناراضی کا باعث ہونے کی حیثیت سے اور اس حیثیت سے کہ آخرت میں اس کی بھی باز پرس ہونے والی ہو ہرگز صغیرہ اور ہلکا نہیں ہو دونوں میں بس اتنا ہی فرق ہو جتنا کہ زیادہ نہر پہلے اور کم نہر پہلے سانپوں میں ہوتا ہو پس جس طرح کم نہر والے سانپ بھی تم بچتے ہیں وہ بھانگتے ہیں اسی طرح ہیں صغیرہ گناہوں سے بھی اپنے کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی پوری

کوشش کرنی چاہیے۔ یہی اس حدیث کا منشا اور مقصد ہے۔

(۹۶) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَصْبَغِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى شَايِبٍ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ كَيْفَ تَحْدُثُ قَالَ أَرْجُو اللَّهَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنِّي أَخَافُ ذُنُوبِي فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْتَمِلُ عَمَلٌ فِي قَلْبٍ فِي مِثْلِ هَذَا الْمَوْطِنِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ مَا يَرْجُو مِنْهُ وَأَمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ _____ رواه الإمامي - (جمع الفوائد)

ترجمہ :- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان کے پاس اس کے آخری وقت میں جب کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا تشریف لے گئے اور اپنے اس سے دریافت فرمایا کہ اس وقت تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول میرا حال یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید بھی رکھتا ہوں اور اسی کے ساتھ مجھے اپنے گناہوں کی سزا اور عذاب کا ڈر بھی ہے۔ اپنے ارشاد فرمایا یقین کرو جس دل میں امید و خوف کی یہ دونوں کیفیتیں ایسے عالم میں (یعنی موت کے وقت میں) جمع ہوں تو اللہ تعالیٰ اسکو وہ ضرور عطا فرمادے گی جس کی اسکو اللہ کی رحمت سے امید ہو اور اس عذاب سے اسکو ضرور محفوظ رکھیں گے جس کا اسکے دل میں خوف و ڈر ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح :- ایک اللہ کا خوف اور اس کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرنا ہی نجات کی کنجی ہے۔
(۹۷) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُولُ اللَّهُ جَلَّ ذِكْرُهُ آخِرُ جَلْمِينَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِي بَوْمًا أَوْ خَافَنِي فِي مَقَامٍ _____ (رواه الترمذی والبیہقی فی کتاب البعث والنشور)

ترجمہ :- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت کرتے ہیں کہ اپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان فرشتوں کو جو دوزخ پر مقرر ہیں گے حکم دے گا کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا یا کسی موقع پر جو نہ مجھ سے ڈرا اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔ (جامع ترمذی کتاب البعث والنشور والبیہقی)

تشریح :- کتاب الایمان میں جیسا کہ تفصیل سے بتایا جا چکا ہے یہ بات کتاب و سنت کی تصریحات سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہے کہ جو شخص کفر یا شرک کی حالت میں ہو یا اسے جائیگا وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا اور اس کا کوئی عمل بھی اس کو دوزخ سے نہ نکلا سکے گا۔ اس لیے حضرت انس کی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا سے اس حالت میں گیا کہ وہ کافر یا مشرک نہیں تھا بلکہ ایمان اسکو

نفسیق لیکن گناہ اس کے بہت تھے اور اعمال مباحہ کا ذخیرہ اس کے ساتھ نہیں تھا بجز اس کے کہ اس نے کبھی اللہ کو یاد کیا تھا یا کسی موقع پر اس کے دل میں خدا کے خوف کی کچھ کیفیت پیدا ہوئی تھی تو قیامت کے دن وہ اپنے مقصودوں کی سزا بھگتے کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا لیکن پھر کسی دن کے اللہ کے ذکر اور خوف کی برکت سے اس کو نجات مل جائیگی اور وہ دوزخ سے نکال لیا جائیگا۔ (اعلم)

(۹۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مَوْءِنٍ مِنْ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوعٌ وَإِنْ كَانَ مِثْلَ دَرَسِ الثَّعَالِبِ مِنَ خَشْيَةِ اللَّهِ ثُمَّ يُضَيِّبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهِ الْأَخْضَرَ اللَّهُ عَلَى النَّارِ ————— (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے خوف اور مہبت سے جس بندہ دھن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم مثلاً کھکی کے سر پر بار (یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں پھر وہ آنسو بہ کر اس کے چہرہ پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتش دوزخ کے لیے حرام کر دیگا۔ ————— (سنن ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوف خدا کے آنسوؤں سے کبھی تر ہوا ہو اس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا اور دوزخ کی آگ کبھی اس کو نہ لگ سکے گی۔ کتاب الایمان میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ جن احادیث میں کسی خاص نیک عمل پر آتش دوزخ کے حرام ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے ان کا مطلب مقصد عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس نیک عمل کا ذاتی تقاضا اور خاصہ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ اس عمل کے کرنے والے کو جہنم کی آگ سے بالکل محفوظ رکھے گا بشرطیکہ اس شخص سے کوئی ایسا بڑا گناہ سر نہ نہ ہو جس کا تقاضا اس کے برعکس جہنم میں ڈالا جانا ہو یا اگر کبھی ایسا گناہ اس سے ہوا ہو تو وہ اس سے تائب ہو چکا ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگ چکا ہو۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ شخص تاویل ہو بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورات میں بھی اس قسم کے وعدوں اور نثاروں میں یہ شرط ہمیشہ محفوظ ہوتی ہو۔

(۹۸) مِنَ الْعَبَّاسِ رَفَعَهُ إِذَا قَشَعَرَجِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ تَحَاتَّتْ حَنَّتُهُ

خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتَّتْ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَفَعَهَا ————— (رواہ ابوزر دجع الفوائد)

ترجمہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے

مسئلہ تعدد ازواج

— اور —

اس دور کے متجددین

(از حقیق الرحمن)

مصر اور پاکستان میں ان دنوں تعدد ازواج کا مسئلہ بڑے زور سے چل رہا ہو۔ امت میں یہ مسئلہ کبھی اختلافی نہیں رہا، قرآن میں صاف طور سے اس کی اجازت مذکور ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا ہو۔ آپ کے اصحاب کے متعلق اگر تحقیق کی جائے تو اکثر و بیشتر کا اس پر عمل ثابت ہوگا اور اس کے بعد کے زمانوں میں بھی برابر یہ تعدد و تعالٰی میں رہا ہو۔ مگر آج کچھ لوگ اس کے خلاف بغاوت کا علم لے کر اٹھے ہیں۔ مصر کے تو ایک صاحب نے کہہ دیا ہو کہ قرآن میں سرے سے اس کی اجازت ہی نہیں ہو۔ اس لیے کہ اس کی اجازت عدل کے ساتھ مشروط ہو۔ اور خود قرآن ہی کہتا ہو کہ عدل تھا ہے بس کی بات نہیں ہو۔

ولن تستطیعوا ان تعدلوا
بین النساء ولو حرصتم
نہم اگر چاہو بھی جب بھی عورتوں کے
دریان عدل نہیں کر سکتے ہو۔

پس سرے سے اجازت ثابت ہی نہیں، محض غلط فہمی ہو جو اجازت سمجھ لی گئی ہو۔ دوسرے کچھ لوگ ہیں جو اس حد تک تو نہیں گئے ہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ یہ اجازت علی الاطلاق نہیں ہو، بلکہ اس کی پہلی شرط یہ ہو کہ کوئی شدید ضرورت اور مجبوری درپیش ہو، مثلاً پہلی بیوی میں کوئی نقص ہو یا اسے کوئی مرض لاحق ہو جس کی وجہ سے وہ وظیفہ جیت یا وظیفہ امومت ادا کرنے سے قاصر ہو، یا قوم کی کوئی مصلحت تعدد ازواج کی متقاضی ہو، مثلاً کسی جنگ وغیرہ کے نتیجے میں مردوں کی تعداد

گھٹ جائے مہیا کہ پھلی دو جگہوں میں یورپ میں ہوا یا قوم کی قلت کو کثرت میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہو۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو ضرورت تھی۔ ان لوگوں کے نزدیک تعدد کی اجازت اس قسم کی ضرورتوں کے لیے ہو، ورنہ اگر پہلی بیوی پھلی چنگی ہو اور کوئی قومی و معاشرتی ضرورت بھی نہ ہو تو محض نفسی تقلصے کی تسکین کے لیے دوسرے نکاح کی اجازت اسلام میں نہیں ہو۔ اپنے اس دعوے کی دلیل میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں نکاح ثانی کی ارادہ فرمایا تھا تو روایت میں ہے کہ حضور نے اس پر بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا، ظاہر ہے کہ حضور کی ناراضگی صرف اپنی صاحبزادی کی محبت کی وجہ سے نہیں ہو سکتی تھی، بلکہ اس کا منشاء یہی تھا کہ جب ایک مہقولہ اور صحت مند بیوی موجود ہو۔ جیسی کہ حضرت سیدہ تھیں۔ تو ایک مرد و من کو نکاح ثانی کی نہیں سمجھنی چاہیے۔

اس موخر الذکر خیال کا اظہار لاہور کے ماہنامہ ثقافت بابہ جون ۱۹۵۲ء میں کیا گیا ہے بضمیر نگار کے الفاظ یہ ہیں۔

”کتاب حکیم میں تعدد ازواج کے بارے میں دو تین آیات سے زیادہ نہیں ملتی، چار تک نکاح کرنے کی اجازت ایک مخصوص صورت حال اور ایک مخصوص سماجی اتری کے ہاج کے طور پر پائی جاتی ہو شروع میں رسول کریمؐ اور ان کے جہان شمار پیرؤں اور صحابیوں کو دین کی حفاظت اور دفع فتنہ کے لیے جنگیں کرنی پڑیں مسلمان مجاہدین تعداد میں کم تھے اور مخالفین کی تعداد بہت زیادہ تھی، ان جنگوں میں مسلمان مرد کثیر تعداد میں شہید ہوئے، بے کس اور بے بس بیوگان کی تعداد اس انتہائی معاشرے کا ایک اہم اور حل طلب مسئلہ بن گیا۔ قرآن کریم میں تعدد ازواج کی اجازت اسی مسئلہ کے حل کے لیے دی گئی۔“

وَأَنْ خِفْتُمْ أَلا تَقْسُطُوا فِي الْيَمِينِ فَأَنْكَحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبْعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلا تَعْدُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكُمْ فَخَالِكٌ ۚ وَدُنِيَ ۚ أَلَّا تَقُولُوا ۚ

(اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم یمینوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں تمہیں جو پسند آئیں ان سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو، ان اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل زمین انسانوں نہ کر سکو گے تو بس ایک ہی بیوی ہو یا باندی ہو، یہ تمہیں بے انصافی سے بچانے کا قریب تر راستہ ہو)

اس آیت کی رو سے یہ اجازت کوئی علی الاطلاق اجازت نہیں، قرآن کے مد نظر عدل اور رحم ہے اس لیے صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ اس اجازت کا ناجائز استعمال نہیں ہونا چاہیے۔

”یہ بات کہ ایک اچھی معقول دیندار اور صاحب اولاد بیوی ہوتے ہوئے مردوں کو نکاح شافی کی نہیں سوچنی چاہیے۔ اس سے بھی واضح ہوجاتی ہو کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی موجودگی میں جب حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے دوسرا نکاح کرنا چاہا تو رسول کریمؐ اس پر بہت افرودختہ ہوئے، کسی کا یہ گمان کرنا کہ یہ اپنی بیٹی پر سوکنے کا معاملہ تھا اس رسولؐ کے متعلق ناقابل عقوبد گمانی ہو جس کے دل میں امر و نہی کے بارے میں شخصی جذبہ اور ذاتی مفاد مغفود تھا۔“

اس کے بعد یہ سوال قائم کر کے کہ جب رسول کریمؐ کے سامنے ایک سے زائد نکاح کیے گئے اور اپنے مسلمانوں کو نہیں روکا تو اب کیوں روکا جائے۔ جواب دیتے ہیں کہ

”اس کا جواب بھی وہی ہو کہ ایک قلیل جماعت کو ایک طرف یتامیٰ اور یتیم خانہ کو اپنی پناہ میں لینے کا سوال تھا اور دوسری طرف اس وقت کو تعداد بڑھانا لازمی تھی جسے مسلسل جہاد میں متبادل رہنا تھا۔“ الخ

یہ ہیں اس مسئلہ میں متجددین کے دو قسم کے خیالات! پہلا خیال کہ بیک وقت تعدد نکاح کی سرے سے اجازت ہی نہیں ہو، یہ تو نہایت محل قسم کی بات ہو، اس کا پہلا جواب تو یہ ہو کہ اگر واقعہ یوں ہی ہو تو کیا (معاذ اللہ) صحابہ کرامؓ دھڑتے سے ایک ناجائز بات کے مرتکب ہوتے رہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو نہیں روکا؟ اور دوسرا جواب یہ ہو کہ اگر دل نہ تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء کا یہی مفاد ہو کہ چونکہ عدل محال ہو لہذا تعدد ناجائز ہے تو پھر آیت کے ان اگلے الفاظ کا کیا مطلب ہو کہ فلا تمیلوا کل الملیل فتذروہا کالمعلقۃ (پس نہ تمام تر جھک جاؤ ایک کی طرف کہ دوسری کو (ادھ بچ میں) لٹکا کر چھوڑ دو کہ نہ اُسے آزاد ہو کہ وادرنہ علما تعلق ہی رکھو) اگر سابقہ الفاظ سے تعدد کی اجازت منسوخ ہو گئی تو پھر یہ ہدایت آخر کس مرض کی دوا ہو۔ جب ایک ہی بیوی رہے گی تو اس بے انصافی کا امکان ہی کیا رہے گا جو اس کے بارے میں کوئی ہدایت دی جائے فلین تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ تنبیہ فرمانا کہ فلا تمیلوا کل الملیل الخ خود اس بات کی بین دلیل ہو کہ فلین تستطیعوا میں تعدد کی مانعت وغیرہ کا کوئی پہلو نہیں ہو۔ اس آیت کا

مقصد اصل میں عدل کا کم سے کم معیار بتلانا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کی اس فطری کمزوری سے واقف ہے کہ وہ سب بیویوں کے درمیان ہر حیثیت سے مکمل عدل برتنے سے قاصر ہو۔ پس اس کمزوری کو تسلیم کر کے بتلایا گیا ہو کہ یہاں تک تو کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک طرف طبیعت کا میلان زیادہ ہو اور میلان طبع کو روکنا انسان کے بس کی بات نہیں، مگر اس کے نتیجہ میں دوسری طرف سے مکمل اعراض برتا جانے لگے یہ بات مناسب نہیں ہو۔ کیونکہ میلان نہ ہونے کے باوجود فرض سمجھ کر ضروری تعلق قائم رکھنا، کسی انسان کے بس سے باہر نہیں ہو اگر شرافت نفس اور احساس فرض ہو تو یقیناً ہر انسان ایسا کر سکتا ہو۔ اور اس کو کرنا چاہیے۔

اب پہلے دوسرے خیال کو کہ "تقدوا ازدواج کی اجازت کسی خاص ضرورت اور مجبوری کے موقع پر ہو۔ علی الاطلاق نہیں ہو کہ آدمی محض اپنے جنسی تقاضے کی تسکین کے لیے ایک سے زیادہ بیویاں رکھ لے۔" یہ بھی حقیقت میں کچھ کم غلط نہیں ہو اور اس کی تائید میں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ محض فرضی ہیں جن کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔

پہلی بات یہ کہی گئی ہو کہ آیت "فان خفتم الا تعصوا فی البیتاخی فانکھوا ما طاب لکم" میں چار مردوں کے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہو وہ مسئلہ شرت بیوگان کو حل کرنے کے لیے دی گئی ہو۔ لہذا یہ عباد علی الاطلاق نہیں، بلکہ ایسے ہی خاص موقع کے لیے رہے گی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہو کہ آیت کا یہ مقصد کہاں سے معلوم کیا گیا ہو۔ نہ تو شان نزول کی کسی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہو اور نہ ہی آیت کے کسی لفظ میں اس کی گنجائش ملتی ہو۔ ہاں اگر یتامی کا ترجمہ کسی لغت میں بیوگان لکھا گیا ہو یا عربی میں بیوگان کے لیے یتامی کا لفظ بولا جاتا ہو، تو دوسری بات ہو، لیکن دعویٰ کرنے والے صاحب نے خود یتامی کا ترجمہ "یمیموں" ہی کیا ہے، اب سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مسئلہ بیوگان کہاں سے بیچ میں آگیا؟

بہر حال اس آیت کا تعلق مسئلہ بیوگان سے مطلق نہیں، بلکہ یتیم لڑکیوں کے مسئلہ سے ہو صورت یہ تھی کہ بعض یتیم لڑکیوں کے اولیاء ان کے مال یا جمال کو دیکھ کر بھلے کسی اور سے شادی کر دینے کے داغ دہ ان کی محرم نہ ہوتی تو، اسے خود اپنے عقد میں لے لیتے تھے۔ اور چونکہ وہ خود ہی اس کے ولی ہوتے تھے اس لیے بھنا کم سے کم ہر چاہتے تھے باندھتے تھے جو ببا اوقات لڑکی کی حیثیت اور اس کے ہر مثل کو

دیکھتے ہوئے نا انصافی کی حد تک کم ہوتا تھا۔ اس آیت میں لوگوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اگر یتیم لڑکیوں سے نکاح کریں تو انصاف کے ساتھ یعنی ان کے پورے ہر کے ساتھ کریں ورنہ ان کے اسوا عورتوں سے نکاح کریں۔ اس شان نزول کی روشنی میں اس آیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ

اگر خلیس اس بات کا ذرا بھی خطرہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں تم پوری احتیاط اور انصاف سے کام نہ لے سکو گے تو انہیں اپنے عقد میں نہ لو، اور اگر خلیس نکاح کرنا ہی ہو تو اور عورتوں میں سے جو یقین پند آئیں ان میں سے ایک نہیں، دو، تین، چار تک نکاح کر سکتے ہو، لیکن اس میں بھی یہ شرط ہو کہ تم ان سب کے درمیان عدل کرو، اور اگر خطرہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو بس ایک ہی پر یا اپنی بانیوں پر اکتفا کرو۔ یہ نا انصافی سے بچنے کا قریب تر راستہ ہے!

اس شان نزول اور حضرت عائشہ کے بیان سے تاہد پانے کے علاوہ اس اصول کی رو سے بھی کہ قرآن کی آیت کی جو تفسیر خود قرآن ہی کی کوئی دوسری آیت کرہی ہو وہ سب سے مقدم ہو، یہی مطلب راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اسی سورہ نسا میں جس کی یہ آیت ہو ایک آیت اس کے آخری حصہ میں یہ ہے۔

وَمِثْلُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلُوبُ اللَّهِ
يَفْقَهُنَّ مِمَّا يَتْلُو عَلَيْكَ فِي الْكِتَابِ فِي يَتْلُو
النِّسَاءَ الَّتِي لَا تَقُولْنَ بِمَا كُتِبَ لَهُنَّ
وَمَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكُحُوهُنَّ ۚ

اور لوگ تم سے سوا ان کے ہیں عورتوں کے
معاملہ میں، کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے جو وہ
جو نایا گیا تھا ان کو کتاب میں، ان یتیم عورتوں
کے بارے میں جن کا وہ جی حق تم دیتے نہیں ہو اور
نکاح ان سے کرنا چاہتے ہو۔

اس میں وما یتلن علیکم فی یتیمی النساء الخ کے متعلق مفسرین لکھتے ہیں۔ اور یوں بھی کہلی ہوئی بات ہے کہ اس سے مراد وہی آیت وان خفتم الاغتصوا فی الیتیمی ہو۔۔۔ ورنہ تو وما یتلن علیکم کا کوئی مصداق ہی ہوتا نہ آئے گا۔ تو پھر اس میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ ان "یتیمی النساء" کے ساتھ ہونا ہی ہوتی تھی یا جس نا انصافی کا خطرہ ہو سکتا تھا وہ یہ تھی کہ ان سے نکاح تو کیا جائے مگر ان کا ہر مش اور دوسرے ذاتی حقوق ادا نہ کیے جائیں اور پھر اسکے ساتھ کیلئے اسکے سوا کیا ہدایت دی جا سکتی تھی کہ اگر نکاح کرنا جو تو پورا ہر دو اور وہی حقوق کا خیال رکھو ورنہ اور دوسری عورتوں سے نکاح کرو۔

۱۰ بعض حضرات کا قیاس ہے کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے شہید ہوجانے کی وجہ سے چوکوتیا کی کمی کثرت ہو گئی تھی، لہذا اس ہدایت کی خاص طور سے ضرورت پیش آئی۔ یہ بات بہت قریب قیاس معلوم ہوتی ہے بلکہ بخاری کتاب النکاح میں عائشہ

بہر حال ان سب امور پر نظر کرنے کے بعد یہ خیال بالکل بے بنیاد ہو جاتا ہے کہ اس آیت کا تعلق مسئلہ بیوگان سے ہو۔ اور صحیح ترین مطلب وہی ٹھہرتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ اب آیت میں کوئی شرط تعدد ازدواج کیلئے بجز عدل کے معلوم ہوتی ہے؟ — پھر یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ خود ساختہ نظریات کو کلام اللہ کی طرف منسوب کیا جائے اور کہا جائے کہ تعدد کی اجازت علی الاطلاق نہیں ہے کہ جنسی تقاضوں کی تکمیل و تسکین کے لیے اس کو استعمال کیا جائے، بلکہ بعض خاص صورتوں کے لیے ہو۔

یہ جسارت بہت بڑی اس وقت بھی تھی جبکہ خاص اس بارے میں کوئی اشارہ آیت میں نہ پایا جاتا کہ یہ اجازت اصل میں انسان کے جنسی میلانات اور اس کے نفس کی فطری خواہشات کی تسکین تکمیل کے لیے ہو مگر یہاں تو ایک اشارہ بھی اس قسم کا موجود ہے۔ شانِ نزول میں دیکھئے وہاں معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ یتیم سے نکاح کی خواہش اس کے جمال کی وجہ سے ہوتی تھی، آیت میں اسی خواہش کو (بالانصافی کے خطہ کی وجہ سے دوسری عورتوں کی طرف موڑا جا رہا ہے، اور فرمایا جا رہا ہے کہ خانکھو مطاب لکم من النساء) اور عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی معلوم ہوں ان سے نکاح کر لو۔

اب ایک اور انداز سے اس استدلال پر غور فرمائیے!

باجدِ قطعی طور پر غلط ہونے کے ٹھوڑی دیر کے لیے مان لیا کہ اس آیت کا تعلق مسئلہ بیوگان ہی سے ہو اور مطلب یہ ہو کہ اگر بیواؤں کے ساتھ تم دیے انصاف نہیں کر سکتے تو ان میں سے جو تمہیں اچھی لگیں دو، تین تین چار چار تک سے نکاح کر لو، یا جیسا کہ بعض حضرات نے ایک احتمال یہ بتلایا ہے کہ اگرچہ تعلق تو اس کا یتیموں ہی سے ہے مگر مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر یتیموں کے ساتھ تم دیے انصاف نہیں کر سکتے تو ان عورتوں میں سے دو دو تین تین چار چار تک کو اپنے نکاح میں لے لو جن کے ساتھ وہ بچے ہیں۔ بہر حال ان دونوں میں سے کوئی سا بھی مطلب مان لیجئے۔ مگر یہ مدعا پھر بھی ثابت نہیں ہوتا کہ تعدد ازدواج کی اجازت علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ خاص حالات اور خاص ضروریات کے لیے ہو۔ یہ مدعا جب ثابت ہو گا جب پہلے یہ ثابت کر دیا جائے کہ تعدد ازدواج کی اباحت پہلے سے نہیں تھی، اس آیت کے نزول ہی سے اس کی ابتداء

ملے علیٰ ہذا آیت کے مطلب میں بعض حضرات کے بیان کردہ اس احتمال کی بھی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔
— کہ اگر تم یتیموں کے ساتھ دیے پورا انصاف نہیں کر سکتے تو ان عورتوں سے نکاح کر لو جن کے ساتھ وہ یتیم بچے ہیں۔

ہوئی ہو، یا اگر بھی تو ایسے ہی حالات کے لیے تھی۔ اگر یہ ثابت ہو جائے، تب تو کہا جاسکتا ہو کہ اس کی اباحت ایک مخصوص سماجی ابتری کے علاج کے طور پر ہوئی ہو، لہذا یہ اباحت ہمیشہ اسی قسم کے حالات سے مشروط رہے گی، مگر اس کا ثبوت لانا کسی کے بس کی بات نہیں!

اصل یہ ہو کہ اسلام میں تعدد از دواج کی اباحت و مشروعیت بعض دیگر مباحات کی طرح اس طور پر ہو کہ یہ کام زمانہ نزول وحی میں ہوتا رہا، مگر نہ کتابِ شرنے اس کو منع فرمایا نہ رسول اللہ ﷺ نے، یہ اباحت کے باب کا ایک عام اصول ہو جس عمل کا لوگوں میں عام رواج ہو اور کسی وقت اس کی ممانعت بھی نہ کی گئی ہو اس کی اجازت دینا تو تھیں حاصل ہو جو کہ ایک عام حائل سے بھی بعید ہو، چہ جائیکہ ذاتِ حکیم سے، عربوں کے متعلق معلوم ہو کہ ان میں تعدد از دواج کا عام رواج تھا اور آج بھی عام اہل حجاز کا حال یہ ہو کہ وہ ایک بیوی پر قناعت کا تصور شکل ہی سے کر سکتے ہیں۔ پس خائفو! الخ کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ صیغہ اجازت ہو ذاتِ حکیم کی طرف ایک فعلِ عبث کی طرف نسبت ہو۔ اس صیغہ سے ابتداء اجازت نہیں دی گئی، بلکہ ایک خاص ضرورت کے پیش نظر اس اباحتِ اصلیہ کا بیان ہوا ہو جو اباحت کے عام اصول کے تحت حاصل تھی، اور وہ ضرورت تھی یتیموں کو یا بصورتِ تسلیم بیواؤں کو، اناضافی سے بچانے کی، مطلب یہ ہو کہ جب ایک راستہ ایسا موجود ہو جس کے ذریعہ تم اناضافی سے بچ سکتے ہو تو پھر چاہیے کہ اس کو اختیار کرو۔ اور وہ راستہ تعدد از دواج کا راستہ ہو۔ نہ یہ کہ تھیں نا انضافی سے بچنے کے لیے تعدد از دواج کی اجازت دی جاتی ہو۔

اچھا اور آگے چلئے، واقعات سے بالکل آنکھیں بند کر کے مانے لیتے ہیں کہ تعدد از دواج کی مشروعیت

۱۰ خائفو! الخ کا یہ مطلب ہو کہ جب کہ آیت کے موزن ذکر و مطالب میں سے کوئی مطلب اختیار کیا جائے، لیکن اگر وہ مطلب اختیار کیا جائے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہو (اور ہمارے نزدیک وہی سب سے زیادہ راجح ہو) تو تعدد از دواج کی اجازت کا بیان مذکورہ بالا ضرورت کے پیش نظر نہ ہوگا کیونکہ وہاں جو ضرورت ہو اس کے لیے تعدد از دواج نہیں صرف اتنا کافی ہو کہ تہیہ کو چھوڑ کر کسی اور صورت سے نکاح کر لیا جائے۔ خواہ ایک ہی سے کیا جائے، بلکہ اس کا خاص مقصد مدد کی تھوڑا ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ تہیہ کے علاوہ اور عورتیں بہتری ہیں۔ جس سے بچا ہو نکاح کر لو، البتہ ان کی تعداد اب بیک وقت چار سے زیادہ نہ ہونی چاہیے۔ تعدد پہلی صورت میں بھی نکلا گی، مگر فرق یہ ہوگا کہ وہاں ضمانت ملے گی۔

ہیں سے شروع ہوئی ہو۔ لہذا جو شرط یہاں لگائی گئی ہو اسی قسم کی شرط سے یہ ہمیشہ مشروط رہے گی، مگر پھر یہ تو فرمائیے کہ پہلی بیوی کی خرابی صحت یا خلقی نقص یا غیر معقولیت کی صورت میں جو آپ دوسرے عقد کی اجازت دیتے ہیں، یہ کس بنیاد پر دیتے ہیں؟ یہ ضرورت تو اس قسم میں داخل نہیں ہوتی جس کے ساتھ اجازت مشروط ہو چکی ہو! اس صورت میں تو آپ کو یہ کہنا چاہیے کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دے اور پھر دوسری کہے۔!

اچھا اب بیٹھے اس استدلال کو جو حدیث سے پیش فرمایا گیا ہو۔

حضرت علیؑ کے ارادہ نکاح ثانی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی "برافروختگی" کا باعث یہ سمجھا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی صحت مند، دیندار اور صاحب اولاد بیوی (فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا) کی موجودگی میں یا ارادہ کیا تھا۔ جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ ایسی بیوی کی موجودگی میں کسی مرد و من کو نکاح ثانی کی سوجھن بھی نہیں چاہیے!۔ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ ان فاضل محترم نے ایک مرتبہ بھی اس روایت کو حدیث کی کسی کتاب میں دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے، صرف اتنا سا جزو کہیں سن لیا ہو کہ حضرت علیؑ کے ارادہ نکاح ثانی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "برافروختہ" ہوئے تھے، اور پھر اپنے قیاس کے گھوڑے دوڑ کر اس نتیجہ پر پہنچ گئے۔ ورنہ وہ کبھی ایسی بات کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ اس لیے کہ حضور کے الفاظ مبارکہ میں خود اسکی وجہ موجود ہو جو اس سے بالکل مختلف ہو۔

ملاحظہ فرمائیے صحیح بخاری کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ!

| | |
|--|---|
| إِنَّ بَنِي هِشَامِ بْنِ الْمَغِيرَةِ اسْتَأْذَنُوا | بنی ہشام والوں نے اپنی لڑکی کا نکاح |
| أَنْ يَنْكِحُوا ابْنَتَهُمْ عَلِيٌّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ | علی ابن ابی طالب کے ساتھ کرنے کی تجھ |
| فَلَا أَدْنُ شَرًّا لَا أَدْنُ شَرًّا لَا أَدْنُ | سے اجازت مانگی ہو۔ تو میری اجازت نہیں ہو، |
| أَلَا أَنْ يُرِيدَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ أَنْ | نہیں ہو، اور پھر کہتا ہوں کہ نہیں ہو، ہاں |
| يُطَلِّقَ ابْنَتِي وَيَنْكِحَ ابْنَتَهُمْ فَإِنَّمَا | ایک صورت ہو کہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو |
| هِيَ بَضْعَةٌ مِمَّنْ يُرِيدُ ابْنِي مَا أَرَاهَا | طلاق دے دیں پھر ان کی لڑکی سے نکاح |
| وَيُؤْذِنِي مَا إِذَا هَا۔ | کر لیں۔ کیونکہ وہ میرے جسم و جان کا ایک |

دکتاب النکاح باب ذیہا من عن ابنہ

مکرم ہو جو چیز سے طولی کرے وہ مجھے طویل

فی البیوت والاضاف

کرتی ہو اور جو چیز سے اذیت پہنچائے

اس سے مجھے اذیت پہنچتی ہے۔

ایک دوسرے طریق کی روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں۔

وَإِنِّي لَسْتُ أَحْرَمَ حَلَالًا وَلَا أُحِلُّ

داور غلط فہمی نہ ہو میں کسی امر حلال کو

حراماً وَلَكِنَّ اللَّهَ لَا يَجْتَمِعُ بَيْنُ

حرام اور کسی حرام کو حلال کرنے والا نہیں

رَسُولِ اللَّهِ وَبَيْنُ عَدُوِّ اللَّهِ عِندَ

ہوں، لیکن بخدا یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ نبی

رَجُلٍ أَبَدًا

رسول اللہ اور نبی عداوت ایک شخص

(فتح الباری ج ۱۰ صفحہ ۱۰۰) کے پاس مجتمع ہوں۔

اس کے بعد دیانت کے ساتھ فرمائیے کہ کیا حضور کی ممانعت اور ناگواری کو اس پر محمول کرنے کی کوئی گنجائش کہیں سے نکلتی ہو کہ ”اچھی معقول دیندار اور صاحب اولاد بیوی کے ہوتے ہوئے مرد و عورت نکاح ثانی کی نہیں سوچنی چاہیے“؛ حضور صافات اور غیر مشتبہ الفاظ میں اپنی ممانعت کی وجہ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اس سے میری بیٹی کی غیرت کو ٹھیس لگے گی اور اس کے دل کو تکلیف پہنچے گی اور اس کی تکلیف سے مجھے تکلیف پہنچے گی۔ اور یہاں ارشاد ہو رہا ہو کہ میں حضور کسی شخص کی عداوت سے منع فرما رہی نہیں سکتے، آپ کا منع فرمانا تو اس اصول کے تحت تھا کہ ”ایک اچھی معقول دیندار.....“
توجیہ القول بالابریضیہ فائدہ کی ایسی مثال شاید ہی کبھی کسی کی نظر سے گزری ہو۔

کاش کچھ تادم داری لوگ دینی عنوانات پر خامہ فرسائی اور اللہ و رسول کی تر جانی کی محسوس کیا کرتے!

بر حال یہ ہو حقیقت اس دعوے کے دلائل کی، اور ہمارا یہ کہنا غالباً بیجا نہیں ہو کہ یہ تمام تر فرضی باتیں ہیں جن کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہو۔

اب ایک بات رہ جاتی ہو کہ اس پر کلام کیے بغیر اس حدیث کے متعلق گفتگو تشنہ رہ جائے گی۔ وہ اس حدیث سے متعلق یہ اشکال ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے تعدد ازدواج کی اجازت دی ہو تو پھر حضور نے حضرت علیؑ کے نکاح ثانی سے اپنی قلبی تکلیف اور ناگواری کا اظہار کیوں فرمایا! — زیر بحث مضمون کے

جو اقتباس ہم نے دیا ہے اس کو پڑھ کر عام طور پر یہ اشکال پیدا ہوگا، مگر غور و فکر سے کام لینے والوں کے لیے حدیث میں فی الحقیقت کوئی اشکال نہیں ہو۔

یہ اشکال حقیقت میں نتیجہ ہو واقعہ کہ اس پہلو کو نظر انداز کر دینے کا کہ حضور نے ایک خاص عورت سے نکاح کرنے سے حضرت علی کو منع فرمایا تھا، نہ کہ مطلقاً کسی بھی دوسری عورت سے۔ اگر حضور کا منع فرمانا علی الاطلاق ہر زنا تب بیشک یہ سمجھنے کی گنجائش تھی کہ اس ممانعت کا سبب اپنی بیٹی پر سوکن لائے جانے کے تصور کی وہ تکلیف ہو جو ہر باپ کو ہوتی ہو۔ اور پھر یہ اشکال ہو سکتا تھا کہ یہ بات تو حضور کے مضرب عالی سے متباعد ہے۔ مگر اطلاق کا کوئی قرینہ حدیث میں نہیں ہو۔ بلکہ صاف صاف تفصیل مفہوم ہوتی ہے۔ اور مزید برآں ان الفاظ سے کہ

وإني لست احرم حلالاً ولا احلل حراماً ولكن والله لا تجتمع بنت رسول الله و بنت عبد الله عند رجلٍ ابداً یہ بھی صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا منع فرمانا اس تکلیف کی وجہ سے نہیں تھا جو ایک عورت کو اور اس کے باپ کو اس پر سوکنے کے تصور سے ہوتی ہو، بلکہ اس وجہ سے تھا کہ حضرت علیؓ ایک ایسی عورت کو حضورؐ کی صاحبزادی پر سوکنے بنا کر لانے کا ارادہ فرما رہے تھے جس کا باپ اپنی اسلام دشمنی اور پیغمبر اسلام دشمنی کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے مسلمانوں میں عدو اللہ کا لقب پا گیا۔ اس کی بیٹی ہزار مسلمان ہو گئیں مگر یہ تو ان کے بھی بس کی بات نہیں تھی کہ اپنا رشتہ نسب بھی اپنے بڑا نام باپ سے منقطع کر لیں۔ انھیں مسلمان ہو کر بھی ہمیشہ بنت ابی ہبل اور بنت عدو اللہ ہی رہنا تھا۔ پس قدرتی بات تھی کہ ایک ایسے شخص کی ایسی جب حضرت فاطمہ کے ساتھ جمع کر دی جاتی تو اس کی معیت انھیں وہ سب حرکتیں یاد دلاتی جو اس کے باپ (عدو اللہ) نے ان کے باپ رسول اللہ کے ساتھ کی تھیں اور جن میں سے بہت سیوں کی وہ خود عینی شاہد تھیں۔ پس ان کے دل کو اس اجتہاد سے کیا کیا نہ چرکے لگتے۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان تکلیف وہ یادوں کے کتنے مواقع پیدا ہوتے اور یہ چیز خود حضرت علیؓ مرفضی کے لیے کس قدر مضر ہوتی۔ اس لیے حضورؐ نے جس طرح وحشیؓ کو اسلام لانے اور صادق الاسلام ہونے کے باوجود اپنے سامنے آنے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ انھیں دیکھ کر آپ کے دل میں اپنے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت کا زخم ہل رہا ہو جاتا تھا، بس اسی طرح حضرت علیؓ کو اس رشتہ سے منع فرمایا۔ اور حضورؐ کا جو تعلق اور جو

سلوک حضرت علیؑ کے ساتھ تھا اس کی بنا پر یقیناً آپ کو حضرت وحشی کے مقابلہ میں حضرت علیؑ پر زیادہ حق تھا، حقیقت میں اس میں حضرت علیؑ کی سراسر خیر خواہی تھی۔ اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر انھیں اس رشتہ پر اصرار ہو تو وہ میری لڑکی کو طلاق دے دیں۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ اسلئے کہ بنت ابی جہل سے رشتہ کرنا بہر حال ان کے لیے حلال ہو اور میں کسی حلال کو حرام نہیں کر سکتا ہوں۔ مگر اس خاص وجہ کی بنا پر میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ میری لڑکی اور ابو جہل کی لڑکی ایک گھس میں جمع ہوں۔

حقیقت میں یہ بات خود حضرت علیؑ کے سوچنے کی تھی۔ انھیں یہ بھی سوچنا تھا کہ اگر اس نئے رشتہ کے بعد ان کا میلان بنت رسول اللہؐ کے مقابلہ میں بنت عدو اللہ کی طرف زیادہ ہو گیا یا حضرت فاطمہؑ کے ساتھ کوئی نا انصافی یا حق ناشی ہوئی تو فی الواقع یہ چیز کتنی بری ہوگی اور نفسیاتی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کتنی تکلیف پہنچے گی۔ اور پھر یہ تکلیف خود ان کے لیے دینی اعتبار سے کتنی مضر ہوگی۔ مگر بعض مواقع ایسے ہو جاتے ہیں کہ آدمی بعض ضروری پہلوؤں کو نہیں سوچتا، یہاں بھی کچھ ایسی ہی صورت پیش آئی۔ مگر جب حضورؐ کے سامنے یہ بات آئی اور ایک روایت کے مطابق جب حضرت علیؑ نے آپ سے اس کی اجازت چاہی، تو آپ نے انھیں بعض پہلوؤں کی طرف متوجہ فرمایا۔ یہ بات کہ حضورؐ کے دل کو اگر تکلیف پہنچتی تو وہ حضرت علیؑ کے لیے مضر ہوتی، ایک قرآنی حقیقت ہو۔ قرآن میں کئی مواقع پر ایسے امور سے پرہیز کرنے کی تلقین کی گئی ہو، جو اگرچہ شرعاً ناجائز یا حرام نہیں ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے کسی طبعی وجہ سے گرائی یا ناگوار ہوئی ہو، مثلاً ایک آدھ بار ایسا ہوا کہ بعض صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پر مدعو کیا تو کھانے سے فارغ ہو کر یہ حضرات کچھ باتوں میں مشغول ہو گئے اسی طرح تھوڑی دیر بیٹھ رہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کسی وجہ سے کچھ طبعی انقباض ہوا، لیکن آپ نے ظاہر نہیں فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ اس سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہو، وہ تم پر اس کے اظہار سے شرارتے ہیں۔ مگر یہ ضروری بات ہو اس لیے ہم تم کو بتلاتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سورہ احزاب ع، اسی طرح ایک آدھ بار ایسا ہوا کہ بعض بدوی آئے اور انھوں نے حضورؐ کے مجردوں کے پاس سے حضورؐ کو باہر تشریف لانے کے لیے پکارا، اس سے آپ کے آرام میں یا جس کام میں بھی آپ مشغول تھے خلل پڑا، اس پر بھی ایک لطیف انداز میں فمائش

کی گئی، فرمایا گیا کہ یہ اگر خاموشی سے میٹھ کر آپ کے از خود قشرین لانے کا انتظار کرتے تو ان کے لیے زیادہ بہتر تھا۔ (لاحظہ ہو سورہ حجرات ۱)

اسی طرح کی آیات کی بنا پر علماء امت کا اس پر اجماع ہو کہ جو چیز بھی حضور کی گرائی طبع یا اذیت خاطر کا باعث بنے، وہ اگر چہ فی الاصل سلال اور مباح ہو مگر اس خصوص میں خسرانِ خودی کا باعث ہو جاتی ہے۔
(البقیہ صفحہ ۲۵)
(باقی آئندہ)

اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے گناہ ایسے بھڑتے ہیں جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے بھڑتے ہیں۔

تشریح ۱۔ خوفِ خشیت اور ہیبت دو اصل قلبی کیفیات ہیں لیکن انسان ایسا بنایا گیا ہو کہ اس کی قلبی کیفیات کا طہرہ اس کے جسم پر بھی ہوتا ہو مثلاً جب دل میں غشی کی کیفیت ہو تو چہرے پر نشانت ظاہر ہوتی ہو انقباض اوقات وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنسیا مکرنا ہو اسی طرح جب دل میں حزن و غم ہو تو وہ بھی اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے اور کبھی کبھی وہ اس کے اثر سے روتا بھی ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں اسی طرح جب دل پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پس جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس سے پہلی حدیث میں اللہ کے خوف سے آنسو گرنے پر کتش و دغ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری اہل ایمان کو سنائی گئی ہو اسی طرح حضرت عباس کی اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہو کہ اللہ کی خشیت و ہیبت سے جب کسی بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے گناہ ایسے بھڑتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں سوکھے درختوں کے پتے بھڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ کیفیات ہمارے قلوب کو بھی نصیب فرمائے۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا خَشَاكَ كَمَا تَأْذَرُكَ أَحَبْدًا حَتَّى تَلْقَاكَ وَامِيعَةً
تَبْقَاؤَكَ وَلَا تَشْقِنَا بِمَعْصِيَتِكَ.

اے اللہ ہمارا حال یہ کر دے کہ تیری خشیت و ہیبت ہم پر ہر دم ایسی طاری رہے کہ گویا ہم تیرے جلال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہاں تک کہ اسی حال میں نیزے حضور میں حاضر ہوں اور ہمارے اندر تقویٰ کی کیفیت پیدا فرمائے ہم کو نیک نصیب بنا اور ایمان ہو کہ تیری نافرمانیاں کر کے ہم بد بخت ہو جائیں۔

سفر مصر

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

مترجمہ مولوی محمد رابع صاحب ندوی

ازہر اور اس کے ملحقہ تاریخی آثار

دوشنبہ ۶/۵/۷۰ء - ۱۲/۲/۵۱ء

آج بارش کا دن ہے لیکن بارش تیز نہیں ہے اس لئے آنے جانے سے مانع نہیں، ہم دس بجے سے قبل قیام گاہ سے نکلے یہ وقت استاذ حسن جلد لوباب (عربی آثار قدیمہ کے چیف انسپکٹر) سے ملاقات کے لئے طے تھا۔ اس میں ہمیں ازہر اور اس کے ملحقہ تاریخی آثار کا معائنہ کرنا ہے۔

ازہر کے دروازے پر ہم سب ملے، ہمارے ساتھ چند اصحاب ازہر کے کتب خانے میں بھی تھے، پھر ہم نے ازہر کے کتب خانے کی سیر کی۔ یہ کتب خانہ

فدیوی عباس علی ثانی کے عہد میں مدرسہ انفرادیہ میں اور مدرسہ طبریہ کے باقی ماندہ حصوں میں جو ازہری سے ملحق تھے قائم ہوا تھا۔ اس میں مختلف مقامات کی منتشر کتابیں جمع کر دی گئی ہیں۔ کچھ دوسرے کتب خانے بھی شامل کئے گئے جس میں اہم ترین کتب خانہ سلیمان پاشا (باطم مرحوم کا تھا۔ استاذ حسن جلد لوباب اس دوران میں ہماری نظر ان قدیم کتب کی طرف متوجہ کرتے رہے جن کی تاریخ کتابت جوڑھی پانچویں صدی تھی۔ ہم نے قدیم کتبوں اور نادر تحریروں کا بھی معائنہ کیا اور قرآن پاک کے نسخوں اور شاہی نسخ سوردوں کا بھی جن سے دنیا کا ہر کتب خانہ مزین ہے۔ ان ذخیروں میں ایک اہم کتاب ابو اسحق صابی کی کتاب رسوم دارالخلافہ بھی دیکھی جو خود مصنف کے نسخے سے نقل کی گئی تھی اور غالباً اس کتاب کے رکھنے کا ثمرت صرف کتب خانہ ازہری کو حاصل ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے عباسی حکومت کے اجتماعی اور معاشی حالات پر بہت روشنی پڑے گی۔ استاذ

حسن عبد الوہاب اس کتب خانہ کی سیر کے بیچ بیچ میں اس کی عمارت اور محرابوں اور دالانوں کے طرز تعمیر کی طرف متوجہ کرتے اور ان کی تاریخ بتاتے جاتے تھے۔ اس کے بعد ہم ازہر گئے وہاں ہم نے قدیم ازہر کو دیکھا جس کی تعمیر فاطمی حکمران معز لدین اللہ نے کی تھی اور شہزادہ عبد الرحمن نے اس میں توسیع کی اس کے علاوہ بھی کچھ اور توسیعات ہوتی رہیں۔ اسٹاذ حسن عبد الوہاب اس بڑی جامع مسجد کی تاریخ اور مختلف عہدوں میں جو اضافے اس میں کئے گئے ان کی وضاحت کرتے رہے۔ یہ اسٹاذ عبد الوہاب یہاں کے آثار قدیمہ کے بہت باخبر عالم ہیں ان کی وجہ سے ہماری یہ سیر ایک تاریخی معائنہ بلکہ ایک تاریخی سبق ہو گئی تھی۔

اب ہم مدرسہ منصور قلاوون کے ارادہ سے ازہر سے نکل کر بازار میں آگئے راستے میں ہمارا گڈ منصورہ میں مدرسہ سلطان صالح نجم الدین ایوبی سے بھی ہوا، اس سلطان کے ہاتھوں صلیبیوں نے بڑی شکست کھائی ہے۔ یہ مدرسہ مذاہب اربعہ کی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا تھا، ہم نے اس کا خوبصورت بناد بھی دیکھا۔ اسٹاذ حسن نے ہم کو بتایا کہ سلاطین کو مسجد میں دفن کرنے کا رواج ایوبی حکومت کے آخر و در میں شروع ہوا، فاطمی عہد میں اس کی تاریخ نہیں ملتی۔ پھر ایوبی دور کے بعد کے سلاطین نے بھی اس رسم کو جاری رکھا۔

خان الخلیل بازار سے گذر کر ہم مدرسہ منصور قلاوون میں | مدرسہ منصور قلاوون میں داخل ہوئے۔ یہ ایک زبردست تاریخی خوبصورت عمارت ہے لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ یہ عمارت چودہ ماہ میں پایہ تکمیل کو پہنچی بلکہ یہ بات اس کے صدر دروازے کی چوکھٹ پر کندہ بھی ہے لیکن اسٹاذ حسن کی بے زور رائے ہے کہ یہ ساٹھ سال آٹھ ماہ میں تیار ہوئی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس عمارت کی تعمیر کا آغاز بالاتفاق ماہ رجب الثانی ۶۸۵ھ میں ہوا اور سلطان منصور کی وفات ۶۸۹ھ میں ہوئی اور ان کی نعش قلعہ الجبل لے جاتی گئی وہاں وہ یوم پنجشنبہ یکم محرم ۶۹۰ھ تک رہی ۲ محرم کو ان کی نعش قلعہ سے اٹھا کر ان کی اس تربت میں رکھی گئی جو انھوں نے مدرسہ منصور میں قاہرہ کے اندر بنوائی تھی۔ اگر عمارت پہلے سے تیار کی جا چکی ہوتی تو یہاں پہلے ہی دفن کر لیا جوتا۔ یہ عمارت ایک قبہ ایک مدرسہ اور ایک اسپتال بہشتی ہے اور دقیق فن تعمیر اور قاہرہ میں اسلامی فن تعمیر کے بہترین آثار قدیمہ سے بھری ہوئی ہے۔ یہ عمارت معز لدین اللہ

روڈ پر دونوں فلمی محلات کے درمیان واقع ہے۔

بیت سجیحی میں مدرسہ منصور قلادون سے ہم وہ تاریخی مکان دیکھنے کی غرض سے باہر نکلے جو پیش کرتا ہے جو دولت و مذہب اور علم کے مالک اور اعلیٰ طبقہ کی معاشرت کے عادی تھے، یہ مکان سجیحی کے نام سے مشہور ہے اور اس مکان کی وضع موجودہ گھروں سے زیادہ آرام دہ ہے۔

آج عصر کے بعد میں المد والجزر فی تاریخ الاسلام کے اجزاء کی تصحیح میں لگا رہا اور یہ وقت مغرب تک مطبع انصار السنۃ میں گزرا۔

ناظم امور خارجین سے گفتگو

سینہ ۵/۵/۷۰ء - ۱۳/۲/۷۱ء

آج ہم لوگ ہر کیلنسی قاضی محمد عبداللہ العمری ناظم امور خارجین سے ملنے کے لئے "قصر الجریہ" ہوٹل گئے۔ ادبر کی منزل میں ان کے کمرے میں داخل ہوئے کمرہ وسعت و زیبائش اور تکلفات کے لحاظ سے کسی دولتمند قوم و حکومت کے نمائندہ کا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا کیا جائے کہ سیاست حاضرہ کی وجہ سے شرعی حکومتوں کو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ بین الاقوامی ناظم امور نے ہمارا خیر مقدم کیا اور ان دنوں جیسے مہاک سے کیا ہم بیٹھے اور گفتگو کرتے رہے۔ میں نے اس موضوع سے چین کے ساتھ ہندوستان کے تہذیبی علمی روابط کا ذکر کیا، اس سلسلہ میں علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی دہندوستانی کا تذکرہ کیا جو لغت کی ایک ضخیم عربی کتاب تاج العروس کے مصنف گذرے ہیں اور چین میں زیادہ عرصہ مقیم رہنے کی وجہ سے زبیدی کہلانے لگے۔ نیز شیخ حسین بن محسن الانصاری کا تذکرہ کیا جو موجودہ صدی کے اکثر علمائے حدیث کے اساتذہ ہیں، میں نے ان سے کہا کہ چین کا مجھ پر بھی علمی احسان ہے اس لئے کہ میں شیخ خلیل بن محمد بن حسین ہامانی کا شاگرد ہوں۔ میں نے چین کی سیاحت کی خواہش کا بھی اظہار کیا کیونکہ وہی ایک ایسا عربی ملک ہے جس نے قدیم تمدن اور ان کی معیشت ترک نہیں کی ہے اور اب تک اپنے پرانے طرز پر قائم ہے۔ بر خلاف اس کے دوسرے ممالک نے مغربی تمدن کی نقل میں یکساں اور ایک رنگ طرز اختیار کر لیا ہے اس لئے آدمی ان میں کوئی نئی چیز نہیں پاتا اور بعض اوقات اس کے لئے یہی کافی ہوتا ہے کہ ان ممالک میں سے کسی ایک ملک کی سیر کرے پھر

باقی کو ابھی پر قیاس کر لے۔ موصوف نے میری اس خواہش کا خیر مقدم کیا۔

مین دورا ہے بکر انھوں نے مجھے مین آنے کی دعوت دی میں نے ان سے یہی کہا کہ عربی ممالک کے ہاتھوں سے ان کا معاملہ کھل چکا ہے وہ یورپ کے

سیلاب کے دھارے میں بہہ رہے ہیں۔ ان کو اختیار تک نہیں رہا ہے لیکن مین اب تک اختیار اور قابو رکھتا ہے اس کا معاملہ اسی کے ہاتھ میں ہے اس لئے میری نیک خواہش ہے کہ وہ عجلت پسندی سے کام نہ لے اور نہ مغربی تمدن سے اخذ و استفادہ میں اور وہاں کے تعلیمی نظموں اور اسالیب معیشت کے اختیار کرنے میں جذباتی اور عاجلانہ اقدام کرے اور ان چیزوں پر تشنہ دہاؤں اور پرواؤں کی طرح نہ گرسے اس طرح وہ مغربی تمدن سے وہ چیزیں اخذ کر سکے گا جو اس کی معیشت اور مذہب و مزاج اور اس کی دعوت سے ہم آہنگ ہوں گی اور بے منفعت و مضاراً سے محفوظ رہے گا۔ میں نے عرض کیا کہ مین اب تک انفرادیت اور عزت پسندی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس کا خیال ہے کہ وہ قافلے سے بچھڑ چکا ہے مجھے خطرہ ہے کہ وہ تیز گامی اختیار کر کے قافلے کو چالینے کی کوشش کرے اور بغرض ہو جس کے نتیجہ میں راہ سے بھٹک جائے گا اور پھر ایسی غرابی میں پڑ جائے گا جس کا تدارک مشکل اور اس غلطی کی تلافی ناممکن ہوگی۔

ایک اسلامی ملک کی زندگی کے دوسرے چشمے میں نے کہا کہ میرے نزدیک ایک اسلامی ملک کی زندگی کا پہلا سرچشمہ یہ ہے کہ وہاں صحیح اور

طاقتور مذہبی احساس پیدا کیا جائے۔ اس مقصد میں کامیابی عمومی دعوت و اصلاح کی کوششوں اور قوم سے براہ راست تعلق قائم کرنے اور اس کی مذہبی تربیت کرنے اور قوم کے مختلف طبقات میں شعور پیدا کرنے سے ہو سکے گی اور زندگی کا دوسرا سرچشمہ وہ صحیح نظام تعلیم اور وہ علم ہے جو ایک طرف تو وحی و علم نبوی سے رشتہ و اتصال رکھتا ہو کہ جہاں نہ غلطی کا امکان اور نہ اس میں کسی بھی رستہ سے باطل کا گزر رہے جو کہ ہر زمانے کے علم اور ہر زندگی اور ہر صالح تمدن کی اساس ہے اور دوسری طرف وہ سائنس اور عصری معیلات و تجربات اور ان انکشافات سے بھی پورا فائدہ اٹھاتا ہو جن کو مغرب نے حاصل کیا اور ان کی وجہ سے اس نے مشرق پر غلبہ حاصل کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ مین ان دونوں طاقتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے گا اور پھر مجھے امید ہے کہ

بین کا مقام اس مقام سے جدا ہونے کا جو دوسرے عربی ممالک کا ہے اور جہاں پہنچ کر وہ نہ اسلامی ہی باقی رہ سکے اور نہ مغربی ہی بن سکے۔ ان سے میں نے یہ بات اختصار اور نحو سے بہت فرق کے ساتھ کہی، ناظم امور صاحب نے نائید بھی کی اور بات دل جمعی سے سنی مجھے ان میں ذکاوت و اقیقت، سرعت فہم اور وسعت فکر نظر آئی۔ انہوں نے مجھے ایک انگریزی کتاب بھی دی جس میں بین کے حالات اس کے مناظر، عمارتیں اور شاہی خاندان کی تصویریں بھی تھیں گنگٹو کے درمیان میں بین کے نامندے سید علی المودید اور بین کے کچھ دوسرے حضرات بھی پہنچ گئے۔ وزیر موصوف نے ہم سب کا آپس میں تعارف کرایا۔ میں نے کہا: انا کم اہل البین۔ ناظم امور صاحب صنعتاً کا سفر کرنے والے ہیں۔ اگلے ماہ واپس آئیں گے۔ فعلیٰ بركة اللہ۔

شامی طلبہ کے سامنے ایک تقریر | سید حسین الشریف نے بعد عشاء چند منتخب شامی اور فلسطینی طلبہ کو شامی رواق کے ایک کمرہ میں اکٹھا کیا ہم بھی پہنچے ہم کو یہ محسوس ہونے لگا کہ یہاں ہم ہندوستان کی کسی عصری یونیورسٹی یا کسی کالج کے طلبہ کے سامنے ہیں یا کہیں اور استاد محمد لکھنوی صدر طلبہ البعث الاسلامیہ فی الازہر نے خیر مقدمی اور تعارفی کلمات کہے، پھر میں نے بات شروع کی۔ موضوع تھا کہ مذہبی علوم کے طالب علموں کے فرائض ان کی پلیٹیں اور اوصاف کیا ہیں۔

میں نے ازہر کے طلبہ کی نظر شعبہ باطن اور تربیت قلب کی طرف متغیت کرائی اور مذہب عبادت میں بلند ہستی رکھنے، مذہبی فرائض کا خیال رکھنے اور فوائد و قیام لیل کا اہتمام چاہنا، فرائض اور عارضی جماعت کا اہتمام رکھنے کی طرف متوجہ کیا۔ میں نے کہا کہ اگر ہم ان شخصیتوں اور ممتاز افراد کے سوانح کا تتبع کریں جنہوں نے اس دین کی خدمت یا اسلامی معاشرے میں کوئی تہجد یدہ کی کام کیا یا اس میں کوئی انقلاب پیدا کیا ہے تو ہمیشہ ہم کو یہی نظر آئے گا کہ یہ لوگ عام اہل دین سے گرمی قلب، شدت جذبات، کثرت عبادت اور مداومت ذکر میں خاص امتیاز اور ملوک رکھتے تھے اور یہ بھی یہی بات کہ اگر انسان کا قلب ایمان و یقین سے پر اس کی روح بیدار اور اس کی مذہبی شخصیت طاقتور نہ ہو تو وہ دوسرے شخص پر کیا اثر ڈال سکتا ہے اور معاشرے میں کیا گرمی کیا روح اور زندگی اور کیا دینی فطرت پیدا کر سکتا ہے؛ لیکن ہم ان فوسس

ہندوستان میں مسلمان

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک عربی ریڈیائی تقریر)

(ترجمہ سید محمد حسنی)

مشرق وسطیٰ کے سفر میں ہر مجلس اور ہر محفل میں مجھ سے ایک سوال بار بار کیا جاتا رہا کہ سوال یہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی کیا تعداد ہے؟ میں جواب دیتا چار کروڑ، لوگ مجھے حیرت تکنے لگتے اور بعض وقت بول اٹھتے چار کروڑ؟ تعجب کی بات ہے اگر گھمان پران کا اعتماد نہ ہوتا اور جواب میں سنجیدگی ملحوظ نہ ہوتی تو وہ شاید میری بات کا فوراً انکار کر دیتے یا کم از کم شک میں ضرور پڑ جاتے۔ ان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اتنے بڑے ہیما نہ پرانقتال آبادی اور ہجرت کرنے والوں کی اتنی بڑی تعداد کے بعد ہندوستان میں دس لاکھ مسلمان بھی موجود ہوں گے نہ کہ پورے چار کروڑ واقعہ یہ ہے کہ ان کی اس حیرت پر حیرت کرنے کا موقع نہیں تھا۔ یہ ایک ایسا سوال تھا جس نے کہیں بھی میرا بھیجا نہ چھوڑا۔ یہ غیر متوقع بات ساکن اور مسؤل دونوں کو یکساں طریقہ پر پیش آتی رہی سوال کرنے والے کو یہ حیرت کہ ہندوستان میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں اور جواب دینے والے کو یہ حیرت کہ وہ اس حقیقت پر اتنے متعجب کیوں ہیں اس کے علاوہ ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق اور بھی دوسرے غیر متوقع سوالات سامنے آتے لوگ اتنا ہانتے تھے کہ ہندوستان میں مسلمان ایک بڑی تعداد میں ہیں (اگرچہ ان کی گمان کردہ تعداد بہت قلیل تھی) وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی اتنے بڑے ملک میں کوئی ہونڈیشن نہیں ہے، ان کی نہ کوئی خاص تہذیب ہے نہ کلچر نہ ان کے پاس ادب و لطیفہ ہے نہ علمی و تحقیقی ادارے اور نہ علم ادب کے میدان میں ان کا کوئی حصہ ہے، وہ بھیڑوں کے گلہ کی طرح داہاں بستے ہیں، ان کی مثال

اس قوم سے دی جاسکتی ہے جو زندگی برقرار رکھنے والے تمام عناصر سے تہی دامن ہو چکی ہے اور علم و ادب، دین و اجتماع، مالی بہتی اور بلند نظمی اور ہر اس چیز سے دست بردار ہو چکی ہے جو کسی قوم کے لئے باعث فخر ہو سکتی ہے۔

بعض لوگ یہ پوچھتے کہ کیا ہندوستان میں مسجدیں ہیں، کیا وہاں دینی مدارس ہیں کیا وہاں علماء ہیں، کیا وہاں کوئی شخص اچھی طرح قرآن پڑھ سکتا ہے، کیا وہاں کوئی عربی جانتا ہے؟ اور ایسے ہی بہت سے سوالات جن سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ہندوستان فی مسلمانوں کے بارہ میں ہمارے عرب بھائیوں کے معلومات بہت سطحی اور ناقص ہیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ ہندوستان فی مسلمانوں کے خلاف بہت غبار اڑایا گیا اور بہت غلط پروپیگنڈہ کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ اس کی بھی شہادت ملتی کہ ہندوستان فی علمائے اس عظیم ملک اور اس عظیم اسلامی قوم کے تعارف میں بہت کوتاہی اور غفلت سے کام لیا ہے جس نے اسلامی اور علمی تاریخ میں بہت اہم ردول ادا کیا ہے اور اسلامی کتب خانہ میں گراں قدر اور عظیم الشان اضافے کئے اور اس کو ایسے نادرا و قیمتی تحفے عطا کئے جن پر عربی کتب خانہ اپنی وسعت کے باوجود بجا طور پر ناز کر سکتا ہے اور بہت سے ایسے علوم میں انفرادیت اور کمال حاصل کیا اور صدیوں ان کی حفاظت کی جن میں ہندوستان کی فضیلت اور برتری مسلم ہے مثلاً علم حدیث، فقہ، اصول فقہ سیرت نبوی، علم کلام، اور موجودہ زمانہ میں اسلامی نظام کی تشریح و تفسیر۔

ہندوستان نے ایسے مایہ ناز فرزند پیدا کئے جن کے علم و فضل کی شہادت خود علماء عرب سے دی، ان کی تالیفات اور کتابوں سے نقل و اقتباس، تشریح و تحقیق ہر طرح کا پورا فائدہ اٹھایا اور ان کو سند کا درجہ دیا، مثلاً امام صفائی لاہوری صاحب العباب الزاخر، سید مرتضیٰ بلگرامی (دین مصر)، صاحب تاج العروس و مکملہ القاموس، شیخ احمد سرہندی صاحب مکتوبات، اور شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب حجتہ اللہ الباب الخ، اس کے علاوہ اور دوسری کتابیں جن سے مالک عربیہ نے استفادہ کیا اور ان کی قدر و قیمت کا فراخ دلی سے اعتراف کیا مثلاً تبصیر الرحمان و تیسیر المنان از شیخ علی المہامی کنز العمال از شیخ علی المتقی کثافت اصطلاحات الفنون از شیخ محمد علی تھانوی۔

فتاویٰ ہندیہ آج تک شرعی قانون کے حلقوں اور فقہ حنفی اور افتاء سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بہت معتبر اور قابل قدر ذخیرہ ہے۔

ہندوستان نے ایسے علماء پیدا کئے جو اپنی ذہانت و طباعی، شادابی، فکر، جدت آفرینی اور تنوع پسندی میں اپنی مثال آپ تھے اور دوسری جگہ ان کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ مثلاً شیخ محمود بن بوری سید غلام علی آزاد بگرامی، شاہ عبدلعزیز دہلوی، شاہ رفیع الدین، شاہ اسماعیل بن عبدغنی دہلوی، ملا نظام الدین لکھنوی، مولانا عبدالحی بکھری، مولانا محمد قاسم نانوتوی۔

کثرت تصانیف اور علمی و فنی خدمت کے اعتبار سے دیکھئے تو اب سید صدیق حسن خاں، مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا انور علی تھانوی جیسے درخشاں ستارے نظر آئیں گے۔

ہندوستان نے ایسے بادشاہ پیدا کئے جو اپنے حسن سیاست، تنظیمی صلاحیت اور عادلانہ قوانین میں منفرد اور یکتا سے روزگار تھے، مثلاً شیر شاہ سوری، اورنگ زیب عالمگیر، عدل و صلاح میں دیکھئے تو ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن جیسے بادشاہ نظر آئیں گے، علم دوستی اور علما و اُزما میں دیکھئے تو اسکندر بن بہلول دومی اور سلطان ابراہیم شرتی جیسے بادشاہ سامنے آئیں گے، علمی و اخلاقی کمالات کی جامعیت کے لحاظ سے دیکھئے تو بادشاہوں میں سلطان مظفر عالم گجراتی، سلطان محمود گجراتی اور وزیروں میں عبدلعزیز آصف خاں، محمود کاواں، عبدالحکیم خان غاناں جیسی جامع کمالات ہستیاں نظر آئیں گی جن میں ہر ایک اپنی جگہ ایک بستان علم اور اپنی ذات سے ایک انجن تھا۔

آج بھی ہندوستان ایک ایسی مسلم قوم سے آباد ہے جو اپنے دین پر مضبوطی سے قائم ہے اپنی علمی سطح اور اپنی شخصیتوں کے لئے ممتاز ہے، بیدار ذہن اور تمام دماغی اور فکری صلاحیتوں سے مالا مال ہے، اس کا عزم ہے کہ وہ اپنے اسی وطن میں رہے گی جس کی اس نے ہزار سال تک خدمت کی ہے اور علم و تہذیب و دین و اجتماع کی روشنی عطا کی ہے اور اس کے معماروں میں سے ہے۔

یہ ایک بڑی نا انصافی ہے کہ یہ عظیم ملک اپنے ماضی اور حال، اپنی شخصیتوں اور اپنے کارناموں کے باوجود اپنے غیر ملکی دوستوں کے لئے اب تک پردہ راز میں رہے لیکن اس کی ذمہ داری سب سے پہلے یہاں کے باشندوں پر عائد ہوتی ہے اس لئے کہ انھوں نے اپنے ملک کے تعارف اور اہل عرب کے سامنے ان خصوصیات کی نمائندگی اور تشریح میں جن میں یہ ملک ممتاز ہے بڑی کوتاہی اور تقصیر سے کام لیا، انھوں نے صرف اپنے ہی سے کام رکھا اور دنیا سے الگ تھلگ سے ہو گئے۔

لیکن اس موقع پر جب میں اہل ہند کی اس حق تلفی اور نا انصافی کا ذکر کروں گا جو انھوں نے

اپنے وطن کے ساتھ کی ہے، میں ہندوستان کے اس عظیم مورخ کی روح سے معذرت کروں گا جس نے
اہل عرب کے لئے ہندوستانی تاریخ پر ایک کتب خانہ کا کتب خانہ چھوڑا ہے اور قن تہنہادہ کام انجام
دیا ہے جس کو یورپ کی اکیڈمیاں اپنے پورے وسائل اور ساز و سامان کے بعد انجام دیتی ہیں
یہ مولانا حکیم سید عیسیٰ علی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی شخصیت ہے جنہوں نے ہندوستان کی نامور
شخصیتوں کے سوانح پر ایک ضخیم کتاب "زہتہ الخاطر و ہجۃ المسامح" والوں اور کے نام سے تیار کی جو
آٹھ جلدوں میں تمام ہوئی ہے اور پانچ ہزار تذکروں پر مشتمل ہے، ہندوستان کی علمی و تعلیمی تاریخ پر ایک
کتاب لکھی جس کا نام عوارف المعارف ہے اور ہندوستان کے جغرافیہ اور تاریخی آثار پر جہتہ المشرق
تاریف کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف اپنا حق ادا کیا بلکہ کام کو بہت آگے بڑھا دیا۔

مجھے خیال ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے عرب بھائیوں کے ساتھ کچھ نا انصافی کی ہے جن کو
اپنے مقامی حالات کی بنا پر ہندوستان کی تاریخ اور مسلمانوں کی موجودہ حالت کا مطالعہ کرنے کا
موقع نہیں مل سکا ہے۔ اس لئے کہ میں نے ایک معقول تعداد میں ایسے لوگوں کو بھی پایا جو ہندوستان کے
حالات سے واقف ہیں اور بعض علوم بالخصوص علم حدیث میں اس کی برتری کے معترف ہیں۔

میں نے ہر عربی ملک میں ہندوستان کے مطالعہ کا شوق، ہندوستانی مسلمانوں سے دلچسپی
مذہب اور اسلامی کلچر کے رشتہ سے ان سے ایک خاص تعلق محسوس کیا اور یہ اس وجہ سے کہ مسلمانان
کی اسلامی حمیت، علوم عربیہ و دینیہ پر اصرار اور ان کا جذبہ اتحاد پہلے ہی اور آج بھی بہت مشہور ہے۔

بہی سب باتیں مجھے آسانی دے دیں کہ میں مشرق وسطیٰ میں بسنے والے بھائیوں کو ہندوستان کی
کمانی سناؤں۔ اس مجلس میں علمی، دینی و اجتماعی زندگی کے کچھ شعبے آجا کر کرنے کی کوشش کی گئی۔
دوسری مجلس میں یہ دکھایا جائے گا کہ مسلمانوں نے یہاں آکر ہندوستان کے خزانہ میں کس دولت کا
اضافہ کیا اور زندگی کے مختلف شعبوں میں کیا اصلاحات اور تبدیلیاں کیں تیسری مجلس میں یہ
بتایا جائے گا کہ اسلامی علوم میں مسلمانوں نے کیا کام کیا، اس درجہ میں کیا اضافے کئے اور اس کو
کتنی ترقی دی اور ان میں کیسے کیسے معصفت اور عالم پیدا ہوئے، چوتھی مجلس مسلمانوں کی موجودہ
علمی و دینی سرگرمیوں اور اس کے مراکز کے لئے وقف ہوگی۔

تعارف و تبصروہ

حدیث اور قرآن | از مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، ناشر: مکتبہ چراغِ راہ، لکھنؤ
صفحات ۱۵۱، کتابت طبعات و کاغذ بہتر، قیمت ۱۲ روپے
ہندوستان میں مکتبہ احسانت رام پور سے لی سکتی ہے۔

یہ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب کے ان پانچ مطبوعہ مضامین کا مجموعہ ہے جو مولانا نے منکرینِ حدیث کے
مدعیین ۲۵-۲۶ء میں نرجان القرآن میں لکھے تھے، پہلا مضمون ”ابتلاع و اطاعت رسول“ ہے جو دس رات
اور اس کے احکام، تیسرا حدیث اور قرآن“ چوتھا ”حدیث کے متعلق چند سوالات“ اور پانچواں ”قرآن
اور سنت رسول“ کے عنوان سے ہے۔ پاکستان میں منکرینِ حدیث کی روز افزوں فتنہ سالانیوں کے
پیش نظر مکتبہ چراغِ راہ نے ان مضامین کو ایک کتابچہ کی شکل میں یکجا کر دیا ہے اور قیمت فی الواضع نہایت
واضح ہے۔ اہل پاکستان اس سے کافی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اگر چہ اب فتنہ اس سے بہت بڑھ گیا ہے مگر
ان مضامین کی پہلی اشاعت کے وقت تھا۔

اس مجموعہ کے مضامین، جیسا کہ عرض کیا گیا اگرچہ میں سال بہتر کے شائع شدہ ہیں مگر اس
تبصروہ کی تقریباً غالباً پہلے نہ ہوگا، اگر احادیث کے رد و قبول کے سلسلہ میں مولانا کے اس مسلک کے
متعلق کچھ عرض کیا جائے جو مقالہ بعنوان ”حدیث اور قرآن“ سے ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں

”ہم نے کبھی اس خیال کی تائید نہیں کی کہ ہر شخص کو ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنی
چاہیے..... بلکہ اس کے ہمارے نزدیک کسی حدیث کو حدیث رسول قرار دینے کی ذمہ داری ایک
گروہ ذمہ داری ہے جو کہ اٹھانے کی جرات کافی تحقیق کے بغیر ہرگز نہ کرنی چاہیے۔“ ص ۱۳۶

حدیث کی جانچ پڑتال اور تحقیق کے دوسرے ذرائع کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-
 ”اسی طرح ہم درایت سے بھی کام لیں گے، جیسے ایک بیج مقدمات میں درایت سے کام
 لیتا ہے۔“

چند سطروں کے بعد اس لفظ درایت کی تشریح یوں فرماتے ہیں
 ”کثرت مطالعہ و مہارت (یعنی حدیث و قرآن کی مہارت) سے انسان میں ایک ایسا
 نکتہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شناس ہو جاتا ہے
 اور اسلام کی صحیح روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہو، پھر وہ ایک حدیث کو
 دیکھ کر اہل نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما سکتے ہیں یا نہیں
 یا آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں؟“ (صفحہ ۱۱۲-۱۱۳)

۱۱۲ کی عبارت منقولہ کے متعلق سوال یہ ہو کہ کیا واقعی جو اصحاب تحقیق و اجتہاد کے اہل ہوں
 انھیں کوئی حدیث بغیر اس کی صحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کی مکمل
 ذاتی تحقیق کے لکھنی یا بیان کرنے کی نہیں چاہیے؟ کیا اس پر خود مولانا کا بھی عمل ہو؟ اور کیا امت میں
 جو ہزاروں علماء، محدثین کے بعد ایسے گزرے ہیں جو یقیناً تحقیق کے اہل تھے، انھوں نے اس اصول
 کی پابندی فرمائی ہو؟۔

ہم تو نہیں سمجھتے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہو! اور اگر ہو سکتا بھی ہو تو اس کے ساتھ کوئی دوسرا کام تو
 یقیناً نہیں ہو سکتا مثلاً مولانا ہی نے اب تک اپنے تمام مضامین اور تمام تصانیف میں جتنی حدیثیں
 درج فرمائی ہیں اگر مولانا پہلے ان سب کی مکمل تحقیق کے اصول کی پابندی فرماتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ
 مولانا اتنا وسیع لٹریچر تیار کر سکتے؟ ہمارے خیال میں تو مولانا کی ساری عمر اسی میں صرف ہو جاتی اور
 بہت تھوڑا لکھ سکتے!

_____ اسی طرح اسلاف محققین کے متعلق قیاس فرما لیجئے کہ جتنا ذخیرہ علوم وہ تیار فرمائے
 ہیں کیا اس کا عشر عشر بھی تیار ہو سکتا تھا؟ اگر وہ لکھنے سے پہلے ہر حدیث کی ذاتی تحقیق کے پیچھے
 پڑ جاتے!

اس لیے یہ مسلک غیر عملی ہی نہیں، بلکہ تحقیق احادیث کے علاوہ علماء کی تمام دینی خدمات کو مٹا

و دعوت و تبلیغ اور احیاء دین کی کوششوں کو بیک لگانے والا ہو اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ محدثین پر پورا اعتماد کیا جائے، الا یہ کہ کسی خاص حدیث پر کوئی خلیجان ہو تب بیشک اس کی تحقیق ضروری ہے۔ دوسری بات جو عرض کرنی ہو وہ درایت کی تشریح سے متعلق ہو۔

درایت بیشک احادیث کی جانچ پڑتال کے سلسلہ میں ایک مسئلہ ذریعہ ہو، مگر اس کی وہ تشریح جو مولانا فرما رہے ہیں اس کو مان لینا تو گویا انکار حدیث کا دروازہ اپنے ہاتھ سے کھول دینا ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ یہ انکار حدیث ہو بلکہ ہمارا کہنا یہ ہو کہ اس اصول کو مان کر فقہ انکار حدیث کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا، بیشک اگر کوئی انسان مزاج شناس رسول ہو جائے تو وہ اندازہ کر سکتا ہو کہ حضور ایسا فرما سکتے یا ایسا عمل کر سکتے تھے یا نہیں، مگر کسی کا خود کو مزاج شناس رسول سمجھ لینا یہ بھی تو بڑی ذمہ داری کی بات ہو، یہ ایک دودھاری تلوار ہو کہ اگر حقیقت نہ ہوئی معاملہ ہوا تو آدمی کو ہلاک کر دینے کے لیے کافی ہو۔ اس لیے غیرت اسی میں ہو کہ آدمی اس دودھاری تلوار کا استعمال نہ کرے۔ لیکن اگر کہا کہ اصرار رہی ہو تو وہ اپنی حد تک استعمال کر لے اس کا نفع و ضرر اسی تک محدود رہے گا۔ مگر اس کو ایک اصول بنا کر پیش کرنا یہ تو انکار حدیث کا دروازہ کھولنا ہے۔ خواہ نیت ہرگز یہ نہ ہو!۔ اس لیے کہ اس کی کوئی ظاہری علامت تو ہو نہیں سکتی کہ کون مزاج شناس رسول ہو اور کون نہیں۔ مدار صرت قرآن و حدیث کی ممارست اور کثرت مطالعہ پر ہوگا، لیکن یہ ایک بے حد مبہم اور اضافی چیز ہے۔ کس قدر مطالعہ اور کس قدر ممارست اس درجہ پر پہنچنے کے لیے ضروری ہو اس کا کوئی تعین نہیں کر سکتا، اور زیر ضروری ہے کہ صحیح تعین کے بعد دوسرے لوگ اس کو مان بھی لیں۔ ہر شخص آزاد ہوگا کہ وہ جب قدر مطالعہ و ممارست پر چاہے کثرت کا اطلاق کرے اور اسے مزاج شناس رسول ہونے کے لیے کافی سمجھے۔ پھر غور فرمائیے کہ اس دو رفتن میں کتنے ”مزاج شناس رسول“ پیدا ہو جائیں گے اور ان کے ہاتھوں (معاذ اللہ) حدیث رسول کی کیا گت بنے گی! اور پھر حبیباً کہ یقین ہو جب بہت سی حدیثیں ان کی مزاج شناسی کی بھینٹ چڑھ جائیں گی تو پھر کیا وہ برق و پردہ سے پیچھے رہ جائیں گے؟ برق و پردہ بھی تو خود کو اپنے وجدان کے حوالہ کرنے کے بعد ہی انکار حدیث کے درجہ پر پہنچے ہیں۔ ایسے جہلا کا وجدان جب بہت سی حدیثوں کے غلط ہونے کا فتویٰ دے دیتا ہو تو پھر ان کے بس کی بات نہیں رہتی کہ حجت حدیث کے قائل رہیں۔

اس لیے ہماری گزارش ہو کہ مولانا کتاب کے ان مقامات پر نظر ثانی فرمائیں۔

مرتبہ مدثر فیم قریشی ضخامت تقریباً ۵۰ صفحات قیمت ص
علی گڑھ میگزین (علی گڑھ نمبر) دفتر علی گڑھ میگزین، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

علی گڑھ میگزین کا یہ شمار خصوصی اپنے اندر تحریک علی گڑھ کے تمام پہلو، اس کی تمام خصوصیات اور ہندوستان پر اس کے تمام اثرات لے کر منظر عام پر آیا ہے۔ اس کا مکمل تعارف اور اس میں مفصل تبصرہ بڑا وقت اور صفحات کی بڑی گنجائش چاہتا ہے۔ اس کے بغیر اس کا کما حقہ تعارف کرنا یا اس پر تبصرہ کرنا دریا کو کوڑہ میں بند کرنے کی کوشش کرنا ہے جو بجائے خود ایک بڑا ریاض ہو اس لیے ہم اس کی کوشش نہیں کریں گے۔ صرف اتنا بتلانا ہے پراکتفا کریں گے کہ ہندوستان کے مشاہیر اہل قلم اور ارباب نقد و نظر نے اس بزم میں شرکت کی ہو اور ان سب کی کوششوں نے اسے تحریک علی گڑھ کا بہترین آئینہ بنا دیا ہے۔

مضامین سب اچھے اور کام کے ہیں مگر بعض خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ مثلاً پروفیسر ڈاکٹر سید عبداللہ کا مضمون "سرسید کا اثر اردو ادبیات پر" ڈاکٹر محمد اشرف کا مضمون "علی گڑھ کی سیاسی زندگی" اور پروفیسر احتشام حسین کا مضمون "علی گڑھ تحریک کے اساسی پہلو" نمبر مجموعی حیثیت سے تحقیقی اور تنقیدی ہو، مگر بعض مضامین "سرسید کا نیا مذہبی طرز فکر" جیسے بھی شامل ہیں جو حقیقت پسندی سے زیادہ خوش عقیدگی کے آئینہ دار ہیں۔ صاحبہ عابدین صاحبہ کے مضمون میں کسی جگہ (صواب کو) ثواب لکھا ہوا ملا جو باعث حیرت ہو۔ غالباً جناب مرتب بھی نمبر کی غیر معمولی ضخامت کے باعث ان چیزوں کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ بہر حال وہ اور ان کے رفقا اس نمبر کی ترتیب و اشاعت پر ہر طرح مستحق تہنیت ہیں۔

از جناب دفاتر شری، مکتبہ اشاعت اردو، ۲۹۶ جیل روڈ حیدر آباد
بنگال میں اردو (دندھ) صفحات ۲۹۶ کتابت، طباعت اور کاغذ بہتر، مجلد قیمت ص

مصنف نے تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کتاب بنگال میں اردو زبان و ادب کی ابتداء سے لے کر ۱۹۵۲ء تک کی مکمل تاریخ ہو۔ اور بقول جناب ماہر القادری آپ اس کو بنگال کے اردو شاعرین اور ادیبوں کی ڈاکٹر مری "سمجھے بہر حال جو بھی کچھ سمجھے اردو زبان کی خدمت کے

نقطہ نظر سے یہ کتاب قابل قدر ہے۔ اور اس حیثیت سے اور بھی قابل قدر ہو کہ وفاراشدی بنگالی ہیں یقیناً یہ کتاب اردو سے ان کی غیر معمولی دلچسپی کا ثبوت ہو۔ اور محبین اردو سے قدر کی طالب ہے، ہندوستان میں بھی پاکستان میں بھی۔

مناجات مقبول کریمی | ایڈیشن، بہت سے جدید اضافات کے ساتھ۔ مرتبہ جناب مولانا محمد سراج الحق صاحب ٹھپلی شہری۔ جسے مکتبہ "جامی و اخوان"، الہ آباد نے شائع کیا ہو۔ قیمت عامہ اصل کتاب اس قدر مشہور و معروف ہو کہ تعارف کی حاجت نہیں اور تجربہ نے جتنا نافع ثابت کر دیا ہو تبصرہ کی اس کے بعد گنجائش نہیں، اضافات جدیدہ کے متعلق ممکن تھا کچھ عرض کیا جاتا، مگر مشکل یہ ہو کہ اوراق کٹے ہوئے تبصرہ نگار کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ اوراق کاٹنے بیٹھے۔ امید یہی ہو کہ انشائاً اللہ یہ اضافات بھی مفید ہی ہوں گے۔

کاروان حجاز | از جناب ماہر القادری مدیر فاران، ناشر مکتبہ فاران کیسٹ اسٹریٹ کراچی۔ صفحہ ۲۸۲، قیمت چار روپے۔ ہندوستان میں: مکتبہ "تجلی دیوبند" سے مل سکتی ہو۔

جو لوگ ماہر القادری سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ کیسی کیسی دادیوں میں سرگشتہ رہ چکے ہیں۔ مگر خدا کی چشم عنایت طفت ہو جائے تو کیا پلٹے دیر نہیں لگتی۔ چنانچہ لڑکا اور ایسی لڑکی کہ وہ چند ہی سال کی جاہدہ بیامی کے بعد "منزل دوست" سے ہمالگے۔ یہ کتاب اسی "منزل دوست" کی پر شوق جاہدہ بیامی کی داستان اور تاثرات و مشاہدات راہ و منزل کا بیان ہو۔ خدا انھیں حج و زیارت کی تمام برکتوں سے الامال کرے۔ اور ان کی اس داستان شوق کو دوسروں کی تسلیی کا باعث بنائے!

ماہر القادری اور کچھ ہونے سے پہلے شاعر ہیں! یہ کیسے ہو سکتا ہو کہ شاعر راہ شوق میں مکے اور اس کی شاعری شوق کو نغمہ بنا کر نہ بکھیرے؟ چنانچہ کتاب میں آپ کو جگہ جگہ پر شوق نغمے بھی بکھرے ہوئے ملیں گے۔

— ماہر صاحب میں دینی غیرت اور بدعات سے نفرت بھی قابل رشک حد تک ہو، اور یہ ان کی نئی نئی "دینداری" کا نتیجہ ہو جو عموماً پر جوش ہوتی ہو۔ چنانچہ کئی جگہ پر ان کی اس طبیعت کا بھی اظہار ہوا ہے۔

— بس خدا کرے وہ اس معاملہ میں اعتدال سے نہ بڑھ جائیں اور ان لوگوں کے ہم مذاق نہ ہو جائیں جو اپنے ذوق کے خلاف ہر غیر مخصوص چیز کو بدعت قرار دے دیتے ہیں۔

ابتدائی اوراق میں ماہر صاحب نے اپنے ہم سفر تبلیغی جماعت کے ایک صلاح نوجوان کا ذکر کیا ہے کہ اُس نے ایک بار اپنی تبلیغی تقریر میں کہا کہ

”ہم دنیا نہیں چاہتے، مال و زر نہیں چاہتے حکومت نہیں چاہتے۔“

پھر لکھا ہے کہ میں نے اُسے بھیایا کہ یہ بات غلط ہے اور اُس نے مان لیا۔

ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا بات غلط تھی؟ مولانا علی میاں کی جس تحریر کا حوالہ دے کر انہوں نے اس نوجوان کو قائل کیا وہ بات بالکل دوسری ہے۔ اور اس کے ہم بھی پورے شرح صدر کے ساتھ قائل ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہم بھی اور (یقین ہو کہ) خود مولانا علی میاں بھی اس نوجوان کے کہے ہوئے الفاظ کو اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک اور تعلیم کتاب و سنت کے عین مطابق سمجھتے ہیں۔ ”دنیا چاہنا، مال و زر چاہنا، اور حکومت چاہنا“ اور بات ہو اور ”اقامت دین کے لیے اسلامی حکومت کی جدوجہد کرنا“ اور بات ہو۔ تعجب ہے کہ ماہر صاحب نے اہل زبان ہوتے ہوئے اتنے موٹے فرق کو نظر انداز کر دیا! اور وہ غریب نوجوان بھی کوئی بہت ہی بھولا یا تبلیغی جماعت کے اس اصول کا رک بحث میں نہ پڑا جیسے مطلب یہ سمجھنے والا تھا کہ اپنی صحیح بات کو بھی جوڑ کر لیا جائے! ورنہ اسے ماہر صاحب کی اصلاح ہرگز نہ قبول کرنی چاہئے تھی۔ اقدار اور حکومت کی گفتگو میں ماہر صاحب کے احساس کی یہ نزاکت جماعت اسلامی سے قرب یا تعلق کا نتیجہ ہو اور یہ قابل اصلاح ہو۔ اور یہیں ان کی سلامت طبع اور اخلاص سے امید ہے کہ وہ اس کی اصلاح کریں گے۔



(بقیہ صفحہ ۱۶ نگاہ اولین) قرآن اور تعلیم حدیث و سنت ہونے کا ایک نہیں درجنوں ثبوت آپ کو قرآن میں، حدیث میں اور سیرت رسول و سیرت خلفاء و اصحاب میں مل سکتے ہیں!

اتناک ہم سمجھتے تھے اور کچھ ایسا ہی ہم نے جماعت کے لٹریچر میں کہیں کہیں کبھی دیکھا تھا کہ ان حضرات کو اختلاف نفس تصوف اور اس کے مقصود ثمرات سے نہیں بلکہ اختلاف جو کچھ ہے وہ اس کے مخصوص قائل ہے جو جس پر ان کے خیال میں بہت سے غلط ثمرات بھی، تصوف کے صحیح اور مطلوبہ ثمرات کے ساتھ مرتب ہونے لگے ہیں، مگر جماعت کے ان نئے چابکدست ترجمانوں کے ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ کیا تو موقوف بدل دیا گیا، یا..... غلط بود اپنے ماہیہ شتم..... اگر ترجمان کی زبان میں کہا جائے..... تو یہاں عس ہوتا ہے کہ یہ اختلاف ترقی کر کے رفتہ رفتہ بیکری کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اور اب میرے ہر اس چیز سے جو صوفیا میں پائی جاتی ہے اور جو تصوف پیدا کرتا ہو خواہ وہ ”زہد فی الدنیا“ جیسی کتاب سنت کی روٹن تعلیم کیوں نہ ہو..... اور ہم عس کرتے ہیں کہ ”میلش اندر طنہ پاکان“ اب ان حضرات کا طرہ امتیاز ہوتا جا رہا ہے۔ کیا داعی جماعت اسلامی اپنا سابقہ موقف چھوڑ چکی ہے؟..... اگر چھوڑ چکی ہو!..... اور جماعت کے سرکاری ترجمان میں ان مضامین کی اشاعت اور پھر اس اشاعت پر جماعت کے اہلی اور ادنیٰ تمام حلقوں میں مکمل خاموشی سے کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے..... تو ہم میں اتنا ہی کہیں گے کہ

جماعت اسلامی کے دوستو! اس سے صوفیا کا کچھ

نہیں بگڑتا۔ غزالی اور مجد الدین کا کچھ نہیں

بگڑتا، شاہ ولی اللہ اور سید احمد شہید کا کچھ نہیں

بگڑتا..... تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا

مَا اكْتَسَبَتْ وَلَا تَسْأَلُونَ عَنْهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ!.....

لیکن یاد رکھیے کہ آپ جس ”خلافت علی منہاج النبوة“

کے غبرے لگاتے ہیں اُس کے تو برے کئے کار آنے کا

تصور بھی اُس زہد کے بغیر نہیں کیا جاسکتا جس

کو آپ اپنی ناواقفی سے صوفیوں کا جرم قرار دے رہے ہیں۔ اسلام کے دورِ اوّل میں خلافت راشدہ کا قیام بھی اُس زہد ہی کا اعجاز تھا جو ابوبکر و عمر اور عثمان و علی (رضی اللہ عنہم) کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ورثہ میں ملا تھا۔ اور بعد میں پھر اس کو دوبارہ وہی زہدہ کر سکا جس نے ان کا زہد اپنایا۔ یعنی عمر بن عبد العزیزؒ اور اب بھی اس نمونہ خلافت کی کوئی جھلک اس دنیا میں وہی لوگ لوٹا کر لا سکتے ہیں جو اس دولت فقر کے امین ہوں۔ لیکن اس کے بغیر وہم پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ نعرے محض مذاق اور پس الفاظِ فردشی ہے۔ اور مستقبل انشاء اللہ اس کی شہادت ادا کرنے والا ہے۔

جسارت و میباکی | خیر یہاں تک تو فاضل مضمون نگار نے امام غزالی کی عبارتوں پر تنقید کے سلسلہ میں جیسی غیر نرم داری اور بے احتیاطی کا ثبوت دیا ہے وہ دیا ہی ہے، اور وہ بھی کچھ کم تکلیف دہ نہیں، مگر تنقید کے حدود سے قدم بڑھا کر امام غزالی اور ان جیسے دوسرے مجددین کی شان میں جس بیباکی کا انھوں نے اظہار فرمایا ہے وہ اس شبہ کی کافی تائید کرتا ہے جس کا احساس بعض حضرات ایک عرصہ سے کر رہے ہیں کہ جماعت اسلامی کی دعوت کے، اگر سب نہیں، تو بعض علمبردار اپنی دعوت کی قبولیت اور امت میں اس کے اثر و نفوذ کے آٹے آنیوالی چیزوں میں اس عقیدت و وابستگی کو بھی شمار کرتے ہیں جو امت کے دین اور طبقہ کو ان اکابر کے ساتھ ہے اور اس لیے وہ اس کو بھی ختم کرنے کی موقعِ موقع کوشش کرتے رہتے ہیں۔

ہمیں اس شبہ کی صحت پر تو اصرار نہیں اسلئے کہ ینیت کا معاملہ ہے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ آخر اس مضمون کی زیر بحث عبارت کے اس آخری حصہ کا کیا مقصد ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے کہ ”یقیناً انہیں انکار و کفروری ہے“؟ اور پھر اس میں ان بزرگوں کو شیطان کے مقابلہ سے فراری ثابت کرنے کی کوشش میں کونسی کسر راتی رہ گئی تھی جسے نعیم صدیقی کا شعر ان حضرات پر چسپاں کر کے پورا کیا گیا ہے؟ اور اسکے بعد یہ جملہ کہ

”پس بیچھو! تقویٰ ہرگز اس قابل نہیں کہ ذی عقل انسان اس سے فریب کھائے“؟
 کیا ان باتوں کا مقصد اس کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے کہ لکھنے والا قاری کے ذہن کو یہ یاد کرانا چاہتا ہے کہ یہ لوگ جن کے تقویٰ و تقدس اور جن کی عزیمت و عظمت کے تم انسانے ناکرتے ہزاروں سے مرعوب ہو کر ہمارے پیش کردہ تصور دین کے متعلق یہ کہتے ہو کہ اگر یہی صحیح تصور ہے تو ایسے ایسے حلیل الفقہ حضرات کے یہاں یہ کیوں نہیں ملتا، نہایت بد دے اور خالی قل اعوذے تھے جنہوں نے جھوٹے تقوے کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا، ان سے کہاں فریب کھائے جاتے ہو۔ اُو ان شخصیتوں کے جوابات نظر سے اٹھاؤ پھر تمہیں دہی دیکھ لگے گا جو ہم دیکھتے ہیں۔

اور یہ کون کہہ رہا ہے؟ — ایک ایسا شخص جسے اتنی بھی تمیز نہیں کہ زہر اور تقویٰ دو الگ الگ حقیقتیں ہیں! ایسا شخص حقیقت تقویٰ پر کلام کرے، ایسا شخص غزالی جیسے بکرِ علم فضل اور اس پایہ کے دیگر اکابر امت کے منہ آئے، ان کی دتا فضیلت پر دست جبارت بڑھائے! اس کا ذمہ دار کون ہے؟ کہاں سے اس میں یہ پند آرا آیا؟ کہاں سے اس کو یہ حوصلہ ملا؟ اور کہاں سے اس کو اس جبارت کی شہ ملی؟

رکھو غالب مجھے اس تلخ نوحی میں معاف!

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

ہم نے جماعت اسلامی کے معاملہ میں باوجود اختلاف کے ہمیشہ احتیاط برتی اور اپنے اس احساس کو دبائے رکھا کہ اسکی ”تعمیر“ میں ”ایک صورت خرابی“ کی بھی مضمر ہے۔ اور ہمارا یہ رویہ کسی خوف سے نہیں بلکہ بعض دینی مصالح کے پیش نظر تھا۔ بلکہ بعض معاملات میں جن میں ہم اس سے متفق تھے اپنی حد تک اسے امداد پہنچانے کی بھی کوشش کی جس پر ہماری تحریریں گواہ ہیں اور جماعت اسلامی کے حلقوں کا رد عمل گواہ ہے۔ اور یہ کوئی احسان نہیں! ہم نے فرض سمجھ کر ایسا کیا۔ مگر اس مضمون کو جماعت اسلامی ہند کے اگن میں پڑھ کر ہمیں اپنے اس رویہ پر نظر ثانی کرنا پڑی اور ہم ہفتوں غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب اپنے اس احساس کو دبائے رکھنا ٹھیک نہیں ہو۔ دہی دین جس کی بعض مصالح کا تقاضہ ہم نے یہ سمجھا تھا کہ اس احساس کو دبائے رکھا جائے اب اسی کی بعض دوسری اہم مصالح کا تقاضہ ہے کہ اس احساس کو ظاہر کر دیا جائے!

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حلقہ جماعت اسلامی کے ایسے بے علم اشخاص میں یہ پندار، یہ حوصلہ اور یہ جرات پیدا کرنے کا بہرا کا برجماعت اسلامی کے سر ہے۔۔۔۔۔ اور یہی وہ ایک خرابی کی صورت ہے جو اس کی تعمیر میں مضمر ہے۔

صورت یہ ہے کہ جماعت اسلامی میں آئندہ ایک بڑا طبقہ وہ ہے جو ”دین کی قتل گاہوں“ میں پرورش پا رہا تھا یا کبھی پا چکا تھا۔ ان میں کچھ تو وہ تھے جن پر ان قتل گاہوں کی فضا کا اتنا اثر ہو چکا تھا کہ ان کا ایمان تک دم توڑ چکا تھا یا دم توڑ رہا تھا، اور کچھ وہ تھے جن پر اس کم کا اثر تو نہیں ہوا تھا البتہ جیسا کہ کم سے کم ہونا ضروری تھا، وہ دین اور اس کے متعلقات سے نا بلند رہ گئے تھے۔ پھر وہ کثرت کی اور وہ تناظر جو دینی اور غیر دینی ظہری اداروں میں پایا جاتا ہے اس نے مزید یہ کام کیا تھا کہ اس طبقہ کو رجال دین سے متنفر کر دیا تھا اور اس کی اکثریت کا حال یہ ہو گیا تھا کہ کوئی وہ طنز اور استہزاء جو وہ اداروں کے ساتھ کر سکتی تھی، رجال دین کے ساتھ کرنے میں مطلق باک نہیں رکھتی تھی۔ اس طبقہ میں مولانا مودودی کی ابتدائی تحریروں پہنچیں جن میں دو باتیں تھیں۔ ایک تو انھوں نے دین کو اس انداز میں پیش کیا تھا جو اس طبقہ کے لیے بڑا اہلنگ تھا۔ دوسرے ان تحریروں میں اس قلم طبقہ پر۔۔۔۔۔ جس سے اس جدید طبقہ کی دیرینہ حسرت تھی۔۔۔۔۔ طنز کا عنصر کافی تھا۔۔۔۔۔ خواہ اس کا منشا کتنا ہی معصوم رہا ہو! مگر یہ واقعہ ہے کہ یہ عنصر تھا اور کافی تھا۔۔۔۔۔ چنانچہ اس طبقہ کا ذہن دین کے معاملہ میں تو بدلا مگر رجال دین کے معاملہ میں جو ان کا توں رہا، بلکہ اسے ایک اور تائید مل گئی۔ یہ طبقہ متاثر ہوتا رہا، یہاں تک کہ مودودی صاحب نے تصور دین کی تہذیب و تمدن کے سلسلہ میں سابقہ رجال دین وائمہ امت کی ”غلطیوں“ پر تنقید اور ان کی ”کمزوریوں“ کی نشاندہی شروع کی۔ یہ طبقہ جو پہلے سے ان کا برسے نادان تھا اور دین میں ان کی اہمیت سے نا بلند تھا اس نے اس قسم کے مضامین سے مجموعی طور پر ایک اثر تو یہ قبول کیا کہ دین کے معاملہ میں ان گورے رہے لوگوں کی رہنمائی کی کوئی خاص احتیاج نہیں ہو بلکہ ان پر اعتماد کرنا چننا اس مفید بھی نہیں۔۔۔۔۔ کہ یہ نہیں کہاں کہاں غلطی کر گئے ہوں۔ دوسرا اثر اس نے یہ قبول کیا کہ وہ متاثر تو پہلے ہی سے تھا اب وہ مودودی صاحب کے اتنا محراب بھی ہو گیا کہ ان کے پیش کیے ہوئے بنیادی تصور دین ہی کو اس نے معیار حق بنا لیا، یعنی دین کے معاملہ میں جو کوئی بات دین کے اس بنیادی تصور سے میل کھائے وہ حق ہے اور جو بات اس سے نکتہ اتنی نظر آئے وہ بے ضرر ملک

قابل رد ہے خواہ وہ کسی نے کی ہو۔ علیٰ ہذا جہات اس تصور دین کی روشنی میں غیر ضروری معلوم ہوتی ہو وہ قطعاً غیر ضروری ہے اگرچہ کوئی کتنا ہی بڑا اور شناس دین دین میں یا دینی زندگی کی تعمیر میں اس کی اہمیت بتلائے۔

اور پھر جب مودودی صاحب تنہا نہیں رہے بلکہ جماعت کی تشکیل ہو گئی اور پھر جماعت میں ارباب علم کی ایک جماعت مودودی صاحب کے ہی رنگ میں تیار ہو گئی تو مودودی صاحب نے ائمہ دین و اکابر ملت کی جن غلطیوں اور کمزوریوں کی اصولی نشاندہی کر کے پھوڑ دی تھی اس جماعت نے ان کی تفصیلات اور جزئیات مہیا کرنے کا کام شروع کیا۔ ان کا ہضم کرنا اچھے اچھوں کے بس کی بات نہیں تھی چہ جائیکہ وہ طبقہ جس کا مضمون پہلے ہی سے بگڑا ہوا تھا، چنانچہ ان انکشافات کے بعد اس طبقہ نے پورے شرح حدیث کے ساتھ یہ لگان کرنا شروع کر دیا کہ یہ جو مجدد دین اور ائمہ دین کہلاتے ہیں انہوں نے تو دین کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے، قرآن و حدیث کی صریح مخالفتوں کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ تو دین کو سرے سے سمجھے ہی نہیں۔

بے باکی تو یہ طبقہ پہلے ہی سے لے کر آیا تھا، اب جب کہ اس کی نظر میں ان شخصیتوں کا ”بھرم“ بھی کھل گیا تب اس میں کیا مضائقہ ہو سکتا تھا کہ یہ شخصیتیں بھی اس بیباکی کی زد پر آجائیں۔ اب یہ شخصیتیں رہی کرتیں؟ اب تو یہ چند معمولی علم و فہم کے عجیت زدہ اشخاص تھے! — چنانچہ ان کے معاملہ میں یہ بے تکلفی اس حد تک بڑھ گئی اور بڑھ جانی چاہیے تھی کہ اگر کسی کو کچھ عبارت آرائی آتی ہے اور اس کے ہاتھ میں ان کی کوئی کتاب آگئی اور اس میں کوئی ایسی بات نظر آئی جو بظاہر اس کے ٹکے ہوئے تصور دین سے ٹکراتی ہے یا ان بزرگوں نے اُسے اہمیت دی ہو درنہاں کہ اس کا تصور دین اس کی کوئی اہمیت نہیں بتلاتا تو پھر نہ اس کی ضرورت کہ اس بات پر کچھ اُچی طرح غور کریں، نہ اس کی ضرورت کہ ان کے لالٹن کو کھیں۔ بس اٹھایا قلم اور ایک مضمون لکھ مارا، جس میں پہلے اُچی طرح ان کی پگڑی اچھا دی طنز و تعریف سے خوب خوب خبر لے لی اور اسکے بعد بعد پندار و ادعا ”اپنے خیال“ کی رو سے سنا کی ”اصل حقیقت“ بیان فرمادی۔ درنہاں کہ لکھنا دین کو براہ راست کھنچنے کی ادنیٰ صلاحیت بھی نہیں رکھنے۔ اس سلسلہ میں ان کا جو کچھ سرمایہ ہے وہ بس جماعت کا لٹریچر ہے — حالانکہ جماعت کا لٹریچر بڑھ کر ان لوگوں کو زیادہ سے زیادہ یہ حق ہو سکتا تھا کہ وہ جماعت کی بنیادی دعوت کو پیش کرنے لگیں،

نہ کہ دین کے ہر گوشہ پر کلام کرنے لگیں! اور پھر کلام کرنا ہی نہیں ان حضرات کی آراء و افکار پر بھی تنقید کرنے لگیں اور انہیں سبق پڑھانے لگیں جن کی ”عمر گزری ہے اسی دشت کی یاسی میں“

گمان بیچاروں کا کیا تصور؟ ان کی تو ”خشتِ ادل“ ہی کج ”رکھی گئی ہے“ اور اب جب تک اس عمارت میں وہ بنیادی کجی باقی ہے عمارت کا ٹیڑھ باقی رہنا ہے۔ وہ ایک مرض لے کر جماعت میں آئے تھے، جیسے جامعہ کی خاص نفعانے بجائے گھٹانے کے اور بڑھایا۔ اب وہ جو کچھ بھی گلی دکھلائے تھوڑا سا شروع میں اس کا ازالہ مشکل نہیں تھا مگر اب تو ناممکن سا ہوتا جا رہا اور ہمارا اندازہ ہے کہ اب اگر ذمہ داران جماعت بھی چاہیں تو ان کے کئے بھی اب اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اب ان مرضیوں کی نظر میں ان کا یہ مرض ان کا دین و ایمان بن چکا ہے۔ ان اگر ذمہ داران جماعت اس کے ازالہ کی کوئی واقعی کوشش کریں تب وہ ان نتائج کی ذمہ داری سے کسی درجہ میں ہلکے ضرور رہ سکتے ہیں! — مگر یہ بات ہوتی تو جماعت کے خاص آرگن میں ایسے مضامین کی اشاعت ہی کیوں ہوتی؟ اور اگر اس بنا پر اب بھی جاتی کہ اخبار کے ایڈیٹر ان خود اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں تو کم از کم بعد از اشاعت ذمہ داران جماعت کی طرف سے اس کا کوئی نوٹس تو لیا جاتا!

ہمارا اہانتناک اندازہ ہے یہاں حقیقت کسی کو اس کی فکر ہی نہیں ہے۔ یہ بات لائقِ فکری نہیں سمجھی جا رہی ہو۔ لٹریچر پر نظر ثانی اور اس کی از سر نو تیاری کا ارادہ بھی اگر کیا جاتا ہو تو اس کا محرک یہ فکر نہیں بلکہ مترضین کا نہ بند کرنے کی فکر ہے۔ حالانکہ لٹریچر کے یہ نتائج اس سے کہیں زیادہ فکر کے مستحق تھے۔

بہر حال ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں کہ جماعت اسلامی کے اربابِ حل و عقد ان نتائج کی روک تھام کی فکر کریں یا نہ کریں۔ یہ ان کی صوابدید پر ہے۔ ہمیں تو صرف اتنا کہنا ہو کہ یہ سلسلہ اگر آپ جاری رکھنا چاہتے ہیں تو شوق سے جاری رکھیے، مگر اتنا یاد رکھیے کہ خزانہؑ اور ان جیسے دوسرے اکابرِ دائرہ امت میں جو مقام حاصل کر چکے ہیں، بلکہ خدا نے انہیں جو مقام بخش دیا ہے، اس قسم کے چھوڑے مضامین انہیں اس مقام سے ایک اونچے بھی نہیں اتار سکتے! — امت کو جو محبت اور عقیدت کا تعلق ان سے ان کی دینی خدمات، ان کے مجاہدات اور ان کے صلاح و تقویٰ کی وجہ سے ہے، اس قسم کے اچھے ہتھیار اس تعلق کا ایک ریشہ بھی قطع نہیں کر سکتے! — محبت و عقیدت

کا یہ نقش عین تقاضائے دین اور لافانی و جادو دانی ہے۔۔۔۔۔ یہ خدائے لایزال کی محبت کا
عکس لازوال ہے اس کا مٹنا محال ہے۔۔۔۔۔ اس کو مٹانے کی کوشش کرنا خود اپنے کو مٹانے
کی کوشش کرنا ہے۔۔۔۔۔ کس نے یہ حدیث قدسی نہیں سنی۔


”مَنْ عَادَى بِلَى وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ“

نوٹ

ہم نے شروع مضمون میں دعوت کے مضمون نگار کے متعلق یہ لکھا ہے کہ انھوں نے لکھنؤ کے
ایک اجتماع میں جماعت کی ترجمانی کی تھی۔ اس پر اگرچہ ہم نے احتیاطاً حاشیہ میں یہ لکھ دیا ہو کہ ”بشرطیکہ
مضمون نگاران کے کوئی اور ہر نام نہوں“ اور اس کے بعد ہمارا خیال غلط ہونے سے ہم پر کوئی اثر نہیں
پڑتا۔ پھر بھی ہم یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ رسالہ کی طباعت کے بالکل آخری لمحات میں جب کہ یہ آخری
کاپی پریس جا رہی تھی ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ فی الواقع مضمون نگار ایک دوسرے صاحب ہیں۔ لیکن جماعت کو
تعلق ان کا بھی غیر مشکوک ہے۔

(مفسر القرآن)

کے ساتھ یہ دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں معلومات خوب خوب بڑھ گئی ہیں حتیٰ کہ اگر کہہ دے شہرِ مہدیائی
 جائیں تو تمام رہنے والوں کے لئے کافی ہوں گی اور ہر فرد کو بذاتِ خود ایک عالم بنا دیں گی لیکن
 اسی کے ساتھ قلب کا حصہ بہت کمزور ہو گیا ہے، ارادہ کی قوت بہت زیادہ مضاعف ہو چکی ہے اور
 ایمان بہت گھٹ کر خفیف سا رہ گیا ہے۔ آج ہم جانتے تو بہت کچھ ہیں لیکن ہمارا یہ جاننا عمل پر
 آمادہ نہیں کرتا، ہم کو اپنا ایمان نہ صحیح نہ کرام جیسا ایمان نظر آتا ہے اور نہ ہی ان کے بعد کے
 لوگوں جیسا، اور نہ ہم کو اپنی نماز ان کی جیسی نظر آتی ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ہماری معلومات
 نے بڑھ کر اور زیادہ ہو ہو کر ایمان و عمل کی جگہ کو بھی گھیر لیا ہے۔ ایسی صورت میں ضروری ہے
 کہ ہم اپنے نفسوں سے محاسبہ کریں، ان کی غیر خواہی اور غلصانہ تربیت کریں اور ان کو قبل کے
 کہ ہم اس غنی معرکہ میں شمولیت اختیار کریں جو زمانہِ حاضرہ کی مادیت اور اسلام کے مابین بپا
 ہے۔ اس کے لئے ہر طرح تیار کر لیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم ایسے معرکہ میں جم سکیں اور اس
 سحر انگیز ہوش ربا اور طاقتور مادیت کے مقابلہ پر جم سکیں، اگر ہم نے اپنے میں طاقتور
 روح بے لچک مذہبیت، ایمان سے سرشار قلب اور استقامت دین نہ پیدا کر لی۔
 مجھے امید ہے کہ یہ تقریر مضائقہ نہ ہوگی اور سامعین کے دلوں پر اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا۔



اعتماد
نشان

بچے ملک و قوم کی دولت ہیں (مرد محبوب رہنا)
ان کی ہم سب کو مل کر حفاظت کرنی چاہیے

لو بہار
 بچوں کو ہر قسم کی بیماریوں کے علاج سے محفوظ رکھنا ہو۔ قیمت فی خشتی ۲ روپے ایکٹ دہلیہ۔
 رسالہ "بچوں کی صحت اور ان کی پرورش" مفت طلب فرمائیں۔

دواخانہ طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
 ایجنسی: ۱۔ نفیس دواخانہ شاہ منج، جہان پور ————— ڈیپارٹمنٹ سنسکرت جی، کان پور



امانتہ

ہماری دعوت

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے۔
 لیکن یہ صرف ایک ہل ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے۔ وہ جس پر
 اس بات کا عہد کیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور زندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی
 اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی سال میں جہنم گئے اور مر جائیں گے۔
 جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لائے ان کے لئے زندگی اس عہد کے مطابق گزار دیں اور اسی پانی
 زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا
 عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنے کا پابند ہیں۔

خاطر الشک والاضطراب فی الدنیا والاخرۃ

مؤمنین منہما اولیٰ فی الدنیا والاخرۃ

”آیۃ الفرقان“

مفت محمد عارف عثمانی

محمد منظور بغا فی عفا اللہ عنہ

مولینا محمد منظور نعمانی

مولینا سید ابوالحسن علی ندوی کی
تبلیغی تقریریں

مہندستان اور پاکستان کے علماء و ائمہ کی تبلیغی اجتماعات میں کی گئی تھیں۔ ان کے مخاطب تبلیغی جماعت کے کارکن، مسلم عوام اور غیر مسلم حضرات ہیں۔ ان تقریریں سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں۔ قیمت محلہ ڈو روپے آٹھ آنے

ملفوظات

حضرت مولینا محمد الیاس
جے

مولینا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولینا محمد الیاس کی مجلس اور مجلس گفتگوؤں سے منتخب کر کے مرتب کیا ہے۔ علوم و معارف کا پیش بہا خزانہ ہے۔ ایک ایک ملفوظ یقیناً و سعادت کی بندوں سے اتنا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ بہترین کتابت و طباعت قیمت غیر محلہ ایک روپہ آٹھ آنے

تصوف کیا ہے؟

مولینا محمد منظور نعمانی

مولینا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولینا محمد اویسی کی مشترکہ تصنیف

جو اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث کے سلیحہ و آئے خاطر ہے۔ اپنے موضوع کی ضرورتوں کے مقابلہ میں بہت ممتاز بھی گئی ہے۔ ۱۵ صفحات، بہترین کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ قیمت ایک روپہ چار آنے

قادیا نیت پر

غور کرنے کا سیدھا راستہ

مولینا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی کی ایک گفتگو جس میں صریح یہ بتلایا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف ہونے چاہئیں اور مزا غلام احمد قادیانی میں وہ اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف تھے یا نہیں؟۔ بس یہی ان کو جانچنے اور پرکھنے کا سیدھا اور آسان راستہ ہے۔ قیمت چھ آنے

ملنگ کاپنہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

| | | |
|--|-----------------------------|---|
| ہندستان و پاکستان سے سالانہ چھٹہ (بلکہ ہندوستان سے) بلکہ پاکستان سے (اختیاری) حصہ (لامی) | لکھنؤ الفرقان ماہنامہ | اعزازی خریداروں سے سالانہ غیر مالک سے سالانہ |
| سرخ شاہی | قیمت فی کاپی آٹھ آنے | شنگ |

جلد ۲۲ بابتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ مطابق اگست ۱۹۵۵ء شمارہ ۱۲۵

| نمبر شمار | مضامین | مضامین نگار | صفحات |
|-----------|-------------------------------------|-----------------------------|-------|
| ۱ | نگاہ اولیں | عقیق الرحمن | ۲ |
| ۲ | معارف احمدیث | محمد شہور نعمانی | ۷ |
| ۳ | زہد کس لیے؟ | عقیق الرحمن | ۱۵ |
| ۴ | ترقی کا صحیح راستہ | ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی | ۲۲ |
| ۵ | مسئلہ تقدیر ازدواج | عقیق الرحمن | ۳۱ |
| ۶ | مسلمانوں نے ہندوستان کو کیا دیا | مولانا سید ابوبکرن علی ندوی | ۳۶ |
| ۷ | علما و دین اور مسلم حکام و مسلمانین | | ۴۰ |
| ۸ | تعارف و تبصرہ | ج۔ سس | ۴۸ |

اگر اس ○ دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہے!

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی دست خریداری ختم ہو گئی ہو، براہ کرم آئندہ کسے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ بعینہ دی اپنی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۲ مارچ تک پہنچ جانی چاہیے۔

پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلیا بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس نوڈ بھیجیں۔

مارچ اشاعت :- رسالہ ہرنگہ پڑی مہینہ کی ۵ کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ اگلے رسالہ کے ساتھ کر بھیج دیا جائے گا۔

(مولوی) محمد شہور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپا کر دفتر الفرقان لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اولیں

سیلاب

یو، پی کے مشرقی حصہ میں سیلاب اور بارش اور دریاؤں کی طغیانی نے جو قیامت چھائی ہو اسے سن کر ہر انسان کا دل لرز اٹھا ہوگا، بڑے بڑے شہر کئی کئی دن تک پانی میں ڈوبے رہے، ایک کروڑوں گاؤں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے اور لاکھوں انسان تباہ ہوئے۔ جو محتاج ہو گئے۔ صوبہ کے دہراؤنے ہوئی پودا درکھ کے جو سیلاب زدہ علاقہ کا حال دیکھا تو اس کے بیان سے اپنے الفاظ کو قاصر پایا۔ جدید دور کے سارے وسائل، انجینئرنگ کے تمام ہنر اور ہزاروں اشخاص کی متحدہ جدوجہد کسی مقام پر بھی بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہ روک سکی۔ بڑے بڑے منصوبہ پل بڑے اکر کر بہہ گئے، آہنی و سنگین بند پانی کے طوفانی زور کے سامنے کای کی طرح پھٹ گئے۔ اور انسان نے ہار مان لی۔ اور بالآخر جب خود ہی پانی کا جوش ختم ہوا، اس کی طوفانی طبیعت کو سکون ہوا تو پناہ کی صورت نظر آئی اور ان لاکھوں انسانوں کی جان میں جان آئی ہے۔

ہمیں ان سب کے بلا کسی تعزیر و امتیاز کے ہمدردی ہو۔ ہمیں ان کی مصیبت پر رنج و غم ہو، اور ہم ان کی خیریت و عافیت کے طالب ہیں۔ اور ہم اپیل کرتے ہیں کہ کسی ذی استطاعت انسان کو ان کی احانت و امداد سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ حکومت ضرورت مند ہی سے اپنے فرائض انجام دے رہی ہے مگر ان لاکھوں انسانوں کی بھالی اپنے بھائیوں کی فرض شناسی کے بغیر ممکن نہیں ہو۔

گرماتھ ہی ہیں یہ بھی کہنا ہو کہ ہمارے خیال میں یہ قیامت، یہ تباہی اور یہ بربادی ہمارے ان چٹائی کے لیڈروں کی لائی ہوئی ہو جو بار بار قدرت کو چیلنج کرتے رہتے ہیں۔ وہ مخلص ہیں، ملک کے بے لوث اور درمند خدام ہیں، وہ میدانِ مفر، بلند نظر، اور حقیقت پسند ہیں۔ مگر کائنات کی سب سے اہم حقیقت کے ادراک سے محروم ہیں۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ زمین و آسمان، یہ چاند و سورج، یہ لیل و نہا

یہ دریا پہاڑ، غرض سارا عالم وجود و ساری کائنات اپنے ایک ایک ذرہ سمیت ایک بالادست طاقت کی مٹھی میں ہو۔ وہ طاقت جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہو، جو خدا ہو جو مصروف و مدبر ہو اور دانا و دنیابے۔ اور اس طرح مٹھی میں ہو کہ اس کے حکم سے ہر سو انحراف نہیں کر سکتی۔ یُغَلَبُہُ کَیْفَ یَشَاءُ، وہ مشاہد مطلق اس کے جس جزو کو جہاں سے چاہتا ہے اُٹھاتا ہے اور جہاں چاہتا ہو رکھتا ہے۔ اس کا کوئی ہاتھ نہیں پڑ سکتا۔ اور کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ اور نہ کوئی اسے چیلنج کر کے پسپا کر سکتا ہے۔

تیسرا سال ہے جب ہمارے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے بہار میں ایک بند کا افتتاح کرتے ہوئے ایسے کلمات کہے تھے جو اس قادر مطلق کی قدرت کے لیے چیلنج کا درجہ رکھتے تھے۔ ہم نے وہ الفاظ پڑھے تو ہم کانپ اُٹھے تھے کہ دیکھئے اب قدرت کیا دکھائی ہو اور اس چیلنج کی قیمت ہم اہل بند کو کیا ادا کرنا پڑتی ہو اور پھر اسی وقت انھیں صفحات میں ہم نے اس خطرہ کا اظہار بھی کیا تھا۔ چنانچہ چند ہی ماہ بعد سننے میں آیا کہ اس مایہ ناز بند میں جس کے بل پر یہ بڑا بول بولایا تھا۔ شگاف پڑ گیا اور قدرت پر انسان کی فتح "کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ اور پھر ہر لگے سال کا سیلاب پچھلے سال کا ریکارڈ توڑنا چلا گیا۔ اس سال جو حال ہو وہ آنکھوں کے سامنے ہو۔ پورا مشرقی یورپ، جبل تھل بنا ہوا ہو۔ ذرا ذرا سی ندیوں نے وہ قیامت مچائی ہو کہ سمندر کا سماں ہو۔ بعض ندیوں کا پاٹ دو دو میل چوڑا ہو گیا ہو۔ پچھلے تجربوں سے ہماری حکومت نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ سیلاب اگست میں آتا ہو چنانچہ اسی کے مطابق حفاظتی تدابیر کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ مگر اس دنفہ وسط جولائی ہی میں یہ قیامت ٹوٹ پڑی جس کا وہم و گمان ہی نہیں تھا۔ "فَاَخَذْنَاہُمْ جَعْتَةً وَہُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ" کی کھلی مثال!۔۔۔ فَاَعْبَسَ بِرُؤُوسِہِمْ اُولَی الْاَبْصَارِ!۔

ابھی معلوم ہوا ہو کہ پنڈت جی سیلاب زدہ علاقہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے آرہے ہیں۔ کاش اللہ تعالیٰ انھیں دیدہ و عبرت نگاہ بخش دیتا اور کسی طرح وہ محسوس کر سکتے کہ جس قدرت کو وہ چیلنج دیتے رہتے ہیں وہ اندھے اور بے شعور مادہ کی قدرت نہیں، بلکہ وہ ایک دانا و دینا اور ذی ارادہ ہستی کی قدرت ہے جسے انسان کی عقلی اور علی قوت کبھی شکست نہیں دے سکتی۔ اور جسے چیلنج دے کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی، یہ ہوا میں چلنے والے بادل اور یہ زمین پر بہنے والے دریا، ان کے

اند خود کوئی طاقت نہیں ہو اور کسی کو نفع، نقصان پہنچانے کی ان میں کوئی قدرت نہیں ہے، یہ نفع پہنچاتے ہیں تو اسی قادر مطلق کے حکم سے پہنچاتے ہیں اور نقصان پہنچاتے ہیں تب اسی قادر مطلق کے حکم سے، ان کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے اور ان کی ہر حرکت اسی کے اشاروں کے تابع ہے۔ اس لیے ان کے شر سے بچنے کی واحد صورت یہ ہو کہ پہلے اس ہستی کے آگے سر جھکا دیا جائے اور اس کی بالادستی کو مان لیا جائے جو ان پر قابض و متصرف ہو اور اس کے بعد اس کی دی ہوئی عقل اور قوت عمل کو اس عالم کے طبعی حوادث سے تحفظ کے لیے استعمال کیا جائے۔

یہ ہو اس قسم کے حوادث سے تحفظ اور کائنات کی تسخیر کا صحیح راستہ! اس کے برخلاف ان حوادث پر چراغ بھونا اور اپنی عقل اور قوت عمل کے بل بوتے پر قدرت کو چیلنج کرنے لگنا، تحفظ کا نہیں تباہی کا راستہ ہے، خواہ یہ تباہی جلد اسے یا دیر! اور خواہ پورے طور پر آئے یا تنہیہ کے انداز میں ٹھوڑی سی! — ہم یہ سمجھتے ہیں کہ گذشتہ سال اور موجودہ سال کی سیلابی تباہی، تنہیہ انداز کی ہو۔ اور یہ ایک معنی اگر اس ملک پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو کہ فوراً ہی تنہیہ کی جا رہی ہو، کاش اس ملک کے سربراہ اس تازیانہ عبرت سے ہوش میں آجائیں، ورنہ خدا نخواستہ اُن کے بڑے بولوں کی بہت بڑی قیمت ملک کو ادا کرنا پڑے گی۔

ایک لائحہ عمل

گذشتہ تینے ان صفحات میں جماعت اسلامی ہند کے آرگن میں شائع ہونے والے ایک دلائل مضمون پر تبصرہ کیا گیا تھا، اور آخری بات ہم نے یہ عرض کی تھی کہ اس کی ذمہ داری اکابر جماعت اسلامی کے سر ہے، کیونکہ انھیں کی تحریروں سے وہ ذہنیت پیدا ہوئی ہو جو ایسے مضامین کو جنم دیتی ہے۔ اس پر اُس مضمون کے لکھنے والے صاحب نے ایک بیان دیا ہو۔ یا ان سے دلیا گیا ہو۔ جو جماعت اسلامی کے اسی آرگن میں شائع ہوا ہو جس کا خلاصہ یہ ہو کہ

میں جماعت اسلامی کا رکن نہیں ہوں، لہذا میرے ان خیالات کی جن کا مضمون میں اظہار کیا گیا ہو

ذمہ داری بھی پر ہے۔ جماعت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور جماعت کے متعلق اس سلسلہ میں کوئی

سوال اٹھانا صحیح نہیں ہو۔

ہیں بیدار ہوئی اگر ہمارے خیال غلط نکل جاتا کہ جماعت اسلامی دافستہ یا نادافستہ طور پر کسی ایسی ذہنیت کی پرورش کر رہی ہو جو مال کا دین کے لیے مضرب ہے۔ اور فی الواقع اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہو کہ ایک ایسی صلاحیتیں رکھنے والی دینی جماعت کے فکر و عمل کا کوئی پہلو بھی دین کے لیے مضرب نہ نکلتے؟

مگر افسوس کہ اس بیان نے اس قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ اس لیے کہ ہم نے جو خیال جماعت اسلامی کے متعلق ظاہر کیا تھا اس کی بنیاد مضمون نگار کی رکنیت پر نہیں تھی، ہم نے کہیں یہ نہیں کہا کہ مضمون نگار جماعت کے رکن ہیں۔ کیونکہ ہمیں اس کے متعلق کوئی علم نہیں تھا، البتہ ہمیں ان کے مضمون کے بعض اجزاء سے یقین کی حد تک یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جماعت سے کسی نہ کسی درجہ میں متعلق ضرور ہیں۔ خواہ وہ تعلق رکنیت کا ہو یا ہمدردی کا ہو، یا اتفاق و تاثر کا ہو۔ اور ہم جانتے ہیں کہ جماعت سے تعلق صرف رکنیت میں محدود نہیں ہے، بلکہ اس کی باضابطہ طور پر کسی قسم میں۔ اور ان دوسری قسموں کے متعلقین اور کان سے بدرجہا زیادہ ہیں حتیٰ کہ ان کو اگر الگ کر دیا جائے تو اکثر شہروں میں لوگوں کو جماعت اسلامی کے حلقہ ہی نظر نہ آئیں۔ اور یہ تہہ ہی نہ چلے کہ اس نام کی کوئی جماعت بھی یہاں موجود ہو۔) چنانچہ ہم نے تعلق کی کسی خاص نوعیت کی تعین کے بغیر صرف اتنا ہی لکھا کہ ان کا تعلق جماعت سے غیر مشکوک ہو۔ (اور مذکورہ بالا بیان سے اس کی پوری پوری تصدیق ہوتی ہے)

اور پھر ہم نے اپنے خیال کی بنیاد تنہا ان کے تعلق پر بھی نہیں رکھی، بلکہ اس کے علاوہ بھی کئی چیزوں کو لاکر ان سب کے مجموعہ پر اس خیال کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اور وہ چیزیں یہ تھیں کہ (۱) مضمون جماعت کے ذمہ دار پرچے میں شائع ہوا۔ (۲) اس پر کوئی استلافی نوٹ ادارہ کی طرف سے نہیں لکھا گیا (۳) بعد از اشاعت بھی کوئی استدرک نہیں کیا گیا (۴) جماعت کے ذمہ داروں نے بھی اس پر کوئی نوٹ نہیں لیا (۵) اور ذمہ داروں کے علاوہ جماعت کے پورے حلقہ میں سے (جس میں شاید ہی کوئی فرد ایسا ہو جو اپنے اخبار و رسائل نہ پڑھتا ہو) کسی ایک فرد کو بھی اس مضمون پر تکیہ کرتے ہوئے نہیں پایا گیا۔ یہ تھیں وہ چیزیں جنہوں نے مجموعی طور پر اس بات کا قطعی ثبوت فراہم کیا کہ جماعت کے اکابر نے اپنی تحریروں میں اسلاف پر تنقید کا جو ڈھنگ اختیار کیا ہے اس نے جماعت اسلامی کے حلقہ میں اسلاف کی بے وقتی پیدا کر دی ہو۔ اور ان کے اعتماد کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس لیے ہمارے اٹھائے ہوئے سوالات پر اس سے

کوئی اثر نہیں پڑتا کہ مضمون نگار جماعت اسلامی کے رکن نہیں ہیں۔

اور ہمیں حیرت ہو کہ جب مدیر دعوت کے ایک خط کے جواب میں (جس میں یہی بات لکھی گئی تھی) کہ مضمون نگار جماعت کے رکن نہیں ہیں، ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی تھی کہ اس مضمون کے سلسلہ میں جماعت کے متعلق جو باتیں کہی گئی ہیں، وہ مضمون نگار کی رکنیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ فلاں فلاں چیزوں کی بنیاد پر کہی گئی ہیں، تب انھوں نے یہ بیان آخر کیا سوچ کر شائع کیا ہے؟ ممکن ہے اس سے کچھ لوگ مغالطہ میں آجائیں، مگر وہ لوگ جنھوں نے الفرقان کا مضمون خود پڑھا ہو کبھی مغالطہ نہیں کھا سکتے اور جماعت کی برأت کی یہ ناکام کوشش ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں پاسکتی۔ علم و فکر اور دیانت و تقویٰ میں تقویٰ کا احساس رکھنے والی کسی جماعت کے لیے باعثِ شرم ہو کہ وہ ایسی بودی پناہ گاہ ہوں میں سر چھپانے کی کوشش کرے!

سیدھی بات ہو کہ اگر جماعت کے ذمہ داران اسلام کا استحقاق نہیں چاہتے ہیں، اور ہمارے اعتراض میں کوئی وزن محسوس کرتے ہیں تو وہ ارکان اور بہادران کے رجسٹرڈ کی ورق گردانی کے بجائے اپنی اب تک کی غلطی کا اعتراف کر کے اس کے مؤثر تدارک کی فکر کریں ورنہ اخلاقی جرات کے ساتھ کہہ دیں کہ ایسے مضامین ان کے منشا کے مطابق ہیں اور وہ ان پر کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

اعتماد



نشان

بچے ملک و قوم کی دولت ہیں (نور محمد بیہنا)
ان کی ہم سب کو مل کر حفاظت کرنی چاہیئے

بچوں کو ہر قسم کی بیماریوں سے محفوظ رکھنا جو قیمت فی شی ۲، ۴، ۸، ۱۶ روپیہ
رسالہ ”بچوں کی صحت اور ان کی پرورش“ مفت طلب نمبر مانیں۔
دواخانہ طبیبہ کالج، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

نوبہار

نوبہار ان الفرقان ص ۵۵-۵۶ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ منبر

معارفِ اکبریت

مسلسلہ

خوفِ خدا اور فکرِ آخرت ————— (۲)

اس سے پہلی قسط میں اسی عنوان کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس حدیثیں درج کی گئی تھیں۔ آج کی صحبت میں جو چند حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں ان سے معلوم ہوگا کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام کا حال کیا تھا اور ان کی زندگی پر اس کے کیا اثرات پڑتے تھے۔

(۹۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئاً فَرَحَّصَ فِيهِ قَلْبُ مَنْزِلٍ عَنْهُ قَوْمٌ قَبْلَهُ ذَإِلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَلَ مُحَمَّدٌ اللَّهُ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَنْتَزِعُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُمَا قَوْلَ اللَّهِ إِنِّي لَا أَعْلَمُهُمْ مِبَالَهُ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً —

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا اور اس میں رخصت اور وسعت دی تو بعض لوگوں نے اس سے پرہیز کیا۔ ان کی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچی تو آپ نے خطبہ دیا اور اس میں اللہ کی حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا ”بعض لوگوں کا یہ کیا رویہ ہو کہ وہ اس کام سے پرہیز کرتے ہیں جس کو میں خود کر لیتا ہوں۔ قسم اللہ کی میں ان سے زیادہ ہمتا ہوں ہوں اللہ کو دینی اس کی مرضی و نامرضی اور اس کے شہدوں و صفات کو اور ان کی کبریت

بہت زیادہ ڈرنے والا ہوں اللہ سے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا مباح عمل کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کی بشری کمزوری یا بشری ضرورت کی بنا پر رخصت دی ہو۔ تو بعض ایسے صحابہ نے جن پر خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کا غلبہ تھا یہ خیال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سچے بخلے ہیں اور آپ کا معاملہ تو کچھ اور ہے اس لیے اگر آپ اس قسم کی رخصتوں پر عمل کریں تو آپ کا کچھ نہیں بگڑتا اور آپ کے درجہ میں کوئی کمی نہیں آتی لیکن ہم گنہگاروں کے لیے یہی بہتر ہے کہ ان رخصتی اعمال سے پرہیز کریں، حضرت عائشہؓ کی اس حدیث میں بھی اسی قسم کے ایک واقعہ کا ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کی اصلاح کے لیے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اپنے ان نیاز مندوں کی اس غلطی پر ان کے نام ظاہر کیے بغیر عتاب فرمایا اور اس حقیقت کو وضع فرمایا کہ جو عمل میں کروں اگرچہ وہ از قبیل رخصت ہو، اس سے کسی کو پرہیز نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا و نارضا اور اس کے احکام کا علم بھی سب سے زیادہ مجھ کو ہی ہو۔ اور اس کا خوف مجھ کا سب سے زیادہ میسر ہی دل میں ہے، اس لیے جو عمل میں کرنا ہوں وہ علم و بصیرت کی بنیاد پر اور خوفِ خدا کے تحت کرتا ہوں، لہذا ایسے عمل سے پرہیز گاری بڑی غلطی ہو۔

اس حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ حال بیان فرمایا جو کہ میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ صحیح بخاری و مسلم ہی میں حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے اور اس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں۔ ”أَمَّا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ فَأَتَّقُوا كَمَا لَهُ“ قسم اللہ کی میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ والا ہوں۔

(۱۰۰) عَنْ أَبِي عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ شَبَّتَ قَالَ شَبَّتْنِي هُوَ وَالْوَأَقَعَةُ وَالْمُرْسَلَتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ وَإِذَا الشَّمْسُ

كُوْدَتْ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ پر بڑھا پانگیا، آپ نے

ارشاد فرمایا کہ مجھے بڑھا کر دیا سورہ ہود، سورہ واقفہ، سورہ مرسلات، سورہ عم قیامون اور سورہ تکویر (اذا انشئت کورت) نے۔
(ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی صحت فطری طور پر جس قدر بہتر تھی اور قویٰ جیسے اچھے اور طبیعت جیسی معتدل تھی اس کے لحاظ سے آپ پر بڑھا پے کے آثار بہت دیر سے ظاہر ہونے چاہیے تھے۔ لیکن جب وہ آثار عام اندازہ کے لحاظ سے قبل از وقت ظاہر ہونے لگے تو حضرت ابو بکر نے ایک روز عرض کیا کہ حضرت! آپ پر تو بھی سے بڑھا پانا آنے لگا؛ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن مجید کی ان سورتوں (سورہ ہود اور واقفہ وغیرہ) نے بڑھا کر دیا۔ ان سورتوں میں قیامت و آخرت اور مجرموں پر اللہ کے عذاب کا بڑا دہشت ناک بیان ہے۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مسنانین سے اس قدر متاثر ہوتے تھے اور ان کی تلاوت سے آپ پر خدا کے خون اور آخرت کی فکر کا ایسا غلبہ ہوا تھا کہ اس کا اثر آپ کی جسمانی قوت اور تندرستی پر پڑتا تھا۔ اور بلاشبہ غوت و فکر یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو جوانوں کو جلد بڑھا کر دیتی ہیں۔ اسی لیے قیامت کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہو ”يَوْمًا يُجْعَلُ الْوِلْدَانُ شِيبًا“ کہ قیامت کا دن بچوں کو بڑھا کر دے گا۔

اس حدیث سے خاص طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہو کہ نبوت خدا اور فکر آخرت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کا سال کیا تھا۔

(۱۰۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِتَيْنَاكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَعْمَالًا هِيَ آدَقُ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كَمَا أَعَدَّهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ

الْمُؤَبَّقَاتِ يَغْنَى الْمُحَلَّكَاتِ — (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو انھوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا تم لوگ بہت سے اعمال ایسے کرتے ہو کہ تمھاری نگاہ میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی بہت ہی خفیف اور ہلکے ہیں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کو محکمات میں سے شمار کرتے تھے۔
(صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانہ میں مسلمانوں پر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرام پر غوث خدا کا اتنا غلبہ تھا اور وہ آخرت کے حساب و انجام

ہفتہ گزراں وترساں رہتے تھے کہ بہت سے وہ اعمال جن کو تم لوگ بالکل معمولی سمجھتے ہو اور بے پروائی سے کرتے رہتے ہو اور ان سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے وہ ان کو ہلک سمجھتے تھے اور ان سے بچنے کا ایسا ہی انتہام رکھتے تھے جیسے ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچنے کا انتہام کیا جاتا ہے۔

(۱۰۲) عَنْ النَّضْرِ قَالَ كَانَتْ ظِلَّةٌ عَلَى عَهْدِ آسٍ فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ يَا أَبَا حَمْزَةَ هَلْ كَانَ هَذَا يُصِيبُكُمْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنْ كَانَتْ السَّرِيعُ لَشَتَّتَ فَنَبَادِرُ إِلَى الْمَسْجِدِ خَافَةَ أَنْ تَكُونَ الْقِيَامَةَ

(رواہ ابو داؤد)

(ترجمہ) نظر عالمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس کے زمانہ میں ایک دفعہ کالی آندھی آئی تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے پوچھا ابو حمزہ کیا ایسی ہوائی اور آندھیری آندھیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی آپ لوگوں پر آتی تھیں؟۔ انھوں نے فرمایا اللہ کی پناہ! وہاں تو حال یہ تھا کہ ذرا ہوا تیز ہوائی تو ہم قیامت کے خون سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ (ابو داؤد)

(۱۰۳) عَنْ حُظَلَّةَ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَسَدِيِّ قَالَ لَقِيتُ أَبُوبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ أَمْتُ يَا حُظَلَّةُ؟ قُلْتُ نَافَقَ حُظَلَّةٌ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ مَا رَسُولٌ؟ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأَيْنَا عَيْنٍ فَإِذَا أَخْرَجَنَا مِنْ عِنْدِهِ عَافَتِ الْأَرْوَاحُ وَالْأَوْلَادُ وَالضَّيْعَاتُ وَنُسِينَا كَثِيرًا قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَوَاللَّهِ إِنَّا لَنَلْقَى مِثْلَ ذَلِكَ فَأَنْطَلَقْتُ أَنَا وَأَبُوبَكْرٍ حَتَّى وَخَلْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حُظَلَّةٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ وَمَا ذَلِكَ؟ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَكَ تَذْكُرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأَيْنَا عَيْنٍ فَإِذَا أَخْرَجَنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَتِ الْأَرْوَاحُ وَالْأَوْلَادُ وَالضَّيْعَاتُ وَنُسِينَا كَثِيرًا فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ كُنْتُ وَمَوْناً عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحْتُكُمْ الْمَلَائِكَةَ عَلَى فَرْشِيكُمْ وَفِي طَرَفِ قَلَمٍ وَلَكِنْ يَا حُظَلَّةُ سَاعَةٌ وَسَاعَةٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. (رواہ مسلم، مجمع الزوائد)

(ترجمہ) حضرت خطلہ بن ازیخ سے روایت ہو کہ ایک دن مجھے ابو بکر ملے اور انہوں نے پوچھا خطلہ کیا حال ہو؟ میں نے ان سے کہا کہ خطلہ تو منافق ہو گیا ہے، انہوں نے فرمایا "پاک ہو اللہ تم پر کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے کہا بات یہ ہو کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرمائے ہم کو نصیحت فرماتے ہیں تو ہمارا یہ حال ہو جاتا ہو کہ گویا ہم دوزخ اور جنت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں تو بیوی بچے، زمین اور کھیتی باڑی کے کام ہم کو اپنی طرف متوجہ اور مشغول کر لیتے ہیں اور پھر ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں، ابو بکر نے یہ سن کر فرمایا کہ اس طرح کی حالت تو ہم کو بھی پیش آتی ہو، اس کے بعد میں اور ابو بکر دونوں چل دیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے (اپنا حال بیان کرتے ہوئے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ خطلہ تو منافق ہو گیا، آپ نے فرمایا یہ کیا بات ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حالت یہ ہو کہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کر ہم کو نصیحت فرماتے ہیں تو ایسا ہو جاتا ہو کہ گویا دوزخ اور جنت ہماری آنکھوں کے سامنے ہو، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں تو بیوی بچے اور کھیتی باڑی کے دھندے ہم کو اپنے میں مشغول کر لیتے ہیں، اور ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہو اگر تمہارا حال ہمیشہ وہ رہے جو میرے پاس ہوتا ہو اور تم دائماً ذکر میں مشغول رہو تو فرشتے تمہارے بستر پر اور آنتوں میں تم سے مصافحہ کیا کریں لیکن اے خطلہ! اللہ نے اس کا مکلف نہیں کیا ہو بلکہ اس اتنا ہی کافی ہو کہ دنیا فرقہ قائم ہوتا رہے۔ یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (مسلم)

(ف) حضرت خطلہ کی اس روایت سے اندازہ کیا جاسکتا ہو کہ صحابہ کرام میں آخرت اور دین کی فکر کس درجہ میں تھی کہ اپنی حالت میں معمولی تغیر اور ذرا سا اسخطاط دیکھ کر وہ اپنے پر نفاق کا شبہ کرنے لگتے تھے۔

(۱۰۴) عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ

هَلْ تَدْرِي مَا قَالَ أَبِي لِابْنِكَ قَالَ قُلْتُ لَا ، قَالَ فَإِنَّ أَبِي قَالَ لِابْنِكَ
يَا أَبَا مُوسَى هَلْ تَسِيرُكَ أَنَّ إِسْلَامَنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَهَجَرْنَا وَجْهًا وَنَامَعَهُ وَعَمَلْنَا كُلَّهُ مَعَهُ يَزِدُّ لَنَا وَأَنْ كُلَّ عَلِيٍّ
عَمِلْنَا بَعْدَهُ نَجُونَا مِنْهُ كَغَافًا رَأْسًا بَرَأْسٍ فَقَالَ أَبُوكَ لِأَبِي لَا قَالَ
قَدْ جَاهَدْنَا بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّيْنَا وَصُمْنَا
وَعَمَلْنَا خَيْرًا كَثِيرًا وَأَسْلَمَ عَلَيَّ أَيْدِيُنَا لِنَبْشُرَ كَثِيرٌ وَأَنَا لَنَرْجُو ذَلِكَ
قَالَ أَبِي لِكَيْفِي أَنَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنَّ ذَاكَ يَزِدُّ لَنَا
وَأَنَّ كُلَّ شَيْءٍ عَمِلْنَاهُ بَعْدَهُ نَجُونَا مِنْهُ كَغَافًا رَأْسًا بَرَأْسٍ ، فَقُلْتُ
إِنَّ أَبَاكَ قَالَ اللَّهُ كَانَ خَيْرًا مِنْ أَبِي ————— (رداد البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ اشعری کے صاحبزادہ ابو بردہ سے روایت ہو وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن عمر نے کہا، کیا تمہیں معلوم ہو کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کیا بات کہی تھی؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں، انھوں نے کہا کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کہا تھا کہ اے ابو موسیٰ! کیا تم اس پر خوش اور راضی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کے ہاتھ پر ہمارا اسلام لانا اور آپ کے ساتھ ہمارا ہجرت کرنا اور ہمارا کرنا، اور ہمارے وہ سارے اعمال جو ہم نے آپ کے ساتھ کیے وہ تو ہمارے لیے ثابت اور محفوظ رہیں اور ان کا صلہ اور اجر ہم کو عطا فرمایا جائے اور ہم نے جو اعمال آپ کے بعد کیے ان سے ہم برابر سزا پر پھٹی پا جائیں (یعنی حضور کے بعد ہم نے جو اچھے یا بُرے عمل کیے ہیں ان پر نہ ہم کو ثواب ملے اور نہ عذاب دیا جائے) — عبداللہ بن عمر ابو بردہ سے کہتے ہیں کہ میرے والد کی یہ بات سُن کر تمہارے والد نے کہا کہ میں خدا کی قسم میں تو یہ نہیں چاہتا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاد کیے ہیں، نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، اور (اللہ کی توفیق سے) ان کے علاوہ بھی بہت سے اعمال خیر کیے ہیں، اور ہماری کوششوں سے اور ہمارے ہاتھوں پر اللہ کے بے شمار بندے مسلمان ہوئے ہیں، اور ہم اللہ سے اپنے ان اعمال کے اجر و صلہ کی پوری امید

رکھتے ہیں (اس لیے میں تو آپ کے خیال سے متفق نہیں ہوں)۔ اس پر میرے والد (حضرت عمر) نے پھر فرمایا کہ قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہو میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ ہمارے وہ عمل (جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے وہ تو) ہمارے لیے ثابت ہوں اور ہم کو ان کا صلہ عطا کیا جائے اور جو عمل ہم نے آپ کے بعد کیے ان سے ہم برابر سزا پر پھٹی پاجائیں، (ابو بردہ کہتے ہیں کہ) میں نے عبداللہ بن عمر سے کہا کہ خدا کی قسم تمہارے والد (حضرت عمر) میرے والد (ابو موسیٰ) سے افضل تھے۔ (بخاری)

(تشریح) جس طرح اللہ کے کسی صالح اور مقبول بندے کی اقتدا میں پڑھی ہوئی نماز کی مقبولیت کی امید کی جاتی ہو اسی طرح حضرت عمر رضیقین کے ساتھ امید رکھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو اعمال خیر نماز، روزہ، ہجرت، جہاد وغیرہ ہم نے کیے ہیں وہ تو آنحضرت کی معیت کی نسبت اور برکت سے ضرور ہی انشاء اللہ قبول ہوں گے، لیکن جو اعمال حضور کے بعد کیے گئے چونکہ ان کو یہ نسبت حاصل نہ تھی بلکہ وہ اپنے ہی اعمال تھے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ عام اہل معرفت کی طرح ان کے انجام سے ڈرتے تھے اور اپنی سلامتی اور کامیابی اسی میں سمجھتے تھے کہ بعد والے سارے اعمال سے برابر سزا پر پھٹی مل جائے، نہ ان پر عذاب ہو نہ ثواب،

طاعت ناقص ماوجب غفران نشود
راغنیم کہ مدد علمت عصیاں نشود
دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال اور یہ احساس خوفِ خدا کے غلبہ ہی کا نتیجہ تھا۔
حدیث کے آخر میں ابو بردہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے جو یہ فرمایا کہ خدا کی قسم میرے والد سے تمہارے والد افضل تھے تبہاں اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ افضل تھے اس لیے اپنے اعمال سے بے اطمینانی اور خدا کے خوف کا اثر ان پر اس قدر زیادہ تھا۔
صحیح بخاری ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کی ایک روایت میں ان کا یہ ارشاد بھی ذکر کیا گیا ہے

وَاللّٰهُ لَوْ اَنَّ لِيْ ظِلَّعَ الْاَرْضِ
اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ بِرِسَالَتِىْ
ذَهَبًا لَا تُخَدِّتُ بِهٖ مِرْنَ
سَوْا هُوَ تَوْمِىنَ اللّٰهُ كَ عَذَابِ كَ دَیْخِیْ

عَذَابِ اللَّهِ قَبْلَ أَنْ أَرَاهُ پلے اُس سب کو خدیہ میں مٹے ڈالوں

اور اپنی جان بچھڑالوں۔

اللہ اکبر! یہ ہے اس بندہ پر خوفِ خدا کا غلبہ جس نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اپنے لیے جنت کی بشارتیں سنی ہیں۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے "قریباً" بیش بود حیرانی، اللہ تعالیٰ اس خوف و خشیت کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔



دیوبند و بریلی کے اختلاف و نزاع پر

ایک فیصلہ کن محققانہ کتاب

معرکہ القیام — یا — فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علماء دیوبند پر سنگین الزامات اور ان کا ثبوت ۱۔

فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خاں صاحب کے قلم سے

علماء دیوبند کی طرف سے جواب اور الزامات کے محض غلط ہونے کا ثبوت ۱۔

مولانا محمد منظور نعمانی کے قلم سے

یہ کتاب جو واقعہ اپنے موضوع پر حررت و خرا و فیصلہ کن و ستاویز ہے۔ اب سے ۲۱ سال پہلے شائع

ہو کر اس زمانہ میں نایاب ہو گئی تھی۔ بریلی کے تکفیری فتنہ کے علمبرداروں نے جو طوفان آج کل برپا

کر رکھا ہو اُس نے اس کی اشاعت پر پھر مجبور کر دیا۔ مولانا کی نظر ثانی اور دو مستقل مضامین کے

اضافہ کے ساتھ دوبارہ طبع ہو چکی ہو۔ ۱۶۰ صفحات قیمت صرف ایک روپیہ۔

کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ

زہد کس لئے؟

مبتدی قرآن

از

[گوشہ نگاہ اولیں کے تحت، کچھ زہد کا ذکر آیا تھا اور اس سلسلہ میں کچھ آیات و احادیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے کچھ حالات پیش کیے گئے تھے۔ اس کو پڑھ کر جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے ایک دوست نے اس کے اصل موضوع سے متعلق راقم کو ایک خط لکھا اور فرمایا یہ بھی لکھا کہ زہد کے متعلق جو آیات و احادیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے جو حالات آنے پہلے پیش کیے ہیں ان کے پس منظر پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی ان کے پس منظر میں اقامت دین کی جدوجہد کا ایک طویل سلسلہ ہے جس میں دعوین اسلام کو دشمنان اسلام سے کشمکش پیش آرہی تھی۔ پس ان حضرات کی بڑھاپہ و فقر کی زندگی ہم دیکھتے ہیں یہ اس کشمکش کا لازمی نتیجہ تھا اور ان کشمکش میں کامیابی کے لیے بڑھاپہ تھا کہ ایسی زندگی اختیار کرنی چاہئے۔ زہد کے لیے قرآن و حدیث میں آتی غیبی جہاد تھی۔ ورنہ ایسے زہد کی تو اسلام میں کوئی نیا پیش نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کافی مال و دولت دیا ہو اور وہ پھر بھی مونا جھوٹا کھائے اور پیئے۔ خط کے اصل مضمون کا جواب تو ان کو اسی وقت دیدیگا، تھا مگر اس ضمنی جزو پر ان کی فرمائش کے مطابق ان صفحات میں روشنی ڈالی جا رہی ہو۔

دعا خفیفی الا باللہ ————— [۶]

زہد کے لغوی معنی، کسی چیز سے بے رغبت ہو جانے کے آتے ہیں۔ اور دین کی خاص اصطلاح میں آخرت کے لیے دنیا کے لذائذ و مرغبات کی طرف سے بے رغبت ہو جانے اور ان کو ترک کر دینے کو زہد کہتے ہیں۔

مگر دنیا کے لذائذ و مرغبات سے مراد وہ ہیں جو از قبیل مباحات ہوں اور جائز ذرائع سے حاصل ہوں۔ رہیں وہ چیزیں جو محرمات اور ممنوعات میں سے ہیں یا ناجائز ذرائع سے حاصل ہوں ان کا ترک زہد نہیں ہو۔ بلکہ وہ قوت ہے۔ کیونکہ ایسی چیزوں کا ترک کرنا واجب ہے، جبکہ زہد واجب نہیں بلکہ صرف افضل دادلی اور باعث رفیع درجات ہو۔

یہ تو ہر کسی کی حقیقت۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زہد اور ربانیت میں عظیم فرق ہے۔ زہد میں صرف ان لذائذ و نعمائے دنیا سے بے رغبتی اور کنارہ کشی اختیار کی جاتی ہے جن سے متعہ مباح ہے لیکن خلوت و عزلات اور تصدیق نفس زہد کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔ جب کہ ربانیت کے مفہوم میں یہ چیزیں بھی داخل ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ زہد کس لیے اور کیوں؟ یعنی دنیا کی جائز لذتوں اور نعمتوں سے کس لیے بے رغبتی اور کنارہ کشی اختیار کی جائے؟

اس سوال کا بھی اجمالی جواب زہد کی تعریف ہی میں موجود ہو۔ کہ آخرت کے لیے! اور تفصیلی جواب اس کا ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں اس سلسلے میں پہلے چند مقدمات ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔

۱۔ دین ہمیں آخرت کا عقیدہ دیتا ہے اور بتلاتا ہے کہ انسان کی اصل زندگی وہی ہے۔

وَإِنَّ الدِّينَ إِلَّا خَيْرٌ لِّمَنِ الْحَيَاةُ

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (النکبوت، ۷) زندگی ہے اگر وہ جانتے ہوتے۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ

(الحديث بخاری و مسلم) ہی کی زندگی ہو۔

۲۔ اس کے بعد وہ ہمیں بتلاتا ہے کہ اس زندگی میں کامیابی انہیں لوگوں کو حاصل ہوگی جو

اس دنیا میں احکام الہی کا خیال کر کے زندگی گزاریں گے۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (الاعراف ۱۵۶) اور آخرت کی کامیابی متقیوں ہی کا حصہ ہے۔

۳۔ اس کے بعد ہمیں بتلایا جاتا ہے اور حیاتِ انسانی کا طویل تجربہ بھی بتلایا ہے کہ دنیاوی لذتوں اور نعمتوں میں انہماک ہی نے اکثر انسانوں کو آخرت سے غافل کیا ہے۔

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ اور نہیں ہے حیات دنیا گمراہی کا دھوکہ دینا۔
۴۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ دنیا کی نعمتیں حرام نہیں ہیں بلکہ ان کا ایک بہت بڑا حصہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال کیا ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ آپ کہئے کہ کون نے حرام کیا ہے اللہ کی اس

أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا فرمائی ہے اور پاک روزی کو؟ (الاعراف ۳۱)

اس لیے یہ ضروری تو نہیں ہے کہ آدمی آخرت کی کامیابی کے لیے دنیاوی نعمتوں اور لذتوں کو ترک کرے (بائیں غصی کہ بقدر رکفات سے آگے نہ بڑھے) اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان نعمتوں سے (بقدر رکفات سے زیادہ) استفادہ کر کے آخرت میں کامیابی محال ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ جو شخص تجھے ہم پر انکفار کرے گا وہ اسی قدر آسانی سے کامیابی حاصل کر سکے گا اور کامیابی کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہو سکے گا۔ کیونکہ جو جتنا کم استفادہ کرے گا اس کے لیے دنیا کی دھوکہ بازیوں اور دلفریبیوں میں آنے اور آخرت سے غافل ہونے کا اتنا ہی کم امکان ہوگا۔

گویا سوال کا جواب یہ ہے کہ نہ واسطے اختیار کیا جائے کہ وہ حیاتِ آخرت کی کامیابی کو آسان بنائے اور کامیابی کو اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کلید ہے۔ پس جس کو یہ محبوب ہو وہ نہم اختیار کرے ورنہ اللہ نے ضروری نہیں ٹھہرایا ہے۔

یہ تو ہوی نہ کہ آخری قدر و قیمت اور اس کی افادیت اس پہلو سے کہ وہ دنیا سے دھوکہ کھائے، آخرت کو بھول جانے اور راہِ تقویٰ سے بھٹک جانے کے امکانات کو کم کرتا ہے۔ لیکن وہ اس عرضی قدر و قیمت کے علاوہ ذاتی قدر و قیمت بھی رکھتا ہے۔ یعنی وہ اپنی اس حیثیت سے قطع نظر کہ وہ راہِ تقویٰ پر گامزن رکھنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے، بذاتِ خود بھی اللہ کی نظر میں محبوب ہے اور حیاتِ آخری پر

اس کا ذاتی اثر بھی پڑتا ہے۔

یہ چیزیں قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ احادیث رسول کریم سے بھی معلوم ہوتی ہے اور آپ کی اور آپ کے اصحاب کرام کی سیرت بھی اس باب میں رہنمائی کرتی ہے۔
قرآن کہتا ہے:-

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ اور اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے صبر کرنے والوں کو۔

اور ظاہر ہے کہ نہ یہ بھی صبر ہی کی ایک خاص قسم ہے، نہ خود قرآن مجید اس حقیقت کا شاہد ہے۔ اہل دنیا کو دیکھ کر ان کی دنیا پر رشک کی نظر ڈالنے والوں سے اہل علم و معرفت کی زبانی کہلوا گیا ہے۔

وَمَلِكُمْ حَٰوِبَ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّنْ آمَنَ براہو تھارا (سوچتے نہیں ہو کہ) ایمان والوں

وَعَمِلْ صَالِحًا وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الصّٰبِرُونَ اور نیکو کاری کی زندگی گزارنے والوں کو،

اللہ کی طرف سے دیا جانے والا صلہ اسے

(القصص ۸۴) کہیں بہتر ہو۔ مگر یہ یقین کا حصہ ہے جو صبر کریں۔

یہ تو ہوا زندگی کے اندر محبوبیت کا ثبوت۔ اور پھر اسی میں ضمنی بات بھی ثابت ہو گئی کہ آخرت کے لیے دنیوی نعمتوں سے نظر پھیر لینے اور دنیوی نقد پر آخری ادھار کو ترجیح دینے کا عند اللہ بڑا اجر ہے۔ یہی مضمون ایک دوسری جگہ یوں بیان ہوا ہے۔

فَمَنْ لِّلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ خوشامد ہوتی ہو گوگوں بحث مرغوب چیزوں کی شقا

مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْعَنَاطِرِ الْمَقْطُوۡۃِ عورتوں اور بیٹوں کی اور سونے چاندی

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ کسے ڈھیروں کی عمدہ گھوڑوں اور موشیوں

وَالْاَنْعَامِ وَالْخَرْثِ ذٰلِكَ لَمُتَّعًا اور کھیتی باڑی کی۔ یہ سب سارے دنیاوی

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُخَذِّلُ مَنْ يَّشَاءُ

حُتَّ الْمَالِ (آل عمران ۱۴۶) بہترین ٹھکانا۔

اور ایک اور جگہ دنیا کے مقابل میں آخرت طلبی کی فضیلت یوں بیان فرمائی گئی ہے:-

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا اور جس نے مراد بنایا آخرت کو اور کوشش

سَعِيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ
 کلاں سَعِيَّتُهُمْ مَشْكُورًا
 کی اس کے لیے کماحقہ اور وہ جو صاحب
 ایمان۔ تو یہی لوگ ہیں جن کی ساعی ٹھکانے
 لگیں گے
 (نبی امراء میں ۲۶)

قرآن کے بعد احادیث کو دیکھیے:-

ایک صحابی سوال کرتے ہیں کہ حضور مجھے ایسی چیز بتائیے کہ میں اگر اس کو اختیار کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت فرمانے لگے حضور جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:-

اِنَّهُدَىٰ فِي الدُّنْيَا يُجِبَّكَ اللهُ الْحُبَّ
 دنیا سے بے منتہی اختیار کرو اللہ تعالیٰ تم
 سے محبت فرمائے گا۔

دیکھیے اس کا جواب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ فرائض ادا کرو اور منہیات سے بچو۔ یا مختصر یہ کہ اللہ کے احکام پر چلو، کیونکہ یہ چیز بھی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا باعث ہے، مگر یہ نہیں فرمایا گیا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صحابی کا سوال خصوصی محبوبیت کے متعلق تھا اور خصوصی محبوبیت حاصل کرنے کے لیے زہد کی ضرورت ہے۔ بالکل اس طرح جیسے کہ فرائض پر نوافل کا اضافہ مزید تقرب کا باعث ہوتا ہے۔

ایک دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیے۔

قال رسول الله صلى الله عليه
 وسلم من تركك لبس ثوب
 جمال وهو يقدر عليه (وفی
 روايته تواضعا) كساه الله
 حُلَّةَ الكرامة
 حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے قدرت رکھنے کے باوجود عذرہ لباس ترک کیا اور
 ایک روایت میں جو کہ تواضعا ترک کیا تو
 اللہ تعالیٰ اس کو (قیامت میں) خلعت ہزار
 پہنائیں گے۔

کتنا کھلا ہوا ثبوت ہے اس بات کا کہ زہد ایک ذاتی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اور اس پر آخرت میں غیر معمولی اثرات مرتب ہوں گے۔

احادیث اس باب میں اور بھی بہت ہیں۔ اور بقول امام نوویؒ ”اکثر من ان تحصر“ مگر اثبات

دعا کے لیے یہی دہبت کافی ہیں۔۔۔۔۔ اس کے بعد دیکھئے کہ حیران خلائق اور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اس باب میں ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بلا ادنیٰ شک و شبہ کے، بطریق تواریخ معلوم ہے کہ آپ نے دنیوی نعمتوں سے تنہ میں انتہائی احتیاط برتی اور باوجودیکہ آپ ہی نے ان کی اباحت کی تعلیم دی مگر خود بقدر رکھات (قوت لایوت) پر اکتفا فرمایا۔۔۔۔۔ کیا آپ کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہو کہ دنیوی نعمتوں سے کچھ زیادہ متاع آپ کے دل کو دنیا میں پھنسا سکتا تھا؟ آخرت کی تسکیر کو کم کر سکتا تھا اور راہ تقویٰ سے ہل بڑھ بھی آپ کو ہٹا سکتا تھا؟ حاشا! کوئی مومن ایسا لگان نہیں کر سکتا!۔۔۔۔۔ پھر یہ زہد کس لیے تھا؟ یقیناً اس میں بیکڑوں حکمتیں ہوں گی۔ اور امت کے لیے رحمت و ہدایت کے بے شمار پہلو اس میں نکل سکتے ہیں۔ مگر کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے لیے اس کا اصل محرک ذہن کی یہی فیصلت تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر محبوب ہو۔ اور اس کی محبت چاہنے والوں کا یہی مشیہ وہ ہونا چاہیے۔ اور اس کا بہت بڑا اجر آخرت میں ملنے والا ہے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ چٹائی پر بغیر بستر کے آرام فرما رہے ہیں اور آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات پڑ گئے ہیں۔ اور جھڑے کے ایک ایسے تیکہ پر سہارا لے ہوئے ہیں جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ حضور کی امت پر کثادگی فرمائے۔ اس نے کہا اہل فارس و روم کو کثادہ حالی بخشی گئی ہے ورنہ خدایک وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔۔۔۔۔ حضور نے ارشاد فرمایا: عمر! تم اور یہ خواہش؟ اہل روم و فارس جن کا تم ذکر کرتے ہو، یہ تو وہ لوگ ہیں کہ عجالت لھم طیبھا انھم فی الحیاۃ الدنیا (ان کے حصہ کی نعمتیں دنیا ہی میں دیدی گئی ہیں) اور ایک روایت میں ہے کہ اما ترضی ان تلکون لھم الدنیا ولنا الآخرة (کیا تم اس پر راضی نہیں ہو

کہ ان کے حصہ میں دنیا ہو اور ہمارے حصہ میں آخرت؟) (بخاری و مسلم)

خط کشیدہ فقرہ پر غور فرمائیے! کتنی صاف طور سے یہ بات ٹپک رہی ہے کہ حضور کا دنیوی

لذتوں اور راحتوں سے اجتناب اس یقین کے ماتحت تھا کہ اس کا صلہ آخرت میں ملنے والا ہو۔ اور ممکن ہے کہ قدر کفایت سے زیادہ لینے کی صورت میں آخرت کے حصہ میں کمی واقع ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تو اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ ایک مرتبہ آپ کو پیاس لگی۔ پانی مانگا تو تھوڑا سا شہد لا کر پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا:-

اِنَّهُ كَطَيْبٍ دَلَفْنِي اَسْمَعُ اللّٰهَ
عَزَّوَجَلَّ نَعْنِيْ عَلٰی قَوْمٍ شَهَوَاتِهِمْ
فَقَالَ " اَذْهَبْتُمْ طَيِّبًا فَلَمْ تَنِيْ حَيٰوَتِكُمْ
الدُّنْيَا فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا " فَاَخَذَ
اِنْ تَكُوْنُ حَسَنَاتِنَا حَجَلَتْ لَنَا -
فَلَمْ يَشْرِبْهٖ -
بے شک یہ پاک اور صلال ہے۔ لیکن میں سن رہا ہوں اللہ تعالیٰ کو مذمت فرماتے ہوئے ایک قوم کی لذت پسندی کی۔ فرمایا جا رہا ہوں " تم نے اپنے حصہ کی نعمتیں لے لیں اپنی دنیاوی زندگی میں اور ان سے خواہ مخواہ کر لیا۔ پس میں ڈرتا ہوں کہ ہمارے حصہ

کی اچھی چیزیں بھی کہیں (اس طور پر) دنیا ہی میں نہ دیدی جائیں۔ اور اس شربت کو نہیں پیا۔

یہ غالباً اور خلافت کا واقعہ ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضور کے دوسرے خاص اصحاب کرام کا بھی یہی حال تھا۔ بلکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تو اس طرح کی زندگی گزارنے کو افضل اور ادلی ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دیتے تھے۔

اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھا کر کہتے ہیں کہ صرف یہی نہیں کہ نہ ایک ذاتی قدر و قیمت رکھتا ہے اور وہ ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت اور ازدیاد و اجتماع آخرت کا ذریعہ ہے، بلکہ ایمان بالآخرت کا مین تقاضہ بھی ہے جس مومن پر ایمان بالآخرت کا حال جس قدر غالب ہو گا۔ اور جس قدر

لے اور یہ ایک ہی واقعہ نہیں بلکہ مندرجہ خلافت ہوتے ہوئے بھی آپ کی پوری زندگی کا رنگ ہی تھا۔ اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ آدمی الٰہ رکھنے ہوئے بھی آرام سے زندگی گزارے بلکہ اپنے اہل کا مصروف اپنی ذات کے علاوہ دوسرے امور پر نہ کرنا ہے۔

جس بندہ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ ”ان الدار الآخرة لھی الحیوان“ — ”والآخرة خیرٌ والبقی“ اور اللہم لا تعیش الا عیش الآخرة وہ اسی قدر اس دنیا کی راحتوں اور لذتوں، اور نعم و تحل سے گریزاں ہوگا۔۔۔۔۔ بات بالکل دوا در دو = چار کی طرح ظاہر ہے کہ اگر کسی دلیل کی حاجت نہیں، مگر کسی کو ضرورت ہی ہو تو وہ اس حدیث کو پڑھ لے۔

ایک دن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سامنے کچھ دنیا کا ذکر کیا (غالباً اچھے لباس وغیرہ کا) تو آپ نے فرمایا۔

الاستمعون الاستمعون، ان البزادة
من الایمان ان البزادة من الایمان
(رواہ ابو داؤد)

تقاضہ ہو۔۔۔۔۔ (غالباً یہاں ایمان سے مراد ایمان بالآخرت ہی ہو۔)

ادھ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس پر مہربان ہوتا ہے، جس پر اسکی خصوصی نظر کرم ہوتی ہے۔ اس کے دل میں وہ دنیا سے بالکل بے رغبتی اور آخرت کی بے پناہ طلب ڈال دیتا ہے اور قرآن میں جو فرمایا گیا ہو کہ ”ومن اسداد الآخرة وسعی لھما سعیدھا“ تو اس کی زندگی میں سعی للآخرة کی کیفیت اپنی انتہائی صورت میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔ اس کے دل کی اس کیفیت کو قرآن میں شرح صدر سے بھی تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ
صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ۔

ہدایت سے نوازا، کھول دیتا ہے اس کا سینہ

(الانعام ۱۱۶) اسلام کے لیے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور (شرح صدر کی تفسیر میں) فرمایا کہ تو جب سینہ میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہے میں اس کے سینہ میں ایک نور ڈالتے ہیں جس سے اس کا سینہ اسلام کے لیے پوری طرح کھل جاتا ہے (عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی کوئی ظاہری علامت بھی ہوتی ہے؟

قال نعم العجانی من دار العزوس فرمایا، ہاں! اسکی علامت یہ ہے کہ آدمی

والانابة الى دار الخلود دار غرور (دنیا) سے کنارہ کش ہو جائے۔ آخرت
والاستعداد للموت قبل کی فکر میں ڈوب جائے۔ اور موت کا وقت
خزولہ (رواہ المیتھی فی ثواب الايمان) آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنے لگے۔

گویا اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اسرارِ لالہ ابھی پوری طرح کھلے نہیں ہیں۔ اور دل ابھی اسلام کی حقیقت سے آشنا ہوا نہیں ہے۔

ان سب چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد ہم نہایت آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے اندر جو ہر کی صفت پائی جاتی تھی وہ خاص ان وقتی حالات کا تقاضا تھی جو ان کے ارد گرد تھے یعنی "اقامت دین" کے لیے دشمنانِ دین سے کشاکشِ ایام صفت نفسِ ایمان اور خاص کر ایمان بالآخرۃ کا تقاضا تھی؛ عارضی حالات نے اس پر مجبور کیا تھا، یا اس کی ذاتی قہر و قہمت اس کو اختیار کرنے کا اصل محرک تھی؛ ————— بیشک ابتدائے اسلام کے حالات ایسے ہی تھے کہ راحت و لذت کے حصول اور نعم و تجل کی طرف توجہ نہیں دی جاسکتی تھی اور اگر ایسا کیا جاتا تو اسلام کا کلمہ بلند نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر اس سے سمجھنا کہ انھیں حالات سے عہدہ براہونے اور اسلام کو ادیانِ باطلہ پر غالب کرنے کے لیے، داعیانِ اسلام میں زمہ داری دنیا کی ہسٹ بچو کی گئی تھی، انتہائی کم نظری اور روح دین سے بے خبری کی دلیل ہے۔

اور جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کا زہد وقتی حالات کے تقاضوں کے ماتحت تھا۔ اس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ

”چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ست“

قرآن و حدیث سے ناواقفوں کے لیے اس غلط فہمی کا امکان تھا۔ مگر فتحِ خیبر کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد کا وہی حال رہنے اور فتحِ روم و ایران کے بعد بھی عمر و عثمان اور علی و ابو عبیدہؓ اور سیکرٹوں دوسرے اصحاب کرام کے زلمہ اذطرز زندگی میں کوئی فرق نہ آنے سے قیامت تک کے لیے یہ بات صاف کر دی ہے کہ زہد وقتی مصالِح اور تقاضوں کے دروازہ اور اب ایک ذاتی قدر و قہمت رکھتا ہے۔ اور تقربِ الہی کی کچھ رنجیں وہ ہیں جنھیں ساری دنیا میں

ترقی کا صحیح راستہ!

(جناب ڈاکٹر محمد آصف صاحب قذافی ایم اے پی ایچ ڈی)

اصل موضوع پر کلام کرنے سے پہلے یہ بہتر ہو گا کہ ہم ترقی کے مفہوم کی بابت اپنے ذہنوں کو صاف کر لیں، کیونکہ ہمارے اس خوف اور لالچ کے برقی رفتار عہد نے مختلف قدروں ہی میں اہم تبدیلیاں نہیں کر دی ہیں بلکہ اکثر الفاظ کے قابو میں نئے نئے معانی ڈال کر قبول غالب خرد کا نام جنوں اور جنوں کا نام خرد رکھ دیا ہو۔ ہم کہتے کچھ ہیں اور ہمارا ذہن کسی اور طرف منتقل ہوتا ہو اور اس کے نتیجے میں ہمارے خیالوں میں پراگندگی اور سوچنے اور سمجھنے کے طریقہ میں کجی پیدا ہوتی ہے۔

یہ تو بھی جانتے ہیں کہ ترقی کے معنی آگے بڑھنے کے ہیں، لیکن سوال یہ ہو کہ کس طرف؟۔ ہم کس شخص یا کس قوم کو ترقی یافتہ کہہ سکتے ہیں؟ ہمارا زمانہ مغرب کے مروجہ بیت کا دامن ہو اور اور اگرچہ اب مشرقی قومیں بھی اپنے صدیوں کے خواہجے چونک کر غلامی کی زنجیریں توڑ کر اپنے گرد و پیش کو ٹھوڑی بہت تنقیدی نظروں سے دیکھنے لگی ہیں، مگر عام حالت اب بھی یہی ہو کہ جو کسے مغربی تہذیب ڈھال کر بھیج دیتی ہے وہ بلا تکلف ہمارے یہاں رائج ہو جاتے ہیں اور ہم کھڑے اور کھوٹے میں فرق کرنے کی رجسٹ نہیں گوارا کرتے۔

مغرب کا ذہن تمام تر مادہ پرست ہو اور اسے ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ یہ ٹمرہ ہو رومن

تہذیب کا اور رومن تہذیب کی بنیاد قدیم یونانی تہذیب نے رکھی تھی جو مادی ترقی اور حظ نفس کو مقصود بالذات سمجھتی تھی۔ چنانچہ اس کی تعمیر ہی میں اس کی خرابی کی صورت مضمر ہے۔

مغربی تمدن میں اولاً تو دینی شعور ہے ہی نہیں اور اگر کچھ ہے بھی تو وہ زمانے کے آگے آگے چلنے کے بجائے اس کے پیچھے چلتا ہے۔ اس تمدن کی بنیاد ابتدا میں سائنس اور صنعت و حرفت اور سیاسی جمہوریت پر رکھی گئی تھی۔ لیکن اس کی فسادناغلب و استعمار اور مرکز و قوموں پر ظلم و استبداد کے ذریعہ حاصل کی ہوئی دولت سے ہوئی اور ہو رہی ہے۔ اور پھر جوں جوں ترقی ہوتی گئی تن آسانی اور عیش پستی کی تمام باتیں اس کا جزو بنتی گئیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ عیاشی اور نمودنے آنا فروغ پایا ہے کہ اعلیٰ اخلاقی خصائص تباہ ہوتے جا رہے ہیں لیکن اس کے شیدائی یہ نہیں دیکھتے کہ روحانی عنصر نہ ہونے کی وجہ سے مغربی تمدن کس تیزی سے ہلاکت کی طرف جا رہا ہے۔

ایڈورڈ گین نے تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "تاریخ دراصل چرموں غلطیوں اور نوع انسانی کی بے نیسیوں کے جبر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے" ہم بغیر کسی قصر یا غلط بیانی کے یہی تعریف مغربی تمدن کی تاریخ پر بھی چپ پا کر سکتے ہیں۔ دو عظیم جنگیں، فسطائیت، ایم بم ہائیڈروجن بم اور نہ جانے کتنے دوسرے فتنے اس کے بطن سے پیدا ہو چکے ہیں اور اب پھر تیسری اور ہولناک ترین عالمی جنگ کے بادل اٹھنا ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

ان سطور سے ہمارا مقصد مادی ترقی کی نفی کرنا نہیں ہے، صرف یہ دکھانا ہے کہ اگر دنیاوی ترقی روحانی اور اخلاقی شعور کے ماتحت نہ ہو تو وہ کس وجہ خطرناک اور موجب خطرات بن جاتی ہے۔

جس طرح انسان میں جسم اور روح کا امتزاج ہے اسی طرح اس کی ترقی کے بھی مادی اور روحانی دو پہلو ہیں اور دنیاوی ترقی کسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب اسے اطاعت الہی کے زیر سایہ حاصل کیا جائے۔

جو تمدن ان دونوں میں سے کسی ایک کا ساتھ چھوڑے وہ غیر معتدل اور ناقص ہے۔ صحیح تمدن وہی ہو جو دونوں کے مطالبوں اور تقاضوں کو تسلیم کرے اور ان میں عدل کرے،

اور اپنے سامنے یہ نصب العین رکھے کہ انسان کے مادہ کے ڈھیر کو انسانیت میں تبدیل کرنا ہی ترقی کا صحیح مفہوم ہے۔

لیکن اس متوازن ترقی کا راستہ صرف اسلام دکھا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک طرف مادیت کی نفی نہیں کرتا اور نہ اس کے امکانات اور تقاضوں سے صرف نظر کرتا ہے۔ اور دوسری طرف وہ ان بنیادی روحانی اور اخلاقی قدروں کا بھی محافظ ہے جو مادہ کے ڈھیر کو انسانیت میں تبدیل کرتی ہیں۔ ہم نے سب سے بڑی غلطی یہ کی ہے کہ دنیوی علم و عمل سے دین کا رابطہ توڑ دیا ہے۔ کہیں صرف مادی ترقی اور دنیوی بہبودی پر زور ہے کہ قابل توجہ یہی چیزیں ہیں اور اگر دینی اصول ان کی راہ میں رکاوٹ بنے، نئے نظریاتیں تو انہیں بلا جھجک قلمزد کر دینا چاہیے، اور کہیں مذہب ہی بمعنی ماری توجہ کا مرکز بننا ہوا ہے کہ قدیم تعلیم و تہذیب کے دائرہ میں محدود رہو ورنہ جدید تعلیم و تہذیب تم کو جہنم میں پہنچا دے گی۔ نئے علوم و فنون جاننے والے طبقہ کی اکثریت اپنے قدیم تہذیبی سرمایہ سے ناواقف ہونے کے باعث دین سے عدم التفات کو ترقی کا وسیلہ سمجھتی ہے اور قدیم علوم و فنون کے اکثر وارث عصری رجحانات سے بے خبری کی وجہ سے پرانی بحثوں اور روایتی انداز فکر کے اسیر ہیں، اور مذہب کے سانچے میں ڈھال کر ایک ترقی یافتہ اور متوازن تمدن کی تشکیل کی ضرورت یا تو محسوس نہیں کرتے یا خود کو اس کا اہل نہیں مانتے۔

عام مسلمانوں کی اسلام سے وابستگی کی نوعیت شعوری نہیں بلکہ جذباتی ہو گئی ہے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے جموں میں ٹھہر ٹھہری اب بھی پیدا ہو جاتی ہے، مسلمانوں کی زبوں حالی سے دل اب بھی متاثر ہوتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دل سے تو ہم اسلام کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں مگر سوچتے غیر اسلامی طریق پر ہیں اور زندگی غیر اسلامی اصولوں پر مرتب کرتے ہیں۔ بعض حضرات دین سے سیاست کا کام لینا چاہتے ہیں، بعض تجارت کا اور زیادہ تر تو اس سے کوئی کام ہی نہیں لینا چاہتے۔ حال و قال کا یہ بعد ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر چھایا ہوا ہے۔ خدا کو مالک اور آقا مان کر کوچہ غیر میں گداگری کرتے ہیں، ہم کو شرم نہیں آتی۔ جھوٹ کو ام البنات تسلیم کر کے چند بیگہ زمین کے لیے جھوٹا صلعت اٹھا لینا ہمارے اندر کوئی الجھن نہیں پیدا کرتا۔ بڑھتی ہوئی خود غرضی اور باہمی عداوت سے بے بسی طور پر عبرت اندوز ہونے کے لیے ہم ہر وقت تیار رہتے ہیں لیکن اپنی روزمرہ زندگی

میں خلوص، ایثار اور خدمت کے جذبات پیدا کرنا ہمارے لیے محال ہے۔ مالی اعتبار کے باوجود محنت اور کفایت شعاری پر ہماری طبیعتیں نہیں مائل ہوتیں۔ غرض خدا اور آخرت پر ایمان اور ہماری نازیں اور ہمارے روزے ہم کو خود غرضی، جھوٹ، قوت پرستی، دولت کی طمع اور اس طرح کے دوسرے روحانی و اخلاقی امراض سے نجات دلانے میں کارگر نہیں ہوتے، حالانکہ انہیں ایسا ہونا چاہیئے۔

سرچارلس لائل نے بڑے مزہ کی بات کہی ہے کہ ”ایشیا جیسا علمی ریاست کا اسکول کہیں نہیں ہے۔ جہاں نیکی اور انصاف کے نہایت پاکیزہ اور قابل تعریف اصولوں کے ساتھ چھین لو اور دبا بیٹھو کا پرانا طریقہ اسب بھی رائج ہے اور جہاں افعال اور عملات کا تضاد کسی کو مطلق نہیں کھٹکتا۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ آیا تنہا ایشیا ہی اس الزام کا مستحق ہے اور دنیا کے دوسرے بڑے عظیم اس سے بڑی ہیں۔ سوچنا یہ ہے کہ کل ایشیا پر یہ بات صادق آتی ہو یا نہ ہو مسلمانوں کی حالت ضرور ایسی ہی ہے۔ ان کے یہاں عقائد اور اعمال میں مناسبت ہی معدوم نہیں بلکہ اس عدم مناسبت پر ان کا ضمیر ہلکی سی جھپکی بھی نہیں لیتا۔ اور یہ اس لیے ہو کہ اسلام سے ان کے تعلق کی نوعیت محض طبعی، رسمی اور نسلی ہو گئی ہے۔ دینداری کے معنی چند عقائد کا امتداد اور چند رسوم کی ادائیگی سمجھ لیے گئے ہیں اور زبان سے اسلام کے ”دین عمل“ اور ”ضابطہ حیات“ ہونے کا لالچ دھوکا دیا جائے معاشرت میں خوف خدا کو راہ نہ بنانے پر کوئی راضی نہیں ہو۔ اسلام کی عظیم الشان عمارت کے چار ستون ہیں (۱) اعتقادات، (۲) عبادات، (۳) اخلاقیات، اور (۴) معاملات۔ حضور سرور کائنات کی رسالت کا یہی طرہ امتیاز ہے کہ وہ ان چاروں عنوانات کا مجموعہ تھی۔ آپ نے حقیقت بار بار دہرائی کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہو اور دوسرا اپنے خالق کی مخلوقات کے ساتھ یعنی اس کا ایک رخ عالم غیب کی طرف ہے اور دوسرا عالم شہود کی طرف۔ خدا اور بندہ کے تعلق کے جن حسبہ کا تعلق ہماری قلبی و ذہنی کیفیات سے ہو ان کو اعتقادات کہتے ہیں اور جن احکام کا تعلق ہمارے جسم و جان اور مال و دولت سے ہو وہ تین ابواب یعنی عبادت، اخلاق اور معاملہ میں تقسیم کر دیے گئے ہیں۔ اسلام کی تکمیل کے لیے ان چاروں کا استحکام ضروری ہے نجات کا مدار ایمان اور عمل صابح دونوں پر ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں آیتوں کے ساتھ ساتھ ”وَعَلُوا الصَّالِحَاتِ“

پر ہمیشہ زور دیا گیا ہے۔

در اصل اعمالِ حسنہ ہی ایمان کی نچتگی کی پہچان ہیں، ویسے ہی جیسے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص ایمان کا تو دعویٰ دار ہو مگر اس کے اعمال میں ایمان کے مطابق اچھائی نہ پائی جاتی ہو تو یہ کھلی ہوئی علامت اس بات کی ہوگی کہ ایمان اس کی زبان سے اتر کر اس کے دل اور اسکی شخصیت کی گہرائیوں تک نہیں پہنچا ہے۔ احادیث میں اس مضمون کی کمی نہیں مثلاً

”مومنوں میں اسی کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں“ (سنن ابی داؤد)

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں جب تک وہ اپنے بھائی یا پڑوسی (راہی کو شک ہو) کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہو۔“ (بخاری)

”جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں“ (بخاری)

”اچھے خلق ہی کو اسلام کہتے ہیں“

”قیامت کی ترازی میں حسنِ اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی اور چیز نہیں ہوگی“

”خوش اخلاق دنیا و آخرت کی نیکی کو لے گیا“

”بخل اور بد اخلاقی دو ایسی چیزیں ہیں جو مومن میں کبھی جمع نہیں ہوتیں“

”جو آدمیوں کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے وہی زیادہ اچھا آدمی ہے“

”جس کا ہمایہ اس کے شر سے محفوظ نہیں وہ سنان نہیں“

مختصر یہ کہ اسلام اور زندگی میں ایک نہ ٹوٹنے والا رابطہ اور علاقہ ہو اور اس کی ہمہ گیر تعلیم کے ثمرات سے ہم تب ہی اپنی بھولیاں بھر سکتے ہیں جب ہم اس کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی کر لیں۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی ترقی کا مدار اپنے اندر سچا نہ ہو جلد بہ بیدار کرنے پر ہو تاکہ ہمارے تمدن کی بنیاد ابدی اخلاقی قدروں پر ہو۔ وہ طرز زندگی اور

وہ تمدن جو مادی اغراض سے مغلوب ہو کر منشاء سے حق کو پس پشت ڈال دیتا ہے خود بھی برباد ہو جاتا ہے اور انسانیت کو بھی کھوکھلا کر دیتا ہو۔ اس کی تعمیر ریت کی دیواروں پر ہوتی ہو اور جب وہ اپنے ہی پیر ایکے ہوئے معائب کے بوجھ سے بیٹھنے لگتا ہے — جیسا کہ ضروری ہے — تو ہمایوں کو بھی تباہ کر ڈالتا ہے۔ یہی تاریخ کا فیصلہ ہے، لیکن جن کی آنکھیں مغرب کی جگہ گاہٹ سے خیرہ ہو گئی ہیں وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی عمر ابھی صرف ڈیڑھ سو سال ہی ہے اور اتنی ہی عمر میں جو تاریخی اعتبار سے کچھ بھی نہ ہوئی، اس میں انحطاط کی علامتیں پیدا ہو گئی ہیں اور اس کے مستقبل کی بابت سخت اندیشے ظاہر کیے جا رہے ہیں۔

تمدن اپنے عروج کو نہیں پہنچ سکتی جب تک انسان اپنی زندگی کا رشتہ رضائے الہی سے نہ جوڑے، اور مادی ترقی صرف اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب روحانی اور اخلاقی اقدار سے اس کا رشتہ قائم رہے۔ ایک متوازن اور عادلانہ نظام تمدن تشفی نفس نہیں بلکہ استلب نفس ہی کے سہارے وجود میں آ سکتا ہے اور مسلمان کسی اور ذہنی فضا میں مسلمان کی حیثیت سے ترقی نہیں کر سکتے۔

ہم کو چاہیے کہ اسلام کے آب حیات سے اپنے معاشرہ کو سیراب کریں ہم ہیں ایک ایسی جامعیت جو اسلام کے عقائد اور اصولوں کو لے کر علم و عمل کے میدان میں آگے بڑھے اور زندگی کے نشیب و فراز اور اس کے ہمیشہ بدلتے ہوئے حالات اور مسائل میں ان کو برت کر دکھائے تاکہ قوم کو صحیح عملی ہدایت ملے اور قومی مزاج میں نچتہ دینی شعور اور خود اعتمادی پیدا ہو۔ یہی چیزیں ترقی کے صحیح راستہ پر لگا سکتی ہو اور اسی کی اس وقت ضرورت ہے اور اگر نظر کو ذرا وسیع کر کے دیکھا جائے تو قرآن کی اس آیت میں بھی ہم کو یہی حکم ملے گا۔

وَلٰكِنْ يَّسْتَكْبِرُوْنَ فَهِدْ عَنَّا
اَلَمْ يَكُنْ لَّآلِہٖ اَنْزِلَہٗ فَاِذَا مَسَّوْنَ بِالْمَعْرُوْثِ
وَيَنْصَوْنَ عَلٰی الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلٰحُوْنَ۔

یعنی جس طرح ہماری فلاح اخروی کا ضامن ہے۔ دنیوی فلاح و ترقی کے صحیح راستہ پر پڑنا بھی اسی پر منحصر ہے۔

ہم نے قیمتی سے اسلام کی سماجی اہمیت کو پوری طرح نہیں سمجھا اور یہ نہیں دیکھا کہ یہی وہ صفت تھی جس نے اسلام کو روایتی مذاہب سے ممتاز کر کے اُسے ایک تاریخی حقیقت بنا دیا تھا۔

ہماری تاریخ کے نازک دوروں میں ایسی عظیم المرتبت شخصیتیں ضرور ابھریں جنہوں نے معاشرے کے بارے میں اپنے فرض کی ادائیگی میں اپنی جانوں تک کی بازی لگا دی اور یہی وجہ ہو کہ اسلام اندر و باہر کے بیشمار خطروں کا مقابلہ کر کے آج بھی ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے قائم ہے۔ لیکن عام طور پر ہمارے دینی رہنماؤں کی اکثریت نے اس ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا، نہ ذہنی اور علمی سطح پر احد نہ عمل کے میدان میں۔ مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں اور گھروں، کالجوں، کھیتوں اور کارخانوں کی درمیانی سطح پر پُل بنانے کی کوشش اُدھوری ہی رہی اور زندگی کو دین سے اور دین کو زندگی سے قوت کی لہریں جیسی کہ پہنچنی چاہیے تھیں نہیں پہنچ سکیں۔ انجام کار دین و دنیا کی تفریق اور اس بارے میں افراط و تفریط پوری قوم کا مزاج بنا ہوا ہے جو ہزاروں بیوں کی جڑ ہے۔

اسلام کی وسعت کے اندر انسان کی پوری زندگی کے کام داخل ہیں جن کے کسب و خوبی انجام دینے کے لیے وہ خلق کیا گیا ہے۔ دراصل اسلام آیا اسی لیے تھا کہ اپنے پیروں کے پاؤں کے نیچے دونوں جہانوں کی بادشاہی رکھ دے (سیرت ابن ہشام جلد اول)۔ یہ ہماری کم نصیبی ہو کہ ہم اس سے یہ کام نہیں لیتے جب تک ہم نے اسلام کی روح سے اپنی رحوں کو منسلک رکھا دینا ہے اس صداقت کا حیرت انگیز مظاہرہ دیکھا لیکن خلافت راشدہ کے بعد جب یہ رشتہ کمزور پڑ گیا اور ملک گیر مسلمانوں کے فعال طبقہ کا نمایاں مقصد بن گئی تو اسلام ایک سیاسی قوت کی طرح دنیا کے بڑے حصہ پر تو بھایا رہا، مگر اس کے ہم سے اس کی روح جدا ہو گئی۔ یہ کوئی اچھی شکل نہ تھی اور انجام اس کا وہی ہوا جو ہر ایسی سیاسی طاقت کا بالآخر ہوتا ہے جو اچھے اخلاقی اصولوں سے تربیت نہیں لیتی۔ روحانی امراض نے معاشرہ کو کھوکھلا کر دیا، زندگی کے عناصر کمزور پڑ گئے اور رفتہ رفتہ دولت و حکومت بھی جاتی رہی۔

ہماری بہبودی اسی میں ہے کہ ہم روحانیت اور مادیت کے امتزاج کی اسلامی تشریح و توضیح کو اپنی اتہاسی زندگی میں جذب کر لیں۔ جب تک یہ نہ ہو گا ہم ترقی سے یوں ہی محروم رہیں گے، جیسے کہ آج ہیں۔

مسئلہ تعدد ازواج

— اور —

اس دور کے متجددین

ان متجددین کے افکار پر جو کچھ ہمیں کہنا تھا وہ تمام ہو چکا۔ اور اسی تنقید میں ضمناً تعدد و انداز کے بارے میں صحیح اسلامی نقطہ نظر بھی واضح ہو گیا ہو۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ چند سطروں میں اس نقطہ نظر پر مستقلاً اور مثبت طور سے بھی روشنی ڈال دیں۔

ہمارے خیال میں اس مسئلے پر سوچنے کا سب سے بیدار اور مختصر راستہ یہ ہو کہ یہ دیکھا جائے کہ شادی کی سماجی یا مذہبی مشرودہیت کا سب سے اہم اور سب سے طاقتور داعیہ کیسا ہے؟ اس کا جواب غالباً اس کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا کہ — انسان کی جنسی تسکین! جو اس فطرت کا تقاضہ ہے۔

اب دوسری بات یہ دیکھنی چاہیے کہ مذہب یا سماج نے اس تقاضہ کی تکمیل کے لیے انسان کو باضابطہ شادی کا پابند کیوں کیا ہے؟

اس کا جواب بھی شاید بس ایک ہی ہو سکتا ہو کہ اگر یہ پابندی عائد نہ کی جاتی تو انسان آزادانہ شہوت رانی کرتا اور آزادانہ شہوت رانی کے مفاسد کو نہ کوئی مذہب برداشت کر سکتا ہو اور نہ کوئی صالح سماج!

اچھا اب تیسری بات یہ بتلائیے کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہو کہ ہی فطری جذبہ بعض انسانوں میں اس درجہ کا ہوتا ہے جو ایک عورت سے تسکین نہیں پاتا؟ — اگر یہ واقعہ ہو؟ اور یقیناً ایسا ناقابل

انکار واقع ہو؛ تو پھر سوچئے کہ اگر اسلام اس جذبہ کی اس نوعیت کو نظر انداز کر دیتا تو پھر وہ ہر پہلو سے دین فطرت کملانے کا کیسے مستحق ہو سکتا تھا؟ اسے انسان کی تمام ضروریات کا کفیل کیسے کہا جاسکتا تھا؟ اور اگر وہ ازدواجی رشتہ کی مشرکہیت کو یک زدگی میں محدود کر دیتا تو ان مفاسد کا مکمل سدباب کیسے ہو سکتا تھا جن کے انداز کے لیے انسان کو جنسی تسکین کے حصول میں ازدواجی رشتہ کا پابند بنایا گیا تھا؟ اسلام کے دین فطرت ہونے کا تقاضہ ہو کہ وہ اس جذبہ کی اس نوعیت کو تسلیم کرے اور اس کی تسکین کا جائز راستہ پیدا کرے! — اور اس کا راستہ تعدد ازدواج کو جائز قرار دینے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہو؟ — علیٰ ہذا جن مفاسد کے سدباب کے لیے انسان کو جنسی جذبہ کی تسکین میں ازدواجی رشتہ کا پابند بنایا گیا تھا، عین انہیں مفاسد کا تقاضہ ہو کہ اس کے ساتھ تعدد ازدواج کی اجازت بھی دیکھائے۔ ورنہ جہاں یہ جذبہ اس خاص نوعیت کا ہوگا وہاں اس بات کا پورا امکان ہوگا کہ انسان پھر اس آزاد شہوت رانی کی طرف لوٹ چلے جس سے بچانے کے لیے اس کو ازدواجی رشتہ کا پابند بنایا گیا تھا!

اب فیصلہ کیجئے کہ اسلام کی فطرت سے ہم آہنگ یک زدگی کی پابندی پویا تعدد ازدواج کی اجازت؟ — اور پھر تعدد ازدواج بھی کون سا؟ غیر جنسی ضرورتاً اور اتفاقی حالات کے ساتھ مشروط — یا — مطلق؟ —

لیکن مطلق اس معنی میں نہیں کہ جنسی تعداد چاہو بڑھ کر لو۔ بلکہ مطلق اس معنی میں کہ جس ضرورت سے بھی چاہو چار تک کر سکتے ہو، البتہ ایک شرط ہو کہ سب بیویوں کے درمیان معافیہ عدل کا رکھو! — پس جو شخص اس شرط کا لحاظ نہیں رکھتا وہ یقیناً اس اجازت کا غلط استعمال کرتا ہو اور اسے انڈے سامنے اس کی جوابدہی کرنا ہوگی۔

آپ کہیں گے کہ پھر چار کی تحدید کیوں کی گئی؟ چار سے زیادہ کی بھی تو ضرورت ہو سکتی ہے؟ پھر اس ضرورت کا تو اسلام کفیل نہ ہوا۔ اور ان مفاسد کے سدباب میں ایک رخنہ پھر بھی رہ گیا جن کی وجہ سے تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی تھی! — ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ جو انسان اور اس کی ساری قوتوں کا خالق ہے وہ یقیناً اس بات سے سب سے زیادہ واقف ہو کہ ایک انسان کی زیادہ سے زیادہ جنسی قوت کو یک وقت کتنی عورتوں کی

ضرورت ہو سکتی ہو۔ اس لیے اس کی طرف سے چار کی تحدید اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہو کہ اس تحدید کے بعد، بیک وقت چار سے زیادہ کی ضرورت کسی انسان کو نہیں ہو سکتی۔ اور یہی یقین ہے کہ اس پر اگر ریسرچ کی جائے تو حقیقت یوں ہی نکلے گی!۔ مگر یہ واضح رہے کہ سوال ضرورت کا ہو عیاشی کا نہیں!

دوسرا سوال یہ کیا جاسکتا ہو اور کیا جا رہا ہو کہ جس طرح مرد کو ایک سے زیادہ عورتوں کی ضرورت ہو سکتی ہو۔ اسی طرح بعض اوقات ایک عورت میں بھی تو صنفی عمل اس قدر شدت پذیر ہو سکتا ہے کہ وہ فرد واحد سے تسکین نہ پاسکے؟ ہم اس کے جواب میں سب سے پہلے تو وہی بات پھر یاد دلائیں گے کہ سوال ضرورت کا ہونا چاہیے۔ عیاشی کا نہیں، اور اس کے بعد عرض کریں گے کہ یہ اعتراض محض ہائے اعتراض ہو۔ اس کی کوئی سی بھی کل سیدھی نہیں۔

اولاً تو یہ سوچنا چاہیے کہ جن مفاسد کے سد باب کے لیے مرد کو تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی تھی کیا عورت کو اس کی اجازت دینے کے بعد وہ تمام مفاسد عود نہیں کر آئیں گے!۔ ہم اسکی تشریح میں جانا پسند نہیں کرتے۔ آپ خود سوچئے! ذرا غور و فکر سے سارے مفاسد کا نقشہ سامنے آ سکتا ہے۔

دوسرا پہلو سوچنے کا یہ ہو کہ اگر اس خیال میں ذرا بھی حقیقت ہوتی تو کیا وجہ تھی کہ جس طرح مردوں میں ہمیشہ تعدد ازدواج کا رواج رہا عورتوں میں کبھی نہیں رہا، کیا کسی فطری تقاضے کو اس حد تک دبایا جاسکتا تھا؟ اگر آپ کہیں کہ مردوں کے جبر و استبداد نے ایسا نہ ہونے دیا ہو گا تو کم از کم کبھی اس پر احتجاج تو عورتوں نے کیا ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ذرہ برابر بھی جان اس اعتراض میں نہیں ہے، یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک زیادہ قوی عورت صنف مغال کے کسی فرد خاص سے پوری تسکین نہ پاسکے، مگر یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا کہ اس صنف کا کوئی ایک فرد بھی اس مقصد کے لیے کفایت نہ کر سکے!۔ جو بات ہو سکتی ہے اور ہوتی ہو اس کا خدائے حکیم بخیر نے پورا خیال رکھا ہے اور اس کی شریعت نے ایسی صورت میں عورت کو اجازت دی ہے کہ وہ اس مرد سے طلاق حاصل کر لے، بلکہ اگر مرد طلاق نہ دے تو شرعی عدالت مرد کی خواہش کے علی الرغم عورت کو آزادی دلائے گی، اور پھر وہ دوسرے مناسب شخص سے نکاح کر سکے گی! اگر جو

بات نہیں ہو سکتی اس کا خیال کہاں سے رکھا جاتا؟۔ بات تو تہذیب کے خلاف ہو، مگر بعض عورتوں نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر محض شریعت، الہی کو مجرّح کرنے اور اسے منسوخ کرنے کے لیے یہ حیاء سوز مطالبہ کر ڈالا ہو۔ کہ مردوں کو اگر تعدد ازدواج کی اجازت دی جاتی ہے تو عورتوں کو بھی دی جائے،۔ تو کمنا پڑتا ہو کہ پاکستان کی وہ بیگمات جنہوں نے یہ شوشہ چھوڑا ہو ذرا اس کا تجربہ تو کر کے دیکھ لیں کہ آیا ان کی صنف اس مطالبہ کی لاج بھی رکھ سکے گی یا نہیں؟۔

تعدد ازدواج کی اجازت پر ایک اور اعتراض لوگ یہ کرتے ہیں کہ صاحب اس سے گھر کا سکون بر باد اور خاندانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہو، کئی بیویوں کے اجتماع سے ایک ناچاقی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ان سے عموماً ولاد ہوتی ہے وہ بجائے باہمی محبت اور یکجہتی کے جو خاندانی نظام کا سنگ اساس ہے، منافرت و عداوت لے کر پیدا ہوتی ہے، جس سے ایک خاندان کا شیرازہ بکھر کر نہایت مکروہ صورتیں سامنے آتی ہیں۔

یہ لوگ ایک ہی پہلو کو سوچتے ہیں اور دوسرا پہلو بالکل نظر انداز کرتے ہیں یا ہو جاتا ہے اس لیے ان کی رائے قانون الہی سے ٹکراتی ہو۔ اگر انسان میں یہ کمزوری نہ رہے اور جذبات یا حالات کا جاؤ معاملات کے بعض پہلو اس کی نظر سے اوجھل نہ کر دیا کرے تو اسے شریعت الہی میں کبھی کوئی اعتراض کی صورت نظر نہ آئے، مگر اکثر و بیشتر ایسا نہیں ہوتا اور ہمیں سے اعتراض کا پودا بھوٹتا ہے، اس مسئلہ میں بھی یہی ہوا ہے، انہوں نے اس پہلو کو تو سوچا کہ تعدد ازدواج پر عمل سے خانگی سکون اور خاندانی نظام پر بڑا اثر پڑے گا، مگر اس پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا کہ اگر یہ بات بند کر دیا جاتا ہو تو انسان کے دین و اخلاق کا کیسے کیا بیشک اس عمل سے خانگی سکون اور خاندانی نظام پر اثر پڑتا ہے، مگر اتنا نہیں جتنا بتلایا جا رہا ہو۔ اسی مکروہ صورتیں اگر کہیں پیدا ہوتی ہیں تو ان کا ذمہ دار تعدد ازدواج نہیں، بلکہ وہ غفلت ہو جو ایک عرصہ سے ہم اسلامی تعلیم و تربیت کی طرف سے برت رہے ہیں جس کے نتیجے میں ملے گھر و خوت خد سے خالی اور حقوق باہمی کے احساس سے عاری ہو چکے ہیں۔ اگر طبیعتوں میں اللہ تعالیٰ کا دُرُ آخرت کی عبادت ہی کی فکر اور باہمی حقوق کا احساس ہو تو تعدد ازدواج سے کبھی یہ صورتیں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ غصوڑا سا اثر ضرور پڑے گا۔ مگر وہ دین و اخلاق کی حفاظت کے لیے گوارا کرنا پڑے گا۔

جس طرح ہم بہت سی پھوٹی باتوں کو بڑی باتوں پر قربان کر دیتے ہیں۔ اور اس زندگی میں اس سے چارہ نہیں، اس کی مثالیں آپ کو قدم قدم پر نظر آئیں گی۔

اور پھر یہی دلیل تو بعینہ اس صورت میں بھی پیش کی جاسکتی ہو جب ایک صاحبِ اولاد بڑی کے انتقال کے بعد آدمی دوسری شادی کرے۔ اس صورت میں بھی تو یہی سب کچھ ہوتا ہے، تو کیا اس کا بھی دروازہ بند کرنے کے لیے کہا جائے گا؟ — بات حقیقت میں بس وہی ہو جو عرض کی گئی کہ یہ نتائج سارے اسی چیز کے ہیں کہ ہمارے دل خوب خدا، فکر آخرت اور دوسرے دینی احساسات سے خالی یا تقریباً خالی ہو گئے ہیں۔ لہذا فکر اس کی کرنی چاہیے نہ کہ شریعت کے اجزاء منسوخ کرانے کی یا انشرمیاں کو حکمت پڑھانے کی۔

تعداد از دواج کے متعلق آج کل جن خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے حقیقت یہ ہو کہ ان کا محرک یا تو خود غرضی ہے (یعنی اونچے طبقہ کی وہ نیکیاں جن پر مغربی تعیش اور فیشن پرستی کا بھوت سوار ہو، وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے ”صاحب“ کی آمدنی میں کوئی اور شریک ہو کر ان کی مسرفانہ زندگی پر اثر انداز ہو) اور یا مغربی تہذیب سے بے پناہ مرحوبیت ہو جو تعداد از دواج کے کسٹم پر طعن کرتی ہے۔ چنانچہ یہ مرحومین یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح مغرب کو یقین دلا دیں کہ اسلام میں تعداد از دواج کا کسٹم ہے ہی نہیں، اور اگر ہے تو وہ بعض ناگزیر حالات کے لیے ہو، جو قابل طعن نہیں — یہ ہیں ان خیالات کے محرکات۔ نہ یہ کہ یہ لوگ قرآن و حدیث میں غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، اور ایک دراندازانہ مطالعہ انھیں اس اظہار خیال پر مجبور کر رہا ہے — اللہ تعالیٰ اس مرحوبیت کو دور فرمائے اور قرآن و حدیث کو اس مرحوم یا مذہبیت کا تختہ مشق بننے سے بچائے۔

(حقیقیہ صفحہ ۲۳)

اسلام کا جھٹکا گڑنا، نظام حق قائم کر دینے کے بعد بھی، زہد و فقر کے بغیر چھوڑا نہیں جاسکتا۔
ہمارے اہل حقیقت سے کقدر ناواقف اور کیے دھوکے میں ہیں وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ بس ”اقامت الحکم الصالح“ کے لئے جدوجہد ہی اصل دین اور تقاضائے دین ہے اور باقی جو کچھ ہے وہ بس اس کے مقدمات و وسائل ہیں — اس کے سوا کچھ نہیں — کاش وہ جان سکتے کہ

تاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

مسلمانوں نے ہندوستان کو کیا دیا؟

سلسلہ ”ہندوستان میں مسلمان“ — دوسری مجلس

(مولانا شبہ ابو الحسن علی ندوی کی ایک یڈیائی تقریر، مترجمہ شبہ محمد حسنی)

اس مجلس میں حسب وعدہ یہ دکھایا جائے گا کہ مسلمانوں نے جو کبھی مبلغ اور داعی کی حیثیت سے! کبھی مجاہد اور فاتح کی صورت میں اور کبھی عالم اور نقیبہ کی شکل میں ہندوستان میں داخل ہوئے، اس ملک کو کیا فائدہ پہونچایا اور اس کو کیسے کیسے تحفے دیئے، اور اپنے طویل اور تابناک عہد میں اس کے دینی و ملی، اخلاقی، اجتماعی، صنعتی اور تہذیبی سرمایہ میں کیا اضافہ کیا۔

کبھی مسلمان اپنے شخصی اور ذاتی مفاد کو پس پشت ڈال کر محض اپنے دینی جذبہ کے ماتحت ہندوستان میں داخل ہوئے جس کا مقصد یہ تھا کہ اس ملک کے باشندوں کو اسلام کے عادلانہ پیغام سے روشناس کرائیں، لوگوں کو دنیا کی تسنگی سے بکمال کر دنیا کی کشادگی کی طرف لے جائیں اور ان کو رسم و رواج اور خود ساختہ ظالمانہ قوانین کی بیڑیوں سے آزاد کرائیں، جیسا کہ ان غلصہ داعیوں نے کیا، جن کے آغوش شفقت میں لاکھوں مظلوم اور بیکس انسانوں نے پناہ لی اور ان کے دامن سے وابستہ ہو گئے مثلاً حضرت سید علی ہجویریؒ، خواجہ معین الدین اجمیریؒ اور علی ابن شہاب ہدائیؒ۔

کبھی ان کی حیثیت ایک فاتح اور شورش کی تھی جیسے سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوریؒ، ظہیر الدین بابر تیموری وغیرہ جنہوں نے ہندوستان میں ایک عظیم الشان اور مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی

جس سے ملک و قوم کو عرصہ دراز تک فائدہ پہونچا اور زندگی کے مختلف شعبوں میں بڑی بڑی ترقیاں ہوئیں۔ انیس سے ہر ایک کا یہ عزم تھا کہ وہ یہاں اقامت کرے گا یا اس سے گہرا اور قریبی ربط رکھے گا، ان کا عقیدہ تھا کہ زمین اللہ کی ہو جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جو کچھ اللہ کا ہے وہ خلافت اور نیابت کی راہ سے۔ جس کے ذمہ دار مسلمان بنائے گئے ہیں مسلمانوں کا ہے۔ وہ اس ملک کو اپنا وطن اپنا مسکن اور اپنا دفن سمجھتے تھے اور کسی قیمت پر اس کو چھوڑنے کے روادار نہیں تھے، انھوں نے اپنی تمام طاقتوں اور دماغی صلاحیتوں کے ساتھ اس کی خدمت کی، اور اپنی تمام ذہانت اور نازک خیالی اس میں صرف کر دی، ان کا یقین تھا کہ وہ اس ملک کی دولت میں جو بھی اضافہ کریں گے وہ دراصل خود انکی اپنی دولت میں اضافہ ہوگا اور اس کا فائدہ سب سے پہلے خود ان کو اور آنے والی نسلوں کو پہونچے گا، اس لئے کہ اس ملک کے حقیقی وارث اور مستقبل کے فاتح یہی لوگ ہیں، چنانچہ قدرتی طور پر ہندوستان کے بائے میں ان کا طرز فکر اور نادیہ نظر مغربی استعمار پسندوں سے بالکل مختلف تھا جو اس کی تمام دولت اور خزانے تو اپنے ملک میں منتقل کر لیتے تھے اور اس کے بعد بھی اس کو جو تک کی طرح چوستے رہتے تھے۔

جب مسلمان ہندوستان میں داخل ہوئے اس وقت ہندوستان ایک قدیم کلاسیکل تہذیب و تمدن کا حامل تھا، اس کے پاس ایک قدیم فلسفہ تھا، ریاضی و اقلیدس کے دقیق علوم تھے میوے، پھل غذائی اشیاء اور کپے مال کا اچھا خاصہ سرمایہ تھا، لیکن اس کے باوجود وہ صدیوں سے دنیا سے منقطع ہو کر ایک گوشہ نشین سماج میں پڑا ہوا تھا، بقیہ انسانیت سے ایک طرف اس کو پھاڑ روکے ہوئے تھے اور دوسری سمندر امنہ دنیا کا آخری شخص جسے اس سرزمین پر قدم رکھا، وہ سکندر اعظم تھا۔ اس طور پر عظیم قوم صدیوں تک ایک محدود دائرہ میں بسی رہی، نہ وہ باہر سے افکار و مذاہب اور علوم و فنون قبول کرنے کی روادار تھی نہ دوسرے ممالک میں اپنے افکار و مذاہب برآمد کرتی تھی۔

مسلمان جب ہندوستان میں داخل ہوئے، اس وقت وہ مشرق بلکہ پوری تمدن و دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب قوم تھے، ان کے ہاتھ میں ایک نیا، معقول، سہل اور فطرت سے قریب مذہب تھا۔ ان کے پاس پختہ اور وسیع علوم تھے۔ ان کے ساتھ ایک اعلیٰ، لطیف، اور پاکیزہ تمدن تھا جس کے ایک ایک گوشہ میں اعلیٰ درجہ کی صنعت اور فنکاری کا مظاہرہ کیا گیا تھا، وہ اپنے ساتھ بے حد حساب عقلوں کا جو ہر اور مختلف اور متنوع تہذیبوں کا خلاصہ لائے تھے، اہل عرب کا

ذوق اہل فارس کی لطافت جس، ترکوں کی سادگی ان کی ذات میں جمع تھی، انھوں نے ہندوستان کو بہت سی عجیب و غریب چیزیں اور بہت سے نادر اور قیمتی تحائف دیے۔

مذہب میں جو سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز تھی وہ اسلام کی وہ توحید خالص تھی جو بندہ اور رب کے درمیان عبادت اور دعا میں کسی وساطت کو برداشت نہیں کرتی اور نہ وہ آلہ اور مظاہر وظل اور برگزیدہ ہستیوں میں خدا کے حلول کی قائل ہے، وہ صرف ایک خدا کو مانتی ہے جو وحدہ لا شریک ہے، بے نیاز ہے، نہ اس کا کوئی بڑا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے، نہ کوئی اس کا رفیق کا رہے نہ ہمسرا، وہی صاحب خلق ہے اور صاحب امر، آسمان و زمین ہر جگہ اسی کی عظمت و کبریائی کا مسکھ چلتا ہے۔

اجتماعی شعبہ میں جو سب سے زیادہ قیمتی تحفہ تھا وہ انسانی مساوات کا نظریہ تھا، یہ ہندوستان کے لیے ایک بالکل نئی چیز تھی، اب نہ طبقاتی تفاوت کی گنجائش رہی نہ چھوت بھات کی کوئی جگہ، اب نہ کوئی موروثی طور پر نہیں تھا نہ کسی کے لیے تعلیم ممنوع تھی، بیٹوں کی کوئی تقسیم نہ تھی، سب ایک ساتھ رہتے تھے ایک ساتھ کھاتے تھے، ایک ساتھ پڑھتے تھے، ہر شخص اپنے پیشہ اور ذریعہ معاش کے انتخاب میں آزاد تھا۔ یہ ہندوستانی دین اور ہندوستانی سوسائٹی کے لیے ایک کاری ضرب تھی لیکن کوئی شک نہیں کہ اس ہندوستان کو بہت فائدہ پہونچایا اور طبقاتی نظام کی بنیادیں کمزور پڑ گئیں۔ طبقاتی نظام کے خلاف آئندہ رد عمل میں اس کا بہت بڑا ہتھیار تھا اور اجتماعی اصلاح اور چھوت بھات کے خاتمہ کا ایک بڑا محرک بھی تھا۔

تیسرا تحفہ جو ہندوستان کو مسلمانوں نے عطا کیا، وہ صنف نازک کا احترام، انسانی برادری کے ایک معزز فرد کی حیثیت سے اس کے حقوق کا اعتراف اور اس کی عزت کی ضمانت تھی۔ اس تحفہ کی قدر و قیمت اور عظمت ایک ایسے ملک میں جہاں شوہر کے مرنے کے بعد عورت سستی ہو جاتی ہو اور سماج کی نگاہ میں شوہر کے مرنے کے بعد اس کو زندہ رہنے کا کوئی استحقاق نہ ہو اور روشن کی طرح روشن ہے اور اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

مسلمانوں نے ہندوستان کو بہت سے نئے علوم دیے جس میں سب سے بڑا علم۔ اسلامی علوم سے قطع نظر کر کے۔ علم تاریخ تھا، یہ ملک اس فن کے معاملہ میں بہت تہی دامن تھا اور یہاں کے کتب خانوں میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس کو صحیح معنی میں تاریخ کی کتاب کہا جاسکے، یہاں مذہبی کتابیں تھیں،

یا جاہ بھارت اور رامن اور عہد قدیم کے قصے اور جنگ کی داستانیں تھیں مسلمانوں نے ہندوستان میں تاریخ کا ایک عظیم الشان کتب خانہ پیدا کر دیا جو عالمی کتب خانوں میں ایک اہم حیثیت کا مالک ہے معارف و اعرف فی انواع العلوم و المعارف (از مولانا حکیم سید عبدالحق) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اس فن کے ساتھ کتنی دیکھی اور انہماک کا ثبوت دیا ہے اور کئی تاریخ اور عام انسانی تاریخ کا کتنا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔

ہندوستان نے مسلمانوں سے مجموعی طور پر وسعت خیال، جدت فکر اور شعر و ادب میں بہت سے نئے تخلیقات حاصل کئے جو اس عقلی، فکری اور ادبی پیوند بندی کے بغیر ناممکن تھے مسلمانوں نے اس ملک کو جہاں اور چیزیں دیں وہاں اس کو وہ وسیع اور بک زبان دی تھی جو آج ہندوستان جیسے ملک میں جہاں بیشمار زبانیں رائج ہیں تمام ملک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور علم و ادب کی زبان بن چکی ہے۔ میری مراد اردو ہے۔

صنعت و دستکاری اور تہذیب و تمدن میں مسلمانوں کے اثرات زیادہ گہرے اور زیادہ روشن ہیں انھوں نے یہاں ایک نئے طرز زندگی کی بنیاد ڈالی جو اس ملک کی قدیم زندگی سے اتنی ہی مختلف تھی جتنی موجودہ یورپ کی زندگی قرون وسطیٰ کی زندگی سے!

ہندوستانی دنیا سے علیحدہ ایک سادہ زندگی گزار رہے تھے، غوراک اور پوٹاک میں ان کے یہاں کوئی توسع نہیں تھا، وہ گڑی گاڑھے اور کچے اون کے کپڑے پہننے کے عادی تھے لیکن دیکھتے دیکھتے کھانے کے اقسام اور لباس کی وضع قطع میں عظیم الشان ترقی ہوئی، تاریخ کی شہادت ہے کہ اکبر کے عہد میں اون اور دہلی سے تیس کم کے کپڑے تیار کیے جاتے تھے، آخری زمانہ میں چکن رازی کی صنعت حیرت انگیز حد تک ترقی کر چکی تھی، میانہاک کہ انگریز آئے اور انھوں نے اپنا مال فروخت کرنے کی غرض سے ملکی صنعتوں کو ختم کرنا شروع کر دیا۔

یہ ملک اپنی سرسبزی اور زرخیزی کے باوجود میوے اور پھلوں کی ایک قلیل تعداد کا مالک تھا، جس میں اکثریت جنگلی پھلوں کی تھی، مصل بہت لطیف ذوق کے مالک تھے اور ایسے ملک کے باشندے تھے جو میوے اور پھلوں کے لیے مشہور رہے انھوں نے اس ملک کو بہت سے نئے پھلوں اور نئے میووں سے روشناس کیا جس کا اندازہ ترک بابری اور ترک جاگیر کی کے مطالعہ سے ہوتا ہے، اس کے علاوہ

علماء دین اور مسلم حکام و سلاطین

از افتادہ امام حسنہ الی رحمۃ اللہ علیہ

[امام غزالی کی مشہور اور اہم باہمی کتاب کیمیائے سعادت ایک ضرورت سے مطالعہ میں تھی اس کے ایک باب (باب در ادراک سلطان فی دسلام بایشاں) سے گزرتے ہوئے جی چاہا کہ ناظرین الفرقان کو بھی اس کے کچھ حصے کے مطالعہ میں شریک کر لیا جائے۔ اور اس کے بعد ذہنی اتصالات نے اس پر کچھ اضافہ کر کے اسے ایک چھوٹے سے مضمون کی شکل دیدی (۷۴)]

”معلوم ہونا چاہیے کہ سلاطین و حکام کے ساتھ علماء و غیر علماء کی تین حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نہ وہ سلاطین و حکام کے پاس جاتے ہیں اور نہ سلاطین و حکام ان کے پاس آتے ہیں۔ دین کی سلامتی اسی میں ہے“

دوم یہ کہ وہ سلاطین کے پاس جاتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔ یہ شریعت میں مذموم ہے۔
الایہ کہ ضرورت ہو۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء ظالم کے بارے میں فرمایا ہو کہ جو ان سے دور رہتا ہے وہ بچا ہوا ہے اور جو ان کے ساتھ دنیا میں گرفتار ہو گیا وہ انھیں میں سے ہو۔ نیز فرمایا کہ میرے بعد ظالم سلاطین ہوں گے۔ پس جو ان کے غلط اقوال و اعمال اور ان کے مظالم سے چشم پوشی کرے اور ان پر صا دے لگا دے میرا نہیں ہے، اور نہ وہ قیامت میں میرے حوض سے سیراب ہو سکے گا۔ اور فرمایا کہ حق تعالیٰ کے نزدیک مبنیٰ ترین علماء وہ ہیں جو سلاطین و حکام کے پاس جاتے ہیں اور محبوب ترین امراء وہ ہیں جو علماء کے پاس آتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ علماء و حب تک سلاطین سے میل جول

دہ پیدا کر دی وہ پیغمبروں کی امانت کے امین ہیں۔ اگر انھوں نے میل جول کیا تو انھوں نے اس امانت میں خیانت کی۔ اور ان سے پھر دور رہنا چاہیے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہؓ سے فرمایا کہ سلاطین سے بچو کیوں کہ ان کی دنیا میں سے تم کو کوئی چیز ایسی نہیں مل سکتی کہ اس کے بدلہ میں تمہارے دین کا اس سے زیادہ حصہ نہ رخصت ہو جائے۔ نیز فرمایا کہ دوزخ میں ایک دادی ہے جس میں سوائے اُن علماء کے اور کوئی نہیں جائے گا جو سلاطین کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں۔ حضرت عبادہ ابن صامتؓ فرماتے ہیں کہ سلاطین و امراء سے علماء کی دوستی ان کے نفاق کی دلیل ہے۔ اور اہل ثروت سے دوستی ان کی ریاکاری کی دلیل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ آدمی بعض اوقات اچھا خاصہ دین لے کر سلطان کے پاس جاتا ہے اور بے دین واپس آتا ہے عرض کیا گیا کہ حضرت یہ کیسے؟ فرمایا یہ ایسے کہ اُس چیز سے ان کی رضا جوئی کو تپا ہے جو اللہ کی ناراضی کا سبب ہوتی ہے۔ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس قدر ایک عالم سلطان سے قریب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے اسی قدر دور ہو جاتا ہے۔ وہب بن منبہؓ فرماتے ہیں کہ یہ علماء جو سلاطین کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں مسلمانوں کے حق میں ان کا ضرر جواریوں سے بھی زیادہ ہے۔ اور محمد بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ آدمی کی نجاست پر بیٹھنے والی مکھی سلطان کی ڈیڑھی پر جانے والے عالم سے بہتر ہے۔

اس سلسلہ میں اس سختی کا سبب یہ ہے کہ جو شخص بھی سلطان کے پاس جاتا ہے وہ اپنے کردار کی جانب سے یا گفتار کی جانب سے یا خاموشی کی جانب سے یا اعتقاد کی جانب سے گناہ کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ از روئے کردار جس مصیبت کا خطرہ ہو وہ یہ ہے کہ عموماً سلاطین کے مکانات و محلات مقصور ہوئے ہیں اور مقصورہ مکان میں نہیں بیٹھنا چاہیے۔ اور اگر وہ صحرا، بادشت میں خیمہ زن ہوں تو غالب یہ ہے کہ ان کا خیمہ اور فرش فروش از قبیل حرام ہوں۔ پس ایسے خیمہ میں جانا اور ایسے فرش پر پاؤں رکھنا یہ بھی مصیبت ہے۔ اور اگر بالفرض بے فرش و خیمہ کے ارض مباح پر قیام پذیر ہوں تو اگر تنظیم دی یا کوئی خدمت کی تو یہ ظالم کے سامنے تواضع اور نیا ز منی ہوگی اور یہ بھی مصیبت ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کسی نے کسی امیر کے سامنے بوجہ امارت و ثروت تواضع اور نیا ز منی کا اظہار کیا اس کے دین کا ایک حصہ جاتا رہتا ہے، اگرچہ وہ امیر ظالم نہ ہو۔ پس سلام کے علاوہ اور کچھ جائز نہیں ہے۔ رہا ماتھ کو بوسہ دینا یا کرودہری کرنا اور سر ہکا نایہ صرت سلطانؐ دل

کے لیے یہ عالم کے لیے یا کسی ایسے شخص کے لیے جائز ہے جو بوجہ دین کے مستحق تو اضع ہو۔ اور بعض ہندوگوں نے اس سے بھی زیادہ سختی سے کام لیا ہے کہ ظالموں کے سلام کا بھی جواب نہیں دیا اور ظلم و جور کی وجہ سے ان کو جواب سلام کا مستحق بھی نہیں سمجھا۔

ادراگتار کی معصیت کی صورتیں یہ ہیں کہ اس کو (سلطان کو) دعا دے۔ مثلاً کہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے۔ یہ اس لیے معصیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ظالم کو درازی عمر کی دعا دیتا ہو وہ گویا اس بات کو پسند کرتا ہے کہ خدا کا نافرمان اس زمین پر ہمیشہ رہے۔ پس کوئی دعا جائز نہیں سوائے اس کے کہ یوں کہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بھلا بنائے، نیکیوں کی توفیق دے اور اپنی اطاعت گزاری میں تمہاری عمر دراز کرے۔ دعا کے بعد عموماً یہ ہوتا ہے کہ اپنے اشتیاق کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس طرح کے الفاظ کہے جاتے ہیں کہ ”خدرت عالی میں حاضری کے لیے بے مشق رہتا ہوں“۔ سو اگر یہ حقیقت نہیں تو یہ بے ضرورت کذب: بانی اور نفاق ہوگا۔ اور اگر حقیقت ہو یعنی وہ واقعی مشتاق رہتا ہے تو جو دل ظالموں کے دیدار کا مشتاق رہتا ہے وہ نور اسلام سے خالی ہوتا ہے۔ دل میں نور اسلام کا تقاضہ یہ ہے کہ خدا کی نافرمانی کرنے والوں سے اسی طرح نفرت ہو جس طرح اپنی نافرمانی کرنے والے سے ہوتی ہے۔ پھر حسب اظہار اشتیاق سے فارع ہو جاتا ہے تو اس کے بدل و انصاف وغیرہ کی قصیدہ خوانی شروع کر دیتا ہے اور یہ بھوٹ اور نفاق سے خالی نہیں ہوتا۔ اور کم از کم اتنا تو کرنا ہی پڑتا ہے جس سے ”العلحضرت“ کا دل خوش ہو جائے۔ اور کسی ظالم کے دل کو خوش کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، اور حسب اس سے بھی فراغت ہو جاتی ہے تو عموماً یہ ہوتا ہے کہ ”العلحضرت“ اپنی گفتگو میں کوئی امر محال بھی بیان کرتے ہیں تو اس پر بھی سر ہلا کر تصدیق کی جاتی ہے۔ اور یہ سب معصیت ہے۔

اور معصیت خاموشی کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جانے والا شخص اس کے محل میں حیر و دیبا کا فرش بچھا ہو دیکھتا ہے۔ دیوار پر نقادیں لگی دیکھتا ہے۔ اور سلطان کو ریشمی جامہ میں ملبوس اور سونے کی انگٹھیں اور چاندی کے پیالے وغیرہ استعمال کرتے دیکھتا ہے، اس کی زبان سے فحش اور بھوٹ سنتا ہے اور خاموش رہتا ہو۔ حالانکہ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان پر نکیر اور احتساب واجب ہے اور خاموشی مدائیں۔ ہاں اگر نکیر کرنے میں کوئی خوف و خطر محسوس کرتا ہو تو اس میں معذور ہوگا۔

مگر وہاں بے ضرورت جانے میں معذور نہیں ہو سکتا کہ ایسی جگہ بے ضرورت جاننا دوا نہیں ہے جہاں معصیت دیکھیے اور اس پر نگیزہ کر سکے۔

اور دلی و اعتقاد کی معصیت یہ ہے کہ اس (سلطان ظالم) سے محبت کرے اور اس کے سامنے تواضع اور نیاز منی کو پسند کرے۔ اس کے گھمٹائے دنیوی پر نظر کرے اور اس کے تیج میں دنیا کی رغبت اپنے دل میں پیدا ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین سے فرمایا تھا کہ اے مہاجرین اہل دنیا کے پاس مت آیا جا یا کرو کہہ (ان کی دنیا کو دیکھ کر) تمہیں اپنی روز داری تاہنہ ہونے لگے جو اللہ تعالیٰ تم کو دیتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اہل دنیا کے مال پر نظر مت ڈالو کہ ان کی دنیا کی چمک دمک تمہارے دل سے حلاوت، ایفانی کو زائل کر دے گی۔

(دیکھو اے سعادت ۵۶-۱۵۶)

بلاشبہ سچ فرمایا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ اور اسی وجہ سے علما و حق! تو اپنے عہد کے سلاطین سے شے ہی نہ تھے یا اگر ملتے تھے تو ان کی اصلاح کے لیے اور کلمہ حق کہنے کے لیے! کیا انکی روشنی میں وہ حضرات اپنے موقف پر غور فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے جو نہ صرف یہ کہ دور ٹپٹے بیٹھے اس زمانہ کے مسلم حکمرانوں کی منہ پر یہ نقدیں کرتے رہتے ہیں اور ان کے فسق و فجور پر نگیزہ کرنے والی دینی جماعتوں کو ہر طرح مجرور اور مطعون کرتے رہتے ہیں بلکہ ان ظالم و فاسق حکمرانوں سے ملاقات کے لیے بہترین اشتیاق بھرتے رہتے ہیں۔ اور ان کے میاں باریابی کو اپنے لیے باعث عزت و انفرادی بختے ہیں۔ اور ملاقات میں کمال نیاز مندی و تذلل کا اظہار کرتے ہیں۔ کاش یہ حضرات سوچ سکتے کہ ان کی اس روش سے مقام علماء و علم دین کی کیسی تزییل ہوتی ہے۔ اور اسلام اور مصالح اسلامیہ کو کس درجہ نقصان پہنچتا ہے!

علاء الحق کا شیوہ کیا تھا اور علم دین کی غیرت کا تقاضہ کیا ہے؟ ایسے آٹھ آپ کو ایک صاحب عزیت عالم ربانی اور ایک مرفوعہ آگاہ حقہ سنائیں کہ تازہ خواہی دشمن گردا غمٹائے سینہ را بولا گا ہے باز خواں این قصہ پارینہ را

آپ میں سے بہت سوں نے یہ قصہ خود افریقان کے صفحات میں اس سے پہلے پڑھا ہوگا۔ مگر اس ماہ ماہنامہ ”صبح صادق“ کے تازہ نمبر میں پھر سامنے آیا تو ہم نے ایک بار نہیں بار بار پڑھا۔ اس میں جو حقائق ایٹنی ہیں اس کے سامنے قلمبر کا لطف بھی بچ ہے اس لیے ہم آپ کو بھی ایک بار پھر اس ذائقہ میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔

قصہ یوں ہے کہ

خليفة ہارون الرشيد تحت خلافت پر تنگن ہوئے ہیں۔ ہر مجلس مجلس عشرت و طرب، ہر مجلس مجلس لطیف و مسرت، ہر مجلس ہر مجلس و نشاط، ہر مسرت منظر فرحت و انبساط، کہیں علماء و ذہاب کا مجمع کہیں نامی گرامی شعراء کا اجتماع، انعام و اکرام کی بارش ہو رہی ہے خزانہ شاہی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اعزاز و مناصب کی تقسیم ہو رہی ہے لیکن حضرت سفیان ثوریؒ جن سے خلیفہ کو دلی عقیدت ہو اس شخص مسرت میں شریک نہیں ہیں! ہارون الرشید کو اس پر حیرت ہے۔ وہ آپ کو خط لکھتا ہو:

بسم الله الرحمن الرحيم۔۔۔ اللہ کے بندے ہارون الرشید! امیر المؤمنین کی جانب سے اپنے دینی بھائی سفیان سید الثوریؒ کی طرف۔ میرے بھائی آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا ہے مجھ کو بھی محض اللہ کے واسطے آپ کے محبت اور قلبی تعلق ہے۔ اگر خلافت کا طوق میری گردن میں نہ ہوتا تو اپنی محبت و اخلاص کے باعث خود ماضی فرست ہوتا۔ کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اس موقع پر مجھے اس منصب جلیل کی مبارک باوندی دی ہو۔ میں نے خزانوں کے دروازے کھول دیے ہیں مگر ان قدر عطیات اور عظیم الشان بخششوں کی وجہ سے میری آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہو رہا ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود آپ اب تک میرے پاس تشریف نہیں لائے۔ میں نہایت شوق کی وجہ سے عریضہ خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں۔ اے ابو عبد اللہ! آپ کو ذن کی زیارت اور اسکی ملاقات کے فضا اہل نبوی معلوم ہیں لہذا یہ خط دیکھتے ہی تشریف لائے اور جگت فرمائیے۔

ہارون رشید نے عہد اطاعتانی کو یہ خط دیا اور حکم دیا کہ یہ خط حضرت سفیان ثوریؒ کی خدمت میں لے جائیں عباد کہتے ہیں کہ میں خط لیکر کوفہ پہنچا اور حضرت موصوف کی خدمت میں اس کو پیش کیا حضرت سفیان ثوریؒ نے خط اہل نبی کے سامنے ڈال دیا اور فرمایا کہ میں اسے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے

ہاتھ ایسی چیز میں لگاؤں جس میں ظالموں کا ہاتھ لگا ہو حضرت کے حکم سے بعض اہل مجلس نے خطا پڑھنا شروع کیا۔ پورا خط سننے کے بعد حضرت سفیان ثوری نے ارشاد فرمایا کہ اسی خط کی پشت پر ظالم کو جواب دے دو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابوعبداللہ! یہ خط کا معاملہ ہے۔ اگر جواب اچھے اور صاف خط میں دیا جائے تو اچھا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں اسی خط کی پشت پر جواب لکھو یہ خط اگر کسب حلال سے ہے تو ہار دن الرشید کو اس کا عوض ملے گا ورنہ وہ اسی کے ساتھ ڈال دیا جائے گا۔ میرے یہاں کوئی ایسی چیز نہ رہے جس کو ظالم نے چھوا ہو کہ مبادا وہ ہمارے دین کو خراب کرے۔ عرض کیا گیا کہ جواب میں کیا لکھا جائے فرمایا کہ لکھو۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے نبی سے سفیان کی جانب سے ہار دن الرشید کی طرہ جو امیدوں اور گارنٹوں کے فریب میں مبتلا ہے جس کی ایمانی صلاحات سلب کر لی گئی ہے، جو تلاوت قرآن کی لذت سے محروم ہے۔ میں تم کو صاف لکھ رہا ہوں کہ میں نے تم سے محبت کا رشتہ توڑ دیا میرے اور تمہارے تعلقات ختم ہو گئے تم نے میرے نام جو خط بھیجا ہے اس میں اقرار کیا ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال سے تم بیجا مصارف کر رہے ہو گو تا یہ لکھ کر خود اپنے اس فعل پر شائبہ ہو گئے جن کے سامنے تمہارا خط پڑھا گیا ہے اور ہم لوگ کل اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہِ عدالت میں اس کی شہادت دیں گے۔ اے ہار دن تم نے مسلمانوں کے مال پر حملہ کر رکھا ہے۔ کیا تمہارے اس فعل سے مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسافرین رضیٰ عنہم ہنس رہے ہیں؟ کیا تمہارا یہ فعل اہل علم کے نزدیک پسندیدہ ہے؟ کیا یہ عورتیں اور یتیم بچے اس سے خوش ہیں؟ کیا تمہاری رعایا کو اس سے مسرت ہے؟ اے ہار دن اپنے ہاتھ کو روکو، کل اللہ کے یہاں جواب دہی کے لیے تیار رہو۔ یقین کر لو کہ تم کو ایک عادل اور حکیم کے دربار میں کھڑا ہونا ہے۔ اپنے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کہو کہ ایمان و زہد کی صورت تم سے سلب کر لی گئی ہو تلاوت قرآن کی لذت اور صلحا کے سنہنشی کے شرف سے تم محروم ہو گئے ہو اور تم نے اپنے لیے ظالموں کا سرگردہ بننا پسند کر لیا ہے۔ اے ہار دن تم تحت شاہی پریشی ہوئے حریر دیا کے استمال میں مصروف ہو اور تم نے دروازہ پر پڑنے ڈال رکھے ہیں۔ ظالم پاہ تمہارے قصر کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔ یہ لوگوں پر ظلم کرتی ہے اس کا انصاف نہیں ہوتا۔ دوسروں پر شراب کی حد جاری کرتے ہیں اور خود شراب خور ہیں۔ زانی کو سزا دیتے ہیں، مگر

خود زانی ہیں چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں لکھن خود چور ہیں۔ قاتل کو سزا دے موت کا حکم سناتے ہیں لیکن خود قتل کرنے میں میاں ہیں کیا یہ احکام تم پر اور تمہاری سپاہ پر ضروری نہیں ہیں قبل اس کے کہ وہ دوسروں پر جباری کیے جائیں؛

لے ہارون اس دن تمہارا کیا شہر ہو گا جب پکارنے والا پکارے گا کہ ظالمین اور ان کے اعداؤں کو تاج کر دو پھر تم مع اپنی پوری جماعت کے بارگاہ ایزدی میں حاضر کیے جاؤ اور تم ان سب کے امام ہو گے، لے ہارون میری نصیحت پر عمل کرو، اپنی رعایا کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اس پر غور کرو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے بارے میں کیا حال تھا، لے ہارون جس طرح خلافت تم کو ملی ہے اسی طرح تم سے کسی دوسرے کو ملے گی دنیا کا یہی رنگ ہے، پس کچھ لوگ تو وہ ہیں جو اس سلسلہ میں) اپنے لیے نفع آخرت کا سامان ہیا کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کی دنیا و آخرت دونوں تباہ ہیں۔ اب تم آئندہ مجھے کوئی خط نہ لکھنا اس لیے کہ میں جواب نہیں دوں گا؛

خليفة ہارون الرشید کیا بادشاہ تھا جس کے ساتھ ایک عالم ربانی نے یہ معاملہ کیا جو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ بس اتنا سن لیں کہ

(جب قاصد یہ جواب لے کر اس کے پاس پہنچا تو)

اس نے خط پڑھنا شروع کیا اور اس کو اس کے چہرے پر جباری تھے بعض مصاحبین نے عرض کیا کہ امیر المومنین سفیان نے آپ کے مقابلہ میں بڑی میاں کی سے کام لیا ہے انھیں پابہ زنجیر قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔ ہارون الرشید نے کہا لے بند گان دنیا سفیان کو ان کے حال پر چھوڑ دو وینیک وہ شخص بد نیت ہے جس کے تم ہمیشہ ہو، یقیناً سفیان ایک مرد متقی ہے، عبادت کرتے ہیں کہ ہارون الرشید نے اس روز سے معمول کر لیا کہ نماز پنجگانہ کے بعد اس خط کو پڑھتا اور خوب روتا۔

(بقہ ص ۳۹)

انھوں نے بہت سے ہندوستانی بھلوں میں پوند لگایا اور ان کو پہلے سے کہیں زیادہ لطیف اور لذیذ بنادیا خاص طور پر آم پہلے صرف اس کی تخمی قہیں ہی تھیں۔ انھوں نے اس میں قلم لگا کر ایک نئی قسم ایجاد کی جس کو قلمی کہتے ہیں۔ بعد میں اس میں اور ترقی ہوئی اور اس کے انواع و اقسام میں بہت اضافہ ہوا جو شاید کھجور کی قسموں سے بھی آگے بڑھ جائے۔

مسلمانوں کے دور کا فن تعمیر ہندوستان میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے جس کو ہندوستان فخر کے ساتھ دوسرے ملک کے سامنے مقابلہ کے طور پر پیش کر سکتا ہے تاج محل آج بھی فن تعمیر کی ایک زندہ نشانی اور مسلمانوں کے تانباک عہد کی بولتی ہوئی یادگار ہے اور اس بات کی شہادت ہے کہ مسلمان عالمیاتی ذوق، نازک خیالی، لطافت حس اور فنی جہارت کے کس درجہ پر فائز تھے۔

قصہ مختصر ہندوستان نے مسلمانوں سے جو فائدہ حاصل کیا وہ اس فائدے سے کہیں زیادہ اور قیمتی ہے جو مسلمانوں کو ہندوستان سے پہونچا اس ملک میں ان کی آمد حقیقت میں اس کی تاریخ اور اس کی زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز تھی اور ہندوستان کی ایک بہت بڑی فتح!

کامیاب نصاب

مسلمان بچوں اور بچیوں کو دین کی تعلیم دینے نیز اردو دکھانے کے لئے، بہترین رسالے، ان کی نفسیات کے عین مطابق، انتہائی آسان اور سلیس زبان مختصر جملوں میں معنایں و الفاظ کی ایسی تکرار جو ذوقِ سلیم پر بار نہ ہو اور سبق کے ذہن نشین ہونے اور بچہ میں خود پڑھنے کی استعداد پیدا کرنے میں مددگار ہو۔

اچھا قاعدہ، اللہ کے رسول، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، اچھی باتیں حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم، حصہ چہارم، حصہ پنجم، اچھے قصے، آسان فقہ۔

تعارفِ تبصرہ

داعی امن از مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ناظم دینیات جامعہ ملیہ، دہلی، ناشر مجلس اسیرت ممبئی۔ ۱۳۸ ذکر یا مسجد اسٹریٹ ممبئی ۷۱۔ ۱۶ صفحات۔ قیمت درج نہیں۔

مولانا عبد السلام صاحب قدوائی جو چند سال پیشتر ادارہ تعلیمات اسلام کھنڈ کے روح رواں تھے اور اب جامعہ ملیہ کے اسٹاف میں ناظم دینیات کی حیثیت سے منسلک ہیں، اپنے شگفتہ اور سلکھے ہوئے طرزِ تحریر کے لئے معروف ہیں۔ یہ مختصر مقالہ انھیں کے قلم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ایک خاص پہلو پر ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے شرفِ خدا سے بھری ہوئی دنیا کو کس طریقہ سے امن کی راہ پر ڈالا۔ اور کس طرح آپ کی تعلیمات نے امن کی حقیقی بنیادیں فراہم کیں۔

اپنے موضوع پر نہایت چمت اور موثر رسالہ ہے۔ چاہیے کہ کوئی بھی پڑھا کھا امان اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہے۔

نماز از جناب ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب حسنی، ناشر۔ سید محمد صاحب حسنی، ۳۷ گورن روڈ کھنڈ۔ صفحات ۳۲۔ قیمت ۳/

اس میں نماز میں پڑھی جانے والی تمام چیزوں (بجز قنود) اور عمومی طور پر پڑھی جانے والی چند سورتوں کا ترجمہ ایک خاص طریقہ سے سکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ عربی دجانے والے نمازی بھی نماز سمجھ کر پڑھ سکیں۔ طریقہ یہ ہے کہ مثلاً بسم اللہ کا ترجمہ بتلانا ہے تو پہلے مفردات کے معنی بتلائے گئے ہیں۔ (مکرات کو حذف کر کے) اور پھر پوری بسم اللہ کا ترجمہ دیدیا گیا ہے۔ امید ہے کہ جناب مؤلف کی توقع کے مطابق یہ سیرِ نفع بخش رہے گی۔

دوسرا رخ :-

(۱) ترجمہ میں کئی جگہ نظر ثانی کی گنجائش ہے اور بعض جگہ ضرورت مثلاً لیسو و امثالہم

کا ترجمہ اگر نہ کر دکھائے جائیں، ان کے اعمال کے بجاے نہ کر دکھائے جائیں، ان کو ان کے اعمال کا کیا جائے تو مفہوم کچھ زیادہ بکا واضح ہو جائے گا اور الفاظ کی مطابقت بھی پوری ہو جائے گی۔۔۔ ضرورت کی مثال۔ سورہ ماعون میں لکھا ہے کہ "وَمَا يَكْفُرُ" کا ترجمہ ہے "اس کا ترجمہ" نہیں رغبت دیتا ہے" کے بجائے نہیں ترغیب دیتا ہے یا نہیں رغبت دلاتا ہے، ہونا چاہیے۔

(۲) نماز سمجھ کر پڑھنے کے لئے صرف ترجمہ کا جان لینا کافی نہیں ہے۔ مثلاً سورہ قریش کا ترجمہ جان کر بھی آدمی اس کا مطلب مشکل ہی سے سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ترجمہ کے بعد مختصر الفاظ میں مطلب بھی سمجھا دیا جائے۔

از مولانا محفوظ الرحمن صاحب نامی۔ ناشر، مکتبہ ترجمہ قرآن۔ ہراچ۔ یو۔ پی۔
معلم القرآن صفحات ۱۲۸۔ قیمت چھ۔

مولانا محفوظ الرحمن صاحب چند سال سے قرآن (سمجھ کر) پڑھو اور پڑھاؤ کی ایک مفید تحریک چلا رہے ہیں۔ اس کے لئے انھوں نے ایک نصاب بھی تیار کر دیا ہے۔ جو کافی مقبول ہو رہا ہے۔ کتاب اس نصاب کے معلمین کے لئے ہدایت نامہ کے طور پر تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ اس نصاب کے مطابق کہیں تعلیم دے رہے ہیں ان کو ضرور اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔

مولانا عبد الرحمن بن یوسف الانزلی مدرس دارالحدیث، مدنیہ منورہ کے رسالہ
دین کی باتیں "جواب الافریقہ" کا ترجمہ۔ از ابن کمال ہاجوری۔ ناشر، شاہی کتب خانہ۔
 بجنور۔ یو۔ پی۔ لئے کا پتہ۔ مالا بار بک ڈپو۔ فرانسیس روڈ۔ کوڈ کوڈ (ملیار) صفحات ۱۰۴۔ قیمت درج نہیں ہے۔

اس میں سترہ مختلف فقہی، کلامی اور بعض دوسری نوعیت کے مسائل کے جوابات شرح و بسط کے ساتھ کھینچے گئے ہیں۔ ان سترہ میں سے چند مسائل یہ ہیں۔ میلاد، معراج (جدی یا روحانی) ولادت مسیح، رفع مسیح، دعا بعد نماز، مصافحہ بعد نماز، قنوت فی غیر اوتار، اور مسئلہ تقلید وغیرہ۔ مصنف سلفی المسک ہیں۔ جوابات بھی انھوں نے اسی مسلک کی رو سے دیئے ہیں۔

ابن ہو عبد اللہ الحدیث (مسک) میں آج کا ترجمہ "اوپر درجہ کا" کیا گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہاں پر اصل کے معنی "ہاں" کے ہیں۔ یعنی ہاں (میں یہ کہتا ہوں کہ) وہ (مسیح) اللہ کے بندے ہیں۔

ردالاشتبہات از جناب ابن حیات صاحب سلیم تصوری: ناشر ادارہ اشاعت الاسلام لاہور۔ صفحات ۱۶ قیمت درج نہیں۔ غالباً مفت تقسیم کی غرض سے ہو۔

لاہور (پنجاب پاکستان) میں بریلوی حضرات نے حسب عادت فتاویٰ رشیدیہ (از حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) کے بعض فتاویٰ عوام کے سامنے غلط صورت میں پیش کر کے انھیں جماعت دیوبند کے خلاف بھڑکانا شروع کیا تھا۔ مصنف نے ان کی تلبیسات کا پردہ چاک کرنے کی بہت اچھی کوشش کی ہے۔

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا مؤلف مولانا عبدالباطن صاحب جو پوری۔ ناشر کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد۔ دہلی ۷۷ ۷۶ صفحات قیمت ۱۲ /

اس میں تعصب غیر مسلموں کے ہی الزام کو کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، بہت سے انصاف پسند غیر مسلموں کی شہادتیں اس کے برعکس پیش کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ نہ تو علما ایسا ہوا ہے اور نہ اسلام کی تعلیمات میں اس کی گنجائش ہے۔

تعارف القرآن از جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی ایم، اے۔ استاد عربی و فارسی۔ یونیورسٹی الہ آباد صفحات ۱۲۸ قیمت پندرہ۔ مصنف کے علاوہ مندرجہ ذیل تپوں سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(۱) کتابستان۔ الہ آباد۔ (۲) منیجر اسرار کریم پریس۔ الہ آباد۔ مصنف نے سید علی کی التفان کے طرز پر، اردو جوان طلباء و قرآن کے لئے، رہنما و قرآن کے طور پر یہ مختصر کتاب تیار کی ہے شتلات کے چند عنوانات یہ ہیں۔

قرآن و اسما و قرآن۔ تاریخ نزول قرآن۔ وحی و الہام کا فرق۔ ربط اور شان نزول۔ حروف مقطعات، آیات حکمت و تشابہات۔ ترتیب آیات و سور۔ ناسخ و منسوخ۔ مسئلہ خلق قرآن۔ قرآن کے وہ کلمات جن کے پڑھنے میں اکثر غلطی ہوتی ہے۔ امید ہے کہ مصنف کی سعی مشکور ہوگی۔

اصول تفسیر (اردو) مصنفہ امام ابن تیمیہ۔ مترجمہ مولانا عبد الرزاق صاحب بیچ آبادی شائع کردہ: المکتبۃ السلفیہ شیخ محل روڈ۔ لاہور۔ کاغذ و کتابت طباعت بہتر

صفحات ۱۱۲ - قیمت ۱۲/-

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی شخصیت اور ان کا علمی و دینی مقام کسی قارئین کا محتاج نہیں۔ ان کی وسعت نظر اور فکری گہرائی مافی ہونی چیز ہے۔ اصول تفسیر میں شیخ کا یہ رسالہ بقول خود قواعد کلیہ پر مشتمل، قرآن کے فہم اور اس کی تفسیر میں معین اور اس بارے میں منقول و معقول اور حق و باطل میں تمیز کرنے والا ہے۔ مولانا عبدالرزاق صاحب طبع آبادی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اور مولوی عطار اللہ حنیف صاحب بھوبھائی نے حواشی سے اس کی خدمت کی ہے۔ اس رسالہ کا ایک ترجمہ مولانا خالد صاحب بھوپالی کے قلم سے بھی چند سال پیشتر شائع ہو چکا ہے۔

از مولانا رحیم بخش صاحب دہلوی مرحوم۔ کتابت طباعت اور کاغذ عمدہ ۶۵۶ صفحات قیمت مجلد ۶ روپے۔ غیر مجلد ۵/۸۔ اسکو بھی المکتبہ السلفیہ نے شائع کیا ہے۔ مکتبہ السلام کیشوری بازار۔ لاہور سے بھی مل سکتی ہے۔

یہ ضخیم کتاب تقریباً نصف صدی پیشتر کی تصنیف ہے۔ مکتبہ سلفیہ نے اب اس کا جدید پڑھنے چھوٹے معنی ۲۰x۳۰ سائز پر شائع کیا ہے۔ اس میں شاہ ولی اللہ صاحب ان کے آباؤ اجداد اساتذہ کرام اور آپ کی اولاد و احقاد کے مناقب و سوانح قلم بند کئے گئے ہیں۔

اب سے نصف صدی پیشتر یہ کتاب جیسی بھی رہی ہو مگر اب شاہ صاحب پر جتنا کام ہو چکا ہے اس کے پیش نظر یہ کہنا ناگزیر ہے کہ یہ اپنے موضوع پر بہت قشندہ ہے۔ یوں اس کی ضخامت ۶ سو صفحات ہے مگر شاہ صاحب پر صرف دو سو صفحات ہیں۔ اور ان میں بھی بہت سرسری اور اوپری معلومات جمع کی گئی ہیں۔ علیٰ ہذا باقی ۱۶ سو صفحات جن میں آباؤ اجداد اساتذہ اور اولاد و احقاد کا تذکرہ ہے، ان کا بھی یہی حال ہے۔ کتاب میں تاریخی اور تحقیقی مواد کے بجائے بہت بڑا حصہ تاثرات کا ہے۔ اور تاثرات بھی ہر شخصیت کے متعلق لفظاً اور معنیاً اس قدر یکساں ہیں کہ طبیعت بہت جلد اکتا جاتی ہے۔ چنانچہ ہم اپنی طبیعت کو کسی طرح پوری کتاب پڑھنے پر راضی نہ کر سکے۔ جتنی شخصیتوں کے تذکرہ پر بھی ہم نے نظر ڈالی ہر ایک کے متعلق اس قسم کی عبارت پڑھنے میں آئی کہ

اگر یہ صاحب اس خاندان میں نہ ہوتے تو یہ خاندان گناہی کے دائرہ سے نکل کر کبھی اس قسم کی تاریخی شہرت حاصل نہ کرتا۔

اور

ابتداءً نشوونما سے رشد و ہدایت کے آثار آپ کی مبارک اور صاف پیشانی پر درخشاں تھے، جسے دیکھ کر تارڑنے والے تارڑ جاتے تھے کہ یہ ہلال ایک دن بدر کا دل بنگر چکے والا ہے۔

انداز تحریر از ادل تا آخر خطابی ہے۔ حتیٰ کہ جگہ جگہ معزز ناظرین کے الفاظ سے اس طرح خطاب کیا گیا ہے۔ جیسے کوئی مقرر بار بار معزز حاضرین! کہتا جا رہا ہو۔۔۔ ادبی تکلف اس پر مستزاد ہے۔ اور اس سے مصنف کا عجیب بیان بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چند بندھے ٹکے الفاظ میں جنہیں پوری کتاب میں دھرایا گیا ہے۔ اگر تھوڑا سا کبھی ادبی ذوق ہو تو آدمی چند صفحوں کے بعد اکتا کر رہ جاتا ہے۔ اگر نثری الفاظ کا بے ضرورت استعمال اور بھی بار ہوتا ہے۔

کتاب شروع ہوتے ہی فاتحان اسلام اور ان کے کارناموں کا جس انداز میں ذکر کیا گیا ہے اس سے اسلامی جہاد کا نہایت وحشت انگیز لفظہ سانسے آتا ہے اور متعصب غیر مسلموں کے الزامات کو پوری تائید حاصل ہوتی ہے۔

مصنف کی وفات کے بعد اس قسم کا تبصرہ اچھا نہیں معلوم ہوتا مگر ناشرین نے جس اہمیت کے ساتھ اس کو از سر نو شائع کیا ہے اس کے پیش نظر یہ صاف گویا ناگزیر ہوئی۔۔۔ مصنف کی روح سے ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ اپنے دور کے لحاظ کو انکی یہ کوشش یقیناً خاصی تھی۔

نظام اسلامی کی برکات

یعنی

برکات الاسلام

از مولانا عبدالحمید خاں صاحب ارشد۔ ناشر: مکتبہ الہدین بیرون بڑھڑ وازہ ملتان۔ (پاکستان)۔ کاغذ عمدہ۔ مکتبہ طبعیت بہتر ساز ۲۰۰۰ قیمت ۲۰۰ روپے ہندستان میں۔ مولوں مجید حسن صاحب مالک اخبار بدینہ بجنور کو عہدہ چھوڑ دیا جاسکتا ہے۔

اس رسالہ کے نام سے اشتکات کا جو تصور قائم ہوتا ہے وہ واقعہ سے بڑی حد تک مختلف نکلتا ہے۔ نظام اسلامی کی برکات کے بجائے یہ رسالہ دوسرے مختلف مضامین و عنوانات پر مشتمل ہے۔

مثلاً قرآن اور پیغمبر اسلام کی صداقت، اسلام کی افضلیت۔ اس پر غیر مسلموں کی شہادتیں۔ قرآن عزیز کے اتباع کی فرضیت۔ اور اس بارے میں اگلوں کا تعاقب ختم نبوت۔ بعد اسلامی کی بعض فتوحات۔ اسلام کے اصول و ارکان۔ اخلاق و معاشرت کے لئے اس کی عمدہ تعلیمات۔ افسانہ جبرائیم کی تدابیر۔ اور اسلام کے سیاسی نظام کے قیام کے لئے مصنف کا پیش کردہ ایک اجمالی خاکہ وغیرہ۔۔۔ ان عنوانات پر پڑھنا ہوتا تو یہ رسالہ فائدہ سے خالی نہیں۔

شائع کردہ۔ نور محمد۔ کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ۔ کراچی۔
بلوغ المرام مترجم | کتابت طباعت معیاری۔ کاغذ اعلیٰ۔ صفحات ۳۲۰۔ مجلد۔
 قیمت آٹھ روپے۔

”بلوغ المرام من اولیٰ الاسکام“ علامہ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ) کی مشہور تصنیف ہے۔ جس میں ۱۷۰۰ احادیث کو فقہی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے۔ اور طہارت سے لیکر سیاست و حکومت تک ہر ایک احکام اس ذخیرہ میں آگئے ہیں۔ آخر میں ایک باب مختلف مضامین کی احادیث کا جامع ہے جس میں عام اخلاقی اور دینی ہدایات دینے والی احادیث آگئی ہیں۔۔۔ اس کو عربی ترجمہ کے کارخانہ تجارت کتب نے اپنے روایتی اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ترجمہ مختصراً جگہ سے دیکھنے سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ شروع میں مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی کے قلم سے مصنف کا تقریباً بارہ صفحہ کا تذکرہ و ترجمہ ہے۔ اور اس کے بعد چند صفحے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے قلم سے اصول حدیث پر ہیں۔ جس سے ایک نظر میں حدیث کے اقسام اور ان کے مراتب سے واقفیت ہو جاتی ہے۔
 مترجم (مولانا) مجددی صاحب کا نام بڑی شکل سے آخری سطر میں نظر آتا ہے۔ چاہئے تھا کہ سرورق ہی پر مصنف کے نام کے نیچے مترجم کا بھی نام ہوتا۔

مترجمہ جناب مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی۔ کتابت طباعت
 اور کاغذ بہتر۔ صفحات ۸۰۔ قیمت چار روپے۔ پتہ۔ دفتر رسالہ معارف
معارف
سلیمان نمبر
 اعظم گڑھ۔ یو۔ پی۔

مولانا دبلیان ندوی (م ۱۹۵۵ء) سے ہم میں کا کون تو تھا لکھا واقف نہیں۔ ہندوستان ان کے علم و فضل پر سجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ اور آئندہ کبھی ہماری فسطحوں کے لئے وہ باعث افتخار و مسکن

ہیں۔ ان کے نام کو حیات جاوید بخشے کے لئے ان کے اپنے تصنیفی کارنامے کچھ کم نہیں ہیں۔ مگر ادارہ معارف پر حق تھا اور اُس نے ان کے تذکرہ میں یہ سہر پیش کر کے حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ سہرچہ حصول میں تقسیم ہے۔ ۱۔ سیرت و سوانح، ۲۔ فضائل و کمالات، ۳۔ علمی و دینی کارنامے، ۴۔ بیسکوک و تصوف، ۵۔ متفرق مضامین اور ۶۔ قطعات و مادہ لے "تاریخ"۔

سیرت و سوانح پر سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم، ۱۔ اور مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی کے مضامین ہیں۔ فضائل و کمالات کی تصویق مولانا عبد الباقی صاحب ندوی، پروفیسر رشید احمد صاحب لقی، مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم اور مولانا سعید احمد کبر آبادی نے کی ہے۔ علمی و دینی کارناموں کو اجاگر کرنے والے خود مرتب معارف شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی، مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی اور مولانا عبد المجاہد صاحب دریابادی جیسے اہل قلم ہیں۔ اور پھر آگے بڑھ کر سیرت سلیمانی کے عرفانی پہلو سے نقاب کشائی کی سعادت آپ کے قبضہ اعزہ و متوسلین کے حصہ میں آئی ہے، جن میں غلام محمد صاحب بی۔ اے حیدر آبادی خاص کر قابل ذکر ہیں۔ متفرق مضامین کے تحت ڈاکٹر محمد زبیر صاحب صدیقی (مکتبہ یونیورسٹی) پروفیسر عبد المنان صاحب بیدل، مالک رام صاحب ایم، ۱۔ اور سید صاحب قبلہ کے داماد سید ابو عاصم صاحب ایم، ۱۔ اے ایڈوکیٹ کراچی کے مضامین ہیں۔ اور تاریخی قطعات کے ذریعہ خراج عقیدت پیش کرنے والوں کی تو ایک لمبا فہرست ہے۔

مضامین میں سے، شہنشاہ کی فہرست میں تو ایک بھی نہیں رکھا جاسکتا۔ البتہ علمی وزن کی اعتبار سے، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی اور مولانا محمد اویس صاحب ندوی کے مضامین۔ تاثر کے لحاظ سے سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب کا مضمون "خلاق و سیرت کے کچھ جلوے" اور مولانا عبد الباقی صاحب ندوی، غلام محمد صاحب حیدر آبادی اور سید ابو عاصم صاحب صدیقی کے مضامین خاص طور پر قابل ذکر نظر آتے ہیں۔ علی ہذا عام دلچسپی کے اعتبار سے پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کا مضمون، ۱۔ اپنے خاص طرز میں۔ اور ادبی چاشنی کے دلدادگان کے لئے مولانا سعید احمد صاحب کبر آبادی کا مضمون بھی یقیناً قابل ذکر ہے۔

خریداران الفرقان کی ہفتہ میں!

الحمد للہ کہ اس شمارہ پر الفرقان کا بائیسواں سال تمام ہو رہا ہو۔ اللہ کا فضل ہو کہ اس سال وارث کو نسبت گذشتہ چند سالوں کے مشکلات کم پیش آئیں۔ اب نئے سال کے آغاز سے پہلے ہم اپنے معاذین سے چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ان کا لحاظ کیا گیا تو انشاء اللہ مشکلات کا تناسب اور بھی گھٹ جائے گا۔

- ۱۔ اس شمارہ میں سرخ نشان کے ذریعہ جن حضرات کو ان کا چندہ ختم ہو جانے کی اطلاع دیا گیا ہے وہ براہ کرم پہلی فرصت میں اس کا فیصلہ فرمائیں کہ آئندہ سال کیلئے انھیں خریداری منظور ہو یا نہیں؟ اگر منظور ہو تو جہاں تک ہو سکے اور جتنی جلد ہو سکے اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر یا دستی بھیجنے کی فکر فرمائیں کیونکہ دی۔ پی۔ کرنے میں کام کا بوجھ بہت بڑھ جاتا ہو، درانحالیکہ ہمارے پاس کافی عرصہ نہیں ہوا اسلئے مکرر گزارش کی جاتی ہے کہ چندہ کی ادائیگی کو دی، پی۔ آنے پر ملتوی نہ کیجئے بلکہ بذریعہ منی آرڈر یا دستی بھیج کر منون فرمائیے۔ اور اگر کسی وجہ سے آئندہ خریداری منظور نہیں ہو تو بلا توقف ایک کارڈ کے ذریعہ ہمیں مطلع فرما دیجئے۔ بہت سے بھائی آٹنی سی زحمت برداشت کرنے کے بجائے دی، پی۔ داپس کرتے ہیں، یہ بات مناسب نہیں ہو۔ ہر داپس کرنے والے دی، پی۔ پر ادارہ کو دہر کا نقصان ہوتا ہو اور دی، پی۔ کرنے میں جو محنت اور وقت صرف ہوتا ہو وہ الگ ہا۔
- ۲۔ جو حضرات خریدار رہنا تو چاہتے ہوں مگر فوری طور پر چندہ بھیجنے سے معذور ہوں۔ وہ ہیں اپنا عذر اور انداز یہ کہ وہ کب تک اپنا چندہ بھیج سکیں گے کچھ بھیجیں۔ رسالہ انشاء اللہ جاری رکھا جائے گا۔ لیکن ان سے گزارش یہ ہو کہ دقت سہولت یا وعدہ کے مطابق خود ہی چندہ بھیجیں کسی یاد دہانی کا انتظار نہ فرمائیں۔
- ۳۔ جن اصحاب کی طرف اس طرح وعدہ پر جاری رکھے گئے رسالہ کے سلاخیں گذشتہ سال دو سال کے چندہ کی رقم باقی ہو وہ اپنی ذمہ داری کا احساس فرما کر حساب صاف کر دیں۔

۴۔ جن معاذین کو کام نے اس سال اعزازی خریداری قبول فرمائی تھی انھیں اگر کوئی عذر نہ ہو تو اس سلسلہ کو باقی رکھیں اور اگر بلا کسی خاص زحمت کے ہو سکے تو وہ حضرات بھی ادارے کے علاوہ دوسرے معاذین بھی اس حلقہ کی توسیع کیلئے کوشش فرمادیں۔ ساتھ ہی یہ بھی گزارش ہے کہ اعزازی خریداری قبول کرنے والے

حضرات اپنے کسی دوست یا عزیز کا پتہ ضرور تحریر فرمائیں تاکہ ہم ان کے حق سے بھی کسی درجہ میں سبکدوش ہو سکیں اور الفرقان کی افادیت کا حلقہ بھی وسیع ہو سکے۔

تجارت پیشہ ناظرین الفرقان کی خدمت میں!

خاص طور پر یہ عرض کرنا ہو کہ آپ میں سے جو حضرات اپنے تجارتی اشتہارات اخبارات و رسائل میں دیتے ہیں اس خدمت کیلئے الفرقان کو بھی یاد رکھیں الفرقان (بلا مبالغہ) ہندوستان و پاکستان کے اکثر دینی رسائل سے زیادہ پڑھا جاتا ہے اور ہندوستان و پاکستان سے باہر براہِ افریقہ اور سعودی عرب وغیرہ میں اس کا کافی وسیع حلقہ ہے۔ اجرت اشتہارات کی نئی شرح بھی نہایت مناسب رکھی گئی ہے۔ تمام مہذب اور ناقابلِ اعتراض اشتہارات شائع کرائے جاسکتے ہیں۔ تفصیلات کے لیے دفتر سے مراسلت کی جائے۔

افریقہ اور حجاز وغیرہ کے معاونین کی خدمت میں

خاص طور پر یہ گزارش کرنی ہو کہ جن حضرات کے ذمہ چندہ کی رقم باقی ہیں وہ براہِ کم حساب سامان فراہم فرمائیں۔ سال دو سال سے ختم معلوم کیا بات ہو کہ بہت کم معاونین اپنا چندہ بھجھنے کی طرف توجہ فرماتے ہیں حالانکہ ہم رسالہ برابر بھیج رہے ہیں۔ ایسے حضرات بن کی طرف سابقہ چندہ باقی ہوا ان کے رسالہ میں (پچھلے صفحہ پر) سرخ نشان لگا ہوا درمیں ایک پتہ چسپاں کر کے مطالبہ کی رقم کھد دی گئی ہو۔

پاکستانی معاونین سے

خاص طور پر یہ عرض ہو کہ اس ختم ہونے والے سال کے شروع سے آچکے چندہ میں ایک دو پیسہ کے عارضی اور اضافی اضافہ کی تجویز کی گئی تھی۔ ہم ممنون ہیں کہ اکثر حضرات نے اس اضافی اضافہ کو اپنے اور لازمی قرائے لیا اور بجائے پانچ کے چھ ہی پٹے لگائے، مگر اس فائدہ ہم پر یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ یہ اضافہ لازمی نہیں ہو۔ آپ اگر کچھ نہیں بھیجتا چاہتے یا نہیں بھیج سکتے تو بلا تکلف پانچ ہی بھیجئے۔ ہم پتے پر اپنا چندہ ہی شمار کریں گے۔ علیٰ ہذا یہ اضافہ مستقل نہیں ہو بلکہ عارضی ہو۔ اور ہماری شدت سے خواہش ہو کہ اسے جلد ہی ختم کر دیا اور اب پاکستان و ہندوستان کے ساتھ کی قیمت برابر ہو جانے کی وجہ سے امید ہو چکی ہے کہ وہ حالات اشتہارات ختم ہو جائیں گے۔ ان کی وجہ سے یہ اضافہ کرنا چاہتا تھا۔ آپ بھی دعا فرمائیں کہ یہ حالات جلد ختم ہوں تاکہ ہماری آپ کی مشکلات کا

خاتمہ ہو سکے۔ والسلام

خاکسار

منیر الفتان لکھنؤ

نوٹ: ہر خط و کتابت اور ترسیل درم
کہ وقت غیر خریداری کا حوالہ ضروری بھیجئے

عصر حاضر کی ضرورت مطابق

اردو زبان میں حدیث نبوی کی ایک تازہ ترین خدمت

جلد اول معارف حدیث

یعنی احادیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ

تالیف مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

اس کتاب میں کیا ہے اور اس کی کیا خصوصیات ہیں۔ اس کا صحیح اندازہ تو مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے یا الفرقان کے اطراف کو مفصل فہرست مضامین سے کچھ ہوا ہوگا جو الفرقان ماہ شعبان میں شائع ہو چکا ہے۔ پھر بھی کم از کم یہ اہم خصوصیت یہاں قابل ذکر ہے کہ یہ کتاب حدیث نبوی کی خالص علمی اور فنی خدمت کے طور پر پیش کی گئی ہے بلکہ احادیث نبویہ کی جو اصل غرض و غایت اور روح ہے اپنی ارشاد و ہدایت اور اصلاح و تہذیب کو کشش کی گئی ہے کہ یہی اس کتاب کی بھی رہی رہے۔ مگر اسی کے ساتھ ہر حدیث سے متعلق اُن سوالات کے پورے تشفی بخش علمی و تحقیقی جواب بھی دیے گئے ہیں جو آج کل کے پڑھنے والوں میں احادیث نبوی کے متعلق پیدا ہوتے ہیں یا کبھی پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات اور آپ کی تعلیم و ہدایت سے محبت رکھنے والے اہل ایمان اس کتاب کے مطالعہ سے اپنی دینی روح میں ایک تازگی اور نور ایمان میں اضافہ محسوس کویں گے اور ان کا دل جا بے گلا کسی طرح زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ مسلمانوں تک وہ پرتو نہ بچا سکیں۔

عربی مدارس کے طلبہ کے لئے بھی اس کا مطالعہ انشاء اللہ بہت زیادہ مفید اور موجب بصیرت ہوگا۔ شریعت میں مولف کے دیباچہ کے علاوہ اساتذہ حدیث حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب خطی کا ایک بسیط و مفہوم و مستند جس میں حدیث قرآن مجید سے بتلایا گیا ہے کہ دین میں حدیث و سنت کا کیا مقام ہے اور جو لوگ حدیث و سنت کے تحت نبیؐ کو اپنے کے منکر ہیں وہ قرآن حکیم کے کس قدر لصوص و بیانات سے نفرت کریں۔ یہ قدر لپٹنے موضوع پر جو کچھ خود ایک بہترین مقالہ ہے۔ ظاہری حیثیت سے یہی کتاب کہ بہتر سے بہتر شکل میں پیش کرنے کی ہم نے اپنی مدد یک پوری کوشش کی ہے۔

کافذ اہل سے اعلیٰ لکھا گیا ہے کتابت و طباعت بھی بفضل تعالیٰ مثالی اور میاری ہے

قیمت غیر عمدتین روپے بارہ آنے (پتہ) ————— محلہ گرو پش ہمار روپے آٹھ آنے (پتہ)

(پوری جلد پڑھنے کی ہے، جلد کی قیمت آگت بلاگت لکھی گئی ہے)

ملکزی کابینہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ (لکھنؤ)

